محدثین عظام
حیات و خدمات

مصنف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

ایم اے ایم ٹی ایچ پی ایچ ڈی
استاذ جامعہ شمس العلوم ضلع مئو (یوپی)

النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی
کچا رشید روڈ بلال گنج لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محدثین عظام

حیات و خدمات

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
ایم۔ اے، ایم۔ ٹی۔ ایچ، پی۔ ایچ۔ ڈی
استاذ جامعہ شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو (یوپی)

ناشر

النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی
کنہار شید روڈ بلال گنج لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب ———— محدثین عظام حیات وخدمات

مصنف ———— مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

اشاعتِ اوّل ———— ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء رضا اکیڈمی ممبئی

اشاعتِ دوم ———— ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء لاہور پاکستان

ناشرین ———— محمد مصطفیٰ اشرف / محمد مختار اشرف

باہتمام ———— حاجی محفوظ احمد قادری مصطفوی

واحد تقسیمِ کار

دارُالنّور مرکز الاویس، دربار مارکیٹ، لاہور

042-37247702, 0300-8539972, 0314-4979792

شرف انتساب

تاجدار اہل سنت حضرت علامہ مفتی مصطفٰے رضا خان
مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

کی

علمی و روحانی عظمتوں کے نام

جس نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور
علم کا اخلاص کا تسلیم کا ایماں کا نور

محمد عاصم اعظمی

فہرست مضامین محدثین عظام حیات وخدمات

عنوانات	صفحہ
حرف آغاز	۷
مقدمہ	۹
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۵۱
حضرت امام ابن جریج	۷۲
حضرت امام معمر بن راشد	۷۷
حضرت امام عبدالرحمٰن اوزاعی	۸۰
حضرت امام ربیع بن صبیح بصری	۸۹
حضرت امام شعبہ بن حجاج	۹۴
حضرت امام سفیان ثوری	۱۰۴
حضرت امام حماد بن سلمہ	۱۱۷
حضرت امام لیث بن سعد	۱۲۳
حضرت امام مالک بن انس	۱۳۱
حضرت امام حماد بن زید	۱۴۳
حضرت امام عبداللہ بن مبارک	۱۴۶
حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن حبیب	۱۵۳

عنوانات	صفحہ
حضرت امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ	۱۶۳
حضرت امام محمد بن حسن شیبانی	۱۶۶
حضرت امام اسماعیل بن علیہ	۱۷۵
حضرت امام حفص بن غیاث	۱۸۱
حضرت امام ولید بن مسلم دمشقی	۱۸۵
حضرت امام عبداللہ بن وہب	۱۸۹
حضرت امام وکیع بن جراح	۱۹۴
حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی	۲۰۲
حضرت امام سفیان بن عیینہ	۲۰۹
حضرت امام یحییٰ بن سعید قطان	۲۱۶
حضرت امام یحییٰ بن آدم	۲۲۲
حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی	۲۲۵
حضرت امام ابوداؤد طیالسی	۲۳۹
حضرت امام یزید بن ہارون	۲۴۴
حضرت امام عبدالرزاق	۲۵۰

عنوانات	صفحہ
حضرت امام عبداللہ بن زُبیر حُمیدی	۲۵۳
حضرت امام یحییٰ بن یحییٰ مَصمودی	۲۵۶
حضرت امام یحییٰ بن مَعین	۲۶۱
حضرت امام علی بن مَدینی	۲۷۱
حضرت امام ابو بکر بن ابی شیبہ	۲۷۶
حضرت امام قُتیبہ بن سعید بَلخی	۲۸۰
حضرت امام اسحاق بن رَاہویہ	۲۸۳
حضرت امام احمد بن حنبل شیبانی	۲۸۸
حضرت امام ابو محمد عبداللہ دارِمی	۳۰۳
حضرت امام محمد بن اسماعیل بُخاری	۳۰۷
حضرت امام مُسلم	۳۲۳
حضرت امام ابو زرعہ رازی	۳۳۲
حضرت امام محمد ابن ماجہ	۳۳۴
حضرت امام ابو داؤد سِجِستانی	۳۳۵
حضرت امام بقی بن مَخلَد	۳۵۳
حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی	۳۵۷
حضرت امام ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ کَشی	۳۶۳
حضرت امام ابو بکر بزّار	۳۶۶

عنوانات	صفحہ
حضرت امام محمد بن نصر مَروزی	۳۶۸
حضرت امام ابو عبدالرحمٰن نَسائی	۳۷۳
حضرت امام ابو یعلیٰ مُوصلی	۳۸۰
حضرت امام محمد ابن جَریر طبری	۳۸۲
حضرت امام محمد ابن خُزیمہ	۳۹۱
حضرت امام ابو عَوانہ اِسفرائنی	۳۹۸
حضرت امام ابو جعفر طحاوی	۴۰۱
حضرت امام ابو جعفر عُقیلی	۴۰۷
حضرت امام ابن ابی حاتم رازی	۴۰۹
حضرت امام محمد ابن حِبّان	۴۱۵
حضرت امام ابو القاسم طَبرانی	۴۲۱
حضرت امام عبداللہ ابن عَدی	۴۲۷
حضرت امام ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی	۴۳۱
حضرت امام ابو الحسن دَارقطنی	۴۳۵
حضرت امام ابو سلیمان حَمد خطّابی	۴۴۳
حضرت امام ابو عبداللہ حاکم	۴۴۷
حضرت امام ابو بکر احمد بن محمد بَرقانی	۴۵۳
حضرت امام ابو نُعیم اَصفہانی	۴۵۷

عنوانات	صفحہ
حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۶۲
حضرت امام ابوبکر خطیب بغدادی	۴۶۹
حضرت امام ابن عبدالبر قرطبی	۴۷۹
حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر حمیدی	۴۸۶
حضرت امام ابن ماکولا عجلی	۴۹۱
حضرت امام ابومحمد حسین فرا بغوی	۴۹۶
حضرت امام قاضی عیاض سبتی	۴۹۹
حضرت امام ابن العربی اشبیلی	۵۰۵
حضرت امام ابوسعد سمعانی	۵۱۱
حضرت امام ابن عساکر دمشقی	۵۱۶
حضرت امام ابن جوزی	۵۲۳
حضرت امام عبدالغنی مقدسی	۵۳۰
حضرت امام ابن اثیر جزری	۵۳۸
حضرت امام ضیاء مقدسی	۵۴۴
حضرت امام رضی الدین حسن صغانی	۵۴۸
حضرت امام زکی الدین منذری	۵۵۹
حضرت امام ابوزکریا نووی	۵۶۶

عنوانات	صفحہ
حضرت امام ابن دقیق العید	۵۷۳
حضرت امام دمیاطی شافعی	۵۷۸
حضرت امام ولی الدین خطیب تبریزی	۵۸۲
حضرت امام جمال الدین مزی	۵۸۵
حضرت امام شمس الدین ذہبی	۵۸۹
حضرت امام ابن حجر عسقلانی	۵۹۶
حضرت امام جلال الدین سیوطی	۶۰۳
حضرت امام شیخ علی متقی	۶۱۰
حضرت امام شیخ محمد طاہر پٹنی	۶۱۷
حضرت امام شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی	۶۲۱
حضرت شیخ نورالحق محدث دہلوی	۶۳۵
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۶۴۲
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۶۵۴
حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی	۶۶۰
حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی	۶۶۶
حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی گھوسی	۶۹۴
حضرت ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری	۷۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

ناچیز کے تحقیقی مقالہ ”حدیث نبوی کے اردو تراجم“ کے دو اولین ابواب علی الترتیب (۱) مشہور راویان حدیث صحابہ و تابعین (۲) محدثین عظام، تھے۔ جن میں صحابہ و تابعین اور محدثین عظام کے مختصر سوانحی حالات اور ان کی حدیثی خدمات کا اجمالاً تذکرہ کیا گیا تھا۔ بہار اردو اکیڈمی نے مقالہ کے محدود صفحات کی طباعت و اشاعت پر جزوی مالی تعاون دینا منظور کیا تھا جب کہ مقالہ کی ضخامت ساڑھے پانچ سو صفحات پر حاوی تھی۔ اس لیے صرف تین ابواب بدقت تمام ۱۹۹۰ء میں شائع کیے جا سکے۔ متذکرہ بالا ابواب مقالہ طبع نہ ہو سکے۔

ارادہ تھا کہ بعد میں یہ دونوں ابواب مناسب موقع پر یکجا کتابی صورت میں شائع کر دیے جائیں گے۔ دو چار سال بعد جب مسودہ پر نظر ڈالی گئی تو محسوس ہوا کہ تراجم بہت تشنہ ہیں کیوں کہ ترتیب مقالہ کے دوران اختصار مد نظر تھا اس لیے تفصیلات سے گریز کیا گیا تھا اور واجبی معلومات ضبط تحریر میں لائی گئی تھیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ راویان حدیث اور محدثین کے تذکرے ذرا تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں اور حدیث کے علاوہ ان کی دینی و علمی خدمات کے اہم پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جائے اور بہت سے اہم راویان حدیث اور محدثین جن کے تذکرے بخوف طوالت ترک کر دیے گئے تھے انہیں کتاب میں شامل کیا جائے تا کہ تاریخ حدیث کے ہر دور اور رجال حدیث کے ہر طبقہ کی نمایاں اور اہم شخصیتوں کا تعارف قارئین کے سامنے آ جائے۔ اس منصوبہ کے تحت چند سالوں کی کاوش سے جب کتاب تکمیل کے مرحلہ میں داخل ہوئی تو اندازہ ہوا کہ اس کے صفحات کی تعداد ۱۲۰۰ر تک پہونچے گی جس کا ایک جلد میں طبع کرانا ناچیز کی بساط سے باہر تھا چنانچہ سہولت کے پیش نظر کتاب کے دو حصے کر دیے گئے پہلا حصہ جو صحابہ و تابعین کے حالات اور علمی کارناموں پر مشتمل ہے محب گرامی حضرت مولانا محمد سعید نوری صاحب زید مجدہ ڈائریکٹر رضا اکیڈمی ممبئی کی

مساعی جمیلہ سے رضا اکیڈمی ممبئی نے ۲۰۰۵ء میں ''مشاہیر حدیث'' کے نام سے شائع کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ۔

زیر نظر کتاب مشاہیر حدیث کا دوسرا حصہ ہے جو محدثین عظام حیات وخدمات کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔ کتاب میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے لے کر ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین قادری علیہ الرحمہ تک ۹۸ مشہور ومقتدر محدثین کے حالات وواقعات اوران کی علمی وحدیثی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اوران کے متعلق ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

کتاب میں ان تمام عظیم محدثین کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے درس حدیث، روایت وکتابت اور تدوین حدیث کا مہتم بالشان فرض انجام دیا، ساتھ ہی ان محدثین کا بھی تذکرہ ہے جنہوں نے کسی خاص موضوع اور منہج پر احادیث رسول کی تخریج کی اور انہیں مدون کیا یا اہم کتب حدیث پر استدراک کیا۔ کسی مسئلہ پر متفرق احادیث کو یکجا کیا۔ کتب حدیث کی شرحیں لکھیں حدیث کے غریب اور نادر الفاظ اور جملوں کی لغوی تحقیق اور مناسب تشریح وتوضیح کی۔ ثقہ اور ضعیف راویوں کے حالات پر کتابیں لکھیں۔ جرح وتعدیل رواۃ کے اصول وضع کیے اور راویان حدیث کے حالات وکوائف کا دقت نظر سے مطالعہ کیا اور ان پر ثقہ، حجت، متقن، ثبت، کذاب، ضعیف، منکر، مجہول وغیرہ ہونے کا حکم لگایا۔ علوم حدیث اور تاریخ حدیث پر محققانہ کتابیں تصنیف کیں۔ جن پر علماء ملت اسلامیہ کا اعتماد ہے۔

ملک وملت کی مقتدر شخصیت حضرت مولانا محمد سعید صاحب نوری ڈائرکٹر رضا اکیڈمی کی حوصلہ افزائی کا دل کی گہرائی سے مشکور ومعترف ہوں جن کی عنایت سے یہ کتاب ہندوستان میں اہل سنت وجماعت کی انتہائی فعال ومتحرک تنظیم رضا اکیڈمی ممبئی سے شائع ہورہی ہے۔

ہیچ مداں

محمد عاصم اعظمی

بیت الحکمت محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو
۱۰ر صفر المظفر ۱۴۲۷ھ/۱۱ مارچ ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ)

اسلام اپنے نقطۂ آغاز ہی سے اعداء اسلام کی معاندانہ سرگرمیوں کا ہدف بنتا رہا ہے اور ہر ہر قدم پر پیغمبر اسلام کی دعوت حق وصداقت کو روکنے کی ہر سطح پر جدو جہد ہوتی رہی۔ مشرکین عرب ہوں یا حجاز کے یہود ونصاریٰ سب نے اسلام کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ میدان کارزار میں بزور شمشیر اسلام کو مٹانے کی ناپاک سعی لاحاصل کی گئی تو دوسری جانب مسلمانوں کو اسلام کی حقانیت وصداقت کے بارے میں شک وریب میں مبتلا کر کے دین حق سے برگشتہ کرنے کی خفیہ تدبیریں کی گئیں مگر اسلام کا روحانی کارواں مخالفتوں کے طوفان میں پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا تاہم شرار بولہبی چمن اسلام کو خاکستر کرنے کی ناپاک جسارتوں میں مصروف رہا اور اسلام کے خلاف یہود ونصاریٰ کی مکروہ سازشیں فریب ودجل کا تانا بانا بننے سے کبھی غافل نہ رہیں ان کی اس اسلام دشمن ذہنیت اور شیطانی مزاج کا اعلان قرآن حکیم نے اس طرح فرمایا:

"وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ" یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو صاف فرما دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔ (بقرہ ۱۲۰)

سرزمین حجاز سے اخراج کے بعد یہودی عسکریت مسلمانوں سے نبرد آزمائی کی ہمت وحوصلہ کھو بیٹھی مگر اسلام کے خلاف ان کی زہریلی ذہنیتیں ہمیشہ کارفرما رہیں اسلام جب جزیرہ نمائے

عرب سے آگے بڑھا تو نصرانی قوتیں پوری توانائی کے ساتھ مزاحم ہوئیں شام و مصر، صقلیہ اور اسپین کے محاذ جنگ پر عیسائیوں کی فوجی طاقت مسلمانوں کا مقابلہ کرتی رہی اور جب تک ان میں دم خم رہا میدان کارزار میں تیغ آزمائی کرتے رہے مگر اسلام کے غلبہ اور مجاہدین کے سرفروشانہ جذبات کے سامنے جب وہ پوری طرح پسپا ہو گئے تو انہوں نے یہودیوں کی روش اختیار کی اور مغربی دنیا کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت و شخصیت اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو مسخ کر کے دیار غرب میں پھیلانے کی مذموم کوشش کی اس عمل میں یہود و نصاریٰ برابر کے سہیم و شریک رہے اور انہوں نے اپنی دیرینہ عداوتیں بھول کر اسلام مخالف مشن پر کامل اتحاد کر لیا۔ "اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ"

تلوار کے بجائے قلم سے حرب و مجادلہ کا آغاز اہل کتاب میں سب سے پہلے جان آف دمشق (۷۰۰ء۔۷۴۹ء) نے کیا اور تحریری مناظرہ کے منفیانہ دور کی داغ بیل ڈالی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت و دشمنی کی تحریک کا آغاز کیا۔ فتح اسپین کے بعد یورپی اقوام کو مسلمانوں سے دور رکھنے اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے بے بہرہ کرنے کے لیے متعصب نصرانی اصحاب قلم نے اسلام اور مسلمانوں کی ایسی قلمی تصویریں پیش کیں جن کے مطالعہ سے اسلام کے خلاف دلوں میں نفرتیں جنم لیتی تھیں۔ اس طرح پورے یورپ کو اسلام اور مسلمانوں سے متنفر اور بیزار کر دیا گیا۔ صدیوں یہ عمل جاری رہا مگر صلیبی جنگوں (۱۰۹۵ء تا ۱۲۹۱ء) کے دوران یہ زہریلا مشن پوری توانائی کے ساتھ سرگرم عمل رہا اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل اور تیغ بکف کرنے کی ہمہ گیر جدوجہد کی گئی۔ اس زمانہ میں پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کا ایسا خاکہ پیش کیا گیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ رحمۃ للعالمین کی سیرت و شخصیت معاذ اللہ ایک ظالم و جابر قزاق کے کردار کی حامل ہے۔ اور ان کے متبعین انسانیت دشمن سفاک بھیڑیے ہیں۔

ایک فرانسیسی مستشرق ''کارادے فا'' مغرب کے اس رجحان کا اظہار اسطرح کرتا ہے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک طویل عرصہ تک مغرب میں بدنام تھے چنانچہ جو بھی بے سروپا حکایت یا برائی ملتی وہ ان کی طرف بے تکلفی کے ساتھ منسوب کر دی جاتی''۔ (کتاب ''محمدیہ'' ص ۲۰ مطبوعہ پیرس ۱۷۹۷ء)

صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد جب یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور مغربی اقوام نے صنعت و حرفت ایجاد و اختراع کے میدان میں قدم آگے بڑھایا اور یورپ کا صنعتی انقلاب بال و پر پھیلانے لگا تو ایجادات و اختراعات کے بطن سے استعمار اور ملک گیری کی ہوس نے جنم لیا اور ان کی

نگاہیں مسلم ممالک پر مرکوز ہونے لگیں۔ یورپی مصنوعات کی کھپت کے مسئلے نے انہیں بحیثیت تاجر اسلامی بلاد و امصار میں قیام کرے اور مسلمانوں سے رسم و راہ بڑھانے کی ضرورت کا احساس دلایا تو انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسلام اور مسلمانوں سے کھلا ہوا عناد سیاسی مصلحت بینی کے خلاف سمجھا۔ اسلامی ممالک پر تجارتی سکہ اور اقتدار قائم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسلام کی تاریخ کا ایک ایک پیچ و خم مسلمانوں کے افکار و عقائد اور ان کے سماجی رجحانات اور دینی شعور کے ایک ایک نشیب و فراز کا پتہ لگایا جائے اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ تک اور ان کے افکار و نظریات کی تہوں تک پہونچنے کی کوشش کی اور یورپ کے جامعات میں عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ کے شعبوں کی طرف خاص توجہ مبذول کی۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں اسلامی کتابیں جمع کی جانے لگیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد و کلام، سیرت و تاریخ کا بہت بڑا ذخیرہ ان یونیورسٹیوں میں جمع ہو گیا۔ فرانس، جرمنی، اٹلی کی یونیورسٹیوں نے بھی خاورشناسی کے شعبے قائم کیے اور انہوں نے بھی عام اسلامی کتابوں کے ساتھ نادر اور اہم مخطوطات فراہم کیے۔ مشرقیات کا درس لینے والے اور تحقیق کرنے والے اسکالروں کو خصوصی مراعات اور سہولتیں فراہم کی جانے لگیں۔ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور سیرت و تاریخ کی تعلیم و تدریس کا خصوصی بندوبست کیا گیا۔ ان ہی اسکالروں کو خاورشناس یا مستشرق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یورپ کے اسکالروں نے اپنی پوری پوری زندگیاں علوم اسلامیہ اور ادبیات عربی کی تحصیل، تحقیق اور مطالعہ میں صرف کر دیں، اسلام کے علمی اثاثہ اور ذخیرہ کی جستجو اور تفحص کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اس طرح انہوں نے مطالعے اور تحقیق کی نئی راہ کھولی اور ان کی تحقیقات کے کچھ مثبت و مفید نتائج بھی برآمد ہوئے مگر مذہبی عصبیت پوری عیاری سے اسلام دشمنی کی تخم افشانی کرتی رہی اور انہوں نے علمی تحقیق کے نام پر خوب خوب گل افشانی کی جن کے پردوں میں بددیانتی اور علمی تحقیق کے قتل عام کا پورا خارزار چھپا ہوا تھا۔ ایک یورپی اسکالر درمنگھم مستشرقین کی تحقیقی خیانتوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

> ”اسلام اور مسیحیت کے درمیان صدیوں کی جنگ نے دونوں کے مابین نفرت پیدا کی اور دونوں نے ایک دوسرے کو سمجھنے میں غلطی کی۔ البتہ ہمیں یہ بات تسلیم کرنا چاہیے کہ مغرب کی طرف سے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی زیادہ کوشش ہوئی ہے۔ ان سخت فکری مقابلہ آرائیوں میں مغرب نے واقعی تحقیق سے کام نہیں لیا۔ مستشرقین نے بازنطینی طریق بحث و مناظرہ کے ذریعہ اسلام کو اپنی ملامت

کا نشانہ بنایا۔ پھر اس کے بعد مغرب کے وظیفہ یاب شاعروں اور مقالہ نگاروں نے عربوں پر مسلسل حملے کیے، ان کے یہ حملے بے بنیاد بلکہ متضاد الزامات کی صورت میں تھے۔ (حیاۃ محمد ص ۱۲۵ پیرس ۱۹۲۹ء)

افسوس کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں علوم اسلامیہ کے شعبوں میں بھی مستشرقین استاذ ہوتے ہیں اور ان ہی کی نگرانی میں طلبہ اسلامیات پر ریسرچ اور تحقیق کرتے ہیں چونکہ مستشرقین نے اسلامی علوم کو اپنے قومی و مذہبی تعصبات اور اپنے ذہنی تحفظات کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے انہوں نے اسلامی علوم و فنون میں خامیاں کوتاہیاں پیش کی ہیں۔ انہوں نے اسلام کے اصول و ضوابط اور شریعت کے ماخذ و مصادر سے متعلق شکوک و شبہات کا انبار اکٹھا کر لیا ہے اور وہ اپنے شاگردوں کو بھی اپنی نہج پر اسلام سے متعلق ریب و شک میں مبتلا کرتے ہیں۔ علمی تحقیق کے نام پر مستشرقین نے اسلامیات پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اور انہوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اسلامی افکار و نظریات کی بنیادوں پر تیشہ زنی کی ہے اور مسلمانوں کے اس علمی طبقہ کو جو مغربی تعلیم، تہذیب اور ثقافت سے قریب تھا حدیث و تفسیر اور فقہ کے بارے میں گمراہی کی حد تک ریب و شک میں مبتلا کر دیا۔

یورپ کے مستشرقین جو یہودی یا نصرانی ہیں جن کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض و عناد تاریخ میں ایک مسلمہ حقیقت ہے ان کی عداوت کا کیا گلہ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اسلامی دنیا کے بزعم خود روشن خیال مغرب زدہ لوگوں نے مغربی تہذیب و ثقافت ہی کو قبول نہیں کیا بلکہ اسلامی علوم کے مطالعے میں یہودی اور نصرانی مستشرقین کو اپنا پیشوا اور رہنما بنا لیا اور ان کے باطل نظریات اور مبنی بر عناد تحقیقی نتائج کو ناقابل تردید حقیقت سمجھ لیا اور ان مستشرقین سے اپنا رشتہ مودت و ارادت قائم کر لیا جب کہ قرآن حکیم نے ان کے عناد اور چھپی ہوئی منافقانہ روش کی وجہ سے مسلمانوں کو ان دشمنان حق سے دور رہنے کی واضح ہدایت فرمائی۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان کو اپنا دوست بنائے گا تو وہ انہی میں سے ہے بیشک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔ (مائدہ ۵۱)

بڑے تعجب کا مقام ہے کہ قرآن حکیم کی واضح ہدایت کے باوجود مسلمانوں نے یہودی اور نصرانی مستشرقین کو صرف اپنا دوست ہی نہیں بلکہ رہنما اور مقتدا بنا لیا ہے اور اپنے دل و دماغ کی

لگام ان کے منحرف ہاتھوں میں دے دی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے اندر ایک ایسا طبقہ وجود میں آچکا ہے جو صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین فقہاء و محدثین اور علماء حق کے بجائے مستشرقین پر اعتماد کرتا ہے اور علوم اسلامی کے بارے میں ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو حرف بحرف درست جانتا ہے۔ اس طرح مستشرقین یورپ نے بڑی چابکدستی سے اپنے تلامذہ، مسلم سوسائٹی میں پیدا کر دیئے ہیں اور ان کی صدیوں پرانی کوششیں اب برگ و بار لا رہی ہیں اور ان کے اسلام دشمن باطل مزعومات کی اشاعت نام نہاد مسلمان اپنے اغراض و مقاصد کے لیے کر رہے ہیں۔ وہ گولڈز یہر اور پروفیسر شاخت کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے مبلغ اور داعی بن گئے ہیں۔

مصر میں ڈاکٹر توفیق صدقی نے رشید رضا مصری کے رسالہ ''المنار'' میں سلسلہ وار ایک مضمون شائع کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''اسلام صرف قرآن ہے احادیث کی ہم کو قطعاً ضرورت نہیں''۔

رسالہ کے ایڈیٹر رشید رضا نے بھی مضمون نگار کی ادارتی نوٹ میں تصدیق کی اور تائید میں لکھا کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع کیا تھا اسی لیے صحابۂ کرام نے حدیثوں کو قلم بند نہیں کیا اور نہ اکابر صحابہ کرام نے اس دور میں حدیثوں کو جمع کرنے کی طرف کوئی توجہ کی۔ خلفاء راشدین نے بھی اپنے دور خلافت میں اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ لکھنے والوں اور بیان کرنے والوں کی سرزنش کرتے رہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی موجودگی میں حدیث کی کوئی ضرورت نہیں تھی''۔

پھر مصر کے افق پر احمد امین، اسماعیل ادہم اور ابوریہ نمودار ہوئے جنہوں نے اپنے پیش رؤوں کی تقلید میں سرمایۂ حدیث کو ناقابل اعتبار ذخیرہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی۔

ہندوستان کے اندر انگریزی دور اقتدار میں مستشرقین کے متبعین کا ایک حلقہ پیدا ہوا جنہوں نے حدیث و سنت کو بے معنی قرار دیے کی وہی روش اختیار کی جو یورپ کے مستشرقین اور مصر کے مسلم روشن خیال دانشوروں نے کی ہے ان لوگوں میں مولوی چراغ علی، غلام احمد قادیانی، احمد الدین امرتسری، عبداللہ چکڑالوی، غلام احمد پرویز، نیاز فتحپوری اور عظیم بیگ چغتائی جیسے لوگ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے گئے اور ہندوستان میں منکرین حدیث کا ایک طبقہ اہل قرآن کے نام سے وجود میں آگیا اس طرح حدیث و سنت کے خلاف ایک وسیع محاذ کھول دیا گیا۔ مستند اور معتبر راویان حدیث محدثین اور شارحین حدیث کو تنقیص کا نشانہ بنایا گیا۔ حجیت حدیث کا انکار مختلف طریقوں سے

کیا گیا اور پوری مسلم سوسائٹی میں مقام حدیث کو فروتر کرنے اور حدیثوں کے خلاف ذہن وفکر میں تشکیک کا زہر بھرنے کی کوشش کی گئی۔

پرویز لکھتا ہے "یقینی چیز قرآن مجید ہے اور دین اسی کے اندر ہے..... احادیث یقینی نہیں ظنی ہیں اس لیے یہ دین قرار نہیں پاسکتیں ان کی حیثیت تاریخ کی ہے"۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۶۹، ۶۳)

حافظ محمد اسلم جیراج پوری نے لکھا "نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ہم کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے" (طلوع اسلام ص ۷، ۱۰ دسمبر ۱۹۵۰ء)

احادیث قرآن کی شرح وبیان ہیں:

منکرین حدیث کی ان ہذیانات کو تسلیم کر لیا جائے اور حدیث وسنت کو چھوڑ کر صرف قرآن حکیم کے اجمالی قانون اور آئینی دستور کی روشنی میں اسلامی شریعت اور قانون کو مرتب کرنے کی کوشش کی جائے تو عقائد وعبادات معاملات اور ہر نوع کے مسائل، پوری جامعیت کے ساتھ دستیاب نہیں ہو سکتے اور دین کے کسی ایک حکم پر کلی طور پر عمل پیرا ہونا دشوار ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ نماز وروزہ ہو زکوٰۃ اور حج، جہاد، معاشرتی اور معاشی امور ومسائل کسی کی واضح اور کامل شکل وجود میں نہیں آسکتی جس پر عمل کیا جاسکے کیوں کہ قرآن حکیم اسلام کی دستوری اور آئینی کتاب ہے جس کے اندر احکام ومسائل اجمالاً بیان ہوئے ہیں جو اصول دین وشرع پر مشتمل ہیں جزئیات کی تفصیل نہیں، احکام قرآنی کی تفصیل اور بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے "لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة" قرآن حکیم کے اصول واحکام کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور توضیح کی اشد ضرورت ہے صرف عربی زبان وادب کی مہارت قرآنی غوامض واسرار تک نہیں پہونچا سکتی۔ صحابہ جو عرب تھے اور عربی زبان کے اسالیب بیان اور لغات سے واقفیت رکھتے تھے جب انہیں کسی آیت کو سمجھنے اور اس کے حکم کو تفصیل سے جاننے کی ضرورت محسوس ہوتی تو حضور سے دریافت کیا کرتے۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" اور ہم نے اتارا ہے تم پر یہ یادگار تا کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اتارا اور کہیں وہ ان کی طرف دھیان کریں۔ (نحل ۴۴)

آیت بالا میں لفظ للناس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اگر چہ خود بیان سہی لیکن ہر شخص اس

بیان کے سمجھنے سے قاصر ہے اس قصور کی وجہ سے اس بیان کو اور واضح کرنے کے لیے رسول کی ضرورت ہے۔

اسی طرح قرآن اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کی تاکید فرماتا ہے۔ ارشاد ہوا "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے امراء کی۔ (سورۂ نور)

اس آیت کریمہ میں لفظ اطیعوا کی تکرار واضح کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مستقل فریضہ ہے۔

اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے ساتھ سنت رسول کی اتباع اور اطاعت ناگزیر ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ آیا ہے نماز کے اوقات اس کی رکعات طریقۂ ادا، زکوٰۃ کا نصاب مدت مقدار مذکور نہیں نماز اور زکوٰۃ روزہ اور حج اور دیگر عبادات و اعمال ہم اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ادا کرتے ہیں یہ چیزیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہونچی ہیں اور یہ اعمال حدیث رسول کے قطعی الثبوت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

صحابہ کرام ہر معاملہ میں دیکھتے تھے کہ آپ کا طریقہ کیا رہا ہے اور پھر اسی کے مطابق عمل کرتے تھے صحابہ کے بعد ہر زمانہ کے علماء نے اسلامی قانون کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے قرآن کے بعد حدیث کو دوسرے دَرجہ پر رکھا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ترکتُ فیکم الثنین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب الله وسنتی" میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تم ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے کبھی بے راہ نہیں ہو سکتے"۔ (۱) اللہ کی کتاب (۲) میری سنت (حدیث) (الحاکم)

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ "نہ حدیث پر ہمارا ایمان نہ اس پر ہمیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے" کس قدر لچر اور بے بنیاد ہے۔

حدیث نبوی کی حفاظت وصیانت:

منکرین حدیث کے گروہ نے حدیث وسنت کو نظر انداز کرنے کے لیے تاریخی حقائق کے علی الرغم اپنے بے بنیاد خیالوں کو بڑے زور وشور کے ساتھ پیش کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے علاوہ کسی چیز کو لکھنے یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کا کوئی جتن نہیں کیا اور اسی روش پر خلفاء راشدین قائم رہے۔

مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا اور نبی کریم نے اس کے الفاظ محفوظ کر کے اسے امت کے پاس چھوڑا اور پورا پورا اطمینان کر لیا کہ اس کے الفاظ کتاب کے اندر اور حفاظ کے سینے میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرم نے کسی چیز کو نہ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا نہ سنا۔ نہ اس کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی۔ حضور کے بعد خلفاء راشدین نے بھی نہ احادیث کا کوئی مجموعہ تیار کرایا نہ کوئی جماعت پیدا کی جو انہیں یاد کرے برعکس اس کے ایسی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ جن سے ظاہر ہے کہ حضور اور ان کے جانشینوں نے اس کی مخالفت کی"۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۶۷)

مسٹر پرویز کا یہ دعویٰ تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ حدیث و سنت کی محافظت اس کی اشاعت اور روایت و کتابت کا اہم کام عہد رسالت ہی سے شروع ہو چکا تھا اور یہ سلسلہ پورے تسلسل اور ربط کے ساتھ صحاح ستہ کے مصنفین اور بعد کے محدثین تک جاری رہا۔ عہد رسالت سے لے کر آج تک مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن کی طرح حدیث رسول بھی دین و شریعت کا مصدر ہے۔

قرآن حکیم دین کی اساس ہے جو اپنے زمانہ نزول سے لے کر صبح قیامت تک مسلمانوں کے لیے دین و شریعت کا مصدر اول ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خداوند تعالیٰ نے لیا ہے۔ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" یعنی بیشک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے"(سورۂ حجر آیت ۹)

قرآن حکیم میں شریعت و احکام کے جملہ اصول و ضوابط بیان کر دیے گئے ہیں لیکن بہت سے مسائل و احکام کی تفصیلات و جزئیات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے اس کی توضیح و تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

یہ منصب اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض فرمایا:

"وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُ فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" اور ہم نے تم پر یہ کتاب نہیں اتاری مگر اس لیے کہ تم لوگوں پر روشن کر دو جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے۔ (سورۂ نحل ۶۴)

قرآن مجید کی وضاحت اور تشریح کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ایک ملکہ و فہم پیدا فرما دیا تھا جو آپ کی نبوت کا امتیاز اور خصوصیت تھی اس سلسلہ میں آیت قرآنی

ملاحظہ ہو۔ " اِنَّـآ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ " اے محبوب بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔ (نساء ۱۰۵)

خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ " وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ (سورہ جمعہ ۲)

یہی وہ حکمت یا سنت ہے جس کو آیت متذکرہ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں مقدام بن معدیکرب سے یہ روایت منقول ہے سرکار نے فرمایا "الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ" سن لو مجھے کتاب اور اسی جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے۔

یہ چیز حکمت ہی ہے خداوند تعالیٰ رسول اللہ کی صفت اور مقام نبوت کا تذکرہ اس طرح فرماتا ہے "يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ" وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔ (سورہ اعراف ۱۵۶)

اور ارشاد فرمایا گیا " ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا" رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے اختیار کرو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔ (حشر ۷)

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ " جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"۔ (مسلم ج ۲ کتاب الفضائل)

دوسری جگہ ارشاد ہوا" ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فافعلوہ" میں جس چیز سے تم کو منع کروں اس سے رک جاؤ اور جس چیز کا حکم دوں اس کو اختیار کرو۔ (ایضا)

ان واضح آیات واحادیث کی روشنی میں یہ امر مسلم ہے کہ قرآن کے ساتھ حدیث وسنت

پر عمل پیرا ہونا اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت دین حق کی بنیاد ہے اور اس حقیقت صحابہ سے لے کر آج تک تمام اہل اسلام عقیدہ کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں یہی وجہ ہے مسلمانوں نے جس طرح قرآن کی حفاظت وصیانت کا اہتمام کیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل کے اقوال وافعال اور تقریرات کو سینوں اور سفینوں میں محفوظ کیا اس کے حصول، حفاظت اور اشاعت کی کوششوں میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت وجلوت سفر وحضر کے تمام حالات وواقعات اقوال وافعال کو دین سمجھ کر دیکھا، سنا، یاد کیا اور آپ کے اوام ونواہی پر عمل کیا۔ عہد رسالت میں کتابت وتحریر حدیث کا عمومی طور پر کام نہیں ہوا لیکن محیر العقول قوت حفظ وضبط رکھنے والے صحابہ نے احادیث رسول کو محفوظ و مامون رکھنے کی جو سعی بلیغ کی اس کا انداز کثیر الروایہ صحابی رسول حضرت انس بن مالک (خادم رسول) رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔

''ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حدیثیں سنتے رہتے تھے جب آپ مجلس سے اٹھ جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا ''دور'' کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کل حدیثیں بیان کر جاتا پھر دوسرا پھر تیسرا بسا اوقات ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے تھے اور وہ ساٹھوں باری باری سے بیان کرتے تھے اس کے بعد جب ہم اٹھتے تھے تو حدیثیں اس طرح ذہن نشیں ہوتی تھیں کہ گویا ہمارے دلوں میں بودی گئی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۱)

صحابہ کا یہ طرز عمل واضح کرتا ہے کہ وہ حدیث کو دین سمجھتے تھے اور اس کی حفاظت اپنا مذہبی فریضہ قرار دیتے تھے اور اس لیے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کو سننے والے یاد کرنے والے اور دوسروں تک پہونچانے والے کے حق میں بشارت دی تھی۔ ''نضر اللہ امرا سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ '' اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز (خوش) رکھے جو میری کوئی حدیث سن کر یاد کرے اور خوب سمجھ لے پھر اس کو جس طرح سنا ہے اسی طرح دوسرے کو پہونچادے۔
(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

روایت حدیث کا حکم دیتے ہوئے سرکار نے فرمایا: '' لیبلغ الغائب الشاھد عسی ان یبلغ من ھو اوعی منہ '' جو حاضر ہے ان لوگوں تک پہونچائے جو حاضر نہیں ہیں ممکن ہے وہ کسی ایسے تک پہونچادے جو اس سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔ (بخاری، مسلم)

صرف حضرت انس ہی کا یہ طرز عمل نہ تھا بلکہ تمام صحابہ کرام رسول اللہ کی احادیث کو سننے

مشاہدہ کرنے یاد رکھنے اور ضرورت کے وقت دوسروں تک پہونچانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انہی حدیثوں کو منسوب کرتے جن کو انہوں نے پورے ہوش وگوش کے ساتھ سنا دیکھا اور محفوظ کیا۔ وہ حدیثوں میں کذب بیانی کی وعید سے ہمیشہ لرزاں اور ترساں رہتے تھے۔ کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے ایک بار حضرت زید بن ارقم کی تکذیب وتغلیط کرتے ہوئے کہا " **کذبت ولکنک شیخ قد خرفت** " تو نے جھوٹ کہا اور لیکن تو فاسد العقل بوڑھا ہو چکا ہے، تو اس کے جواب میں حضرت زید بن ارقم نے فرمایا " **اما انہ سمعتہ اذنای ووعاہ قلبی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ماکذبت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** " سن لو یقیناً میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اور میرے قلب نے اسے محفوظ کرلیا ہے کہ جو کوئی دیدہ ودانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کا انتساب نہیں کیا ہے"۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۸۶/۹)

حضرت علی نے ایک موقع پر فرمایا " **اذا حدثتکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلان اخر من السماء احب الی من ان اکذب علیہ** " جب میں تم لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں تو مجھے آسمان سے گر جانا پسند ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کا انتساب پسند نہیں۔ (شرح صحیح مسلم باب فضائل الصحابہ)

صحابہ کے بعد ان کے تلامذہ تابعین نے اس اہم ذمہ داری کو اٹھایا اور حفظ وروایت حدیث کا مہتم بالشان فریضہ انجام دیا ان کے بعد تبع تابعین اور محدثین کا دور آیا تو انہوں نے دین کے اس سرمایہ کو حاصل کرنے، ذہنوں میں محفوظ رکھنے، صحیفوں میں لکھنے اور اس کی تعلیم واشاعت کے لیے حیرت انگیز مساعی جمیلہ پیش کیں۔

طلب حدیث کے لیے سفر:

قرآن حکیم ہی کی طرح حدیث نبوی دین وشریعت کا سرچشمہ اور قرآنی اصول واحکام کی تشریح وتوضیح ہے یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام، تابعین، عظام اتباع تابعین اور محدثین نے اسے حاصل کرنے اور اس کی تحقیق وجستجو، تعلیم واشاعت اور تدوین وترتیب میں حیرت انگیز کاوش اور

جدوجہد کی بلکہ اس اہم کام کے لیے پوری زندگی وقف کردی۔ حدیثوں کی تحصیل اور سند عالی کے حصول کا عمل عہد صحابہ سے ہی شروع ہوگیا تھا اور ایک ایک حدیث کے سننے کے لیے طویل اور صبر آزما سفر کی مشقتیں برداشت کی جاتیں۔

حضرت عبداللہ بن انیس جہنی مصر میں مقیم تھے۔ وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث بیان کرتے تھے حضرت جابر کو معلوم ہوا تو بازار میں جا کر ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے ایک مہینہ میں مصر پہونچے لوگوں سے پوچھتے ہوئے ان کے دروازہ پر گئے؛ اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آکر لپٹ گئے اور پوچھا آپ کس لیے تشریف لائے؟ بولے قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کو روایت کرتے ہیں اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے اس لیے میں نے چاہا کہ قبل اس کے کہ ہم دونوں میں سے کسی کی موت آئے میں آپ سے اس حدیث کو سن لوں۔ (حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۷۸)

تابعین عظام صحابۂ کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر حدیثیں سنتے یاد کرتے اور اس مقصد خیر کے لیے وہ دور دراز شہروں اور ملکوں کا سفر کیا کرتے۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں "کنت ارحل الایام واللیالی فی طلب الحدیث الواحد" میں ایک حدیث کے لیے کافی شب و روز کا سفر کیا کرتا تھا۔ (الحدیث والمحدثون ص ۱۹۳)

مشہور تابعی محدث امام مکحول اپنے حصول علم حدیث کے کوائف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "عتقت بمصر فلم ادع بها علما الا حویته فیما اری ثم اتیت الاعراق ثم المدینة فلم ادع بها علما الا حویت علیه اری ثم اتیت الشام فغربلتها" میں مصر میں بنی ہذیل کی ایک عورت کا غلام تھا اس نے مجھے آزاد کردیا میں مصر سے نہیں نکلا مگر مصر میں علم (حدیث) کا جو ذخیرہ تھا اپنے خیال میں اس پر حاوی ہوگیا پھر میں حجاز آیا اور وہاں سے نہیں نکلا مگر وہاں کے سارے علم کو اپنی دانست میں حاصل کرلیا۔ پھر میں عراق آیا اور وہاں سے نہیں نکلا مگر اپنے علم کے مطابق وہاں کے سارے علم پر حاوی ہوگیا پھر میں شام آیا اور یہاں کے علم کو میں نے چھلنی میں چھان لیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۲)

صحابہ اور تابعین کی طرح اتباع تابعین اور محدثین نے صحیح اور درست طریقہ سے حدیثوں کی سماعت کی اور یقین و اعتماد کے ساتھ حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے۔

امام مالک نے اگرچہ سفر حج کے علاوہ مدینۃ الرسول کو کبھی نہ چھوڑا انہوں نے مدینہ کے

تابعین اور وہاں وارد ہونے والے اصحاب حدیث سے حدیثوں کا سماع کیا تاہم ان کے حصول علم کا یکراں جذبہ انہیں مضافات مدینہ میں لے جاتا۔ حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے باہر بقیع کے نزدیک قیام پذیر تھے، امام مالک کے پڑھنے کا وقت دوپہر کا مقرر تھا امام مالک دوپہر کے وقت چلچلاتی ہوئی دھوپ اور تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر چل کر بقیع آتے تھے اور اسی تیز دھوپ اور لو میں کھڑے ہوکر حضرت نافع کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے جب وہ نکلتے تو ان کے ہمراہ ایک دوسرے حجرے میں بیٹھ کر حدیث وسنت سیکھتے۔ ایک دوسرے استاذ سے حدیث سیکھنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ”مدینہ کے ایک فقیہ ابن ہرمز تھے ان کے گھر کبھی صبح کو آتا تھا تو رات کو واپس لوٹتا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۸۔۷)

امام اعظم ابوحنیفہ مرکز علم کوفہ کے باشندے تھے انہوں نے طلب حدیث کے لیے بصرہ، بغداد اور حرمین شریفین کے متعدد سفر کیے اور وہاں کے اکابر حدیث سے حدیثیں سنیں۔ امام شافعی نے مکہ، مدینہ، یمن، کوفہ، بغداد اور مصر کے علماء حدیث سے حدیثوں کا ذخیرہ حاصل کیا کتاب موطا اگرچہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں یاد کرلی تھی مگر براہ راست موطا کی سماعت کے لیے عسرت وتنگدستی کے باوجود بڑی مشقت سے مدینہ کا سفر کیا اور امام مالک کی بارگاہ میں پہونچ کر موطا قرأت کی اس طرح براہ راست وہ امام مالک سے موطا کے ناقل ہوئے۔

امام احمد بن حنبل کا قیام اگرچہ اسلامی علوم وفنون کے مرکز بغداد میں تھا اور انہوں نے وہاں کے فقہاء ومحدثین سے علم کی دولت حاصل کی مگر حدیث کی تحصیل کے لیے انہوں نے دور دراز ملکوں کے سفر بے سروسامانی اور تنگدستی کی حالت میں کیے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ انہیں دور دراز شہروں کا سفر پاپیادہ طے کرنا پڑا۔ انہوں نے کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منظمہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور احادیث کریمہ کے درو جواہر سے اپنا دامن مالا مال کیا۔

مشہور محدث اسحاق بن راہویہ نے طلب حدیث کے لیے حجاز، یمن، عراق اور شام وغیرہ کا سفر کیا۔ امام ابومحمد عبداللہ دارمی نے بھی اس عظیم مقصد کے لیے دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔

امام بخاری جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں انہوں نے طلب حدیث کے لیے حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ اور بغداد کے متعدد سفر کیے۔ ایک ایک حدیث کی تحقیق کے لیے انہوں نے کئی کئی شہروں کا بار بار سفر کیا۔ اپنے اسفار کا اجمالی تذکرہ خود فرماتے ہیں: ”دخلت الی الشام ومصر والجزیرۃ مرتین والی البصرۃ اربع مرات و اقمت بالحجاز ستۃ اعوام ولا احصی

کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین" میں شام، مصر اور جزیرہ دو بار گیا اور بصرہ چار بار اور میں حجاز میں چھ سال تک مقیم رہا اور میں شمار نہیں رکھتا کہ کتنی بار کوفہ اور بغداد کے محدثین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (الحدیث والمحدثون ص ۳۵۴)

امام مسلم جن کا نام تاریخ حدیث میں امام بخاری کے ساتھ آتا ہے انہوں نے اپنے وطن نیشاپور کے محدثین ہی سے اکتساب علم پر قناعت نہیں کی بلکہ حرمین شریفین، مصر و شام، بغداد، بصرہ، کوفہ اور دوسرے علاقوں کا سفر کر کے حدیث نبوی کی متاع بے بہا سے استفادہ کیا۔

یہ چند نام تو بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں اسماء الرجال اور تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک جتنے بھی علماء حدیث گذرے ہیں ان کی غالب اکثریت طلب حدیث کے لیے دور دراز ملکوں اور شہروں کا بلا تکلف سفر کرنے والی تھی۔ آج ہم تاریخ کے اس دور میں سانس لے رہے ہیں جب نقل و حمل اور رسل و رسائل کے ایسے ذرائع ہیں جن کے ذریعہ گھنٹوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک بلکہ شرق سے غرب اور جنوب سے شمال کا سفر طے کر لیتے ہیں مگر اس دور میں مواصلات اور نقل و حمل کا تصور کیجئے اور ان محدثین کرام کی ہمت و قوت، ارادہ، اولو العزمی حوصلہ اور شوق علم کی داد دیجئے۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مختلف مکاتب فکر اور فرقوں کے باہم کشمکش اور تنازعوں کی بنا پر غبار آلودہ ذخیرۂ حدیث سے صاف ستھرے، نکھرے اور کھرے موتی نکال کر قابل اعتماد اور اطمینان بخش احادیث رسول کا مجموعہ تیار کریں کامیابی نے ان کے قدم چومے اور امت مسلمہ ان کی گرانقدر کوششوں کے ثمرہ سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔

اولو العزم، بلند حوصلہ محدثین عظام نے جس صبر آزما کد و کاوش کے ساتھ حدیثوں کو جمع کیا تحقیق حدیث اور سند عالی کی طلب میں انہوں نے ملکوں ملکوں، شہروں شہروں اور اسلامی قصبات و قریات کے چپے چپے چھاننے اور سفر کی جاں گسل مشقتیں برداشت کیں۔

احادیث نبوی کا سرمایہ جوامت کے مقتدر اصحاب علم، دین دار متقی، افراد کے ذریعہ ہم تک پہونچا منکرین حدیث معاذ اللہ ان کو جعلی قرار دیتے اور اس تاریخی حقیقت کو جھٹلانے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے اور حدیثیں موضوعات کا دفتر ہیں۔

عبد اللہ چکڑالوی لکھتا ہے:

"فی الحقیقت،، حدیث میں اس قدر لغویات، ہزلیات اور دور از کار اور بے سروپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بدنما بتاتی ہیں۔ لیکن واضعین احادیث نے یہ بڑی کاریگری

کی کہ اس کو خاتم النبیین کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بدشکل چہرہ پر سفیدہ مل دیا''۔

(برہان الفرقان ص۱۰۹)

دوسری جگہ لکھتا ہے:

''میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کریہہ المنظر، بدصورت، زشت رو، بدشکل مصنوعی چیز ہے اس کو رسول سلام علیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود یہ ہزلیات گڑھ لیں اور کمال سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ سلام علیہ کے ذمے لگا دیا ہے''۔ (الزکوٰۃ والصدقات ص۱۲-۱۳)

عبداللہ چکڑالوی نے مشہور مستشرق پروفیسر شاخت کے نقطۂ نظر کو اپنے بے اصل دعوے کا مرکز قرار دیا۔ شاخت لکھتا ہے۔

''احادیث کی اسناد کا بہت بڑا حصہ فرضی ہے یہ سب کو معلوم ہے کہ اسانید ابتدائی شکل میں شروع ہو کر تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں اپنے درجۂ کمال کو پہونچے، اسانید کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو معمولی توجہ کا بھی مستحق نہیں ہے جو جماعت اپنی راویوں کو متقدمین سے منسوب کرنا چاہتی وہ اپنی پسندیدہ شخصیتوں کا انتخاب کر کے اسناد میں شامل کر دیتی'' (اورنجس ص۱۶۳،۶۴)

یہ وہ باطل نظریہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں حدیثیں پورے تسلسل اور ربط کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر محدثین عظام تک پہونچیں اور محدثین نے ہوا پرست واضعین حدیث کی تمام موضوعات کو چھان پھٹک کر صحیح احادیث سے الگ کر دیا۔

فن اسماء الرجال:

مستشرقین اور منکرین حدیث کے اس غلط دعوے کو اگر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیثیں حضور کے سو سال بعد یا دو سو سال بعد معرض تحریر میں آئیں جب بھی حدیثوں کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا اس لیے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو بحالت ایمان آپ کا دیدار کرنے والے اور آپ کے قول وفعل کا سماع ومشاہدہ کرنے والے ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ اور صحابیات موجود تھے جنہوں نے حدیثوں کو دین سمجھ کر قبول کیا ان پر عمل پیرا رہے اور ان کی روایت تابعین نے کی جن کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں سے متجاوز تھی۔

انہوں نے بھی صحابہ ہی کی طرح حدیثوں پر تعامل کیا اور ان کی روایت اپنے تلامذہ اتباع تابعین سے کی جو بلاشبہہ عرب، مصر وشام، عراق وایران بلکہ سندھ سے لے کر اسپین تک پھیلے ہوئے

لاکھوں مربع میل لمبے چوڑے کرۂ ارض میں موجود تھے اور پھر ان سے محدثین عظام نے حدیثیں سنیں یاد کیں اور تحریر کیں۔ روایت حدیث کا یہ نظام عہد صحابہ سے محدثین تک جس ربط و تسلسل کے ساتھ قائم ہے اس کی مثال آج دنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

کوئی محدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو جب بیان کرتا ہے تو متن حدیث کے ساتھ ان شیوخ ورجال کا بھی تذکرہ کرتا ہے جن سے اس نے خود حدیث سنی اور جس سے اس کے شیخ نے اور جس سے اس کے شیخ نے اسی طرح یہ سلسلۂ سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک پہونچتا ہے یہی چوں کہ سندیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی قول وفعل کے انتساب کا ذریعہ ہیں اسی لیے علم حدیث میں سندوں کو نصف علم کا درجہ دیا گیا ہے کیوں کہ حدیثوں کا صحیح وسقیم، قوی وضعیف ہونا سندوں ہی پر منحصر ہے اس لیے مسلمانوں نے سند حدیث میں آنے والے تمام راویوں کے حالات وکوائف ضبط کیے اور ان کی اخلاقی دینی حیثیتوں کو پورے طور پر جاننے کی کوشش کی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی دیا تھا۔ عبداللہ بن عمر سے فرمایا "یا ابن عمر دینک انما هو لحمک ودمک فانظر عمن تاخذ خذ عن الذین استقاموا ولا تاخذ عن الذین مالوا" اے ابن عمر اپنے دین کی حفاظت کرو دین تمہارا گوشت اور خون ہے دیکھو کہ کس سے علم دین حاصل کرو گے ان لوگوں سے حاصل کرو جن میں دینی استقامت ہے اور ان لوگوں سے نہ حاصل کرو جن میں زیغ (کجی) ہے۔

حضرت علی مرتضی نے فرمایا "انظروا عمن تاخذون هذا العلم فانما هو الدین" تم لوگ دیکھو کہ کس سے اس علم کو سیکھتے ہو یہ تمہارا دین ہے"۔

سفیان ثوری سندوں کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں " الاسناد سلاح المؤمن فاذا لم یکن معه السلاح فبای شئ یقاتل "سند مومن کے لیے اسلحہ ہے جب اس کے پاس اسلحہ نہ ہوگا تو اہل ہوا سے کس چیز سے جنگ کرے گا۔

سندوں کی اسی اہمیت نے مسلمانوں میں فن اسماء الرجال کی تہذیب وترتیب کا داعیہ پیدا کیا اور صحابۂ کرام سے لے کر محدثین عظام تک کے تمام راویان حدیث کے سوانحی حالات ان کے کردار ان کی عملی ودینی حیثیت ثقاہت وعدالت کذب وضعف تمام امور کا مہتم بالشان ریکارڈ تیار کر لیا گیا۔ یہ فن امت مسلمہ کے مفاخر میں سے ہے محدثین نے رواۃ حدیث کے احوال وکوائف کو کتابوں میں جمع کیا۔ جن سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ حدیث بیان کرنے والا کون ہے؟ اس کا

سلسلۂ نسب کیا ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ کب پیدا ہوا کتنی عمر پائی۔ آخر عمر تک اس کی یادداشت میں فرق تو نہیں ہوا اس نے حدیثیں کس سے سنیں؟ حافظہ کیسا ہے؟ دینداری اور تقویٰ کے لحاظ سے کس درجہ کا ہے؟ اس کے عقائد کیسے ہیں؟ کسی خاص فرقہ کا داعی تو نہیں ہے؟ عام معاشرتی زندگی میں اس کی صداقت و دیانت پر بھروسہ کیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس کے معاصرین اور اس سے ملنے والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ غرضیکہ راوی کے وہ تمام حالات معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن سے اس کا سچا ہونا ثقہ اور قابل اعتماد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس کی زندگی کے کسی پہلو پر دینی نقطۂ نگاہ سے حرف آتا ہے یا اس کی صداقت مشتبہ ہے یا اس کا جھوٹ کسی معاملہ میں کبھی ظاہر ہوا ہے یا دین کے معاملہ میں وہ مخلص نہیں ہے تو بلا رو رعایت اس کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا جاتا ہے اور اس کے اخلاقی معائب اور دینی کوتاہیوں کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔ ان تفصیلات کو دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں ہے اسی لیے ہر دور میں فن اسماء الرجال کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر اشپرنگر نے الاصابہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں نہ ایسی گذری نہ موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا فن ایجاد کیا جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

احادیث نبویہ کی حفاظت کے لیے خداوند تعالیٰ نے عہد رسالت سے لے کر حدیث کی کتابی تدوین اور ترتیب کے کئی صدیوں پر محیط زمانے میں ایسے اہل علم و دانش رجال حدیث پیدا کیے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول و فعل، اخلاق و اوصاف اور آپ کی ذات سے ادنی درجہ تعلق رکھنے والی ایک ایک چیز کی تمام تفصیلات کو پوری تحقیق اور اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا، صحابۂ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور ان کے بعد ان کے تلامذہ پھر ان کے تلامذہ کے ذریعہ احادیث کی حفاظت اور نقل و روایت کا ایک ایسا مربوط، مسلسل و مستحکم نظام قائم ہوا کہ جس میں کسی تحریف و تلبیس کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں مذہبی تعلیمات کا ایسا مربوط و مسلسل، مضبوط و مستحکم نظام روایت اسلام کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آتا صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے رسول کی ایک ایک ہدایت کو پوری احتیاط کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل کیا۔

محدثین اپنی کتابوں میں جس حدیث کو نقل کرتے ہیں اس کا سلسلۂ سند معتبر راویوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک پہونچاتے ہیں اور سلسلۂ سند میں آنے والے

تمام راویان حدیث کے حالات زندگی اور ان کی علمی ودینی حیثیت کے آئینے محفوظ ہیں۔ پھر مستشرقین اوران کے نام نہاد مسلمان متبعین کا یہ بے اصل دعویٰ کہ تمام سندیں جعلی ہیں کسی نے کسی سے نہیں سنا اور نہ کسی نے کسی سے روایت کی محدث نے اپنے گھر بیٹھے بیٹھے حدیثیں گڑھیں اور جعلی سندوں کے ذریعہ انہیں رسول اللہ سے منسوب کر کے اپنی کتابوں میں محفوظ کرلیا جب کہ یہ محدثین صدق ودیانت میں ممتاز اوران کے شیوخ ایمانداری کا پیکر تابعین اور صحابہ ان کی صدق وامانت، خلوص وللٰہیت اورقوت حفظ وضبط ضرب المثل ہے۔ ایسے معتبر اور ثقہ راویان حدیث شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے حدیث رسول کو اپنے شیوخ سے انہوں نے اپنے شیوخ سے انہوں نے تابعین سے انہوں نے صحابہ سے اور صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اوران کے افعال وتقریرات کو بچشم خود دیکھا کیا ایسے معتبر، مستند، صادق القول افراد کی گواہیاں معتبر نہیں جب کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی دنیا کی تمام عدالتوں کا نظام شہادت پر قائم ہے اوراسی پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلے صادر کیے جاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ گواہ کون ہے؟ کس خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کی اخلاقی حالت کیا ہے؟ صدق وامانت کا معاملہ کیا ہے؟ ایسے شاہدوں کی شہادتوں پر اعتماد کرتے ہوئے جو فیصلے کیے جاتے ہیں دنیا اسے قبول کرتی ہے تو کیا رسول اللہ کی احادیث کے وہ راوی جن کی کتاب زندگی کا ہر ہر ورق اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ عادل، ثقہ، تام الضبط صادق وامین تھے، اخلاقی لغزشوں سے ان کا دامن پاک تھا، جھوٹ اور فریب کے غبار سے ان کے چہرے آلودہ نہ ہوئے تھے تو کیا ایسے لوگوں کی شہادتوں پر اعتماد کر کے احادیث رسول کے ذخیرے کو ہم معتبر اور مستند دینی دستاویز نہ سمجھیں؟

جرح وتعدیل:۔

منکرین حدیث کا خیال یہ ہے کہ حدیثیں تیسری صدی ہجری میں مدون ہوئیں اس سے پہلے ان کا مدار زبانی روایت پر تھا۔ جس کے نتیجہ میں اس کے اندر رطب ویابس کی آمیزش یقیناً ہوئی ہوگی اورالفاظ حدیث ہی نہیں بلکہ مفہوم ومطالب میں بھی تغیرات پیدا ہوئے جس کے باعث حدیث کی اصل صورت مسخ ہوکررہ گئی اوراب وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئیں۔ نیاز فتح پوری نے تحریر کیا۔

''ظاہر ہے کہ کتب احادیث کی تدوین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم دوسو سال بعد شروع ہوئی اور یہ امر کسی طرح قرین عقل وقیاس نہیں کہ اتنے زمانے کے بعد ورجنوں راویوں کے ذریعہ جو روایتیں فراہم کی گئیں ان کا مفہوم بھی وہی باقی رہا ہوگا جو رسول کا مقصود تھا''۔

آگے چل کر تحریر کیا:

"ان حالات کے تحت اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو تمام کتب احادیث کو سامنے رکھ کر از سر نو جدید معیار تنقید کے لحاظ سے پوری طرح ریسرچ کیا جائے اور واقعی جو احادیث رسول کی ہوں انہیں متعین کر کے باقی کو نظر انداز کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہیں (اور یقیناً ممکن نہیں ہے) کیوں کہ ہمارے یہاں کے علماء کو نہ اس کا سلیقہ ہے اور نہ ضرورت تو پھر محفوظ صورت یہ ہے کہ اسلام اور اصول اسلام کا مطالعہ احادیث سے بالکل علیحدہ ہو کر کیا جائے کسی قول اور فعل کو رسول اللہ سے منسوب کر دینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے"۔ (نگار، تنقیح اسلام نمبر ص ۴۵، ۴۷)

حیرت کی بات ہے کہ نیاز صاحب جو ادب و تاریخ اور اسلامیات کا خود کو اسکالر اور محقق سمجھتے ہیں انہوں نے ذخیرۂ حدیث کے تعلق سے بڑی غیر ذمہ دارانہ بات کہہ دی اور بزعم خویش عہد صحابہ سے لے کر ائمہ محدثین کے دور تک حدیث کی جمع و ترتیب، تحقیق و تفتیش راویان حدیث کی جرح و تعدیل معیار اصول و درایت پر احادیث کی چھان بین کو یک لخت نظر انداز کر کے دین کے اس سرمایہ کو بے اصل اور کوڑا کرکٹ سمجھ کر اسے ضائع کر دینے کا مشورہ دیا۔ کاش انہوں نے حدیث اور علوم حدیث، فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے مقررہ اصولوں پر حدیث کی صحت و سقم پرکھ کر ان کے مراتب و مقام کی تعیین کے اس تاریخی کارنامے کا مطالعہ حقیقت رسی کے نقطۂ نظر سے کر لیا ہوتا تو اس قسم کی لایعنی بات نہ کہتے جس کا صداقت اور معقولیت سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلام کا نظام شہادت تو یہ ہے کہ جہاں کسی نے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا قائل کی پوری زندگی دینی و اخلاقی نقطۂ نظر سے معرض بحث و نظر میں آ جاتی ہے یہ کون ہے؟ اس کا نسب کیا ہے؟ کب پیدا ہوا؟ وطن کہاں ہے؟ اس نے کن کن شیوخ سے حدیثیں سنیں؟ کہاں کہاں کا سفر کیا؟ حافظہ کیسا تھا؟ اس کی صداقت و امانت کا پایہ کیا تھا؟ جب تک اسے معیار اخلاق پر کھرا نہیں پایا جاتا اس سے حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ اگر وہ فاسق و فاجر ہے صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے، بازاروں میں عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا ہے، فساق کا لباس پہنتا ہے، داڑھی منڈا ہے، شراب نوشی کرتا ہے، زنا کا مرتکب ہوا تھا یا کسی پاک دامن پر زنا کا الزام لگایا تھا جھوٹ بولتا ہے، پابند شرع نہیں ان ذمائم اخلاق میں سے کوئی ایک کمزوری بھی جس راوی میں پائی جاتی ہے اس کی بیان کردہ حدیث کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

راویان حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے جرح و تعدیل کا فن ایجاد ہوا جس میں راویان

حدیث کی حیثیت واحوال سے بحث کی جاتی ہے۔ ان کی ثقاہت، عدم ثقاہت، عدالت، ضعف، قوت حفظ، یا اس کی کمی اور ضبط کی خوبی یا خامی صدق وامانت، کذب ونسیان وغیرہ کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حدیث کے راویوں کو جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور اس سلسلے میں دنیاوی وجاہت، منصب ودولت، رشتۂ وقرابت کا قطعاً پاس ولحاظ نہیں رکھا جاتا جب یہ کسوٹی واضح کردیتی ہے کہ یہ عادل اور ثقہ ہے تب اس کی روایت قبول کی جاتی ہے اور راوی معیار جرح وتعدیل پر پورا نہیں اترتا تو اس کی حدیث کو ناقابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ رجال کی جرح ونقد کا تفتیشی اصول جس کو بروئے کار لاتے ہوئے محدثین نے بڑے بڑے کج کلاہوں کی حدیثوں کو ان کی معمولی فروگذاشتوں کی بنا پر رد کردیا اور قابل التفات نہ سمجھا۔

کتب حدیث میں اگر کوئی ایسی حدیث ملتی ہے جس کے سلسلۂ سند میں کوئی ایک راوی بھی ایسا ہو کہ جس کے نام ونسب، احوال وکوائف سے ماہرین اسماء الرجال واقف نہیں اس کے حالات زندگی روشنی میں نہیں اور اس کی سیرت وشخصیت کے واضح نقوش نہیں پائے جاتے تو وہ حدیث صرف ایک مجہول راوی کی وجہ سے درجۂ اعتبار سے گر جاتی ہے اور اسے کسی مسئلہ کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

حدیثوں میں حزم واحتیاط اور راویوں کے تسلسل وتتبع اور رجال حدیث کی کمال احتیاط کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ دو صدی تک حدیثیں لکھی نہیں گئیں ان کا مدار زبانی روایتوں پر رہا محض اس وجہ سے حدیثوں کو بے معنی قرار دے دیا جائے اور محدثین کی تحقیق حدیث اور جرح وتعدیل روایت کی بے نظیر کوششوں کو نظر انداز کرکے حدیثوں کو پایۂ اعتبار سے ساقط کردیا جائے اور پھر جدید اصول نقد وجرح پر حدیثوں کی ازسر نو ترتیب کا مشورہ دیا جائے یہ کیسی بچکانہ ضد ہے؟

محدثین عظام نے فن اسماء الرجال اور جرح وتعدیل رجال میں ایسا مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ خالی ہے محدثین نے اصول روایت ودرایت اور جرح ونقد حدیث کے ضابطوں کو بروئے کار لاکر حدیثوں کی حیثیت متعین کی اور راویوں کے احوال کی تحقیق کے ان کی مرویات کے مراتب متعین کیے۔

صحاح ستہ کی تدوین جس دور میں ہوئی فن اسماء الرجال اور اصول جرح وتعدیل کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوچکے تھے۔ امام بخاری، امام دارمی، امام یحییٰ ذہلی، امام مسلم، امام ابوداؤد، [illegible]، ابوحاتم رازی نے اس فن کو اوج کمال پر پہونچادیا اور بلند ترین معیار نقد ونظر پر حد[illegible] کو اپنایا اور انہیں اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ اس طرح حدیث کی مستند ومعتبر صحاح ستہ امت

کے ہاتھوں میں آئی۔ ان میں جس وقت نظر تحقیق، حسن تنظیم و ترتیب اور حسن انتخاب سے مسائل کا احاطہ کیا گیا کہ ان کے بعد مزید کتابوں کی تصنیف کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی اور تدوین حدیث کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پیشین گوئیاں:

احادیث کی صحت راویوں کی صداقت اور اس کی روایت میں حزم و احتیاط کا واضح ثبوت وہ پیشین گوئیاں بھی ہیں، جو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات و حالات اور کوائف و حادثات کے بارے میں، ارشاد فرمائیں اور حضور کے وصال کے دہائیوں بعد یا صدیوں بعد ان کا ظہور ہوا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر سرکار نے شام، فارس اور یمن کی فتوحات کی پیشین گوئی فرمائی جسے صحابہ نے روایت کیا اور یہ ممالک خلافت راشدہ میں مفتوح ہوئے۔

”لما كان حين امرنا رسول الله بحفر الخندق عرضت لنا في بعض الخندق صخرة لا تاخذ فيها المعاول فاشتكينا ذلک الى النبي صلى الله عليه وسلم فجاء فاخذ المعول فقال بسم الله فضرب ضربة فكسرها ثلثها وقال الله اكبر اعطيت مفاتيح الشام والله انى لابصر قصورها الحمر الساعة ثم ضرب الثانية فقطع الثلث الاخر فقال الله اكبر اعطيت مفاتيح فارس والله انى لابصر قصر المدائن ابيض ثم ضرب الثالثة فقال بسم الله فقطع بقية الحجر فقال الله اكبر اعطيت مفاتيح اليمن والله لابصر ابواب صنعاء من مكاني هذا الساعة“

براء بن عازب فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کے ایک حصے میں ایک سخت پتھر ہمارے سامنے آیا اس پر تیشوں کی ضربیں اثر انداز نہیں ہوتی تھیں تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت عرض کیا تو حضور وہاں تشریف لائے ہاتھ میں تیشہ لیا آپ نے بسم اللہ پڑھا اور پتھر پر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک تہائی حصہ توڑ دیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں خدا کی قسم میں اس کے سرخ محلوں کو اس وقت دیکھ رہا ہوں پھر دوسری ضرب لگائی اور دوسرا تہائی حصہ توڑ دیا پھر فرمایا اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں خدا کی قسم میں مدائن کا قصر ابیض دیکھ رہا ہوں، پھر تیسری ضرب لگائی فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پس پتھر کا باقی حصہ توڑ کر صاف کر دیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں خدا کی قسم اس وقت میں یہاں سے شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (مسند احمد، طبرانی، بیہقی، نسائی)

اس کے علاوہ بہت سی وہ پیشین گوئیاں بھی ہیں جو صدیوں بعد پوری ہوئیں اور عہد رسالت سے لے کر تیسری صدی تک صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین انہیں روایت کرتے رہے اور بعد کے زمانہ میں ان کی تدریس و تعلیم ہوتی رہی اور مسلمان انہیں قطعی الثبوت سمجھ کر ان کے پورا ہونے کا یقین کامل رکھتے رہے اور وہ اپنے اپنے اوقات پر پوری ہوتی رہیں۔

انہیں میں سے ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے ’’ان رسول اللہ قال لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من ارض الحجاز تضیٔ اعناق الابل‘‘ یعنی ضروری ہے کہ قبل از قیامت ارض حجاز سے ایک آگ نکلے جو بصریٰ میں اعناق ابل یعنی ٹیلوں اور پہاڑوں کو روشن کر دے‘‘۔ (بخاری باب خروج النار)

یہ پیشین گوئی ۳ر جمادی الآخر ۶۵۴ھ کو پوری ہوئی۔

فتح الباری میں اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا واقعہ اس طرح لکھا ہے:

"قال القرطبی فی التذکرة قد خرجت نار بالحجاز فی المدینة وکان بدؤها زلزلة عظیمة فی لیلة الاربعاء بعد العتمة الثالث من جمادی الأخرة سنة اربع وخمسین وسة مالة واستمرت الیٰ اضحی النهار یوم الجمعة فسکنت وظهرت النار بقریظة بطرف الحرة تری فی صورت البلد العظیم علیها سور محیط علیه شراریف وابراج ومآذن وتری رجال یقودونها لا تمر علی جبل الا دکته واذابته ویخرج من مجموع ذلک مثل النهر احمر وارزق له دوی کدوی الرعد یاخذ الصخور بین یدیه وینتهی الی محط الرکب العراقی واجتمع من ذلک ردم صار کالجبل العظیم فانتهت النار الی قلب المدینة ومع ذلک فکان یاتی المدینة نسیم بارد وشهد لهذه النار غلیان کغلیان البحر وقال لی بعض اصحابها رایتها صاعدة فی الهواء من نحو خمسة ایام وسمعت ان النار رویت من مکة ومن جبال بصری فقال النووی تواتر العلم بخروج هذه النار عند جمیع اهل الشام".

’’ قرطبی نے تذکرہ میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ حجاز میں ایک آگ نکلی اور اس سے پہلے ایک بڑا بھاری زلزلہ آیا اور یہ واقعہ تیسری جمادی الثانی ۶۵۴ھ بعد عشاء کا ہے اور یہ آگ برابر جلتی رہی یہاں تک کہ جمعہ کے دن چاشت کے وقت تک آ کر ٹھہری اور دور سے یہ آگ ایک بڑے شہر کی طرح نظر آتی تھی جس کے گرد فصیلیں ہوں اور ان پر برج وغیرہ ہوں اور معلوم ہوتا تھا کہ آدمی اس

آگ کو جلا رہے ہیں جس پہاڑ پر یہ آگ گزرتی تھی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی اور پگھلا دیتی تھی اور اس سے سرخ اور نیلگوں رنگ کی ایک نہر نکلتی تھی اس کی آواز ایسی تھی جیسے بادل کے گرجنے کی آواز اور پتھروں کو ساتھ بہائے لیے جاتی تھی اور اس جگہ پر آ کر ٹھہری جو قافلۂ عراق کے اترنے کی جگہ ہے اور اس آگ سے ایک فصیل اونچے پہاڑ کی مانند بن گئی۔ اور آگ مدینہ کے قرب وجوار تک پہونچ گئی مگر باوجود اس کے مدینہ میں ٹھنڈی ہوا آتی رہی اور اس آگ میں ایک جوش اور طوفان نظر آتا تھا جیسا سمندر میں طوفان آتا ہے اور دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ تقریباً پانچ دن یہ آگ ہوا میں جمی ہوئی دیکھی گئی اور یہ بھی میں نے سنا ہے کہ یہ آگ مکہ اور بصرہ کے پہاڑوں سے نظر آتی تھی اور نووی لکھتے ہیں کہ تمام اہل شام کے نزدیک اس آگ کے علم کا تواتر پایا جاتا ہے"۔

یہ پیشین گوئی چھٹی صدی ہجری تک پوشیدہ نہیں تھی جو اس آگ کے ظاہر ہونے کے بعد یکا یک سامنے آئی ہو بلکہ اہل حق رسول اللہ کی اس حدیث کو قرن اول سے لے کر قرن سابع تک تقریباً ساڑھے چھ سو سال بیان کرتے اور اس کی صداقت پر یقین کامل رکھتے رہے۔

یہ وہ شواہد ہیں جن سے ہوا پرست منکرین حدیث کے ہذیانات کی تردید ہوتی ہے اور ان کا یہ دعویٰ پادر ہوا ہو جاتا ہے کہ حدیثیں عہد رسالت کے صدیوں بعد وضع کر کے جعلی سندوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دی گئیں۔

کتابت حدیث:۔

منکرین حدیث نے سنت رسول سے گریز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی سے آزاد ہو کر زندگی گزارنے کا حیلہ یہ تراشا کہ حدیثیں تیسری صدی ہجری میں مدون ہو کر کتابوں میں محفوظ ہوئیں۔ عہد رسالت سے لے کر صحاح ستہ کی تدوین تک تقریباً ڈھائی سو سال کا عرصہ ایسا ہے جس میں حدیثوں کی کتابت کا اہتمام نہیں کیا گیا زبانی نقل وروایت ہی مدار کار ٹھہرا۔ جس کی وجہ سے حدیثیں وضع واختراع سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اور جب صحیح حدیثیں محفوظ ہی نہ رہ سکیں تو دین وشریعت کی اساس اور احکام شرع کے لیے حجت کیسے بن سکتی ہیں۔ اوپر نیاز صاحب کا بیان گذر چکا ہے ایک اور منکر حدیث عظیم بیگ چغتائی لکھتا ہے۔

"حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو برس بعد معرض تحریر میں آئی ہیں"
(تفویض بحوالہ نصرۃ الحدیث ص ۳)

منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بے اصل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں صرف مستشرقین کی

پھیلائی ہوئی گمراہیوں کی صدائے بازگشت ہے۔

تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ عہد رسالت ہی سے احادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ کتابت حدیث کا بھی کام شروع ہو چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

عن عبد الله بن عمرو قال كنت اكتب كل شئ اسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم اريد حفظه فنهاني قريش وقالوا اتكتب كل شئ تسمعه ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر يتكلم في الغضب والرضا فامسكت عن الكتابة فذكرت ذلك الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم فاومأ باصبعه الىٰ فيه فقال اكتب فو الذى نفسى بيده ما يخرج منه الا الحق . (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ میں حفظ کرنے کے خیال سے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہیں غصہ اور رضا دونوں کی حالت میں فرماتے ہیں ان کے کہنے پر میں لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تم لکھا کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

اسی طرح دوسرے مستند بیانات سے بھی متعدد صحابہ کا حدیثیں لکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابت حدیث کا اذن ثابت ہے حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں ہم نے خدمت نبوی میں گذارش کی کہ یارسول اللہ" انا نسمع منك اشياء فنكتبها قال اكتبوا ولا حرج "ہم آپ کی زبان مبارک سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں اور ان کو لکھ لیا کرتے ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بزم رسالت میں بیٹھ کر بھی صحابۂ کرام احادیث قلمبند کیا کرتے تھے۔ دارمی کی ایک روایت ہے "عن ابى قبيل قال سمعت عبد الله قال بينما نحن حول رسول الله نكتب اذ سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى المدينتين تفتح اولا قسطنطنية اورومية فقال النبى صلى الله عليه وسلم بل مدينة هرقل" ابوقبیل کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد لکھ رہے تھے کہ اتنے

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دونوں شہروں میں سے پہلے کون سا فتح ہوگا قسطنطنیہ یا روم اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ ہرقل کا شہر"۔ (داری ص ۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث لکھ کر محفوظ کر لینے کا حکم عنایت فرمایا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضور نے مکہ کی حرمت اور انسانی حقوق کے مسائل بیان فرمائے تو یمن کے ایک باشندے ابوشاہ صحابی نے عرض کی حضور یہ احکام میرے لیے قلمبند فرما دیں۔ سرکار نے فرمایا "اکتبوا لابی شاہ" یہ احکام ابوشاہ کے لیے لکھ دو"۔ (بخاری)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے امراء و سلاطین کو خطوط لکھوائے۔ قبائل سے صلح کے عہد نامے تحریر کرائے اپنے عمال کو خطوط لکھے اور ان کے دینی استفسارات کے جوابات قلمبند کرا کے دور دراز شہروں میں بھجوائے۔ حضرت عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بناتے وقت فرائض، صدقات، دیات، طلاق، عتاق، نماز، مصحف شریف چھونے سے متعلق احکام پر مشتمل ایک تحریر لکھوائی تھی۔ (مسند امام احمد)

حضرت وائل بن حجر کو نماز، روزہ، سود، شراب وغیرہ کے مسائل لکھوائے تھے۔ ترکاریوں سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں یہ حکم نامہ معاذ بن جبل کو لکھوا کر یمن بھیجا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کم سے کم چار سو مکتوبات نبوی دستیاب ہو چکے ہیں ان مکاتیب میں سے مقوقس شاہ مصر کو لکھا گیا خط بھی ہے۔

مکتوب رسول بنام مقوقس بادشاہ مصر:

صلح حدیبیہ ۶ھ سے مراجعت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے اس دور کے سلاطین و امراء کے نام خطوط لکھوا کر ارسال کیے ان خطوط کا ذکر صحیحین اور دوسری معتبر کتب حدیث و سیر میں پایا جاتا ہے۔ ان خطوط کے مضامین بھی معتبر سندوں کے ساتھ حدیثوں کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان خطوط کی کتابت کو آج چودہ سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے مگر یہ اعجاز نبوت ہے کہ مقوقس شاہ مصر کے نام لکھا گیا مکتوب نبوی اپنی اصل حالت میں آج بھی محفوظ ہے یہ خط ۱۸۵۸ء میں فرانس کے بعض عیسائی سیاحوں کو مصر کے ایک قدیم گرجا گھر میں دستیاب ہوا جسے مقوقس کے زمانہ سے اس دور تک کمال احتیاط سے محفوظ رکھا گیا اور یہ مسلمانوں کے پاس نہیں بلکہ نصرانیوں کی امانت میں تھا۔ جسے پرانے رسم الخط سے جدید عربی رسم الخط میں پوری تحقیق کے ساتھ نقل کیا گیا آثار قدیمہ کے ماہرین اور مخطوطہ شناسوں نے اس پر ریسرچ کیا اور سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا

کہ یہ وہی اصل خط ہے جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کو تحریر کرایا تھا اس وقت یہ خط قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ خط کا متن یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم. من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بداعیۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یا اھل الکتاب. تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون".

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قوم قبط کے سردار مقوقس کی طرف۔ ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلام ہو۔ اما بعد! میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو محفوظ ہو جائے گا اور خدا تجھے دوگنا اجر دے گا اور اگر تو نے اعراض کیا تو قوم قبط کا گناہ بھی تیرے سر لازم آئے گا اے اہل کتاب آؤ ہم ایک ایسی بات پر اتفاق کر لیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے (یعنی) یہ کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ کہ ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اپنا کارساز نہ سمجھے اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ اس بات پر گواہ رہنا کہ ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

اس خط کا جو مضمون حدیث کی کتابوں اور مواہب اللدنیہ میں منقول ہوا ہے مقوقس کے نام لکھے گئے خط کی عبارت سے مقابلہ کیا گیا تو دونوں میں مفہوم ومعنی بلکہ الفاظ وعبارت میں ذرا بھی تفاوت اور فرق نہیں ہے جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو من وعن یاد رکھنے اور انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کرنے کی کوشش کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے تھے۔

خط پر مہر نبوت کا نقش بھی ثبت ہے یہ مہر بھی بادشاہوں کے نام لکھے جانے والے خطوط پر ثبت کرنے کی غرض سے تیار کرائی گئی تھی۔ چنانچہ بخاری شریف باب دعا النبی الی الاسلام میں ہے۔

"عن قتادۃ قال سمعت انسا رضی اللہ عنہ یقول لما اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لا یقرؤون کتابا الا ان یکون مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ فکانی انظر الی بیاضہ ونقش فیہ محمد رسول اللہ"

قتادہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے انس رضی اللہ عنہ کو سنا وہ کہتے ہیں جب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو حضور سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ کسی ایسے خط کو نہیں پڑھتے جس پر (مکتوب نگار کی) مہر ثبت نہیں ہوتی تو چاندی کی ایک مہر بنائی گئی آج بھی میں اس کی سفیدی دیکھ رہا ہوں اور اس مہر پر محمد رسول اللہ منقوش تھا"۔

بخاری کتاب اللباس میں یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے

"عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الیٰ رھط لو اناس من الاعاجم فقیل لہ لا یقبلون کتابا الا علیہ خاتم فاتخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من فضۃ نقشہ محمد رسول اللہ فکانی بوبیض او بیضیض الخاتم فی اصبع النبی صلی اللہ علیہ وسلم او فی کفہ۔

اس انگوٹھی کا نقش اس طور پر تھا کہ تینوں الفاظ محمد، رسول، اللہ الگ الگ تین سطروں میں لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ مکتوب مقوقس پر ثبت شدہ مہر کے نقش میں محمد، رسول، اللہ نیچے سے اوپر کی طرف الگ الگ تین سطروں میں ہیں۔

خطوط کے علاوہ معاہدات اور دوسرے احکام ومسائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوائے جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال احکام اور معاہدات کو تحریر کرایا مسٹر پرویز کا یہ کہنا کہ "قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرم نے کسی چیز کو نہیں لکھوایا نہ یاد کرایا نہ سنا نہ ان کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی"۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۶۷) کتنا لچر اور تاریخی حقائق کے خلاف مبنی بر کذب قول ہے۔

اب ہم ذیل میں عہد رسالت کے چند اہم حدیثی مجموعوں کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔

الصادقہ:۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے عہد رسالت میں ہی سرکار دو عالم کی اجازت سے احادیث نبوی کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام "الصادقہ" تھا جس کی روایت بعد میں متعدد تابعی علماء نے کی جس میں ان کے پرپوتے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو زیادہ مشہور ہیں کتب احادیث میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے جو روایتیں پائی جاتی ہیں اسی الصادقہ کی ہیں۔ الصادقہ کے اندر مندرج احادیث کی کثرت کا اندازہ مکثر الروایہ صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا

عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب وانا لا اکتب ۔
(صحیح بخاری کتاب العلم)

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی بھی آپ کی حدیث کا مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیوں کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس صحیفے کی کتابت کا اذن سرکار سے لیا تھا۔

"عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی حدیث روایت کروں اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنے قلب کی یادداشت کے ساتھ اپنے ہاتھ (تحریر) سے بھی مدد لوں اگر آپ اسے مناسب خیال فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری حدیث ہے تو تم اپنے قلب کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو (یعنی لکھ سکتے ہو) (مسند دارمی ص ٦٧)

صحیفہ علی:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہد رسالت میں احادیث نبوی کا ایک مجموعہ تحریر فرمایا جسے صحیفہ علی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں دیت، قصاص اور مسلمانوں کے باہمی حقوق کے بارے میں حدیثیں تھیں۔

"ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ" (بخاری بحوالہ کتابت حدیث ص ۴۴)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز نہیں لکھی مگر قرآن کریم اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

اس صحیفہ کی روایت ابوحجیفہ خلاص نے کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک دن فرمایا جسے ایک درہم خرچ کرنے کی توفیق ہے وہ کاغذ خرید لائے میں حدیثیں لکھواتا ہوں لکھ لے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب بازار جا کر ایک درہم میں کاغذ کی ایک گڈی خرید لائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت سی چیزیں لکھوائیں اور وہ ان کے پاس محفوظ رہیں۔ (خطبات بہاول پور ص ٧٧)

کتاب عمرو بن حزم:۔

حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو عہد رسالت میں نجران کا امیر مقرر کیا گیا تا کہ

وہاں مسلمانوں کو دین اسلام کی تعلیم دیں اور زکوۃ وصول کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام ایک تفصیلی مکتوب ارسال فرمایا جس میں فرائض زکوۃ، دیت اور دوسرے دینی احکام و مسائل مذکور تھے۔ آپ نے اس قیمتی نوشتے کو صرف محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اکیس دیگر فرامین نبوی بھی فراہم کیے جو مختلف قبائل کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرائے تھے۔ عمرو بن حزم نے ان تمام دستاویزوں کو ایک مجموعے میں تحریر فرمایا تھا جو عہد رسالت کے سیاسی دستاویزوں یا سرکاری پروانوں کا اولین مجموعہ خیال کیا جاسکتا ہے۔

ابن شہاب زہری کہتے ہیں یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزم کے پوتے ابوبکر بن محمد بن حزم کے پاس موجود تھی ابوبکر خود یہ کتاب لے کر میرے پاس آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۴۷)

امام زیلعی فرماتے ہیں حضرت عمرو بن حزم کی یہ کتاب چاروں اماموں کے ہاں مقبول رہی ہے اور یہ امت میں متوارث ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۴۲)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

”هذا الكتاب متداول بين ائمة الاسلام قديما وحديثا يعتمدون عليه ويفزون فى مهمات هذا الكتاب اليه“. (الروض الباسم ص ۳۴)

یہ کتاب ہر دور میں ائمہ اسلام کے نزدیک متداول رہی ہے اور اس پر انہوں نے اعتماد کیا ہے اور اس نوع کے اہم معاملات میں اس کی جانب رجوع کیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

”اس (صحیفہ) کی روایت تیسری ہجری میں دیبل (پاکستان) کے مشہور محدث ابوجعفر الدیبلی نے کی ہے وہ محفوظ ہے اور ہم تک پہونچی ہے چنانچہ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین کے نام سے ابن طولون نے جو کتاب تالیف کی اور جس کا نسخہ بخط مولف کتب خانہ ”المجمع العلمی“ دمشق میں محفوظ ہے نیز جو چھپ بھی گئی ہے۔ اس میں عمرو بن حزم کی یہ تالیف بطور ضمیمہ شامل ہے اور محفوظ کردی گئی ہے“۔ (صحیفہ ہمام بن منبہ ۳۵، ۳۶)

کتاب الصدقہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری دور میں بیرونی عمال کے لیے ایک مجموعہ جانوروں کی زکوۃ سے متعلق کتاب الصدقہ کے نام سے مرتب کرایا تھا۔ لیکن اس مجموعہ کی

روانگی سے قبل ہی حضور نے حیات ظاہری سے پردہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں اس پر عمل درآمد ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لیے ایک کتاب الصدقہ لکھوائی تھی لیکن اس کو عاملوں کے پاس بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ جب حضرت ابوبکر آپ کے جانشین ہوئے انہوں نے اس پر عمل کیا"۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۵۶)

صحیفہ انس بن مالک:۔

کثیر الروایہ صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جن کو خدمت رسول کا موقع میسر آیا تھا انہوں نے بھی عہد رسالت ہی میں احادیث رسول کا ایک مجموعہ قلمبند کیا تھا۔ قتادہ کی ایک روایت میں ہے" كان يملى الحديث حتى اذا كثر عليه الناس جاء بمحال من كتاب القاها ثم قال هذه الاحاديث سمعتها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم و عرضتها عليه" (تدریب الراوی بحوالہ نزہۃ القاری ج ا ص ۱۲)

حضرت انس حدیث لکھوایا کرتے تھے جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو وہ کتابوں کا صحیفہ لے کر آئے اور لوگوں کے سامنے رکھ کر فرمایا یہ وہ احادیث ہیں جنھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے اور آپ کو پڑھ کر سنا بھی دیا ہے۔

حضرت انس دوسروں سے بھی سن کر حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے یا لکھنے کا حکم دیتے تھے۔

"لما حدث عتبان بن مالك قال انس فاعجبني الحديث فقلت له اكتبه؟ قال اكتبه . (المحدث الفاصل ص ۳۶۸)

ایک مرتبہ عتبان بن مالک نے حدیث بیان کی تو حضرت انس نے کہا مجھے اچھی لگی اور میں نے ان سے کہا کہ میں اس کو لکھ لوں؟ انہوں نے کہا لکھ لو۔

عہد صحابہ وکبار تابعین میں کتابت حدیث:

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جہاں حدیثوں کی روایت وحفظ کے احساس میں قوت پیدا ہوئی، وہیں ان کو ضبط تحریر میں لانے کی جدوجہد میں بھی نسبتاً ترقی ہوئی۔ کتابتِ حدیث کا اہتمام عہد رسالت سے زیادہ خلافت راشدہ اور پہلی صدی کے آخر تک

کیا گیا۔ اس دور میں بہت سے حدیثی مجموعے تیار ہو گئے۔ ذیل میں چند مجموعوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کتب عبداللہ بن عباس:۔

ابن عباس جلیل القدر مفسر قرآن، فقیہ اور مکثر الروایہ صحابی ہیں۔ رحلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر باختلاف روایت دس سال یا تیرہ سال تھی۔ خداوند تعالیٰ نے طلب علم کا بے پناہ ذوق شوق عطا فرمایا تھا۔ ام المومنین حضرت میمونہ آپ کی خالہ تھیں۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کی کیفیت جاننے کے لیے حضرت میمونہ کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ سرکار بیدار ہوئے تو ابن عباس نے وضو کے لیے پانی لاکر رکھ دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا پانی کون لایا؟ حضرت میمونہ نے جواب دیا، عبداللہ! سرور کائنات نے خوش ہو کر یہ دعا دی۔ اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل" جب حضور نے دنیا سے پردہ فرمایا تو ابن عباس کے طلب علم کی کیفیت یہ تھی کہ آپ کبار صحابہ کے پاس جاتے اور ان سے سرور کائنات کی احادیث دریافت کرتے، جس شخص کے پاس انہیں کسی حدیث کا علم ہوتا وہ اس کے مکان پر جاتے۔

ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہیں خدمتِ نبوی میں حاضر باشی کے سبب احوال واقوال نبی دیکھنے اور سننے کا موقع زیادہ ملا تھا۔ ابن عباس ان کے پاس کاتب لے کر جاتے اور حدیثیں پوچھ پوچھ کر لکھواتے۔

"کان ابن عباس یاتی ابا رافع فیقول ما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم کذا ومع ابن عباس من کان یکتب ما یقول" (اصابہ ج ۴ ص ۹۱)

حضرت ابن عباس ابورافع کے پاس آتے تو دریافت کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں دن کیا کیا اور ابن عباس کے ساتھ ایک آدمی ہوتا، ابورافع جو کچھ کہتے اسے لکھ لیا کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے طلب علم ہی کے دور سے حدیثوں کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے پاس متعدد کتابیں تیار ہو گئی تھیں۔ وہ دوسروں کو بھی تحریر حدیث کا حکم دیتے۔ "قیدوا العلم بالکتاب من یشتری منی علما بدرھم" (جامع بیان العلم بحوالہ السنۃ قبل التدوین ص ۳۱۹)

"ان نفرا قدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتاب من کتبه فجعل یقرا علیھم یتقدم ویتاخر" (ترمذی ص ٦٦٣)

طائف کے چند باشندے ابن عباس کے پاس ان کی ایک کتاب لائے تو آپ نے ان کے سامنے اسے پڑھنا شروع کیا، اور تقدیم وتاخیر بھی کرنے لگے۔

کتب ابن عباس کی تعداد کا اندازہ موسیٰ ابن عقبہ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔

"وضع عندنا کریب حمل بعیر من کتب ابن عباس" (تہذیب ج ۵ ص ۴۳۳)

کریب نے ہمارے پاس ابن عباس کی کتابوں میں سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں رکھی تھیں۔

ابن عباس کے تلامذہ کریب، سعید ابن جبیر، عثمان بن حکیم، طاؤس جیسے جلیل القدر تابعین ابن عباس کی مرویات کو قلمبند کیا کرتے تھے۔

کتب ابی ہریرہ:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد کتب احادیث میں تمام راویانِ حدیث سے زیادہ ہے۔ وہ ہمہ وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے اور حدیثوں کے حفظ وضبط کا اہتمام فرماتے تھے۔ ابتداء میں آپ نے حدیثوں کو تحریر نہیں کیا تھا۔ مگر آخر میں انہیں تحریری شکل دے دی تھی۔

حضرت حسن بن عمرو کا بیان ہے۔

میں نے ابو ہریرہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی انہوں نے اس کا انکار کیا، میں نے کہا یہ حدیث تو میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اگر مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر میں لے گئے۔

فارانا کتبا کثیرة من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد ذالک الحدیث فقال قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک بہ فھو مکتوب عندی"

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۷)

تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی کتب حدیث دکھائیں، پس پالیا اس حدیث کو تو کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر میں نے تم سے اس حدیث کو بیان کیا ہوگا تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔

حسن بن عمرو کے بیان سے ظاہر ہے کہ ابو ہریرہ نے اپنی کل مرویات کتابی شکل میں جمع کر لی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ کے ایک شاگرد بشیر بن نہیک کا بیان ہے۔

میں حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کی کتابیں مانگ کر لے جاتا، اور اسے نقل کرتا اور عرض کرتا کہ ان حدیثوں کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ جواب دیتے ہاں۔ (داری ص ۶۸)

بشیر بن نہیک کی دوسری روایت میں ہے:

"کنت اکتب عند ابی ھریرة ما سمعت منہ فاذا اردت ان افارقہ جئت بالکتاب

فقرأته عليه فقلت أليس هذا ما سمعته منك قال نعم " (المحدث الفاصل ص ۵۳۸)

میں ابوہریرہ کے پاس ان سے جو حدیث سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ جب میں نے جانے کا ارادہ کیا تو وہ کتاب لا کر ان کے سامنے پڑھی اور کہا کہ کیا میں نے ان احادیث کو آپ سے نہیں سنا ہے؟ ابوہریرہ نے کہا کہ ہاں تم نے سنا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کے تلامذہ نے ان کی مرویات کو کتابی شکل دی تھی۔ ان میں بشیر بن نہیک، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، عبدالرحمٰن بن یعقوب جہنی، ہمام بن منبہ کتعانی قابل ذکر ہیں۔

کتاب جابر بن عبداللہ:۔

حضرت جابر بن عبداللہ جو مکثرین رواۃ کے طبقۂ اول میں شمار کیے جاتے ہیں، آپ نے بھی حدیثیں کتابی شکل میں جمع کی تھیں۔ اور یہ نسخہ شہرت یاب بھی ہوا۔ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"حديث ابى سفيان عن جابر انما هى صحيفة" (تهذيب ج۸ ص ۳۵۰)

ابوسفیان جو حضرت جابر کی حدیثیں روایت کرتے ہیں وہ اسی صحیفہ جابر سے نقل ہوئی ہیں۔

حافظ ذہبی نے حضرت امام احمد بن حنبل کا ایک قول نقل کیا ہے۔

"كان قتادة احفظ اهل البصرة لا يسمع شيئا الا حفظه قرأت عليه صحيفة جابر مرة فحفظها" (تذكرة الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۵)

قتادہ قوتِ حافظہ میں تمام اہل بصرہ سے بڑھے ہوئے تھے جو کچھ بھی سنتے فوراً یاد کر لیتے حضرت جابر کا صحیفہ ان کے سامنے ایک مرتبہ پڑھا گیا تو وہ پورا حفظ ہو گیا۔

حضرت جابر کی مرویات ۱۵۴۰ ہیں۔ یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ کل روایات صحیفہ میں مندرج تھیں یا ان کا بعض حصہ، بہر حال احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر محدث نے قتادہ جیسے قوی الحفظ راوی کی قوتِ حفظ کا حیرت انگیز کارنامہ جس صحیفہ کے حفظ کو بتایا ہے وہ صرف چند احادیث پر مشتمل نہیں رہا ہوگا بلکہ اس کے اندر مرویات کی کثیر تعداد ضرور مرقوم رہی ہوگی۔

حضرت جابر بن عبداللہ کے تلامذہ بھی مرویات جابر کو صحیفوں میں تحریر کیا کرتے تھے

(۱) عبداللہ بن محمد بن عقیل کا بیان ہے۔

كنت اذهب انا وابو جعفر الى جابر بن عبد الله ومعنا الواح صغار نكتب فيها بحديث (تهذيب ج۸ ص ۳۷۷)

میں اور ابوجعفر جابر بن عبداللہ کے پاس جاتے تھے اور ہمارے پاس چھوٹی چھوٹی تختیاں

ہوتیں ان میں ہم حدیث لکھا کرتے تھے۔

(۲) عاصم بن عمر بن قتادہ کا قول ہے۔

عرضنا علیٰ عامر صحیفة کتبت عن جابر بن عبد اللہ فقال قد سمعت ھذا کلہ من جابر رضی اللہ عنہ (المحدث الفاصل ص ۴۳۰)

ہم نے عامر شعبی کے سامنے ایک صحیفہ پیش کیا جس کو میں نے جابر بن عبداللہ سے لکھا تھا عامر نے دیکھ کر کہا کہ اس کی تمام روایات میں نے جابر سے سنی ہیں۔

(۳) حضرت جابر کے تلامذہ کا بیان ہے۔

کنا نأتی جابر بن عبد اللہ و نسئلہ عن سنن رسول اللہ ﷺ فنکتبھا (تہذیب ج۲ ص ۳۰۶)

ہم جابر بن عبداللہ کے پاس جاتے اور ان سے سنن رسول اللہ ﷺ دریافت کرتے پس انہیں قلمبند کر لیا کرتے۔

نسخہ سمرہ بن جندب:۔

حضرت سمرہ بن جندب انصاری جو عہد رسالت میں کم سن تھے، مگر علمی شوق کے سبب حدیثیں حفظ کیا کرتے تھے۔

کنت غلاما علی عھد رسول اللہ ﷺ و کنت احفظ عنہ.

میں زمانۂ رسالت میں لڑکا تھا۔ اور آپ سے سنکر احادیث یاد کر لیا کرتا تھا۔

حضرت سمرہ نے بصرہ میں اقامت اختیار کی اور اپنے صاحبزادوں سلیمان اور سعید کے لیے احادیث و احکام پر مشتمل ایک گرانقدر کتاب تحریر کی۔

ابن سیرین کا قول ہے۔

فی رسالة سمرة الیٰ بنیہ علم کثیر. (اصابہ ج ۳، ص ۱۳۰)

سمرہ کے رسالہ میں جو ان کے دونوں لڑکوں کے نام ہے بہت زیادہ علم (حدیث) ہے

حضرت سمرہ کے خاندان میں اس نسخہ کی روایت ان کے بعد کی جاتی رہی۔

ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

سلیمان بن سمرہ نے اپنے والد سے ایک بڑے نسخے کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے خبیب بن سلیمان اور علی بن ربیعہ والبی نے کی ہے۔ (تہذیب ج ۴، ص ۱۹۸)

ان متعدد صحیفوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد صحابہ میں روایت حدیث کی کتابت کا احساس کافی پیدا ہو چکا تھا۔ خود صحابہ اور ان کے تلامذہ اپنے صحیفے جمع کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ تابعین کے اندر کتابت حدیث کا ذوق کافی تھا وہ اپنے شیوخ صحابہ کی مرویات قلمبند کیا کرتے تھے اور انہیں ازبر بھی کرتے تھے۔ اس طرح تدوین حدیث کے لئے راہیں ہموار کردیں۔ تمدن کی وسعت اور فروغ علم نے تابعین کو کتابت حدیث کے مواقع زیادہ فراہم کئے۔

روایات ابن عمر کی کتابت:۔

مکثرین رواۃ صحابہ میں ابن عمر کو خاص امتیاز حاصل ہے ابتدا میں آپ حدیثوں کی کتابت پسند نہیں کرتے تھے مگر وقت کے تقاضے نے تحریر و کتابت کا احساس پیدا کردیا۔ اور وہ حدیثیں لکھنے لکھانے لگے۔

یروی ان عبد اللہ بن عمر کان اذا خرج الی السوق نظر فی تبہ و قد اکد الراوی ان کتبہ ہذا کانت فی الحدیث (السنۃ قبل التدوین ص ۲۵۲)

روایت کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بازار کی جانب جاتے تو اپنی کتابیں دیکھ لیتے اور راوی نے تاکید کی ہے کہ ان کی یہ کتابیں حدیث میں تھیں۔

☆ ابن عمر کے ممتاز شاگرد نافع ان کی مرویات ان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

☆ مجاہد اور ابن جبیر بھی ان کی بیان کردہ حدیثیں ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ اور پوچھ پوچھ کر ان کی تصحیح کرتے تھے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۳۷)

ابن جریج نے نافع کی روایت سے ابن عمر کی مرویا [illegible] تھی، وہ کہتے ہیں

اتیت نافعا وطرح حقیبۃ فجلست علیہا فامۂ علی لی الواحی قال سمعت عبد اللہ بن عمر یقول قال رسول اللہ ﷺ (مسند حمیدی ج ۱ ص ۲۹۰)

میں نافع کے پاس گیا انہوں نے زنبیل بچھادی اور میں اس پر بیٹھ گیا۔ پھر انہوں نے مجھے املا کرایا کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے اپنی تختیوں پر لکھا۔

☆ سعید بن جبیر نے براہ راست ابن عمر سے احادیث کی روایت کرکے ایک کتاب میں محفوظ کیا تھا۔

کنت اسمع من ابن عمر و ابن عباس الحدیث باللیل فاکتبہ فی واسطۃ

رحلی حتی اصبح فانسخه (المحدث الفاصل ص ۲۰۶)

میں ابن عمر اور ابن عباس سے رات میں حدیثیں سنتا تو انہیں کجاوے پر لکھ لیتا پھر صبح کو نقل کر لیتا۔

امام زہری:۔

جلیل القدر تابعی محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہری زبردست قوت حفظ و ضبط کے مالک تھے زبانی حفظ کے ساتھ ساتھ وہ حدیثیں تحریر بھی کیا کرتے تھے۔ ابوزناد تابعی کا بیان ہے۔

ہم زہری کے ساتھ علماء کے پاس حدیثیں سننے کیلئے جاتے تھے۔ زہری اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لئے رہتے تھے اور جتنا سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۰۳)

امام زہری کی مرویات ۲۲۰۰ ہیں۔ ظاہر ہے یہ احادیث اور دیگر احادیث جن کا سماع آپ نے تحصیل علم کے دور میں کیا تھا وہ سب آپ کے پاس کتابی شکل میں موجود تھیں۔ اور بلاشبہ تدوین حدیث کے باب میں یہ نہایت اہم کارنامہ تھا۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی علمی برتری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا تھا۔ اس وقت روئے زمین پر زہری سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی شخص باقی نہیں (ایضا)

عمر بن عبدالعزیز نے جب خلافت اسلامی کی سطح پر کتابت و تدوین حدیث کا اقدام فرمایا تو زہری سے بھی درخواست کی۔ آپ نے خلیفہ وقت کے حکم پر ایک مجموعہ حدیث مرتب فرمایا۔ محمد ابو زہو لکھتے ہیں۔ "لقد کان ابن شهاب اول من کتب الحديث وجمعه بامر عمر بن عبدالعزيز ايام خلافته"

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں آپ کے حکم سے سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے حدیث کو لکھا اور جمع کیا (الحدیث والمحدثون ص ۱۷۵)

غالبا اسی بنیاد پر علامہ ابن حجر عسقلانی نے آپ کو پہلا مدون حدیث قرار دیا۔

اول من دون الحديث ابن شهاب الزهري على رأس الماة بامر عمر ابن عبد العزيز ثم كثر التدوين وحصل بذالك خير كثير.

سب سے پہلا شخص جس نے علم حدیث کی تدوین کی وہ امام ابن شہاب زہری ہے جس نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پہلی صدی کے آخر میں حدیث کو مدون کیا۔ پھر باقاعدہ تصنیف و تالیف کی کثرت ہوئی جس سے بے پناہ خیر و برکت حاصل ہوئی۔ (فتح الباری ج ا ص ۱۰۶)

شہاب زہری کا کارنامہ تدوین کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے اہم تھا۔ ولید بن

یزید کے قتل کے بعد ان کا کتب خانہ کئی جانوروں پر لاد کر لایا گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۶)

صحیفۂ ہمام بن منبہ:۔

مشہور تابعی حضرت ہمام بن منبہ امرائے یمن سے تھے جنہیں حضرت ابو ہریرہ کی شاگردی کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب عہد فاروقی میں حضرت ابو ہریرہ یمن کے گورنر بنائے گئے۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے رسول اللہ ﷺ کی اکثر حدیثیں سنیں اور ان کو صحیفہ میں جمع کیا۔ اس کا نام صحیفۂ صحیحہ رکھا۔ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے۔

فجالس ابا هريرة فسمع منه احاديث وهي نحو من اربعين و مائة حديث باسنا د واحد ادركه معمر وقد كبر وسقط حاجباة على عينيه فقرأ عليه همام حتى اذا مل اخذ معمر فقرأ الباقي ۔

ہمام نے حضرت ابو ہریرہ کے پاس بیٹھ کر ان سے احادیث کا سماع کیا جو تقریبا ایک سند سے ایک سو چالیس حدیثیں تھیں معمر ہمام سے اس وقت ملے جب وہ اس قدر بوڑھے ہو چکے تھے کہ ان کی بھویں آنکھوں پر آ چکی تھیں ہمام نے معمر کو پڑھ کر سنانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ گھبرا گئے اور معمر نے وہ نسخہ لیکر باقی خود پڑھا۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۷)

ہمام بن منبہ نے مرویات ابو ہریرہ کو کتابی شکل دے کر ایک اہم کارنامہ انجام دیا یہ کتاب مسند امام احمد بن حنبل میں پوری منقول ہے۔ امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اپنی کتابوں میں اس سے حدیثیں نقل کی ہیں دور حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ۱۳۷۲ھ میں صحیفۂ ہمام بن منبہ کے دو متماثل نسخے مخطوطہ دمشق و مخطوطہ برلن کا مقابلہ کر کے اس کا شاندار ایڈیشن مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے صحیفہ کی اہمیت اور پہلی صدی ہجری میں کتابت حدیث کے اس عظیم الشان کارنامے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

حدیث نبوی کی تدوین کے باب میں اس صحیفہ کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ یہ صحیفہ اس امر پر دلیل ساطع اور حجت قاطع ہے کہ حدیث نبوی قرون اولیٰ میں مدون ہو چکی تھی اور یہ صحیفہ مستشرقین اور منکرین حدیث کی اس خطائے فاحش کا رد کرتا ہے کہ حدیث نبوی قرون ثانی کی ابتدا میں مدون ہوئی ہمام بن منبہ نے ابو ہریرہ سے ملاقات کی اور اس میں شبہ نہیں کہ ان سے ان کی مرویات کو ان کی وفات سے قبل ہی لکھ لیا اور ابو ہریرہ نے ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ صحیفہ ۵۹ھ سے قبل ہی مدون ہو چکا تھا (صحیفہ ہمام بن منبہ)

دوسری صدی کے آغاز میں جبکہ صحابہ اور کبار تابعین پردہ فرما گئے۔ احادیث وسنن
ترتیب وتدوین میں سرگرمی بڑھ گئی تابعین اور تبع تابعین کی انفرادی جدوجہد کے ساتھ حکومت کی
پر تدوین حدیث کی اجتماعی کوشش حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی تحریک تدوین حدی
سے ہوئی۔ آپ کا یہ اہم کارنامہ تاریخ علوم اسلامی کی پیشانی پر زرین حروف میں لکھا ہوا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد خلافت اسلامی کے احیاء اور بنوامیہ
لائی ہوئی ملوکیت کا خاتمہ کرنے کی جہاں سعی بلیغ فرمائی وہیں حدیث نبوی کے دفاتر تیار کرا کر انہی
اپنے حدود خلافت میں عام کرنے کی اہم کوشش کی۔ آپ نے اس کام کے لئے متعدد عمال او
ارباب علم وفضل کے پاس فرامین ومکاتیب لکھے۔

مدینہ کے گورنر قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا:

**انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاکتبہ فانی خفت دروس العلم
ذھاب العلماء ولا یقبل الاحدیث النبی ﷺ۔** (بخاری کتاب العلم)

احادیث رسول ﷺ کو تلاش کرو اور جستجو کر کے لکھو کیوں کہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ف
ہونے کا خوف ہے۔ اور صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی قبول کی جائے۔

حافظ ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں تحریر فرمایا ہے۔

ان عمر بن عبدالعزیز کتب الیٰ اھل الآفاق انظر واحدیث رسول اللہ ﷺ فاجمعوہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام آفاق اسلامی میں یہ حکم نامہ لکھا تھا کہ حضور ﷺ کی
احادیث کو دیکھ بھال کر جمع کرلو۔ (الحدیث والمحدثون ص ۱۲۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے تمام عمال وامراء کو یہ حکم دیا
تھا۔ وجہ یہ تھی کہ صحابہ وتابعین اسلامی فتوحات کے باعث کسی ایک شہر میں مقیم نہ تھے بلکہ وہ سارے
اسلامی حدود ولایت میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی مرویات اسی صورت میں یکجا کی جاسکتی
تھیں کہ سارے بلاد اسلامی کے عمال کو جمع احادیث کا فرمان بھیجا جائے۔

حافظ عبدالبر اندلسی اپنی کتاب جامع بیان العلم میں سعد بن ابراہیم کی روایت نقل کرتے ہیں۔

**امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترا دفترا و بعث الی کل
ارض لہ سلطان دفترا۔** (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۸)

ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے الگ الگ دفتروں میں

ان کولکھا تو خلیفہ نے ہر علاقہ میں جس میں آپ کا نائب تھا، ایک ایک دفتر بھیجا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے احکام وفرامین نے تدوین حدیث کی جو منظم تحریک عالم اسلام میں پیدا کی۔ اس کے نتیجہ میں احادیث رسول کے سیکڑوں نسخے مرتب و مدون ہو گئے۔ اور آئندہ کے لئے تدوین حدیث کی راہیں ہموار ہو گئیں جن پر چل کر دوسری صدی میں تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین نے احادیث کی جمع وتدوین کا اہم کام کیا۔ اس عہد کے نامور مرتبین کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

مکہ مکرمہ:۔ ابن جریج م۱۵۰ھ

مدینہ منورہ:۔ ابن اسحاق م۱۵۱ھ، امام مالک م۱۷۹ھ، ابن ابی ذئب م۱۵۹ھ،

بصرہ:۔ ربیع بن صبیح بصری م۱۶۰ھ، سعد بن ابی عروبہ م۱۵۶ھ، حماد بن سلمہ م۱۷۶ھ

کوفہ:۔ سفیان ثوری م۱۶۱ھ، امام اعظم ابو حنیفہ م۱۵۰ھ

شام:۔ امام اوزاعی م۱۵۶ھ،

واسط:۔ ہشیم بن بشیر م۱۳۸ھ،

یمن معمر بن راشد م۱۵۳ھ، خالد بن جمیل م۱۵۳ھ،

رے:۔ جریر بن عبدالحمید م۱۸۸ھ،

خراسان:۔ عبداللہ بن مبارک م۱۸۱ھ،

بغداد:۔ محمد بن حسن شیبانی م۱۸۹ھ، قاضی ابو یوسف م۱۸۲ھ،

مصر:۔ امام شافعی م۲۰۴ھ،

دوسری صدی ہجری کے تقریبا نصف اول تک تحریر وکتابت حدیث کا یہ دستور تھا کہ استاذ و معلم سے جو حدیثیں شاگردوں نے سنیں من وعن قلمبند کرلیں۔ باقاعدہ تصنیف وتالیف کے اصول پر ابواب وفصول قائم نہیں کیے گئے۔ مختلف النوع معاملات ومسائل سے متعلق احادیث ملی جلی تھیں۔ دوسری صدی کے نصف اول کے قریب اختتام اور بعد میں احادیث کی تحریر کا ایک نیا انداز و اسلوب اختیار کیا گیا اور باضابطہ ابواب وفصول کے تحت حدیثیں جمع کی جانے لگیں اس عہد کی مشہور کتابیں درج ذیل ہیں۔

موطا امام مالک م۱۷۹ھ، مصنف شعبہ بن حجاج م۱۶۰ھ مصنف لیث بن سعد مصری م۱۷۵ھ، مصنف سفیان بن عینیہ م۱۹۸ھ، مسند امام شافعی م۲۰۴ھ، مختلف الحدیث امام شافعی،

مصنف عبد الرزاق بن ہشام صنعانی م ۲۱۱ھ، کتاب الآثار امام محمد بن حسن شیبانی م ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ امام محمد، کتاب الآثار امام ابو یوسف م ۱۸۲ھ،

تیسری صدی ہجری کی تدوینی سرگرمیاں

تیسری صدی ہجری اسلامی علوم وفنون بالخصوص حدیث نبوی کی تدوین علوم حدیث کی تہذیب کا زریں عہد ہے جس میں حدیث کی وہ عظیم الشان اور زندہ جاوید کتابیں تالیف کی گئیں جنہیں قدرت نے قبول عام اور بقاء دوام عطا کیا محدثین کی مساعی جمیلہ سے کتب حدیث اور علم حدیث سے متعلق جن فنون کی ترتیب وتدوین کا کام کیا گیا وہ اس سلسلہ کے گزشتہ تمام کاموں پر فائز تو تھا ہی آنے والی صدیوں میں بھی اس پر اضافہ نہ ہوسکا بلکہ آج تک اس عہد کا کارنامہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے خاتمہ تک علماء اسلام نے جس موضوع پر جو کچھ لکھ دیا وہی بعد کے علماو مصنفین کے لئے سرمایۂ علم وفن کی اساس ٹھہرا۔ بعد کی صدیوں میں تنقیح وتہذیب اور تحقیق کے الگ الگ شعبے قائم ہوئے۔ مگر ان تمام سرگرمیوں کا محور اس صدی کی تصانیف اور تحقیقی کام تھے۔

مسانید کی ترتیب وتدوین کا کام اگرچہ دوسری صدی ہجری کے ربع آخر میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن تیسری صدی کے اہم تدوینی عہد میں اس کام کو کافی فروغ ہوا۔ مصنف ہر صحابی کے ذکر میں اس کی تمام مرویات کو ذکر کرتا تھا۔ علامہ عبدالحیٔ کتانی م ۱۳۴۵ھ رقم طراز ہیں۔

بعض ائمہ نے یہ سوچا کہ خاص احادیث نبوی پر (اقوال وآثار صحابہ کو چھوڑ کر) مشتمل تالیفات کی جانی چاہئیں، اور یہ تحریک دوسری صدی ہجری کے قریب الختم شروع ہوئی تو لوگوں نے مسندین تالیف کیں۔ چنانچہ عبداللہ بن موسیٰ بغدادی م ۲۱۳ھ نے ایک مسند تالیف کی۔ نیز دوسرے مندرجہ ذیل محدثین نے اپنی اپنی مسندیں تالیف کیں۔

اسد بن موسیٰ اموی م ۲۱۲ھ، نعیم بن حماد الخزاعی ۲۲۹ھ، ابوخیثمہ زہیر بن حرب ۲۳۴ھ، مسدد بن مسرہد م ۲۲۸ھ،

پھر دوسرے ائمہ نے بھی اس طریقہ تدوین کو اختیار کیا پھر شاید ہی کوئی ایسا حافظ الحدیث امام ہو جس نے احادیث نبی ﷺ پر مشتمل ایک مسند نہ لکھی ہو۔ مثلاً امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ م ۲۳۸ھ، عثمان بن ابی شیبہ م ۲۳۹ھ، احمد بن منیع م ۲۴۴ھ، احمد بن عمرو بن عبدالخالق، ابوبکر البزار م ۲۹۲ھ (مستطرفہ بحوالہ تاریخ افکار وعلوم اسلامی ج ۱ ص ۲۲۸)

محمد الخضری تاریخ التشریع الاسلامی میں لکھتے ہیں۔

دوسرے طبقہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اور لوگوں نے اقوال سے الگ کرنا مناسب سمجھا اور وہ کتابیں تالیف کیں، جو مسانید کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً مسند عبداللہ بن موسیٰ کوفی، مسند مسدد بن مسرہد بصری، مسند اسد بن موسیٰ بصری، مسند نعیم بن حماد خزائی، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسند امام احمد بن حنبل، ان لوگوں نے احادیث کو ان کے راویوں کے مسانید میں درج کیا۔ مثلاً ابوبکر صدیق کا ذکر کرتے ہیں، تو اس میں ان تمام روایتوں کو درج کرتے ہیں جو ان سے مروی ہیں (ایضا ۲۵۴)

اس طریقہ تدوین کے علاوہ جو سب سے اہم تدوینی کام کیا گیا وہ حدیث کے معیار صحت وسقم کو مدنظر رکھ کر تحقیق وتدقیق کے بعد احادیث کو مدون کرنا ہے اس غرض سے پورے ذخیرۂ احادیث کو اصول روایت ودرایت پر پرکھا گیا۔ مدونین نے پوری علمی وتحقیقی دیانت اور تفتیشی ذمہ داری کے ساتھ رسول اللہ کی جانب منسوب ہر قول وفعل کے متن اور اس کے سلسلہ اسناد کو جانچ پرکھ کر حدیث کی فنی وشرعی حیثیت بھی واضح کی اور حدیث کے مرتبہ کا تعین کر کے آنے والی نسلوں کے لئے بڑی حد تک صراط مستقیم ہموار کردی علامہ محمد الخضری اس عہد کے تدوینی کام کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اس طبقہ نے اپنے سامنے ایک عظیم الشان ذخیرہ کو دیکھا تو، اس نے اپنے لئے انتخاب کا دروازہ کھولا، اور اس طبقہ کے سرخیل امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی متوفی ۲۶۵ھ، امام مسلم بن حجاج نیشاپوری م ۲۶۱ھ ہیں۔ جنہوں نے روایت وانتخاب میں نہایت چھان بین کرنے کے بعد اپنی صحیحین کو تصنیف کیا ہے اس لئے وہ اس معاملہ میں انتہائی درجہ کو پہونچ گئے ہیں۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی م ۲۷۵ھ، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ السلمی الترمذی م ۲۷۹ھ، ابوعبداللہ محمد بن تمریزی قزوینی ابن ماجہ م ۲۷۳ھ، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی م ۳۰۳ھ نے انہیں کی تقلید کی۔ ان کی کتابیں کتب ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس دور کے لوگوں میں کچھ لوگ اور تھے جن کا نظریہ یہ تھا کہ تابعین اور تابعین کے بعد جو رواۃ حدیث ہیں ان کے حالات سے بحث کریں۔ اور ان لوگوں میں ہر ایک کے ضبط، اتقان، عدالت یا ان کے خلاف اوصاف کو بیان کردیں۔ یہ رجال جرح وتعدیل کے نام سے مشہور ہیں (تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۵۵)

صحیح احادیث کی جمع وتدوین کا نیا اسلوب امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن

اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح کے ذریعہ شروع کیا انہوں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث نقل کرنے کا کام کیا ان کے ہم عصر اور ان کے شاگرد رشید امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے بھی اسی طرز پر صحیح مسلم تالیف کی بخاری اور امام مسلم کی پیروی میں ابو داؤد م ۲۷۵ھ نے اپنی سنن اور جوامع ترتیب دیں ان کتابوں کو صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن کی ترتیب وتالیف کے بعد علم حدیث کے طلبہ کے لئے صحیح احادیث تک رسائی کا راستہ ہموار ہو گیا۔

کتابت وتدوین حدیث کا یہ نقطۂ ارتقاء تھا جس کی ابتداء عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی صحاح ستہ کی تدوین کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے حدیثوں کا ذخیرہ کتب وصحائف میں محفوظ ہی نہیں تھا بلکہ سارا ذخیرہ پہلے سے موجود تھا جسے تیسری صدی کے محدثین نے نئے اسلوب وانداز سے صحیح احادیث کو عقائد واحکام سیر ومغازی شمائل ومعمولات نبوی سے متعلق ابواب وفصول کے تحت جمع کر دیا اس طرح ان کا کام تدوین حدیث کا اولین کام نہیں بلکہ نقطۂ انجام ہے۔

صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین نے احادیث نبویہ کی جمع وترتیب تدوین وتالیف اور حدیث کے متن اور اسناد کو پرکھنے کی جو سعی بلیغ کی اور تدوین حدیث کے باب میں پوری احتیاط اور اخلاص وبے نفسی کو بروئے کار لا کر سنت کی محافظت اور مدافعت کا جو بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے ان خدمات کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت کی عمارت اپنے دونوں ارکان قرآن وسنت کے بل پر ہمیشہ کے لیے استوار اور مستحکم ہو گئی اور امت مسلمہ اس قابل ہو گئی کہ وہ پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اپنے نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی طرف رجوع کر سکے۔ حدیث کا ذخیرہ اب ہر طرح کی آمیزش اور مداخلت سے محفوظ ہو چکا ہے، صحیح، حسن اور ضعیف احادیث کے مابین کامل امتیاز کیا جا چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام مفسدین منافقین زنادقہ اور نفس پرستوں کی سازش اور دست برد سے اپنی شریعت کے بچاؤ کا انتظام فرما دیا ہے۔

محمد عاصم اعظمی

(۱) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

۸۰ھ تا ۱۵۰ھ

امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی نعمان کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطا (نعمان) بن ماہ (مرزبان)۔ آپ کا خاندان عجم کے معزز شرفاء سے تعلق رکھتا ہے۔ امام صاحب کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کہتے ہیں "نحن من ابناء فارس الاحرار" (تہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱) دادا زوطا نے اسلام قبول کیا جن کا اسلامی نام نعمان ہے۔ جنہوں نے شہر کوفہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ حضرت علی کے عہد خلافت میں زوطا کے بیٹے ثابت پیدا ہوئے جنہیں لے کر وہ بارگاہ مرتضوی میں پہونچے تو حضرت مولیٰ علی نے ثابت اور ان کی ذریت کے حق میں برکت کی دعا فرمائی "ذهب ثابت الى على بن ابى طالب رضى الله عنه وهو صغير فدعا له بالبركة فيه وفى ذريته"

امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کہتے ہیں "نحن نرجو ان يكون الله تعالىٰ قد استجاب ذلك لعلى فينا" ہمیں امید ہے کہ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کی دعا کو قبول فرمایا۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۰۱)

اسی متبرک خانوادے میں ثابت بن نعمان کے گھر حضرت امام ابو حنیفہ کی ولادت بمقام کوفہ ۸۰ھ میں ہوئی۔

آپ کا وطن کوفہ اس زمانے میں اسلامی علوم و فنون کا زبردست مرکز تھا جہاں معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے اکابر صحابہ نے علم و فضل کی بساط آراستہ کی تھی اور جسے مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دارالخلافہ ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ کوفہ کا کوچہ کوچہ علم و عرفان کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔

تحصیل علم:۔

امام اعظم نے اس شہر میں آنکھ کھولی تھی جس کے ذرے ذرے سے علم و عرفان کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ آپ ابتدائی تعلیم کے بعد آبائی پیشہ خزبافی کے کاروبار میں بیس سال کی عمر تک مصروف رہے اور اس کارخانے کو ترقی دی لیکن قدرت نے آپ کو فروغ علم کے لیے پیدا کیا تھا اور عظیم علمی کام لینا مقصود تھا چنانچہ آپ ایک روز بازار جا رہے تھے کوفہ کے مشہور امام شعبی کا مکان راستہ میں تھا

سامنے سے گذرے تو انہوں نے طالب علم سمجھ کر بلایا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا میرا مطلب یہ تھا کہ تم کس سے پڑھتے ہو؟ آپ نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کسی سے بھی نہیں امام شعبی نے کہا مجھ کو تمہارے اندر قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ یہ نصیحت مؤثر ثابت ہوئی اور آپ تحصیل علم کی جانب متوجہ ہوئے۔

ابتداء میں ادب وانشاء اور کلام کی تعلیم حاصل کی کچھ دنوں بعد فقیہ وقت امام حماد کے حلقۂ درس سے وابستہ ہو کر فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس لیا اور ذوق علم کی تسکین کے لیے مکہ، مدینہ اور بصرہ کے متعدد سفر کیے حرمین شریفین میں کافی دنوں تک قیام کیا جو علماء و مشائخ کے عظیم مرکز تھے اور ایام حج میں تمام بلاد و امصار اسلامی کے علماء کا یہاں اجتماع ہوتا تھا ان مقامات پر تابعین و مشائخ حدیث سے سماع حدیث کرتے رہے آپ نے تقریباً چار ہزار مشائخ سے کسب علم فرمایا ان میں چند اہم شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عطاء، نافع، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، عدی بن ثابت، سلمہ بن کہیل، ابو جعفر محمد بن علی، قتادہ، عمرو بن دینار، ابو اسحٰق (تذکرہ ج ۱ ص ۱۵۹) ابراہیم بن محمد، اسماعیل بن عبدالملک ابو ہند حارث بن عبدالرحمٰن، حماد بن ابی سلیمان، خالد بن علقمہ، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، طاؤس بن کیسان، عبداللہ بن دینار، امام زہری، زیاد بن علاقہ، سعید بن مسروق، سماک بن حرب، مقداد بن عبدالرحمٰن، شیبان بن عبدالرحمٰن، عکرمہ، ہ بن مرشد، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱)

امام اعظم نے اپنے عہد کے مقتدر علماء و مشائخ سے قرآن، حدیث، فقہ، کلام اور دیگر علوم وفنون حاصل کیے اپنی ذہانت وطباعی اور خداداد علمی استعداد سے سب میں عبور حاصل کیا وہ اپنے انہماک علم کے بارے میں کہتے ہیں:

میں نے جب تحصیل علم کا ارادہ کیا تو تمام علوم کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیا ہر فن کو پڑھا۔ (تاریخ علم فقہ ص ۴۱)

فضل وکمال:۔

امام اعظم نے جس ذوق وشوق کے ساتھ علوم اسلامی کی تحصیل کی وہ اپنے وقت کے بے نظیر فقیہ، مجتہد، امام حدیث اور عبقری عالم بن گئے قدرت نے ان کی ذات میں بے شمار صوری ومعنوی خوبیاں جمع کر دی تھیں اور وہ بلا ریب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق کامل بن گئے تھے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے ہم حضور کی بارگاہ میں حاضر تھے اسی مجلس میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے اس سورہ کی آیت "و آخرین منهم لما یلحقوا بهم" کی تلاوت فرمائی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا حضور یہ دوسرے کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے حضور نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا "لو كان الايمان عند الثريا لناله رجال من هؤلاء" اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کریں گے۔ (صحیح البخاری ج۲ص۷۲۷)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو متعدد ماخذوں کے حوالہ سے اپنی "تبییض الصحيفة في مناقب ابی حنیفة" میں تحریر فرمایا۔

بشر النبي صلى الله عليه وسلم بالامام ابى حنيفة فى حديث اخرجه ابو نعيم فى الحلية عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان العلم بالثريا لناله رجال من ابنا ء فارس واخرج الشيرازى فى الالقاب عن قيس بن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان العلم بالثريا لتناوله قوم من ابنا ء فارس واخرج البخارى ومسلم فى صحيحهما حديث ابى هريرة بلفظ لو كان الايمان عند الثريا لناله رجال من فارس ولفظ مسلم لو كان الدين عند الثريا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله وفى معجم الطبرانى عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان الدين معلقا بالثريا لتناوله ناس من ابناء فارس فهذا اصل صحيح يعتمد عليه فى البشارة والفضيلة فى الاشارة الىٰ ابى حنيفة الخ

علامہ سیوطی کے شاگرد محمد یوسف دمشقی نے تحریر فرمایا:

"ماجزم به شيخنا من ان ابا حنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء الفارس فى العلم مبلغه احد" ہمارے شیخ نے جو فیصلہ کیا ہے اس حدیث سے مراد ابوحنیفہ ہیں وہ بالکل ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اس لیے کہ اہل فارس میں کوئی شخص علم میں ابوحنیفہ تک نہیں پہونچا۔

علماء ومشائخ اسلام نے آپ کی علمی جلالت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

- عبداللہ بن مبارک: "افقه الناس ابو حنيفة ما رأيت فى الفقه مثله"

لوگوں میں ابوحنیفہ سب سے بڑے فقیہ تھے میں نے کسی کو ان کے مانند فقہ میں نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱)

❁ امام شافعی: "الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة" لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ (ایضاً)

❁ قاسم: "امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رساں کوئی مجلس نہیں ہے"۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۵۹)

❁ مسعر بن کدام: "ما احسد بالکوفة الا رجلین ابا حنیفة لفقهه والحسن بن صالح لزهده" کوفہ میں دو آدمیوں سے مجھ کو رشک ہوتا ہے فقہ کی وجہ سے ابوحنیفہ سے اور زہد کی وجہ سے حسن بن صالح سے (اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ ص ۵۴)

❁ ابونعیم: "کان ابو حنیفة صاحب غوص فی المسائل" ابوحنیفہ مسائل کی گہرائیوں میں اترنے والے تھے۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۲)

❁ حافظ ذہبی: "وکان اماماً ورعا عالماً عاملاً متعبداً کبیر الشان لا یقبل جوائز السلطان بل یتجر ویکتسب" آپ امامت کے درجہ تک پہونچے ہوئے عالم باعمل پرہیزگار، عبادت گذار اور جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے بادشاہوں کے نذرانے اور تحائف قبول نہیں کرتے تھے تجارتی کاروبار سے معاش حاصل کرتے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۵۹)

❁ یزید: "ما رایت احدا اورع ولا اعقل من ابی حنیفة" میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار اور ان سے زیادہ عقلمند کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

❁ ابوداؤد: "ان ابا احنیفة کان اماماً" بیشک ابوحنیفہ امام تھے۔ (ایضاً)

❁ امام مالک: "رایت رجلا لو کلمک فی هذه الساریة ان یجعلها ذهبا لقام بحجعه" میں نے انہیں (ابوحنیفہ کو) ایسا شخص پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو اپنے علم کے زور پر ایسا کر سکتے تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۰۳)

❁ یحیٰ بن معین: "القراۃ عندی قراۃ حمزة والفقه فقه ابی حنیفة" میرے نزدیک قرأت حمزہ کی ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی۔ (ایضاً)

❁ ابن خلکان: "وکان عالما عاملا زاهداً عابداً ورعاً تقیا کثیر الخشوع دائم التضرع الی الله تعالیٰ" وہ عالم، عامل، زاہد، عابد، پرہیزگار، متقی کثیر الخشوع اور اللہ کی

طرف ہمیشہ تضرع کرنے والے تھے۔ (وفیات ج ۳ ص ۲۰۲)

- اسرائیل: احکام سے متعلق کسی کو ان سے زیادہ احادیث یاد نہ تھیں ان سے زیادہ کوئی حدیث کی فقہ جاننے والا نہ تھا۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۶۰)

- امام وکیع: میں کسی عالم سے نہیں ملا جو امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے زیادہ نماز پڑھتا ہو۔ (ایضاً)

- سفیان ثوری: سفیان ثوری نے ایک شخص سے فرمایا (جو امام صاحب کی مجلس سے واپس آیا تھا) کہ تم روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے واپس آرہے ہو۔ (محدثین عظام ص ۵۲)

- فضیل بن عیاض: آپ عظیم فقیہ کثیر المال صاحب جود و کرم شب و روز مطالعہ میں مصروف رہنے والے عبادت گذار خاموشی کے عادی اور کم گو تھے جب حلال و حرام کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ سچی بات کہہ دیتے سلطان کے مال سے آپ کو نفرت تھی۔ (حیات امام اعظم ص ۹۲)

- عبداللہ بن مبارک: کوئی بھی ابوحنیفہ سے بڑھ کر اقتداء کے لائق نہیں اس لیے کہ وہ امام تھے۔ متقی تھے صاف و بے داغ تھے پرہیزگار تھے عالم تھے فقیہ تھے انہوں نے علم کو بصیرت، فہم و فراست اور تقویٰ کے ذریعہ اس طرح کھول کر بیان کیا جیسا کسی اور نے نہیں کیا۔

(عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان)

- امام اوزاعی: مجھے امام ابوحنیفہ پر ان کی کثرت علم اور وفور عقل کی وجہ سے رشک آیا۔ (ایضاً)

- عبداللہ بن داؤد: **"لا یتکلم فی ابی حنیفۃ الا احد رجلین اما حاسد لعلمہ واما جاھل بالعلم لا یعرف قدر حملتہ"** ابوحنیفہ پر رد و قدح کرنے والا یا تو ان کے علم سے حسد کرنے والا ہے یا علم کے مرتبہ سے جاہل ہے وہ علم کے حاملوں کی قدر سے بے خبر ہے۔ (اخبار ابی حنیفۃ ص ۵۴)

- سفیان: **"ابو حنیفۃ فی العلم محسود"** علم میں ابوحنیفہ سے لوگ حسد کرتے تھے۔ (ایضاً)

- حافظ عبدالبر: امام ابوحنیفہ محسود تھے ان کی طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کی جاتی تھیں جو ان میں نہیں ہوتی تھیں اور ایسے ایسے امور گڑھے جاتے تھے جو ان کی عظمت شان کے قطعاً مناسب نہیں۔ (عقود الجمان)

امام اعظم کی ہمہ گیر علمی شخصیت اور مقبولیت نے ان کے بعض معاصرین اور کچھ ناعاقبت اندیشوں کو آپ کا مخالف بنا دیا تھا اور وہ اس آفتاب علم و حکمت پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم کوشش کرتے اور آپ کو طرح طرح سے متہم کرتے مخالفین کا یہ طرز عمل آپ کی عظمت شان کو چھپانے کی ناکام کوشش تھی چنانچہ آپ کے حاسدوں کا نام تو مٹ گیا مگر امام صاحب کی علمی جلالت اور فقہی عظمت کا آفتاب پوری دنیا کو منور کر رہا ہے۔

مسند درس اور تلامذہ:۔

تحصیل علم کے بعد امام صاحب نے اپنے شیخ اجل حضرت حماد کی درسگاہ کو زینت بخشی۔ کوفہ، بصرہ، بغداد اور دوسرے علاقوں کے طالبان علم جوق در جوق آپ کی مجلس درس میں حاضر ہو کر اکتساب علم و فن کرنے لگے اور بقول ابن حجر آپ کے تلامذہ کا شمار دشوار ہے علامہ کردری نے آٹھ سو فقہاء محدثین کو آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے ظاہر ہے یہ تعداد آپ کے مشاہیر تلامذہ کی ہے چند نامور تلامذہ یہ ہیں۔

زفر بن ہذیل، قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن، اسد بن عمرو، حسن بن زیاد، نوح بن مریم، ابو مطیع بلخی، عبد اللہ بن مبارک، لیث بن سعد، امام مالک، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، یحییٰ بن سعید، عبد الرزاق بن ہمام، یزید بن ہارون، وکیع بن الجراح، حفص بن غیاث، یحییٰ بن زکریا، علی بن عاصم، عباد بن عوام، اسد بن عمرو بجلی، یوسف بن خالد، حماد بن ابی حنیفہ، ابراہیم طہمان، حمزہ بن حبیب، ابو یحییٰ حمانی، عیسیٰ بن یونس، یزید بن زریع، حکام بن یعلی، خارجہ بن مصعب، عبد المجید بن رواد، علی بن مسہر، محمد بن بشر عبدی، مصعب بن مقدام، یحییٰ بن یمان، ابو عبد الرحمٰن المقری، ابو عاصم ابو نعیم۔

(تہذیب التہذیب ج ١٠ ص ٤٠١، تذکرۃ الحفاظ ج ١ ص ١٥٩)

خدمت حدیث:۔

تاریخ علم کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ امام اعظم کی تحقیر شان کے لیے قلیل البضاعت فی الحدیث کا بے بنیاد الزام آپ کے نام کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا آپ کی محدثانہ حیثیت پر کلام کرتے ہوئے مخالفین نے طرح طرح کی باتیں کہی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم حدیث میں قلیل البضاعت تھے ان کی کل مرویات سترہ ہیں۔

● وہ حدیث پر قیاس و رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے فقہی مسلک کی اساس سنت پر قائم نہیں۔

خطیب بغدادی نے امام صاحب کا تذکرہ سو صفحات میں کیا ہے ابتدائی صفحات میں مناقب وفضائل تحریر کیے ہیں پھر ۵۴ صفحات پر تصویر کا دوسرا رخ پیش کیا ہے۔ جن میں نکتہ چینیاں اور معائب ذکر کیے ہیں۔ ذرا سی عقل رکھنے والا انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے یہ باور نہیں کر سکتا کہ کوئی انسان ایسے دو متضاد صفات کا حامل ہو سکتا ہے؟ وہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ یا تو اس کے مناقب کی داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی طویل فہرست محض افتراء و بہتان کا مجموعہ ہے۔

● ابن خلکان نے اس تضاد کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وقد ذكر الخطيب في تاريخه منها شيئا كثيراً ثم اعقب ذلك بذكره ماكان الا ليق في تركه والا ضراب عنه . فمثل هذا الامام لايشك في دينه ولا في ورعه وتحفظه ولم يكن يعاب بشيء سوى قلة العربية"

" خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیوں کہ امام اعظم جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہہ کیا جا سکتا ہے نہ حفظ وورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلتِ عربیت کے اور نہیں کی گئی"۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۰۵)

بعض ائمہ حدیث نے بھی حضرت امام پر قلت حدیث کا طعن کیا ہے خطیب نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ابوحنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔ (فتح الباری اول ص ۱۱۲)

مورخین کے اقوال و آراء میں حق وصداقت کا عنصر کس قدر ہے؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہم ذیل میں اکابر علمائے ملت کے اقوال و آراء پیش کرتے ہیں۔

مصری فاضل محمد ابوزہو لکھتے ہیں:

"زعمهم انه كان قليل البضاعة في الحديث زعم باطل بعد ان اجمعت الامة على انه من ائمة الهدىٰ المجتهدين الذين لهم خبرة واسعة بالكتاب والسنة ومعانيها وقد جمع محمد بن محمد الخوارزمي المتوفي سنة ٦٦٥ مسند الابي حنيفة اخذه من خمسة عشر مسنداً".

"لوگوں کا خیال ہے کہ امام اعظم حدیث میں قلیل البضاعۃ تھے ان کا یہ زعم باطل ہے اس لیے کہ امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ وہ ان ائمۂ ہدیٰ اور مجتہدین میں سے ہیں جو کتاب وسنت اور ان کے معانی کے سلسلے میں وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ محمد بن محمد خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے

مسند ابی حنیفہ ترتیب دیا جسے انہوں نے پندرہ مسانید سے اخذ کیا"۔ (الحدیث والمحدثون ص ۲۸۴)

علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں:

"امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان سے صرف سترہ احادیث مروی ہیں۔ یا اس کے قریب قریب یہ بعض حاسدوں کی خام خیالی ہے کہ جس امام سے روایت کم مروی ہوں وہ حدیث میں قلیل البضاعۃ ہوتا ہے، حالانکہ ایسا لغو تخیل کیا ائمہ کے بارے میں سخت گستاخی و بے عقلی نہیں ہے؟"۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۷)

❁ ابن حجر مکی شافعی الخیرات الحسان میں تحریر فرماتے ہیں:

"مر انه اخذ عن اربعة الاف شيخ من ائمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبى فى طبقات الحفاظ من المحدثين ومن زعم قلة اعتناء ه بالحديث فهو لحسده اذ كيف يتاتى لمن هو كذٰلك استباط مثل ما استنبطوا من المسائل التى لا تحصى كثرته مع انه اول من استنبط من الادلة على الوجه المخصوص المعروف فى اصحابه ولا جل اشتغاله بهذا الاهم لم يظهر حديثه فى الخارج"

یہ بات بیان ہو چکی کہ امام ابوحنیفہ نے چار ہزار مشائخ ائمہ تابعین سے حدیث اخذ کی ہے اسی وجہ سے ذہبی وغیرہ نے حفاظ محدثین کے طبقہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ ان کو حدیث میں کم دخل تھا تو اس کا یہ قول حسد پر مبنی ہے اس لیے کہ جس کو چند حدیثیں معلوم ہوں گی ان سے بیشمار مسائل کا استنباط و احکام شرعیہ کا استخراج کیوں کر ہو سکتا ہے۔

حالانکہ امام اعظم سب سے پہلے امام ہیں جنہوں نے ادلۂ شرعیہ سے مخصوص اصول وضوابط کے تحت استنباط واجتہاد کا کام کیا اور ظاہر ہے کہ یہ کام بغیر فن حدیث کی مہارت کے ہو نہیں سکتا اور اسی اہم مشغولیت کی وجہ سے محدثانہ انداز میں آپ کی حدیثیں زیادہ ظاہر ہیں۔

ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی امام اعظم کے قلیل البضاعۃ فی الحدیث ہونے کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان ابا حنيفة رحمه الله امام مجتهد باجماع الموافقين والمخالفين ومن شرائط الاجتهاد ان يحيط المجتهد باحاديث الاحكام . وهى آلف وعلىٰ اقل تقدير بضع مئات كما ذهب اليه بعض الحنابلة فكيف جاز لابى حنيفة ان يجتهد وهو لم يستكمل اهم شرط من شروط الاجتهاد؟ كيف اعترفوا الائمة اجتهاده وعنوا بفقهه

ونقلوه في الآفاق ...ان من يطالع مذهب الامام يجده قد وافق الاحاديث الصحيحة في مئات من المسائل وقد جمع شارح القاموس السيد مرتضى الزبيدى رحمه الله كتابا جمع فيه الاحاديث من مسانيد الامام ابى حنيفة التى وافقه في روايتها اصحاب الكتب الستة سماه "عقد الجواهر المنيفة في ادلة ابى حنيفة" فكيف وافق اجتهاد الامام مئات الاحاديث الصحيحة وليس عنده الا بضعة عشر حديثاً او خمسون او مائة وخطا في نصفها".

"بلاشبہ ابوحنیفہ مخالفین وموافقین کے اجماع سے امام ومجتہد تھے اور اجتہاد کے شرائط سے ہے کہ مجتہد احادیث احکام کا احاطہ کرے اور وہ ایک ہزار حدیثیں ہیں بعض حنابلہ نے جو چند سو حدیثوں کے بارے میں کہا ہے۔

پس ابوحیفہ کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ اجتہاد کریں اور شرائط اجتہاد کی ایک شرط کو پورا نہ کریں اور ایسی صورت میں ائمہ نے ان کے اجتہاد کا اعتبار کیسے کر لیا اور ان کی فقہ کی اعانت کی اور اسے دنیا میں مشتہر کیا... جو امام اعظم کے فقہی مذہب کا مطالعہ کرے گا وہ اسے احادیث صحیحہ کے موافق صدہا مسائل میں پائے گا۔ شارح قاموس سید مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب مرتب کی جس کے اندر امام اعظم ابوحنیفہ کے مسانید سے حدیثیں جمع کی ہیں۔ وہ صحاح ستہ کے مصنفین کے موافق ہیں جس کا نام عقد جواہر المنیفۃ فی ادلۃ ابی حنیفہ رکھا۔ تو کیسے امام کا اجتہاد صدہا احادیث صحیحہ کے موافق ہوگا۔ جب کہ ان کے پاس سترہ یا پچاس یا ڈیڑھ سو احادیث کے علاوہ نہیں"۔ (التشریع الاسلامی ص۲۱۲)

اب ہم ملت کے مقتدر ائمہ کے اقوال پیش کرتے ہیں:

جس سے امام صاحب کی محدثانہ جلالت اور حدیث دانی کا اندازہ کرنا آسان ہوگا۔

❁ حافظ محمد بن یوسف شافعی محدث دیار مصر فرماتے ہیں:

"كان ابوحنيفة من كبار حفاظ الحديث و اعيانهم ولولا كثرة اعتنائه بالحديث ماتهيا له استنباط مسائل الفقه"

امام ابوحنیفہ کبار واعیان حفاظ حدیث میں تھے اگر ان میں زیادہ اعتناء بالحدیث نہ ہوتا تو وہ مسائل فقہیہ کا استنباط نہیں کر سکتے تھے۔ (الحدیث والمحدثون ص۲۸۴)

❁ حفص بن غیاث: امام ابوحنیفہ جیسا عالم ان احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام

میں مفید صحیح ہوں۔ (انوار الباری ج ١ ص ٥٩)

● امام سیوطی فرماتے ہیں:

"من کبار الحفاظ وثقة الناس و ماضعفه الا متعصب".

''ابوحنیفہ کبار حفاظ حدیث اور ثقہ لوگوں میں تھے ان کی تضعیف متعصب لوگوں کے علاوہ کسی نے نہیں کی''۔ (الحدیث والمحدثون ص ٢٨٥)

● یحییٰ بن سعید القطان: ''واللہ امام ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے۔ اس کے سب سے بڑے عالم ہیں''۔ (محدثین عظام ص ٥٨)

● یحییٰ بن معین: "لا باس به لم یکن یتهم"

''امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے ان میں اصول جرح وتعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں تھا۔ (تذکرہ ج ١ ص ١٦٠)

ان اقوال واقتباسات کی روشنی میں امام اعظم پر قلت حدیث کا طعن بالکل بے بنیاد ہو کر جاتا ہے اور ان کی محدثانہ شان وعظمت نکھر کر سامنے آجاتی ہے علاوہ ازیں امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے وقت کے امام حدیث تھے اور ان کی امامت فی الحدیث پر سب متفق ہیں''۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری فرماتے ہیں:

نعمان بن ثابت (ابوحنیفہ) سے عبداللہ بن مبارک، عباد بن عوام، وکیع ہشیم، خالد بن مسلم معاویہ قصری نے روایت کی۔ (دراسات)

ان حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علم نبوی کے حافظ عادل اور ثقہ تھے اور وہ اپنے اجتہادی امور میں احادیث صحیحہ کی جانب رجوع کرتے تھے اور احادیث کی صحت وضعف کو خوب پہچانتے تھے اس کے معانی، مفاہیم اور دقائق وغوامض کا علم رکھتے تھے۔

امام کی مرویات دیگر محدثین کے مقابلہ میں قلیل ضرور ہیں مگر قلت روایت کا سبب حدیث میں ان کی بے مائیگی نہیں بلکہ نقل وروایت حدیث میں ان کے شرائط دیگر ائمہ محدثین کی بہ نسبت زیادہ سخت تھیں اور وہ اصول روایت کے ساتھ ساتھ اصول درایت کو بھی خاص طور پر اہمیت دیتے تھے۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ کی روایت کے کم ہونے کا مسئلہ تو اس کا راز یہی ہے کہ انہوں نے تحمل روایت کی شرطیں سخت کردی تھیں حدیث یقینی کے فعل نفسی اگر معارض ہوتا تھا اس حدیث کو ضعیف ٹھہرا کر رد کردیا کرتے تھے انہیں پابندیوں اور قیود سے ان کی روایت کم ہوگئیں۔ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ آپ نے قصداً یا عمداً حدیث کی روایت سے اعراض کیا"۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۸)

علم حدیث میں امام اعظم کا سب سے اہم کارنامہ قبول روایت اور تنقیح حدیث کے وہ معیار و اصول ہیں جنہیں آپ نے وضع فرمایا۔ جن سے بعد کے علمائے حدیث نے استفادہ کیا اور وہ علمائے احناف کی کتابوں میں متفرق انداز سے آج بھی موجود ہیں۔

امام اعظم نے حدیث کی تمام اقسام پر اجتہادی حیثیت سے کام کیا ہے اور صیانت حدیث کے لیے بصیرت افروز راہ نما اصول مرتب فرمائے ہیں اور اس میدان کے شہسواروں کو عقل و آگہی کا نور عطا کیا ہے۔

قلت روایت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ امام صاحب کے نزدیک دیگر محدثین کی طرح ذخیرۂ احادیث کی کمیت مقصود نہ تھی بلکہ وہ کیفیت و صحت حدیث کے قائل تھے اور خاص طور پر ان احادیث کو ہی وہ قابل روایت سمجھتے تھے۔ جن سے فقہی مسائل کا استخراج و استنباط ہو جو حدیث کی تشریعی حیثیت کا اقتضاء ہے۔

امام صاحب کی قلت روایت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ وہ صرف ایک محدث ہی نہ تھے بلکہ متکلم، مجتہد فقیہ اور داعی بھی تھے خصوصیت کے ساتھ انہوں نے حالات و زمانہ کے اہم تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون اسلامی کی تدوین کا جو مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا وہ یکسوئی اور انہماک کا طالب تھا اور اتنا وقیع و اہم کام تھا جس نے دوسرے امور کو پس انداز کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

حضرت امام صاحب حدیث کے ظاہری الفاظ حفظ و یادداشت اور ان کی روایت پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ وہ احادیث کے مفاہیم و مراد کی گہرائی کو معلوم کرنے اور ان سے مسائل فقہیہ کی تخریج و استنباط پر زور دیتے۔ جہاں تک کثیر الروایہ محدثین کی عقل و فہم کی رسائی نہ ہوتی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

"حدیث کی صحیح مراد اور اس میں مسائل کے مآخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔ بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہری پہلو کو اختیار کرلیتا تو بعد میں مجھے تنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری

تھی"۔ (خطیب ج۱۳ص۳۴۰)

ایک دن مشہور محدث اعمش نے قاضی ابو یوسف سے دریافت کیا کہ آپ کے استاذ نے عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کردیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہوجاتی ہے۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہ کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطۂ ابراہیم واسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہوئیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کردیں۔ اس پر اعمش نے کہا بلاشبہ ابو حنیفہ نہایت سمجھدار شخص ہیں۔ (خطیب ج۱۳ص۳۴۱)

یہ واقعہ جہاں حضرت امام کی ژرف نگاہی کا ثبوت ہے وہیں عمل بالحدیث اوراعتصام بالسنہ کی روشن دلیل بھی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امام اعظم کی فقہ پر وقت کے جلیل القدر محدثین فتوے دیا کرتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں۔ وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔ (جامع بیان العلم ج۲ص۱۴۹)

تدوین حدیث:۔

یحییٰ بن نصر کا بیان ہے کہ میں ایک بار امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو ایک گھر میں پایا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے عرض کیا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ حدیثیں ہیں۔ جن کی میں نے روایت نہیں کی بجز ان تھوڑی حدیثوں کے جن سے لوگوں کو نفع ہو۔ (مقدمہ کتاب آلا ثار)

امام صاحب کا بیان ہے۔ میرے پاس ذخیرۂ حدیث کے بہت سے صندوق ہیں جن میں سے بہت تھوڑا سا حصہ انتفاع کے لیے نکالا ہے۔ (مناقب امام اعظم للموفق)

متذکرہ بالا روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے احادیث نبویہ کو قلمبند فرمایا تھا اور یہ مدون ذخیرہ کافی تھا مگر انہوں نے فقہی ضروریات اور مسائل کے استخراج واستنباط کے قابل احادیث کو اپنے معیار نقد حدیث پر پرکھ لینے کے بعد ہی روایت کیا جنہیں تلامذہ نے ضبط تحریر میں لانے کا کام کیا۔

ازمنۂ ماضیہ میں کتاب سازی کا یہ بھی انداز تھا کہ شیوخ واساتذہ کی مرویات تلامذہ ضبط تحریر میں لاتے تھے اور وہ کتابیں شیوخ واساتذہ کی جانب منسوب ہوا کرتی تھیں۔ اسی ضمن کی

کتاب۔ کتاب الآثار بھی ہے جسے ان کے تلامذہ قاضی ابو یوسف، محمد، زفر، حسن بن زیاد نے "حدثنا و "اخبرنا" کے صیغوں کے ساتھ منضبط کیا گوکہ مولانا شبلی نعمانی نے کتاب الآثار کو امام صاحب کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ (سیرۃ النعمان ص ۱۲۲) مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے۔ جس کی تائید کسی اور محقق کے قول سے نہیں ہوتی۔

علمائے ماسبق نے کتاب الآثار کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے۔

❁ ملّا علی قاری: امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستّر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے "کتاب الآثار" کا انتخاب کیا ہے۔ (مناقب امام اعظم بحوالہ تذکرۃ المحدثین ص ۸۰)

❁ امام احمد بن حنبل: امام ابوحنیفہ نے "کتاب الآثار" کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا۔ (ایضاً ص ۸۰)

❁ علی بن حجر عسقلانی: اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے "کتاب الآثار" موجود ہے۔ جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔ (ایضاً ص ۸۶)

❁ مسانید امام اعظم: امام اعظم کی مرویات کو بعد کی صدیوں میں ان کے ہر ہر شیخ کے نام سے علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا گیا جسے مسند ابی حنیفہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

مرتبین مسانید ابی حنیفہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حافظ محمد بن مخلد ۳۳۱ھ
(۲) حافظ عمر بن عقدہ ۳۳۲ھ
(۳) حافظ ابوالقاسم ۳۳۳ھ
(۴) حافظ اشنانی ۳۳۹ھ
(۵) امام عبداللہ حارثی ۳۴۰ھ
(۶) حافظ محمد بن مظفر ۳۷۹ھ
(۷) حافظ ابن عدی ۳۶۵ھ
(۸) حافظ طلحہ ۳۸۰ھ
(۹) حافظ ابن المقری ـــھ
(۱۰) حافظ ابن شاہین ۳۵۰ھ
(۱۱) حافظ دار قطنی ۴۳۰ھ
(۱۲) حافظ ابن نعیم اصفہانی ۵۰۷ھ
(۱۳) حافظ ابن عساکر ۵۷۱ھ
(۱۴) حافظ ابن القیسرانی ۵۲۲ھ
(۱۵) حافظ ابن خسر ۵۲۵ھ
(۱۶) مسند الدنیا ۵۷۱ھ
(۱۷) عیسیٰ جعفری ۱۰۸۰ھ

مسند امام اعظم کو عالم اسلام میں خاص شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس کی اہمیت کے

بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد ہے:

”مسند امام اعظم اور آثار امام محمد فقہ حنفی کی بنیاد ہیں“ (قرۃ العینین ص ۱۷۱)

تابعیت:۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”طوبی لمن رانی و آمن بی طوبی لمن رای من رانی“ بشارت ہو اس کے لیے جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس کے لیے بھی جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (تدریب ص ۲۱۷)

اس حدیث کی روشنی میں محققین کا یہ فیصلہ ہے کہ جس طرح صحابیت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت (لقاء) کافی ہے اسی طرح تابعیت کے لیے بھی صحابی کا دیدار اور زیارت کافی ہے چنانچہ حاکم، ابن حبان، ابن صلاح، نووی، عراقی، علامہ سیوطی کی یہی تحقیق ہے اور اسے جمہور اہل اسلام نے تسلیم کیا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حضرت انس بن مالک کی زیارت کرنا ثابت ہے جس کی صراحت ائمہ محدثین کے اقوال سے ہوتی ہے۔

- ابن حجر عسقلانی: ”رای انسا وروی عطاء“ ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا اور عطا سے روایت حدیث کی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱)
- حافظ ذہبی: ”رای انس بن مالک غیر مرة لما قدم علیهم الکوفة“ جب حضرت انس کوفہ تشریف لائے تو آپ نے انہیں کئی مرتبہ دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)
- علامہ یافعی: ”رای انسا وسمع عطاء“ حضرت انس کو دیکھا اور عطاء سے سماع حدیث کیا۔ (غرائب البیان ص ۱۱)

حافظ ولی عراقی سے امام اعظم کی تابعیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ”قد رای انس بن مالک فمن یکتفی فی التابعی بمجرد رویة الصحابة یجعله تابعیا“ انس بن مالک کو دیکھا ہے پس جو لوگ تابعیت کے لیے صرف رویت کو کافی سمجھتے ہیں وہ ان کو تابعی کہتے ہیں۔ (تبییض الصحیفۃ)

- ابن حجر مکی: ”وحینئذ فهو من اعیان التابعین الذین شملهم قوله تعالیٰ والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه و اعد لهم جنت تجری من تحتها الانهر“ پس امام ابو حنیفہ اجلۂ تابعین سے ہیں اور داخل ہیں ان لوگوں میں جن کی توصیف

کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یعنی سابقین اولین مہاجرین وانصار میں سے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے۔ اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

فقہ:۔

امام اعظم نے جب تحصیل علم کے کوچے میں قدم رکھا تو علم کلام کی طرف توجہ فرمائی اس لیے کہ اسلامی بلاد میں کلامی مباحث ہی کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اس کا بازار ہر طرف گرم تھا امام صاحب نے بھی اس فن میں کامل مہارت حاصل کی اور بصرہ کا بار بار سفر کیا جو اس فن کا مرکز تھا۔ عقود الجمان کی روایت کے مطابق امام صاحب ۲۰؍ سال تک خوارج، اباضیہ، صفریہ اور حشویہ کے خلاف مناظرہ آرائی کرتے رہے۔ اپنے مخالفین کو قوت استدلال سے زیر کرتے جس کی بنا پر اس فن کے رئیس بن گئے اور آپ کو کافی شہرت حاصل ہوئی مگر زندگی میں انقلاب پیدا ہوا اور وہ علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک مدت علم کلام کی بحثوں میں گذارنے کے بعد میں نے اپنے دل کو ٹٹولا اور سوچنا شروع کیا تو دل نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور تابعین جو گزر گئے ان لوگوں سے کوئی ایسی بات نہیں چھوٹی جسے اب ہم پانا چاہتے ہیں۔ اس قسم کے مسائل سے متعلق تو انہوں نے جھگڑے کیے نہ مباحثے البتہ وہ شرائع و قوانین فقہ کے ابواب میں غور و فکر کرتے تھے ان کے متعلق ہی باتیں کرتے تھے باہم ان مسائل کے متعلق بیٹھ کر فکر و تامل فرماتے ... قرن اول اس حال میں گزرا جس میں سب سے پہلے اسلام لانے والے صحابہ اور ان کے تابعین گزرے۔ اسی غور و فکر میں تھے کہ امام صاحب سے ایک عورت نے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ ایک شخص اپنی منکوحہ (جو باندی ہے) کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے کیسے دے؟ امام صاحب کہتے ہیں میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا اور اس سے کہا کہ حماد بن ابی سلیمان کے پاس جاؤ اور مسئلہ پوچھ کر مجھے بھی بتاتی جانا اس نے ایسا ہی کیا میں نے دل میں کہا کہ علم کلام کس کام کا ہوا اور امام حماد کی خدمت میں فقہ پڑھنے پہونچ گیا۔ پھر دس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ حماد فوت ہو گئے۔

امام صاحب حضرت حماد کے حلقۂ درس میں پورے شعور و ذہانت کے ساتھ حاضر ہوئے اور بڑے انہماک سے شیخ کے درس کو اپنے سینے میں محفوظ کرتے اپنی اس کیفیت طلب علم اور شیخ کی توجہ خاص کا تذکرہ امام صاحب اس طرح فرماتے ہیں۔

"فجلست الیٰ حماد فکنت اسمع مسائله فاحفظها ثم یعیدها من الغد فاحفظها ویخطی اصحابه فقال لا یجلس فی صدر الحلقة بحذائی غیر ابی حنیفة فصحبته عشر سنین" میں حضرت حماد کے حلقہ میں بیٹھنے لگا جو مسائل وہ بیان کرتے میں یاد کر لیتا پھر دوسرے زن (دوسرے عنوان سے) اس کو دہراتے میں اسے بھی یاد کر لیتا تیسرے دن (جدید عنوان سے) اس کا اعادہ کرتے ہیں اسے بھی حفظ کر لیتا ان کے دوسرے ساتھی غلطی کرتے انہوں نے حکم دے دیا کہ صدر حلقہ میں میرے سامنے سوائے ابوحنیفہ کے کوئی نہ بیٹھے پس میں ان کی خدمت میں دس سال اسی طرح رہا۔ (مناقب امام اعظم للموفق ج ۱ ص ۵۵)

امام اعظم نے فقہ میں ایسا کمال پیدا کیا کہ ۱۲۰ھ میں جب امام حماد کا انتقال ہوا تو ان کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور اسلامی دنیا کو عظیم فقہاء و مجتہدین کی ایک باوقار جماعت عطا فرمائی۔

تدوین فقہ:۔

امام اعظم کا سب سے اہم کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے ان کے زمانہ میں فتوحات کی وجہ سے سندھ سے لے کر اندلس تک اور شمالی افریقہ سے لے کر ایشیائے کوچک تک لاکھوں مربع میل خطۂ ارض پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرا رہا تھا گوناگوں قوموں اور نسلوں کے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اس طرح ہر روز عبادات و معاملات سے متعلق بکثرت نوع بہ نوع مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ ہجرت نبوی کے تقریباً ایک سوتیں سال گذر جانے کے باوجود اسلامی فقہ مدوّن ہو کر منظر عام پر نہیں آئی تھی علماء اپنے بلاد و امصار میں پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کر رہے تھے جب کہ ضرورت اس امر کی تھی کہ مصادر شرعیہ کی روشنی میں قدیم و جدید نیز مستقبل میں پیش آنے والے مسائل کا ایک ایسا منضبط اور جامع دستور تیار کیا جائے جس میں حالات و زمانہ کی نزاکتوں کو سامنے رکھا گیا ہو اور وہ آئین مکمل اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔

امام صاحب کی طبیعت ابتداء ہی سے مجتہدانہ غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی ذاتی تجارت کی وسعت اور کوفہ جیسے مرکزی شہر کی رہائش نے آپ کے احساس تدوین فقہ کو جلا دی۔ جو مسائل سامنے آتے تھے قضاۃ و حکام ان کے فیصلے دیا کرتے تھے مگر استخراج و استنباط کے اصول کے عدم تعین اور غیر مدون قانون اسلامی کی بدولت فیصلوں میں بنیادی اختلافات اور غلطیاں عام طور سے واقع ہوا کرتی تھیں اور سماجی، سیاسی، تمدنی، تجارتی مسائل میں اختلافات کی خلیج بڑھتی جارہی تھی ان حالات کے پیش نظر ضروری تھا کہ قانون کا کوئی ایک نظام ہو ورنہ قاضی ذاتی اجتہادات سے

تحت ایک جیسے معاملے میں متضاد فیصلے دیتے رہے تو نظام عدالت انتشار وافتراق کا شکار ہو جائے گا۔

یوں تو اسلامی قانون کی تدوین کا احساس امت کے سیاسی اور علمی رہنماؤں کو ہونے لگا تھا مگر اس عظیم کام کے لیے کتاب وسنت، آثار صحابہ کا جامع علم ضروری تھا وہیں مصادر شرعیہ سے استخراج واستنباط مسائل کی غیر معمولی قوت اور مسائل کو سمجھنے کے لیے تعمق فکر، ژرف نگاہی اور باریک بینی کی بھی ضرورت تھی اس لیے ہر فقیہ ومحدث یہ کام کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ مگر اللہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس کام کے لیے پیدا فرمایا اور آپ نے سب سے پہلے وقت کی اس اہم دینی ضرورت کی طرف توجہ فرمائی اور ۱۳۲ھ میں باضابطہ طور پر ایک شورائی مجلس قانون ساز قائم فرمائی جس کے ارکان اپنے وقت کے امام اور صاحب اجتہاد بزرگ تھے اور ان میں بعض خاص خاص علوم وفنون میں اعلیٰ صلاحیت اور درک رکھتے تھے مجلس تدوین فقہ کے ارکان کی تعداد چالیس تھی۔ امام اعظم نے جس ہمہ گیر اور اعلیٰ پیمانے پر فقہ اسلامی کی تدوین کا عزم کیا تھا وہ انتہائی وسیع اور پرخطر کام تھا چنانچہ مصادر شرعیہ پر کامل عبور اور اجتہادی بصیرت، قانون کی باریک بینی کے باوجود آپ نے اپنے ذاتی علم اور رائے واجتہاد پر اسے منحصر نہ رکھا بلکہ اپنے باصلاحیت شاگردوں کی ایک جماعت کو مجلس کا رکن مقرر فرمایا۔ ان ارکان کی صلاحیتوں کا اندازہ امام وکیع کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

”کیف یقدر ابوحنیفة ان یخطی ومعه مثل ابی یوسف وزفر ومحمد فی قیاسهم واجتهادهم ومثل یحییٰ بن زائده وحفص بن غیاث وحبان ومندل فی حفظهم الحدیث ومعرفتهم به وقاسم بن معن یعنی عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود فی معرفته باللغة وداؤد بن نصیر الطائی وفضیل بن عیاض فی زهدهما وورعهما فمن کان اصحابه هولاء و جلسائه لم یکن یخطی لانه ان اخطأ رده الی الحق“

امام ابوحنیفہ کے کام میں غلطی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد جیسے لوگ قیاس واجتہاد کے ماہر تھے اور حدیث میں یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث ان کی مجلس میں موجود تھے اور لغت وادب کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود جیسے حضرات شامل تھے اور داؤد بن نصیر طائی، فضیل بن عیاض جیسے لوگ تقویٰ وطہارت اور زہد وورع رکھنے والے موجود تھے تو جس کے رفقائے کار اور ہم نشیں ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا کیوں کہ غلطی کی صورت میں یہ لوگ ضرور حق کی جانب لوٹا دیتے ہوں گے۔ (جامع المسانید ص ۲۳)

طریقہ تدوین یہ تھا کہ امام صاحب، اراکین مجلس کے اجتماع میں مسائل پیش کرتے اور ان کے شاگرد مسئلہ کے ہر پہلو پر بے باکانہ اظہار خیال کرتے اور جب سب کسی فیصلہ پر متفق ہوجاتے تو وہ مسئلہ دفتر ترتیب میں لکھ دیا جاتا مگر جب اختلافات کی خلیج وسیع ہوجاتی تو امام صاحب سب کی بحثیں سماعت فرما کر کوئی جچا تلا فیصلہ سناتے اور سب اسے حرف آخر سمجھ کر مان لیتے مگر بعض اوقات قوت استدلال کی وجہ سے شاگردوں کی مختلف رائیں بھی درج کردی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر مہینوں تک بحث و تمحیص کا طویل سلسلہ جاری رہتا۔

طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے مسئلہ کا جواب کتاب اللہ۔ سے مستنبط کرنے کی کوشش کی جاتی اگر اس میں کامیابی ہوجاتی تو اس کو متعین فرمادیتے اگر ناکامی ہوتی تو احادیث نبوی کی جانب رجوع کرتے اور آخری بات جس پر رسول اللہ۔ نے پردہ فرمایا اس سے اجتہاد فرماتے اگر احادیث میں حل نہ ملتا تو اہل افتاء صحابہ و تابعین کے اقوال اور فیصلے تلاش فرماتے۔ اجماع کی طرف رجوع کرتے اگر اجماع میں جواب نہ پاتے تو قیاس و اجتہاد سے مسئلہ کا حل فرماتے اس طرح ایک مدت کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعۂ فقہی تیار ہوا۔ الموفق بن احمد المکی کا بیان ہے:

> ''امام اعظم نے اپنا مسلک فقہ اپنے فاضل شاگردوں کے مشورے سے مرتب کیا وہ اپنی حد وسع تک دین کی خاطر زیادہ سے زیادہ جانفشانی کرنے کا جو جذبہ رکھتے تھے خدا اور رسول خدا اور اہل ایمان کے لیے جو کمال درجہ کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس کی وجہ سے انہوں نے شاگردوں کو چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادی رائے سے کر ڈالا پسند نہ کیا۔ وہ ایک ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے ان کے مختلف پہلو ان کے سامنے لاتے تھے جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے حتی کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مہینہ بھر سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا آخر جب ایک رائے قرار پاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کرتے۔ (المکی ج ۲ ص ۱۳۲)

امام صاحب کی جدوجہد سے زندگی کے ہزارہا مسائل کے لیے ایسے واضح فروعی احکام متعین ہوگئے جو اصولوں کے چوکھٹے میں ٹھیک ٹھیک نصب ہوجائیں اور ان میں باہمی تعارض نہ ہو۔ خوارزمی کے بیان کے مطابق ان مسائل کی تعداد ۸۳/ ہزار تھی۔ امام مالک کا ایک قول ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ۶۰/ ہزار مسائل کو لیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ طے شدہ مسائل کی تعداد ۵/ لاکھ تھی جن میں سے ۳۸/ ہزار کا تعلق عبادات سے تھا۔ کردری کی روایت کے بموجب کوفہ کی مجلس تدوین قانون

(فقہ) نے ٦/لاکھ مسائل طے کیے اور صاحب کتاب الصیانہ کا دعویٰ ہے کہ جملہ مسائل ١٢/لاکھ ٩٠/ہزار تھے۔ تعداد مسائل کی روایت کا یہ اختلاف دو وجوہ سے ہوسکتا ہے ایک یہ کہ کام کے مختلف مراحل پر حاصل کردہ معلومات کو راوی نے آگے پہونچا دیا اور وہ کتابوں میں درج ہوئیں اور دوسرے یہ کہ کسی نے محض بڑے بڑے اصولی مسائل کو شمار کیا اور کسی نے ان کے اجزاء کو بھی گنتی میں لے لیا۔

فقہ اسلامی کی تدوین سے فراغت کے بعد امام اعظم نے اپنے اجتہادی صلاحیت رکھنے والے شاگردوں سے خطاب فرمایا:

"انتم مسار قلبي وجلاء حزني اسرجت لكم الفقه والجمته وقد تركت الناس يطؤون اعقابكم ويلتمسون الفاظكم ما منكم احد الا وهو يصلح للقضاء فسالتكم بالله وبقدر ما وهب الله لكم من جلالة العليم لما صُنتموه عن ذل الاستجار وان بلى احد منكم بالقضاء فعلم من نفسه خربة سترها الله عن العباد لم يجز قضاءه ولم يطب له رزقه فان دفعته ضرورة الى الدخول فيه فلا يحتجبن عن الناس وليصل الخمس في سجده وينادى عند كل صلوٰة من له حاجة فاذا صلى العشاء نادى ثلاثة اصوات من له حاجة ثم دخل الىٰ منزله فان مرض مرضا لا يستطيع الجلوس معه اسقط من رزقه بقدر مرضه وايما امام غل فينا او جار في حكم بطلت امامته ولم يجز حكمه .

تم میری مسرت کا سرمایہ اور میرے غم کو زائل کرنے والے ہو میں نے تمہارے وا فقہ پر زین کس دی ہے اور لگام لگادی اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رہا ہوں کہ وہ تمہارے نقش قدم پر چلیں اور تمہارے ارشادات کے طلب گار ہوں، تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے میں تم سے اللہ کا اور اس رتبہ کا جو اللہ تعالیٰ نے تم کو علم کی بڑائی کا عطا کیا ہے واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں کہ اس علم کو اجرت لینے کی ذلت سے بچانا۔ اگر تم میں سے کوئی قضا میں مبتلا ہو جائے اور اس کو اپنی کسی خرابی کا علم ہو جس کو اللہ نے اپنے بندوں سے چھپا رکھا ہے تو اس کا قاضی بننا جائز نہیں۔ اس کے لیے روزینہ لینا ٹھیک نہیں، اگر کوئی مجبوری کی بنا پر قاضی بن جائے تو وہ اپنے کو لوگوں سے نہ چھپائے وہ پانچوں وقت کی نماز اپنی مسجد میں پڑھے اور ہر نماز کے وقت پکارے کیا کوئی حاجت مند ہے اور عشاء کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ آواز لگائے اور پھر وہ اپنے گھر جائے اور اگر وہ ایسا بیمار ہو جائے کہ وہ بیٹھ نہ سکے تو بیماری کے دنوں کی تنخواہ نہ لے اور جو امام (والی) مال

غنیمت میں خیانت کرے اس کی ولایت اور امامت ختم ہوئی اور اس کا حکم نافذ نہیں ہے۔ (کتاب المناقب للذہبی المالکی ص ۱۷)

امام اعظم نے مجلس تدوین میں فقہ اسلامی کے جو بنیادی اصول بیان کیے اور جو مسائل و جزئیات مستنبط کیے ان کی شہرت دور تدوین ہی میں ہوئی اور عام لوگوں کے علاوہ اس دور کے محدثین و فقہاء نے آپ کی کتابوں کو سینے سے لگایا اور بعد میں آنے والے مجتہدین و ائمہ فقہ نے اجتہاد و استنباط مسائل کے لیے امام اعظم کے رہنما اصولوں سے روشنی حاصل کی امام سفیان ثوری جو امام صاحب کے معاصر اور بڑے مجتہد و محدث تھے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ زائدہ کا بیان ہے کہ ”میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے ان سے اجازت لے کر میں دیکھنے لگا تو ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں؟ بولے کاش ان کی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

امام مالک بھی امام صاحب کی کتابیں تلاش کرتے اور انہیں بغور پڑھتے یہ بھی ثابت ہے کہ امام مالک نے ساٹھ ہزار مسائل مدونہ امام اعظم سے حاصل کیے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے:

جو آدمی فقہ میں ماہر ہونا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کا محتاج ہوگا یہ بھی فرمایا کہ میں ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں جانتا اور لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابیں نہیں دیکھیں وہ علم میں ماہر نہیں ہوسکتا اور نہ فقیہ ہوسکتا ہے۔ (عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان)

❁ سفیان بن عیینہ: میری آنکھوں نے ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ جو علم فقہ سیکھنا پسند کرتا ہو اسے کوفہ جانا چاہیے اور اصحاب ابوحنیفہ کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھنا چاہیے۔ (ایضاً)

عہد نعمان بن ثابت سے لے کر آج تک امت اسلامیہ کا نصف حصہ امام اعظم کے مسلک فقہ پر گامزن ہے اور اس فقہی مسلک پر دنیا کی عظیم سلطنتوں میں فیصلے صادر کیے جاتے اس لحاظ سے حنفی دبستان فقہ عالم اسلام کا مقبول ترین دبستان فقہ رہا ہے۔ دنیائے اسلام کے بیشتر حصوں میں فقہ حنفی کی حکمرانی ہے اس فقہ کی خصوصیات نے دیگر فقہی دبستانوں کو پیچھے ڈال دیا۔ مفکرین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اسی فقہی مسلک میں دنیا کے تغیرات اور پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی استعداد ہے اور فطرت انسانی سے اس قدر ہم آہنگ ہے جو اسلام کے فطری و آئینی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ تدوین فقہ اور اجتہاد و استنباط کے اصول و ضوابط بھی فقہائے احناف کے مرہون منت ہیں۔ امام

شافعی کا یہ اعتراف بھی صدفی صد بجا ہے کہ " الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة"
کتاب وسنت کی روشنی میں مسائل کا استنباط اور پھر مسائل پر غور وفکر اور بحث ونظر امام صاحب کی تشکیل کردہ ''مجلس علمی'' کا طرۂ امتیاز رہا ہے یوں کہنا چاہیے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بحث ونظر کے بغیر منظر عام پر نہیں آیا ہے بعد کے فقہاء نے فقہ حنفی کے اصول وضوابط سے استفادہ کیا ہے آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

زہد وتقویٰ:۔

امام اعظم علم وفضل کی بے اندازہ دولت کے ساتھ عمل صالح اور اخلاق حسنہ کا مثالی پیکر تھے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اجاع سنت میں گزرتا، شریعت اسلامی کی نزاکتوں کا پورا خیال رکھتے۔ خدا ترسی اور ورع وتقویٰ کا یہ حال تھا کہ پوری پوری رات عبادت میں مشغول رہتے، ترہیب کی آیتوں پر بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک بار ''والساعة ادھیٰ وامر'' پر پہنچے تو اسی کو رات بھر دہراتے اور روتے رہے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے غیر معمولی شغف تھا۔ امام صاحب جس جگہ سے گرفتار کرکے بغداد بھیجے گئے اس جگہ سات ہزار مرتبہ قرآن شریف ختم کیا۔

مشہور محدث حفص بن عبدالرحمان فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے تیس سال تک ایک رات میں پورا قرآن پڑھ کر قیام لیل فرمایا تیس سال برابر روزے رکھے۔

❁ امام ابو یوسف کہتے ہیں: امام صاحب رات اور دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور رمضان المبارک میں ۶۲ قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ عذاب کا ذکر آتے ہی رو پڑتے تھے۔

❁ امام مسعر بن کدام: کہتے ہیں میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک بچے کا پاؤں ان سے کچل گیا۔ آپ نے اس بچہ کو دیکھا نہیں تھا، اس نے کہا شیخ! قیامت کے قصاص کا خوف نہیں ہے؟ یہ سنتے ہی امام صاحب پر غشی طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو میں نے عرض کیا کہ ایک بچے کی بات نے آپ کے دل کو اس قدر متاثر کردیا؟ فرمایا کہ مجھے خوف یہ ہوا کہ شاید اللہ کی طرف سے اس کو یہ تلقین کی گئی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف نے ان کے اوصاف اس طرح بیان کیے ہیں امام اعظم محارم سے شدید اجتناب کرتے تھے بلا علم دین میں کوئی بات کہنے سے سخت ڈرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے تھے اہل دنیا کے منہ پر کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے اکثر خاموش رہتے

اور مسائل دینیہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ (مناقب کردری ج ۱ ص ۲۲۶)

۞ امام احمد بن حنبل: وہ علم، پرہیزگاری دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کو ترجیح دینے میں ایسے مقام پر تھے کہ ان کے اس مقام پر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان)

قاضی بغداد حسن ابن عمارہ نے وفات کے بعد آپ کو غسل دیا اور فرمایا تم پر اللہ رحم فرمائے، تیس سال سے افطار نہیں کیا اور چالیس سال سے رات کو کروٹ نہ لی ہم میں تم سب سے زیادہ فقیہ تھے اور سب سے زیادہ عبادت گذار تھے اور ہم میں سب سے زیادہ بھلائی کی خصلتوں کو جمع کرنے والے تھے اور جب دفن ہوئے تو بھلائی اور سنت کے ساتھ دفن ہوئے اور اپنے بعد کے آنے والوں کو اشکال میں ڈالا۔ (اشکال یہ ہے کہ تم جیسا علم ان کا نہیں)

ابتلا و آزمائش اور وفات:۔

دین کی راہ میں حضرت امام اعظم کو بارہا مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اور وہ صبر وضبط کے ساتھ تمام آزمائشوں میں پورے اترے عہد بنو امیہ میں والی کوفہ ابن ہبیرہ نے آپ کو حکومت کا کوئی منصب پیش کیا آپ نے اسے قبول نہ کیا تو اقتدار کے زعم میں ابن ہبیرہ نے قید کر دیا اور آپ کے سر پر کوڑے لگوائے اس سخت مصیبت میں آپ نے حق و صداقت کی راہ سے سرمو انحراف نہیں کیا قید سے آزادی کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے اس دوران عباسیوں کا اقتدار قائم ہوا۔ آپ واپس آئے تو خلیفہ منصور عباسی نے عہدۂ قضا کی پیش کش کی آپ نے ظالم و جابر حکومت کے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا منصور نے قید میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ روزانہ ان کو قید خانہ سے نکال کر منظر عام پر دس کوڑے لگائے جائیں اور بازاروں میں گھما کر تشہیر کی جائے چنانچہ دس روز تک یہ ظلم وقت کے جلیل القدر امام پر ہوتا رہا بالآخر آپ کو زہر دے دیا گیا جس کے صدمہ سے آپ کا وصال ۱۵۰ھ میں بمقام بغداد ہوا۔

جنازہ میں پورا بغداد امنڈ آیا چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی آخری بار آپ کے بیٹے حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ خیزران کے مقبرہ میں دفن کیے گئے جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے۔

(۲) حضرت امام عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج رضی اللہ عنہ

۸۰ھ تا ۱۵۰ھ

فقیہ حرم محدث مکہ ابو ولید عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج کا آبائی وطن روم تھا بعثت نبوی

سے بہت پہلے آپ کے جداعلیٰ مکہ میں آباد ہوئے۔ بنوامیہ سے نسبت ولاء رکھتے تھے۔ مکہ میں حجاف کے سال ۸۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تحصیل علم:۔

ابن جریج نے جوانی کے زمانہ میں شعروادب کی تحصیل کی اوراس میں کمال پیدا کیا پھر انہیں دینی علوم سے رغبت پیدا ہوئی اور وہ حضرت عطاء بن ابی رباح کی درسگاہ میں حاضر ہوئے۔ خود بیان کرتے ہیں۔ میں عطاء بن ابی رباح کے پاس اس جذبہ سے حاضر ہوا کہ میں بھی ان کا ہم پلہ بن جاؤں۔ اتفاقاً عبداللہ بن عبید مجلس میں حاضر تھے۔ انہوں نے دریافت کیا تم نے قرآن حفظ کرلیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا جاؤ پہلے قرآن پڑھو پھر علم حدیث حاصل کرنا۔ میں قرآن کی تعلیم میں مصروف ہوگیا کچھ دنوں بعد عطاء کی مجلس میں پہونچا۔ اتفاقاً عبداللہ موجود تھے۔ پوچھا پورا قرآن متحضر ہوگیا؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے پوچھا علم فرائض سیکھا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا کہنے لگے جاؤ پہلے فرائض سیکھو۔ میں واپس آکر فرائض سیکھنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد عطاء کی مجلس میں حاضر ہوا تو شریک درس ہونے کی اجازت ملی اور پھر سترہ برس تک ان کی خدمت میں علم حاصل کرتا رہا۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۲۸)

کامل سترہ سال حضرت عطاء کے خرمن علم سے خوشہ چینی پر بھی آسودہ نہ ہوئے اور طلب علم کا جذبہ بیکراں انہیں حضرت عمرو بن دینار کی خدمت میں لایا جہاں انہوں نے سات سال تک زانوئے تلمذ تہہ کیا خود کہتے ہیں۔

"جالست عمر وبن دینار بعد ما فرغت من عطاء سبع سنین"

عطاء بن ابی رباح کے علم سے فارغ ہونے کے بعد سات سال تک عمرو بن دینار کی مجلس میں رہا۔ (تہذیب ج ۶ ص ۳۵۸)

ان حضرات سے ان کی علمی پیاس نہ بجھی تو مکہ سے نکل کر مدینہ، بصرہ، بغداد، یمن، شام اور مصر کے شیوخ سے کسب علم کیا۔ ان کے شیوخ یہ ہیں:

حکیمہ بنت رقیقہ، عبدالعزیز، عطاء بن ابی رباح، اسحاق بن ابی طلحہ، زید بن اسلم، زہری، سلیمان بن ابی مسلم، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، طاؤس ابن ابی ملیکہ، عبداللہ بن محمد بن عقیل، عطاء خراسانی، عکرمہ، عمرو بن دینار، نافع، سعید بن حویرث، ابوزبیر، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن عقبہ، منصور بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن ابی ملیکہ، اسماعیل بن امیہ، اسماعیل بن محمد بن

سعد، ایوب سختیانی، جعفر صادق، حارث بن ابی ذباب، حسن بن مسلم بن یناق، زیاد بن سعد خراسانی، سہیل بن ابی صالح، ابوقزعہ سوید بن حجیر، عامر بن مصعب، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، عبداللہ بن طاؤس، عبداللہ بن عبید بن عمیر، عبداللہ بن کیسان، محمد بن عمر، عبدالحمید بن جبیر، عثمان بن ابی سلیمان، عکرمہ بن خالد مخزومی، عمرو بن عبداللہ بن عروہ، عمرو بن عطاء، عمرو بن یحیٰی بن عمارہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن بحنس، عبدالکریم، جزری، عبیداللہ بن ابی یزید، علاء بن عبدالرحمٰن، قاسم بن ابی بزہ، محمد بن عباد بن جعفر، محمد بن یوسف مدنی، ہشام بن حسان، ولید بن عطاء بن خباب، یحیٰی بن سعید انصاری، یعلیٰ بن مسلم، یعلیٰ بن حکیم، یحیٰی بن عبداللہ بن صیفی، یوسف بن ماہک، یوسف بن یونس، بنانہ، سعید بن ابی ایوب مصری، یحیٰی بن ایوب مصری، عبیداللہ بن عمر عمری، معمر بن راشد وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص ۳۵۷)

علم و فضل:۔

ابن جریج اپنے وقت کے ائمہ علم و فن سے اکتساب علم کر کے تفسیر و حدیث اور فقہ و فتویٰ میں بلند مقام پر فائز ہو گئے۔ ائمۂ وقت نے ان کی علمی جلالت اور عظمت شان کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

- ابوعبداللہ: "کان ابن جریج من اوعیة العلم" ابن جریج علم کا ظرف تھے۔ (ایضاً)
- امام احمد بن حنبل: "کان من اوعیة العلم" وہ علم کا ظرف تھے۔

"وھو وابن ابی عروبہ اول من صنف الکتب" انہوں نے اور ابن ابی عروبہ نے سب سے پہلے کتابیں تصنیف کیں۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۰)

- علی بن مدینی: "لم یکن فی الارض اعلم بعطاء من ابن جریج" ابن جریج سے بڑھ کر عطا کے علم کا جاننے والا روئے زمین میں کوئی نہیں۔ (ایضاً)
- عطاء بن ابی رباح: "شاب اھل الحجاز ابن جریج" ابن جریج (علم میں) اہل حجاز کے سردار ہیں۔ (تہذیب ج۶ ص۳۵۸)
- حافظ ذہبی: "الامام الحافظ، فقیہ الحرم، صاحب التصانیف احد الاعــــلام" ابن جریج بلند پایہ حافظ حدیث اور حرم پاک کے نامور فقیہ ہیں چوٹی کے عالم اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۰)
- ابن خلکان: " کان عبدالملک احد العلماء المشھورین ویقال انه اول

"من صنف الکتب فی الاسلام" عبدالملک بن جریج مشہور عالم تھے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتابیں لکھیں۔ (وفیات ج ۲ ص ۷۸)

علم حدیث:۔

ابن جریج نے اساطین حدیث کی بارگاہوں سے فیض پایا تھا اس لیے وہ علم حدیث میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ خود ان کے استاذ حضرت عطاء کو ان پر کافی اعتماد تھا۔ "قیل من نسا بعدک قال هذا الفتیٰ ان عاش یعنی ابن جریج" عطاء سے پوچھا گیا آپ کے بعد مسا میں ہم کس کی طرف رجوع کریں گے بولے ابن جریج کی طرف اگر وہ زندہ رہے۔ (ایضا)

ابن مدینی کہتے تھے کہ حدیث نبوی کی روایت کا دارومدار چھ آدمیوں پر ہے پھر ان چھ آدمیوں کا علم ان لوگوں کے درمیان سمٹ گیا جنہوں نے علم حدیث کی تدوین کی اور ان تدوین کرنے والوں میں ایک ابن جریج بھی ہیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۳۵۸)

ابن جریج کو بعض ائمہ فن نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ان کی ثقاہت اور عدالت پر اکثر ائمہ فن اعتماد کرتے ہیں اور انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔

❁ یحییٰ بن سعید: "کان ابن جریج صدوقاً فاذا قال حدثنی فهو سماع واذا قال اخبرنی فهو قراءة" ابن جریج صدوق ہیں۔ جب وہ کہیں حدثنی تو وہ سماع ہے۔ جب اخبرنی کہیں تو وہ قرأت ہے۔ (ایضا ص ۳۵۹)

❁ ابن سعد: "کان ثقة کثیر الحدیث" وہ ثقہ کثیر الحدیث تھے (ایضا)

ابن حبان آپ کو ثقہ قرار دیتے اور فرماتے "کان من فقهاء اهل الحجاز و قرائهم ومتقنیهم" وہ اہل حجاز کے فقیہ قاری اور متقن تھے۔ (ایضا)

❁ ابن خراش: "کان صدوقاً" عجلی مکی ثقہ۔ (ایضا)

حلقۂ درس:۔

ابن جریج نے حلقۂ درس قائم کیا تھا جہاں طالبان علم کی بڑی تعداد حاضر ہو کر ان سے حدیث و تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتی تھی۔ آخر عمر میں انہوں نے بصرہ میں مجلس درس قائم کی تھی ان کے نامور تلامذہ یہ ہیں۔

(بیٹے) عبدالعزیز اور محمد۔ اوزاعی، لیث، یحییٰ بن سعید انصاری، حماد بن زید، عبدالوہاب ثقفی، عیسیٰ بن یونس، وہب بن خالد، موسیٰ بن طارق، حفص بن غیاث، مسلم بن خالد، مفضل بن

فضالہ مصری، ہمام بن یحیٰ، اسماعیل بن علیہ، اسماعیل بن عیاش، ابن عیینہ، خالد بن حارث، زہیر بن محمد تمیمی، ابو خالد احمر، ابو ضمرہ، عبداللہ بن ادریس، ابن مبارک، ابن وہب، قطان، ولید بن مسلم، وکیع، یحیٰ بن زائدہ، یحیٰ بن سعید اموی، ہشام بن یوسف، غندر، ابو سامہ۔ محمد بن بکر، حجاج بن محمد مصیصی، حماد بن مسعدہ، روح بن عبادہ، عبداللہ بن حارث مخزومی، عبداللہ بن داؤد خریبی، عبد الرزاق، عبدالمجید بن ابی رواد، مخلد بن یزید، نضر بن شمیل، علی بن مسہر، مکی بن ابراہیم، محمد بن عبداللہ انصاری، عبیداللہ بن موسی، ابو عاصم، عثمان بن ہیثم، (تہذیب التہذیب، ج۶ ص ۴۵۸)

تصنیف:۔

ابن جریج ان ائمہ میں ہیں جنہوں نے تصنیف وتدوین کتب کا اہم کارنامہ انجام دیا۔ اوپر امام احمد کا قول گذر چکا ہے " اول من صنف الکتب ابن جریج وابن ابی عروبة" حالانکہ ان سے پہلے بھی علمائے اسلام نے کتابیں تصنیف کیں یہ اولیت اس لحاظ سے ہے کہ ماسبق علماء کی کتابوں میں مسائل کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا ابن جریج کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس میں فقہی ترتیب قائم کر کے موضوع کے اعتبار سے حدیث نبوی کو جمع کیا۔

ابن جریج کی کتابوں پر اصحاب علم نے اعتماد کیا ہے۔ یحیٰ بن سعید کہتے تھے ابن جریج کی کتابیں کتب امانت ہیں۔ خالد بن نزار کا بیان ہے۔ میں ۱۵۰ھ میں وطن سے اس ارادہ سے نکلا کہ ابن جریج کی کتابیں حاصل کروں مگر جب منزل مقصود پر پہونچا تو معلوم ہوا کہ چند دن پہلے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جریج کی زندگی ہی میں ان کی کتابوں کی شہرت پھیل چکی تھی۔

ابن جریج حدیث کے علاوہ تفسیر وفقہ میں بھی مہارت رکھتے تھے وہ ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس کے چہیتے شاگرد عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں سترہ سال تک رہے جن سے انہیں علم تفسیر میں درک حاصل ہوا۔ ان کی تفسیری روایتیں ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں جا بجا نقل کی ہیں۔

وہ فقیہ حجاز تھے امام شافعی نے جن لوگوں سے فقہ حاصل کی ان میں مسلم بن خالد بھی شامل تھے جو ابن جریج کے خاص تربیت یافتہ تھے۔

اخلاق وکردار:۔

ابن جریج مکارم اخلاق کا پیکر تھے ان پر خشیت الٰہی کا ہمیشہ غلبہ رہتا عبدالرزاق کا بیان

ہے۔ "مارایت احدا احسن صلوٰۃ من ابن جریج کنت اذا رایتہ علمت انہ یخشی اللہ" میں نے ابن جریج سے عمدہ نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا میں انہیں دیکھ کر یہی فیصلہ کرتا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۶۱)

امام مالک شب بیداری کی وجہ سے ان کو صاحب اللیل یعنی رات میں عبادت کرنے والا کہا کرتے تھے۔ نمازوں کی طرح انہیں روزوں کا بھی ذوق تھا وہ پورے سال روزے رکھتے۔ ابن عاصم کا بیان ہے "کان ابن جریج من العباد کان یصوم الدھر الا ثلثۃ ایام من الشھر" ابن جریج بڑے عبادت گذار تھے تین دن کے سوا سارا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔ (ایضاً)

وہ بڑے رقیق القلب واقع ہوئے تھے۔

وفات:۔

آخری عمر میں بصرہ میں قیام کیا اور وہیں ذوالحجہ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) عالم یمن حضرت معمر بن راشد رضی اللہ عنہ

۹۵ھ رمضان ۱۵۳ھ

کنیت ابو عروہ: اسم گرامی معمر بن راشد ہے۔ آپ بنو ازد کے مولیٰ عبد السلام بن عبد القدوس بصری کے غلام تھے اسی لیے بالواسطہ ازدی کہلائے۔

تحصیل علم:۔

آپ کی ولادت ۹۵ھ میں بمقام بصرہ ہوئی۔ معمر بن راشد اگرچہ غلام تھے مگر انہیں تحصیل علم کا سنہرا موقع میسر آیا وہ قوت حفظ وضبط اور فہم وفراست کی دولت سے مالا مال تھے بایں استعداد وصلاحیت جب وہ مرکز علم بصرہ اور اس عہد کے دوسرے علمی مراکز میں پہونچے تو وہاں کے شیوخ سے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ علم کی دولت حاصل کی اور وہ اپنے وقت کے عظیم محدث وشیخ بن گئے۔ معمر کے ذوق وشوق علم کا تذکرہ امام احمد بن حنبل اس طرح کرتے ہیں "کان من اطلب اھل زمانہ للعلم" وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر علم طلب کرنے والے تھے۔
(تہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۹)

امام معمر کا یہی ذوق طلب تھا جس نے انہیں مدینہ منورہ اور پھر یمن کا سفر کرایا۔ عبد الواحد بن زیاد کہتے ہیں میں نے معمر سے پوچھا آپ کو امام زہری سے علم حاصل کرنے کا اتفاق کیسے ہوا

بولے میں بنو طاحیہ میں سے ایک شخص کا غلام تھا اس نے مجھے کپڑے فروخت کرنے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ میں نے جس محلہ میں کاروبار کرنا شروع کیا وہاں ایک شیخ رہتے تھے جن کے پاس لوگ بکثرت علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان سے علم حاصل کرنا شروع کیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷۹)

خود امام معمر اپنے طلب علم کے ذوق بیکراں اور قوت حفظ وضبط کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں ”طلبت العلم سنة مات الحسن وسمعت من قتادة ولي اربع عشر سنة فما سمعته اذ ذاك كانه مكتوب في صدري و جئت الزهري بالرصافه“ جس سال حضرت حسن بصری کا انتقال ہوا میں نے اس سال علم حاصل کرنا شروع کیا تھا میں نے چودہ سال کی عمر میں قتادہ سے سماع کیا میں جو کچھ ان سے سنتا تھا میرے سینہ میں اس طرح نقش ہو جاتا جیسے پہلے وہاں لکھا ہوا ہے پھر میں رصافہ میں بھی تحصیل علم کے لیے امام زہری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (ایضاً)

یمن کی سکونت:۔

مدینہ سے معمر جستجوئے علم میں یمن پہونچے وہاں کے شیوخ سے طلب علم کے بعد جب وہ بصرہ لوٹنے لگے تو شہر صنعاء کے باشندوں نے آپ کی علمی جلالت اور عظمت شان کو محسوس کر لیا ان کی خواہش ہوئی کہ معمر بن راشد جیسا صاحب علم یمن ہی میں مجلس درس قائم کرے اور اس خطہ کے طالبان علم اس کی بارگاہ سے فیض حاصل کریں چنانچہ یمن کے مرکزی شہر صنعاء کے قدر شناس اصحاب نے آپ کو مستقل طور پر روکنے کی یہ تدبیر کی کہ وہیں آپ کی شادی کر دی چنانچہ امام معمر نے صنعاء میں بود و باش اختیار کر لی۔ حضرت معمر نے بصرہ میں قتادہ، رصافہ میں امام زہری اور یمن میں ہمام بن منبہ جیسے تابعین عظام سے علم حاصل کیا ان کے علاوہ دوسرے شیوخ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا آپ کے اہم شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ثابت بنانی، عاصم الاحول، ایوب، جعد، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، عبداللہ بن طاؤس، جعفر بن برقان، حکم بن ابان، اشعث بن عبداللہ حدانی، اسماعیل بن امیہ، ثمامہ بن عبداللہ بن انس، بہز بن حکیم، سماک بن فضل، عبداللہ بن عثمان بن خثیم، عبد اللہ بن عمر عمری، یحییٰ بن ابی کثیر، ہمام بن منبہ، ہشام بن عروہ، محمد بن منکدر، عمرو بن دینار، عطاء خراسانی، عبدالکریم جزری۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۹)

علم و فضل:۔

یکساں استعداد علم اور ذوق و جستجو، رحلت و سفر نے جناب معمر کو علم و فضل کا ظرف بنا دیا تھا بڑے بڑے علماء و محدثین نے آپ کے علمی کمالات کا اعتراف کیا۔

❁ امام احمد بن حنبل: "**لیس تضم معمرا الی احد الا وجدته فوقه**" تم جس کے ساتھ بھی معمر کا مقابلہ کرو گے معمر کو اس سے برتر ہی پاؤ گے۔ (تذکرہ ج ا ص ۱۷۸)

❁ حافظ ذہبی: "**الامام الحجة احد الاعلام وعالم الیمن**" وہ امام حجت بڑے عالم اور یمن کے محدث تھے۔ (ایضاً)

غلابی کا بیان ہے کہ ابن معین مالک بن انس کو زہری کے اصحاب پر مقدم سمجھتے اور پھر معمر بن راشد کو۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۹)

ابن جریج جیسے زبردست عالم بھی اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے۔ "**علیکم بهذا الرجل فانه لم یبق احد من اهل زمانه اعلم منه یعنی معمرا**" تم لوگ اس مرد یعنی معمر کے فیض علم سے مستفید ہو کیوں کہ اس زمانہ میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں رہا۔ (ایضاً ص ۲۲۰)

❁ ابن سعد: "**کان معمر رجلا له قدر ونبل فی نفسه**" معمر ایسے شخص تھے جو قدر و منزلت والے اور ہوشمند انسان تھے۔ (ایضاً)

حدیث:۔

علم حدیث میں معمر کا مرتبہ کافی بلند تھا انہیں ہزاروں حدیثیں ازبر تھیں اور وہ متعلقات حدیث کے بھی ماہر تھے۔ عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں:

"**کتبت من معمر عشرة آلاف حدیث**" میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ (ایضاً)

معمر ہی کے ذریعہ ہمام بن منبہ تابعی کا صحیفۂ صحیحہ ان کے شاگردوں میں رائج ہوا اور صدیوں تک اس کی روایت کا سلسلہ جاری رہا۔

معمر بن راشد کی ثقاہت و عدالت کا اعتراف علماء حدیث نے اس طرح کیا ہے:

❁ یحییٰ بن معین: "**هو من اثبت الناس فی الزهری**" زہری سے جتنے بھی حدیث حاصل کرنے والے ہیں معمر ان سب سے پختہ ہیں۔ (تذکرہ ج ا ص ۱۷۹)

❁ عجلی: "**بصری سکن الیمن ثقة رجل صالح**" وہ بصرہ کے رہنے والے تھے

یمن میں سکونت اختیار کر لی تھی ثقہ اور نیک انسان تھے ۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۹)

❁ نسائی: "ثقة مامون" (ایضا)

❁ ابوحاتم: "هو صالح الحديث" (ایضا)

❁ یعقوب بن شیبہ: "معمر ثقة و صالح ثبت عن الزهری" معمر ثقہ و صا الحدیث اور زہری سے روایت کرنے میں ثبت ہیں ۔ (ایضا)

❁ ابن حبان: "کان فقیها حافظا متقنا ورعا" وہ فقیہ، حافظ، متقی، پرہیزگار ہیں ۔ (ایضا)

❁ ابن معین: "ثقة" (ایضا)

❁ عمرو بن علی: "کان من اصدق الناس" وہ لوگوں میں سب سے صادق ہیں ۔ (ایضا)

معمر بن راشد کے علمی چشمہ سے سیراب ہونے والوں کی تعداد کثیر ہے چند اہم نام یہ ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر، ابو اسحاق سبیعی، ایوب، عمرو بن دینار، سعید بن ابی عروبہ، ابان عطار، ابن جریج، عمران قطان، ہشام دستوائی، سلام بن ابی مطیع، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، ابن مبارک، عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، یزید بن زریع، عبد المجید بن ابی رواد، عبد الواحد بن زیاد، ابن علیہ، ابو سفیان معمری، محمد بن جعفر غندر، عبد الرزاق، ہشام بن یوسف، محمد بن ثور، عبد اللہ بن معاذ، محمد بن کثیر ۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۹)

مکارم اخلاق ۔

علم وفضل کے ساتھ معمر عمل و کردار، تقویٰ و پرہیزگاری، صبر و استغناء جیسے مکارم اخلاق کے بھی حامل تھے حافظ ذہبی نے ان کے انہی اوصاف حمیدہ کی بنا پر لکھا "کان معمر صالحا خیرا" وہ کسی کا مرہون احسان ہونا پسند نہ کرتے تھے ۔ ایک بار معن بن زائدہ نے کچھ سونا آپ کے پاس بھیجا مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا اور واپس کر دیا اور اسے پوشیدہ رکھا ۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷۹)

وفات :۔

۵۸ سال کی عمر پا کر رمضان ۱۵۳ھ میں وفات پائی ۔

(۴) حضرت امام عبد الرحمٰن اوزاعی رضی اللہ عنہ

۸۸ھ ۱۵۷ھ

اسم گرامی عبد الرحمٰن کنیت ابو عمرو سلسلہ نسب اس طرح ہے ۔ عبد الرحمٰن بن عمرو بن ابی عمرو

ومحد شامی، دمشقی۔ اوزاعی اس لیے کہلاتے ہیں کہ آپ کا نسبی تعلق یمن یا ہمدان کے ایک قبیلہ اوزاع سے تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اوزاع دمشق کے قریب ایک بستی تھی جس کی طرف منسوب ہوئے۔ بمقام شہر بعلبک ۸۸ھ میں ولادت ہوئی۔ یتیمی کی وجہ سے ماں نے کفالت کی اور بعلبک سے علاقۂ بقاع کی ایک بستی کرک میں منتقل ہو گئیں جہاں لخت جگر کی تربیت کرنے لگیں۔ پھر وہاں سے بیروت لائیں جہاں تعلیم کا آغاز ہوا۔

تحصیل علم:۔

یہ درِ یتیم حفظ وضبط علم کی خداداد صلاحیتوں سے سرفراز تھا۔ ذہانت وفراست فطری تھی۔ یتیمی اور عسرت کے باوجود اپنے وقت کے جلیل القدر ائمہ فن کی بارگاہوں سے کسب علم کیا۔ کسی ضرورت سے یمامہ گئے تو وہاں کے شیخ یحییٰ بن کثیر کے حلقۂ درس سے وابستہ ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد شیخ نے صلاحیت واستعداد کا اندازہ کر کے حکم دیا کہ بصرہ جا کر محمد بن سیرین اور حسن بصری سے سماع حدیث کریں مگر افلاس کے باعث یمامہ سے بصرہ پہونچنے میں کافی وقت صرف ہوا۔ جب بصرہ پہونچے تو حسن بصری وفات پا چکے تھے اور ابن سیرین مرض موت میں مبتلا تھے۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۹) بصرہ کے دیگر تابعین ومحدثین سے سماع حدیث فرمایا آپ نے بصرہ کے علاوہ دوسرے علمی مراکز کا بھی سفر کیا ابن کثیر کا بیان ہے۔ "ادرک خلقا من التابعین" انہوں نے تابعین کی ایک کثیر تعداد سے فیض پایا اوزاعی کے چند ممتاز اساتذہ یہ ہیں۔

عطا بن ابی رباح، قاسم بن مخیمرہ، شداد بن عمار، ربیعہ بن یزید، زہری، محمد بن ابراہیم تیمی، یحییٰ بن ابی کثیر، نافع مولی ابن عمر، قتادہ ابو نجاشی، عطاء بن صہیب، یحییٰ بن ابی کثیر، اسحاق بن عبداللہ، عبدہ بن ابی لبابہ، محمد بن سیرین، المطلب بن عبداللہ بن حنطب، یحییٰ بن سعید الانصاری، ابو عبید مذحجی، ابو کثیر سحیمی، سلمان بن حبیب المحاربی، حسان بن عطیہ، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد، عمرو بن زیات، ولید بن ہشام المعیطی، یزید بن یزید بن جابر۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۱۶)

فضل وکمال:۔

امام اوزاعی نے یتیمی اور عسرت کے باوجود جس انہماک اور احساس ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کیا۔ اپنی تہذیب نفس کی وہ اپنی آپ مثال ہے۔ ولید بن مرثد کہتے ہیں: "تعجز الملوک ان تودب اولادھا ادبہ فی نفسہ ماسمعت منہ کلمۃ فاضلۃ الا احتاج مستمعھا الی اثباتھا عنہ ولا رایتہ ضاحکاً بقھقھۃ" آپ نے علم وادب میں جس طرح

اپنی آپ تربیت کی اس طرح بادشاہ بھی اپنی اولاد کی تربیت کرنے سے عاجز ہیں۔ آپ کی زبان
جو بھی کلمۂ فاضلہ نکلتا سننے والے اس کے حفظ وضبط کی کوشش کرتے میں نے آپ کو کھل کھلا کر
کبھی نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ا ص ۱۶۹)

وہ حدیث کے جلیل القدر امام اور فقہ میں مجتہد فی المذہب تھے۔ آپ کے علم و
اعتراف ائمہ اسلام نے اس طرح کیا ہے۔

- ابن خلکان: "الاوزاعی امام اهل الشام لم یکن بالشام اعلم منه" اوزا
شام کے امام ہیں شام میں کوئی ان سے بڑا عالم نہیں ہے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۶۱)

- ابن سعد: "کان ثقة مامونا صدوقا فاضلاً خیراً کثیر الحدیث والعل
والفقه" اوزاعی ثقہ، مامون، صدوق، فاضل، بہتر، حدیث، علم اور فقہ میں بڑے تھے۔ (تہذیب
التہذیب ج ۶ ص ۲۱۷)

- ابن حبان" کان من فقهاء اهل الشام وقرائهم وزهادهم"
اوزاعی اہل شام کے فقہا، علماء، اور زاہدوں میں تھے۔ (ایضا)

- امام نسائی:" ابو عمرو الاوزاعی امام اهل الشام وفقیههم" ابوعمرو اوزاعی
اہل شام کے امام اور فقیہ تھے۔ (ایضا ص ۲۱۸)

- خریبی: "کان الاوزاعی افضل اهل زمانه" امام اوزاعی اپنے زمانہ میں سب
سے افضل تھے۔ (ایضا)

- امیہ بن یزید:"کان عندنا ارفع من مکحول جمع العبادة والورع
والقول بالحق" اوزاعی ہمارے نزدیک مکحول سے بلند رتبہ تھے انہوں نے عبادت، تقوی اور قول
حق کو جمع کر لیا تھا۔ (ایضا ص ۲۱۷)

- امام شافعی:"ما رأیت احدا اشبه فقهه بحدیثه من الاوزاعی" امام اوزاعی
کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس کی فقہ اس کی حدیث سے زیادہ مماثلت رکھتی ہو۔ (ایضا)

- امام نووی:"وقد اجمع العلماء علی امامة الاوزاعی وجلالته وعلو
مرتبته وکمال فضله"

امام اوزاعی کی امامت، جلالت، شان وعلوئے مرتبت اور فضل وکمال پر سب کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن کثیر: ۔

خلفاء، وزراء، تجار وغیرہ کے کسی طبقہ میں بھی ان سے زیادہ صاحب علم و فضل اور فصیح و بلیغ متقی و پرہیزگار آدمی نہیں دیکھا گیا۔ فقہ و حدیث، سیر و مغازی اور دوسرے اسلامی علوم میں نہ صرف اپنے وطن بلکہ تمام ممالک اسلامیہ پر ان کی سیادت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ (ابن کثیر ج ۱)

حلقۂ درس و تلامذہ: ۔

امام اوزاعی کا حلقۂ درس و افتاء ۱۱۳ھ میں جب کہ ان کی عمر ۲۵/سال تھی شام میں قائم ہوا۔ نماز فجر کے بعد ذکر و اذکار میں مصروف ہو جاتے۔ جب آفتاب کی پہلی کرن صفحۂ زمین کو روشن کرتی امام اوزاعی اپنے درس کا آغاز فرماتے طلبہ پہلے سے موجود رہتے تھے۔ حدیث و فقہ کی تعلیم دی جاتی ضرورت مندوں کو دینی مسائل و استفسارات کے جوابات مرحمت فرماتے آپ کے تلمیذ خاص ہقل کا بیان ہے۔

"افتی الاوزاعی فی سبعین الف مسئلة بحدثنا و اخبرنا"

امام اوزاعی نے ستر ہزار مسائل کے جوابات حدیث کی روشنی میں دیئے۔ (ابن کثیر ج ۱۰ ص ۱۱۶)

آپ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والے اہم تلامذہ یہ ہیں:

شعبہ ابن المبارک، ولید بن مسلم، ہقل بن زیاد، یحییٰ بن ہمزہ، یحییٰ قطان، ابو عاصم ابوالمغیرہ، محمد بن یوسف فریابی، مالک، الثوری، ابن ابی الزناد، عبدالرزاق، بقیہ، بشر بن بکر، محمد بن حرب، شعیب بن اسحاق، ابوضمرۃ المدینی، ضمرۃ بن ربیعہ، اسماعیل بن عبداللہ بن سماعۃ، ابواسحاق فزاری، اسماعیل بن عیاش، عبداللہ بن کثیر دمشقی عبداللہ بن نمیر، ابوسلمہ تینسی، بشر بن اسماعیل، محمد ابن شعیب شابور، محمد بن مصعب ترقسانی مخلد بن یزید حرانی، ہشیم بن حمید، ولید بن یزید عذری، یزید بن سمط، یحییٰ بن عبداللہ بن ضحاک، عیسیٰ بن یونس، عمر بن عبدالواحد سلمی، عبدالحمید بن حبیب بن ابی العشرین، عبداللہ بن موسیٰ عبسی محمد بن کثیر المصیصی۔

امام اوزاعی کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ان کے شیوخ و اساتذہ نے بھی ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ امام ابن شہاب زہری، یحی بن ابی کثیر، قتادہ، قابل ذکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۷۔۲۱۶)

حدیث: ۔

امام اوزاعی نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین سے علم حدیث کی تعلیم پائی تھی ان

کا دامن احادیث رسول کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال تھا انہوں نے اس علمی سرمایہ کو اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کیا اور اس طرح حدیث کی گرانقدر خدمت انجام دی حدیث میں ان کی جلالت وعظمت ثقاہت وعدالت کا اعتراف ائمہ فن نے کیا ہے۔

- **ابن مہدی:** "الائمة فی الحدیث اربعة الاوزاعی ومالک والثوری وحماد بن زید... ماکان بالشام اعلم بالسنة منه" اس وقت حدیث میں چار امام ہیں۔ امام اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری اور حماد بن زید... شام میں امام اوزاعی سے بڑا عالم حدیث کوئی نہیں تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۷)

- **یعقوب:** "الاوزاعی ثقة ثبت فی روایته عن الزہری خاصة شئ" امام اوزاعی ابن شہاب زہری سے روایت کرنے میں خاص طور پر ثقہ اور ثبت تھے۔ (ایضاً ۲۱۸)

- **عجلی:** "شامی ثقة خیار المسلمین" اوزاعی شام کے رہنے والے ثقہ اور خیار المسلمین ہیں۔

فقہ واجتہاد:۔

امام اوزاعی بلند پایہ فقیہ اور مجتہد مطلق تھے ان کے فقہی مسلک کی اساس قرآن وسنت پر قائم تھی وہ قیاس ورائے کو حجت شرعی نہیں سمجھتے تھے وہ حدیث پاک کے ہوتے ہوئے کسی کے قول اور رائے پر عمل روا نہ رکھتے تھے اوپر گزر چکا ہے انہوں نے ستر ہزار فقہی استفسارات کے جوابات حدیث وسنت کی روشنی میں دیئے۔

عامر بن اسحاق کہتے ہیں میں نے امام اوزاعی کو سنا وہ کہتے تھے:

"اذا بلغک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث فایاک ان تقول بغیرہ فانه کان مبلغا عن اللہ. (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۰)

جب تم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا علم ہو جائے تو پھر اس کے سوا کسی بات کو قبول نہ کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ہی مبلغ بن کر آئے ہیں۔

امام اوزاعی ایک علیحدہ مکتب فکر کے بانی تھے ان کے فقہی مسلک کی پوری تفصیل اور اس کے امتیازات کی فہرست ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ آپ کا فقہی مسلک بعد کی صدیوں میں دب کر رہ گیا مگر اموی سلطنت آپ سے کافی متاثر تھی اور منصب قضاء پر فائز کرنا چاہتی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا جب ایشیاء کے بعد اندلس میں اموی اقتدار کا سورج طلوع ہوا تو وہاں امام اوزاعی

کے مسلک فقہ کی کئی صدی تک پیروی کی گئی۔

● حافظ ذہبی: "كان اهل الشام ثم اهل الاندلس على مذهب الاوزاعي مدة من الدهر ثم فنى العارفون به وبقى منه ما يوجد فى كتب الخلاف" اہل شام پھر اہل اندلس امام اوزاعی کے مسلک پر ایک مدت تک عامل رہے پھر اس کے جاننے والے ختم ہوگئے اور بقیہ مسائل اختلاف کی کتب میں پائے جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۷۲)

● محمد الخضری کا بیان ہے: اہل شام بہت دنوں تک ان کے مسلک پر عمل کرتے رہے پھر ان کا مسلک بنوامیہ کے ان افراد کے ذریعہ اندلس پہونچا جنہوں نے اندلس جاکر اپنی حکومت قائم کی پھر شام میں امام شافعی کے مسلک کے آگے اور اندلس میں امام مالک کے مسلک کے سامنے یہ کمزور پڑ گیا اور یہ تیسری صدی کے نصف میں ہوا۔ (تاریخ فقہ اسلامی ص۳۶۴)

امام اوزاعی کے فقہی مسلک کے زوال کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں مجتہدانہ تعق کے ساتھ غور وخوض کر کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر نہیں ڈالتے تھے بلکہ خاص محدثانہ رنگ میں احادیث نبوی اور آثار صحابہ کو سامنے رکھ کر سادہ طور سے جواب دیتے تھے وہ تحقیق وتدقیق اور قیاس کو پسند نہیں کرتے تھے جب تک مسلمانوں میں سادہ زندگی کا رواج رہا اس وقت تک ان کے مسلک پر تعامل باقی رہا مگر جب فقہاء کی ژرف نگاہی اور باریک بینی کا دور شروع ہوا اور انہوں نے مسائل کی تخریج وتفریع کی بھرمار کردی تو امام اوزاعی کا سادہ اور ٹھیٹھ مسلک فقہ ان کی دقت پسندی کے آگے نہ ٹھہر سکا اور ان کا خاص محدثانہ مکتب فکر فقہی مکاتب فکر کے سامنے شکست کھا گیا۔ (ایضاً ص۳۶۴)

امامت کی صلاحیت:۔

عام طور پر علم وفضل اور استعداد حکمرانی وتنظیم سلطنت ایک ہی ذات میں جمع نہیں ہوتے مگر امام اوزاعی علم وفضل میں ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ زمام اقتدار وسلطنت سنبھالنے، ملکی وسیاسی نظم ونسق قائم رکھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے ان کے اس ملکۂ خداداد کا اعتراف ائمہ اسلام نے کیا ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں "كان يصلح للخلافة" اوزاعی حکومت کی صلاحیت رکھتے تھے۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۹)

● امام مالک فرماتے ہیں " انه يصلح للامامة "امام اوزاعی امامت کے لائق تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۱۸)

❁ امام فزاری کا بیان ہے "لو خیرت لهذه الامة لاخترت لها الاوزاعی" اگر مجھے اس امت کا خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعی کو خلیفہ منتخب کروں گا۔ (تذکرہ ج ا ص ١٦٩)

امام اوزاعی علم وعمل میں یکسانیت رکھنے والے بزرگ تھے۔ انہوں نے علم وعمل اور زہد وورع ہی تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ امت کے ہر کام سے دلچسپی لی۔ وہ خلق خدا کی بھلائی اور عدل وانصاف کے پھیلانے میں ہمیشہ کوشاں رہے اور اس حدیث پاک پر عامل تھے۔ "عدل ساعة خیر من عبادة الف شهر" ایک گھڑی کا عدل وانصاف ہزار مہینہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ (محاسن المساعی ص ٩)

تصانیف:۔

امام اوزاعی حدیث وفقہ کے مسلم الثبوت امام تھے اور انہوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں بھی تصنیف کیں مگر امتداد زمانہ کے باعث اب وہ ناپید ہیں بعض تذکروں میں ان کی تصانیف کے نام ملتے ہیں۔ ابن ندیم نے آپ کی دو کتاب کتاب السنن فی الفقہ اور کتاب المسائل فی الفقہ کا تذکرہ کیا ہے علاوہ ازیں انہوں نے امام اعظم کے مسائل سیر ومغازی کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب میں امام ابو یوسف نے ایک کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" تصنیف فرمائی اور امام محمد نے السیر الکبیر میں امام اوزاعی کے اعتراضات کے جگہ جگہ جوابات دیئے ہیں۔

سیرت وکردار:۔

سیرت وکردار میں صحابہ وتابعین کا نمونہ تھے۔ زہد وقناعت، سخاوت، فیاضی، حق گوئی وبے باکی، وعظ وپند اور امت کی خیر خواہی یہ سب ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ زہد وتقویٰ، خشیت الٰہی، عبادت وریاضت، حق گوئی وبیباکی ان کا شیوہ تھا انہوں نے کبھی امراء وخلفاء کے دربار کا رخ نہیں کیا۔ توکل وقناعت کے ساتھ سادہ زندگی بسر کرتے رہے ارباب اقتدار پر نکتہ چینی کرتے اور ان کے روبرو حق بولنے سے ذرا بھی خوف نہ کرتے اسلام کی عادلانہ روش بیان کردیتے۔

عباسیوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد امویوں کو جس بے دردی کے ساتھ قتل کیا اور انہیں جلا وطن کیا امام اوزاعی اسے پسند نہ کرتے تھے اس بات کی اطلاع جب دمشق کے والی عبداللہ بن علی کو ہوئی تو مواخذہ کے لیے آپ کو دربار میں طلب کیا اور شمشیر بکف سپاہیوں کی ایک جماعت کے سامنے کھڑا کر کے پوچھا اوزاعی ہم نے ان ظالموں (بنو امیہ) سے ملک اور اس کے

باشندوں کو نجات دلانے میں جو جنگ کی ہے یہ جہاد ہے کہ نہیں؟ امام اوزاعی نے نہایت حکیمانہ جواب دیا۔ فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے حدیث نبوی سنی ہے "انما الاعمال بالنیات"

یہ غیر متوقع جواب سن کر ابن علی غصہ سے بے تاب ہو گیا پھر دوسرا سوال یہ کیا "اوزاعی ما تقول فی دماء بنی امیۃ" یعنی اے اوزاعی بنو امیہ کے خون کے بارے میں کیا خال ہے (ان کا قتل جائز ہے یا حرام؟) آپ نے اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کے بجائے نہایت ہی متانت کے ساتھ ایک حدیث پھر سنائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کا خون بہانا تین حالتوں میں جائز ہو سکتا ہے قصاص میں یا شادی کے بعد زنا میں، پھر ارتداد کے بعد۔ یہ جواب بھی اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔ اسی لیے اس بار اس نے اور زیادہ غصہ کا اظہار کیا پھر پوچھا کہ اچھا بتاؤ بنو امیہ کے مال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا ان کے پاس جو دولت تھی اگر وہ حرام ذریعہ سے ان کے ہاتھ میں آئی تھی تو بہر حال تمہارے ہاتھ میں پہونچ کر حلال تو نہیں ہو سکتی اور اگر حلال تھی تو تم اس کو اسی طریقہ سے لے سکتے ہو جس طرح شریعت نے اجازت دی ہے یہ جواب سن کر وہ بالکل آگ بگولہ ہو گیا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ میں اس جواب کے بعد متوقع تھا کہ ابھی وہ میرے قتل کا حکم دے دے گا مگر اب اس نے ترہیب کے بجائے ترغیب سے کام لینا شروع کر دیا اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیوں اگر آپ کو منصب قضا سونپ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے اسلاف نے مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوش رکھا تو میں چاہتا ہوں کی آپ بھی اسی روش پر رہیں اس سوال و جواب کے بعد اس نے ان کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ (البدایہ والنہایہ ج۱۰ص۱۱ تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۷۳)

امام اوزاعی حق گوئی و بے باکی میں بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے صرف ابن علی ہی کے سامنے جرأت حق کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ابو جعفر منصور جیسے جابر حکمراں کے پاس بھی حق بات لکھنے سے بعض نہ رہے جب کہ اس ظالم بادشاہ نے حضرت امام اعظم، امام مالک اور امام سفیان ثوری کو کڑی آزمائشوں میں مبتلا کیا تھا اور امام اوزاعی، منصور کی سخت دلی اور تشدد سے واقف تھے مگر منصور کو بلا خوف و خطر یہ ناصحانہ مکتوب لکھا۔

"اما بعد فعلیک یا امیر المومنین بتقوی اللہ عزوجل وتواضع یرفعک اللہ تعالیٰ یوم یضع المتکبرین فی الارض بغیر الحق واعلم ان قرابتک من رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لن تزید حق اللہ الا وجوبا.

امیر المومنین آپ اپنے اوپر خدا کا تقویٰ لازم کر لیجئے اور تواضع اختیار کیجئے خداوند تعا آپ کو اس دن بلند کرے گا جس دن ان متکبرین کو جو ناحق زمین پر بڑے بنتے ہیں۔ ذلیل کرا گا۔ اور اچھی طرح غور کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قرابت خدا کے یہاں حق زیادہ آپ کو کچھ نہ دلائے گی۔ (حسن المساعی ص ۲۰)

ایک بار منصور کو لکھا:

فان اللہ تعالیٰ استرعاک اللہ هذه الامة لتکون فیها بالقسط قائما و صلی اللہ علیہ وسلم فی خفض الجناح والرأفة متشابها"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کا ذمہ دار اور نگہبان اس لیے بنایا ہے کہ آپ اس انصاف قائم کریں اور مسلمانوں کے ساتھ محبت اور شفقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشابہت پیدا کریں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ وہ بڑی ذمہ داری سے ادا کرتے رہے انہوں زبان وقلم کی قوت کو اس مقصد خیر میں استعمال کیا اور وہ اس طرح امت کے سب سے بڑے خیر خو بن گئے۔ اور انہیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت نصیب ہوئی۔ عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں میں نے امام اوزا کو سنا وہ فرماتے ہیں:

ارأیت کان ملکین عرجا بی الی اللہ فاوقفانی بین یدیه فقال انت عبدی ع الرحمن الذی تأمر بالمعروف وتنهی عن المنکر قلت بعزتک ربی فردانی ال الارض" (تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۹)

میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے مجھے آسمان پر لے گئے اور خدا کے سامنے کھڑا کر اللہ نے فرمایا میرے بندے عبدالرحمٰن تم ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تمہیں مصروف ر ہو؟ میں نے کہا ہاں میرے رب تیری عزت کی قسم پھر وہ دونوں فرشتے مجھے زمین پر لے آئے۔

امام اوزاعی کو ان کے علم اور سیرت وکردار کی بدولت عوام وخواص ہر طبقہ میں عز واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"کان الاوزاعی فی الشام معظما مکرما امره اعز عندهم من امر السلطان"

امام اوزاعی شام میں اس قدر معزز ومکرم تھے۔ ان کا حکم اہل شام کی نظر میں بادشاہ وق

کے علم سے زیادہ قابل قدر اور محترم تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۰)

تقویٰ اور عبادت:۔

امام اوزاعی بڑے متقی پارسا اور عبادت گذار بزرگ تھے عبادتوں میں بڑا خشوع وخضوع ہوتا راتوں میں بکثرت نوافل ادا کرتے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے اللہ کا خوف اس درجہ غالب تھا کہ پوری پوری رات گریہ وزاری میں گذار دیتے۔ ابومسہر کہتے ہیں:

"کان اوزاعی یحیی اللیل قرآنا وبکاء"

اوزاعی رونے اور نماز میں قرآن کی تلاوت میں رات ختم کر دیا کرتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷۱)

وہ اس قدر روتے کہ ان کا مصلی تر ہو جایا کرتا تھا ایک بار کسی عورت نے آپ کے مصلے کو تر دیکھا تو کہا کیا کسی بچے نے پیشاب کر دیا ہے اہلیہ محترمہ نے جواب دیا:

"ھذا من الدموع الشیخ من بکائہ فی سجودہ ھکذا یصبح کل یوم" یہ شیخ کے آنسوؤں سے تر ہو گیا ہے یہ روزانہ سجدوں میں اسی طرح رویا کرتے ہیں۔ (البدایہ ج ۱۰ ص ۱۱۷)

نمازوں میں خشوع کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا: "غض البصر وخفض الجناح ولین القلب وھو الحزن" (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷۲)

نظر نیچی رکھنا بدن کو پر سکون بنانا اور دل میں رقت وخشیت الٰہی پیدا کرنا اور یہی غم وحزن ہے۔

بشر بن منذر آپ کی کیفیت خضوع کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"وکان من شدۃ الخشوع کانہ اعمی" شدت خشوع کی وجہ سے یہ نابینا معلوم ہوتے تھے۔ (ایضاً)

وفات:۔

امام اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ میں بمقام بیروت ہوئی اور بیروت سے باہر موضع خنتوس میں دفن کیے گئے۔ اس قریہ کے لوگ آپ کی علمی حیثیت اور جلالت نہیں جانتے مگر اسے ایک ولی کامل کی قبر تسلیم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: "ھھنا رجل صالح ینزل علیہ النور"۔ اس قبر میں ایک مرد صالح مدفون ہے جس پر نور کی بارش ہوتی ہے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۶۲)

(۵) حضرت امام ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ

وفات: ۱۶۰ھ

کنیت ابو حفص اور ابو بکر، نام ربیع بن صبیح تھا قبیلہ بنو سعد بن زید کے آزاد کردہ غلام تھے

جس کی بنا پر سعدی کہلاتے ہیں آپ کا وطن بصرہ تھا۔ آپ ان تبع تابعین ومحدثین میں سے ہیں جنہوں نے خاک ہند کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور اس سرزمین کو اپنی ابدی خوابگاہ بنایا۔

تحصیل علم: ۔

ربیع بن صبیح نے جس سرزمین میں آنکھ کھولی تھی وہ علم وفضل کے چرچے سے معمور تھی ابتدائی تعلیم کے بعد بصرہ کے عظیم محدث حضرت حسن بصری کی درسگاہ سے وابستہ ہو گئے اور ان کی علمی وعملی شخصیت کا کامل ترین نمونہ بن کر افق علم وشجاعت پر نمودار ہوئے۔ ابن صبیح نے حسن بصری کے علاوہ دیگر علماء تابعین ومحدثین سے کسب فیض کیا ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں:

محمد بن سیرین، مجاہد بن جبر، عطاء بن ابی رباح، حمید الطویل، ابوالزبیر، ابوغالب، ثابت البنانی، قیس بن ثابت، یزید (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۱۴)

ربیع کے محبوب مشاغل میں جہاد اور تعلیم وتعلم تھا انہوں نے ایک طرف مردانگی وشجاعت کے جوہر دکھائے تو دوسری طرف بزم علم وفضل کی زینت بن کر تشنگان علوم کو سیراب بھی کیا آپ کے تلامذہ میں وقت کے اکابر علماء وفضلاء بھی شامل ہیں۔

عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، ابوداؤد طیالسی، آدم بن ابی ایاس، عاصم بن علی، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابونعیم، ابوالولید طیالسی، محمد بن قاسم اسدی، علی بن جعد، سعید بن عامر۔ (ایضاً ص ۲۱۴ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۲۶۴)

علم حدیث: ۔

ربیع بن صبیح بصری ان تبع تابعین میں ہیں جن کی علمی جلالت اور حدیث وثقاہت کا اعتراف امت کے اکابر علماء نے کیا ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ فن نے ان پر جرح کی ہے اور ضعیف قرار دیا ہے مگر علماء جرح وتعدیل اور ائمہ حدیث کی بہت بڑی جماعت آپ کی توثیق کرتی ہے اور انہیں صادق وعادل قرار دیتی ہے۔

- ابن شاہین: ''الربیع بن صبیح قال یحییٰ ثقة وقال مرة اخریٰ ضعیف وقال فیه لا باس به رجل صالح'' ربیع بن صبیح کے بارے میں یحییٰ نے ایک موقع پر ثقہ اور دوسرے موقع پر ضعیف کہا ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ ان سے حدیث کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے وہ صالح آدمی تھے۔ (تاریخ اسماء الثقات قلمی)
- امام احمد بن حنبل: ''لا باس به رجل صالح'' ان سے روایت کرنے میں کوئی

مضائقہ نہیں وہ صالح آدمی تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۱۴)

- ابوزرعہ: "شیخ صالح صدوق" ربیع شیخ صالح اور صدوق ہیں (ایضاً)
- عجلی: "لا باس به" ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں۔ (ایضاً ص ۲۱۵)
- ابن مہدی: "له احادیث صالحة مستقیمة ولم ار له حدیثا منکرا جدا وارجوا انه لاباس به ولابرواياته" ربیع کی تمام مرویات واحادیث صالح اور مستقیم ہیں میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں پائی مجھے امید ہے کہ ان کی شخصیت اور ان سے روایت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (ایضاً)
- شعبہ: "الربیع من سادات المسلمین" ربیع مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ہیں۔ (ایضاً)
- عقیلی: "بصری سید من سادات المسلمین" ربیع بصرہ کے رہنے والے مسلمانوں کے سرداروں میں سے ہیں۔ (ایضاً)
- ابوداؤد طیالسی: "ما تکلم احد فیه الا والربیع فوقه" جو شخص بھی ربیع کی ذات میں کلام کرتا ہے ربیع اس سے بلند ہیں۔ (ایضاً ص ۲۱۴)

امام جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں اور بلاتردد آپ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ ابوحفص عمرو بن علی کا بیان ہے "کان عبد الرحمن بن مهدی یحدث عن الربیع بن صبیح" عبدالرحمٰن بن مہدی ربیع بن صبیح سے حدیث کی روایت کیا کرتے تھے۔

امام ربیع بن صبیح کی ثقاہت وعدالت پر اوپر کے بیانات شاہد عدل ہیں وہ اعاظم تبع تابعین میں تھے ان سے بڑے بڑے محدثین اور ائمہ فن نے حدیث قبول کی ہے مگر بعد میں زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور جہاد کی کثرت کی وجہ سے ان کی محدثانہ وفقیہانہ حیثیت بعض ائمہ جرح وتعدیل اور محدثین کے نزدیک اس معیار پر نہ رہی جو ان کے اصول روایت ودرایت کے لیے مقرر ہے اور بہت سے ائمہ حدیث نے ان سے روایت کرنے میں کلام کیا۔ انہیں امام ربیع کی بزرگی کا اعتراف بھی تھا مگر وہ صیانت حدیث کے معیار کو مدنظر رکھ کر ان کے زہد وتقویٰ کی نرمی کو غیر معیاری قرار دیتے امام شافعی فرماتے ہیں

"کان الربیع بن صبیح غزاء واذا مدح الرجل بغیر صناعته فقد وهص

ای دق عنقه" ربیع بن صبیح کثیر الغزوہ آدمی تھے اور جب کسی شخص کی تعریف اس کی حدیث دانی
بغیر کرتے ہیں تو اسے تعریف وتوصیف کرکے ختم کردیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۱۴

● ابن مدینی: "**ھو عندنا صالح ولیس بالقوی**" ربیع ہمارے نزدیک ص
ہونے کے باوجود حدیث میں قوی نہیں ہیں۔ (ایضاً ص ۲۱۵)

● ساجی: "**ضعیف الحدیث احسبه کان یھم وکان عبداً صال**
ربیع حدیث میں ضعیف ہیں میرا گمان ہے کہ وہ وہم کرتے تھے اور وہ اس کے باوجود نیک بند
تھے۔ (ایضاً)

● خالد بن خداش: "**ھو فی ھدیه رجل صالح ولیس عنده حدیث یحت**
الیه" ربیع اپنی ذات وسیرت میں صالح آدمی ہیں ان کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو دوس
کے یہاں نہ ہو اور اس کی روایت کی ضرورت پڑے۔ (ایضاً)

● ابن سعد: "**وکان ضعیفا فی الحدیث وقد روی عنه الثوری واما ع**
فتر که فلم یحدث منه" ربیع حدیث میں ضعیف تھے ان سے امام سفیان ثوری نے روایت ک
عفان نے ان سے حدیث کی روایت نہیں کی۔ (طبقات ابن سعد)

امام ربیع بن صبیح بصری کے بارے میں ان تمام اقوال اور جرح وتعدیل کے الفاظ میں
واحتیاط اور ادب واحترام کی جو روح پائی جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے
ضعف، وہم، قلب وغیرہ کے بیانات ان کی صلاحیت وصداقت اور ثقاہت وعدالت تسلیم کرنے
بعد ہیں اور ان کا تعلق آپ کے خاص اوقات اور خاص حالات سے ہے۔ ان سے ہٹ کر وہ
صدوق اور صالح محدث وفقیہ ہیں۔

تصنیف:۔

دوسری صدی کے وسط میں اسلامی علوم وفنون کو جن ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں ت
کیا ان میں ربیع بن صبیح کو اولیت کا مقام حاصل ہے چنانچہ بعض لوگوں نے آپ کو اسلام کی
صاحب تصنیف شخصیت قرار دیا ہے۔

کاتب چلپی لکھتے ہیں: "**ھو اول من صنف فی الاسلام**" لیکن یہ قول صحیح نہیں
کہ ابن صبیح سے قبل بھی تصنیف وتالیف کی نسبت دیگر ائمہ محدثین کی جانب محقق ہو چکی ہے ہاں وہ
میں سب سے پہلے مصنف ضرور ہیں جنہوں نے احادیث نبویہ کو ابواب فقہ کی ترتیب پر مدون کیا۔

رامہرزی نے المحدث الفاصل میں لکھا ہے کہ "انه اول من صنف بالبصرة" امام
بیع نے سب سے پہلے بصرہ میں حدیث کی کتاب تصنیف کی۔ (تہذیب ج ۳ ص ۲۱۵)

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں... "وقیل اول من صنف وبوب الربیع بن
بیح بالبصرة ثم انتشر جمع الحدیث وتدوینه وتسطیره فی الاجزاء والکتب"
کہا جاتا ہے بصرہ میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح بصری نے تصنیف وترتیب کا کام کیا پھر احادیث کی
دوین اور کتابوں کی شکل میں ان کی اشاعت عام ہوگئی۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲۳)

دوراول کے بہت سے مصنفین کی طرح آپ کی کتاب بھی امتداد زمانہ کے دبیز پردوں
یں چھپ گئی جس کا آج صرف نام باقی رہ گیا ہے۔

ہدوعبادت:۔

امام ربیع حدیث وفقہ کے ممتاز عالم تھے اور ان کی بارگاہ سے علم وفن کے تاجداروں نے
فیض پایا مگر انہوں نے اپنے شیخ کی زاہدانہ زندگی کو عمر کے آخری حصہ میں مشعل راہ بنایا اور عبادت
وریاضت کا پہلو اس قدر غالب آیا کہ ان کی علمی حیثیت دب سی گئی اور وہ محدث وفقیہ سے زیادہ عابد
وزاہد اور غازی ومجاہد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے اپنی عملی سرگرمیوں کا مرکز عبادان کو بنایا
جو اس زمانہ میں عابدوں کا مسکن تھا۔

آپ کی شب بیداری اور عبادت کا تذکرہ ابن حبان نے اس طرح کیا ہے: "کان من
عباد اهل البصرة وزهادهم وکان یشبه بیته باللیل بیت النحل من کثرة التهجد"
ربیع اہل بصرہ کے عباد وزہاد میں سے تھے تہجد کی کثرت کی وجہ سے راتوں کو ان کا مکان شہد کی مکھیوں کا
چھتہ معلوم ہوتا تھا (یعنی تلاوت وقرأت سے گونجتا تھا)۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۱۵)

امام ربیع کی پیشوائی، صالح اعمال اور زہد وتقویٰ کا اعتراف امام شعبہ، عقیلی، احمد بن حنبل
ابوحاتم رازی، ساجی، ابن خداش اور یعقوب بن شیبہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا ہے۔

شجاعت:۔

علم وعمل کی صالح اقدار کے ساتھ آپ دینی حمیت اور جوہر شجاعت سے بھی مالا مال تھے۔
جہاد فی سبیل اللہ کا شوق عمر کے آخری ایام تک قائم رہا بلکہ سفر جہاد ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ
کی بے مثال بہادری کا تذکرہ ابن شاہین اس طرح کرتے ہیں:

"قد بلغ الربیع بن صبیح فی عصرنا هذا ما لم یبلغه الا احنف بن قیس"

ربیع بن صبیح بہادری اور جوانمردی میں ہمارے زمانہ میں اس مقام پر پہونچ گئے جہاں احنف بن قیس کے علاوہ کوئی نہ پہونچ سکا۔ (تاریخ اسماء الثقات)

عمر کے آخری ایام میں عباد ان کے زاویۂ عبادت میں جہاد اصغر کے ساتھ جہاد اکبر کے لیے روح بے قرار ہوئی۔ خلیفہ مہدی عباسی نے جب عبدالملک بن شہاب سمعی کی سرکردگی میں باربد کی طرف فوج رانہ کی تو حضرت ربیع بن صبیح بھی اس جہاد میں شریک ہوئے اور مظفر و منصور ہو کر جب لشکر اسلام واپس ہو رہا تھا تو اسی علاقہ میں وبائی مرض پھوٹ پڑا اور اجتماعی طور پر مجاہدین اسلام نے وفات پائی جن میں امام ربیع بن صبیح بصری بھی تھے۔ جائے انتقال ہی پر ان کی تجہیز و تدفین ہوئی ابن سعد لکھتے ہیں۔

”خرج غازیا الی الھند فمات فدفن فی جزیرۃ من الجزائر سنۃ ۱۶۰ فی اول خلافۃ المھدی اخبرنی بذلک شیخ من اھل البصرۃ کان معہ“ ربیع غزوہ کے لیے ہندوستان گئے اور ۱۶۰ھ میں مہدی کے ابتدائی دور خلافت میں فوت ہو گئے اور اس کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں دفن کیے گئے اس کی خبر مجھے بصرہ کے ایک شیخ نے دی ہے جو ان کے ساتھ تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳۶)

(۶) شیخ الاسلام امام شعبہ بن حجاج بن ورد واسطی رضی اللہ عنہ

ولادت ۸۳ھ وفات ۱۶۰ھ

اسم گرامی شعبہ، کنیت ابو بسطام، لقب شیخ الاسلام، سلسلۂ نسب یہ ہے: شعبہ بن حجاج بن ورد عتکی ازدی، قبیلہ ازد کے ایک شخص جھضم بن عتیک کے غلام تھے اسی نسبت سے ازدی اور عتکی کہلاتے ہیں۔

اصل وطن واسط ہے جہاں بقول ابن حبان ۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے پھر بصرہ آ کر آباد ہو گئے۔ آپ کی کفالت آپ کے دو بھائی کیا کرتے تھے جو صرافہ کا کام کرتے تھے۔

تحصیل علم:۔

امام شعبہ نے واسط ہی میں تحصیل علم کا آغاز کیا ابتداء میں وہ شعر و شاعری کی جانب متوجہ رہے اور اس میں کمال پیدا کیا مشہور شاعر طرماح بن حکیم طائی کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ انہیں دوسرے علوم کے تحصیل کا خیال نہ تھا مگر وہ ایک واقعہ سے متاثر ہو کر حدیث کی جانب متوجہ ہوئے۔

خود کہتے ہیں ایک روز میرا گزر حکم بن عتیبہ کے پاس سے ہوا وہ حدثنا کہہ کر ایک حدیث بیان کر رہے تھے اسے سن کر میں نے دل میں کہا یہ اس چیز سے بدرجہا بہتر ہے جس کو میں طلب کرتا ہوں یعنی شعر وشاعری میرا یہ خیال پختہ ہو گیا اور اسی دن سے میں نے شاعری ترک کر کے حدیث کی طلب شروع کر دی۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۵۷)

امام شعبہ نے طلب علم حدیث کے میدان میں جب قدم رکھا تو تابعین کی بڑی تعداد موجود تھی چنانچہ ۴۰۰ / تابعین سے حدیث کا سماع کیا اور اس فن میں اپنے معاصرین پر گوئے سبقت لے گئے اور مہارت فی الحدث کی وجہ سے ''امیر المحدثین'' مشہور ہوئے۔

آپ نے علم حدیث کے حصول اور اس میں تحقیق و تدقیق کے لیے مختلف مقامات کا سفر کیا جس میں کوفہ، شام، بغداد، حجاز اور مصر وغیرہ شامل ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ''امام شعبہ امام مالک سے زیادہ سفر کرنے والے اور طلب سنن میں زیادہ تیز تھے''۔ (المجروحین ج ۱ ص ۴۶)

ابن عیینہ کا بیان ہے: میں نے امام شعبہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے جو حدیث طلب کرے گا وہ مفلس ہی رہے گا مجھے تنگ آ کر ایک دفعہ اپنی والدہ کا تھال فروخت کرنا پڑا تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۳) یہ واقعہ اس بات کی صاف طور پر نشاندہی کرتا ہے کہ شعبہ نے وقت و انہماک کے ساتھ اپنی پونجی بھی خرچ ڈالی تھی امام شعبہ نے کبار تابعین کا دور پایا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے مشائخ حدیث سے حدیث حاصل کی اور اس فن میں درجۂ کمال پر پہونچے۔

ان کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

ابان بن تغلب، ابراہیم بن عامر بن مسعود، ابراہیم بن محمد بن منتشر، ابراہیم بن مسلم ہجری، ابراہیم بن مہاجر، ابراہیم میسرہ، ابراہیم بن میمون، ازرق بن قیس، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل بن رجاء، اسماعیل بن سمیع، اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی، اسماعیل بن علیہ، اسود بن قیس، اشعث بن سوار، ایوب بن موسیٰ، اشعث بن ابی شعثاء، اشعث بن عبداللہ بن جابر، انس بن سیرین، ایوب بن ابی تمیمہ، بدیل بن میسرہ، برید بن ابی مریم، بسطام بن مسلم، بشیر بن ثابت، بکیر بن عطاء، بلال، بیان، توبہ عنبری، توبہ ابی صدقہ، ثابت بنانی، ثابت بن ہرمز ابی المقدام، ثویر بن ابی فاختہ، جابر جعفی، ابو صخرہ جامع بن شداد، جبلہ بن سحیم، جعدہ بن ام ہانی، جعفر صادق، جعفر بن ابی وحشیہ، جلاس، حاتم بن ابی صغیرہ، حاضر بن ابی المہاجر، حبیب بن ابی ثابت، حبیب بن زبیر، حبیب زید انصاری، حبیب بن شہید، حجاج بن عاصم، حجاج بن ورد، حرب بن صباح، حرب بن شداد، حسن بن عمران، حسین

معلم، حصین بن عبدالرحمٰن، حکم بن عتبہ، حماد بن ابی سلیمان، حمزہ ضبی، حمید بن نافع، حمید بن ہلال، حمید الطویل، حبان ازدی، خالد الحذاء، خبیب بن عبدالرحمٰن، خلید بن جعفر، خلیفہ بن کعب بن آل ابی ذبیان، داؤد بن فراہیج، داؤد بن ابی ہند، داؤد بن یزید اودی، ربیع بن لوط، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، رکین بن ربیع، زبید یافی، زکریا بن ابی زائدہ، زیاد بن علاقہ، زیاد بن فیاض، زیاد بن مخراق، زید بن حواری، زید بن محمد عمری، سعد بن ابراہیم، سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ، سعید بن ابی بردہ، سعید مقبری، سعید بن مسروق ثوری، ابومسلمہ سعید بن یزید، سعید جریری، سفیان ثوری، سفیان بن حسین، مسلم بن عطیہ، سلمہ بن کہیل، سلیمان بن عبدالرحمٰن، سلیمان اعمش، سلیمان تیمی، سلیمان شیبانی، سماک بن حرب، سماک بن ولید، سہیل بن ابی صالح، سوادہ بن حنظلہ، ابوقزعہ سوید بن حجیر، سوید بن عبید، سیار بن سلامہ، سیار ابی حکم، شرقی بصری، شعیب بن حجاب، صالح بن درہم، صالح بن صالح بن حی، صدقہ بن یسار، ابوسنان ضرار بن مرہ، طارق بن عبدالرحمٰن بجلی، طلحہ بن مصرف، ابوسفیان طلحہ بن نافع، عاصم بن بہدلہ، عاصم احول، عاصم بن عبیداللہ، عاصم بن کلیب، عامر احول، عباس جریری، عبداللہ بن بشر، خثعمی، عبداللہ بن دینار، عبداللہ ابی سفر، عبداللہ بن صبیح، عبداللہ بن عبداللہ بن جبر، عبداللہ بن عون، عبداللہ بن عیسی بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، عبداللہ بن مختار، عبداللہ بن ابی نجیح، عبداللہ بن ہانی بن شخیر، عبداللہ بن یزید صہبانی، عبداللہ بن یزید نخعی، عبدالاعلی بن عامر، عبدالاکرم بن ابی حنیفہ، عبدالحمید صاحب الزیادلی، عبدالخالق بن سلمہ، عبدربہ بن سعید انصاری، عبدالرحمٰن بن اصبہانی، ابوقیس عبدالرحمٰن ثروان، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالعزیز بن صہیب، عبدالملک بن عمیر، عبدالملک بن میسرہ زراد، عبدالوارث بن ابی حنیفہ، عبدہ بن ابی لبابہ، عبیداللہ بن ابی بکر بن انس، عبیداللہ بن عمر، عبیداللہ بن ابی یزید، عبید ابوحسن، عبیدہ بن معتب، عتاب مولی ہرمز، ابی حصین عثمان بن عاصم، عثمان بن عبداللہ بن موہب، عثمان بن غیاث، عثمان بتی، عدی بن ثابت، عطاء بن سائب، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، عطاء بن ابی میمونہ، عقبہ بن حریث، عقیل بن طلحہ، عکرمہ بن عمار، علقمہ بن مرثد، علی بن اقمر، علی بن بذیمہ، علی بن زید بن جدعان، علی بن مدرک، علی بن ابی الاسد، عمار بن حقبہ عبسی، عمارہ بن ابی حفصہ، عمر بن سلیمان عمری، عمر بن محمد بن زید عمری، عمرو بن ابی حکیم، عمرو بن دینار، عمرو بن عامر، عوام بن حوشب، عمرو بن مرہ، عمرو بن یحیی بن عمارہ، عمران بن مسلم جعفی، ابوجعفر عمیر بن یزید خطمی، عوف الاعرابی، عون بن ابی جحیفہ، علاء بن عبدالرحمٰن، عیاض بن ابی خالد، عیینہ بن عبدالرحمٰن بن جوشن، غالب تمار، غالب قطان، غیلان بن جامع، غیلان بن جریر،

غیلان بن عبداللہ واسطی، فرات القزاز، فراس یحیی، فرقد السجنی، فضیل بن فضالہ، فضیل بن میسرہ، قاسم بن ابی بزہ، قاسم بن مہران، قتادہ، قرہ بن خالد، قیس بن مسلم، لیث بن ابی سلیم، مالک بن انس، مالک بن عرفطہ، مجالد بن سعید، مجزاۃ بن زاہر، محارب بن دثار، محل بن خلیفہ، محمد بن اسحٰق بن یسار، محمد بن جحادہ، محمد بن زیاد جمحی، ابو رجاء محمد بن سیف الازدی، محمد بن عبداللہ بن ابی یعقوب، محمد بن عبد الجبار انصاری، محمد بن عبدالرحمٰن بن سعید بن زرارہ، محمد بن عبدالرحمٰن مولی آل طلحہ، ابوالرجال محمد بن عبدالرحمٰن علی، محمد بن عثمان بن عبداللہ بن موہب، محمد بن قیس اسدی، محمد بن ابی المجالد، ابوزبیر محمد بن مسلم محمد منکدر، مخارق بن خلیفہ احمسی، مخول بن راشد، مستمر بن ریان، مسعر بن کدام، مسلم بن نیاق ابو الحسن، مسلم اعور، مسلم قری، مشاش بصری، معاویہ بن قرہ، معبد بن خالد، مغیرہ بن مقسم، مغیرہ بن نعمان، مقدام بن شریح، منصور بن زاذان، منصور بن عبدالرحمٰن اشہلی، منصور بن معتمر، منہال بن عمرو مہاجر ابوالحسن، موسیٰ بن انس بن مالک، موسیٰ بن ابی عارم، موسی بن عبداللہ جہنی، موسیٰ بن عبیدہ ربذی، موسیٰ بن ابی عثمان، میسرہ بن حبیب، نعمان بن سالم، نعیم بن ابی ہند، ابوعقیل ہاشم بن ہلال، ہشام بن زید بن انس، ہشام بن عروہ، ہشام دستوائی، واصل احدب، واقد بن محمد عمری، ورقاء بن عمرو یشکری، ولید بن حرب، ولید بن عیزار، یحی بن ابی اسحاق حضرمی، یحیی بن حصین، ابوحیان یحیی بن سعید بن حیان تیمی، یحیٰ بن سعید انصاری، یحیٰ بن ابی سلیم، یحیٰ بن عبداللہ جابر، یحیٰ بن عبید الجرانی، یحیٰ بن ابی کثیر، یحیٰ بن میمون، یحییٰ بن ہانی بن عروہ، یحییٰ بن یزید ہنائی، یزید بن حمید ضبعی، یزید بن خمیر شامی، یزید بن ابی زیاد، یزید بن عبدالرحمٰن دالانی، یزید الرشک، یعقوب بن عطاء بن ابی رباح، یعلی بن عطاء، یونس بن خباب، یونس بن عبید، ابواسحاق سبیعی، ابواسرائیل جیشمی، ابوبکر بن ابوہم، ابوبکر بن حفص، ابوبکر بن محمد بن زید عمری، ابوبکر بن منکدر، ابوجعفر فراء، ابوجعفر مؤذن مسجد العریان، ابو جمرہ ضبعی، ابوجودی شامی، ابوالحسن ابوعنبس اکبر، ابوعنبس اصغر، ابوحمزہ ازدی، ابوحمزہ قصاب، ابو شعیب، ابوشمر ضبعی، ابوضحاک، ابوعمران جونی، ابوعون ثقفی، ابوفروہ ہمدانی، ابوفیض شامی، ابومختار اسدی، ابومؤمل، ابونعامہ سعدی، ابوہاشم رمانی، ابویعفور عبدی، شمیسہ عتکہ۔ (تہذیب التہذیب ج۴ص۳۰۰،۲۹۷)

حدیث اور تنقید رجال:۔

امام شعبہ نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر حدیثوں کا ایک بڑا سرمایہ اپنے سینہ میں محفوظ کرلیا تھا۔ وہ کتابت حدیث کے قائل نہ تھے اپنے حافظہ سے طویل حدیث من وعن یاد

کر لیتے اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان فرماتے۔ علی بن مدینی نے یحییٰ بن قطان سے دریافت ک
سفیان ثوری اور امام شعبہ میں کون لمبی لمبی حدیثوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھتا تھا۔ بولے شعبہ اس
میں بہت آگے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ٩ ص ٢٦٤)

امام شعبہ کے تبحر علمی اور امامت فی الحدیث پر سب کا اتفاق ہے

حضرت سفیان ثوری ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ امام شافعی فرماتے تھ
"لو لا شعبة ما عرف الحديث بالعراق" اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا جان
والا نہ ہوتا۔ (تذکرہ ج ١ ص ١٨٣)

احمد بن حنبل: شعبة اثبت في الحكم من الاعمش واعلم بحديث الحكم ولولا شعبة ذهب حديث الحكم وشعبة احسن حديثا من الثورى لم يكن في زمن شعبة مثله في الحديث ولا احسن حديثا منه قسم له من هذا حظ وروى عن ثلاثين رجلا من اهل الكوفة لم يرو عنهم سفيان"

شعبہ حکم کی حدیثوں میں اعمش سے اثبت ہیں اور وہ حکم کی حدیثوں کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ اگر شعبہ نہ ہوتے تو حکم کی حدیثیں مٹ جاتیں۔ اور شعبہ حدیث میں سفیان ثوری سے احسن ہیں شعبہ کے زمانہ میں علم حدیث کے اندر کوئی ان کے مثل نہ تھا اور نہ ان سے حدیث میں احسن یہ تفوق ان کے حصہ میں آیا تھا اور وہ کوفہ کے تیس ایسے محدثین سے بھی روایت کرتے ہیں جن سے سفیان ثوری نے روایت نہیں کی۔ (تہذیب التہذیب ج ٤ ص ٣٠١)

- حماد بن سلمہ: حماد بن سلمہ نے اپنے شاگرد ابو الولید طیالسی سے کہا "اذا اردت الحديث فالزم شعبة" جب تم طلب حدیث کا ارادہ کرو تو شعبہ کے حلقۂ درس کو لازم پکڑو۔ (ایضا)

- یزید بن زریع: "كان شعبة من اصدق الناس في الحديث" شعبہ لوگوں میں اصدق فی الحدیث تھے۔ (ایضا)

- یحییٰ قطان: "مارایت احدا قط احسن حدیثا من شعبة" میں نے شعبہ سے بہتر کسی کو حدیث میں نہیں دیکھا۔ (ایضا ص ٣٠٢)

- ابن سعد: "كان ثقة مامونا ثبتا حجة صاحب حديث" وہ معتبر، مامون، ثبت، حجت اور کثیر الحدیث تھے۔ (ایضا)

۞ عجلی: "ثقة ثبت فی الحدیث و کان یخطئ فی اسماء الرجال قلیلاً" وہ حدیث میں ثقہ اور ثبت ہیں اور اسماء الرجال میں کم غلطی کرتے ہیں۔ (ایضاً)

۞ ابوداؤد: "لیس فی الدنیا احسن حدیثا من شعبة" دنیا میں علم حدیث کے اندر کوئی شعبہ سے بہتر نہیں۔ (ایضاً)

۞ ابوبکر بن منجویہ: "کان من سادات اھل زمانه حفظا و اتقاناً وورعاً وفضلاً وھو اول من فتش بالعراق عن امر المحدثین وجانب الضعفاء والمتروکین وصار علماً یقتدی به وتبعه علیه بعده اھل العراق" شعبہ حفظ، اتقان، پرہیزگاری اور علم و فضل میں اپنے زمانہ کے سردار تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عراق میں محدثین کر معاملات کی تفتیش (چھان بین) کی اور ضعیف و متروک راویوں کو الگ کیا۔ اور قابل اقتداء سردار بن گئے بعد میں اہل عراق انہیں کے نقش قدم پر چلے۔ (ایضاً)

۞ ابوزید انصاری: "ھل العلماء الاشعبة من شعبة" تمام علماء امام شعبہ ہی کی ایک شاخ ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۵)

شعبہ کے تبحر احادیث کی بناء پر اس دور کے تمام اعیان حدیث ان کی عزت و توقیر کیا کرتے تھے۔ حماد بن زید کہتے ہیں ہم سے حضرت ایوب نے فرمایا تم لوگوں کے پاس واسط سے ایک شخص آئے گا حدیث کا شہسوار ہے تم اس سے حدیثیں قبول کرو۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۲)

امام شعبہ نے بڑے حزم واحتیاط اور شعور و بصیرت کے ساتھ احادیث کا علم حاصل کیا تھا وہ رجال کے حالات وکوائف پر گہری نظر رکھتے تھے وہ حصول علم کے لیے ہوش و گوش اور روایت حدیث کے لیے حاضر دماغی ضروری سمجھتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے تدلیس کرنے کی نسبت مجھے آسمان سے گر کر ریزہ ریزہ ہو جانا زیادہ پسند ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۳)

وہ کہا کرتے تھے بعض لوگ ہیں جن کی عقل ان کے ساتھ رہتی ہے بعض وہ ہیں جو اپنی عقل گھر چھوڑ آتے ہیں بعض لوگ وہ ہیں جو محض بے عقل ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

امام شعبہ حدیث کو صرف ایک بار سن لینے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ جب تک حدیث کو کئی بار سن کر ازبر نہ کر لیتے ہرگز اس کی روایت نہ کرتے ابوالولید فرماتے ہیں کہ "ایک حدیث کے بارے میں میں نے آپ سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ابھی یہ حدیث نہیں بتاؤں گا اس لیے کہ ابھی میں نے اپنے استاذ سے صرف ایک مرتبہ سنا ہے۔ (سیر اعلام ج ۷ ص ۲۲۱)

حماد بن زید کا بیان ہے "اذا خالفنی شعبۃ تبعتہ لانہ کان لا یرضی ان یسمع الحدیث عشرین مرۃ وانا ارضی ان اسمعہ مرۃ" شعبہ میری مخالفت کرتے ہیں تو میں ان کے پیچھے چلتا ہوں کیوں کہ وہ ایک حدیث کو بیس مرتبہ سن کر بھی مطمئن نہیں ہوتے تھے اور میں ایک ہی دفعہ سن کر مطمئن ہو جاتا تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۳)

امام شعبہ ایک بار کے بعد دوبارہ شیخ سے حدیث کا سننا ضروری سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں وہ بڑی سے بڑی پریشانی کو خاطر میں نہ لاتے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری ملاقات امام شعبہ سے ہوئی۔ بارش ہو رہی تھی لیکن وہ ایک دم بریدہ گدھے پر سوار چلے آ رہے تھے۔ میں نے کہا ابو بسطام اس وقت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسود بن قیس کے پاس جا رہا ہوں فلاں سنہ میں انہوں نے کچھ حدیثیں بیان کی تھیں آج یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کو یہ حدیثیں اب تک یاد ہیں کہ نہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۴۸)

قوت حافظہ:۔

امام شعبہ کو قدرت نے بڑا قوی حافظہ عطا کیا تھا۔ وہ اپنی قوت حفظ ہی پر پوری عمر اعتماد کرتے رہے حالانکہ اس دور میں عام طور پر تابعین اپنے شیوخ کی مرویات نقل کر لیا کرتے تھے۔ حفظ وضبط کے ساتھ اس تحریری دستاویز کی جانب رجوع بھی کرتے مگر شعبہ تحریر و کتابت پر بھروسہ نہ کرتے۔

ابو نوح کہتے ہیں "میں عبداللہ بن عثمان کے پاس آکر جو حضرت شعبہ کے شاگرد تھے اور ان کی حدیثیں لکھتے تھے حضرت شعبہ کی احادیث کا مطالعہ کرتا تھا اور ان کو لکھ لیتا تھا اس کے بعد میں حضرت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ مجھ سے انہی روایتوں کو بیان کرتے لیکن املاء کی ہوئی روایتوں میں اور ان میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں ہوتا تھا۔ (بغدادی ج ۹ ص ۲۶۵)

اپنے نوشتۂ حدیث پر اعتماد کم کرتے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو دھو دینا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

تنقید رجال:۔

امام شعبہ کے زمانے میں بہت سے ایسے راویان حدیث پیدا ہو گئے تھے جو بلا تأمل ہر کس و ناکس سے حدیث نبوی کی روایت کیا کرتے تھے جس کے سبب ضعیف راویوں کا طبقہ وجود میں آنے لگا تھا۔ امام شعبہ نے اس فتنے کے تدارک کے لیے بروقت قدم بڑھایا اور ضعفاء کے خلاف صف آرا ہو گئے انہوں نے رواۃ حدیث پر کلام کیا۔ ان کے صفات بتائے۔ اس کے لیے کچھ

اصول مقرر کیے۔ اور آپ کے اصول پر جو لوگ پورے نہ اترتے ان سے ہرگز روایت قبول نہ کرتے اور انہوں نے راویان حدیث کو اسباب ضعف سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی انہوں نے جھوٹے راویوں کے خلاف زبردست محاذ آرائی کی۔

خضر بن یسع فرماتے ہیں: ایک دفعہ سخت گرمی میں چہرے پر کپڑا اڈالے کہیں جا رہے تھے جب ان سے پوچھا گیا اس سخت دھوپ اور گرمی میں آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: جعفر بن زبیر اور ابان بن ابی عیاش حدیث رسول میں جھوٹ گڑھتے ہیں ان کے خلاف مقدمہ کے لیے جا رہا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۵۰)

حماد بن زید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شعبہ کو دیکھا ابان بن ابی عیاش کی گردن میں کپڑا ڈالے ان کو گھسیٹ رہے ہیں اور یہ دھمکی دے رہے ہیں کہ چلو سلطان کے یہاں تمہارے خلاف کاروائی کروں گا اس لیے کہ تم حدیث رسول میں دروغ گوئی کرتے ہو انہوں نے مجھ کو آواز دی میں نے بڑی منت وسماجت کر کے ان کو نجات دلائی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۲۲۲)

آپ کی اس کوشش کا یہ اثر ہوا کہ ہر کس وناکس نے روایت کرنا چھوڑ دیا اور راویان حدیث کے احوال کی تفتیش کا فن ایجاد ہوا۔ اگرچہ احمد بن حنبل ویحییٰ بن معین وغیرہ نے فن اسماء الرجال کی تکمیل کی مگر تقدم کا سہرا آپ کے سر ہے۔ صالح بن محمد کا بیان ہے ”**واول من تکلم فی الرجال شعبة ثم یحیی القطان ثم احمد بن حنبل ویحییٰ بن معین**“ راویوں پر سب سے پہلے تنقید امام شعبہ نے شروع کی پھر امام یحییٰ قطان ان کے بعد امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔ (تہذیب الاسماء)

- ابوبکر منجویہ کہتے ہیں ”**وھو اول من فتش بالعراق عن امر المحدثین وجانب الضعفاء والمتروکین**“ عراق میں سب سے پہلے امام شعبہ نے عام محدثین اور ضعیف ومتروک راویوں کے بارے میں چھان بین شروع کی۔ (تہذیب ج ۴ ص ۳۰۲)
- صالح جزرہ: ”**اول من تکلم فی الرجال شعبة ثم تبعه القطان ثم احمد ویحیی**“ سب سے پہلے رجال پر جنہوں نے کلام کیا وہ امام شعبہ ہیں ان کے بعد ان کی اقتداء یحییٰ بن سعید قطان پھر احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے کی۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۰۳)
- احمد بن حنبل: ”**کان شعبة امة وحده فی ھذا الشان یعنی فی الرجال وبصره بالحدیث وتثبته وتنقیته فی الرجال**“ امام شعبہ کو علم حدیث میں وہ کمال اور علم رجال

میں وہ بصیرت حاصل ہے کہ وہ اس فن میں تنہا ایک امت کے قائم مقام ہیں۔ (ایضاً)

فن جرح وتعدیل رجال میں انہوں نے امت مسلمہ کا اعتبار حاصل کر لیا تھا۔ آپ کے حکم پر اہل علم کا اتنا اعتماد تھا کہ آپ جس کو ترک کر دیتے وہ بھی ان سے روایت نہیں کرتے اس طرح آپ کی شخصیت قابل اتباع ہوگئی تھی۔ مشہور محدث ابن عون سے کسی نے پوچھا کہ "آپ فلاں آدمی سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ بولے شعبہ اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ (ایضاً)

حماد بن زید کہتے ہیں: "ما ابالی من خالفنی اذا وافقنی شعبة فاذا خالفنی شعبة فی شی ترکته" جو شخص چاہے میری مخالفت کرے مجھ کو اس کی پرواہ نہیں بشرطیکہ شعبہ میرے موافق ہوں لیکن اگر شعبہ کسی چیز میں میرے مخالف ہوں تو میں اس کو ترک کر دوں گا۔ (ایضاً)

آپ راویوں پر کلام کو بہت بڑی ذمہ داری اور دین کی خدمت سمجھتے تھے اور بلا رعایت ان پر اظہار خیال کرتے تھے۔ وہ راویوں پر اظہار خیال کے لیے بڑے بلیغ اور لطیف جملے استعمال کیا کرتے تھے چنانچہ ان سے ابن عون کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "سمن عسل" (گھی اور شہد ہیں)

اور جب ہشام بن حسان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ "خل وزیت" (سرکہ اور تیل ہیں) اور ابوبکر ہذلی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ "دعنی لا اقی بہ" (جانے دو کہیں مجھ کو قے نہ ہو جائے۔ (سیر اعلام ج ۷ص ۲۰۶)

حدیث میں غیر معمولی احتیاط اور رواۃ کی تنقیح وتجسس کے باب میں ان کی بلیغ جدوجہد کا ثمرہ یہ ہوا کہ احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ میں امتیاز ہو گیا اور جو روایتیں بالکل غلط طریقہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہو چکی تھیں ان کے قابل اعتبار ہونے کا پردہ چاک ہو گیا۔ حضرت وکیع بن الجراح کا بیان ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں حضرت شعبہ کے مراتب و درجات بلند کرے گا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدافعت کی ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۹ص ۲۶۳)

جریر بن حازم کے بھتیجے کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کو کون سا عمل سخت معلوم ہوا؟ بولے نقد رجال میں نرمی سے کام لینا۔ (تذکرہ ج ۱ص ۱۸۳)

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

تحصیل علم کے بعد شعبہ نے واسط چھوڑ کر بصرہ میں قیام کیا وہیں اپنا حلقہ درس قائم کیا اور پوری زندگی وہیں مقیم رہے۔ آپ کی محدثانہ عظمت اور حلقۂ درس کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے

بڑے محدثین اپنے تلامذہ کو آپ کی خدمت میں سماع حدیث کے لیے بھیجتے۔ حماد نے ابوالولید طیالسی سے فرمایا "**اذا اردت الحدیث فالزم شعبة**" اگر تمہیں طلب علم حدیث کا شوق ہے تو شعبہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ (تہذیب ج۴ ص۳۰۱) آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونے والوں کی تعداد کثیر ہے ان میں سے کچھ اہم نام یہ ہیں:

ایوب، اعمش، سعد بن ابراہیم، محمد بن اسحاق، جریر بن حازم، ثوری، حسن بن صالح، یحییٰ قطان، ابن مہدی، وکیع، ابن ادریس، ابن مبارک، یزید بن زریع، ابوداؤد، ابوالولید طیالسی، ابن علیہ، ابراہیم بن طہمان، ابواسامہ، شریک قاضی، عیسیٰ بن یونس، معاذ بن معاذ، ہشیم، یزید بن ہارون، ابوعامر عقدی، محمد بن جعفر، غندر، محمد بن ابی عدی، نضر بن شمیل، آدم بن ابی ایاس، بدل بن محبر، حجاج بن منہال، ابوعمر حوضی، ابوزید سعید بن ربیع، سلیمان بن حرب، ابو عاصم ضحاک بن مخلد نبیل، عاصم بن علی واسطی، عفان، قعنبی، عمرو بن مرزوق، ابونعیم، مسلم بن ابراہیم، علی بن جعد۔ (تہذیب ج۴ ص۳۰۱)

اخلاق وکردار:۔

امام شعبہ علم وفضل میں جس طرح ممتاز تھے اسی طرح سیرت وکردار، زہد وتقویٰ، فیاضی وسیر چشمی میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے نماز بڑے ہی حضور قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے رکوع وسجود میں اتنی تاخیر کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا تھا کہ وہ بھول گئے ہیں۔ ابوقطن کا قول ہے جب میں شعبہ کو رکوع وسجدہ کرتے دیکھتا تو خیال کرتا آپ سر اٹھانا بھول گئے ہیں۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۸۲) انہیں کا بیان ہے کثرت صلوٰۃ کے باعث آپ کے کرتے مٹی کی طرح میلے ہوتے تھے۔ (ایضاً)

- ابوبکر راوی: "**ما رأیت احداً اعبد لِلّٰه من شعبة لقد عبد لله حتی جف جلده علی عظمه واسود**"

میں نے امام شعبہ سے زیادہ عبادت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا آپ نے اس قدر عبادت کی کہ آپ کی جلد ہڈیوں پر خشک ہو کر رہ گئی۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۰)

روزہ سے بھی ان کو خاص شغف تھا سال کے اکثر ایام میں وہ روزے سے ہوتے تھے کثرت صوم وصلوٰۃ کے باعث کافی کمزور ہو گئے تھے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے غریبوں اور مسکینوں کی حاجت روائی اپنا فرض تصور کرتے تھے ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی مگر جب بھی ان کو مال ہاتھ آ جاتا اسے فقراء ومساکین پر خرچ کر دیتے تھے ایک دن سلیمان بن مغیرہ بصرہ روتا ہوا آیا اور امام شعبہ سے کہنے لگا میرا گدھا مر گیا ہے جس کی وجہ سے میں

جمعہ سے پیچھے رہ گیا ہوں اور میرے کپڑے بھی بوسیدہ ہو گئے ہیں آپ نے پوچھا تم نے گدھا کتنے کا خریدا تھا بولا تین دینار کا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس بھی اس وقت تین دینار ہیں اور وہ تین دینار اسے دیدیئے۔ (تذکرہ ج۱ص۱۸۵)

محمد بن عمر کا بیان ہے میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے ایک دفعہ خلیفہ مہدی نے امام شعبہ کو بطور ہبہ تیس ہزار درہم دیئے جو انہوں نے سارے کے سارے غرباء اور مساکین میں تقسیم کردیئے۔ (ایضاً)

نضر بن شمیل کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ غریبوں پر رحم کرنے والا آدمی نہیں دیکھا ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی غریب آدمی ان کے پاس سے گزرتا تھا تو جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا تھا اس کی طرف نظر ترحم سے دیکھتے رہتے تھے۔ (تاریخ بغداد)

وفات:۔

امام شعبہ کی زندگی بڑی سادہ تھی اکثر فقر وفاقہ میں بسر ہوتی آخرت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ ۱۶۰ھ میں ۷۷ برس کی عمر پا کر بصرہ میں انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو جب وفات کی خبر پہونچی تو فرمایا، "مات الحدیث" یعنی حدیث کا علم آج ختم ہو گیا۔

(۷) سید الحفاظ حضرت امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ

۹۷ھ شعبان ۱۶۱ھ

اسم گرامی سفیان، کنیت ابوعبداللہ، سلسلۂ نسب یہ ہے سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع بن عبداللہ بن موہبہ بن ابی عبداللہ بن منقذ بن نصر بن الحکم بن الحارث بن ثعلبہ بن ملکان بن ثور بن عبد مناۃ بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان۔ (وفیات الاعیان ج۱ص۲۷۴)

سلسلۂ نسب میں ایک نام ثور بن عبد مناۃ ہے جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ثوری کہلاتے ہیں۔ آپ کی ولادت بمقام شہر کوفہ اصح قول کے مطابق ۹۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا خاندان کوفہ کا علمی خانوادہ تھا والد سعید بن مسروق اور آپ کے دونوں بھائی عمر بن سعید اور مبارک بن سعید صاحب علم ہستیوں میں تھے۔ والدہ بڑی پارسا، متقی اور صاحب علم خاتون تھیں۔ سفیان ثوری نے علمی خانوادہ میں آنکھ کھولی تھی۔ اور آپ کا وطن کوفہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین ومفسرین کا مسکن تھا

جہاں کے ذرہ ذرہ سے علم کی تابانیوں کا ظہور ہو رہا تھا اور جس کے گلی کوچے قال اللہ وقال الرسول کے جانفزا نغموں سے گونج رہے تھے۔ ماں باپ کی علمی آغوش تربیت اور گرد وپیش کے معارف پرور ماحول نے سفیان ثوری میں تحصیل علم کا ذوق پیدا کر دیا۔

تحصیل علم :-

ابتداء میں آپ نے اپنے والد اور کوفہ کے تمام مشہور شیوخ حدیث بالخصوص حضرت اعمش اور حضرت ابو اسحاق سبیعی سے حدیث وفقہ کا درس لیا۔ مگر ان کی علمی پیاس بڑھتی رہی تو طلب علم کے لیے کوفہ سے قدم باہر نکالا اور اس عہد کے دیگر محدثین کی طرح رحلت وسفر کے مصائب برداشت کیے۔ مالی لحاظ سے ان کا گھر مستحکم نہ تھا مگر نیک بخت والدہ نے ہونہار فرزند کے علمی شوق کو دیکھتے ہوئے مصارف علم کی ذمہ داری اپنے سر لی اور کہا " **یا بنی اطلب العلم وانا اکفیک بمغزلی** " اے نور نظر تم حصول علم میں لگے رہو میں چرخہ کات کر تمہارے اخراجات پورے کروں گی" (صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۱۶)

نیک طینت ماں نے ان کو صرف تحصیل علم کی ترغیب ہی نہیں دی بلکہ ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ یہ علم ان کے اخلاق وکردار کو سنوارنے کا سبب ہو ان کے بگاڑنے کا سبب نہ ہو۔ وہ عبادت ہو تجارت نہ ہو۔ ان کا یار ہو مار نہ ہو چنانچہ ایک بار بڑی دلسوزی کے ساتھ نصیحت کی کہ " بیٹے جب تم دس حروف لکھ چکو تو دیکھو کہ تمہاری چال ڈھال اور حلم ووقار میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں اگر اس سے کوئی اضافہ نہ ہوا تو سمجھ لو کہ علم نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔ (ایضاً)

امام سفیان ثوری نے والدہ محترمہ کی ہدایت پر پوری زندگی عمل کیا۔ اس طرح وہ علم وتقویٰ، فضل وکمال میں شہرۂ آفاق بن گئے۔

کوفہ کے علاوہ بصرہ اور حرمین شریفین کے شیوخ ورجال حدیث سے حدیث نبوی کا درس لیا۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں " **وخلق من اھل الکوفۃ وجماعۃ من اھل البصرۃ و طوائف من اھل الحجاز** " اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد سے استفادہ کیا اسی طرح بصرہ کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا اور حجاز کے مختلف حلقہائے درس سے بہرہ مند ہوئے" (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۰)

آپ کے نامور شیوخ واساتذہ یہ ہیں۔

والد گرامی سعید بن مسروق، ابو اسحاق شیبانی، ابو اسحاق سبیعی، عبد الملک بن عمیر، عبد الرحمٰن بن عابس بن ربیعہ، اسحاق بن ابی خالد، مسلمہ بن کہیل، طارق بن عبد الرحمٰن، اسود بن

قیس، بیان بن بشر، جامع بن ابی راشد، حبیب بن ابی ثابت، حصین بن عبد الرحمٰن، اعمش، منصور، مغیرہ، حماد بن ابی سلیمان، زبید یامی، صالح بن صالح بن حی، ابو حصین، عمرو بن مرہ، عون بن ابی جحیفہ، فراس بن یحییٰ، فطر بن خلیفہ، محارب بن دثار، ابو مالک اشجعی، زیاد بن علاقہ، عاصم احول، سلیمان تیمی، حمید الطویل، ایوب، یونس، ابن عبید، عبد العزیز بن رفیع، مختار بن فلفل، اسرائیل بن ابی موسیٰ، ابراہیم بن میسرہ، حبیب بن شہید، خالد حذا، داؤد بن ابی ہند، ابن عون، زید بن اسلم، عبد اللہ بن دینار، عمرو بن دینار، اسماعیل بن امیہ، ایوب بن موسیٰ جبلہ بن سحیم، ربیعہ بن عبد الرحمٰن، سعد بن ابراہیم، سمی مولیٰ ابی بکیر، سہیل بن ابی صالح، ابو زناد، عبد اللہ بن محمد بن عقیل، ابن عجلان، ابن المنکدر، ابو الزبیر، محمد، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری۔ (ایضاص ۱۰۰۔۹۹)

علم و فضل:۔

امام سفیان ثوری نے اپنے زمانہ کی متعدد علمی ہستیوں سے بڑی توجہ اور اخلاص کے ساتھ علم دین کی تحصیل کی اور انہوں نے اپنے عہد کے علماء و محدثین، فقہاء و مجتہدین کی صف اول میں نمایاں مقام پیدا کر لیا۔ فقہ و حدیث میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان علوم میں مسلمانوں کے مرجع اور طالبان علم کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ آپ کی جلالت علم، شان تقویٰ اور حدیث وفقہ کے اندر مرتبۂ بلند کا اعتراف ملت اسلامیہ کی برگزیدہ علمی شخصیتوں نے کیا ہے۔

- شعبہ: ان سفیان ساد الناس بالورع والعلم۔ سفیان ثوری علم وتقویٰ میں لوگوں کے سردار تھے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۱)

- دوری: رایت یحییٰ بن معین لا یقدم علی سفیان فی زمانہ احداً فی الفقہ والحدیث والزہد وکل شئی. میں نے یحییٰ بن معین کو دیکھا وہ اپنے زمانہ میں فقہ، حدیث، زہد وتقویٰ اور تمام چیزوں میں کسی کو سفیان پر مقدم نہیں کرتے تھے (ایضاً)

- خطیب: کان اماماً من ائمۃ المسلمین وعلما من اعلام الدین مجمعاً علی امامتہ بحیث یستغنی عن تزکیتہ مع الاتقان والحفظ والمعرفۃ والضبط والورع والزہد۔ وہ ائمہ مسلمین میں سے تھے۔ اور دین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آپ کی امامت پر لوگوں کا اجماع ہے اس حیثیت سے کہ وہ تزکیہ سے بے نیاز تھے اپنے اتقان، حفظ، معرفت، ضبط، زہد وورع کی بنا پر۔ (ایضاً)

- ابن حبان: کان من سادات الناس فقھا وورعاً واتقاناً، فقہ ورع اور اتقان

لوگوں کے سردار تھے۔ (ایضاً ص۱۰۲)

۞ ابواسحاق فزاری: لو خیرت لهٰذا الامة لما اخترت لها الاسفیان ۔ اگر میں امت میں کسی کو اختیار کرتا تو سفیان ثوری کے سوا کسی کو اختیار نہ کرتا۔ (ایضاً)

۞ ابن خلکان: کان اماماً فی علم الحدیث و غیره من العلوم واجمع الناس لی دینه و ورعه و زهده ثقته وهو احد ائمة المجتهدین و یقال ان الشیخ ابا اسم الجنید رضی الله عنه کان علی مذهبه ۔ سفیان ثوری حدیث اور اس کے علاوہ علوم امامت کے درجہ پر فائز تھے لوگوں نے ان کے کمال دین، ورع، زہد، اور ثقاہت پر اجماع کیا ہے آپ ائمہ مجتہدین میں سے ایک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ آپ ہی مذہب پر کاربند تھے۔ (وفیات الاعیان ج۱ ص۳۷۴)

۞ یونس بن عبید: مارایت کوفیا افضل من سفیان ۔ میں نے کوفہ کے کسی عالم کو یان ثوری سے افضل نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

۞ سفیان بن عیینہ: مارای سفیان مثله، سفیان ثوری نے اپنا ہمسر نہیں ھا۔ (ایضاً)

۞ بشر بن حارث: کان سفیان الثوری کان العلم بین عینیه یا خذ منه مایرید دع منه مایرید۔ گویا علم سفیان ثوری کی دونوں آنکھوں کے سامنے حاضر رہتا اس میں سے وہ ے چاہتے لے لیتے اور جسے چاہتے چھوڑ دیتے۔ (ایضاً)

۞ عبداللہ بن مبارک: لا نعلم علی وجه الارض اعلم من سفیان الثوری عرے علم میں روئے زمین پر سفیان ثوری سے بڑا عالم کوئی نہیں۔ (ایضاً ص۴۷۶)

۞ ابن خلکان نے تحریر کیا۔ یقال کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی سانه رأس الناس وبعده عبد الله بن عباس و بعده شعبی و بعده سفیان الثوری، ۔ یا جاتا ہے کہ امیرالمومنین عمر بن خطاب اپنے زمانہ میں راس الناس تھے ان کے بعد ابن عباس س الناس ہوئے اور ان کے بعد امام شعبی (تابعین میں) اور سفیان ثوری (تبع تابعین میں) راس اس قرار پائے۔ (ایضاً)

۞ حافظ ذہبی: الامام الشیخ الاسلام سید الحفاظ الکوفی الفقیه ۔ کوفے ے رہنے والے امام، شیخ الاسلام سید الحفاظ اور نامور فقیہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۹۰)

● وکیع: کان سفیان بحرا۔ سفیان علم کا سمندر تھے۔ (ایضا)

● ابو اسامہ: من اخبرک انه رای مثل سفیان فلا تصدقه ۔ جو یہ بتائے کہ ا
نے سفیان جیسا کوئی عالم دیکھا ہے تو اسے سچا نہ سمجھو (ایضاً ص ۱۹۱)

● ابن ابی ذئب: مارایت بالعراق احداً یشبه ثوریکم ۔ میں نے پورے عرا
میں کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو علم و فضل میں سفیان ثوری کے برابر ہو۔ (ایضاً)

حدیث:۔

سفیان ثوری کا اصل میدان حدیث و سنت تھا۔ انہوں نے حفظ و ضبط حدیث اور ث
و اتقان میں کمال پیدا کیا تھا۔ اس علم میں انہیں بڑا درک اور وثوق حاصل تھا۔

حفظ و ضبط حدیث پر انہیں ایسا رسوخ حاصل تھا کہ وہ کبھی روایت حدیث کے سلسلے
ریب و شک میں مبتلا نہ ہوتے تھے۔

مشہور محدث زائدہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت اعمش کی خدمت سے حدیث
کر واپس ہوتے تھے تو ان مکتوبہ روایتوں کو امام سفیان کی خدمت میں پیش کرتے تو وہ دیکھ کر بع
روایتوں کے بارے میں فرماتے تھے کہ فلاں فلاں روایت تو حضرت اعمش کی بیان کردہ
ہیں۔ ہم کہتے کہ انہوں نے ہم سے ان کی تحدیث کی ہے۔ فرماتے کہ جاؤ اور ان سے یہ بات
چنانچہ ہم لوگ جاتے اور ان سے کہتے تو وہ غور کر کے فرماتے کہ صدق سفیان، سفیان نے ٹھیک کہا۔
اور پھر اپنے صحیفہ سے اس کو مٹا دیتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۶۸)

مشہور امام حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں "ما رایت صاحب الحدیث احف
من سفیان الثوری" میں نے سفیان ثوری سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

سفیان ثوری کے معاصرین میں امام مالک اور شعبہ بلاشبہ حدیث کے اساطین میں شما
ہوتے ہیں مگر جہاں تک حفظ و ضبط حدیث کا تعلق ہے سفیان ثوری کو ان دونوں پر فوقیت حاصل
چنانچہ اہل علم نے اس برتری اور تفوق کا برملا اعتراف کیا ہے۔ خود امام شعبہ کہا کرتے تھے سفیان احف
منی۔ سفیان ثوری مجھ سے بڑے حافظ حدیث ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۱)

● ابن مہدی: کان وهب یقدم سفیان فی الحفظ علی المالک۔ وہ
سفیان ثوری کو امام مالک پر حافظہ میں مقدم کر دیتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۱)

● یحییٰ قطان: لیس احد الی من شعبة ولا یعدله احد عندی واذا خالف

فیان اخذت بقول سفیان ۔ میرے نزدیک شعبہ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور میرے نزدیک کوئی ن کے برابر بھی نہیں لیکن جب سفیان ثوری شعبہ کی مخالفت کریں تو میں سفیان کے قول کو اختیار کرتا وں۔ (ایضاً)

یہی وجہ ہے کہ حدیث کے سلسلہ میں جب کوئی اختلاف ہوتا تو سفیان ثوری ہی کے قول کو جح حاصل ہوتی اور تحقیق و جستجو کے بعد آپ ہی کا قول درست ثابت ہوتا۔

❁ یحیٰ قطان: مارایت احفظ منه کنت اذا سئلته عن مسئلة اوعن حدیث س عنده اشد علیه۔ میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا جب میں ان سے کوئی سئلہ یا حدیث دریافت کرتا جس کو وہ نہ جانتے تو ان پر یہ بات گراں گزرتی۔ (تذکرہ ج ا ص ۱۹۱)

❁ ابن معین: ماخالف احد سفیان فی شئی الاکان القول قول سفیان۔ کسی ص نے کسی بات میں سفیان سے مخالفت نہیں کی مگر اس میں سفیان کا قول ہی صحیح ثابت ہوا۔ تہذیب ج ۴ ص ۱۰۱)

❁ ابوداؤد: لیس یختلف فی سفیان و شعبة فی شئی الایظهر سفیان۔ سفیان رشعبہ نے کسی چیز میں اختلاف نہیں کیا مگر کامیاب سفیان ہوئے۔ (ایضاً)

❁ ابن سعد: کان ثقة ما مونا و کان عابداً ثبتاً ۔ سفیان ثوری ثقہ، ماموں، عابد اور بت تھے۔ (ایضاً)

❁ امام نسائی: وھو اجل من ان یقال فیه ثقة وھو احد ائمة الذین ارجوان کون الله ممن جعله للمتقین اماما ۔ وہ ثقات میں افضل تھے اور وہ ان اماموں میں سے تھے ن کے بارے میں میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ نے جن کو متقیوں کا امام بنایا۔ (ایضاً)

❁ امام اوزاعی: لم یبق من تجتمع علیه امامة بالرضا والصحة لاسفیان ۔ سفیان کے سوا کوئی آدمی ایسا نہیں رہا جس کے پسندیدگی اور صحت حدیث پر ساری امت اجماع ہو۔

❁ عبدالرحمٰن بن مہدی: مارایت رجلاً احسن عقلاً من مالک بن انس، ولا یت رجلا انصح لامة محمد صلی الله علیه وسلم من عبد الله بن مبارک ولا علم بالحدیث من سفیان ولا اقشف من شعبة۔ میں نے امام مالک سے عاقل، عبداللہ بن بارک سے زیادہ امت کا خیر خواہ، امام شعبہ سے زیادہ متقشف اور امام سفیان ثوری سے زیادہ

حدیث کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۴)

فقہ:۔

وہ صرف حدیث میں امامت کا درجہ نہ رکھتے تھے بلکہ فقہ میں بھی انہیں کامل دستگاہ تھ منصب اجتہاد پر فائز تھے۔ وہ قرآن و حدیث پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے اور مصادر شرعیہ سے است استخراج مسائل کی پوری صلاحیت ان میں موجود تھی۔ تبع تابعین کے زمرہ میں آپ کا شمار ا اصحاب میں ہوتا ہے جو مجتہد فی المذہب شمار کئے جاتے تھے۔ امام نووی کا بیان ہے "ھو اح اصحاب المذاھب الستة المتبوعة" ان کا شمار ان چھ صاحب مذہب ائمہ میں ہوتا متبوع خلائق ہیں۔ (تہذیب الاسماء ص ۲۲۳)

ابن خلکان نے ان کے بارے میں لکھاھو احد ائمة المجتہدین۔ اس کے دیگر اہل علم نے بھی آپ کی فقہی اور مجتہدانہ بصیرت کا اعتراف کیا ہے۔

❁ عبداللہ بن داؤد: ما رایت افقه من سفیان۔ میں نے سفیان ثوری سے بڑا فقی دیکھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۱)

❁ سفیان بن عیینہ: ما رایت رجلا اعلم بالحلال والحرام من سفیان الثو میں نے سفیان ثوری سے بڑا حلال وحرام کا عالم نہیں دیکھا۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۶)

امام سفیان ثوری کی فقہ کا کوئی مجموعہ نہیں ترمذی اور حدیث کی بعض کتابوں میں آپ فقہی مسلک اور آراء کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے باوصف ان کے فقہی مسلک پر ان کے بعد کئی صد تک عمل کیا جاتا رہا چنانچہ مشہور مرشد برحق سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ آپ ہی ک پر عمل کرتے تھے۔

❁ ابن رجب کا قول ہے: "وجد فی آخر قرن الرابع سفیان۔ چوتھی صدی آخر تک سفیان ثوری کے متبعین موجود تھے۔ (شذرات ج ۱ ص ۲۵۱)

آپ کی فقہی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے عباسی خلیفہ مہدی نے عہدۂ قضا پیش کیا مگر نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

مسند درس:۔

سفیان ثوری نے علوم اسلامی میں جو درک وکمال حاصل کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا سنی ہی سے وہ خلائق کا مرجع بن گئے اور ان کے گرد طلب علم کرنے والے اور مسائل دریافت کر

والوں کا ہجوم رہنے لگا۔ آپ کا با قاعدہ حلقۂ درس ۱۸/ سال کی عمر میں بخارا میں قائم ہوا آپ کے علمی کمال کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اصاغر تو اصاغر معاصر علماء نے بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور انہیں آپ سے نسبت تلمذ پر بڑا فخر تھا۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں ۔"کتبت عن الف و مائة شیخ ما فیھم افضل من سفیان" میں نے گیارہ سو شیوخ سے کتابت وسماع حدیث کیا ان میں سب سے افضل سفیان ثوری کو پایا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۱)

حضرت امام مالک آپ کی درسگاہ علم کی اہمیت اس طرح بیان کیا کرتے تھے۔ "کانت العراق تجیش علینا بالدراھم والثیاب ثم صارت تجیش علینا بالعلم منذ جاء سفیان"۔ پہلے عراق سے ہمارے پاس روپے پیسے اور کپڑے بافراط آتے تھے پھر وہاں سے علم کے چشمے جاری ہوئے جب سے سفیان وہاں آئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۲)

آپ سے کسب علم کرنے والوں کی تعداد حدو حساب سے باہر ہے علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے روی عنہ خلق لا یحصون۔ ان سے اتنے کثیر لوگوں نے روایت کی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً)

چند نامور تلامذہ یہ ہیں۔

جعفر بن برقان، خصیف بن عبدالرحمٰن، ابن اسحاق، ابان بن تغلب، شعبہ، زائدہ، اوزائی، مالک، زہیر بن معاویہ، مسعر، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحیٰی بن سعید قطان، ابن مبارک، جریر، حفص بن غیاث، ابواسامہ، اسحاق ازرق، روح بن عبادہ زائدہ بن حباب، ابوزبید عبثر بن قاسم، عبد اللہ بن وہب، عبدالرزاق، عبیداللہ اشجعی، عیسیٰ بن یونس، فضل بن موسیٰ سیتانی، عبداللہ بن نمیر، عبداللہ بن داؤد خریبی، فضیل بن عیاض، ابواسحاق فزاری، مخلد بن یزید، مصعب بن مقدام، ولید بن مسلم، معاذ بن معاذ، یحیٰی بن آدم، یحیٰی بن یمان، وکیع، یزید بن زریع، یزید بن ہارون، ابوعمار عقدی، ابو احمد زبیری، ابونعیم، عبیداللہ بن موسیٰ، ابوحذیفہ نہدی، ابوعاصم، خلاد بن یحیٰی، قبیصہ، فریابی، احمد بن عبداللہ۔ بن یونس، علی بن جعد۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۰)

تصانیف:۔

امام سفیان ثوری نے حدیث وفقہ اور تفسیر کے موضوع پر گرانقدر کتابیں لکھی تھیں مگر ان کی کماحقہ اشاعت نہ ہو سکی تاہم ان کے بعد عبداللہ بن عبداللہ اور یزید بن توبہ جنہوں نے ان کی کتابیں جمع کی تھیں بیان کرتے ہیں: "فاخرجنا تسع قمطرات کل واحد الی ھنا و اشار الی

اسفل من صدرہ'' ہم نے ان کی کتابوں کو اکٹھا کیا تو وہ نو بکس تھیں اور ہر بکس سینہ کے قریب قریب پہونچتا تھا۔ (تاریخ بغداد ج۹ ص۱۶۱)

افسوس کی امتداد زمانہ سے قدیم مصنفین کی طرح آپ کی بکثرت کتابیں بھی ضائع ہو گئیں ان میں سے بعض ایسی کتابیں جو تیرہویں صدی ہجری تک پائی جاتی تھیں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) الجامع الکبیر فی الفقہ (۲) الجامع الصغیر (۳) کتاب الفرائض (۴) کتاب التفسیر

اخلاق وکردار:۔

امام سفیان ثوری ائمہ سلف کی طرح علم وعمل کا پیکر جمیل تھے جس طرح ان کی علمی سطوت کا سکہ اسلامی دنیا میں چل رہا تھا اسی طرح ان کے حسن اخلاق، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا زریں نقش ہر خاص وعام کے دل پر ثبت تھا۔ ان کے علمی فضائل کے ساتھ عملی زندگی مینار ہدایت تھی۔ وہ اسوۂ رسول کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھال کر دوسروں کے لئے نمونۂ عمل بن گئے تھے۔ علم نافع کے اثرات ان کی زندگی کے ایک ایک پہلو ان کی گفتار وکردار سے واضح ہوتے تھے وہ علم وعمل کے سانچے میں اپنے متعلقین اور متبعین کو بھی ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنے ایک شاگرد کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تم جس زمانہ میں ہو وہ زمانہ ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پناہ مانگتے تھے کہ وہ یہ زمانہ پائیں اور قدامت کی وجہ سے انہیں وہ کچھ حاصل تھا جو ہمیں حاصل نہیں ہے پھر امور خیر میں قلت علم، قلت صبر اور قلت اعوان، لوگوں کی فساد انگیزی اور دنیا کی گندگی وناپاکی کے باوجود ہم نے جس زمانہ میں پایا ہے اس سے کیوں کر علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ پس تم پر واجب ہے کہ گمنامی کی زندگی بسر کرو کہ یہ زمانہ گمنامی ہی کے لئے موزوں ہے۔ تم پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرو اور لوگوں سے ملنا جلنا کم رکھو۔ پہلے زمانہ میں لوگ ملتے تھے تو ایک دوسرے کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اب وہ صورت نہیں رہی بس راہ نجات یہی ہے کہ ترک تعلق کے اصول پر عمل کیا جائے اور ہاں خبردار امراء کا قرب نہ اختیار کرنا نہ ان سے کسی معاملہ میں اختلاط روا رکھنا۔ خبردار مبتلائے فریب نہ ہونا۔ تم سے کہا جائے گا کہ اس شخص کی سفارش کر دیجئے۔ مظلوم کی دستگیری کیجئے۔ ظلم کے مٹانے کی سعی کیجئے یاد رکھو یہ سب باتیں ابلیس کی فریب کاریاں ہیں وقت کے تاجروں نے اپنی سربلندی کے لئے ان باتوں کو سیڑھی بنالیا ہے اور ہاں خبردار تم اس آدمی کی طرح نہ ہو جانا جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے قول پر عمل کیا جائے اس کی باتوں کی اشاعت کی جائے اور اس کا کلام سنا جائے۔

خبردار حکومت اور ریاست کی محبت سے بچنا کیوں کہ لوگ اقتدار کو سونے اور چاندی سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ (طبقات شعرانی ص ۱۳۰)

حضرت سفیان زہد و تقویٰ اور توکل و قناعت میں مثالی پیکر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ دنیاوی جاہ و منصب اور دولت و ثروت سے دامن بچایا۔ خراسان میں چچا کی میراث سے کچھ جائداد ملی تھی اسی پر گذر اوقات کرتے۔ دنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ کبھی اپنے لئے مکان تیار نہ کیا۔ خود کہتے ہیں "ما انفقت درهماً قط فی بناء" میں نے ایک درہم بھی مکان کے بنانے میں صرف نہیں کیا۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۶۴)

امام شعرانی لکھتے ہیں کہ "انہوں نے اپنے اوپر تین باتیں لازم کر لی تھیں ایک یہ کہ وہ کسی سے خدمت نہ لیں گے اور نہ ان کا کپڑا کوئی درست کرے گا اور نہ وہ اینٹ پر اینٹ رکھیں گے (طبقات شعرانی ص ۱۳۳)

دنیا ان کے دامن سے لپٹنا چاہتی تھی مگر انہوں نے ہمیشہ جھٹک دیا یحیٰی بن یمان کہتے ہیں: "اقبلت الدنیا علیه فصرف وجهه عنها" دنیا ان کی طرف بڑھی مگر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۵۶)

وہ کسی کا نذرانہ قبول نہ کرتے۔ سلاطین و امراء کے آستانوں پر جانا انہیں گوارا نہ تھا بلکہ ان سے حتی المقدور بچنے کی کوشش کرتے۔ کبھی کبھی تنگی معاش کی بنا پر فاقوں کی نوبت آ جاتی مگر عزت نفس کو گوارا نہ ہوتا کہ کسی سے قرض کے لئے زبان کھولیں۔ مصائب جھیل جاتے مگر خودداری کو کبھی مجروح نہ ہونے دیا اور قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اسی بنا پر لوگ کہا کرتے تھے "لولا السفیان لمات الورع" اگر سفیان نہ ہوتے تو زہد و ورع کا خاتمہ ہو جاتا۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۶۰)

سفیان ثوری بڑی سادہ زندگی گزارتے ان کا دامن حیات تکلفات کے غبار سے کبھی آلودہ نہ ہوا۔ شہرت و ناموری سے انہیں ہمیشہ نفرت رہی۔ امیروں اور مالداروں سے سروکار نہ رکھا۔ فقر و فاقہ میں رہنا پسند تھا اور ایسے ہی لوگوں کی ان کی نگاہ میں قدر و منزلت تھی محمد بن عبدالوہاب کا بیان ہے "ما رایت الفقر قط اعز و لا ارفع منه فی مجلس سفیان ولا رایت الغنی اذل من فی مجلس سفیان" میں نے فقر کو امام سفیان کی مجلس سے زیادہ معزز اور بلند نہیں دیکھا اور غنی یعنی دولت و خوشحالی کو ان کی مجلس سے زیادہ کہیں ذلیل نہیں دیکھا۔ (ایضاً ص ۱۶۲)

آپ بڑے رقیق القلب واقع ہوئے تھے۔ آخرت کا خیال بے چین کر دیتا پوری پوری

رات فکر آخرت میں گزر جاتی۔ ایک دن زوال سے پہلے نفل پڑھ رہے تھے جب قرآن کی اس آیت "فاذا انقر فی الناقور فذالک یوم عسیر" جس دن صور پھونکا جائے گا وہ دن بڑا ہی سخت ہوگا۔ (مدثر) پر پہونچے تو چیختے ہوئے دھوپ میں باہر نکل آئے۔

امام شعرانی لکھتے ہیں "جب لوگ آپ کے پاس موت کا ذکر کرتے تو کئی کئی دن ایسی حالت رہتی کہ کوئی بھی آپ سے استفادہ نہ کرسکتا۔ (طبقات شعرانی ص ۱۳۳)

آپ کے شاگرد ابو اسامہ کا بیان ہے کہ سفیان ثوری ایک بار بیمار پڑے تو میں انکا قارورہ لے کر کسی طبیب کے پاس گیا تو طبیب نے قارورہ دیکھ کر کہا یہ کسی راہب کا قارورہ معلوم ہوتا ہے غم نے اس شخص کا جگر شق کر دیا ہے اس کے لئے کوئی علاج نہیں۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۵۸)

حق گوئی و بیباکی:۔

دنیا سے بے رغبتی اور امراء و سلاطین سے لاتعلقی بیزاری کی حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ دنیا اور اس کے رعنائیاں، منصب اور اس کی عظمتیں اس درویش صفت عالم کی نگاہوں میں ایک پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھیں وہ جب موقع ملتا خلفاء و امراء کے روبرو حق بات کہنے سے ذرا بھی نہ ہچکتے اور پوری جرأت ایمانی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے اس سلسلہ میں کسی ملامت اور نقصان کی حتی کہ جان عزیز کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

ایک بار حرم کعبہ میں خلیفہ منصور عباسی مل گیا اس نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کعبہ کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔ اس گھر کی قسم آپ نے مجھے کیسا انسان پایا؟ امام نے بڑی جرأت کے ساتھ حق بات کہہ دی فرمایا "کعبہ کے رب کی قسم میں نے تجھ سے بدترین آدمی نہیں پایا"۔

اسی حج کے موقع پر منصور کو نصیحت کرنے کی غرض سے اس کے پاس گئے۔ اس نے مکلف فرش پر بیٹھنے کا اشارہ کیا امام صاحب نے فرمایا کہ میں اس چیز پر کیسے قدم رکھ سکتا ہوں جو نہ میری ملکیت ہے اور نہ آپ کی۔ منصور نے قالین اور فرش اٹھوا دیا۔ آپ آگے بڑھے اور منصور کے پاس بیٹھ گئے اور یہ آیت کریمہ پڑھی "منھا خلقنکم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ اخری" اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس کریں گے اور پھر اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ یہ آیت سن کر منصور کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں منصور ابتداء میں آپ سے تعرض نہ کرتا تھا مگر مطلق العنان حکمرانی کے خلاف جب آپ کے رویے میں کوئی لچک پیدا نہ ہوئی تو آپ کی جان کا دشمن ہو گیا اور ۱۵۸ھ میں اس نے حاکم مکہ ابراہیم کو حکم بھیجا کہ "سفیان اور چند دیگر اصحاب کو گرفتار

کر کے دربار خلافت میں بھیج دیا جائے‘‘ ابراہیم نے تعلق خاطر کی بناء پر آپ کو روپوش ہونے کا مشورہ دیا۔ اس طرح منصور کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ جب وہ حج کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوا تو اس نے جلادوں کو آگے بھیجا اور کہا تم لوگ سفیان ثوری کو جہاں پاؤ سولی پر لٹکا دو انہوں نے مکہ پہونچ کر سولی گاڑ دی اور آپ کی تلاش میں نکلے تو آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ آرام کر رہے تھے سر حضرت فضیل بن عیاض کی گود میں اور پاؤں سفیان بن عیینہ کی گود میں تھا انہوں نے کہا اے ابو عبداللہ! اللہ سے ڈر اور دشمنوں کو ہم پر خوش نہ کر تو آپ کعبہ شریف کے پردوں کی طرف آئے اور انہیں پکڑ کر کہا کہ میں اس سے بری ہوں۔ اگر ابو جعفر یہاں داخل ہو گیا اللہ کا ایسا کرنا ہوا کہ ابو جعفر منصور مکہ پہونچنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتر گیا۔ (طبقات شعرانی ص ۱۳۳)

ابن عماد حنبلی تحریر فرماتے ہیں ”**کان سفیان کثیر الحظ علی المنصور لظلم فهم له واراد قتله فما امهله الله**“ امام سفیان منصور کے ظلم و تشدد کی وجہ سے اس پر بہت سخت تنقید کیا کرتے تھے اس لئے وہ ان سے ناراض ہو گیا اور ان کے قتل کا ارادہ کر لیا مگر خدا نے اسے اس کا موقع نہ دیا۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۵۰)

خلیفہ مہدی کے زمانہ میں بھی حکومت کے جبر و استبداد کے خلاف آپ کی زبان حق بولنے سے نہ رکی اور خلیفہ کو برملا تنقید کا ہدف بناتے رہے۔ ایک بار دربار میں پہونچے اور عام لوگوں کی طرح سے سلام کیا مہدی نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور کہا آپ مجھ سے ادھر ادھر بھاگتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم آپکو کوئی گزند پہونچانا چاہیں تو نہیں پہونچا سکتے؟ آپ کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ہم آپ کے خلاف کوئی قدم خواہش نفس سے مغلوب ہو کر نہ اٹھا ڈالیں۔ امام سفیان نے انتہائی بے نیازی سے فرمایا ”**ان تحکم فی یحکم فیک مالک قادر یفرق بین الحق والباطل**“ ہاں اگر اس وقت آپ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں تو آپ کے اوپر ایک عادل اور مالک قدیر ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر کے رہے گا۔ ربیع (حاجب) جو تلوار لیے مہدی کی پشت پر کھڑا تھا اسے آپ کا یہ طرز کلام بہت ناگوار گزرا۔ اس نے کہا اس جاہل کی یہ مجال کہ آپ کے ساتھ اس طرح پیش آئے اگر آپ حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں۔ مہدی نے ربیع کو ڈانٹتے ہوئے کہا کم بخت یہ اور ان کے جیسے حضرات تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم ان کو قتل کر کے سعادت سے محروم ہو جائیں اور اپنا دامن شقاوت و کمبختی سے بھر لیں اس کے بعد مہدی نے کہا ان کو کوفہ کے عہدۂ قضا کا پروانہ عطا کر دو اور پروانہ میں یہ بھی لکھ دو کہ ان کے فیصلہ کی اپیل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان کو پورے

اختیارات کے ساتھ پروانہ قضاء دیدیا گیا وہ پروانہ لے کر باہر نکلے اور اسے دریائے دجلہ میں ڈالدیا اور روپوش ہو گئے۔ اس نے تمام بلاد میں تلاش کرایا مگر آپ کو نہ پاسکا (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۶)

ایک دوسری ملاقات میں مہدی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اپنے حاشیہ نشینوں اور مدد طلب کرنے والوں سے بچ کر رہ کیونکہ تیری ہلاکت انہیں کے ہاتھوں ہو گی۔ تیرا کھاتے ہیں تجھ سے درہم حاصل کرتے ہیں اور تیرے متعلق دل میں کھوٹ رکھتے ہیں اور تیری تعریف میں وہ کچھ کہتے ہیں جو تجھ میں ہے ہی نہیں۔ (طبقات شعرانی ص ۱۳۱)

ابن خلکان نے ایک اور ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ: سفیان ثوری خلیفہ مہدی کے پاس گئے۔ سلام کے بعد اس نے گرم جوشی سے پوچھا **کیف انتم یا ابا عبداللہ**۔ اے ابوعبداللہ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حج کیا تو صرف سولہ دینار صرف کئے اور آپ نے پورا بیت المال خالی کردیا مہدی نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی طرح ہو جاؤں فرمایا ہاں مجھ سے کچھ بلند (معیار) رہے مگر اپنی موجودہ فضول خرچی کی حالت سے کچھ نیچے بھی اترنا چاہئے اسی دوران اس کے وزیر عبداللہ نے کہا ابوعبداللہ! آپ کے جو خطوط ہمارے پاس آئے ہیں ہم ان کی فوراً تعمیل کرتے ہیں امام سفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ مہدی نے کہا میرے وزیر ہیں امام نے کہا اس سے بچئے یہ نہایت جھوٹا آدمی ہے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تمہیں کب کوئی خط لکھا ہے؟ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے مہدی نے کہا ابوعبداللہ اتنی جلدی کیا ہے بولے ابھی آتا ہوں انہوں نے چلتے وقت اپنے جوتے چھوڑ دیئے تھے تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور جوتے پہن کر باہر ہی سے واپس چلے گئے۔ (غالباً جب دیر ہوئی) تو مہدی نے پوچھا واپس آنے کو کہہ گئے تھے آئے نہیں لوگوں نے بتایا کہ ہاں واپس تو آئے تھے مگر اپنے جوتے پہن کر رخصت ہو گئے ان کی اس بے نیازی کو اس نے اپنی توہین سمجھا اور سخت ناراض ہوا اور یہ اعلان کردیا کہ **قد امن الناس الاسفیان**۔ سفیان کے علاوہ ہر شخص مامون ہے اس کے بعد وہ روپوش ہو گئے کچھ دن تو مکہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۵)

وفات:۔

روپوشی کے کچھ ایام مکہ میں بسر ہوئے پھر بصرہ چلے گئے جہاں یحییٰ بن سعید، ہیثم بن منصور کے مکان پر اکثر قیام رہا آخر میں وہ عبدالرحمٰن بن مہدی کے گھر منتقل ہو گئے جہاں ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ حافظ ذہبی رقمطراز ہیں "**مات فی البصرۃ فی الاختفاء من المھدی فانہ کان**

قوالا بالحق شدید الانکار علیه" ان کا انتقال بصرہ میں مہدی سے روپوشی کی حالت میں ہوا روپوشی کیوجہ یہ ہوئی کہ وہ غیر معمولی طور پر حق گو واقع ہوئے تھے اور اس کے اوپر تنقید کرتے تھے (اور وہ ناراض ہو گیا تھا)۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲)

بنو کلیب کے قبرستان (بصرہ) میں علم و تقویٰ کے امام کو دفن کیا گیا۔

حکیمانہ اقوال:

حضرت سفیان ثوری کے بعض زریں اقوال ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ جب علماء میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے تو ان کی اصلاح کون کر سکتا ہے۔ ان کا بگاڑ دنیا کی طرف ان کا میلان ہے وہ دین کے طبیب ہیں اور روپیہ پیسہ مرض ہے تو جب طبیب خود ہی مرض کو پال لینے پر تل جائے تو اس کا علاج کون کر سکتا ہے۔

۲۔ میں پسند کرتا ہوں کہ علم دین کے طلب کرنے والے اچھے حال میں رہیں اس لئے کہ اگر وہ محتاج اور ذلیل ہوں گے تو ان کو آفتوں اور لوگوں کی زبان درازیوں کا سب سے زیادہ سابقہ پڑے گا۔

۳۔ جو شخص ضرورت کے بغیر علم کے لئے صدر مجلس بن کر بیٹھتا ہے اسے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ علم صرف اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں۔ اس لئے اسے دوسری چیزوں پر فضیلت دی گئی اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر علم عام چیزوں کی طرح قرار پائے گا۔

۵۔ جب تم کسی عالم کو بادشاہ کے دروازے کی پناہ میں دیکھو تو جان لو کہ وہ چور ہے اور جب دیکھو کہ وہ امیروں کے دروازے کی پناہ لیتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ ریاکار ہے۔

۶۔ زہد فی الدنیا خواہش و تمنا کو کم کرنے کا نام ہے۔ موٹا جھوٹا پہننے اور روکھا سوکھا کھانے یا عباپوشی کا نام زہد نہیں ہے۔

۷۔ جب آدمی اپنے نفس کی حقیقت جان لے تو پھر کوئی چیز اس کو نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ (طبقات شعرانی ص ۱۳۴۔۱۲۹)

(۸) حضرت امام حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ

وفات ۱۶۷ھ

اسم گرامی حماد بن سلمہ بن دینار۔ کنیت ابو سلمہ آپ بنو تمیم کے غلام تھے۔ (تہذیب ج ۳ ص ۱۱)

آپ نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا بصرہ علم وادب کا گہوارہ تھا۔ حماد کو دینی علوم کے علاوہ مروجہ علوم، ادب ولغت، نحو اور شاعری پر بھی کامل دسترس تھی۔ حدیث وفقہ قرآن وتفسیر کی تحصیل تابعین عظام اور تبع تابعین سے کی تھی اپنے ذوق علم کے سبب بے شمار احادیث اور فقہ وفتاویٰ کے وارث بن گئے حدیث میں ثابت البنانی اور حمید الطویل کی روایات کے خاص حامل تھے ان کے علاوہ ابن ابی ملیکہ، ابو حمزہ، محمد بن زیاد، ابو عمران، انس بن سیرین، قتادہ، سماک بن حرب، اسحاق بن عبداللہ، عبداللہ بن انس، ابو زبیر مکی، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید، خالد الحذاء، سلیمان تیمی، عبد الملک بن عمیر، عبدالعزیز بن صہیب، عمرو بن دینار، ہشام بن زید، ایوب سختیانی، داؤد بن ابی ہند سے درس حدیث وفقہ وتفسیر لیا۔ (ایضاً)

تحصیل علم کے بعد حماد نے درس وتدریس کا آغاز کیا اور مرجع خلائق بن گئے۔

علم وفضل:۔

حماد بن سلمہ نے اپنے وقت کے جلیل القدر ائمہ دین اور اساتذہ سے کسب علم کیا تھا۔ ان کے اندر ان کے شیوخ اور اساتذہ کی علمی وعملی صفات جمع ہوگئی تھیں۔ اور ان کا مقام علماء کی صف میں نمایاں ہوگیا تھا۔ قرآن، حدیث، فقہ، عربیت، لغت، نحو میں انہیں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ان کے علمی وفنی محاسن کا تذکرہ علماء اسلام نے اس طرح کیا ہے۔

۞ **عبداللہ بن مبارک:** ”دخلت البصرة فما رایت احدا اشبه بمسالک الاول من حماد بن سلمة“ میں بصرہ آیا تو میں نے کسی شخص کو حماد بن سلمہ سے زیادہ اسلاف کے مسلک پر چلنے والا نہ پایا۔ (تہذیب ج ٣ ص ١٢)

۞ **ابو عمر الجرمی:** ”ما رایت فقیها افصح من عبد الوارث وکان حماد بن سلمة افصح منه“ (ایضاً)

میں نے کسی فقیہ کو عبدالوارث سے بڑا فصیح نہیں دیکھا اور حماد بن سلمہ ان سے بڑے فصیح تھے۔

۞ **عبدالرحمٰن بن مہدی:** ”حماد بن سلمة صحیح السماع حسن اللقی ادرک الناس لم یتهم بلون من الالوان ولم یلتبس بشیء احسن ملکه نفسه ولسانه ولم یطلقه علی احد فسلم حتی مات“ حماد بن سلمہ صحیح السماع حسن اللقی تھے انہوں نے لوگوں کو پایا انہیں کسی بات میں متہم نہیں کیا گیا۔ اور انہوں نے کسی چیز میں التباس نہیں کیا وہ اپنے نفس اور زبان پر قابو رکھتے تھے۔

❁ حافظ ذہبی: "الامام الحافظ شیخ الاسلام ... النحوی المحدث" امام، حافظ شیخ الاسلام حدیث میں مشہور ہیں حدیث میں کمال کیساتھ ساتھ علم نحو میں بھی ماہر تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۹)

❁ وہب: "حماد بن سلمة سیدنا و اعلمنا" حماد بن سلمہ ہمارے سردار اور ہم میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ (ایضا)

❁ ابن عماد حنبلی: "کان فصیحا مفوها اماماً فی العربیة" وہ فصیح بولنے والے اور عربیت کے امام تھے۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۶۲)

حدیث:۔

علم حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، زمرۂ تبع تابعین میں وہ خدمت حدیث کے لحاظ سے خاص عظمت رکھتے ہیں۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں کئی سو روایتیں آپ کے واسطے سے نقل کی ہیں۔ امام مسلم نے بھی صحیح مسلم میں آپ کی روایتیں نقل کی ہیں اس کے علاوہ دوسری مستند کتب حدیث میں بھی آپ کی سند سے حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔ کثرت علم کے باوجود روایت حدیث میں بہت محتاط تھے بلکہ انہوں نے ترک روایت کا ارادہ بھی کرلیا تھا مگر ان کے شیخ ابوایوب سختیانی نے خواب میں اس ارادے سے باز رہنے کی تاکید کی خود کہتے ہیں:

"ماکان من نیتی ان احدث حتی قال لی ایوب فی النوم حدث" حدیث بیان کرنے کا میرا ارادہ نہ تھا حتی کہ ابوایوب سختیانی نے مجھے خواب میں تحدیث کا حکم دیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۰)

آپ کی ثقاہت کا اعتراف اکابر ملت نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

❁ علی بن مدینی: "لم یکن فی اصحاب ثابت اثبت من حماد بن سلمة" ثابت بنانی کے شاگردوں میں کوئی بھی حماد سے زیادہ اثبت نہیں تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۲)

❁ احمد بن حنبل: "حماد بن سلمة اثبت فی ثابت من معمر" حماد بن سلمہ ثابت بنانی کی حدیثوں میں معمر سے زیادہ ثبت ہیں۔ (ایضا)

❁ ابوطالب: "حماد بن سلمة اعلم الناس بحدیث حمید واصح حدیثا" حماد بن سلمہ لوگوں میں حمید کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم اور زیادہ صحیح حدیث والے تھے۔ (ایضا)

❁ ابن مدینی: "من تکلم فی حماد بن سلمة فاتهموه فی الدین" جو حماد بن

سلمہ کے بارے میں کلام کرے تو تم اسے دین میں متہم کرو۔ (ایضاً ص ۱۲)

- ابن سعد: "کان ثقة كثير الحديث" وہ ثقہ (معتمد) اور کثیر الحدیث تھے۔ (ایضاً)

- ابن عدی: "وحماد من اجلة المسلمين وهو مفتی البصرة وقد حدث عنه من هو اكبر منه سنا وله احاديث كثيرة واصناف كثيرة ومشائخ" اور حماد اجلہ مسلمین میں سے تھے بصرہ کے مفتی تھے۔ ان سے عمر میں بڑے لوگوں نے بھی روایتیں کی ہیں ان سے بکثرت اور مختلف النوع حدیثیں مروی ہیں اور ان کے مشائخ بھی قابل ذکر ہیں۔ (ایضاً)

- عجلی: "ثقة رجل صالح حسن الحديث ان عنده الف حديث ليس عند غيره" حماد بن سلمہ معتمد صالح عمدہ حدیث والے تھے ان کے پاس ایک ہزار ایسی حدیثیں تھیں جو کسی اور کے پاس نہ تھیں۔ (ایضاً)

ابن معین، ساجی، احمد بن حنبل، اور نسائی نے بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

- ابن مدینی: "كان عند يحيىٰ بن ضريس عن حماد عشرة آلاف حديث" تنہا یحییٰ بن ضریس کے پاس حماد بن سلمہ کی دس ہزار احادیث تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۰)

بعض محدثین نے آپ سے روایتیں لینے میں احتیاط برتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں سوء حفظ کی شکایت ہوگئی تھی اور ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ کی کتابوں میں الحاق کر دیا گیا تھا مگر آپ کی عدالت وثقاہت پر سب متفق تھے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں:

"هو احد ائمة المسلمين الا انه لما كبر ساء حفظه فلذا تركه البخاری واما مسلم فاجتهد واخرج من حديثه عن ثابت ما سمع منه قبل تغيره" وہ مسلمانوں کے ایک امام ہیں مگر بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا اسی لیے امام بخاری نے ان سے روایتیں نہیں کی ہیں مگر امام مسلم نے اجتہاد کیا اور سوء حفظ سے پہلے کی ان کی جو روایتیں ثابت بنانی کے واسطے سے ہیں ان کو انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳)

- عبدالرحمٰن بن مہدی کا بیان ہے "وكانوا يقولون انها دست في كتبه" لوگوں کا خیال ہے کہ حماد بن سلمہ کی کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے۔ (ایضاً)

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں "قد قيل ان ابن ابی العوجاء كان ربيبه فكان يدس فی كتبه" کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک ربیب ابن ابی عوجاء نامی تھا جو ان کی کتابوں میں ردوبدل کیا کرتا تھا۔ (ایضاً)

حماد بن سلمہ کی علمی شخصیت طالبان علم کا مرجع تھی۔ لوگ ان کی بارگاہ میں کسب علم کے لیے جوق در جوق آتے تھے۔ آپ کے حلقۂ درس سے فیض پانے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ تلامذہ کے چند اہم نام یہ ہیں:

ابن جریج، ثوری، شعبہ، عبداللہ بن مبارک، ابن مہدی، قطان، ابو داؤد، ابوالولید، ابو سلمہ، تبوذکی، آدم بن ابی ایاس، اشیب، اسود بن عامر شاذان، بشر بن سری، بہز بن اسد، سلیمان بن حرب، ابونصر التمار، شیبان بن فروخ، عبیداللہ عیشی۔ (ایضاً ج۳ ص۱۱)

تصنیف:۔

امام حماد بن سلمہ نے دور تدوین میں اپنی تصانیف کے ذریعہ بھی حدیث کی خدمت کی مگر افسوس کہ ان کی کتابیں دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں "ھو اول من صنف التصانیف مع ابن ابی عروبة و کان بارعا فی العربیة فقیها فصیحا مفوها صاحب سنة" آپ پہلے شخص ہیں جس نے بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ علم حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، آپ عربی میں کامل، فقہ میں ماہر، عمل میں متبع سنت اور خطابت میں فصیح البیان تھے۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۹۰)

زہد و عبادت:۔

امام حماد بن سلمہ علم و عمل کے پیکر تھے۔ عبادت و ریاضت کا شوق فطری تھا وہ اپنا ہر عمل خالصۃ لوجہ اللہ کرتے دنیا کے لئے ان کا کوئی عمل نہ ہوتا اور نہ وہ غیر اللہ کے لئے اپنے کسی عمل کو جائز قرار دیتے چنانچہ وہ کہا کرتے۔

"من طلب الحدیث لغیر اللہ مکر بہ" جو شخص علم حدیث غیر اللہ کے لئے پڑھے گا وہ اللہ کی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ (ایضاً)

ان کا عمل خیر صرف اللہ کے لئے ہوتا عفان بیان کرتے ہیں۔

"قد رایت من ھو اعبد من حماد بن سلمة و لکن ما رایت اشد مواظبة علی الخیر و قراۃ القرآن و العمل للہ منہ" میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والے لوگ تو دیکھے ہیں لیکن نیکی کے کام تلاوت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنے میں ان سے زیادہ مداومت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

اعمال صالحہ کی کثرت اور مداومت کا یہ عالم تھا کہ اس میں مزید اضافہ کی گنجائش نہ تھی عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں۔

"لو قیل لحماد بن سلمۃ انک تموت غداً ما قدر ان یزید فی العمل شیئا" اگر ان سے کہا جاتا کہ آپ کل مر جائیں گے تو اپنے عمل میں پہلے سے زیادہ اضافہ نہ کر سکتے تھے۔ (ایضا)

حماد بن سلمہ ولایت کے درجہ پر فائز تھے انہیں ابدال کا رتبہ حاصل تھا شہاب بن معمر فرماتے ہیں۔ "کان حماد بن سلمۃ یعد من الابدال" حماد بن سلمہ ابدال میں شمار ہوتے تھے۔ (ایضا)

موسیٰ بن اسماعیل نے اپنے شاگردوں سے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا تو میں یہ سچ کہوں گا۔ وہ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے تھے یا تلاوت قرآن کرتے یا تسبیحات پڑھتے رہتے تھے۔ (صفوۃ الصفوہ۔ ج۳ص۲۷۴)

ان کے کردار کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے کبھی امراء و سلاطین سے کوئی تعلق نہ رکھا اور ان کے نذرانے قبول نہ کیے۔ مقاتل صالح خراسانی کہتے ہیں۔

''میں حماد بن سلمہ کے گھر میں گیا تو ان کے یہاں ایک چٹائی کے علاوہ کچھ نہ پایا اسی پر بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ ایک چمڑے کا توبڑا تھا جس میں ان کا سارا علم (یعنی حدیث نبوی) بند تھا۔ ایک وضو کا برتن تھا۔ ایک دن ان کے دروازے پر دستک ہوئی لونڈی دروازے پر گئی واپس آ کر کہا محمد بن سلیمان کا قاصد آیا ہے قاصد اندر آیا اور اس نے محمد بن سلیمان کا ایک خط پیش کیا جس میں اس نے کسی مسئلہ میں استفادہ کے لئے بلایا تھا آپ نے خط کی پشت پر لکھ کر خط قاصد کے حوالے کر دیا۔

''میں نے بہت سے ایسے علماء کی صحبت اختیار کی ہے جو کسی کے پاس نہیں جایا کرتے تھے اس لئے میں بھی معذور ہوں اگر آپ کو کوئی مسئلہ سمجھنا ہے تو آپ خود تشریف لائیں اور جو دریافت کرنا چاہیں دریافت کریں۔ آپ تنہا آئیں حشم و خدم کے ساتھ نہ آئیں۔ ورنہ میں اپنے ساتھ اور آپ کے ساتھ خیر خواہی نہ کر سکوں گا''۔

مقاتل کہتے ہیں میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ محمد بن سلیمان آ گیا اسے باریابی کی اجازت دی گئی جب وہ بیٹھا تو کہا کیا بات ہے کہ جب بھی میں آپ کے سامنے ہوتا ہوں میرے اوپر خوف و دہشت

اری ہو جاتا ہے۔ حضرت حماد نے انس بن مالک کی یہ حدیث بیان کی ارشاد رسول ہے "جب عالم پنے علم دین کے ذریعہ خدا کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے اور جب وہ اس ے دنیا کے خزانے چاہتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے" محمد بن سلیمان نے یہ حدیث غور سے سنی ر کہا کہ یہ چالیس ہزار درہم ہیں آپ انہیں قبول فرمائیں امام حماد نے فرمایا ان کو لے جاؤ اور جن وگوں پر ظلم کر کے اسے لیا ہے ان کو دے ڈالو اس نے کہا بخدا یہ میری خاندانی میراث سے ہے۔ فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے معاف کرو۔ (صفوۃ الصفوہ ج ۳ ص ۲۷۴)

فات:۔

حماد بن سلمہ کی وفات ۱۶۷ھ میں بعمر اسی سال ہوئی اور وصال حالت نماز میں ہوا۔ یونس ن مؤدب کہتے ہیں:

"مات حماد بن سلمة في الصلوٰة" حماد بن سلمہ کا نماز پڑھنے کی حالت میں تقال ہوا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۰)

(۹) حضرت امام لیث بن سعد رضی اللہ عنہ

ولادت: ۹۴ھ وفات: ۱۷۵ھ

اسم گرامی لیث، کنیت ابوالحارث۔ سلسلۂ نسب یہ ہے لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی۔

ابوالحارث لیث بن سعد کا خاندانی وطن اصفہان تھا غالباً ان کے والد سعد کسی جنگ میں گرفتار ہو گئے اور قبیلہ فہم کے ایک شخص قیس بن رفاعہ کے غلام ہوئے جس کی نسبت سے فہمی کہلائے۔ آپ کا خاندان مصر کے ایک گاؤں قلقشندہ میں آباد ہو گیا تھا۔ (جو قاہرہ سے تین فرسنگ کی دوری پر تھا)۔

علیم:۔

امام لیث غلام خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود ابتدا ہی سے تحصیل علوم وفنون کی جانب ائل ہو گئے خداوند تعالیٰ نے انہیں ذہن رسا اور طبیعت اخاذ عطا فرمائی تھی چنانچہ اپنے زمانہ کے مروجہ علوم وفنون، نحو وادب، شعر وسخن اور حدیث وفقہ میں کمال حاصل کیا بعد میں فقہ وحدیث کا رنگ اس قدر غالب آیا کہ ان کے صحیفۂ زندگی کے اصل عنوان یہی علوم بن گئے۔ مصر کے مشائخ سے درس حدیث وفقہ لیا پھر طلب علم کا شوق انہیں اسلامی بلاد وامصار کی سیاحت کراتا رہا، مکہ، مد [illegible] کے

مشہور تابعین اور ائمہ حدیث وفقہ سے استفادہ کیا۔ مکہ مکرمہ میں ابن شہاب زہری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ وہ کہتے ہیں "کتبت من علم محمد بن شهاب الزهری علما کثیراً و طلبت رکوب البرید الیه الی الرصافة" میں نے امام ابن شہاب زہری کے علم کا بہت بڑ حصہ لکھا ہے اور میں برید ڈاک پر سوار ہو کر ان سے ملنے کے لیے رصافہ جایا کرتا تھا۔ (وفیات الاعیان ج۲ص۲۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر کی مرویات کے سب سے بڑے ناقل حضرت نافع جن کی ذات مرجع خلائق تھی لیث ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ میں نے لیث بن سعد کا ایک مرتب مجموعۂ حدیث دیکھا تھا جس میں انہوں نے تقریباً ایک س حدیثیں صرف نافع کی سند سے جمع کی تھیں۔ حضرت لیث نے جن اکابر حدیث وفقہ سے درس لیا ان کی تعداد کثیر ہے امام نووی ان کے شیوخ کے نام لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں "وخلائق ل یحصون من الائمة" ان کے علاوہ اتنے ائمہ سے انہوں ..ے استفادہ کیا ہے کہ ان کا صحیح انداز لگانا مشکل ہے۔ (تہذیب الاسماء ج۲ص۴۷)

ان میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

نافع، ابن ابی ملیکہ، یزید بن ابی حبیب، یحییٰ بن سعید انصاری، عبدربہ، ابن سعید، ابر عجلان، زہری، ہشام بن عروہ، عطاء بن ابی رباح، بکیر بن اشج، حارث بن یعقوب، ابوعقیل زہرہ بر معبد، سعید مقبری، ابوزناد، عبدالرحمٰن بن قاسم، قتادہ، عبداللہ بن عمر، موسیٰ بن علی بن رباح، یزید بر الہاد، ابوزبیر مکی، ابراہیم بن ابی عبلہ، ابوقبیل، حکیم بن عبیداللہ بن قیس، حنین بن ابی حکیم، حسن بر ثوبان، خالد بن یزید مصری، خالد بن ابی عمران، خیر بن نعیم، ابوشجاع سعید بن یزید، کثیر بن فرقد، بن عبدالرحمٰن بن غنم، معاویہ بن صالح، صفوان بن سلیم، یحیی بن ایوب، عقیل، یونس بن یزید، یز بن محمد قرشی، عمیرہ۔ (تہذیب ج۸ص۴۱۲)

فضل وکمال:۔

لیث بن سعد نے جس دیدہ ریزی اور سعی بلیغ سے مروجہ علوم وفنون بالخصوص حدیث وفق کی تحصیل کی تھی وہ اپنے زمانہ کے ارباب فضل وکمال کی صف اول میں شمار ہونے لگے تھے نوجوانی ع میں بڑے بڑے ائمہ حدیث وفقہ ان کا اعزاز واحترام کیا کرتے تھے حد تو یہ ہے کہ ان کے شیوخ بھ

ان کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ شرحبیل بن جمیل کہتے ہیں:

"ادرکت الناس زمن ھشام بن عبد الملک والناس اذ ذاک متوافرون وکان بمصر یزید بن ابی حبیب وغیرہ واللیث اذ ذاک شاب وانھم لیعرفون لہ فضلہ وورعہ ویقدمونہ"

جس زمانہ میں یزید بن ابی حبیب بلند پایہ مفسر اور ان کے اصحاب مصر میں مقیم تھے حضرت لیث کی جوانی کا زمانہ تھا لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اس نوعمری کے باوجود یزید بن ابی حبیب اور مصر کے دوسرے معمر علماء لیث کا بڑا احترام کرتے ان کو مجلسوں میں مقدم رکھتے اور ان کے علم وفضل اور ورع کا اقرار کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۸ ص۴۱۵)

آپ کے ایک شیخ یحیٰی بن سعید نے فرمایا کہ تم امام وقت ہو جس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں۔ (الرحمۃ الغیثیہ)

امام شافعی علیہ الرحمہ نے آپ کا زمانہ پایا تھا مگر ان سے استفادہ نہ کر سکے تھے جس کا انہیں عمر بھر ملال رہا۔ فرماتے تھے **"ما فاتنی احد فاسفت علیہ ما اسفت علی اللیث وابن ابی ذئب"** مجھے لیث بن سعد اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کسی سے نہ ملنے کا افسوس نہیں ہے۔ (تہذیب ج۸ ص۴۵)

عبداللہ بن وہب فرماتے تھے **"لولا انی لقیت مالکا واللیث لضللت"** اگر لیث اور امام مالک نہ ہوتے تو میں گمراہ ہو جاتا۔ (ایضاً) امام لیث کی سیادت کا سکہ صرف اقلیم علم وفن ہی میں رائج نہیں تھا بلکہ خلفاء وامراء تک آپ کی بارگاہ عقیدت میں سر نیاز خم کرتے تھے خلیفۂ منصور نے آپ کو نائب السلطنت کا عہدہ پیش کیا تھا جسے آپ نے مسترد کر دیا۔ جب مہدی عباسی کے عہد میں عراق گئے تو خلیفہ نے اپنے وزیر یعقوب سے کہا تم اس شیخ کی خدمت میں حاضر رہو میرے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اب ان سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ (تذکرہ ج۲ ص۲۰۹)

خلیفہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ مجھے دو جنتیں ملیں گی مگر پریشان ہوں کہ اس کی ضمانت کیا ہے کہ واقعی میں دو جنت کا مستحق ہوں؟ امام لیث نے فرمایا تین دفعہ حلف اٹھا کر کہو کہ میں خداوند تعالیٰ سے ڈرتا ہوں چنانچہ خلیفہ نے تین مرتبہ قسم کھا کر کہا میں خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اس پر امام لیث نے فرمایا اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے: **"ولمن خاف مقام ربہ جنتان"** جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کو جنت کے دو باغ ملیں گے۔ خلیفہ یہ سن کر

بہت خوش ہوا اور امام صاحب کو مصر میں جاگیریں عطا کیں۔ (ایضاً)

یہ سچ ہے کہ ان کے تعلقات امراء و خلفاء سے خوشگوار تھے اور وہ ان کے درباروں میں بھی کبھی کبھی چلے جاتے تھے مگر ان کے یہ مراسم و تعلقات ذاتی منفعت کے لیے نہیں تھے بلکہ وہ خلفاء و امراء کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کرتے اور اصلاح کی کوشش فرماتے تھے چنانچہ ایک بار ہارون رشید سے ملنے گئے تو اس نے ان سے دریافت کیا مصر کی خوشحالی کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ آپ نے فرمایا اجراء النیل وصلاح امیرہ" نیل کے جاری رہنے اور امیر مصر کے صلاح و تقویٰ پر، پھر فرمایا نیل کے منبع کی طرف سے گندگی آتی ہے جس کی وجہ سے پوری نہر پٹ جاتی ہے اس کو صاف کرنے کی ضرورت ہے یہ باتیں سن کر ہارون نے کہا آپ نے صحیح فرمایا۔ (الرحمة الغیثیہ)

امام لیث علم و فن کے جامع تھے۔ ابن بکیر فرماتے ہیں:

"ما رأیت اکمل من اللیث کان فقیه البدن عربی اللسان یحسن القرآن والنحو ویحفظ الحدیث والشعر حسن المذاکرة لم ار مثله" میں نے لیث سے بڑا کامل العلم نہیں دیکھا وہ فقیہ البدن، عربی اللسان تھے قرآن اور نحو میں مہارت رکھتے تھے۔ حدیث اور اشعار عرب کو یاد کرتے اور اچھی گفتگو کرتے میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۸ ص ۴۱۵)

ابن حبان لکھتے ہیں: "کان من سادات اهل زمانه فقها وورعا وعلما وفضلا وسخاء" وہ فقہ، ورع، علم، فضل اور سخاوت میں اپنے زمانہ کے سردار تھے۔ (ایضاً ص ۴۱۶)

حدیث:۔

علم حدیث میں آپ درجۂ امامت پر فائز تھے۔ انہوں نے مصر، حجاز، عراق، کے اساطین حدیث سے حدیث کا علم حاصل کیا تھا اور ان کے پاس احادیث نبوی کا بڑا عظیم ذخیرہ موجود تھا۔ ان کا ذخیرۂ حدیث کتنا وسیع تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے ایک دفعہ کسی نے ان سے کہا آپ بعض مرتبہ ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں نہیں ہیں فرمایا "او کل ما فی صدری فی کتبی؟ لو کتبت ما فی صدری ما وسعه هذا المرکب" کیا وہ ساری چیزیں جو میرے سینے میں محفوظ ہیں کتابوں میں بھی ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اس قدر بڑا دفتر ہوجاتا کہ یہ سواری اس کو نہیں اٹھا سکتی تھی۔ (تہذیب ج ۸ ص ۴۱۴)

حدیث میں آپ کی عظمت شان کا اعتراف اکابر حدیث نے کیا ہے:

- نافع: "صالح ثقة" لیث ثقہ اور ثبت ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۱۴)

- ابن مدینی: "اللیث ثقة ثبت "لیث ثقہ اور ثبت ہیں۔ (ایضاً)
- عجلی: "مصری ثقة "لیث مصر کے باشندہ اور ثقہ ہیں۔ (ایضاً)
- ابن خراش: "صدوق صحیح الحدیث " لیث سچے اور صحیح الحدیث ہیں۔ (ایضاً)
- امام نسائی: لیث ثقہ تھے۔
- ابوزرعہ: لیث صدوق ہیں۔
- یعقوب بن شیبہ: لیث ثقہ ہیں۔
- شافعی: "اللیث اتبع للاثر من مالک" لیث مالک سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ (ایضاً)
- احمد بن صالح: "اللیث بن سعد امام " لیث بن سعد امام ہیں۔
- ابویعلی خلیلی: "کان امام وقتہ بلا مدافعة" بلا اختلاف وہ امام وقت تھے۔ (ایضاً)
- ابن خلکان: "امام اهل مصر فی الفقه والحدیث...وکان ثقة سریا سخیا" لیث فقہ وحدیث میں مصریوں کے امام تھے... وہ ثقہ سری اور سخی تھے۔ (وفیات الاعیان ج۲ ص۲۹۶)

علم حدیث میں آپ کی حیثیت مسلم ہے حدیث کی اکثر کتابوں میں آپ کی مرویات مذکور ہیں آپ سے سماع حدیث کو بڑے بڑے ائمہ فخر سمجھتے تھے اس کے باوجود روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے وہ احادیث کو روایت ودرایت کے معیار پر پرکھ کر بیان کرتے تھے جن احادیث میں سقم یا تدلیس کا شائبہ ہوتا ترک کر دیتے تھے امام احمد فرماتے تھے مصر میں صحیح احادیث کی روایت اور ان کے حفظ واتقان میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔

فقہ واجتہاد:۔

لیث بن سعد کے زمانہ میں فقہ کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی بلکہ اہل علم وفقہ مشائخ وقت اور حالات کی ضرورت کے پیش نظر اپنے اپنے شہروں اور حلقوں میں پیش آمدہ مسائل واستفسارات کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں فرمایا کرتے تھے امام لیث کے زمانہ میں عراق کے اندر امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری، شام میں امام اوزاعی اور مدینہ وحجاز میں امام مالک کے اجتہاد وتفقہ کا غلغلہ تھا تو مصر میں امام لیث نے یہ کمی پوری کر دی ان کے اندر اجتہاد کی پوری صلاحیت موجود تھی اور بے شمار

مسائل کا استنباط قرآن وحدیث سے کیا۔ مگر ان کے اجتہادات واستنباطات دیگر ائمہ مجتہدین کی طرح مدون ومرتب ہو کر کتابی صورت میں منظر عام پر نہ آسکے ورنہ ان کے علم واجتہاد کا ایک بڑا ذخیرہ سامنے آجاتا۔

ائمہ ومجتہدین آپ کے اجتہاد وتفقہ کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے۔

امام شافعی لیث بن سعد کے اجتہادی مسائل وآراء کے ضائع ہو جانے پر بہت افسوس کیا کرتے اور کہتے تھے "ھو افقہ من مالک الا ان اصحابہ لم یقوموا بہ ... کان اتبع للاثر من مالک" لیث مالک سے بڑے فقیہ تھے مگر ان کے تلامذہ نے ان کی فقہ کی حفاظت میں غفلت کی... وہ مالک کی بہ نسبت حدیث پاک کی زیادہ اتباع کرنے والے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۰۸)

❁ ابن بکیر: "اللیث افقہ من مالک ولکن کانت الحظوۃ لمالک" (ایضاً)

❁ آپ امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن قسمت نے امام مالک کی یاوری کی ہے۔ (ایضاً)

❁ ابن وہب: لیث کے مستنبط مسائل ان کی مجلس میں پیش کیے گئے تو ایک دن ایک مسئلہ پر حاضرین نے بڑی تحسین کی اور کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیث امام مالک سے سن کر جواب دیتے ہیں اس پر ابن وہب نے کہا یہ نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ امام مالک لیث سے سن کر جواب دیتے ہیں "واللہ الذی لا الہ الا ھو ما راینا احداً قط افقہ من اللیث" میں بخدا کہتا ہوں کہ میں نے کسی کو لیث سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (وفیات ج ۲ ص ۲۹۶)

آپ کی علمی جلالت وتفقہ کا ہی نتیجہ تھا کہ مصری حکومت کا پورا عملہ، گورنر، قاضی وغیرہ آپ کی رائے سے مقرر ہوا کرتے تھے اگر کبھی کسی قاضی یا حاکم کا کردار آپ کی نظر میں مشکوک ہوتا تو آپ خلیفہ کو کہتے جسے وہ فوراً معزول کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ منصور نے آپ کو ملک کی نیابت عطا کرنا چاہی مگر آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۰۹)

اسی لیے ابن وہب کہا کرتے تھے۔ "لو لا مالک واللیث بن سعد تضل الناس" اگر امام مالک اور لیث بن سعد نہ ہوتے تو لوگ گمراہ ہو جاتے۔ (وفیات ج ۲ ص ۲۹۷)

تلامذہ:۔

امام لیث عنفوان شباب ہی میں اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے انہوں نے تقریباً پچاس

ساٹھ سال تک تعلیم و تحدیث روایت اور تخریج مسائل کا کام انجام دیا۔ ظاہر ہے اس مدت میں ان سے فیض پانے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہوگی چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

شعیب، محمد بن عجلان، ہشام بن سعد، ابن لہیعہ، ہشیم بن بشیر، قیس بن ربیع، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب، ابوالولید بن مسلم، ابوسلمہ خزاعی، عبداللہ بن حکم، سعید بن سہلان، آدم بن ایاس، عبداللہ بن یزید مقری، عمرو بن خالد، عیسی بن حماد۔

سیرت و اخلاق:۔

امام لیث کی زندگی کا یہ پہلو بڑا درخشندہ ہے وہ اپنے اخلاق و اوصاف اور سیرت و کردار میں بے مثال شخص تھے۔ ابن مریم کا بیان ہے میں نے ان سے زیادہ جامع اوصاف آدمی نہیں دیکھا ہر وہ عادت و خصلت جس سے خدا کا قرب حاصل ہوسکتا ہو وہ ان میں موجود تھی۔ (الرحمۃ الغیثیہ)

زہد و ورع، عبادت و ریاضت، اتباع سنت کے علاوہ وہ حد درجہ فیاض، سخی، متواضع اور مہمان نواز واقع ہوئے تھے ان کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کی سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار تھی مگر ان پر کبھی زکوۃ فرض نہیں ہوئی۔ (تذکرہ) یعنی وہ اپنی ساری آمدنی غرباء و مساکین اور اہل حاجت پر صرف کر دیا کرتے تھے کچھ پس انداز نہ کرتے جو نصاب کی مقدار کو پہونچ سکے جس پر زکوۃ واجب ہو آپ کی سخاوت و مسکین نوازی کے واقعات بہت مشہور ہیں:

ابن وہب کا بیان ہے: امام لیث ہر سال امام مالک کو ایک سو اشرفی دیا کرتے تھے ایک دفعہ امام مالک نے لکھا کہ مجھ پر کچھ قرض ہے تو آپ نے پانچ سو اشرفیاں بھیج دیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۷)

مصر کے مشہور محدث ابن لہیعہ کا مکان جل گیا تو ان کو ایک ہزار اشرفی کا عطیہ دیا، منصور بن عمار واعظ کو ایک ہزار دینار دیئے، ایک بار کوئی عورت پیالی میں تھوڑا سا شہد لینے آئی تو شہد سے بھرا ہوا ایک مطر اس کے حوالہ کر دیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۷)

سخاوت و فیاضی امام لیث کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی وہ آمدنی کا بہت بڑا حصہ مستحقین پر بے دریغ خرچ کرتے تھے اور وہ اس سے لذت اندوز ہوا کرتے تھے بسا اوقات اپنی داد و دہش کو اپنے فرزندوں سے چھپایا کرتے تھے۔

آپ کا یہ عمل دوسروں کے لیے تھا خود اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتے اور بڑی سادہ زندگی گذارتے تھے۔ محمد بن معاذ کا بیان ہے لیث ایک بار اپنے گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے

میں نے ان کی سواری اور سامان وغیرہ کا اندازہ کیا تو سب کی قیمت اٹھارہ بیس درہم سے زیادہ نہ تھی۔ امام لیث کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اہل مصر کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تنقیص سے روکا اور اہل مصر کے دلوں میں آپ کی عقیدت ومحبت پیدا کی۔

آپ کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ سفر وحضر ہر جگہ مطبخ ساتھ ہوتا اور وہ مہمانوں کے ساتھ رات کا کھانا تناول فرماتے۔ قتیبہ کہتے ہیں ''ہم اسکندریہ سے براہ دریا لیث بن سعد کے ساتھ روانہ ہوئے تو اس وقت ان کے ساتھ تین کشتیاں تھیں جن میں سے ایک کھانے پینے کے سامان سے بھری ہوئی تھی ایک میں ان کے اہل وعیال تھے اور ایک کشتی میں ان کے مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ (تہذیب ج ۸ ص ۴۱۶)

عبداللہ بن صالح کہتے ہیں کہ '' میں بیس سال سے ان کے ساتھ ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ روزانہ رات کو لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔

وہ اپنے دوستوں کو خوب کھلاتے پلاتے تھے فالودہ تیار کراتے اور کہتے جو زیادہ کھائے گا اسے اتنے دینار ملیں گے۔

امام لیث علم اور علماء کے وقار کا تحفظ ضروری سمجھتے تھے وہ اہل علم کو امیروں اور بادشاہوں کا دریوزہ گر دیکھنا پسند نہ کرتے تھے ایک بار آپ نے منصور بن عمار کو ایک ہزار دینار عطا فرمایا اور کہا ''بھذہ الحکمۃ اللتی اتاک اللہ تعالی'' اللہ تعالی نے تم کو جو حکمت عطا فرمائی ہے تم ان دنانیر کے ذریعہ اس کی حفاظت کرو۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۹۸)

جو تلامذہ ان کے پاس دور دراز سے سماع حدیث کے لیے آتے ان کی ضیافت کرتے اور واپسی کے وقت انہیں زادراہ عطا کرتے۔

امام لیث کی گوناگوں صفات حسنہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ابن ابی مریم نے کہا تھا ''ما رأیت احدا من خلق اللہ افضل من لیث وما کانت خصلۃ یتقرب بھا الی اللہ الا کانت تلک الخصلۃ فی اللیث'' میں نے اللہ کی مخلوق میں لیث سے افضل کسی کو نہیں دیکھا کوئی خصلت جو تقرب الی اللہ کا سبب ہو ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو''۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۱۶)

وفات:۔

امام لیث کا وصال ۱۵؍ شعبان ۱۷۵ھ بروز جمعہ ہوا بعد نماز جمعہ ہزاروں سوگوار ارادت مندوں نے جنازہ اٹھایا ہر شخص پیکر حزن وغم بنا ہوا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے گھر ہی کی میت ہے

۔محمد بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے "شھدت جنازته وانا مع ابی فما رأیت جنازة اعظم منها ولا اکثر من اهلها ورأیت کلهم علیهم الحزن والناس یعزی بعضهم بعضا ویبکون فقلت لابی یا ابت کل واحد من الناس صاحب الجنازة فقال لی یا بنی کان عالما سعیدا کریما حسن الفعل کثیر الافضال یا بنی لا تری مثله ابداً" (وفیات ج۲ص ۲۹۹)

میں اپنے والد عبدالسلام کے ساتھ جنازہ میں شریک تھا میں نے ایسا عظیم الشان جنازہ نہیں دیکھا پورا مجمع پیکر غم بنا ہوا تھا ہر ایک دوسرے سے اظہار تعزیت کر رہا تھا غم کا عالم دیکھ کر اپنے والد سے کہا کہ مجمع کا ہر شخص ایسا غمزدہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنازہ اسی کے گھر کا ہے والد نے کہا بیٹا ایسے ہی جامع فضل وکمال عالم، خوش بخت، کریم، سخی، بلند کردار، کثیر الفضائل تھے۔ اے بیٹے! تم کبھی کسی کو ان کے مثل نہ دیکھو گے۔

لیث بن سعد کے بعض شاگردوں کا کہنا ہے جب ہم نے لیث بن سعد کو دفن کیا ہم نے ایک ہاتف کو سنا وہ کہہ رہا تھا۔

ذهب اللیث فلا لیث لکم ومضی العلم قریبا وقبر

لیث چلے گئے ان کے بعد تمہارے لیے کوئی لیث نہیں ہے ان کے ساتھ علم رخصت ہو گیا اور اسے دفن کر دیا گیا۔ (ایضاً)

نماز جنازہ موسیٰ بن ہاشمی نے پڑھائی اور اس پیکر علم کا جسد خاکی قرافہ صغریٰ مصر میں دفن کر دیا گیا۔

(۱۰) حضرت امام مالک بن انس علیہ الرحمہ

ولادت: ۹۳ھ وفات: ۱۷۹ھ

اسم گرامی مالک، کنیت ابو عبداللہ، لقب امام دارالہجرۃ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث بن عثمان بن جثیل بن عمرو بن حارث۔ آپ کا نسبی تعلق یمن کے شاہی خاندان حمیر کی مشہور شاخ اصبح سے ہے۔ امام کے مورث اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے۔ یہ خاندان خالص عرب تھا۔ عہد رسالت میں یمن سے مدینہ منورہ منتقل ہو گیا۔ امام صاحب کے پردادا ابو عمرو نے اسلام قبول کیا۔ امام مالک کے دادا مالک بن ابی عامر جلیل القدر تابعی اور صحاح

کے رواۃ میں داخل ہیں امام کے والد حضرت انس بھی عالم تھے امام مالک کی ولادت صحیح قول کے مطابق ۹۳ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی۔

تحصیل علم:۔

امام مالک کا مولد ووطن مدینہ منورہ علوم دینیہ کا مرکز تھا جب آپ سن شعور کو پہونچے تو مدینہ کا چپہ چپہ علم وعرفان کے نور سے جگمگا رہا تھا آپ قبول علم کی غیر معمولی صلاحیت کے ساتھ تحصیل علم میں منہمک ہوگئے ابتداء میں نافع بن عبدالرحمٰن سے فن قرأت کی تکمیل کی پھر تحصیل فقہ وحدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور نافع مولیٰ ابن عمر کی خدمت میں ۱۲/ سال تک کسب علم کرتے رہے ان کے علاوہ چند اہم مشاہیر حدیث سے بھی استفادہ فرمایا:

عامر ابن عبد اللہ ابن عوام، نعیم بن عبد اللہ، زید بن اسلم، حمید الطویل، سعید مقبری، ابو حازم، زہری، سلمہ ابن دینار، شریک ابن عبد اللہ، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، ابوالزناد، ابن المنکد ر، عبد اللہ بن دینار، یحیٰ بن سعید، ہشام بن عروہ، ابوالزبیر المکی، ابو طوالہ، ایوب سختیانی، جعفر بن محمد صادق، حمید ابن قیس مکی، داؤد بن حسن، زید بن رباح، عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم، محمد بن یحیٰ بن جان، عمرو بن ابی عمرو، یزید بن مہاجر، یزید بن عبد اللہ بن خصیفہ، ابراہیم بن ابی عقبہ، موسیٰ بن ابی عقبہ، اسماعیل بن ابی حکیم، حمید بن عبدالرحمٰن، زیاد بن سعد، سالم بن ابی نضر، سہیل بن ابی صالح، صیفی، ضمرہ بن سعید، طلحہ بن عبدالملک ایلی، عبد اللہ بن فضل ہاشمی، عبد اللہ بن یزید، عبدالرحمٰن بن عبد اللہ بن ابی صعصعہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عبید اللہ بن ابی عبد اللہ الاغر، عمرو بن مسلم بن عمارہ، عمرو بن یحیٰ بن عمارہ، قطن بن وہب، ابوالاسود، محمد بن عمرو بن حلحلہ، محمد بن یحیٰ بن حبان، مخرمہ بن بکیر وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵)

امام مالک نے مؤطا میں جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کی تعداد ۹۵/ ہے یہ سب مدنی ہیں اس طرح ایک ہی ذات میں تمام علمائے مدینہ کا علم اکٹھا ہوگیا جس کے سبب آپ کو امام دارالہجرۃ کے لقب سے یاد کیا گیا۔

امام مالک کو قدرت نے ذوق علم کے ساتھ قوت حفظ کی بے مثال دولت سے بھی نوزا تھا وہ خود فرماتے ہیں میں متعدد اساتذہ کی خدمت میں جاتا اور ہر ایک سے پچاس سے لے کر سو حدیثیں سنتا اور سب کی حدیثوں کو محفوظ کر لیتا۔ روایتوں میں اختلاف بالکل نہ ہوتا۔

جس چیز کو میں نے محفوظ کرلیا اس کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ (بستان المحدثین ص ۱۴)

طلب علم کی لگن کا یہ عالم تھا کہ ابتداء میں مفلسی کے باعث مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیاں فروخت کر کے مصارف کتب میں خرچ کیا کرتے تھے۔ (ایضاً)

علم و فضل:۔

امام مالک نے بے پناہ قوت حفظ و ذہانت اور ذوق و شوق کے ساتھ علم حاصل کیا اور فقہ و حدیث میں درجۂ امامت پر فائز ہوئے۔ آپ کی امامت فی العلم اور امتیازی شان کا اعتراف ہر دور کے علماء نے کیا ہے۔

- **امام شافعی:** "اذا ذکر العلماء فمالک النجم، لو لا مالک وابن عیینة لذھب علم الحجاز" امام مالک علماء کے درمیان درخشندہ ستارہ ہیں اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم رخصت ہوجاتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴)

- **احمد بن حنبل:** عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا "من اثبت اصحاب زھری قال مالک اثبت فی کل شئی" زہری سے حدیث بیان کرنے میں ان کا کون سا تلمیذ زیادہ پختہ ہے بولے امام مالک ہر فن میں پختہ ہیں۔ (ایضاً)

- **ابن وہب:** "لو لا مالک واللیث لضللنا" اگر امام مالک اور لیث رہنمائی نہ کرتے تو ہم گمراہ ہوجاتے۔ (ایضاً)

- **سفیان بن عیینہ:** جب انہیں امام مالک کی وفات کا علم ہوا تو گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "ماترک علی ظھر الارض مثله" امام مالک نے روئے زمین پر اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ (ایضا)

- **یحییٰ بن معین:** "مالک احب الی فی نافع من ایوب وعبیداللہ" حضرت نافع سے حدیث بیان کرنے میں مجھے امام مالک ایوب اور عبیداللہ سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ایضا)

- **مصعب بن زبیری:** "کان مالک ثقة ماموناً ثبتاً ورعاً فقیھاً عالماً حجة" امام مالک، ثقہ، مامون، ثبت، متقی، فقیہ، عالم اور حجت تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۷)

امام شافعی: "مالک حجة اللہ تعالیٰ علی خلقه بعد التابعین" امام مالک تابعین کے بعد مخلوق پر اللہ کی حجت تھے۔ (ایضاً)

- امام نسائی: ”ما عندی بعد التابعین انبل من مالک واجل منه ولا اوثق ولا آمن علی الحدیث منه ولا اقل روایة عن الضعفاء“ میرے نزدیک تابعین کے بعد امام مالک سے زیادہ دانش منداوران سے بزرگ اوران سے زیادہ ثقہ اوران سے زیادہ حدیث میں مامون اورضعیف راویوں سے کم روایت کرنے والاکوئی نہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۸)
- عبدالرحمٰن بن مہدی: ”ما رایت رجلا اعقل من مالک“ میں نے کسی شخص کو امام مالک سے بڑاعقلمندنہیں دیکھا۔ (ایضا)
- ابن خلکان: ”امام دار الھجرة واحد ائمة الاعلام“ وہ امام دارالہجر ہ اورائمہ اعلام میں تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ص ۳۰۰)
- اوزاعی: ”امام مالک استاذ العلماء عالم حجاز اور مفتی حرمین ہیں“ (تذکرۃ المحدثین ص ۱۰۳)
- شاہ ولی اللہ: ”امام مالک ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں سب سے زیادہ پختہ وضابط تھے اوراسناد میں سب سے زیادہ ثقہ تھے“۔

امام مالک ظاہری شکل وشباہت اوروضع قطع کے لحاظ سے بھی غیر معمولی شخصیت کے حامل تھے ان کا قد لمبا، موٹا بدن، سفید رنگ، کشادہ چشم خوبصورت، بلند ناک وہ عدن کے بنے ہوئے عمدہ کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے خوشبو کا استعمال بکثرت فرماتے (بستان المحدثین ص ۱۴)

حلقۂ درس:۔

امام مالک نے علم وفن کے چشموں سے فیض پایا تھا اور حدیث وفقہ میں جس بلند مرتبہ پر فائز تھے اس کا تقاضہ تھا کہ آپ بھی صحابہ وتابعین کی طرح حلقۂ درس قائم فرمائیں اور طالبان علم نبوت کو سیراب کریں چنانچہ آپ سترہ سال کی عمر میں مسند درس وافتاء پر متمکن ہوئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ میں وہی مکان آپ کی قیام گاہ تھا جو بزرگ صحابی رسول معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ تھا اور مسجد نبوی شریف میں آپ اس مقام پر بیٹھتے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھا کرتے تھے۔ امام مالک نے جب حلقۂ درس قائم کیا آپ کے گرد طلبہ کا ہجوم پروانوں کی طرح جمع ہوتا د گاہ میں عام طلبہ کے علاوہ علماء، فقہاء، امراء اور صاحب ثروت لوگ سماع حدیث کے لئے جمع ہوتے۔ یہ لوگ صرف مدینہ منورہ یا اس کے اطراف ہی کے نہ ہوتے بلکہ اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے امام دارالہجرت کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت اور تلمذ کو مایۂ افتخار سمجھ کر آتے اس طرح امام مالک رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پاک کے مصداق کامل بن گئے تھے۔

یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون احداً اعلم من عالم المدینۃ۔

عنقریب لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے آئیں گے لیکن انہیں مدینہ سے بڑا عالم کوئی نہیں ملے گا۔

ابن عیینہ نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا کہ وہ عالم مدینہ امام مالک ہی ہیں۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۷)

امام مالک کا حلقہ درس دو جگہ منعقد ہوتا مسجد نبوی اور آپ کے آبائی مکان میں جو وادیٔ عقیق کے موضع جرف میں واقع تھا جب آپ حدیث وفقہ کے درس کے لئے تشریف لاتے تو پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور قیمتی پوشاک زیب تن فرماتے بالوں میں کنگھی کرتے خوشبو لگا کر باہر تشریف لاتے مجلس حدیث جب تک قائم رہتی عود و اگر کی خوشبو سے فضا معطر رہتی کاشانۂ امامت پر علماء طالبان علم اور ارادت مندوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ بارگاہ شاہی کا گمان ہوتا۔

عبدالرحمٰن بن واقد کہتے ہیں **"قد رایت باب مالک بالمدینۃ کانہ باب الامیر"** میں نے مدینہ منورہ میں امام مالک کے دروازے پر (اتنا ہجوم دیکھا گویا وہ کسی امیر کا آستانہ ہو (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۵)

مجلس درس بڑی پر وقار ہوتی۔ امام صاحب کے دائیں بائیں تکئے رکھے جاتے تھے عود سلگائی جاتی۔ پنکھے رکھے جاتے۔ مجلس پر سکون ہوتی قریش اور انصار کے علاوہ بیرونی طلبہ کی بھیڑ رہا کرتی تھی مگر آداب مجلس میں فرق نہ آتا طلبہ سوالات کرتے تو ان کے جوابات باری باری دیئے جاتے۔

طریقۂ درس یہ ہوتا کہ امام صاحب کے کاتب خاص حبیب حدیث پڑھتے اور تمام شرکاء درس خاموشی سے سنتے تھے اگر حبیب حدیث میں کوئی غلطی کرتے تو امام صاحب تصحیح کر دیتے تھے، کبھی کبھی امام صاحب اپنی کتاب مؤطا کی قرأت طلبہ کے سامنے خود بھی فرمایا کرتے تھے۔ محدثین کے نزدیک اگر شاگرد اپنے استاذ کے سامنے حدیث پڑھے اور استاذ سنے تو اسے عرض کہتے ہیں ایسی صورت میں شاگرد حدثنا کہہ سکتا ہے اور اگر اس کے برخلاف استاذ حدیث پڑھے اور شاگرد سنے تو ایسی صورت میں اخبرنا کہنا چاہئے امام صاحب دونوں صورتوں پر عمل کرتے تھے (الکفایہ ص ۲۶۰)

احترام علم:۔

عباسی خلیفہ مہدی ایک مرتبہ موسم حج میں مدینہ منورہ گیا۔ امام مالک نے اس سے ملاقات

کی خلیفہ نے تعظیم و تکریم کی اور اپنے دونوں صاحبزادوں موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا کہ امام صاحب سے حدیث پڑھیں۔ مگر امام صاحب پڑھانے نہیں گئے۔ خلیفہ نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا ”امیرالمومنین علم قابل احترام چیز ہے اس کے پاس آنا چاہئے“ خلیفہ نے اس بات کو تسلیم کیا اور صاحبزادوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ آپ ان کو حدیث پڑھ کر سنائیں آپ نے فرمایا اس شہر میں طلبہ استاذ کے سامنے پڑھتے ہیں۔ صاحبزادوں نے خلیفہ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی۔ خلیفہ نے امام صاحب کے پاس آدمی بھیج کر کہلوایا کہ آپ نے موسیٰ اور ہارون کو بلانے کے بعد ان کو پڑھانے سے انکار کر دیا۔ امام صاحب نے جواب میں کہلوایا کہ امیرالمومنین میں نے ابن شہاب سے سنا ہے کہ ہم نے سعید بن مسیب، ابوسلمہ، عروہ بن زبیر، سالم، خارجہ، سلیمان اور نافع سے اسی طرح اس مقام میں علم حاصل کیا ہے نیز ابن ہرمز، ابوالزناد، ربیعہ، بحرالعلم ابن شہاب وغیرہ کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تھی وہ حضرات خود نہیں پڑھتے تھے اس کے بعد مہدی نے اپنے صاحبزادوں سے کہا تم لوگ خود جا کر پڑھو یہ ائمہ دین قدوہ اور اسوہ ہیں چنانچہ صاحبزادوں کے مؤدب و معلم نے امام صاحب کے سامنے حدیث پڑھی اور صاحبزادوں نے سنی۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہارون رشید کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس کے صاحبزادے وادیٔ عقیق میں امام صاحب کے مکان پر گئے اور دروازہ کھلنے تک باہر بیٹھے رہے اور وہاں کے گرد و غبار میں اَٹ گئے۔ (ترتیب المدارک ص ۱۵۸)

حدیث نبوی کی عظمتوں کا پاس و لحاظ بھی حد درجہ تھا بیان حدیث کے وقت کوئی چیز مانع نہ ہوتی بڑی سے بڑی اذیت گوارا کر لیتے مگر بیان حدیث کے تسلسل میں فرق نہ آنے دیتے حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

ایک روز میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ روایت حدیث فرما رہے تھے ایک بچھو نے نیش زنی شروع کی تو شاید دس مرتبہ ڈسا اور غیر معمولی تکلیف کی وجہ سے امام صاحب کا چہرہ کچھ متغیر ہو کر مائل بہ زردی ہو جاتا تھا مگر امام صاحب نے نہ حدیث کو قطع فرمایا اور نہ ہی آپ کے کلام میں لغزش ظاہر ہوئی جب مجلس حدیث ختم ہوئی حاضرین چلے گئے تو میں نے آپ سے عرض کیا آج آپ کے چہرہ پر کچھ تغیر محسوس ہوتا تھا امام صاحب نے فرمایا بے شک تمہارا خیال صحیح ہے اور پھر تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا میرا اس قدر صبر کرنا طاقت و شکیبائی کی بنا پر نہ تھا بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے تھا (بستان المحدثین ص ۱۶، ۱۷)

مدینہ منورہ میں امام مالک کا حلقۂ درس دیگر تمام شیوخ سے کافی وسیع تھا اس کی وسعت کا اندازہ امام شعبہ کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں: ''**قدمت المدینة بعد موت نافع بسنة فاذا لمالک حلقة**'' میں حضرت نافع کی وفات کے ایک سال بعد مدینہ منورہ آیا تو امام مالک کا حلقۂ تدریس بہت وسیع ہو چکا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴)

تلامذہ:۔

اس پر وقار مجلس سے فیض پانے والوں کی تعداد شمار سے زیادہ ہے چند نامور تلامذہ یہ ہیں: جن میں امام صاحب کے شیوخ اور معاصرین بھی شامل ہیں۔

زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، یزید بن عبداللہ بن ہاد، اوزاعی، ثوری، ورقاء بن عمر، شعبہ بن حجاج، ابن جریج، ابراہیم بن طہمان، لیث بن سعد، ابن عیینہ، ابو اسحاق فزاری، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، حسین بن ولید نیشاپوری، روح بن عبادہ، زید بن حباب، شافعی، ابن مبارک، ابن وہب، ابن قاسم، قاسم بن یزید جرمی، معن بن عیسیٰ، یحییٰ بن ایوب مصری، ابو علی حنفی، ابو نعیم، ابو عاصم، ابو ولید طیالسی، احمد بن عبداللہ بن یونس، اسحاق بن عیسیٰ بن طباع، بشر بن عمر زہرانی، جویریہ بن اسماء، خالد بن مخلد، سعید بن منصور، عبداللہ بن رجاء مکی، قعنبی، اسماعیل بن ابی اویس، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ابو مسہر، عبداللہ بن یوسف تنیسی، عبدالعزیز اویسی، مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، یحییٰ بن قزعہ، قتیبہ بن سعید، ابو مصعب زہری، اسماعیل بن موسیٰ فزاری، خلف بن ہشام، عبدالاعلیٰ بن حماد نرسی، سوید بن سعید، مصعب بن عبداللہ زبیری، ہشام بن عمار، عتبہ بن عبداللہ مروزی، ابو حذافہ احمد بن اسماعیل مدنی، یحییٰ بن یحییٰ اندلسی، محمد بن حسن شیبانی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۶، تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۴)

فقہ وفتاویٰ:۔

امام مالک جلیل القدر محدث اور مایۂ ناز فقیہ و مجتہد بھی تھے انہوں نے مدینہ منورہ کے عظیم فقہاء سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ تحصیل فقہ کے لیے حضرت ربیعۃ الرائی کی بارگاہ میں سب سے پہلے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ جن کے بارے میں امام صاحب خود کہا کرتے تھے۔ ''**ذهبت حلاوة الفقه منذ مات ربیعة**'' جب سے ربیعہ کی وفات ہوئی علم فقہ کی چاشنی جاتی رہی۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص)

دوسرے شیخ حدیث وفقہ ابن شہاب زہری تھے ان کے [illegible] میں مطرف بن عبداللہ امام

صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں " **ما ادرکت بالمدینة فقیھا محدثاً غیر واحد فقلت من ھو فقال ابن شھاب الزھری**" میں نے ایک شخص کے علاوہ مدینہ میں کوئی فقیہ محدث نہیں پایا میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا کہ ابن شہاب زہری۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۸)

آپ نے فقہ واجتہاد میں ایسا کمال پیدا کر لیا تھا کہ آپ مدینہ منورہ میں لوگوں کا مرجع بن گئے تھے اور حکومت کی طرف سے انہیں فتویٰ دینے کی اجازت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ ابن وہب کہتے ہیں میں نے مدینہ میں منادی کرنے والے کو سنا، کہتا تھا" **لا یفتی الناس الا مالک بن انس وابن ابی ذئب**" (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۰۰)

امام مالک اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کوئی عالم لوگوں کو فتویٰ نہ دے ان ہی کا یہ بیان ہے کہ میں نے ۱۴۰ھ میں حج کیا تو سنا کہ منادی کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مالک، ابن ابی ذئب اور عبد العزیز ماجشون کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔

عبد الرحمٰن بن مہدی آپ کو تمام فقہاء پر فوقیت دیتے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے "**وکان عبد الرحمن بن مھدی لایقدم علی مالک احداً**" (ج ۱ ص ۱۹۴) عبد الرحمٰن ابن مہدی امام مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

امام مالک کی فقہی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ خود ان کے شیوخ ان سے فتویٰ پوچھنے آتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں: "**قلّ رجل کنت اتعلم منه ما مات حتی یجیئنی ویستفتینی**" میرے اساتذہ میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مرنے سے پہلے میرے پاس آکر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۰۰)

امام صاحب فرماتے ہیں ایک بار میں عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس گیا اس نے حرام وحلال سے متعلق چند سوالات پوچھے۔ اس نے آخر میں کہا واللہ آپ کا علم اور آپ کی عقل سب لوگوں سے زیادہ ہے میں نے کہا امیر المؤمنین بخدا ایسا نہیں ہے بولا کیوں نہیں ایسا ہی ہے آپ اپنی قابلیت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ "**لئن بقیت لا کتبن قولک کما یکتب المصاحف ولا بعثن به الی الآفاق فاحملھم علیه**" میں اگر زندہ رہا تو آپ کی فقہ کو قرآن حکیم کی طرح لکھوا کر اطراف ملک میں بھیجوں گا اور اس کے مطابق عمل کرنا لوگوں پر واجب کردوں گا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۵)

فقہ مالکی:۔

آج عالم اسلام میں متبعین سنت جن چار فقہی مسلکوں کو اپنے اعمال وعبادات کا مدار ومحور قرار دیتے ہیں ان میں ایک مسلک فقہ مالکی ہے۔ امام مالک کے فقہ وفتاویٰ کی اساس ابن عمر، عائشہ، سعید ابن مسیتب، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، عروہ ابن زبیر، قاسم بن محمد، ابو بکر بن عبدالرحمٰن، سلیمان ابن یسار، خارجہ بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصلوں اور فتووں پر ہے۔ امام مالک اپنے فتاویٰ میں اولاً کتاب اللہ پھر احادیث صحیحہ پر اعتماد کرتے پھر وہ اہل مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت دیتے ان کے نزدیک علمائے مدینہ کا عمل مستقل حجت تھا۔ تعامل واجماع اہل مدینہ کے بعد وہ قیاس کا درجہ دیتے تھے حنفیہ کی طرح امام مالک بھی مصالح مرسلہ یعنی استصلاح پر عمل کرتے تھے۔

تصانیف:۔

امام مالک امت کے ان جلیل القدر ائمہ میں ہیں جنہوں نے علوم وفنون کی تدوین کے دور اول میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ اس سلسلے میں آپ کی مؤطا سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے موطا کے علاوہ قاضی عیاض کی صراحت کے مطابق آپ کی کچھ اور کتابیں یہ ہیں:

(۱) رسالۃ الی ابن وہب فی القدر (۲) کتاب النجوم حساب مدار الزمان ومنازل القمر (۳) رسالۃ مالک فی الاقضیۃ (۴) رسالۃ الٰی ابی غسان محمد بن مطرف فی الفتویٰ (۵) رسالۃ الٰی ہارون الرشید المشہورۃ فی الآداب والمواعظ (۶) التفسیر تقریب القرآن (۷) کتاب السر (۸) رسالۃ الی اللیث فی اجماع اہل المدینۃ۔

مؤطا امام مالک:

امام مالک نے درس حدیث وافتاء کے علاوہ مستند مرویات کو فقہی ابواب کے تحت کتابی شکل میں مدون فرمایا۔ محمد ابوزہو، اس کتاب کی کیفیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "الموطا کتاب الفقہ لامام مالک مشتملا علی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقوال الصحابۃ وفتاوی التابعین"

مؤطا ایک ایسی کتاب ہے جسے امام مالک نے تحریر فرمایا جو احادیث رسول، اقوال صحابہ وتابعین کے فتووں پر مشتمل ہے۔ (الحدیث والمحدثون ص ۲۴۵)

خلیفہ ہارون رشید عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ آپ لوگوں کے لیے ایک

کتاب تصنیف کر دیجیے جس پر عمل کرنے کے لیے میں لوگوں کو آمادہ کروں امام مالک نے ابتدا میں معذرت کی مگر خلیفہ کے اصرار پر یہ کام شروع کر دیا۔

ابن الوہاب کا بیان ہے کہ امام مالک نے ایک لاکھ احادیث میں سے موطا کا انتخاب کیا پہلے اس میں دس ہزار حدیثیں جمع کیں پھر مسلسل غور کے بعد پانچ سو احادیث باقی رہ گئیں۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۰۹)

ائمہ حدیث اور علماء نے موطا کی اہمیت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

❁ امام شافعی: "ما فی الارض کتاب اکثر صوابا من موطا مالک" کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴)

❁ ابوزرعہ رازی: اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ موطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں تو حانث نہیں ہوگا۔ (بستان المحدثین ص ۲۶)

❁ یحییٰ بن سعید: آج قوم کے پاس موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۰۸)

دوسری صدی ہجری میں حدیث کی جو کتابیں مدون ہوئیں ان میں سب سے اہم کتاب یہی موطا ہے مدینہ منورہ حدیث کے دُرّ و جواہر کی کان تھا اور امام مالک نے اسی معدن علم سے اکتساب کا خلاصہ موطا کی شکل میں پیش کیا اسی بنا پر یہ صحیفہ حقیقت میں صحیح ترین، موثق اور کامل احکام اسلامی کا مجموعہ بھی ہے۔ اولاً اس صحیفہ کی دس ہزار حدیثیں تھیں اور آثار صحابہ و تابعین مکتوب تھے مگر بعد میں آپ کے قلم تنقیح نے آٹھ ہزار احادیث و آثار کو قلم زد کر دیا آخر میں سترہ سو بیس (۱۷۲۰) احادیث و آثار باقی رہ گئے جن میں مسند اور مرفوع حدیثیں چھ سو ہیں۔ مرسل ۲۳۵ موقوف ۶۱۳۔ تابعین کے اقوال و فتاویٰ ۲۸۵ بلاغات مالک ۵ / ہیں۔ (حیات امام مالک ص ۷۲)

موطا امام مالک وہ مایہ ناز کتاب ہے جو ان کے عہد سے لے کر آج تک پوری آب و تاب کے ساتھ مشہور و مقبول ہے موطا کو امام صاحب سے تقریباً ایک ہزار لوگوں نے روایت کیا ہے چوں کہ امام مالک موطا کی ترتیب کے بعد برابر اس میں حذف و اضافہ کرتے رہے اسی لیے اس کے نسخوں میں تعداد روایات اور ابواب کی تقدیم و تاخیر کا فرق بھی پایا جاتا ہے۔

موطا امام مالک، تیس مختلف طرق سے مروی ہے۔ جس میں مشہور و متداول سولہ نسخے یہ ہیں:

(۱) یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی م ۲۰۴ھ (۲) عبداللہ بن وہب م ۱۹۷ھ (۳) عبد

اللہ بن مسلم م ۲۲۱ھ (۴) ابن القاسم م ۱۹۱ھ (۵) معن بن عیسیٰ م ۱۹۸ھ (۶) عبداللہ بن یوسف تیلسی (۷) یحیٰ بن بکیر م ۲۳۱ھ (۸) سعید بن عفیر م ۲۲۶ھ (۹) ابو مصعب زہری م ۲۴۲ھ (۱۰) مصعب بن عبداللہ زبیری (۱۱) محمد بن مبارک صوری (۱۲) سلیمان برد م ۲۲۲ھ (۱۳) یحیٰ بن یحیٰ تمیمی (۱۴) ابوحذفہ سہمی م ۲۵۹ھ (۱۵) سوید بن سعید م ۲۴۰ھ (۱۶) محمد بن حسن شیبانی م ۱۸۹ھ۔

مؤطا کے سولہ نسخوں میں سب سے زیادہ مشہور و متداول نسخہ یحیٰ بن یحیٰ مصمودی کا نسخہ ہے جسے مؤطا امام مالک کہا جاتا ہے مؤطا کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر آج تک عربی، فارسی، اردو میں اس کتاب کے شروح وتراجم کی ایک طویل فہرست ہے، اور اب تک اس پر کام ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

اخلاق و کردار:۔

امام مالک کا دامن فضل و کمال کے ساتھ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال تھا۔ عقائد و اعمال میں سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے، عبادت و ریاضت آپ کا معمول، اخلاق وایثار خدمت دین، آپ کا شیوہ تھا، ہر قدم اتباع سنت میں اٹھتا اور ہر عمل اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا، وہ عمل صالح کا پیکر تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے، اکثر فرمایا کرتے کہ۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا قلب روشن ہو موت کی سختی سے نجات ہو، قیامت کے شدائد سے محفوظ رہے اس کا باطنی عمل ظاہری عمل سے زیادہ ہونا چاہئے۔

امام صاحب ہر ماہ کی پہلی رات کو پوری رات عبادت کرتے تھے۔ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ آپ اس ماہ کا استقبال وافتتاح عبادت سے کر رہے ہیں۔ صاحبزادی فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ امام صاحب ہر رات اپنا وظیفہ (نوافل وغیرہ) پورا کرتے تھے اور جمعہ کی رات میں پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

عشق رسول:۔

امام صاحب کی ذات جملہ صوری و معنوی محامد اخلاق کا مجموعہ تھی۔ مکارم اخلاق کا سرچشمہ محبت رسول ہے امام مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ عشق تھا وہ ذات رسول کے ساتھ آپ کے متعلقات کا بھی حد درجہ احترام ملحوظ رکھتے۔ دیار حبیب سے اس درجہ انس تھا

کہ حج کے علاوہ کبھی مدینہ سے جدا رہنا گوارہ نہ کرتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی
سے بھی خوشبو آتی ہے اور تین دن میں ایک بار بیت الخلا جاتے اور فرماتے کہ مجھے بار بار جاتے شرم
آتی ہے، قضائے حاجت کے لیے حرم مدینہ سے باہر جاتے، امام مالک سرزمین طیبہ میں کبھی سواری
پر نہ چلتے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:

"کان مالک لا یرکب فی المدینة مع ضعفه وکبر سنه ویقول لا ارکب فی
مدینة فیها جثة رسول الله صلی الله علیه وسلم مدفونة"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ باوجود ضعف وکبر سنی کے مدینہ طیبہ میں کبھی سوار نہ ہوتے تے
اور فرماتے تھے کہ جس ارض مقدس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر مدفون ہو اس میں سوار ہو
شان محبت وادب کے خلاف ہے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۰۲)

امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کے دروازے پر عمدہ عمدہ خراسانی
گھوڑے اور مصر کے خچر دیکھے میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سب تم کو ہبہ کرتا ہوں میں
نے کہا کہ کم از کم ایک تو رکھ لیں اس پر کہا کہ "انا استحی من الله ان أطا تربة نبی الله بحافر
دابة" مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول کی سرزمین کو چوپایہ کے پیروں سے روندوں۔

کسی حال میں مدینۃ الرسول کو چھوڑنا گوارہ نہ تھا خلیفۂ وقت کے حکم پر بھی اسے صاف
اور دوٹوک جواب دے دیا۔ حسین بن عروہ کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون رشید عباسی ایک بار مدینہ آیا اور
امام صاحب کی خدمت میں پانچ سو دینار بھیجے جب حج سے فارغ ہو کر دوبارہ مدینہ آیا تو امام صاحب
کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المومنین کی خواہش ہے کہ مالک بغداد تک اس کے ہم سفر رہیں امام
صاحب نے اس کے جواب میں قاصد سے کہا کہ تم جا کر کہہ دو کہ وہ تھیلی مہر بند رکھی ہے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "والمدینة خیر لهم لو کانوا یعلمون" یعنی مدینہ لوگوں کے حق
میں بہتر ہے اگر وہ اس کو جانیں یہ جواب سن کر ہارون رشید اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ (تقدمۃ الجرح
والتعدیل ص ۳۰،۲۹)

مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب امام صاحب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ذکر مبارک ہوتا تھا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور سرنگوں ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ
میں نے جو کچھ دیکھا ہے اگر تم لوگ دیکھتے تو میری حالت پر تعجب نہ کرتے۔ محمد بن منکدر سید القرا
تھے ہم لوگ ان سے کوئی حدیث معلوم کرتے تو رونے لگتے تھے میں ایک مدت تک ان کے یہاں آ

گیا ہوں اور ہمیشہ ان کو تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں پایا ہے نماز میں مشغول رہتے یا روزہ سے ہوتے یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ حدیث رسول باوضو بیان کرتے تھے۔

حق گوئی و بے باکی:۔

حق گوئی و بے باکی امام صاحب کا طرۂ امتیاز تھا وہ جابر امراء اور خلفاء کے روبرو حق بات کہنے سے باز نہ رہتے بلکہ ان لوگوں سے ملنے کا بنیادی مقصد ان کی تنبیہ اور ان کے سامنے کلمۂ حق کا اعلان کرنا ہوتا ان سے پوچھا گیا آپ اہل دول سے کیوں ملتے ہیں تو فرمایا کہ ”یرحمک اللہ فاین التکلم بالحق“ ان کے یہاں نہیں تو کہاں حق بات کہی جائے گی۔

حق گوئی کے نتیجے میں آپ پر شاہی عتاب ہوا مگر حق وصداقت کی راہ میں آپ کے قدموں میں لغزش نہ آئی۔ امام صاحب کے حاسدوں نے ایک مرتبہ ابوجعفر منصور کے پاس جا کر کہا کہ مالک آپ لوگوں کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور عباسی خلافت کے منکر ہیں یہ سن کر ابوجعفر منصور غصہ ہوا اور امام صاحب کے کپڑے اتروا کر کوڑے مارے اس میں آپ کا ہاتھ اکھڑ گیا اور بڑی زیادتی کی۔ (ابن خلکان ج۲ ص ۳۰۱)

وفات:۔

اس پیکر علم وعمل امام کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ بروز شنبہ مدینہ منورہ میں ہوا۔ وصیت کے مطابق ابن کنانہ اور ابن زبیر نے غسل دیا اور یحییٰ وحبیب نے پانی ڈالا امیر مدینہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ کا وصال عالم اسلام کا بہت بڑا المیہ تھا۔ اسد بن فرات کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام محمد بن حسن شیبانی کے حلقۂ درس میں تھے کہ انہیں اس عظیم حادثے کی خبر ملی تو امام نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا اور کہا ”مصیبة ما اعظمها مات مالک بن انس مات امیر المؤمنین فی الحدیث“ کتنی بڑی مصیبت آپڑی مالک بن انس وفات پاگئے۔ حدیث کے امیر المومنین وفات پاگئے۔

(۱۱) حضرت حماد بن زید بصری رضی اللہ عنہ

۹۸ھ رمضان ۱۷۹ھ

ابو اسماعیل حماد بن زید بن درہم ازدی بصری کی ولادت ۹۸ھ میں بمقام بصرہ ہوئی۔ آپ کے دادا درہم بجستان کی جنگ میں گرفتار ہوئے اور آل جریر بن حازم کے غلام بنے۔

علم وفضل :۔

حماد بن زید نے مرکز علم بصرہ میں آنکھ کھولی اور یہاں کے جلیل القدر شیوخ کی بارگاہوں سے علم کے گراں بہا موتی چنے، آپ کے مشہور شیوخ یہ ہیں:

ثابت بنانی، انس بن سیرین، عبدالعزیز بن صہیب، عاصم الاحول، محمد بن زیاد، ابو جمرہ ضبعی، جعد ابو عثمان، ابو حازم سلمہ بن دینار، شعیب بن حبحاب، صالح بن کیسان، عبدالحمید صاحب زیادی، ابو عمران جونی، عمرو بن دینار، ہشام بن عروہ، عبیداللہ بن عمرو غیرہم۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۹)

حضرت حماد نے بچپن ہی سے تعلیم شروع کردی تھی اور جوانی میں بینائی کی دولت سے محروم ہوگئے تھے مگر حصول علم کا سلسلہ جاری رہا انہوں نے اپنے حافظے کی مدد سے علم کا وافر حصہ دماغ میں محفوظ و مستحضر کرلیا۔

حماد طالب علمی کے زمانہ میں اپنے شیوخ کی مرویات ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ یحییٰ کہتے ہیں ایوب کے پاس حماد کے سوا کوئی اور حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا۔ ابن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبیداللہ بن عمر سے دریافت کیا حماد لکھنا بھی جانتے تھے یا نہیں؟ بولے ایک مرتبہ میں جاڑے کے دن میں حضرت حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ لکھتے جاتے تھے اور پھر پھونکیں مار مار کر اسے خشک کرتے جاتے تھے۔

علم حدیث وفقہ میں بڑا درک رکھتے تھے۔ انہیں چار ہزار حدیثیں ازبر تھیں۔

● عجلی کہتے ہیں "کان لہ اربعۃ آلاف حدیث کان یحفظھا ولم یکن لہ کتاب" ان کے پاس چار ہزار حدیثیں تھیں جوانہیں حفظ تھیں ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲)

آپ کی علمی جلالت پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔

● حافظ ذہبی: "الامام الحافظ المجود شیخ العراق " (ایضاً ص ۲۱۱)

● یحییٰ بن معین: "لیس احد اثبت من حماد بن زید "کوئی محدث حدیث میں حماد بن زید سے بڑھ کر پختہ نہیں ہے۔ (ایضا)

● احمد بن حنبل: "ھو من ائمۃ المسلمین من اھل الدین وھو احب الی من حماد بن سلمۃ" آپ مسلمانوں کے امام اور دین کے بڑے پابند ہیں یہ مجھے حماد بن سلمہ سے

زیادہ محبوب ہیں۔ (ایضاً)

۞ یحییٰ بن یحییٰ: "ما رایت شیخا احفظ منه" میں نے کوئی استاذ ان سے زیادہ حافظہ والا نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

۞ عبدالرحمٰن بن مہدی: "لم ار احدا قط اعلم بالسنة منه" میں نے ان سے زیادہ حدیث جاننے والا کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

۞ بقیہ: "ما رایت بالعراق مثل حماد بن زید" میں نے سارے عراق میں حماد بن زید جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (ایضاً ص ۲۱۲)

۞ ابن خراش: "لم اخطی فی حدیثه قط" انہوں نے کبھی کسی حدیث میں غلطی نہیں کی۔ (ایضاً)

۞ یزید بن زریع: "هو سید المسلمین" وہ مسلمانوں کے سردار تھے۔ (ایضاً)

حماد بن زید اور حماد بن سلمہ ہم عصر تھے بعض لوگوں نے حماد بن زید کو حماد بن سلمہ سے افضل قرار دیا۔ یزید بن زریع سے پوچھا گیا حماد بن زید اور حماد بن سلمہ میں آپ کے نزدیک کون اثبت ہے؟ جواب دیا حماد بن زید۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰)

۞ ابن سعد: "کان ثقة، ثبتا، حجة، کثیر الحدیث" حماد بن زید ثقہ، ثبت : ۔ ت اور کثیر الحدیث تھے۔ (ایضاً)

۞ ابن مہدی: "ائمة الناس فی زمانهم اربعة سفیان الثوری بالکوفة، ومالک بالحجاز، والاوزاعی بالشام وحماد بن زید بالبصرة" زمانے میں لوگوں کے چار امام ہوئے ہیں سفیان ثوری کوفہ میں، امام مالک حجاز میں امام اوزاعی شام اور حماد بن زید بصرہ میں۔ (ایضاً ص ۹)

حماد بن زید کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

نصر بن حماد کہتے ہیں میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اہل بصرہ میں سے صرف حماد بن زید کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ (ایضاً)

۞ امام نووی: "وہ امام عالی مقام ہیں جن کی جلالت وعظمت پر سب کا اتفاق ہے"۔
(تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۶۷)

فقہ:۔

حماد بن زید عالی مرتبت فقیہ بھی تھے عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں "ما رأیت بالبصرۃ افقہ منہ" میں نے بصرہ میں حماد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ا ص ۲۱۱)

ابو اسامہ آپ کی شائستگی علم وادب اور فقہ دیکھ کر کہتے تھے "کنت اذا رأیت حماد بن زید قلت ادبہ کسری وفقہہ عمر رضی اللہ عنہ" میں جب بھی حماد کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں انہوں نے علم وادب کسری اور فن فقہ حضرت عمر فاروق اعظم سے سیکھا ہے۔ (ایضاً ص ۲۱۲)

تلامذہ:۔

آپ کی علمی مجلسوں سے فائدہ اٹھانے والوں کی بڑی تعداد ہے ان میں چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن وہب، قطان، ابن عیینہ، سفیان ثوری، ابراہیم بن ابی عبلہ، مسلم بن ابراہیم، عارم، مسدد، مومل بن اسماعیل، ابو اسامہ، سلیمان بن حرب، عفان، عمرو بن عوف، علی بن مدینی، قتیبہ، محمد بن زنبور مکی، ابو اشعث، احمد بن مقدام عجلی، وغیرہم (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۹)

وفات:۔

آپ کی وفات رمضان ۱۷۹ھ میں ہوئی ابو عاصم کہتے ہیں "مات حماد بن زید یوم مات ولا اعلم لہ فی الاسلام نظیراً فی ھیئتہ ودلہ" حماد بن زید کا انتقال ہوا اسلام میں ان جیسے اخلاق وعادات اور پرسکون وپروقار حالت کا حامل کوئی نہیں تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۱۱)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ

۱۱۸ھ ۱۸۱ھ

اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو عبدالرحمٰن۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن مبارک بن واضح تیمی۔ آپ کے والد مبارک بنو حنظلہ کے ایک شخص کے غلام تھے۔ آقا نے آپ کو اپنے باغ کی نگرانی پر متعین کیا تھا۔ آپ خدا ترس اور متقی انسان تھے۔ باغ کی نگہبانی پوری ذمہ داری کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ایک دن آقا نے ان سے شیریں انار طلب کیا تو انہوں نے ترش انار لے جا کر پیش کر دیا۔ دوسرا انار لانے کے لیے کہا وہ بھی ترش نکلا پھر تیسرے درخت سے انار لائے اتفاق سے وہ بھی ترش

نکلا آقا نے جلا کر کہا "انت ما تعرف الحلو من الحامض" تم میٹھے اور کھٹے انار کی تمیز نہیں رکھتے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اس نے کہا ایسا کیوں ہے تو انہوں نے جواب دیا میں نے اس باغ سے انار نہیں کھائے کہ میں شیریں اور ترش انار کی شناخت کرسکوں۔ آقا نے پوچھا تم انار کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا آپ نے مجھے انار کھانے کی اجازت نہیں دی۔ آقا نے اس کی تحقیق کی تو آپ کی بات سچ ثابت ہوئی اس کی نظر میں آپ کی عظمت پیدا ہوئی اور اس نے اپنی بیٹی سے آپ کا عقد کردیا۔ اسی بیوی سے عبداللہ بن مبارک ۱۱۸ھ میں بمقام مرو پیدا ہوئے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۶)

تحصیل علم:۔

جب عبداللہ نے آنکھ کھولی تو دنیاوی خوشحالی کے ساتھ گھر میں علم وتقویٰ کا ماحول تھا خراسان کا مشہور شہر مرو اس وقت علوم وفنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی پھر طلب علم کے شوق میں اسلامی بلاد وامصار کے سفر کیے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں وہ ابتدائے عمر ہی سے طلب علم کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے لگے تھے۔

❁ احمد بن حنبل کہتے ہیں: " لم یکن فی زمان ابن المبارک اطلب للعلم منه" عبداللہ بن مبارک کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم طلب کرنے والا کوئی نہ تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۴)

❁ ابو اسامہ کا بیان ہے: "ما رأیت رجلا اطلب للعلم فی الآفاق من ابن المبارک" میں نے عبداللہ بن مبارک سے زیادہ مختلف شہروں میں گھوم پھر کر علم طلب کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضاً) انہوں نے یمن، حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ، وغیرہ کے سفر کیے۔

تلاش وجستجوئے علم کا بے پایاں ذوق اور مالی فراغت نے عبداللہ کو تمام بڑے اسلامی شہروں کے شیوخ سے تحصیل علم کا موقع فراہم کردیا تھا وہ خود کہتے ہیں میں نے چار ہزار شیوخ واساتذہ سے فیض اٹھایا اور ان میں ایک ہزار سے روایت کی۔ (ایضاً ص ۲۷۰) چند مشہور اساتذہ یہ ہیں:

سلیمان تیمی، حمید الطویل، اسماعیل بن ابی خالد، یحییٰ بن سعید انصاری، سعد بن سعید انصاری، ابراہیم بن ابی عبلہ، ابوخلدہ خالد بن دینار، عاصم احول، ابن عون، عبداللہ بن عمر، عکرمہ بن عمار، عیسیٰ بن طہمان، فطر بن خلیفہ، محمد بن عجلان، موسیٰ بن عقبہ، ابراہیم بن عقبہ، اعمش، ہشام بن عروہ، ثوری، شعبہ، اوزاعی، ابن جریج، مالک، لیث، ابن ابی ذئب، ابراہیم بن طہمان، ابراہیم بن

نشیط، ابو بردہ برید بن عبداللہ بن ابی بردہ، حسین المعلم، حیوۃ بن شریح، خالد بن سعید اموی، خالد بن عبدالرحمٰن بن بکر سلمی، زکریا بن اسحاق، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن ابی عروبہ، سعید بن ابی ایوب، ابو شجاع سعید بن یزید قتبانی، سعید بن ایاس جریری، سلام بن ابی مطیع، صالح بن صالح بن حی، طلحہ بن ابی سعید، عبدالملک بن ابی سلیمان، عمر بن ذر، عمر بن سعید بن ابی حسین، محمد بن عمر بن فروخ، عمرو بن میمون بن مہران، عوف اعرابی، محمد بن ابی حفصہ، معمر بن راشد، ہشام بن حسان، وہب بن ورد، یونس بن یزید ایلی، ابو بکر بن عثمان بن سہل بن حنیف۔ (تہذیب التہذیب ج۵ ص۳۳۵)

فضل وکمال:۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنے عہد کے بڑے بڑے محدثین، فقہاء اور ائمہ فن سے علم وفن کی دولت حاصل کی تھی اور وہ اپنے وقت کے امیر المومنین فی الحدیث اور فقیہ وادیب نحوی اور شاعر بن گئے تھے۔ آپ کی علمی وجاہت، زہد وتقویٰ، جہاد وشجاعت کا اعتراف ائمہ دین نے کیا ہے۔

❁ **امام نووی:** عبداللہ بن مبارک کی امامت وجلالت پر سب کا اتفاق ہے وہ تمام چیزوں میں امام تھے ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی اور ان کی صحبت کی وجہ سے بخشش کی توقع کی جاتی تھی ۔ (تہذیب الاسماء ج۱ ص۳۸۵)

❁ **ابن مہدی:** "الائمة اربعة الثوری ومالک وحماد بن زید وابن المبارک" امام چار ہیں ثوری، مالک، حماد بن زید، عبداللہ بن مبارک۔ (ایضاً)

❁ **شعیب بن حرب:** "ما لقی ابن المبارک رجلا الا وابن المبارک افضل منه" عبداللہ بن مبارک نے کسی شخص سے ملاقات نہیں کی مگر ابن مبارک اس سے افضل تھے۔ (ایضاً)

❁ **سفیان ابن عیینہ:** "لقد کان فقیها عالما عابدا زاهدا شیخا شجاعا شاعراً" (عبداللہ ابن مبارک) فقیہ، عالم، عابد، زاہد، شیخ، دلیر، شاعر تھے۔ (ایضاً)

❁ **فضیل بن عیاض:** "اما انه لم یخلف بعده مثله" لیکن عبداللہ ابن مبارک تو انہوں نے اپنے بعد اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ (ایضاً)

❁ **حسن بن عیسیٰ:** کہتے ہیں عبداللہ ابن مبارک کے شاگردوں کی ایک جماعت اکٹھا ہوئی تو انہوں نے ابن مبارک کی خوبیوں کا شمار کیا تو کہا:

"جمع العلم والفقه والادب والنحو واللغة والشعر والفصاحة والزهد والورع والانصات وقيام الليل والعبادة والحج والغزو والفروسية والشجاعة والشدة في بدنه وترك الكلام فيما لا يعنيه وقلة الخلاف على اصحابه"

عبداللہ ابن مبارک نے حدیث، فقہ، نحو، لغت، شعر، فصاحت، زہد، ورع، خاموشی، قیام لیل، عبادت، حج، جہاد، شہ سواری، شجاعت جمع کرلیا تھا۔ جسمانی قوت اور لغو باتوں کا ترک کرنا اپنے اور اصحاب سے کم اختلاف کرنا۔ (ایضاً)

❁ شعبہ: "**ما قدم علینا مثل ابن المبارک**" عبداللہ بن مبارک جیسا کوئی بزرگ ہمارے پاس نہیں آیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۴)

علم حدیث:

ابن مبارک اپنے زمانہ کے مروجہ اسلامی علوم وفنون کے ماہر تھے مگر ان کا خاص میدان علم حدیث تھا وہ زمانہ طالب علمی میں حدیثیں قلم بند فرمایا کرتے تھے ایک بار ان کے والد نے پچاس ہزار درہم بغرض تجارت دیئے وہ ان درہموں کو لیکر سفر کے لئے روانہ ہوئے سارا مال علم حدیث کے طلب وجستجو میں صرف کر کے واپس آگئے جب والد نے پوچھا ان درہموں سے کوئی اچھی جنس لائے اور کتنا نفع حاصل ہوا؟ ابن مبارک نے حدیث کے جو دفتر سفر میں تیار کئے تھے باپ کے سامنے پیش کر کے کہا میں یہ جنس لایا ہوں والد بہت خوش ہوئے گھر میں لے گئے جا کر تیس ہزار درہم دیئے اور کہا ان کو بھی اسی جنس کی تحصیل میں صرف کر کے اپنی تجارت کامل کرلو۔ آپ نے وضع حدیث کے فتنہ کو روکنے کے لئے بڑی اہم خدمات انجام دیں اور احادیث نبویہ کو کذب وافترا کے اختلاط سے پاک رکھنے کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی۔ (بستان المحدثین ص ۹۷۔۹۶)

قوت حفظ وضبط کا یہ عالم تھا کہ جو باتیں سنتے یاد ہو جاتیں آپ کے ایک دوست کا بیان ہے بچپن میں میں اور ابن مبارک ایک مقام سے گذر رہے تھا وہاں ایک شخص خطبہ دے رہا تھا خطبہ طویل تھا ہم دونوں سنتے رہے خطبہ ختم ہوا تو ابن مبارک نے کہا مجھ کو پورا خطبہ یاد ہوگیا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے یہ بات سن لی۔ بولا اچھا یاد ہوگیا ہے تو سناؤ ابن مبارک نے بلا تامل پورا خطبہ اول سے آخر تک سنا دیا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۵)

نعیم بن حماد کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن مبارک سے سنا ہے فرماتے تھے۔ ایک دفعہ

میرے والد صاحب کسی بات پر ناراض ہو کر فرمانے لگے اگر مجھے تیری کتابیں مل جائیں تو میں انہیں جلا کر خاکستر کردوں گا میں نے عرض کی اس سے میرا کچھ نقصان نہ ہوگا میرا سارا علم میرے سینے میں محفوظ ہے۔ (تذکرہ ج١ ص٢٥٦)

حدیث میں شغف کا یہ عالم تھا کہ اس کے مذاکرے میں پوری پوری رات بسر ہو جاتی تھی علی بن حسن بن شفیق کا بیان ہے جاڑے کی ایک رات میں عبداللہ بن مبارک عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے مجھ سے ملاقات ہوگئی اور ایک حدیث پر گفتگو ہونے لگی یہ مذاکرہ اتنا دراز ہو گیا کہ فجر کا وقت آ گیا اور موذن نے اذان دینی شروع کردی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج١ ص٢٥٤)

آپ ہر کس و ناکس سے حدیث کی روایت نہ کرتے اور نہ ہر شخص سے روایت قبول کرتے روایت لینے اور نقل کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے لوگوں نے ایک دفعہ عبداللہ بن مبارک سے دریافت کیا ہم علم کس سے حاصل کریں۔ فرمایا ان لوگوں سے جنہوں نے علم محض اللہ تعالیٰ کے لئے طلب کیا ہو اور اسناد کے معاملہ میں سخت ہوں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی ملاقات کسی ثقہ شخص سے ہوتی ہے لیکن اس کی ملاقات کسی غیر ثقہ شخص سے ہوتی ہے اور وہ اس سے روایت کر بیٹھتا ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے ایسی روایت کی جائے جو ثقہ عن ثقہ مروی ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ ج١ ص٢٥٧)

انہیں علم حدیث سے اتنا شغف تھا کہ پوری پوری رات اس کے نقل وضبط میں صرف کردیتے اور بسا اوقات پورے پورے دن گھر سے باہر نہ نکلتے کسی نے کہا آپ کو تنہائی میں وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا وحشت کی کیا بات ہے جب کہ مجھے اس تنہائی میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ سے شرف صحبت کی دولت نصیب ہے یہی وجہ تھی کہ وہ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں ابن معین فرماتے ہیں کہ ان کی مرویات کی تعداد بیس اکیس ہزار ہے (تذکرۃ الحفاظ ج١ ص٢٥٤)

ان کے زمانہ میں محدثین کسی حدیث پر اختلاف کرتے تو سب آپ ہی کی جانب رجوع کرتے (عجلی کہتے ہیں "ثقة ثبت في الحديث رجل صالح و كان جامعا للعلم" ابن مبارک حدیث میں معتمد پختہ اور صالح مرد تھے اور جامع علم تھے۔ (تہذیب ج٥ ص٣٣٧)

فضالہ نوی کہتے ہیں۔ میں کوفہ کے علماء حدیث کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا ان حضرات میں اگر کسی حدیث سے متعلق نزاع پیدا ہوتا تھا تو یہ کہتے تھے چلو حدیث کے اس طبیب کے پاس چلیں اور اس حدیث کے بارے میں پوچھیں۔ یہ طبیب عبداللہ بن مبارک تھے۔ (خطیب بغدادی ج١٠ ص١٦٥)

آپ کی محدثانہ حیثیت دور دور شہروں میں مشتہر ہوگئی تھی اور ائمہ حدیث آپ کے مشتاق رہتے تھے۔ عبداللہ بن مبارک پہلی مرتبہ حماد بن زید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ بولے خراسان سے پوچھا خراسان کے کس شہر سے؟ جواب دیا مرو سے پھر دریافت کیا وہاں ایک شخص ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے آپ انہیں بھی جانتے ہیں؟ کہا ہاں جانتا ہوں پوچھا وہ کس طرح ہیں؟ بولے ابن مبارک ہی تو اس وقت آپ سے خطاب کررہا ہے حماد بن زید یہ سن کر بے تاب ہوگئے اور ان کو سلام کیا اور مرحبا کہا۔ (ایضاً)

ائمہ فن اور ارباب تذکرہ نے آپ کی ثقاہت وعدالت اور وفور علم فی الحدیث کا اعتراف کیا ہے۔

❁ ابن سعد:۔ "طلب العلم روی روایۃ کثیرۃ و صنف کتبا کثیرۃ فی ابواب العلم و کان ثقۃ ما مونا حجۃ کثیر الحدیث" انہوں نے علم طلب کیا اور بہت سی حدیثیں روایت کیں اور ابواب علم میں کافی کتابیں تصنیف کیں، اور وہ ثقہ مامون، حجت اور کثیر الحدیث تھے، (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۳۷)

❁ عجلی: "ثقۃ ثبت فی الحدیث رجل صالح و کان جامعا للعلم" وہ حدیث میں معتبر، ثبت تھے، نیک مرد اور جامع العلم تھے۔ (ایضا)

❁ ابن حبان: "کان فیہ خصال لم تجتمع فی احد من اھل العلم فی زمانہ فی الارض کلھا" ابن مبارک ثقہ تھے ان کے اندر ایسی خوبیاں جمع ہوگئی تھیں جو پوری روئے زمین کے اندر ان کے زمانے میں کسی عالم میں جمع نہیں ہوئیں (ایضا)

❁ ابن معین: "کان ثقۃ مثبتاً و کانت کتبہ التی حدث بھا نحو امن عشرین الف حدیث" ثقہ اور ثبت ہیں اور ان کی کتابیں جن کا درس دیا کرتے تھے تقریباً بیس ہزار احادیث پر مشتمل تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۴)

❁ ابو اسامہ: "ھو امیر المؤمنین فی الحدیث" وہ علم حدیث میں مسلمانوں کے امیر ہیں"۔ (ایضاً)

درس حدیث اور تلامذہ:۔

عبداللہ بن مبارک نے ذوق جہاد اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے شوق میں کہیں ایک جگہ مجلس درس قائم نہ کی تاہم ان کی عالمانہ کشش سے جہاں وہ جاتے خلق خدا کی ایک کثیر جماعت جمع

ہو جاتی تھی آپ کے تلامذہ کا ذکر حافظ ذہبی نے ان الفاظ میں کیا ہے "**حدث عنه خلق لا یحصون من اهل الاقالیم**" یعنی ممالک اسلامیہ کے اتنے لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۳)

چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:۔

ثوری، معمر بن راشد، ابو اسحاق فزاری، جعفر بن سلیمان ضبعی، بقیہ بن ولید، داؤد بن عبد الرحمٰن عطار، ابن عیینہ، ابو احوص، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان، ولید بن مسلم، ابو بکر بن عیاش، مسلم بن ابراہیم، ابو اسامہ، ابو سلمہ تبوذکی، نعیم بن حماد، ابن مہدی، قطان، اسحاق بن راہویہ، یحیٰ بن معین، ابراہیم بن اسحاق طالقانی، احمد بن محمد مردویہ، اسماعیل بن ابان وراق، بشر بن محمد سختیانی، حبان بن موسیٰ، حکم بن موسیٰ، زکریاء بن عدی، سعید بن سلیمان، سعید بن عمر واشحی، سفیان بن عبد الملک مروزی، سلمہ بن سلیمان مروزی، سلیمان بن صالح سلمویہ، عبد اللہ بن عثمان، عبدان، ابو بکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن عمر، ابن ابان جعفی، علی بن حسن بن شقیق، عمرو بن عون، علی بن حجر، محمد بن صلت اسدی، محمد بن عبد الرحمٰن بن سہم انطاکی، ابو کریب، ابو بکر بن اصرم، منصور بن ابی مزاحم، محمد بن مقاتل مروزی، یحیٰ بن ایوب مقابری، سوید بن نصر، (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۳۶)

فقہ:۔

ابن مبارک امیر المومنین فی الحدیث تھے مگر انہیں فقہ میں بھی کمال حاصل تھا وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے ارشد تلمیذ تھے اور فقہ ان ہی کی بارگاہ سے حاصل کی تھی علماء نے آپ کے تفقہ کا اعتراف کیا ہے۔ ایک بار امام مالک کی مجلس میں پہونچے تو انہوں نے تعظیم وتکریم کی اور جب واپس ہوئے تو امام صاحب نے حاضرین سے کہا۔

"**هذا ابن مبارک فقیه خراسان**" یہ عبد اللہ بن مبارک فقیہ خراسان ہیں (ایضاً)

ابن شماس کہتے تھے "میں نے سب سے بڑے فقیہ کو دیکھا ہے اور سب سے بڑے متقی کو بھی اور سب سے زیادہ قوی حافظہ رکھنے والے کو بھی سب سے بڑے فقیہ ابن مبارک ہیں۔

تصانیف:۔

درس وتدریس حدیث کے علاوہ ابن مبارک نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں حافظ ذہبی

نے آپ کو "صاحب التصانیف النافعۃ" صاحب تصانیف نافعہ لکھا ہے (تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۳) ابن ندیم نے آپ کی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب السنن، کتاب التفسیر، کتاب التاریخ، کتاب البر والصلہ، کتاب الزہد والرقائق کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ یہ کتاب عبداللہ بن مبارک کی تصنیف ہے جو اب اس نام سے رائج و مشہور ہے وہ اس کا انتخاب ہے جو عوام و خواص کی نظر میں مقبول ہے دراصل یہ کتاب بروایت حسین بن مروزی رائج و مشہور ہے (بستان المحدثین ص ۹۳)

اخلاق و عادات:۔

ابن مبارک کا دامن فضل اخلاق و کردار کے گراں قدر جواہرات سے مالا مال تھا وہ ایک شائستہ خصلت بزرگ تھے عبادت و ریاضت کے عادی اور صحابۂ کرام کی زندگی کا نمونہ تھے زہد و ورع خشیت الٰہی ان کی زندگی کا معمول تھا وہ جہاد فی سبیل اللہ کے شائق تھے اور زندگی کے آخری ایام تک اعلاء کلمۂ حق کے لئے رحلت و سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے جہاد کے لئے شام کے سفر میں تھے کہ پیام اجل آگیا ۱۳ ر رمضان ۱۸۱ھ میں بمقام ہیت اپنے خالق سے جا ملے خلیفہ ہارون رشید کو جب خبر ہوئی تو کہا کہ افسوس علماء کے سردار کا انتقال ہو گیا ہے (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۱۳) حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۹۳ھ وفات: ۱۸۲ھ

اسم گرامی یعقوب کنیت ابو یوسف سلسلہ نسب یہ ہے یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن حسین بن سعد بن حتبہ انصاری۔ آپ کے جد اعلیٰ سعد بن حتبہ صحابی تھے امام ابو یوسف کی ولادت بمقام کوفہ ۹۳ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم:۔

قاضی ابو یوسف کو قدرت نے ذہن رسا اور سوق علم سے حظ وافر عطا فرمایا تھا مگر ان کے والد تنگدست انسان تھے وہ انہیں اپنے ساتھ کسب معاش میں شریک کرنا چاہتے تھے چنانچہ بایں ذوق تحصیل کے باوجود قاضی صاحب ابتداء میں باقاعدہ تحصیل علم کا موقع نہ نکال سکے فرصت کے جو مواقع ہاتھ آتے محمد بن ابی لیلیٰ کی درسگاہ میں حاضر ہوتے یہ سلسلہ تقریباً آٹھ سال تک جاری رہا اس کے بعد امام اعظم کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور یہ مجلس انہیں اتنی پسند آئی

کہ ہمیشہ کے لئے اسی سے وابستہ ہو گئے اور پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مصروف ہو گئے ان کے والد نے جب یہ حال دیکھا تو ایک دن امام صاحب کے حلقہ درس میں پہونچے اپنے فرزند کو زبردستی گھر لائے اور کہا "ابو حنیفہ مالدار شخص ہیں تم ان کا مقابلہ کیوں کرتے ہو؟" قاضی ابو یوسف کہتے ہیں میرے باپ نے کہا۔ " **یابنی لا تمد رجلک مع ابی حنیفة فان ابا حنیفة خبز ة مسویة وانت تحتاج الیٰ المعاش فقصرت عن کثیرا من الطلب وابرت طاعة ابی** " اے میرے بیٹے ابو حنیفہ سے ریس نہ کرو ابو حنیفہ کو پکی ہوئی روٹیاں میسر ہیں (یعنی وہ خوش حال ہیں) اور تم معاش کے محتاج ہو امام ابو یوسف کہتے ہیں تو میں کثرت طلب سے رک گیا اور اپنے باپ کی اطاعت کرنے لگا۔

چند دن مجلس درس میں شریک نہ ہوئے ایک دن جب حاضر ہوئے تو امام صاحب نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا جواب دیا "**الشغل بالمعاش وطاعة والدی**"۔ کسب معاش کی مشغولیت اور والد کی اطاعت مانع رہی مجلس برخاست ہوئی تو امام صاحب نے انہیں روپیوں کی ایک تھیلی دی اور فرمایا اسے ضروریات میں خرچ کرو اور ختم ہو جائے تو کہنا اس طرح امام صاحب آپ کے اخراجات کے کفیل بن گئے اور آپ بے فکری کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہو گئے اور مدد معاش کا یہ سلسلہ امام اعظم کی آخری عمر تک جاری رہا۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۸۹)

تعلیم کے انہماک اور ذوق تحصیل کا یہ عالم تھا کہ کسی دن بھی امام صاحب کے درس سے غیر حاضر نہ رہتے یہاں تک کہ ان کے ایک بچے کا انتقال ہوا تو تجہیز و تدفین دوسروں پر چھوڑی اور خود امام صاحب کے درس میں حاضر ہوئے لکھتے ہیں:

" **مات ابن لی فلم احضر جنازته ولا دفنته و ترکته علیٰ جیرانی المربانی مخافة ان یفوتنی من ابی حنیفة شئی ولا تذهب حسرته عنی** "

(مناقب مکی ج ۲ ص ۲۱۵)

میرے ایک بچہ کا انتقال ہو گیا لیکن میں اس کی تجہیز و تدفین میں شریک نہیں ہوا اور اس ک اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کی ذمہ داری پر چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام ابو حنیفہ کے درس کا کو چھوٹ جائے اور مجھے اس کی حسرت رہ جائے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلب علم کا کتنا بیکراں ذوق تھا۔ امام ابو یوسف نے امام اع کے علاوہ بیشمار ائمہ حدیث اور علماء سے کسب فیض کیا ان میں سے بعض اہم شیوخ کے نام یہ ہیں۔

ابان بن عباس، ابو اسحاق شیبانی، اسرائیل بن ابی اسحاق، اسماعیل بن ابراہیم المہاجر، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل بن علیہ، اسماعیل بن مسلم، ایوب بن عتبہ، ابو بکر بن عبداللہ الہندی، ثابت، حمزۃ شمالی، ابن جریج، حجاج بن ارطاۃ، جریز بن عثمان، حسن بن دینار، حسن بن علی بن عمارہ، حصین بن عمرو بن میمون، حنظلہ بن ابی سفیان، روح بن مسافر، سعید بن عروبہ، سعید بن مرزبان، سعید بن مسلم، سفیان بن عیینہ، سلیمان تیمی، سلیمان بن مہران بن اعمش، سماک بن حرب، طلحہ بن یحیٰ، طارق بن عبدالرحمٰن، عاصم الاحول، عبداللہ بن سعید المقبری، عبداللہ بن علی، عبیداللہ بن عمر، عبداللہ بن محرز، عبداللہ بن واقد، عبداللہ بن ابو ولید مزنی، عمرو بن دینار، عمر بن میمون بن مہران، غیلان ابن قیس ہمدانی، فضل بن مرزوق، قیس بن ربیع، قیس بن مسلم، لیث بن سعد، امام مالک بن انس، مالک بن مغول، محمد ابن اسحاق صاحب المغازی، محمد بن ابی حمید، محمد بن سائب کلبی، محمد بن سالم، محمد بن طلحہ، محمد بن عبداللہ، محمد بن عمرو بن علقمہ، مسعر بن کدام، مسلم خزاعی، مطرف بن طریف، ابو معشر، مغیر بن مقسم، نافع مولی ابن عمر، نصر بن طریف، ابن ابی نجیح، ہشام بن عروہ، ہشام بن سعید۔

علم وفضل:۔

امام ابو یوسف نے خداداد ذہانت فطری ذوق علم اور ذاتی محنت وکاوش سے اپنے دور کے اجلہ علماء وفقہاء اور محدثین سے سالہا سال کسب علم کر کے اپنے دامن کو علم وفضل کی دولت سے بھر لیا تھا اور دنیائے اسلام کی عظیم عبقری شخصیت بن گئے تھے فقہ واجتہاد میں ذروۂ کمال تک پہونچ گئے تھے حدیث وسنت کے زبردست عالم ایام عرب تفسیر قرآن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے آپ کی بلند پایہ علمی شخصیت کا اعتراف ائمہ دین نے اس طرح کیا ہے

❁ ابن خلکان: ”کان فقیھا عالماً حافظاً“ وہ فقیہ عالم اور حافظ تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۸۹)

❁ حافظ ابن عبدالبر: ”ان ابا یوسف کان حافظاً وانہ کان یحضر المحدث و یحفظ خمسین ستین حدیثا. ثم یقوم یملیھا علی الناس و کان کثیر حدیث“. (ایضاً)

بیشک ابو یوسف حافظ تھے اور وہ محدث کے پاس حاضر ہوتے (اور ایک ہی مجلس میں) پچاس ساٹھ حدیثیں یاد کرتے۔ پھر وہاں سے اٹھتے اور لوگوں کو وہ حدیثیں املا کرا دیتے اور وہ

کثیر الحدیث تھے۔

❁ عمار ابن ابی مالک: "ما کان فی اصحاب ابو حنیفة مثل ابی یوسف لو لا ابو یوسف ماذکر ابو حنیفة ولا محمد ابن ابی لیلیٰ و لکنه هو نشر قولهما و بث علمهما" ابوحنیفہ کے اصحاب میں ابو یوسف کے مانند کوئی نہ تھا۔ اگر ابو یوسف نہ ہوتے ابو حنیفہ اور محمد ابن ابی لیلی کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے ان دونوں کے علم اور قول کی نشر و اشاعت کی (ایضاً ص ۳۹۰)

امام ابو حنیفہ نے ابو یوسف کی مرض شدید میں عیادت کی وہاں سے نکلے تو فرمایا۔ ان یمت هذا الفتی فانه اعلم من علیها او ما الی الارض۔ اگر یہ جوان (ابو یوسف) مرگیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔ (ایضاً ص ۳۹۱)

❁ ہلال بن یحییٰ: "کان ابو یوسف یحفظ التفسیر و المغازی و ایام العرب و کان اقل علومه الفقه ولم یکن فی اصحاب ابی حنیفة مثل ابی یوسف"۔ ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے اور فقہ ان کا ادنیٰ علم تھا ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کوئی ابو یوسف جیسا نہ تھا۔

❁ حافظ ذہبی: "الامام العلامة فقیه العراقیین" ابو یوسف زبردست امام جید عالم اور عراق کے فقیہ تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۶۹)

❁ علی بن جعد: "ما رایت مثله" میں نے ابو یوسف جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

❁ اسماعیل بن حماد: "میرے دادا (ابو حنیفہ) کے خاص شاگرد دس تھے ان میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی نہ تھا"۔

حلقۂ درس:۔

امام ابو یوسف نے امام اعظم اور دوسرے مشائخ سے تحصیل علم کے بعد حلقۂ درس قائم کیا مگر امام اعظم انہیں اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے اس لیئے پوری زندگی اپنے زیر درس و تربیت رکھا ۱۵۰ھ میں امام صاحب نے رحلت فرمائی تو قاضی ابو یوسف نے امام صاحب کی جگہ حلقۂ درس قائم کیا اور طالبان علم جوق در جوق آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے۔ ۱۵۰ھ سے ۱۶۶ھ تک یہ حلقۂ درس باضابطہ قائم رہا جب عہدہ قضاء کی ذمہ داریاں خارج ہوئیں اور دن میں فرصت نہ ملتی تو

رات کے وقت شائقین علم کو درس دیتے اور اپنے خزینۂ علم سے مالا مال کرتے آپ کے چشمۂ علم سے آسودہ ہونے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

قاضی ابراہیم بن جراح مازنی، ابراہیم بن سلمہ طیالسی، ابراہیم بن یوسف بن میمون، البلخی، اسد بن فرات، اسماعیل بن حماد، اشرف بن سعید نیشاپوری، بشار بن موسیٰ بصری، بشیر بن یزید نیشاپوری، نوریہ بن سعد مروزی، جعفر بن یحییٰ برکی، حسن بن زیاد، حسین بن ابراہیم بغدادی، حسین بن حفص اصفہانی، ابوالخطاب، خلف بن ایوب بلخی، داؤد بن رشید خوارزمی، سعید بن ربیع ہروی، شجاع بن مخلد، ابوعباس طوسی، عبدالرحمٰن بن مہر، عبدالرحمٰن بن عبدی، عبدوس بن بشر رازی، عثمان بن بحر الجاحظ، عرزم بن فردہ، حافظ علی جعد جوہری، علی بن حرملہ کوفی، علی بن صالح جرجانی، علی بن مدینی، علی بن مسلم طوسی، عمرو بن ابی عمرو حرانی، فضیل بن عیاض، امام محمد بن حسن شیبانی، محمد بن ابی رجاء خراسانی، موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، وکیع بن جراح، ہلال بن یحییٰ بصری، یحییٰ بن آدم، یحییٰ بن معین، یوسف۔

عہدۂ قضا:۔

اموی اور عباسی دور میں قاضی دینی اور شرعی فیصلوں میں حکومت کی مصلحت کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس دور کے ربانی علماء وفقہاء عہدۂ قضاء قبول کرنے سے اعراض کرتے تھے جیسا کہ امام اعظم، سفیان ثوری اور امام مالک جیسی اہم علمی شخصیتوں نے اس عہدہ سے اپنے آپ کو ہمیشہ الگ رکھا لیکن امام ابویوسف نے اپنے پیشرؤں کے برخلاف خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اس عہدے کو قبول کیا جس میں ان کی معاشی زبوں حالی اور دینی مصلحت شامل تھی امام اعظم پوری زندگی آپ کے اہل وعیال کے کفیل رہے مگر ان کے بعد کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہ تھا اور خالصۃً لوجہ اللہ خدمت علم دین کی وجہ سے آپ کی معاشی حالت خستہ ہوتی چلی گئی پہلے تو گھر کا اثاثہ فروخت ہوا پھر ایک بار سسرالی مکان کی شہہ تیر ضرورتاً فروخت کرنی پڑی۔ جس پر ان کی ساس نے لعن طعن کی جس کی بنا پر امام صاحب نے مجبوراً عہدۂ قضا قبول کیا۔ ساتھ ہی اس منصب کے قبول کرنے کی دینی مصلحتیں بھی تھیں کہ وہ اس منصب پر رہ کر اہل اسلام کو حق وانصاف دلا سکیں گے اور اس دور کی برائیوں کا خاتمہ کر سکیں گے نیز جس فقہ کو امام اعظم اور ان کے تلامذہ نے (جن میں خود وہ بھی نمایاں تھے) مدون کیا تھا اس کے مطابق فیصلہ کریں اور اس فقہی مسلک کو عام اور مشتہر کریں جس سے اسلامی دنیا فائدہ حاصل کر سکے اور یہ بھی مدنظر تھا کہ وہ اپنی تربیت میں لائق قضاۃ تیار کر سکیں اور دیگر شہروں کے مناصب قضاء پر خداترس باصلاحیت فقہاء کو مقرر کر سکیں۔

امام ابو یوسف نے عہدۂ قضاء پر رہ کر پوری ایمانی جرأت کے ساتھ وہی فیصلے صادر کیے جو اسلامی شریعت کی رو سے حق تھے اس سلسلہ میں کبھی کسی کی ناحق رعایت نہیں کی وزراء و ارکان دولت کی شہادتیں رد کر دیں ہارون رشید جیسے با اقتدار خلیفہ کو معمولی رعایا کی صف میں کھڑا کر دیا اور اس کے سامنے کبھی اظہار حق سے باز نہیں آئے وہ تین عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے زمانے میں اسی عہدہ پر متمکن رہے ہارون رشید نے اپنے عہد میں آپ کو تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا آپ ہی کے حکم سے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا مقریزی نے لکھا ہے کہ عراق، خراسان، شام، مصر میں ان کے حکم کے بغیر قضاء کے منصب پر کوئی مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ "کان الیہ تولیۃ القضاء فی الآفاق من الشرق والغرب" مشرق سے مغرب تک تمام اسلامی ملکوں میں قاضیوں کا تقرر انہیں کے سپرد تھا۔ (جواہر مضیہ ج ۲)

علم حدیث و آثار:۔

حدیث و آثار میں ان کی حیثیت امام کی تھی سماع حدیث کا اتنا شوق تھا کہ ایک طرف امام صاحب کی مجلس درس میں فقہ کی تحصیل کرتے تھے پھر وہاں سے فرصت پانے کے بعد ان شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جن کے یہاں صرف حدیث کا املا اور سماع کرایا جاتا تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ جس وقت امام صاحب کے حلقہ درس میں شرکت کے لیے گئے تھے اس وقت ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہونے لگا تھا ان کے حافظہ کا حال یہ تھا کہ وہ ایک مجلس میں جتنی حدیثیں سنتے تھے وہ ان کو مع سند زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔ حدیث و آثار کے بارے میں یحیٰی ابن معین، احمد بن حنبل اور ابن المدینی کی رائے بہت قیمتی سمجھی جاتی ہے ان تینوں بزرگوں کی متفقہ رائے ہے کہ امام ابو یوسف حدیث میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے حدیث و آثار میں ان کا جو کارنامہ اور ان کی جو قلمی یادگاریں ہیں وہ خود حدیث میں ان کی مہارت اور غیر معمولی درک کا پتہ دیتی ہیں۔ امام ابو یوسف کا حفظ و اتقان، افقہ اور کثیر الحدیث ہونا ان کی جلالت اور فضل و کمال اجلۂ محدثین کے نزدیک مسلم تھا چنانچہ محدثین نے اس کا اعتراف اس طرح کیا ہے: ابن جوزی نے امام ابو یوسف کو قوت حفظ کے اعتبار سے ان سو افراد میں شمار کیا ہے جو اس امت کے مخصوص و بے نظیر صاحب حفظ ہوئے ہیں۔

● مزنی: " ابو یوسف اتبع القوم للحدیث " امام ابو یوسف سب سے زیادہ

حدیث کی اتباع کرنے والے ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۶۹)

❁ یحیٰ بن معین: "لیس فی اصحاب الرائے اکثر حدیثا ولا اثبت من ابی یوسف" اصحاب الرائے میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی کثیر الحدیث اور پختہ حدیث والا نہیں۔ (ایضا)

❁ ابن معین: "ابو یوسف صاحب حدیث وصاحب سنة" امام ابو یوسف صاحب حدیث وسنت تھے۔ (ایضاً)

سمعانی نے انساب میں لکھا ہے کہ امام احمد سے منقول ہے:

"اذا کان فی المسئلة قول ثلثة له یسمع مخالفتهم فقیل له من هم قال ابو حنیفة وابو یوسف ومحمدبن الحسن فابو حنیفة ابصرهم بالقیاس وابو یوسف ابصر الناس بالاثار ومحمد ابصر الناس بالعربیة" کہ جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کی رائیں جمع ہو جائیں تو پھر کسی کی بھی مخالفت قابل التفات وسماع نہیں دریافت کیا گیا وہ کون لوگ ہیں تو فرمایا ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن حسن، اس لیے کہ ابوحنیفہ قیاس کی بصیرت میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں ابو یوسف احادیث وآثار میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور محمد عربیت کے امام ہیں۔ (مقدمہ تعلیق المجد ص ۲۹)

❁ امام احمد بن حنبل: نے سب سے پہلے امام ابو یوسف سے درس حدیث لیا کہتے ہیں "کان منصفاً فی الحدیث" (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۰)

امام ابو یوسف نے حدیث وآثار میں دو اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں:

(۱) کتاب الآثار: اس کتاب میں ایک ہزار سے زیادہ حدیث وآثار جمع کیے گئے ہیں۔ وفقہ حنفی کے مستدل ہیں۔

(۲) کتاب الخراج: اس کتاب کا موضوع فقہ ہے مگر اس میں شاید ہی کوئی مسئلہ ہو س کے ضمن میں قرآن وسنت یا آثار سے دلیل نہ لائی گئی ہو، اس لحاظ سے یہ کتاب حدیث وفقہ کا مع البحرین ہے۔

امام ابو یوسف کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حدیث کے ساتھ فقہی مسائل کے استنباط کو بھی ظاہر فرماتے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں امام ابو یوسف اگر دس حدیثیں بیان کرتے تو دس فقہی ائیں بھی ان کے ساتھ پیش کرتے تھے امام ابو یوسف کا حدیثی کارنامہ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ

حدیث بیان کردیں بلکہ وہ سنت سے استخراج مسائل کا طریقہ بھی بیان کرتے ہیں۔

فقہ واجتہاد:۔

امام ابو یوسف کا سب سے وسیع میدان فقہ واجتہاد تھا اورانہوں نے اس علم میں سب سے زیادہ اپنی جولانی طبع اور جودت فکر کا استعمال کیا ہے وہ بلاشبہ امام اعظم کے تلامذہ ہی میں نہیں بلکہ اپنے تمام معاصرین میں بحیثیت فقیہ ومجتہد سب سے نمایاں ہیں اور امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے سب سے اہم رکن ہیں اور اس حیثیت سے ان کو شہرت بھی حاصل ہوئی۔ علی بن صالح ان کو افقہ الفقہاء اور سید الفقہاء کہتے تھے۔

یحیٰی بن معین کہتے ہیں: اہل عراق میں وہ سب سے بڑے فقیہ تھے۔

امام صاحب کی کتاب اختلاف ابن ابی لیلیٰ وابی حنیفہ ان کے تفقہ کا بڑا ثبوت ہے۔ فقہ میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اصول فقہ کی تدوین ہے۔ طلحہ بن محمد بن جعفر کہتے ہیں:

ابو یوسف مشهور الامر ظاهر الفضل وهو صاحب ابی حنيفة وافقه اهل عصره ولم يتقدمه احد فی زمانه وكان النهاية فی العلم والحكم والرياسة والقدر واول من وضع الكتاب فی اصول الفقه علی مذهب ابی حنيفة واملى المسائل ونشرها، وبث علم ابی حنيفة فی اقطار الارض"

ترجمہ: ابو یوسف مشہور الامر اور صاحب الفضل تھے وہ ابو حنیفہ کے شاگرد تھے معاصرین نے ان کی موافقت کی۔ ان کے زمانے میں کوئی عالم ان سے آگے نہیں بڑھا۔ وہ علم وحکمت ریاست اور فضل میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مذہب ابو حنیفہ پر اصول فقہ میں کتاب لکھی اور مسائل کو املاء کرایا اور اسے پھیلایا اور روئے زمین میں ابو حنیفہ کے علم کی اشاعت کی۔

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۹۰)

تصانیف:۔

امام ابو یوسف ان علماء وفقہاء میں ہیں جنہوں نے علوم وفنون اسلامی کی تدوین کے ابتدائی دور میں بیش بہا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ نے حدیث، فقہ، اصول فقہ، قانون، اختلافیات پر جامع، مفید کتابیں تصنیف کیں۔ کشف الظنون میں ہے۔ "ان الامالی لابی یوسف فی ثلثمائة مجلد" امام ابو یوسف کی امالی تین سو جلدوں میں تھیں۔

ابن ندیم نے آپ کی ایک امالی کا ذکر کیا ہے جو ۳۶/ مباحث پر مشتمل تھی۔ دوسری کتاب "کتاب الجوامع" جس کے چالیس حصے تھے، جس میں اختلاف علماء کا بیان ہے ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں تھی جس میں انہیں اولیت حاصل تھی افسوس کہ یہ کتابیں دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

آپ کی کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) کتاب الآثار (۲) اختلاف ابی حنیفہ وابی لیلیٰ (۳) الرد علی سیر الاوزاعی (۴) کتاب الخراج (۵) کتاب المخارج والحیل۔

کتاب الخراج:۔

قاضی ابو یوسف کی سب سے اہم شہرۂ آفاق کتاب کتاب الخراج ہے۔ آپ کے زمانہ میں اور بعد کی صدیوں میں اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج، ابن عبید کی کتاب الاموال اور ابن رجب کی استخراج احکام الخراج وغیرہ بہت مشہور ہیں، مگر کوئی کتاب ان خصوصیات کی حامل نہیں جن کی امام ابو یوسف کی کتاب حامل ہے۔

امام ابو یوسف نے یہ کتاب خلیفہ ہارون رشید کی فرمائش پر تحریر کی۔ کتاب کی ابتداء میں امام ابو یوسف تحریر فرماتے ہیں:

"امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ میں ان کے لیے ایک جامع کتاب تیار کروں جس کے مطابق خراج، عشور، صدقات اور جزیوں کی تحصیل میں اور دوسرے ان معاملات میں عمل کیا جائے جن کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری ان پر ہے... وہ تفصیلی جواب چاہتے ہیں تا کہ آئندہ ان امور میں اس پر عمل درآمد ہو"۔

کتاب کا اسلوب نگارش یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کرتے ہیں پھر احادیث نبویہ وآثار صحابہ اس کے بعد ضرورت ہوتی ہے تو امام ابو حنیفہ یا دیگر ائمہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں اس کے بعد بھی اگر ضرورت مقتضی ہوتی ہے تو خود اجتہاد کرتے ہیں۔

اس کتاب کے ذریعہ انہوں نے صرف اسلامی خزانہ کے محاصل ومخارج کی تفصیل ہی بیان نہیں کی ہے بلکہ حکومت کے اسلامی تصور اور خلافت راشدہ کی منہاج کی بھی وضاحت کی ہے۔ اس طرح انہوں نے قیصری طرز حکمرانی کو بدل کر اسلامی جمہوریت کی روح کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اخلاق و کردار:۔

امام ابو یوسف علم وفضل میں امتیازی شان اور قضاء کے جلیل القدر عہدے پر فائز رہنے کے باوجود تواضع وانکساری، نرم خوئی، حلم ومروت، عدل واحسان کا پیکر جمیل تھے حق گوئی وحق شناسی ان کے خمیر میں شامل تھی وہ بے حد فیاض اور سخی واقع ہوئے تھے حد درجہ پاکدامن اور عفت مآب تھے سنت رسول کے کافی پابند تھے زہد وتقویٰ، خشیت الٰہی، خوف آخرت ان کی کتاب اخلاق کے درخشاں اوراق تھے۔ نماز کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ فرائض کے علاوہ روزانہ دو سو رکعت نوافل ادا فرماتے جب کہ قضا کی ذمہ داریوں سے گرانبار تھے۔ ابن سماعہ کہتے ہیں: "کان ابو یوسف یصلی بعد ماولی القضاء فی کل یوم مائتی رکعة" امام ابو یوسف عہدۂ قضا پر فائز ہونے کے بعد روزانہ دو سو رکعت نماز نوافل ادا کرتے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۰)

امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے جو شخص نادر اور غریب احادیث طلب کرتا ہے وہ جھوٹ سے نہیں بچ سکتا۔ جو کیمیاء کے ذریعہ مال طلب کرتا ہے وہ ہمیشہ محتاج رہتا ہے اور جو علم کلام کے بل بوتے پر دین حاصل کرتا ہے وہ زندیق ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص)

وفات:۔

ملت اسلام کا یہ عبقری امام جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اکثر زبان پر یہ کلمات جاری رہتے خدایا تو جانتا ہے میں نے کسی فیصلہ میں جو تیرے بندے کے درمیان تھا اپنی رائے سے کام نہیں لیا اور نہ خلاف واقعہ فیصلہ کیا ہمیشہ میری کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو وہ تیری کتاب اور تیرے رسول کی سنت کے موافق ہو۔

اے اللہ تو جانتا ہے میں ہمیشہ پاکدامن رہا اور کبھی ایک درہم جان بوجھ کر حرام کا نہیں کھایا۔ (مناقب کردری ص ۱۲۶)

اس مرض کی حالت میں بھی علم دین کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا ایک شاگرد کو کسی مسئلہ کی تفصیل بتا رہے تھے ابھی خاموش بھی نہیں ہوئے تھے کہ چند منٹ کے بعد آواز ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی اور واصل بحق ہوگئے۔ سانحۂ ارتحال ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ کو پیش آیا۔ کاظمین بغداد میں سپرد خاک کیے گئے۔

(۱۴) امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رضی اللہ عنہ

ولادت: ۱۲۰ھ وفات: ۱۸۲ھ یا ۱۸۳ھ

اسم گرامی یحییٰ کنیت ابو سعید۔ سلسلۂ نسب یہ ہے یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ میمون بن فیروز ہمدانی کوفی۔ والد کا نام زکریا تھا لیکن اپنے دادا ابو زائدہ کی نسبت سے مشہور ہیں۔

محمد بن منتشر سے ولاء کا تعلق رکھتے تھے کوفہ میں ۱۲۰ھ کو پیدا ہوئے کوفہ اس زمانہ میں علم وفن کا زبردست مرکز تھا جہاں کے چپہ چپہ سے علم وفضل کی شعاعیں پھوٹتی تھیں آپ کے والد حضرت زکریا خود صاحب علم اور محدث تھے یحییٰ کو علم کی مناسبت وراثت میں ملی تھی۔

تعلیم:۔

یحییٰ ایک محدث وفقیہ کے فرزند تھے اس لیے ابتداء ہی سے اپنے والد کے زیر سایہ علمی ماحول میں پروان چڑھے حضرت زکریا اپنے فرزند کو بڑا عالم بنانا چاہتے تھے یحییٰ بن یونس کا بیان ہے میں نے زکریا بن ابی زائدہ کو دیکھا کہ اپنے صغرسن بچے یحییٰ کو مجالد بن سعید کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۴)

فطری صلاحیت والد کی تربیت اور کوفہ کی علمی فضا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور علم وفضل میں اتنا کمال پیدا کیا کہ وقت کے ممتاز شیوخ میں شمار کیے جانے لگے آپ کے نامور اساتذہ یہ ہیں:

زکریا بن ابی زائدہ، اعمش، ابن عون، عاصم احول، ہشیم بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابی ہند، حارثہ بن ابی رجال، اسماعیل بن ابی خالد، عبدالرحمٰن بن غسیل، حسین بن حارث جدلی، عکرمہ بن عمار، عبداللہ بن عمر عمری، ابو مالک اشجعی، حجاج بن ارطاۃ، اسرائیل، عبدالملک بن حمید بن ابی غنیتہ، مسعر، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، موسیٰ جہنی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

فضل وکمال:۔

یحییٰ بن ابی زائدہ علم وفن میں امتیازی شان کے مالک تھے حدیث ان کا خاص میدان تھا اس باب میں ان کی رفعت وبلندی کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کیا ہے۔

❁ علی بن مدینی: "لم یکن بالکوفۃ بعد سفیان الثوری اثبت منہ... انتھی العلم الی یحییٰ بن ابی زائدۃ فی زمانہ" سفیان ثوری کے بعد کوفہ میں ان (یحییٰ) سے زیادہ

پختہ کار کوئی نہیں تھا۔ یحییٰ بن ابی زائدہ کے زمانہ میں علم ان پر ختم ہو گیا ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۴۷)

نیز فرمایا کرتے تھے ابن عباس اپنے زمانہ میں تھے ان کے بعد حضرت شعبی اپنے عہد میں علم کے مرکز قرار پائے پھر سفیان ثوری کا عہد آیا تو وہ امام وقت ہوئے اسی طرح یحییٰ بن ابی زائدہ اپنے زمانہ میں علم کے منتہی تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۱۵)

- یحییٰ بن سعید قطان: " ما بالکوفة احد یخالفنی اشد علی من مخالفة ابن ابی زائدة" کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی مخالفت میرے لیے یحییٰ بن ابی زائدہ کی مخالفت سے زیادہ صبر آزما اور شدید ہو۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۴۷)
- عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے پوچھا۔ اسماعیل بن زکریا آپ کو زیادہ پسند ہیں یا یحییٰ بن ابی زائدہ جواب دیا "یحییٰ احب الی" یحییٰ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)
- ابو حاتم: "مستقیم الحدیث ثقة صدوق " یحییٰ مستقیم الحدیث ثقہ صدوق تھے۔ (ایضا)
- امام نسائی: "ثقة، ثبت" وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (ایضا)
- ابو خالد الاحمر: "کان جید الاخذ" وہ اخذ حدیث میں جید تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)
- ابن عیینہ: "ما قدم علینا مثل ابن المبارک ویحییٰ بن ابی زائدة" ہمارے پاس عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ جیسے کوئی (محدث) نہیں آئے۔ (ایضا)
- عجلی: "ثقة وھو جمع لہ الفقه والحدیث وکان علی قضاء المدائن ویعد من حفاظ الکوفیین للحدیث متقنا ثبتا صاحب سنة" یحییٰ معتبر ہیں اور ان کی حدیث وفقہ کو جمع کیا گیا وہ مدائن کے قاضی تھے۔ وہ کوفہ کے حفاظ حدیث سے حدیثیں روایت کرتے۔ متقن، ثبت اور صاحب سنت تھے۔ (ایضا)
- اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ: "یحییٰ بن ابی زائدة فی الحدیث مثل العروس المعطرة" یحییٰ بن ابی زائدہ حدیث میں عطر بیز دلہن کی طرح تھے۔ (ایضا)
- یعقوب بن ابی شیبہ: "ثقة حسن الحدیث" وہ ثقہ اور عمدہ حدیث والے تھے۔ (ایضا)
- یحییٰ بن معین: "کان یحییٰ بن زکریا کیسا ولا اعلمه اخطا الا فی

"حدیث واحد" یحییٰ بن ابی زائدہ نہایت فہیم وعقیل تھے ایک حدیث کے علاوہ مجھے ان کی کسی غلطی کا علم نہیں۔ (ایضاً)

یحییٰ اپنے زمانہ میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے۔ علی بن مدینی کا بیان اسناد کا دارومدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا پھر ان کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہوا جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آکر ختم ہوگیا ایک ابوسعید یحییٰ بن سعید جو بنوتمیم کے غلام تھے۔ (م ۱۹۸ھ) اور دوسرے بزرگ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔
(تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۱۷)

علم حدیث میں یحییٰ بڑے ثقہ، اور اثبت تھے جو ائمہ حدیث کے متذکرہ بالا اقوال سے ظاہر ہے۔ حضرت یحییٰ سے کسب علم کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے چند نام یہاں لکھے جاتے ہیں:

یحییٰ بن آدم، ابوداؤد حفری، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، داؤد بن رشید، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ابراہیم بن موسیٰ، ابوکریب، شجاع بن مخلد، سریج بن یونس، احمد بن منیع، سوید بن سعید، علی بن مسلم طوسی، سہیل بن عثمان عسکری، یعقوب بن ابراہیم دورقی، ہارون بن معروف، ہناد بن سری، حسن بن عرفہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

تصانیف:۔

یحییٰ بن ابی زائدہ محدثین کوفہ میں سب سے پہلے امام فن ہیں جنہوں نے حدیث میں تصنیف کی۔ خطیب بغدادی، سمعانی، علامہ ابن حجر اس امر پر متفق ہیں۔ "ھو اول من صنف الکتب بالکوفۃ" یحییٰ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کوفہ میں کتابیں تصنیف کیں، یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں یحییٰ ثقہ حسن الحدیث تھے لوگ کہتے ہیں وہ کوفہ کے اولین صاحب تصنیف بزرگ تھے۔
(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۴)

آپ کا انداز تصنیف اس قدر مقبول ہوا کہ دوسرے ائمہ فن نے ان کی تقاسیر میں کتابیں لکھیں، حضرت وکیع نے اپنی کتابوں میں حضرت یحییٰ کی کتابوں کی پیروی کی ہے۔ عجلی کہتے ہیں

"وکیع انما صنف کتبہ علی کتب یحییٰ بن ابی زائدۃ" (ایضاً)

امتداد زمانہ کی وجہ سے ان کی تصانیف آج ناپید ہوچکی ہیں ابن ندیم نے ان کی ایک کتاب کتاب السنن کا ذکر کیا ہے۔

فقہ وافتاء:۔

حضرت یحیٰی حدیث کی طرح فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا تھا اور وہ حنفی فقہ کے جرعہ خوار تھے اس لیے وہ عام محدثین کی طرح محض عطار ہی نہیں طبیب بھی تھے انہیں استنباط واستخراج مسائل کا ملکہ بھی تھا ایک بار امام عجلی کے سامنے یحیٰی بن ابی زائدہ کا ذکر آیا انہوں نے فرمایا حضرت یحیٰی کے والد زکریا بن ابی زائدہ ثقہ تھے ان کے فرزند یحیٰی بھی ثقہ ہیں اور یہ دونوں باپ بیٹے ان اکابر امت میں سے ہیں جو حدیث وفقہ دونوں کے جامع تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۱۶)

حسن بن ثابت ایک بار حضرت یحیٰی ابن ابی زائدہ سے ملاقات کر کے واپس ہوئے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ یحیٰی بن ابی زائدہ کے پاس مہمان تھا۔

(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

وفات:۔

خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں آپ کے تثبت فی الحدیث اور تفقہ میں کمال کے باعث مدائن کے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا جسے آپ نے قبول بھی کر لیا مگر عمر نے وفانہ کی اور عہدۂ قضا پر ماموری کے زمانہ ہی میں ماہ جمادی الاولیٰ ۱۸۳ھ میں بمقام مدائن وفات پائی اس وقت عمر ۶۳ رسال تھی اس لحاظ سے آپ کا سن ولادت ۱۲۰ھ یا ۱۱۹ھ قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۱۵) حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہ

۱۳۲ھ ۱۸۹ھ

اسم گرامی محمد کنیت ابو عبد اللہ، سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، قبیلہ شیبان کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے منسوب ہوئے۔ حسن دمشق کے قریب حرستا نامی گاؤں میں رہتے تھے جو شامی فوج میں سپاہی تھے لشکری ضرورت سے واسط آئے اور اسے اپنا مسکن بنا لیا جہاں ۱۳۲ھ میں امام محمد کی ولادت ہوئی۔ پھر والدین نے کوفہ کو وطن بنایا جہاں آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی۔

تعلیم وتربیت:۔

کوفہ اس وقت علم وفضل کا گہوارہ تھا یہیں امام محمد کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔ اولاً قرآن،

ادب، لغت کی تحصیل کی پھر شیوخ کوفہ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوئے فطری صلاحیت اور ذوق علم نے صغر سنی ہی میں جوہر قابل بنا دیا۔ چودہ سال کی عمر میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام صاحب کی زندگی میں کسی اور کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا امام صاحب کی وفات کے بعد امام ابو یوسف سے فقہ کی تکمیل کی۔

فقہ وتفسیر کے علاوہ حدیث کا ذوق بھی امام محمد کو شیخین کی خدمت میں پیدا ہو چکا تھا مگر اس حلقہ درس کی بنیادی خصوصیت فقہ وقرآن تھی اس لئے انہیں کسی ایسے شیخ کی ضرورت تھی جو خالص حدیث کا امام ہو۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے انہوں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور امام مالک کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا امام محمد تین برس تک مدینہ میں مقیم رہے اور بالالتزام امام دارالہجرت سے سماع حدیث کرتے رہے اور سات سو حدیثیں سنیں۔

امام محمد کے اہم شیوخ واساتذہ یہ ہیں:

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اسمعیل بن ابی خالد احمسی، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، قیس بن ربیع، عمر بن زر، بکیر بن عامر، ابوبکر نہشلی، عبداللہ بن قطاف، مجل بن محرز الصبی، یحیٰی بن مہلت، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ، اسرائیل بن یونس، بدر بن عثمان، ابو الاحوص، سلام بن سلیم، سلام بن سلیمان، ابو معاویہ ضریر، محمد بن حازم، امام زفر، اسمعیل بن ابراہیم بجلی، فضیل بن غزوان، حسن بن عمارہ، یونس بن اسحاق سبیعی، عبدالجبار بن عباس، محمد بن ابان صالح قرشی، سعید بن عبید طائی، عروہ بن حارث، علاء بن زہیر، امام مالک، ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمر بن حفص، خارجہ بن عبداللہ بن ابی سلیمان، محمد بن صلال، ضحاک بن عثمان، اسمعیل بن رافع، عطاف بن خالد، اسحاق بن حازم، ہشام بن سعید، اسامہ بن زید لیثی، داؤد بن قیس فراء، عیسیٰ بن ابی عیسیٰ خیاط، عبدالرحمٰن بن ابی زناد، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، حشم بن عراک، سفیان بن عیینہ، زمعہ بن صالح، اسمعیل بن عبدالملک، طلحہ بن عمرو، سیف بن سلیمان، ابراہیم بن یزید اموی، زکریا بن اسحاق، عبداللہ بن عبدالرحمٰن ثقفی، عبدالعزیز بن ربیع بصری، ہشام بن ابی عبداللہ ربیع بن ضبی، ابو جرہ واصل بن عبدالرحمٰن، سعید بن ابی عروبہ، اسمعیل بن ابراہیم بصری، مبارک بن فضالہ، عباد بن عوام، شعبہ بن حجاج، ابو مالک عبدالملک، ابو عمرو عبدالرحمٰن اوزاعی، محمد بن راشد مکحولی، اسمعیل بن عیاش حمصی، ثور بن یزید دمشقی، عبدالملک بن مبارک ایوب بن عتبہ۔

قوت حفظ اور ذہن رسا:۔

امام محمد کو خداوند تعالیٰ نے حفظ وضبط کی بے مثال قوت عطا فرمائی تھی۔ ذہانت وفطانت کے جوہر سے مالا مال تھے۔ وہ تحقیق وجستجو کا فطری ذوق رکھتے تھے۔ امام اعظم کی بارگاہ میں تقرب کا سبب بھی ایک دقیق مسئلہ کا استفسار تھا۔ ابھی تیرہ سال کا سن تھا کہ امام اعظم کی بارگاہ میں اس مسئلہ کو دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے کہ اگر کوئی نابالغ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور رات ہی میں بالغ ہو جائے تو عشاء کی نماز دہرائے گا یا نہیں؟ امام اعظم نے فرمایا دہرائے گا امام محمد نے اسی وقت اٹھ کر ایک گوشہ میں نماز پڑھی امام اعظم نے یہ دیکھ کر بیساختہ فرمایا۔ انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا اس واقعہ کے بعد امام محمد امام اعظم کی درسگاہ میں گاہ بگاہ حاضر ہونے لگے اور تحصیل علم کا ذوق پروان چڑھنے لگا۔ چنانچہ باضابطہ طور پر مجلس درس میں حاضری کی درخواست کی۔ امام صاحب نے فرمایا ”پہلے تم قرآن مجید حفظ کرو پھر حلقہ درس میں شریک ہونا“ ایک ہفتہ کے بعد حاضر ہوئے تو امام صاحب نے فرمایا میں نے تم سے کہا تھا قرآن مجید حفظ کر کے آنا۔ آپ نے عرض کیا میں نے قرآن مجید حفظ کرلیا ہے۔ امام صاحب نے انہیں حلقۂ درس میں شامل کرلیا۔ (مناقب کردری ج ۲ ص ۱۵۵)

یہ دونوں واقعات امام صاحب کی دقیقہ رسی اور بے مثال قوت حافظہ کی دلیل ہیں۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ سے کہا میں نے زبیدہ سے کہا کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل جنت میں ہوتا ہے۔ زبیدہ نے پلٹ کر کہا نہیں تم ظالم اور فاجر ہو اور جنت کے اہل نہیں ہو۔ آپ نے یہ سن کر ہارون رشید سے فرمایا کبھی گناہ کے وقت یا گناہ کے بعد خدا کا خوف لاحق ہوا؟ ہارون نے کہا خدا کی قسم مجھے گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا بیحد خوف ہوتا ہے فرمایا پھر تم دو جنتوں کے وارث ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”ولمن خاف مقام ربه جنتان“ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرماتا ہے۔ (مناقب کردری ج ۲ ص ۱۵۵)

امام محمد کی خوش بختی تھی کہ انہیں کوذہ جیسی معارف پرور فضا میں پروان چڑھنے کا موقع ملا اور تحصیل فقہ کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے بعد قاضی ابو یوسف کی صحبت نصیب ہوئی۔ اور تحصیل حدیث کے لئے امام دار الھجرت مالک بن انس کی مجلس درس نصیب ہوئی۔ حدیث وفقہ کے علاوہ امام محمد نے سیر ومغازی، عربیت میں بھی کمال پیدا کرلیا تھا۔ بخت کی یاوری سے انہیں رحلت وسفر کے لئے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑا۔ کسب معاش سے بے نیاز ہو کر انہوں نے عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ علوم وفنون کی

تحصیل میں گذار دیا انہیں ترکہ میں تیس ہزار درہم ملے تھے جن کو طلب علم کی راہ میں خرچ کر ڈالا۔ وہ خود کہتے ہیں "مجھے اپنے والد سے تیس ہزار درہم ترکہ میں ملے "وحکی عنه قال مات ابی و ترک ثلاثین الف دراهم فانفقت خمسة عشر الفا علی النحو والشعر و خمسة عشر الفا علی الحدیث والفقه" جن میں سے نصف میں نے لغت، نحو اور شعر کی تحصیل میں صرف کئے اور پندرہ ہزار فقہ و حدیث کی طلب میں خرچ کر دیئے۔ (کتاب الانساب سمعانی)

فضل وکمال :۔

امام محمد نے فقہ و حدیث اور دیگر علوم و فنون میں درجۂ امامت حاصل کر لیا تھا۔ ان کے وفور علم قوت استدلال و استنباط، دقیقہ سنجی، اور حذاقت فی العلم کا اعتراف ملت بیضاء کے اکابر ائمہ اور شیوخ نے کیا ہے۔

۞ ابو عبید: "ما رأیت اعلم بکتاب الله من محمد بن حسن" میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (الفوائد البہیہ ص ٢٦)

۞ امام شافعی: "مارایت افصح منه و کنت اظن اذ رأیته یقرأ القرآن کان القرآن نزل بلغته" میں نے ان سے زیادہ فصیح اللسان کسی کو نہیں دیکھا جب وہ قرآن پڑھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا گویا ان ہی کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ (کتاب الانساب للسمعانی)

۞ اعانتی الله بر جلین بابن عیینة فی الحدیث و لمحمد فی الفقه" اللہ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری معاونت فرمائی ابن عیینہ کے ذریعہ حدیث میں اور امام محمد کے ذریعہ فقہ میں۔ (ایضاً)

۞ انه کان اذا اخذ فی المسئلة کانه قرآن ینزل لا یقدم حرفًا ولا یوخره عنه۔ امام محمد جب کسی مسئلہ کو بیان کرنا شروع کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ قرآن نازل ہو رہا ہے۔ کسی حرف میں تقدیم و تاخیر نہ کرتے تھے اور ایسا منظم کلام کرتے کہ جس میں ایک حرف بھی مقدم و موخر کرنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ (ملخصا مقدمہ تعلیق الممجد)

۞ ابن عماد حنبلی: امام محمد بن حسن سے زیادہ حلال و حرام، علل حدیث، ناسخ و منسوخ کا جاننے والا میرے علم میں کوئی دوسرا شخص نہیں۔ اگر لوگوں میں انصاف ہوتا تو وہ یقین کرتے کہ امام محمد جیسا کوئی شخص انہوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا (شذرات الذہب)

● **امام نووی:** "طلب الحدیث وسمع سماعاً کثیراً و جالس ابا حنیفۃ و سمع منہ و نظر فی الرای فغلب علیہ و عرف بہ و تقدم فیہ" امام محمد حدیث کی طلب میں مشغول ہوئے اور بہت زیادہ حدیثیں سنیں امام ابو حنیفہ کی ہم نشینی اختیار کی ان سے بھی احادیث سنیں اور مسائل کا استنباط کیا یہ فن ان پر غالب آ گیا اس میں دوسروں سے گوئے سبقت لے گئے اسی میں معروف و مشہور ہو گئے۔ (تہذیب الاسماء واللغات)

● **عبدالحی فرنگی محلی:** "کان اعلم بکتاب اللہ ماهراً فی العربیۃ والنحو و الحساب" کتاب اللہ کے بہت جاننے والے تھے عربیت، نحو اور حساب میں ماہر تھے۔ (الفوائد البہیہ ص ٦٦)

● **مزنی:** "مرحبا بمن یملا الآذان سمعاً والقلب فهما" مرحبا اس شخص پر جو کان کو سماع اور قلب کو فہم سے بھر دیتا تھا۔ (تاریخ بغداد)

● **ربیع بن سلیمان:** "میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا"۔
امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے دقیق مسائل کہاں سے حاصل کئے ہیں فرمایا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے۔ (تاریخ بغداد)

● **امام شافعی:** "مارایت اعقل ولا افقہ ولا ازهد ولا اورع ولا احسن نطقا ولا ایراداً من محمد بن الحسن" میں نے امام محمد جیسا عاقل، فقیہ، زاہد متقی خوش گفتار اور بحث و نقد کرنے والا نہیں دیکھا۔ (تہذیب الاسماء نووی)

حلقۂ درس و تلامذہ:۔

امام محمد نے اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ اور محدث کے علاوہ بڑے بڑے علماء علم و فن سے علوم متداولہ میں غیر معمولی کمال پیدا کر لیا تھا۔ ان کی شان علم کا اندازہ اوپر کے اقوال سے کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے شیوخ کی طرح علم و فن کی دولت کو عام کرنے کے لئے جامع کوفہ میں حلقۂ درس قائم کیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کہتے ہیں۔

"کان محمد یجلس فی مسجد الکوفۃ و ھو ابن عشرین سنۃ "امام محمد نے کوفہ کی مسجد میں بیس برس کی عمر میں تدریس شروع کر دی تھی۔

امام شافعی کہتے ہیں "کان اذا حدثهم عن مالک امتلا منزلہ و کثر الناس

حتی یضیق علیہ الموضع" امام محمد جب موّطا کا درس دیتے تھے تو ان کا مکان بھر جاتا لوگ اس کثرت سے آتے کہ راستے بند ہو جاتے۔ (تہذیب الاسماء واللغات)

امام محمد نے کوفہ کے علاوہ بغداد، رے اور دوسرے مقامات میں بھی جہاں وہ گئے مجلس درس قائم کی اور ان کی فیض رساں بارگاہ سے لوگوں نے خوب خوب کسب علم کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا اگر وہ نہ ہوتے تو مجھ پر وہ علم نہ کھلتا جو کھلا ہے (شذرات الذہب)

آپ کے نامور تلامذہ یہ ہیں۔

ابو حفص کبیر، امام شافعی، یحیی بن معین، موسی بن سلیمان جوزجانی، ابو عبید قاسم بن سلام، علی سعید، اسد بن فرات، ہشام بن عبداللہ، اسماعیل بن توبہ، علی بن مسلم طوسی، (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۴۲)

خدمت حدیث:۔

امام محمد نے اپنے دور کے اساطین حدیث سے اس علم میں کمال پیدا کیا تھا وہ اپنی قوت حفظ وضبط اور ذکاوت کی بناء پر حدیث نبوی کے بہت بڑے ذخیرے کے حامل بن گئے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ امام مالک کی روایتوں کے وہ بہترین حافظ وامین سمجھے جاتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔"کان محمد بن حسن من بحور العلم والفقہ قویا فی مالک" امام محمد علم وفقہ کے سمندر تھے اور امام مالک کی مرویات میں قوی تھے۔ (میزان)

وہ درس حدیث کے لئے جامع کوفہ میں مجلس کا انعقاد بھی فرمایا کرتے تھے علم حدیث کے باب میں آپ کی دو اہم کتابیں موّطا امام محمد اور کتاب الآثار محتاج بیان نہیں۔ موّطا امام مالک کے سولہ نسخے ہیں جن میں یحیی بن یحیی مصمودی کا نسخہ سب سے زیادہ معتبر خیال کیا جاتا ہے لیکن بعض وجوہ سے امام محمد کا روایت کردہ نسخہ اس سے کہیں زیادہ وقیع اور حامل افادیت ہے یحیی کے نسخۂ موّطا میں کثرت سے مسائل فقہیہ اور امام مالک کے اجتہادات منقول ہیں بہت سے ابواب ایسے ہیں جن کے تحت کوئی حدیث نہیں ہے لیکن موّطا امام محمد کی خصوصیت یہ ہے کہ کوئی ترجمۃ الباب ایسا نہیں جس کے تحت کوئی مرفوع یا موقوف روایت نہ ہو ظاہر ہے کہ جس کتاب حدیث میں رائے واجتہاد کا شمول ہوگا اس کے مقابلہ میں حدیث کی وہ کتاب جو نفس حدیث پر مشتمل ہوگی اسے افضلیت حاصل ہوگی۔

یحیی کے نسخے میں صرف امام مالک کی مرویات ہیں لیکن امام محمد کے نسخہ میں دوسرے

شیوخ حدیث کی روایتیں بھی شامل ہیں ظاہر ہے کہ اس اضافہ میں احادیث زیادہ ہوگی۔

مؤطا امام محمد کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

اس کتاب میں امام محمد ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے اخبرنا مالک سے امام مالک کی روایت نقل کرتے ہیں اگر مسلک حنفی اس روایت کے مطابق ہو تو اس کے بعد ہذا ناخذ فرماتے ہیں اور اگر اس روایت کا ظاہر مسلک حنفی کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ ذکر کر کے مسلک حنفی کی تائید میں احادیث وآثار ذکر کرتے ہیں اور بسا اوقات دوسرے ائمہ کے اقوال بھی بیان کرتے ہیں۔

مؤطا امام محمد میں کل ۱۱۸۰/احادیث ہیں جن میں دس سو پانچ حدیثیں امام مالک سے مروی ہیں اور ایک سو پچھتر دوسرے شیوخ سے مروی ہیں۔

حدیث میں امام محمد کی دوسری تصنیف کتاب الآثار ہے اس کتاب میں امام محمد نے احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے غالبا اسی وجہ سے ان کی یہ کتاب کتاب الآثار کے نام سے مشہور ہوئی اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث ۱۸۷/آثار ہیں ان کے علاوہ امام اعظم کے اقوال بھی شامل ہیں۔

یہ کتاب درحقیقت امام اعظم کی تصنیف ہے جس کے بارے میں امام محمد بن شجاع نے تصریح کی ہے امام صاحب نے چالیس ہزار احادیث وآثار سے کتاب الآثار کا انتخاب فرمایا ہے اور ان کے تلامذہ نے اس کی روایت کر کے اپنی طرف سے اضافہ وترمیم کیا ہے جس کی وجہ سے بعد میں یہ نسخے مرتبین کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے اس طرح امام محمد، امام ابو یوسف، امام حماد، امام زفر، امام حفص بن غیاث کی کتاب الآثار امام ابوحنیفہ کی ہی کتاب الآثار ہے (معارف ومآثر ص ۱۹۸)

کتاب الآثار:

امام محمد کی چند خصوصیات یہ ہیں:

اس کتاب میں بالخصوص صحابہ وتابعین کے آثار کو فقہی ابواب پر جمع کیا گیا ہے اسی لئے اس میں احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں آثار موقوفہ بہت زیادہ ہیں اس کتاب کا مقصد صحابہ وتابعین کے آثار کو یکجا کر کے یہ دکھانا ہے کہ جن احادیث کی آثار سے موافقت ہوتی ہے وہ معمول بہا ہیں گویا صحابہ وتابعین کے آثار احادیث رسول کے لئے شواہد ودلائل ہیں کیوں کہ مختلف فیہ احادیث کے بارے میں کبار صحابہ وتابعین کا تعامل، معیار وحکم کی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے صحابہ وتابعین کے آثار کو خاص اہمیت دی جس کی ایک سنہری کڑی کتاب الآثار امام محمد ہے اس کتاب میں اکابر واعیان صحابہ کے

اقوال وافعال اور فیصلے مروی ہیں جو جماعت صحابہ میں مرجع وحجت تھے کتاب الآثار میں امام محمد کی تحقیق بصیرت اوراجتہاد وژرفنگاہی کا جگہ جگہ اثر ظاہر ہوتا ہے۔

فقہ وفتاویٰ:۔

امام محمد کی علمی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو علم فقہ ہے اور وہ اپنے عہد میں فقہ کے تاجدار تھے ان کی فقہی بصیرت واجتہاد کے دوسرے مجتہدین صرف معترف ہی نہیں بلکہ ان کی صحبت کے تربیت یافتہ یا ان کی فقہی تصانیف کے خوشہ چیں ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا بیان ہے فقہ کے تمام دقیق مسائل میں نے امام محمد سے اخذ کئے ہیں

امام مزنی کہتے ہیں امام ابوحنیفہ اہل عراق کے سردار ہیں ابو یوسف ان سب سے زیادہ متبع سنت ہیں امام محمد نے سب سے زیادہ تفریع کی ہے۔

❁ حافظ ذہبی کہتے ہیں: "انتھت الیہ ریاسۃ الفقہ با العراق بعد ابی یوسف وتفقہ بہ الائمۃ" عراق میں امام ابو یوسف کے بعد فقہ کی ریاست امام محمد پر ختم ہوگئی اور ان سے ائمہ نے تفقہ حاصل کیا۔ (میزان ترجمہ امام محمد)

امام شافعی کہا کرتے تھے میں فقہ میں امام محمد کا سب سے زیادہ ممنون احسان ہوں۔

امام محمد نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کئے استنباط واستخراج مسائل کے لحاظ سے ان کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا خلیفہ ہارون رشید نے آپ کی فقہی بصیرت سے متاثر ہو کر قاضی بنایا۔ امام محمد جب تک اس عہدہ پر فائز رہے بلا خوف وخطر عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے صادر فرماتے رہے انہوں نے کبھی اپنے فیصلوں میں خلیفۂ وقت یا ارکان دولت کی پرواہ نہ کی چنانچہ جب امان یافتہ یحیٰی بن عبداللہ کے خلاف عہد شکنی کا مسئلہ پیش ہوا تو امام محمد نے خلیفہ ہارون رشید کی مرضی کے خلاف فیصلہ دیا تو آپ عتاب شاہی میں مبتلا ہوئے منصب قضاء وافتاء سے معزول کر کے آپ کو قید کر دیا گیا اس طرح آپ نے قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں کچھ دنوں بعد آپ کو قید سے نکال کر اعزاز واکرام کے ساتھ قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا گیا (مناقب کردری ص ۱۶۵)

تدوین فقہ کے باب میں امام محمد کا مرتبہ ان کے تمام معاصرین میں سب سے بلند ہے انہوں نے امام اعظم کے مجتہدات دوسرے ائمہ کے اقوال نیز اپنے استنباطات وتفریعات کو مبسوط، جامع کبیر، جامع صغیر، سیر صغیر، سیر کبیر اور زیادات میں جمع کر کے صرف احناف ہی نہیں بلکہ دیگر مکاتب فقہ کے فقہاء کے لئے اجتہاد واستنباط مسائل کی راہ کھول دی بلاشبہ دنیائے اسلام پر امام

محمد کا یہ احسان عظیم ہے۔

تصانیف:۔

امام محمد امت اسلام کے عظیم مصنف تھے انہوں نے تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں جو بڑی کارآمد اور مفید عام ہیں دوسرے مصنفین کی کتابوں کی طرح آپ کی اکثر کتابیں اب ناپید ہیں مگر جو کتابیں دستیاب ہیں وہ حنفی مسلک کی ام الفقہ ہیں۔

مبسوط:۔

علم فقہ میں یہ امام محمد کی سب سے ضخیم تصنیف ہے یہ کتاب چھ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں دس ہزار سے زائد مسائل مذکور ہیں اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں مشہور نسخہ وہ ہے جو ابو سلیمان جوزجانی سے مروی ہے۔ ایک غیر مسلم اہل کتاب اس کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو محمد اکبر کی کتاب کی کیا شان ہوگی۔ (کشف الظنون ج۲ ص۱۰۸۱) یہ کتاب اب تک طبع نہ ہو سکی مصر اور استنبول کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

الجامع الکبیر:۔

اس میں امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کو دلیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ بعد کے فقہاء نے اصول فقہ کے مسائل زیادہ تر اسی سے اخذ کئے ہیں بڑے بڑے نامور فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں۔

الجامع الصغیر:۔

اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام اعظم کے اقوال لکھے ہیں۔

ان کے علاوہ فقہ میں امام محمد کی مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

السیر الصغیر، السیر الکبیر، زیادات، کتاب الحج، کتاب النوادر، الاحتجاج علی مالک، الاکتساب فی الرزق المستطاب، الجرجانیات، الرقیات فی المسائل، عقائد الشیبانیہ، کتاب الاصل فی الفروع، کتاب الاکراہ، کتاب الحیل، کتاب السجلات، کتاب الشروط، کتاب الکسب، الکیسانیات، مناسک الحج، انوار الصیام، الہارونیات وغیرہم۔

اخلاق و کردار:۔

امام محمد اپنے علم و فضل کی طرح اخلاق و کردار میں بھی امتیازی شان کے مالک تھے وہ

نہایت شائستہ مہذب، متواضع، خلیق، صالح، عابد وزاہد انسان تھے کسی کی ایذا رسانی نہ کرتے۔ دوسروں کی امداد و مدارات آپ کا شیوہ تھا۔ فیاضی وسخاوت حلم و بردباری، جرأت وحق گوئی، خوف آخرت آپ کا شعار حیات تھا امام شافعی فرماتے ہیں:

"مارأیت اعقل ولا افقه ولا ازهد ولا اورع ولا احسن نطقاً وایراداً من محمد بن الحسن" میں نے امام محمد جیسا عاقل فقیہ زاہد ومتقی خوش تقریر اور بحث ونقد کرنے والا نہیں دیکھا۔ (تہذیب الاسماء)

امام محمد بڑے عابد وزاہد تھے وہ رات کے تین حصے کرتے ایک حصہ میں درس وتدریس دوسرے حصہ میں آرام فرماتے اور تیسرے حصہ میں عبادت کرتے روزانہ ایک ثلث قرآن کی تلاوت کرتے۔ کبھی کبھی وہ پوری رات بیدار رہتے۔ ایک دفعہ امام محمد اور امام شافعی نے ایک ہی جگہ رات گذاری اور بعض کتابوں میں ہے کہ امام محمد امام شافعی کے مہمان ہوئے امام شافعی تو رات بھر نفلیں پڑھتے رہے لیکن امام محمد ساری رات لیٹے رہے امام شافعی کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی۔ صبح کی نماز کے لیے اپنے استاذ کے وضو کے واسطے پانی رکھا۔ امام محمد نے بغیر جدید وضو کے نماز جو پڑھی تو مزید تعجب ہوا پھر سبب پوچھا امام محمد نے فرمایا تم نے تو اپنے ذاتی نفع کے واسطے ساری رات عبادت کی مگر میں نے پوری امت محمدیہ کے لیے ساری رات جاگ کر کتاب اللہ سے ایک ہزار سے زائد مسائل نکالے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں اپنی ساری رات کی عبادت اور شب بیداری کو بھول گیا کیوں کہ عبادت کرتے ہوئے جاگنا اتنا دشوار نہیں جتنا لیٹ کر جاگنا۔ (کردری ج ۲ ص ۱۵۹)

وفات: خلیفہ ہارون رشید آپ کو اپنے ساتھ رے (قم) لے گیا جہاں ۵۸/سال کی عمر پاکر پیکر علم ودانش امام نے ۱۸۹ھ میں اس دار فانی کو خیر آباد کہا۔ اسی دن مشہور امام نحو کسائی نے بھی وہیں وفات پائی۔ ہارون رشید کو بہت رنج ہوا اور افسوس کے ساتھ کہا آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو "رے" میں دفن کردیا"۔

رے کے مشہور قلعہ جبل طبرک میں سپرد خاک کیا گیا۔

(۱۶) حضرت امام اسماعیل بن عُلَیَّہ رضی اللہ عنہ

۱۱۰ھ ۱۹۳ھ

ابو بشر اسماعیل بن ابراہیم معروف بابن علیہ کے دادا مقسم خراسان اور زابلستان کے

درمیان ایک جنگ میں گرفتار ہوئے اور غلام بنائے گئے۔ ابراہیم بن مقسم، عبدالرحمٰن بن قطبہ کے آزاد کردہ غلام تھے جو کوفہ میں تجارت کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بصرہ آنا جانا ہوتا تھا جہاں انہوں نے بنوشیبان کی ایک کنیز علیہ بنت حسان سے شادی کی جو علم وفضل کے اعتبار سے بہت ممتاز خاتون تھیں۔ بصرہ کے بڑے بڑے علماء وفقہاء ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ خطیب بغدادی ان کے فضائل وکمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کانت امرأة نبیلة عاقلة برزة لها دار بالعوقه تعرف بها و کان صالح المری وغیره ومن وجوه البصرة وفقهائها یدخلون علیها تبدر لهم وتحادثهم وتسائلهم" وہ بڑی شریف اور عقل مند خاتون تھیں ان کا مکان عوقہ میں تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا وہاں صالح مری اور بصرہ کے دوسرے ممتاز لوگ اور فقہاء ان کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے وہ برآمد ہو کر ان سے بات چیت اور سوال وجواب کرتی تھیں۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳)

شادی کے بعد ابراہیم بن مقسم نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جہاں ۱۱۰ھ میں حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ ماں کی علمی جلالت کے مدنظر آپ ابن علیہ کی کنیت سے مشہور ہوئے۔

تحصیل علم:۔

عالمہ فاضلہ ماں کی آغوش تربیت میں پروان چڑھنے والے اس محدث نے ابتدائی تعلیم گھر پر پائی پھر ان کی والدہ نے انہیں بصرہ کے محدث عبدالوارث جوادی کی خدمت میں پیش کیا اور کہا "یہ میرا بیٹا ہے اسے آپ اپنی خدمت میں رکھیں تاکہ آپ جیسا عالم وفاضل ہو جائے" عبدالوارث نے ہونہار اسماعیل کو اپنا شاگرد بنا لیا اور اپنے ساتھ علماء ومحدثین کی مجلسوں میں لے جاتے اس طرح انہوں نے بصرہ کے ممتاز شیوخ سے علم حاصل کیا اور وہ اپنے استاذ عبدالوارث پر فوقیت لے گئے۔ ابراہیم حربی بیان کرتے ہیں "ابن علیہ بڑے ہوئے تو اس میں اہل بصرہ کو شک نہیں تھا کہ وہ عبدالوارث سے زیادہ ثبت اور ثقہ فی الحدیث ہیں"۔ (ایضا)

ابن علیہ نے جن باکمال ہستیوں سے فیض پایا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

عبدالعزیز بن صہیب، سلیمان تیمی، حمید الطویل، عاصم الاحول، ایوب، ابن عون، ابوریحانہ، جریری، ابن ابی نجیح، معمر، عوف اعرابی، ابوتیاح، یونس بن عبید (تہذیب ج ۱ ص ۲۴۱)

علم وفضل:۔

اسماعیل بن علیہ نے اپنے دامن میں علمی جواہر پاروں کو اس طرح چن لیا تھا کہ وہ اپنے

عہد کے نامور عالم بن گئے تھے اور جملہ علوم وفنون میں دستگاہ بہم پہونچالی تھی ان کا خاص میدان علم حدیث تھا۔ وہ قوت حفظ وضبط کے مالک تھے انہیں قلم وقرطاس کا مرہون منت نہ ہونا پڑا وہ شیوخ سے سنی ہوئی حدیثوں کو سفینہ کے بجائے سینہ میں محفوظ کرتے تھے اور انہیں ساری حدیثیں اس طرح مستحضر رہتیں کہ کبھی نقل وروایت میں تسامح نہ ہوتا۔ وہیب کا بیان ہے۔ اسماعیل بن ابراہیم کا حفظ اور عبدالوہاب کی کتاب دونوں برابر ہیں"۔ زیاد بن ایوب کہتے ہیں۔ "ما رأیت لابن علیة کتابا قط" میں نے کبھی ابن علیہ کے پاس کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ (تذکرہ ج۱ص۳۹۶)

ابوداؤد کہتے ہیں "ما احد الاوقد اخطأ الا ابن علیة وبشر بن مفضل" کوئی ایسا شخص نہیں جس نے حدیث میں خطا نہ کی ہو مگر اسماعیل بن علیہ اور بشر بن مفضل۔ (ایضاً)

تحصیل علم کے زمانہ ہی میں ان کے معاصرین ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ حاتم بن وردان کا بیان ہے کہ یحییٰ، اسماعیل، وہیب اور عبدالوہاب یہ چاروں ایک ساتھ حضرت ایوب کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ درس سے فارغ ہوکر جب یہ اٹھتے تو سب اسماعیل بن علیہ کے گرد جمع ہوجاتے اور شیخ کی روایتوں کے بارے میں ان سے سوال کرتے کہ یہ روایت کس طرح کی ہے؟ اس بارے میں کیا کہا اور اس سے شیخ کی کیا مراد تھی اسماعیل ان سب کا جواب دیتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج۶ص۲۳۲)

علماء ومحدثین نے ابن علیہ کے فضل وکمال اور ان کی محدثانہ عظمت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

۞ یونس بن بکیر: "ابن علیة سید المحدثین" ابن علیہ محدثین کے سردار ہیں۔ (تہذیب ج۱ص۲۴۱)

۞ ابن مہدی "ابن علیة اثبت من هشیم" ابن علیہ ہشیم سے زیادہ پختہ کار ہیں۔ (ایضاً)

۞ قطان "ابن علیة اثبت من وهیب" ابن علیہ وہیب سے زیادہ پختہ کار ہیں۔ (ایضاً)

۞ احمد بن حنبل: "الیه المنتهیٰ فی التثبت بالبصرة فاتنی مالک فاخلف الله علی سفیان وفاتنی حماد بن زید فاخلف الله علی اسماعیل ابن علیه" ابن علیہ بصرہ کے اندر تثبت میں ممتاز تھے مالک نے وفات پائی تو اللہ نے میرے لیے سفیان کو ان کا جانشین بنایا اور حماد بن زید نے وفات پائی تو اللہ نے ابن علیہ کو میرے لیے ان کا قائم مقام بنایا۔ (ایضاً)

۞ غندر: "نشأت فی الحدیث یوم نشأت ولیس احد یقدم علی اسماعیل بن علیة" میں نے علم حدیث کی فضا میں نشو ونما پائی اور اس علم میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے ابن علیہ پر

فضیلت حاصل ہو۔ (ایضاً)

۞ یحیٰ بن معین: "**کان ثقة مامونا صدوقاً مسلماً ورعاً تقیاً**" ابن علیہ ثقہ، مامون، (محفوظ) صدوق، کامل، پرہیزگار اور متقی تھے۔ (ایضاً)

۞ قتیبہ: "لوگ کہتے تھے محدث چار ہیں۔ اسماعیل بن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع، وہیب"۔ (ایضاً)

ہشیم کہتے ہیں ایک بار بصرہ کے محدثین جمع ہوئے تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا۔ "**نحوا عنا اسماعیل وھاتوا من شئتم**" تم لوگ اسماعیل بن علیہ کے علاوہ جسے چاہو سامنے لاؤ ہم کو علم و فضل میں ان سے کم نہ پاؤ گے۔ (ایضاً)

۞ ابن سعد: "**کان ثقة ثبتاً فی الحدیث حجة**" وہ حدیث میں معتبر، ثابت اور حجت تھے۔ (ایضاً)

۞ یعقوب بن شیبہ: "**اسماعیل ثبت جداً**" اسماعیل بہت پختہ کار ہیں۔ (ایضاً)

۞ عثمان بن ابی شیبہ: "**ابن علیة اثبت من الحمادین ولا اقدم علیه احداً من البصریین لا یحییٰ ولا ابن مهدی ولا بشر بن مفضل**" ابن علیہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ سے پختہ کار تھے میں بصری محدثین میں کسی کو ان پر مقدم نہیں کرتا نہ یحیٰ نہ ابن مہدی اور نہ بشر بن مفضل کو۔ (ایضاً)

۞ یزید بن ہارون: "**دخلت البصرة وما بها خلق یفضل علی ابن علیة فی الحدیث**" میں بصرہ آیا وہاں فن حدیث میں ابن علیہ سے بڑھ کر کوئی آدمی نہ تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۶)

ابن علیہ کی عظمت فی الحدیث کا یہ عالم تھا کہ کبار محدثین بھی ان کی مخالفت فی الحدیث سے ڈرتے تھے۔ عفان کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حماد بن سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے کوئی حدیث پڑھی اور اس میں ان سے ایک غلطی ہوگئی کسی نے ان سے کہا کہ اس حدیث میں آپ کی مخالفت کی گئی ہے، دریافت کیا کس نے مخالفت کی ہے؟ جواب ملا حماد بن زید نے۔ حماد بن سلمہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی توجہ نہ کی پھر کسی نے کہا ابن علیہ بھی اس میں آپ کے مخالف ہیں یہ سنتے ہی حماد بن سلمہ کھڑے ہوئے اور گھر میں تشریف لے گئے پھر باہر آ کر فرمایا اس حدیث میں ابن علیہ ہی کا قول معتبر ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۳)

تلامذہ:۔

ابن علیہ نے بصرہ میں حلقۂ درس قائم کیا ان کے گرد ہزاروں تشنگان علوم جمع ہوتے رہے ان کے تلامذہ کی صفوں میں ایسے مقتدر اصحاب علم بھی تھے جو آسمان علم پر چاند سورج بن کر چمکے اور ان کی تابانیوں سے ایک عالم منور ہوا۔ ان کے اہم تلامذہ یہ ہیں:

شعبہ، ابن جریج، (جو ان کے شیوخ میں سے تھے)، بقیہ، حماد بن زید، ابراہیم بن طہمان، ابن وہب، شافعی، احمد، یحیٰی، علی، اسحاق، فلاس، ابو معمر ہذلی، ابوخیثمہ، علی بن حجر، ابن نمیر، ابوعمران موسیٰ بن سہیل، عبدالرحمن بن مہدی، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، بندار، اسحاق، ابن ابی شیبہ۔ (تہذیب ج ۱ ص ۲۴۱، تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۶)

ابن علیہ شاگردوں پر حد درجہ مہربان تھے وہ ان کے سوالوں پر خفا نہ ہوتے بلکہ خوشی کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے۔ امام احمد فرماتے ہیں: زید بن حباب نے ایک بار مجھ سے کہا کہ مجھے ابن علیہ سے استفادہ کا موقع دیجئے۔ میں نے ابن علیہ کی روایات کے مجموعے ان کے سامنے پیش کر دیئے ابن حباب اس میں سے لوگوں کی راویوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرنے لگے جیسے ابن عون عن محمد، یا خالد عن ابی قلابۃ پھر وہ ابن علیہ کے پاس گئے اور ان احادیث کے بارے میں سوال کرنے لگے ابن علیہ ان سے بہت خوش ہوئے اس لیے کہ وہ اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ان سے احادیث مسندہ اور ان کی اسناد کے بارے میں سوال کیا جائے۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۴)

فقہ:۔

وہ ایک ماہر فقیہ تھے۔ شعبہ کا بیان ہے "اسماعیل ابن علیة ریحانة الفقها" اسماعیل بن علیہ ریحانۃ الفقہاء تھے۔ (تہذیب ج ۱ ص ۲۴۱)

فقہی مہارت وکمال کے سبب انہیں بصرہ کے صدقات کا انتظام سونپا گیا پھر بغداد کے محکمۂ فوجداری کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔ اخیر میں بغداد کے منصب قضا پر فائز ہوئے مگر زیادہ دنوں تک اس عہدے پر قائم نہ رہ سکے عبداللہ بن مبارک کی ناراضگی کا علم ہوا تو منصب قضاء سے استعفاء دے دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک تجارت کیا کرتے تھے مگر ان کا مقصد ذاتی منفعت نہ ہوتا بلکہ وہ منافع سے علماء کی خدمت کیا کرتے تھے چنانچہ وہ خود کہتے ہیں "اگر سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، فضیل بن سماک اور ابن علیہ یہ پانچ حضرات نہ ہوتے تو میں تجارت نہیں کرتا"۔

ابن علیہ جب بغداد کے قاضی بنائے گئے تو عبداللہ بن مبارک وہاں تشریف لے گئے انہیں اس کا علم ہوا تو آزردہ خاطر ہوئے اور جو تحفہ ابن علیہ کے پاس بھیجا کرتے تھے موقوف کردیا۔ ابن علیہ ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے تو ان کی طرف کوئی التفات نہیں کیا ابن علیہ دیر تک بیٹھ کر واپس چلے آئے اور دوسرے دن اس مضمون کا ایک خط لکھا۔

”میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم کا منتظر تھا لیکن آپ نے مجھ سے کلام ہی نہیں کیا۔ معلوم نہیں آپ کو میری کون سی حرکت ایسی ناگوار ہوئی“۔

خط پڑھنے کے بعد عبداللہ بن مبارک نے یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

یا جاعل العلم له بازیا   یصطاد اموال المساکین
احتلت للدنیا ولذاتها   بحیلة تذهب بالدین
فصرت مجنونا بها بعدما   کنت دواءً للمجانین
این روایاتک فی سردها   فی ترک ابواب السلاطین
ان قلت اکرهت فذا باطل   زل حمار العلم فی الطین

ترجمہ: اے علم کو غریبوں کے اموال کا شکار کرنے والے باز بنانے والے تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا حیلہ اختیار کرلیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا۔ پہلے تو تو پاگلوں کے لیے دوا کا حکم رکھتا تھا لیکن اب تو خود دنیا کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ بادشاہوں کے دروازے سے بے پرواہ ہو کر تیرا وہ حدیث و روایات میں مشغول رہنا کہاں ہے؟ اگر تو یہ کہے کہ مجھ کو (عہدۂ قضاء کے قبول کرنے پر) مجبور کردیا گیا تو یہ عذر سراسر باطل ہے۔ اب تو بہر حال علم کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا ہے۔

امام اسماعیل نے جب یہ اشعار پڑھے زار و قطار رونے لگے مجلس قضاء سے اٹھ کر ہارون رشید کے پاس پہونچے عہدۂ قضاء سے استعفاء دیتے ہوئے کہا خدا کے لیے آپ میری کبرسنی پر رحم فرمایئے اس لیے کہ میں خطا پر زیادہ صبر نہیں کرسکتا۔ ہارون رشید نے کہا معلوم ہوتا ہے تم کو اس مجنون (ابن مبارک) نے بہکا دیا ہے آپ نے فرمایا بہکایا نہیں بلکہ انہوں نے مجھ کو ایک مصیبت سے نجات دلا دی ہے میری دعا ہے کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ اس سے رستگاری عطا فرمائے۔

ابن مبارک کو جب آپ کے استعفے کا علم ہوا تو خوش ہوئے اور حسب سابق ایک تھیلی ابن علیہ کی خدمت میں بھیج دی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۳ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۵)

زہد و عبادت:۔

ابن علیہ زہد و عبادت کے لحاظ سے بھی معاصرین میں اونچا مقام رکھتے تھے ان پر خوف خدا اس درجہ غالب تھا کہ وہ ہنستے نہ تھے علی بن مدینی کہتے ہیں۔ "بت عندہ لیلۃ فقراء ثلث القرآن ما رایتہ ضحک قط" میں نے ان کے پاس رات گذاری تو انہوں نے ایک تہائی قرآن پڑھا میں نے ان کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۱ ص ۲۴۳)

ابن عمرو بن زرارہ کہتے ہیں میں چودہ سال ابن علیہ کی خدمت میں رہا لیکن اس مدت میں ان کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۵)

وہ قرآن حکیم کی تلاوت کے بڑے شائق تھے۔ عبادت و ریاضت میں صغر سنی ہی سے مشہور ہو گئے تھے۔

وفات:۔ ذی قعدہ ۱۹۳ھ میں آپ نے وصال فرمایا:

(۱۷) حضرت امام حفص بن غیاث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۱۷ھ ۱۹۴ھ

نام حفص، ابو عمر کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک بن حارث بن ثعلبہ نخعی۔ آپ یمن کے قبیلہ نخع سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ایک شاخ کوفہ میں آباد ہو گئی تھی۔ آپ کی ولادت ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔

تحصیل علم:۔

حفص نے مرکز علم کوفہ میں آنکھ کھولی تھی جہاں کا ذرہ ذرہ علم کی تابانیوں سے جگمگا رہا تھا۔ آپ نے فطری استعداد کے ساتھ تحصیل علم کے کوچے میں قدم رکھا اور مشاہیر علم کی بارگاہوں سے علم و فن کی تحصیل کی۔ ان کے شیوخ و اساتذہ یہ ہیں:

طلق، اسماعیل بن ابی خالد، اشعث، ابو مالک اشجعی، سلیمان تیمی، عاصم الاحول، عبید اللہ بن عمر، مصعب بن عمیر، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، اعمش، ثوری، جعفر صادق، برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ، ابن جریج، لیث بن ابی سلیم۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۵۸)

علم وفضل:۔

اپنے عہد کے مقتدر شیوخ سے کسب علم نے حفص کے علمی درجے کو بہت اونچا کر دیا تھا۔ خاص طور سے حدیث وفقہ میں ان کا پایہ کافی بلند تھا ان کی ثقاہت اور جلالت فی الحدیث کا اعتراف ائمہ فن نے اس طرح کیا ہے۔

- عجلی: ”**ثقة، فقيه، مامون**“ وہ ثقہ، فقیہ اور مامون تھے۔ (ایضاً)
- یحیٰ بن سعید: ”**اوثق اصحاب الاعمش**“ اعمش کے شاگردوں میں حفص بن غیاث سب سے زیادہ معتبر ہیں۔ (ایضاً)
- ابن نمیر: ”**کان حفص اعلم بالحدیث من ابن ادریس**“ حفص، ابن ادریس سے بڑے عالم حدیث تھے۔ (ایضاً)
- ابوحاتم: ”**حفص اتقن واحفظ من ابی خالد الاحمر**“ حفص ابوخالد احمر سے بڑے متقن اور حافظ ہیں۔ (ایضاً)
- ابن سعد: ”**کان ثقة ماموناً کثیر الحدیث**“ حفص ثقہ مامون اور کثیر الحدیث تھے۔ (ایضاً)
- ابن معین: ”**کان حفص بن غیاث صاحب حدیث له معرفة**“ حفص ابن غیاث محدث تھے اور انہیں اس میں پوری مہارت حاصل تھی۔ (ایضاً)

ابن معین، ابن خراش اور نسائی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

حضرت حفص کو ہزاروں حدیثیں ازبر تھیں ان کا علمی پایہ ان کے شیوخ سے بھی بلند تھا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں ”**کان حفص کثیر الحدیث حافظاً له ثبتاً فيه و کان ايضاً مقدما عند المشائخ الذين سمع منهم الحديث**“ حفص بن غیاث کثیر الحدیث، حافظ اور ثقہ تھے یہاں تک کہ وہ اپنے شیوخ سے بھی بلند مرتبہ تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۸ ص ۱۹۴)

انہوں نے علم کی اشاعت میں بڑی فیاضی سے کام لیا وہ سخاوت کا پیکر تھے۔ اپنے اصحاب کو کھانا کھلاتے ابوجعفر مسندی کا بیان ہے ”**کان حفص بن غياث من اسخى العرب و کان يقول من لم ياكل من طعامي لا احدثه واذا کان يوم ضيافته لا يبقى راس فى الرواسين**“ حفص تمام عربوں سے زیادہ سخی تھے فرمایا کرتے تھے جو میرا کھانا نہیں کھائے گا میں

اسے حدیث نہیں پڑھاؤں گا جب وہ دعوت کرتے تو رواسیوں کے محلہ میں ایک آدمی پیچھے نہ رہتا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۴)

آپ کا حافظہ بہت قوی تھا ہزاروں حدیثیں سند کے ساتھ حافظے میں محفوظ تھیں اور اپنے تلامذہ کو کتاب کے بغیر حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

ابن معین کہتے ہیں: ”**جمیع ما حدث بہ حفص ببغداد و با الکوفۃ فمن حفظہ لم یخرج کتابا کتبوا عنہ ثلاثۃ آلاف واربعۃ آلاف حدیث من حفظہ**“ بغداد اور کوفہ میں حفص نے جتنی بھی حدیثیں روایت کیں سب صرف اپنے حافظہ سے بغیر کتاب کے بیان کیں لوگوں نے اس طرح ان سے تین یا چار ہزار حدیثیں لکھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۴)

مگر عہدۂ قضاء کی مصروفیات سے بعض لوگوں کے نزدیک ان کے حافظہ میں خلل واقع ہوگیا تھا چنانچہ ابوزرعہ کا بیان ہے ”**ساء حفظہ بعد ما استقضیٰ فمن کتب عنہ من کتابہ فھو صالح** “ قاضی بن جانے کے بعد وہ سوء حافظہ کا شکار ہوگئے تھے اس لیے جو ان کی کتاب سے روایت کرے وہ قابل قبول ہے۔ (تہذیب ج ۲ ص ۳۵۸)

تلامذہ:۔

آپ کا حلقۂ درس کافی وسیع تھا جس میں طالبان علوم کی بڑی تعداد شریک ہوتی چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

احمد، اسحاق، علی ابوبکر بن ابی شیبہ، یعقوب بن ابی شیبہ، ابن معین، ابونعیم، ابوداؤد حضری، ابو خیثمہ، عفان، ابوموسیٰ، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، عمرو بن محمد ناقد، ابوکریب، عمر بن حفص بن غیاث، حسن بن عرفہ، یحییٰ قطان، یعقوب دورقی، احمد عطاردی، (تہذیب ج ۲ ص ۳۵۸، تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۴)

فقہ وقضاء:۔

حفص حدیث کی طرح فقہ میں بھی کامل درک رکھتے تھے عجلی کہتے ہیں ”**ثبت فقیہ البدن**“ (تہذیب ج ۲ ص ۳۵۹)

ان کی فقہی بصیرت کی بنا پر ہارون رشید نے ۱۷۷ھ میں بغداد کے عہدۂ قضا پر سرفراز کیا وہ بڑی شان کے ساتھ قرآن وحدیث اور دلائل ونظائر کی بنیاد پر مقدمات کے بے لاگ فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں کسی کے عہدہ ومنصب، دولت وثروت اور اثر ورسوخ کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ ان کے فیصلوں کو بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

اسی دوران قاضی حفص نے ایک قرضدار مجوسی سردار کے مقدمہ میں دلائل وشواہد کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۲۹ ر ہزار کے اس قرض کا کچھ تعلق ام جعفر سے بھی تھا چنانچہ اس نے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ قاضی حفص کو معزول کر دیں لیکن ہارون رشید اس کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوا بلکہ وہ اس بے لاگ فیصلہ سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے حفص بن غیاث کو ۳۰ ر ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

لیکن بعد میں جب ام جعفر کا دباؤ بڑھا تو ہارون نے قاضی حفص کو بغداد کے بجائے کوفہ کا قاضی بنا دیا جہاں وہ ۱۳ ر سال تک اس منصب کی ذمہ داریوں کو پوری دیانت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

وہ تقریباً ۱۵ ر سال منصب قضاء پر فائز رہے۔ اس پوری مدت میں جرأت، غیر جانبداری حق گوئی و بیباکی کے ساتھ زیر سماعت قضیوں کا منصفانہ فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی قسم کا دباؤ قبول نہ کرتے پوری تحقیق اور بصیرت کے ساتھ حق فیصلہ دیتے۔ انہوں نے عہدۂ قضا کی تمام تر ذمہ داریوں کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا کیا۔ علماء و محققین نے آپ کی حیثیت قضاء اور برحق فیصلوں کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وکیع بن الجراح سے کسی بات کا سوال کیا جاتا تو فرماتے "اذھبوا الیٰ قاضینا فسلوہ" ہمارے قاضی حفص کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔ کہا جاتا ہے "ختم القضاء بحفص" حفص پر قضاء کا خاتمہ ہو گیا۔ (ایضاً)

مکارم اخلاق:۔

امام حفص ایثار و استغناء، سخاوت و سیر چشمی کا پیکر تھے انہوں نے عہدۂ قضاء حق و انصاف کے قیام کے لیے قبول کیا تھا دنیاوی وجاہت یا مال و زر سمیٹنا ان کا مطمح نظر نہ تھا انہوں نے تنگ دستی و افلاس دور کرنے اور غرباء و مساکین کی کفالت کے لیے یہ منصب قبول کیا تھا وہ خود کہتے ہیں "واللہ ما ولیت القضاء حتی حلت لی المیتۃ" خدا کی قسم میں نے عہدۂ قضا قبول نہیں کیا تا آنکہ میری لیے مردار کھانا حلال ہو گیا۔ (ایضاً)

ان کا مشاہرہ تین سو درہم تھا جس سے وہ شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے مگر انہوں نے اپنی سادہ زندگی کو امراء و سلاطین کی خو بو سے الگ رکھا۔ وہ ایک سو درہم اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے نکال کر باقی رقم اہل حاجت میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

کسب حلال میں وہ اس درجہ محتاط تھے کہ خدمت کے بغیر معاوضہ قبول نہ کرتے ایک مرتبہ

بیماری کی وجہ سے کچھ دنوں دارالقضاء جا کر فرائض منصبی انجام نہ دے سکے۔ جب انہیں پورے مہینے کی تنخواہ پیش کی گئی تو سو درہم یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ یہ ان ایام کا خرچ ہے جن میں میں نے مسلمانوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

امام حفص بڑے فیاض اور سیر چشم واقع ہوئے تھے ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے ساتھ اپنے تلامذہ کو کھانا کھلاتے اور بسا اوقات عام لوگوں کی دعوت بھی کیا کرتے تھے امام وکیع کہا کرتے تھے "کان سخیا عفیفا مسلماً" اسی سخاوت کی وجہ سے ساری عمر تنگ دستی میں بسر ہوئی جب وفات پائی تو ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا بلکہ ۹۰۰ درہم کے مقروض تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۴)

وفات:۔

وفات سے دو سال قبل عہدۂ قضا سے سبکدوش ہو گئے اور آخری ایام میں فالج میں مبتلا ہوئے بالآخر ۱۰ رذی الحجہ ۱۹۴ھ کو امین کی خلافت میں وصال فرمایا۔ حاکم کوفہ فضل بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۱۸) حضرت امام ولید بن مسلم دمشقی رضی اللہ عنہ

۱۱۹ھ وفات: ۱۹۵ھ

امام ابو العباس ولید بن مسلم دمشقی آپ کے والد بنو امیہ کے شاہی غلام تھے اس لیے اموی کہلاتے ہیں وطن دمشق تھا وہیں ۱۱۹ھ میں ولادت ہوئی۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۸)

تحصیل علم:۔

ولید بن مسلم نے شام کے مرکزی شہر دمشق میں آنکھ کھولی تھی جو ان دنوں اموی خلفاء کا پایۂ تخت تھا بڑے بڑے امراء اور ارباب ثروت کے ساتھ یہ شہر کبار تابعین، ائمہ محدثین اور ارباب علم و دانش بزرگوں کا مسکن بھی تھا جہاں شب و روز علم و فن کے چرچے رہتے تھے۔ حضرت ولید نے پورے ذوق و شوق کے ساتھ تحصیل علم کا سلسلہ شروع کیا اور وقت کے جلیل القدر ائمہ حدیث و فقہ، سیر و مغازی سے اکتساب فیض کیا انہوں نے بعض اساتذہ کی خدمت میں طویل عرصہ بسر کیا، خود ان کا بیان ہے میں سترہ سال تک جابر کی صحبت میں رہا ولید فقیہ شام حضرت امام اوزاعی کے تلمیذ خاص تھے

مروان بن محمد کہا کرتے تھے "اذا کتبت حدیث الاوزاعی عن الولید فماتبالی من فاتک" کہ جب ولید کے واسطے سے امام اوزاعی کی روایت کسی کو مل جائے تو اسے لے کر کسی اور راوی کے چھوٹنے کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۴)

جن بزرگوں سے ولید بن مسلم نے تحصیل علم کی ان کے نام یہ ہیں:

جریر بن عثمان، صفوان بن عمرو، امام اوزاعی، ابن جریج، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، سعید بن عبدالعزیز، ثوری، عبداللہ بن علاء بن زبر، ثور بن یزید، حنظلہ بن ابی سفیان، بکر بن مضر، اسماعیل بن رافع، زہیر بن محمد تمیمی، خالد بن یزید، ابن صبیح، شیبان نحوی، عبدالرحمٰن بن نمیر، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، عبدالعزیز بن ابی رواد، عیسی بن موسی قرشی، محمد بن مہاجر دمشقی، ہشام بن حسان، موسیٰ بن ایوب غافقی، ابو غسان محمد بن مطرف، یزید بن ابی مریم شامی، یحیٰی بن حارث ذماری۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۳)

علم و فضل :۔

امام ولید نے ذاتی شوق و محنت سے دنیائے علم و فن میں وہ بلند مرتبہ حاصل کیا جو کم ہی غلام خانوادوں کو میسر ہوا۔ حدیث و مغازی میں آپ کو بڑا درک و کمال حاصل تھا وہ اہل شام کے امام تھے دیگر بلاد و امصار کے علماء و محدثین نے بھی آپ سے فیض پایا ہے۔ آپ کی جلالت شان اور علمی مرتبہ کا اعتراف وقت کے جید ائمہ فن نے کیا ہے۔

- حافظ ذہبی: "الامام الحافظ عالم اهل دمشق" بلند پایہ حافظ حدیث اور اہل دمشق کے عالم ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۹)
- ابن سعد: "الولید ثقة کثیر الحدیث والعلم" ولید ثقہ کثیر الحدیث اور کثیر العلم ہیں۔ (ایضاً)
- ابو یمان: "مارایت مثل الولید بن مسلم" میں نے ولید جیسا کوئی راوی نہیں دیکھا۔ (ایضاً)
- علی بن مدینی: "سمعت من الولید وما رایت من الشامیین مثله" میں نے ولید سے حدیث کا سماع کیا ہے اور اہل شام میں ان جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (ایضا)
- صدقہ بن فضل مروزی: "ما رایت احدا احفظ للحدیث الطویل واحادیث الملاحم من الولید وکان یحفظ الابواب" میں نے لمبی لمبی احادیث اور جنگی واقعات کو ولید

سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا انہیں احکام کی احادیث بھی خوب یاد تھیں۔ (ایضاً)

- ابوحاتم: صالح حدیث ہیں۔
- ابن عدی: ثقہ ہیں۔ (ایضاً)
- ابن ناصرالدین: ولید امام، حافظ اور دمشقیوں کے عالم تھے۔
- امام احمد بن حنبل: ”عندکم ثلاثة اصحاب، اصحاب الحدیث مروان بن محمد والولید وابو مسهر“ میں نے ابوزرعہ دمشقی سے کہا تین بزرگ واقعی اصحاب حدیث ہیں۔ مروان بن محمد، ولید بن مسلم اور ابومسہر۔ (تہذب ج۱۱ص۱۳۵)
- یعقوب بن سفیان: ”کنت اسمع اصحابنا یقولون علم الناس اسماعیل بن عیاش والولید بن مسلم فاما الولید فمضی علی سنته محموداً عند اهل العلم متقنا صحیحا صحیح العلم“ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ لوگوں کا علم صرف دو شخصوں کے پاس ہے اسماعیل بن عیاش اور ولید بن مسلم لیکن ولید کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت قابل تعریف طور پر آخر وقت تک چلتے رہے وہ اہل علم کے نزدیک پسندیدہ قابل وثوق، صحیح الحدیث اور صحیح العلم تھے۔ (تہذیب ج۱۱ص۱۳۵)
- امام نووی: ان کی جلالت علم، بلندی مرتبہ، وثوق فی الحدیث پر سب لوگ متفق ہیں۔ (تہذیب الاسماء ج۲ص۱۴۷)
- امام احمد بن حنبل: ”ما رایت اعقل منه“ میں نے ان سے بڑا عقلمند نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج۱۱ص۱۳۵)
- عجلی ویعقوب بن شیبہ: ”الولید بن مسلم ثقة“ ولید بن مسلم ثقہ ہیں۔ (ایضاً)
- ابوزرعہ رازی: ”کان الولید اعلم من وکیع بامر المغازی“ ولید مغازی میں وکیع سے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً)

تلامذہ:۔

امام ولید بن مسلم طالبان علم کا مرجع بن گئے تھے ان سے علم حاصل کرنے والوں میں بڑے بڑے ائمہ حدیث بھی شامل تھے تلامذہ کی تعداد کافی تھی چند اہم نام یہ ہیں:

لیث بن سعد، بقیہ بن ولید، حمیدی، سلیمان بن عبدالرحمٰن، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، ابوخیثمہ، داؤد بن رشید، ابراہیم بن منذر، اسحاق بن منصور انصاری، سدقہ بن فضل مروزی، دحیم

ابو قدامہ، علی بن حجر، سوید بن سعید، ابوبکر بن خلاد، محمد بن مہران حمالی، ہارون بن معروف، ہشام بن عمار، موسیٰ بن ہارون بردی، محمود بن خالد سلمی، ابو ہمام سکونی، موسیٰ بن عامر مری۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۴)

تصانیف:۔

امام ولید نے اپنے علم کو سینہ سے سفینہ میں منتقل کرنے کا کام بھی کیا اور کافی کتابیں تصنیف کیں تذکرہ نگاروں نے ان کی مصنفات کی تعداد ستر بتائی ہے جو حدیث، فقہ، تاریخ، مغازی سے متعلق ہیں ولید کی کتابوں کی افادیت کا اندازہ ابن جوصا کے بیان سے ہوتا ہے وہ کہتے ہیں "لم نزل نسمع انه من کتب مصنفات الولید صلح ان یلی القضاء" ہم لوگ برابر اس بات کو سنتے آئے ہیں کہ جو شخص ولید کی کتابوں کو پڑھے گا وہ عہدۂ قضاء کے قابل ہو جائے گا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۵)

تاریخ و مغازی میں بھی کمال رکھتے تھے اس موضوع پر بھی ان کی کتابیں تھیں۔

- ذہبی: "کان الولید بارعا فی حفظ المغازی" ولید مغازی یاد رکھنے میں بہت آگے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۹)
- ابن ندیم: "الولید بن مسلم من اصحاب السیر واحداث وله من الکتب کتاب المغازی" ولید بن مسلم علماء سیر واحداث میں سے تھے اور ان کی کتابوں میں کتاب المغازی ہے۔ (ایضاً)

سیرت و کردار:

ولید علم و عمل کے سنگم تھے وہ بلند اخلاق، صاحب زہد و تقویٰ عالم تھے یعقوب بن حموی کا بیان ہے میں نے ہشام سے ولید کے بارے میں دریافت کیا "فاقبل یصف علمه وورعه وتواضعه" تو وہ دیر تک ان کے علم و فضل، تورع اور پرہیزگاری اور تواضع کی تعریف کرتے رہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۹)

وفات:۔

حج و زیارت سے فارغ ہو کر دمشق لوٹ رہے تھے کہ اثناء راہ ذی المروہ میں بیمار پڑے اپنے ایک دوست کے مکان پر قیام کیا وہیں محرم الحرام ۱۹۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ حرملہ کہتے ہیں ولید حج سے واپسی پر میرے پاس ٹھہرے تھے اور میرے پاس ہی ذی مروہ میں ان کا انتقال ہوا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۹)

(۱۹) حضرت امام عبداللہ بن وہب رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۲۵ھ وفات ۱۹۷ھ

اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو محمد والد کا نام وہب بن مسلم تھا۔ ریحانہ مولاۃ ابو عبدالرحمٰن بن یزید بن انیس فہری کے غلام تھے۔ فہر بن مالک قرشی تھے اسی لیے آپ قرشی کہلاتے ہیں۔ آبائی وطن مصر تھا جہاں ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وشیوخ:۔

انہوں نے تعلیم کا آغاز سترہ سال کی عمر میں کیا مصر میں لیث بن سعد کی مجلس درس سے وابستہ ہوئے۔ ان کے علاوہ دیگر مشائخ مصر سے بھی حدیث وفقہ کا درس لیا مگر علم کی پیاس نہ بجھی اور وہ مکہ، مدینہ، بغداد، جا کر وہاں کے ممتاز فقہاء ومحدثین کے حلقۂ درس سے وابستہ ہوئے اور ان کے چشمۂ علم سے خوب خوب سیرابی حاصل کی۔ مشہور تابعی حضرت ہشام بن عروہ کو انہوں نے مسجد میں بیٹھا ہوا پایا جب وہ مکان تشریف لے گئے تو در دولت پر حاضر ہوئے مگر وہ آرام فرما رہے تھے اس لیے اسی وقت وہاں سے آگئے اور حج کے لیے مکہ چلے گئے واپس آئے تو ہشام کا انتقال ہو چکا تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۰)

ابن وہب نے چار سو ارباب علم وفضل سے استفادہ کیا تھا ان کے طلب علم کا سب سے بڑا زمانہ امام مالک کی خدمت میں گذرا وہ بیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں۔ "صحب الامام مالک بن انس رضی اللہ عنہ عشرین سنۃ" ابن وہب امام مالک کی صحبت میں بیس سال تک رہے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۸)

امام مالک آپ کی ذہانت اور قوت حفظ کی بنا پر اپنے شاگرد کی قدر ومنزلت کرتے تھے اور آپ کو امام کہا کرتے تھے۔ تخلیل اصابع کے بارے میں امام مالک سے کسی نے پوچھا تو آپ خاموش رہے اس مجلس میں امام ابن وہب بھی تھے انہوں نے لیث بن سعد کی سند سے تخلیل اصابع کی حدیث رسول بیان فرمائی'' جب وضو کرو تو پیر کی انگلیوں کا خلال کر لیا کرو'' اس کے بعد امام مالک سے جو کوئی یہ مسئلہ پوچھتا تو اس کو انگلیوں کے خلال کا حکم دیتے یعنی امام مالک نے اس مسئلہ میں اپنے شاگرد ابن وہب کی روایت کو قبول فرمایا تھا امام مالک جب ابن وہب کو مصر خط لکھتے تو خط کی پیشانی پر تحریر

فرماتے عبداللہ بن وہب **الی فقیہ مصر والی مفتی مصر**۔ ارباب تذکرہ کا بیان ہے کہ امام مالک نے کسی بھی شاگرد کی اتنی قدر افزائی نہیں کی۔ (ایضاً)

امام ابن وہب کے نامور اساتذہ یہ ہیں:

عمرو بن حارث، ابن ہانی، حسین بن عبداللہ معافری، بکر بن مضر، حیوۃ بن شریح، سعید بن ابی ایوب، لیث بن سعد، ابن لہیعہ، عیاض بن عبداللہ فہری، عبدالرحمٰن بن شریح، مالک، سلیمان بن بلال، یونس بن یزید، سلمہ بن وردان، سعید بن عبدالرحمٰن جمحی، ابن جریج، عمر بن محمد بن زید عمری، معاویہ بن صالح، ہشام بن سعد، داؤد بن عبدالرحمٰن عطار، سفیان ثوری، ابن عیینہ، حفص بن میسرہ۔ (تہذیب ج۶ ص۶۵)

علم و فضل:۔

امام ابن وہب نے جس بالغ نظری اور کوشش سے ارباب فضل و کمال سے علم کی تحصیل کی تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ زمرۂ تبع تابعین میں ممتاز حیثیت کے مالک بن گئے آپ امام مالک کے ممتاز تلامذہ میں تھے چنانچہ امام مالک کے بعد میں جب اہل مدینہ کسی مسئلہ یا حدیث میں اختلاف کرتے تو یہ لوگ آپ کی آمد کا انتظار کرتے ان کی رائے دریافت کرتے اور اسی پر فیصلہ ہو جاتا تھا۔

ہارون بن عبداللہ کہتے ہیں "**کان الناس بالمدینة یختلفون فی الشی عن مالک فینتظرون قدوم ابن وهب حتی یسالوه عنه**" لوگ مدینہ میں امام مالک سے مروی کسی حدیث یا مسئلہ میں اختلاف کرتے تو وہ ابن وہب کے آنے کا انتظار کرتے جب وہ مدینہ آتے تو اس کے بارے میں ان سے پوچھتے۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۶۶)

آپ کی علمی جلالت کا اعتراف ائمہ فن اور علماء نے اس طرح کیا ہے:

● عبدالرحمٰن بن قاسم: "**لو مات ابن عیینة لضربت الی ابن وهب اکباد الابل ما دون العلم احد تدوینه**"

اگر سفیان بن عیینہ کا ابن وہب کی زندگی میں انتقال ہو جاتا تو لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے ابن وہب کی خدمت میں حاضر ہوتے جس قدر محنت سے علم کی تدوین انہوں نے کی ہے کسی نے نہیں کی۔ (تذکرہ ج۱ ص۲۸۰)

● احمد بن حنبل: "**کان ابن وهب له عقل و دین و صلاح .... قیل له انه کان**

یسی الاخذ قال قد کان ولکن اذا نظرت فی حدیثه وما روی عن مشائخه وجدته صحیحاً" ابن وہب کو قدرت نے عقل، دین اور صلاح سب کچھ دیا تھا وہ حدیث کی صحت کا بڑا لحاظ رکھتے تھے کسی نے کہا مگر حدیث کے اخذ کرنے میں غلطی کرتے ہیں فرمایا کہ ہاں یہ بات ضرور ہے مگر میں نے ان کی روایتوں کے کل ذخیرہ کو جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے روایت کیا ہے پرکھا مجھے سب صحیح نظر آیا۔

- ابن خلکان: "کان احد ائمة عصره" وہ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ (وفیات ج ۲ ص ۱۸)
- ابن عیینہ: "هذا عبد الله بن وهب شیخ اهل مصره" یہ عبداللہ بن وہب اہل مصر کے شیخ ہیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۶۶)
- حارث بن مسکین: "جمع ابن وهب الفقه والروایة والعبادة ورزق من العلماء محبة وحظوة من مالک وغیره" ابن وہب نے فقہ، حدیث اور عبادت کو جمع کیا اور علماء سے محبت کی اور امام مالک وغیرہ سے حصہ پایا۔ (ایضاً)
- حارث: "ما اتیته قط الا وانا افید منه خیرا وکان لیسمی دیوان العلم" میں ابن وہب کے پاس جب بھی آیا میں نے ان سے فائدہ حاصل کیا اور انہیں علم کا دیوان کہا جاتا تھا۔ (ایضاً)
- حافظ ذہبی: "الامام الحافظ الفقیه احد الائمة الاعلام" ممتاز حافظ حدیث، نامور فقیہ اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۰)
- ابن یونس: "جمع ابن وهب بین الفقه والحدیث والعبادة" عبداللہ بن وہب نے فقہ، حدیث اور عبادت کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا۔ (ایضاً)
- ابوزید بن ابی عمر: "کنا نسمی ابن وهب دیوان العلم" ہم عبداللہ بن وہب کو علم کا دفتر کہہ کر پکارتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۸۱)

حدیث اور درس حدیث:۔

عبداللہ بن وہب حدیث میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے ایک لاکھ حدیثیں ان کی نوک زبان پر تھیں۔ ابوزرعہ کا بیان ہے: "نظرت فی نحو ثلاثین الفا من حدیث ابن وهب بمصر وغیر مصر لا اعلم انی رایت له حدیثا لا اصل له وهو ثقة" (تہذیب ج ۶ ص ۶۶)

میں نے ابن وہب کی تیس ہزار حدیثوں کو خوب اچھی طرح جانچا لیکن مجھ کو اس مجموعہ میں

کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس کی اصل نہ ہو۔ اور وہ ثقہ تھے امام وقت ابن عیینہ جب ان کا تذکرہ فرماتے تو شیخ اہل مصر کہتے۔ امام ابن وہب کے تثبت فی الحدیث اور ثقاہت واتقان پر اکابر علم کا اتفاق ہے۔

ابن معین اور امام نسائی وغیرہ آپ کو ثقہ کہتے ہیں خلیلی ثقہ اور متفق علیہ کہتے ہیں۔ ساجی صدوق ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۶۶)

۞ ابو حاتم: "صالح الحدیث صدوق احب الی من الولید بن مسلم و اصح حدیثا منہ بکثیر" وہ صالح الحدیث اور صدوق ہیں۔ میرے نزدیک ولید بن مسلم سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور ان سے بہت زیادہ صحیح الحدیث ہیں۔ (ایضاً)

۞ ابن حبان: "جمع ابن وہب وصنف وحفظ علی اہل الحجاز مصر حدیثہم" ابن وہب نے حدیثیں جمع کیں اور تصنیف کی اور اہل حجاز و مصر کی حدیثوں کو یاد کیا۔ (ایضاً)

۞ ابن عدی: "ابن وہب من اجلۃ الناس وثقاتہم وحدیث الحجاز ومصر یدور علی روایۃ ابن وہب" ابن وہب لوگوں میں بڑی شان والے اور لوگوں میں ثقہ ہیں۔ حجاز اور مصر کی حدیثیں ابن وہب کی سند پر گردش کرتی ہیں۔ (ایضاً)

۞ عجلی: "مصری ثقۃ صاحب سنۃ رجل صالح صاحب آثار" ابن وہب مصر کے رہنے والے ثقہ صاحب سنت نیک مرد اور صاحب آثار ہیں۔ (ایضاً ص ۶۷)

۞ ابن سعد: "عبد اللہ بن وہب کان کثیر العلم ثقۃ" عبداللہ بن وہب صاحب علم اور ثقہ تھے۔ (ایضاً)

ابن وہب جو حدیثیں سنتے اسے قلم بند بھی کر لیا کرتے تھے انہوں نے مؤطا امام مالک بھی مدون کی تھی یہ اور بات ہے کہ ابن وہب کے نسخہ مؤطا کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہوئی جو یحییٰ کے نسخہ مؤطا کو ہوئی مگر خود یحییٰ نے امام مالک کی وفات کے بعد ان کے تلامذہ میں سب سے پہلے ابن وہب سے مؤطا کا سماع کیا تھا اس طرح یحییٰ کی تدوین میں بھی ابن وہب کا ہاتھ تھا۔

عبداللہ بن وہب نے عمر کا ایک حصہ تحدیث روایت کے لیے مخصوص کر رکھا تھا ابن سحنون کا بیان ہے ابن وہب نے اپنا زمانہ (سال) تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک حصہ جہاد میں مصروف رہتے ایک حصہ میں لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دیتے اور ایک حصہ حج کے لیے وقف کر رکھا تھا انہوں نے ۳۶ حج کیے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۱)

امام مالک کی وفات کے بعد مؤطا کے سماع کے لیے سب سے پہلے تشنگان علم نبوت انہیں کی جانب متوجہ ہوئے آپ نے ایک لاکھ حدیثوں کا درس دیا۔

❁ احمد بن صالح کہتے ہیں: " **ما رایت احدا اکثر حدیثا منه حدث بمائة الف حدیث وقد وقع عندنا سبعون الف حدیث** " میں نے کسی کے پاس ان سے زیادہ احادیث نہیں دیکھیں انہوں نے ایک لاکھ احادیث کا درس دیا میں نے ان سے ستر ہزار احادیث سیکھیں۔ آپ کے حلقۂ درس سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد کثیر ہے کچھ اسماء تلامذہ یہ ہیں:

احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب، لیث بن سعد، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبد اللہ بن یوسف، تیمیی، احمد بن صالح مصری، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، علی بن مدینی، سعید بن ابی مریم، یحییٰ بن بکیر، ابراہیم بن منذر، اصغ بن فرجع ابو طاہر بن سرج، حرملہ بن یحییٰ، قتیبہ، عیسیٰ بن حماد زغبہ، ہارون بن معروف، یحییٰ بن ایوب، محمد بن مسلمہ مرادی، بحر بن نصر خولانی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، یونس بن عبدالاعلیٰ، ربیع بن سلیمان۔ (تہذیب ج٦ ص٦٥)

فقہ:۔

ابن وہب کو حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی کمال حاصل تھا ابن یونس کہتے ہیں ابن وہب فقہ، حدیث اور عبادت تینوں کے جامع تھے۔

❁ محمد بن عبداللہ بن حکم کا بیان ہے کہ " **کان ابن وهب افقه من ابن القاسم** " ابن وہب ابن قاسم سے بڑے فقیہ تھے۔ (تہذیب ج٦ ص٦٧)

ابن وضاح کا بیان ہے امام مالک عبداللہ بن وہب کے پاس لکھتے فقیہ مصر امام مالک نے وہب کے علاوہ کسی کو فقیہ مصر نہیں لکھا (ایضاً) ابن وہب کی فقہی عظمت پر امام مالک جیسے جلیل القدر مجتہد وفقیہ کی سند کافی ہے فقہی وعلمی کمالات کی بنا پر خلیفہ نے آپ کو قاضی بنانے کا ارادہ کیا جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ خانہ نشیں ہو گئے اسی دوران اسد بن سعد نے ان کو اپنے گھر کے صحن میں وضو کرتے دیکھ لیا تو کہنے لگے کیا آپ اسے پسند نہیں کرتے کہ باہر نکل کر لوگوں کو اللہ کی کتاب اور سنت کے مطابق حکم دیں؟ آپ نے یہ سن کر سر اٹھایا اور جواب دیا "**الی ههنا انتهی عقلک ؟ اما علمت ان العلماء یحشرون مع الانبیاء وان القضاة یحشرون مع السلاطین؟**" کیا تمہاری عقل بس اتنی ہی ہے کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ قیامت میں علماء انبیاء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور قضاۃ کا حشر سلطان کے ساتھ ہوگا (ابن خلکان ج٢ ص١٨)

ابن خلکان نے سلطان کا نام ذکر نہیں کیا مگر تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی نے ابن وہب کے بھتیجے کا قول نقل کیا ہے کہ عباد بن محمد نے آپ کو قاضی بنانا چاہا تھا اور میرے چچا ابن وہب روپوش ہو گئے تھے جس سے وہ ناراض ہوا اور غصہ میں آ کر ابن وہب کے مکان کا کچھ حصہ منہدم کرا دیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۱)

احمد کہتے ہیں صباحی نے استخفاف کی نیت سے عباد سلطان سے کہا اس میں کون سی اتنی قابلیت ہے کہ عہدۂ قضا سنبھال سکے میرے چچا ابن وہب کو پتہ چلا تو انہوں نے اس کے حق میں اندھا ہو جانے کی دعا کی وہ ایک ہفتہ بعد نابینا ہو گیا۔ (ایضاً)

عباد بن محمد کوئی خلیفہ نہیں گذرا اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عباد بن محمد ممکن ہے مصر کا حاکم رہا ہو۔

وفات:۔

ابن وہب پر خوف خدا ہمیشہ طاری رہتا قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ چھڑ جاتا تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے احمد بن سعید ہمدانی کا بیان ہے ایک بار ابن وہب حمام میں داخل ہوئے کسی کو "واذ یتحاجون فی النار" پڑھتے سنا تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۷) خوف خدا کی ہی شدت ان کی موت کا سبب بنی قیامت کی ہولناکیوں پر ان کی مرتب کتاب کسی نے ان کی مجلس میں پڑھنی شروع کی ایسا اثر ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اٹھا کر گھر لائے گئے اسی حالت میں جاں بحق ہوئے وفات شعبان ۱۹۷ھ میں ہوئی وقت کے امام سفیان بن عیینہ کو جب سانحہ ارتحال کی خبر ملی تو "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور درد و کرب کے عالم میں فرمایا "اصیب بہ المسلمون عامۃ واصبت بہ خاصۃ" ابن وہب کی موت سے مسلمانوں کو عام طور پر اور مجھے خاص طور پر سخت صدمہ پہونچا ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۱)

(۲۰) حضرت امام وکیع بن جراح رواسی کوفی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۱۹ھ وفات ۱۹۷ھ

اسم گرامی وکیع، کنیت ابو سفیان سلسلۂ نسب یہ ہے: وکیع بن جراح بن ملیح بن عدی بن فرس بن سفیان بن حارث بن عمر بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ آپ کا مولد

کوفہ ہے وہیں نشوونما پائی جہاں آپ کے والد بیت المال کے نگراں تھے۔ ولادت ۱۱۹ھ یا ۱۲۹ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم وفن:۔

امام وکیع نے جس دور کے کوفہ میں آنکھ کھولی تھی وہ فقہاء، علماء، محدثین اور ادباء وشعراء کا بہت بڑا مرکز بن چکا تھا ہر گلی کوچے قال اللہ وقال الرسول کے غلغلوں سے معمور تھے اور جہاں کے چپہ چپہ سے دانش وبینش کے چشمے پھوٹ رہے تھے ایسے معارف پرور ماحول میں وکیع نے اپنی فطری استعداد اور قوت حفظ وضبط کو بروے کار لاکر علم دین کی تحصیل میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔

قدرت نے انہیں حفظ وذکاوت کی غیر معمولی قوت عطا فرمائی تھی ان کی ذکاوت وذہانت کے جوہر بچپن ہی سے کھلنے لگے تھے زمانہ طالب علمی میں ایک حدیث کسی شیخ سے سنی تھی وہ عمر بھر ان کے حافظہ میں محفوظ رہی۔ قاسم جرمی کا بیان ہے "کان سفیان یدعو وکیعا وھو غلام فیقول ای شیء سمعته فیقول حدثنی فلان کذا قال وسفیان یتبسم ویتعجب من حفظه" سفیان ثوری اپنے شاگرد وکیع کو دیکھ کر پوچھتے جب کہ ابھی وہ بچے تھے تم نے کون سی حدیث سنی ہے وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کر دیتے کہ مجھ سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے۔ سفیان ثوری اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے اور تعجب وحیرت کا اظہار کرتے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۲)

وکیع اپنی قوت حفظ کے بارے میں کہتے ہیں میں نے گذشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی اور اس ایک مرتبہ میں بھی سرسری طور سے دیکھا اور دیکھ کر کتاب کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۵)

زمانہ طالب علمی میں دوران درس کبھی حدیثیں قلم بند نہیں کیں بلکہ گھر آکر لکھا کرتے تھے خود فرماتے ہیں میں نے سفیان ثوری کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا پھر گھر واپس آکر لکھتا تھا۔ (ایضا)

اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا حافظہ تو جکلف ہے اور امام وکیع فطری حافظ تھے (کتاب الانساب ص ۲۶۱) امام وکیع کے نزدیک قوت حافظہ کا سب سے بڑا نسخہ گناہوں سے بچنا ہے خداوند تعالیٰ ہر انسان کو دولت حفظ وفہم سے نوازتا ہے مگر معاصی کی کثرت اس کے دماغ کو کند

کردیتی ہے۔

علی بن حشرم کا بیان **"رأیت وکیعا وما رأیت بیده کتابا قط انما هو یحفظ فسألته عن دواء الحفظ فقال ترک المعاصی ماجربت مثله للحفظ"** میں نے امام وکیع کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیا کرتے تھے ان کی حیرت انگیز قوت حفظ وضبط دیکھ کر میں نے ان سے ایسی دوا پوچھی جس سے حافظہ قوی ہو جائے انہوں نے فرمایا اجتناب معاصی سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لیے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۳)

ایک دفعہ کسی شخص نے سوء حفظ کی شکایت کی امام وکیع نے اس کو گناہوں سے بچنے کا مشورہ دیا اور فرمایا علم خداوند قدوس کا نور ہے وہ کسی گناہ گار اور عاصی کو عطا نہیں کیا جاتا۔ (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۴۵۸)

حضرت وکیع نے اپنی بے پناہ قوت حفظ اور ذہانت و ذکاوت سے کام لے کر اپنے عہد کے تمام محدثین و فقہاء کے خزائن علم و فقہ سے استفادہ کیا اور اس سلسلہ میں رحلت و سفر کی مشقتیں بھی برداشت کیں ان کے شیوخ و اساتذہ کی بہت بڑی تعداد ہے ان میں سے چند اہم شیوخ یہ ہیں:

جراح، اسماعیل بن ابی خالد، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ہشام بن عروہ، اعمش، توبہ ابوصدقہ، جریر بن حازم، عبداللہ بن سعید بن ابی ہند، معروف بن خربوذ، ابن عون، عبدالرحمٰن بن غسیل، ابوخلدہ خالد بن دینار، سلمہ بن نبیط، عیسیٰ بن طہمان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب جرمی، عبدالمجید بن وہب عقیلی، ابن جریج، اوزاعی، مالک، اسامہ بن زید لیثی، اسرائیل، اسماعیل بن مسلم عبدی، بختری بن مختار، بدر بن عثمان، حسن، علی، زکریا بن اسحٰق، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن سعید بن عبید طائی، سفیان ثوری، شعبہ، طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ، عبدالحمید بن جعفر، اوزاعی، عثمان، شحام، عزرہ بن ثابت، علی بن مبارک، عمر بن ذر، عمران بن حدیر، معاویہ بن ابی مزرد، معروف بن واصل، نافع بن عمر جمحی، موسیٰ بن علی، موسیٰ بن علی بن رباح، یزید بن ابراہیم تستری، فضیل بن غزوان، کہمس بن حسن، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب، ابن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس اسدی مساور وراق، ہشام دستوائی، ہشام بن سعد، یعلیٰ بن حارث، ابو سفان شیبانی، افلح بن حمید، حماد بن سلمہ، حماد بن نجیح، زمعہ بن صالح، سعد بن اوس، سعید بن عبدالعزیز تنوخی، سلیمان بن مغیرہ، صالح بن ابی الاخضر، عبداللہ بن عمر عمری، عبدالعزیز بن ابی رواد، فضیل بن مرزوق، قرۃ بن خالد، مبارک بن فضالہ، موسیٰ بن عبیدہ، ہمام بن یحییٰ، یونس بن ابی اسحٰق، ابوشہاب، ابو ہلال راسی، یزید بن زیاد بن ابی جعد۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۹، ۱۱۰)

سچے جذبہ تحصیل علم اور سعی بلیغ نے وکیع کو علم وفن کے اتنے اونچے مقام تک پہنچا دیا کہ دنیا ان کو امام المسلمین، احد ائمۃ الاسلام اور محدث العراق کے خطابات سے یاد کرنے لگی، تحصیل علم کی ابتداء ہی میں بعض شیوخ نے آپ کے شاندار مستقبل کی خبر دے دی تھی۔ امام اعمش نے آپ کا نام پوچھنے کے بعد فرمایا "ما احسب الا سیکون لک نبأ" میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا سفیان ثوری نے آپ کی آنکھوں میں دیکھ کر لوگوں سے کہا "ترون هذا الرواسی لا یموت حتی یکون له نبأ" کہا تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۹)

حلقۂ درس:۔

امام وکیع نے حضرت سفیان ثوری کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے درس دینا شروع کیا۔ یحییٰ بن یمان کہتے ہیں جب امام سفیان ثوری کا وصال ہوا تو وکیع ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔ قعنبی کہتے ہیں: "کنا عند حماد بن زید فلما خرج وکیع قالوا هذا راویة سفیان فقال هذا ان شئتم ارجح من سفیان" ہم حماد بن زید کے پاس بیٹھے تھے وکیع نکلے تو لوگ کہنے لگے یہ سفیان کے راویہ اور ان کے جانشین ہیں اس پر حماد نے کہا اگر چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو ان کو سفیان پر ترجیح ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲)

جلد ہی آپ کے درس کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی اور مختلف ملکوں اور شہروں کے طالبان علم کوفہ آکر حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے، کوفہ ہی نہیں بلکہ وہ جس مقام پر پہونچتے شائقین علم کا ازدحام ہو جاتا اور وسیع حلقۂ درس قائم ہو جاتا تھا آپ کے حلقۂ درس کے سامنے دوسرے تمام حلقہائے درس ویران ہو جاتے تھے۔ ابوحشام رفاعی کا بیان ہے ایک بار مسجد حرام میں گیا تو عبید اللہ بن موسیٰ کو حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھا ان کے ارد گرد طلبہ کا ہجوم تھا پھر ایک ہفتہ بعد آکر دیکھا تو عبید اللہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں میں نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ انہوں نے "قدم التنین فاخذهم یعنی وکیعا" ایک اژدہا آگیا ہے جو پورے حلقہ کو نگل گیا ان کی مراد امام وکیع سے تھی۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۳)

امام وکیع اپنے حلقۂ درس میں لایعنی اقوال وافعال سے حد درجہ پرہیز کرتے تھے وہ درس میں بڑے سنجیدہ پروقار اور متین رہتے تھے، امام مسلم بن جنادہ کا بیان ہے: "جالست وکیعا سبع سنین فما رایت بزق ولا مس حصاة ولا جلس مجلسه فتحرک ولا رایته الا مستقبل

القبلة وما رايته يحلف بالله“ میں امام وکیع کی صحبت میں سات سال رہا ہوں میں نے ان کو مجلس درس میں کبھی تھوکتے، کنکروں کو چھوتے یا ادھر ادھر حرکت کرتے نہیں دیکھا ہمیشہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے تھے میں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے بھی کبھی نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۳)

امام وکیع کے حلقۂ درس کی وسعت سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد ہزاروں ہوگی مگر یہاں چند اہم تلامذہ کے نام درج کیے جاتے ہیں:

سفیان، ملیح، عبید، مستملیہ، محمد بن ابان بلخی، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد، علی، یحییٰ، اسحٰق، ابوخیثمہ، حمیدی، قعنبی، لفج، علی بن خشرم، مسدد، محمد بن سلام، ابن ابی عمر، نصر بن علی، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، محمد بن صباح دولابی، ابراہیم بن سعد جوہری، محمد بن رافع، ابراہیم بن عبداللہ عبسی قصار۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۰)

فضیلت علم:۔

امام وکیع نے علم حدیث میں جو دستگاہ بہم پہونچائی تھی اس کا اعتراف ان کے معاصر محدثین اور بعد کے علمائے فن نے بڑی کشادہ دلی سے کیا ہے۔

- احمد بن حنبل: ”مارایت اوعیٰ للعلم من وکیع ولا احفظ منه“ میں نے وکیع سے بڑا علم کا ظرف (جمع کرنے والا) اور ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۰)
- احمد بن حنبل: ”ما رایت مثل وکیع فی الحفظ والاسناد والابواب مع خشـــوع وورع“ میں نے وکیع جیسا شخص حفظ، اسناد اور ابواب میں خشوع و خضوع کے ساتھ نہیں دیکھا۔ (ایضاً ص ۱۱۱)
- ابن معین: ”ما رایت افضل من وکیع قیل فابن المبارک قال قد کان له فضل ولکن ما رایت افضل من وکیع ......ما رایت احفظ منه ووکیع فی زمانه کالاوزاعی فی زمانه“ میں نے وکیع سے افضل کسی کو نہیں دیکھا پوچھا گیا عبداللہ بن مبارک؟ کہا ان کے لیے بھی فضل ہے لیکن میں نے وکیع سے افضل نہیں دیکھا۔ میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ وکیع اپنے زمانہ میں ایسے ہی ممتاز تھے جس طرح اوزاعی اپنے زمانہ میں۔ (ایضاً ص ۱۱۳)
- نوح بن حبیب: ”رایت الثوری ومعمرا ومالکا فما رات عینای مثل

وکیع" میں نے سفیان ثوری، معمر اور مالک کو دیکھا ہے مگر میری آنکھوں نے وکیع جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضا)

● سفیان بن عبدالملک: "کان وکیع احفظ من ابن مبارک" وکیع عبداللہ بن مبارک سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ (ایضا ص ۱۱۴)

● محمد بن عبداللہ بن نمیر: "وکیع اعلم بالحدیث من ابن ادریس" وکیع، ابن ادریس سے زیادہ حدیث کے جاننے والے تھے۔ (ایضا)

● ابن سعد: "کان ثقة ماموناً عالیا رفیع القدر کثیر الحدیث حجة" وہ ثقہ، مامون، بلند مرتبہ، عظیم الشان، کثیر الحدیث اور حجت تھے۔ (ایضا)

● عجلی: "کوفی ثقة عابد صالح ادیب من حفاظ الحدیث و کان یفتی" وہ کوفہ کے رہنے والے ثقہ، عابد، صالح تھے۔ حفاظ حدیث میں ادیب تھے اور وہ فتویٰ دیتے تھے۔

● یعقوب بن ابی شیبہ: "کان خیرا فاضلا حافظا" وہ بہتر، فاضل اور حافظ تھے۔ (ایضا)

● ابن حبان: "کان حافظا متقنا" وہ حافظ اور متقن تھے۔ (ایضا)

● یحییٰ بن یحییٰ: "لم ار من الرجال احفظ منه" میں نے کسی شخص کو ان سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

● حافظ ذہبی: "الامام الحافظ الثبت محدث العراق احد الائمة الاعلام" ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام ہیں پختہ کار عالم اور عراق کے محدث ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۲)

فقہ:۔

حدیث کے ساتھ امام وکیع فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے وہ امام اعظم کے شاگرد تھے انہیں کے مسلک پر فتویٰ دیا کرتے تھے امام یحییٰ فرماتے ہیں: "ما رایت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم ویفتی بقول ابی حنیفة" میں نے وکیع سے افضل کوئی آدمی نہیں دیکھا وہ رات کو قیام کرتے دن کو روزہ رکھتے اور ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲

یحییٰ بن معین فرماتے تھے امام وکیع ابو حنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت بھی کی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱)

آپ کی فقہی بصیرت کو دیکھ کر خلیفہ ہارون رشید نے کوفہ کے منصب قضا کی پیش کش کی مگر

آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۳)

محمد بن عامر مصیصی نے امام احمد سے دریافت کیا کہ آپ وکیع سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یا یحییٰ بن سعید سے؟ انہوں نے جواب دیا میں وکیع کو یحییٰ سے افضل سمجھتا ہوں پوچھا کیوں؟ کہا "کان وکیع صدیقا لحفص بن غیاث فلما ولی القضاء هجره وکان یحییٰ بن سعید صدیقا لمعاذ بن جبل فلما ولی القضاء لم یهجره" کہ انہوں نے حفص بن غیاث کی طرح عہدۂ قضا کو قبول کرنے سے گریز کیا تھا اور یحییٰ نے معاذ بن جبل کی طرح اپنے آپ کو اس منصب کی آزمائشوں میں مبتلا کرلیا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۱)

تصانیف:۔

امام وکیع نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کو بھی اپنا مشغلہ بنایا تھا امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے وکیع کی تصنیف کردہ کتابوں کا بالالتزام مطالعہ کرو "علیکم بمصنفات وکیع" (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۳)

امام ابن جوزی نے تحریر فرمایا "صنف التصانیف الکثیرة" انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۶۴) خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں "له مصنف فی الفقه والسنن" افسوس ہے کہ دوسرے اسلاف کی طرح حضرت وکیع کی مصنفات بھی صفحۂ ہستی سے ناپید ہوگئیں آج ان کی دو کتابوں کے نام ملتے ہیں مصنف ابی سفیان۔ (وکیع ابن الجراح) کتاب السنن۔

اخلاق وکردار:۔

امام وکیع کے زہد واتقا کے لیے اتنا کافی ہے کہ انہوں نے ہارون رشید کے پیش کردہ عہدۂ قضا کو مسترد کردیا اور کسی خلیفہ وامیر سے راہ ورسم نہ رکھی علم وفضل کا تاجدار اپنے کشور علم ہی کی توسیع وتزئین میں مصروف رہا۔ زندگی انتہائی سادہ طریقہ پر گزارتے تھے جو مل جاتا اس پر شکر کرتے، مزید کی خواہش نہ رکھتے اور نہ کچھ مطالبہ کرتے ان کی والدہ نے وفات کے وقت ایک لاکھ نقد یا اتنی قیمت کی جائداد وراثت میں چھوڑی تھی وکیع نے کبھی اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کیا گھر میں جو کھانا اور کپڑا مل جاتا اسی پر قناعت کرتے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۶۹) اس قناعت وتوکل کے باوصف آپ بے

حد فیاض واقع ہوئے تھے ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ امام اعمش کے حلقۂ درس میں آپ نے میری دوات سے روشنائی استعمال کی تھی اس کی قیمت ادا کیجئے امام صاحب نے کسی تحقیق و بحث کے بغیر دینار کی ایک تھیلی لا کر اس شخص کو دے دی اور فرمایا مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (ایضا) یہ محض ادائیگی حق ہی نہیں بلکہ فیاضی و سیر چشمی کی اعلیٰ مثال ہے کیوں کہ روشنائی کی قیمت چند درہم سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ امام احمد کا بیان اوپر گذر چکا ہے کہ وہ راتوں میں عبادت کرتے اور دن میں روزے رکھتے تھے۔ یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے "**صحبت وکیعا فی السفر والحضر فکان یصوم الدھر ویختم القرآن کل لیلۃ**" میں سفر و حضر میں وکیع کے ساتھ رہا ہوں وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور ہر رات قرآن ختم کرتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲)

امام وکیع کی کثرت عبادت، رقت قلب، خشیت الٰہی، گریہ وزاری پر معاصرین رشک کیا کرتے تھے ابراہیم بن شماس کہتے ہیں کہ اگر میں کوئی آرزو کرتا تو وکیع کی عبادت اور رقت کی تمنا کرتا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۳) امام وکیع کے زاہدانہ کردار کا اثر ان کے پورے خانوادے پر بھی تھا۔ یحییٰ بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ وہ رات میں ثلث قرآن پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے اور پھر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو جاتے تھے۔ ابراہیم بن وکیع فرماتے ہیں میرے والد جب رات میں نماز پڑھتے تو ہمارے گھر میں کوئی شخص ایسا نہیں رہتا تھا جو نماز نہ پڑھتا ہو حتی کہ ہماری سیاہ فام لونڈی بھی نماز پڑھتی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱)

معمولات زندگی کی تفصیل آپ کے فرزند سفیان بن وکیع اس طرح بیان کرتے ہیں:

میرے والد صائم الدہر تھے صبح سویرے بیدار ہو جاتے فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہو جاتی دن نکلنے تک اس میں مشغول رہتے پھر گھر جا کر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے پھر عصر تک طلبہ کو قرآن کا درس دیتے اور پھر آ کر عصر کی نماز پڑھتے اور اس سے فارغ ہو کر پھر درس قرآن شروع ہو جاتا اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے پھر مکان تشریف لا کر افطار فرماتے اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱)

سعید بن منصور کا بیان ہے امام وکیع مکہ مکرمہ حاضر ہوئے چوں کہ آپ کا جسم بھاری بھر کم تھا فضیل بن عیاض نے فرمایا آپ تو عراق کے راہب ہیں یہ موٹاپا کیسا؟ فرمایا یہ اسلام کی خوشی کا

موٹا پا ہے فضیل یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ (تذکرہ ج ا ص ۲۸۲)

وفات:۔

۱۹۶ھ کے حج میں شرکت کے لیے حرمین شریفین حاضری ہوئی حج سے فراغت کے بعد کوفہ کے لیے واپس ہوئے اور اثناء راہ مقام فید میں بروز عاشورہ ۱۹۷ھ کو واصل بحق ہوئے بوقت وصال عمر ۶۸ رسال تھی۔ (تذکرہ ج ا ص ۲۸۳)

(۲۱) حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۳۵ھ وفات ۱۹۸ھ

اسم گرامی عبدالرحمٰن ابوسعید کنیت والد کا نام مہدی تھا یہ قبیلۂ ازد کے موالی تھے آپ کے خاندان میں موتیوں کا کاروبار ہوتا تھا اس لیے لولوی بھی مشہور ہیں آپ غلامان اسلام میں ہونے کے باوجود علم وفضل میں اتنے ممتاز ہوئے کہ یحیٰی بن معین اور یحیٰی بن سعید قطان کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں اور زمرۂ تبع تابعین میں امامت فی الحدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔

تحصیل علم:۔

آپ کی ولادت بمقام شہر بصرہ ۱۳۵ھ میں ہوئی جو اس وقت علم وفضل کا مرکز تھا چونکہ بصرہ میں مختلف قوم ونسل کے لوگ آباد تھے اور اس اختلاط سے ایک بری رسم جو بصرہ میں قائم ہوئی وہ پند وموعظت کی مجلسوں میں قصہ گوئی کا عام رواج تھا قصہ گو واعظوں کو عوام میں قبولیت حاصل تھی چنانچہ ابن مہدی نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو انہیں قصہ گویوں کی صحبت اختیار کر لی ابوعامر عقدی کہتے ہیں وہ قصّاص کے پاس جایا کرتے تھے ایک دن میں نے ان سے کہا کہ ان قصہ گویوں کی صحبت سے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا چنانچہ میری یہی نصیحت ان کو علم حدیث کی طرف مائل کرنے کا سبب بن گئی پھر یہ طلب اتنی بڑھی کہ بصرہ سے سیکڑوں میل دور دیار نبی (مدینہ منورہ) پہونچے اور امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر علم کی پیاس بجھائی۔ (تاریخ بغداد ۱۰ ص ۲۴۰)

ابن مہدی نے بڑے ذوق اور انہاک سے تابعین اور تبع تابعین کے حلقۂ درس سے خوب خوب استفادہ کیا ان کے اہم شیوخ یہ ہیں:

امام مالک، ایمن بن نابل، جریر بن حازم، عکرمہ بن عمار، ابوخلدہ خالد بن دینار، مہدی بن میمون، شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، اسرائیل، حرب بن شداد، محمد بن راشد، مالک بن مغول، وہیب، ہشام بن سعد، ہمام بن یحییٰ، مثنی بن سعید ضبعی، سلیم بن حیان، سلام بن ابی مطیع، ابراہیم بن نافع مکی، ابان العطار، صخرہ بن جویریہ، عمران القطان، منصور بن سعد۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۵۱)

علم حدیث:۔

ابن مہدی نے وقت کے جلیل القدر ائمہ فن کی بارگاہوں سے علم حدیث کا جو حظ وافر اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا اس نے ان کو وقت کا امام اور مرجع خلائق بنادیا تھا علم حدیث میں آپ کی بلند پایہ شخصیت کا اعتراف وقت کے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کیا ہے۔

- **احمد بن حنبل:** "ما رایت بالبصرة مثل یحییٰ بن سعید وبعده عبد الرحمن وعبدالرحمن " افقہ الرجلین..." اذا اختلف وکیع وعبد الرحمن فعبد الرحمن اثبت لانه اقرب عهدا بالکتاب" میں نے بصرہ میں یحییٰ بن سعید اور ان کے بعد عبد الرحمٰن بن مہدی جیسا عالم نہیں دیکھا۔ عبدالرحمٰن یحییٰ سے بڑے فقیہ تھے جب وکیع اور عبدالرحمٰن اختلاف کریں تو عبدالرحمٰن زیادہ پختہ کار ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حدیث کا سرمایہ تازہ بتازہ جمع کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۵۱)

- **ابوربیع زہرانی:** "ما رایت مثل عبد الرحمن واوصف منه بصراً بالحدیث" میں نے عبدالرحمٰن کے مانند کسی کو نہیں دیکھا اور بصرہ میں ان سے بڑھ کر حدیث بیان کرنے والا کوئی نہ تھا۔ (ایضاً ص۲۵۲)

- **علی بن مدینی:** "کان عبد الرحمن بن مهدی اعلم الناس .... لو حلفت بین الرکن والمقام لحلفت بالله انی لم ار احداً قط اعلم بالحدیث من عبد الرحمن بن مهدی ... ما شبهت علم عبدالرحمن بالحدیث الا بالسحر" عبدالرحمٰن بن مہدی لوگوں میں سب سے بڑے عالم تھے .... اگر میں رکن حطیم اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہوکر قسم کھاؤں تب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے ان سے بڑا عالم حدیث کوئی نہیں دیکھا .... حدیث کے بارے میں عبدالرحمٰن کا علم جادو کی حیثیت رکھتا ہے۔ (ایضاً)

۞ ابو حاتم: ”ھو اثبت اصحاب حماد بن زید وھو امام ثقة، اثبت من یحییٰ بن سعید واتقن من وکیع وکان یعرض حدیثه علی الثوری“ وہ حماد بن زید کے اصحاب میں اثبت اور ثقہ امام تھے۔ یحییٰ بن سعید سے اثبت اور وکیع سے اتقن تھے۔ اور وہ ثوری کے سامنے حدیث بیان کرتے تھے۔ (ایضاً)

۞ ابن سعد: ”کان ثقة کثیرا لحدیث“ وہ ثقہ کثیر الحدیث تھے۔ (ایضاً)

۞ ابن حبان: ”کان من الحفاظ المتقنین واھل الورع فی الدین ممن حفظ و جمع وتفقه وصنف وحدث وابی الروایة الاعن الثقات“ وہ متقن حفاظ حدیث میں تھے اور دین میں صاحب تقویٰ یہ ان علما میں تھے جنہوں نے علم حدیث حفظ کیا اور جمع کیا تفقہ پیدا کیا۔ کتابیں لکھیں، حدیث بیان کی، اور انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے روایتیں قبول نہیں کیں۔ (ایضاً)

۞ خلیلی: ”ھو امام بلا مدافعة“ وہ بلا اختلاف امام حدیث تھے۔ (ایضاً)

۞ محمد بن ابی بکر: ”ما رأیت احدا اتقن لما سمع ولما لم یسمع ولحدیث الناس من عبد الرحمن بن مھدی“ میں نے سنی اور ان سنی روایات اور لوگوں کی حدیث کو عبد الرحمٰن سے بڑھ کر ضبط کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۲)

۞ ذہبی: ”الحافظ الکبیر والامام العلم الشھیر“ حافظ کبیر اور عالم شہیر ہیں۔ (ایضاً)

قوت حفظ:۔

امام ابن مہدی حفظ وضبط میں بھی یکتائے روزگار تھے جو سنتے یاد رکھتے اور مجال نہیں کہ اس میں کوئی غلطی یا خطا واقع ہو جائے اسی بنا پر لوگ ان کی مہارت حدیث کو جادو سے تعبیر کرتے تھے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں ”میں نے عبد الرحمٰن بن مہدی کے ہاتھوں میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی میں نے ان سے جو کچھ سنا ہے زبانی سنا ہے وہ اپنی یاد سے روایت کرتے تھے“۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۳۷)

امام ابن مہدی اس بات کی کوشش کرتے کہ روایت باللفظ کریں۔ اسماعیل بن اسحاق القاضی کا بیان ہے کہ ”علی بن مدینی غایت درجہ محتاط تھے ایک دن انہوں نے عبد الرحمٰن بن مہدی کا امتحان لینے کی غرض سے ان کے سامنے کوئی حدیث خلط ملط کر پیش کی لیکن انہوں نے فوراً پہچان

لیا اور کہا کہ یہ حدیث فلاں شخص سے اس طرح مروی ہوگی بعد میں ہم نے اس کی تحقیق کی تو واقعی وہ حدیث اسی طرح نکلی"۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۴۵)

ابو عبد اللہ سے کسی نے پوچھا کیا عبد الرحمن حافظ تھے؟ بولے ہاں حافظ تھے اور وہ بڑی احتیاط کرتے تھے وہ تحدیث باللفظ کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۵۲)

قواریری کہتے ہیں "املی علی ابن مهدی عشرین الف حدیث حفظاً" امام عبد الرحمن بن مہدی نے مجھے بیس ہزار احادیث زبانی املا کرائیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۰۲)

جرح وتعدیل:۔

شب وروز کی ممارست اور صحیح قوت فیصلہ کی وجہ سے ان میں تنقید حدیث کا ایک ایسا ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بیک نظر صحیح کو سقیم سے جدا کر لیتے۔

عبید اللہ بن سعید کہتے ہیں میں نے امام عبد الرحمن بن مہدی کو فرماتے سنا "لا یجوز ان یکون الرجل اماما حتی یعلم مایصلح مما لا یصلح" کسی شخص کو جب تک صحیح اور غیر صحیح احادیث میں تمیز نہیں کر سکتا امامت کا درجہ دینا جائز نہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۰۲)

علم حدیث میں ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے جن کے ذریعہ یہ فن اہل ہوس کی دست برد سے محفوظ و مامون رہا وہ جرح وتعدیل کے امام تھے انہیں صحیح وسقیم احادیث کا ملکہ حاصل تھا نعیم بن حماد نے عبد الرحمن بن مہدی سے دریافت کیا "کیف تعرف الکذاب قال کما یعرف الطبیب المجنون" آپ حدیث میں جھوٹے کو کیسے معلوم کر لیتے ہیں؟ فرمایا جیسے طبیب دیوانے کو معلوم کر لیتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۰۳) امام احمد بن حنبل فرماتے تھے ابن مہدی جس شخص کی روایت قبول کر لیں سمجھو کہ وہ حجت ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۴۳)

جرح وتعدیل اور معرفت رجال میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ راویوں کی معرفت کا ملکہ طری تھا راوی کی گفتگو ہی سے اس کی حیثیت کا پتہ لگا لیتے تھے اور طبیب حاذق کی طرح اس کی صحت ضعف کو معلوم کر لیتے۔

علامہ ابن حبان ارشاد فرماتے تھے کہ "دو آدمیوں نے دینداری تقوی اور پرہیزگاری تفقہ ی الدین کے ساتھ ساتھ راویان حدیث کی تحقیق، ضعفا کی معرفت کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا جنہوں نے س فن میں سب سے زیادہ کام کیا اور بڑا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے وہ یحیٰی بن سعید قطان اور عبد الرحمن

بن مہدی ہیں"۔ (مقدمۃ الجرح والتعدیل ج۱ ص۵۲)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ "اس دور میں دو حافظ اور حجت نقد رجال کے لیے تیار ہوئے لوگوں کو ان پر بڑا اعتماد تھا جس کی انہوں نے توثیق کردی وہ مقبول اور جس پر جرح کردیا وہ متروک قرار پایا۔ وہ یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی کی شخصیت تھی"۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص۱۶۷)

علی بن مدینی کہتے تھے ابن مہدی اور ابن قطان جس راوی سے روایت کرنا چھوڑ دیتے ہیں میں بھی اسے ترک کردیتا ہوں اور جب کسی راوی کی روایت قبول کرنے میں مختلف الرائے ہوجاتے ہیں تو میں ابن مہدی کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں اس لیے کہ یہ رائے دینے میں زیادہ معتدل اور محتاط ہیں اور ابن قطان میں تشدد زیادہ ہے۔ (تاریخ بغداد ج۱۰ ص۲۴۳)

❁ ابن عمار: وکیع اور ابن مہدی دونوں قابل وثوق ہیں مگر ابن مہدی کی بصیرت فی الحدیث زیادہ بڑھی ہوئی تھی ابن مہدی حدیث کے الفاظ کے اختلاف سے خوب واقف تھے۔ ابن مہدی اصول روایت ودرایت دونوں میں کمال رکھتے تھے ائمہ فن ان کے بارے میں بصیرت فی الحدیث جیسے الفاظ ان کے داخلی نقد حدیث کے ذوق کی جانب اشارہ کرنے کے لیے ہی استعمال فرماتے ہیں:

حلقۂ درس:۔

ابن مہدی نے جس لگن اور ذہانت کے ساتھ علم کی تحصیل کی تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ ابتداء ہی سے مرجوعِ خلق بن گئے تھے لوگ دین ودنیا کے مسائل اور حدیث کے حصول کے لیے آپ کی بارگاہ میں جوق در جوق حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایوب بن متوکل کا بیان ہے "کنا اذا اردنا ان ننظر الی الدین والدنیا ذھبنا الی دار عبد الرحمن بن مھدی" ہمیں جب بھی کسی دینی ودنیاوی معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو ہم عبدالرحمٰن بن مہدی کے گھر چلے جاتے تھے۔ (تذکرہ ج۱ ص۳۰۲)

بڑے بڑے اہل فن اپنے متعلقین کو ابن مہدی سے تحصیل علم کی ترغیب دیا کرتے تھے صدقہ بن فضل نے بیان کیا میں نے یحییٰ بن سعید سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس جاؤ۔ (تہذیب ج۶ ص۲۵۱) آپ کی مجلس درس کا نقشہ احمد بن سنان اس طرح کھینچتے ہیں: جب تک درس ہوتا رہتا تھا کوئی مجلس میں بات چیت نہیں کرسکتا تھا

کوئی قلم بناتا تھا اور نہ مجلس سے اٹھ کر جا سکتا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حاضرین نماز میں منہمک ہیں یا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ (تذکرہ ج ا ص ۳۰۲)

علم اور طلب علم کی اہمیت اور آداب کا تذکرہ امام ابن مہدی نے اس طرح فرمایا: ''کوئی شخص اگر کسی ایسے شخص سے ملاقات کرے جو اس سے بڑا عالم ہو تو وہ دن اس کے لیے غنیمت کا دن ہے۔ اور کسی ایسے شخص سے ملے جو علم میں اس کا ہم پایہ ہو تو اس کو چاہئے کہ اس سے مذاکرہ کرے اور کچھ اس سے فائدہ اٹھائے اور اگر کسی کی ملاقات ایسے شخص سے ہو جو علم میں اس سے کم مرتبہ ہے تو اسے چاہئے کہ تواضع سے پیش آئے اور اس کو کچھ سکھائے اور جو شخص ہر سنی ہوئی بات کو نقل کر دیتا ہو یا ہر کس و ناکس کی روایت کو قبول کر لیتا ہو اسے علم کا امام نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ امام ہو سکتا ہے جو شاذ روایتوں کے بیان کرنے میں بھی احتیاط سے کام نہ لیتا ہو۔ (صفوۃ الصفوہ ج ۴ ص ۴) آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے والوں اور آپ سے حدیث حاصل کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے چند کے نام یہ ہیں:

ابن مبارک، ابن وہب، موسیٰ، احمد، اسحاق، علی، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ، ابو ثور، ابو خیثمہ، ابو عبید، احمد بن سنان قطان، ابراہیم بن محمد بن عرعرہ، عبداللہ بن محمد بن مسندی، فلاس، بندار، ابو موسیٰ ذہلی، عبداللہ بن ہاشم طویل، عبدالرحمٰن بن عمر رستہ، عبدالرحمٰن بن محمد بن منصور الحارثی۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۵۱)

تفقہ:۔

ابن مہدی کے پاس احادیث نبوی کا بہت بڑا سرمایہ موجود تھا اور ان کے پاس حدیثوں اور سندوں کی جانچ کا معیار بھی موجود تھا وہ اصول روایت و درایت میں امتیازی شان رکھتے تھے جو شخص دین کی روح اور ماخذ فقہ سے کامل آگاہ ہو اس کے تفقہ فی الدین میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے ابن مہدی امام حدیث ہونے کے ساتھ بڑے فقیہ بھی تھے۔ امام احمد بن حنبل جو خود بڑے محدث اور عظیم فقیہ تھے فرماتے ہیں بصرہ میں دو غیر معمولی عالم پیدا ہوئے ایک یحییٰ بن سعید دوسرے عبدالرحمٰن بن مہدی مگر تفقہ میں ابن مہدی کا پلہ بھاری تھا۔ معاذ بن معاذ فرماتے تھے بصرہ میں عہدۂ قضا کا اگر کوئی اہل ہے تو صرف ابن مہدی ہیں مگر ان میں کمی یہ ہے کہ ان کا خاندان یہاں نہیں ہے اگر وہ کسی بڑے آدمی کے خلاف کوئی فیصلہ کریں تو پھر وہ بڑے ان کو اس فیصلہ سے

روکنے کی کوشش کریں گے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۴۲)

❁ عماد حنبلی لکھتے ہیں "کان فقیہا متقیا عظیم الشان" ابن مہدی فقیہ، متقی، عظیم الشان تھے۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۵۵)

ایک مرتبہ سلیمان جو مسائل حج میں بڑی مہارت رکھتے تھے عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس آئے اور ان کو چھیڑنے کے لیے کہنے لگے اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں جو مسائل حج میں ہماری رہنمائی کرے یہ سن کر ابن مہدی نے ان سے ایک مسئلہ امتحاناً دریافت کیا سلیمان شافی جواب نہ دے سکے تو ابن مہدی نے فرمایا اب تم لکھو انہوں نے ایک نشست میں تیس مسئلے لکھا دیئے اور ہر مسئلہ کے لیے ایک ایک یا دو دو حدیثیں بھی قلم بند کرا دیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۴۵)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "کان عبد الرحمن فقیہا بصیرا بالفتویٰ عظیم الشان" امام عبدالرحمٰن بن مہدی عظیم الشان فقیہ اور بلند پایہ مفتی تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۰۳)

علی بن مدینی کہا کرتے تھے: "مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ کے فتاوے کا امام زہری پھر امام مالک اور ان کے بعد عبدالرحمٰن کو سب لوگوں سے زیادہ علم تھا۔ (ایضاً)

زہد و تقویٰ:۔

سیرت و کردار کے لحاظ سے بھی آپ کا مرتبہ نہایت بلند تھا امام ابن جوزی نے آپ کو صاحب زہد و تقویٰ تبع تابعین میں شمار کیا ہے وہ ساری رات عبادت میں مصروف رہا کرتے ان کا معمول تھا کہ ایک شب میں نصف قرآن اور دو راتوں میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے ابن مہدی کے فرزند یحیٰی کا بیان ہے میرے والد امام عبدالرحمٰن بن مہدی اکثر ساری ساری رات قیام کرتے تھے ایک رات قیام میں مصروف رہے اور صبح کے وقت تھک کر بستر پر دراز ہو گئے اور آفتاب نکلنے کے بعد بیدار ہوئے صبح کی نماز فوت ہو گئی اس کا آپ کو اتنا غم ہوا کہ آئندہ دو ماہ تک اپنے لیے بستر پر سونا حرام کر لیا چنانچہ ضرورت کے وقت زمین پر ہی لیٹا کرتے جس سے آپ کے جسم پر زخم پیدا ہو گئے۔
(تذکرہ ج ۱ ص ۳۰۳)

آپ کے زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ کسی چیز میں ذرا سا بھی شک ہو جاتا تو خواہ وہ کتنی ہی منفعت بخش ہو اسے بلا تامل ترک کر دیتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بھائی کی شرکت میں تجارت کی جس میں غیر معمولی نفع ہوا جب منافع تقسیم کرنے کی باری آئی تو ان کے دل میں مال کی

نسبت شبہ پیدا ہو گیا "دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک" کے مطابق اپنے بھائی کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ص ۳)

ایک بار انہوں نے کسی زمین کے بیچنے کا ارادہ کیا اس کی قیمت فی جریب ڈھائی سو دینار قرار پائی۔ دلال نے کہا آپ کو اس ویران زمین کی اتنی قیمت مل رہی ہے اگر میں اور آپ کا غلام دونوں مل کر اس میں کھاد ڈال دیں اور اس طرح اسے درست کر لیں تو آپ کو ایک جریب پر پچاس دینار اور زیادہ مل جائیں گے پھر پوری زمین کی قیمت میں آپ کو چار ہزار دینار ملیں گے ابن مہدی کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور فرمایا کیا صرف چار ہزار دینار "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی "لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقوا اللہ یا اولی الالباب" (ایضاً) وہ علم کے حریص اور عمل کے شائق، زہد و ورع کے پیکر جمیل تھے اور دوسروں کو بھی ایسی نصیحت فرمایا کرتے تھے جس سے اس کے علم میں اضافہ ہو اور وہ صلاح وفلاح کی زندگی بسر کرے۔

وفات: ۶۳؍ سال کی عمر پا کر بمقام بصرہ ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محدث حرم حضرت امام سفیان بن عیینہ ہلالی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۰۷ھ وفات ۱۹۸ھ

محدث حرم امام ابو محمد سفیان بن عیینہ بن ابو عمران میمون ہلالی۔ ابن عیینہ کے دادا ابو میمون عمارہ ضحاک کے بھائی محمد بن مزاحم کے غلام تھے والد عیینہ والی کوفہ خالد بن عبداللہ قسری کے عمال میں سے تھے۔ ۱۲۰ھ میں جب خالد کو معزول کر دیا گیا تو عیینہ والی کوفہ یوسف بن عمر ثقفی کے عتاب کا شکار ہوئے گھر بار چھوڑ کر کوفہ سے پورے خانوادہ کے ساتھ مکہ آ گئے اور حرم ہی میں پناہ لی اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ابن عیینہ کی ولادت ۱۰۷ھ میں کوفہ ہی میں ہوئی تھی جب وہ مکہ آئے تو ان کی عمر ۱۳؍ سال تھی ان کے نو بھائی تھے جن میں پانچ صاحب علم وفضل تھے۔

تعلیم:۔

کوفہ علم وفضل کا بڑا مرکز تھا جہاں محدثین وفقہاء اور اہل فن علماء کی کمی نہ تھی آپ کے والد

صاحب علم، صاحب ثروت شخص تھے انہوں نے اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ کی پہلے قرآن شریف حفظ کرایا گیا سات سال کی عمر میں حفظ سے فارغ ہوئے تو حدیث کی کتابت شروع کرادی گئی ۱۵ سال کی عمر تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر طبیعت پورے طور پر تحصیل علم کی جانب مائل نہ تھی چنانچہ ایک دن ان کے والد نے نصیحت فرماتے ہوئے کہا پیارے بیٹے بچپن کا زمانہ ختم ہوا اور تم اب سن شعور کو پہونچے پورے طور سے تحصیل علم دین میں لگ جاؤ مگر اس راہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اہل علم کی اطاعت و خدمت کی جائے اگر تم ان کی اطاعت و خدمت کروگے تو علم و فضل کی دولت سے بہرہ مند ہوگے یہ نصیحت کارگر ثابت ہوئی اور پوری عمر اس پر عمل کرتے رہے۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۴۵) مکہ مکرمہ اس وقت ائمہ تابعین کا مرکز تھا امام زہری، عمرو بن دینار، ابن جریج اور بہت سے ائمہ قرآن و سنت کی مجلسیں قائم تھیں۔ باضابطہ تحصیل علم کے لیے آمادہ ہوئے تو تمام علماء مکہ بالخصوص ابن شہاب زہری اور عمرو بن دینار کی مجلس درس میں شریک ہونے لگے اور جب تک یہاں قیام رہا ان سے الگ نہ ہوئے پھر وہ کوفہ آگئے اور وہاں کے اہل علم سے استفادہ کیا۔ آپ نے ستاسی تابعین کی زیارت کی تھی۔ قدرت نے ابن عیینہ کو بلا کا حافظہ اور ذکاوت عطا فرمائی تھی حافظہ کے بارے میں ان کا بیان ہے "ما کتبت شیئا حفظته" میں جس چیز کو ضبط تحریر میں لایا وہ مجھے یاد ہوگئی۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۸۲)

آپ کے شیوخ حدیث اور اساتذہ کی فہرست طویل ہے چند کے نام یہ ہیں:

عبدالملک بن عمیر، ابواسحاق سبیعی، زیاد بن علاقہ، اسود بن قیس، ابان بن تغلب، ابراہیم موسیٰ، محمد، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، اسرائیل ابوموسیٰ، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل بن امیہ، ایوب بن موسیٰ، ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی، یزید بن ابی بردہ، بیان بن بشر، جعفر صادق، جامع بن ابی راشد، حمید الطویل، حمید بن قیس اعرج، زکریا بن ابی زائدہ، زید بن اسلم، سالم ابوالنضر، ابوحازم بن دینار، سلیمان تیمی، سلیمان احول، سمی، سہیل، شعیب بن غرقدہ، صالح بن کیسان، صالح بن حی، صفوان بن سلیم، ضمرہ بن سعید، عاصم احول، عاصم بن بہدلہ بن کلیب، عبداللہ بن دینار، ابوالزناد، عبداللہ بن طاؤس عبداللہ بن ابی حسین، ابن ابی نجیح، عبدربہ، سعد، یحییٰ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالکریم ابوامیہ، عبدالکریم جزری، عبیداللہ بن عمر، عبیداللہ بن ابی یزید، علی بن زید بن جدعان، عبیداللہ بن عبداللہ بن اصم، عمرو بن دینار، امام زہری، علاء بن عبدالرحمٰن، ابن عجلان، محمد بن عمرو بن علقمہ، مطرف بن طریف، اعمش، منصور، ولید بن کثیر، یزید بن خصیفہ، ابواسحاق شیبانی، ابویعفور

الکبیر، ابوجعفور الصغیر۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۴،۵)

علم و فضل:۔

سفیان بن عیینہ کے ذوق و شوق علم، سعادت مندی و ذکاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم تفسیر و حدیث کے بڑے امام ہو گئے۔ اکابر ائمہ فن نے ان کی عظمت علم کا اعتراف کیا ہے۔

● **امام شافعی:** "لولا مالک وسفیان لذهب علم الحجاز" امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۰۵)

● **عجلی:** "کوفی ثقة ثبت في الحديث وكان حسن الحديث يعد من حكماء اصحاب الحديث" وہ کوفہ کے رہنے والے ثقہ حدیث میں پختہ کار ہیں وہ عمدہ حدیثوں والے تھے اور وہ دانشور محدثین میں شمار کیے جاتے تھے۔ (ایضاً)

● **بشر بن مفضل:** "ما بقي على وجه الارض احد يشبه ابن عيينة" روئے زمین پر کوئی عالم ابن عیینہ جیسا باقی نہیں رہا۔ (ایضاً ص ۱۰۶)

● **ابن وہب:** "ما رايت احدا اعلم بكتاب الله من ابن عيينة" میں نے ابن عیینہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

● **امام شافعی:** "ما رايت احداً من الناس فيه جزالة العلم ما في ابن عيينة وما رايت احدا آلف عن الفتيا منه" میں نے علم کی جتنی پختگی امام ابن عیینہ میں دیکھی ہے کسی میں نہیں دیکھی اور میں نے ان سے زیادہ فتویٰ دینے سے گریز کرنے والا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

● **ابن مہدی:** "كان اعلم الناس بحديث اهل الحجاز" وہ اہل حجاز کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً ص ۱۰۷)

● **ابو حاتم رازی:** "ثقة امام واثبت اصحاب الزهري مالك وابن عيينة" وہ ثقہ امام ہیں اور ابن شہاب زہری کے شاگردوں میں اثبت مالک اور ابن عیینہ ہیں۔ (ایضاً)

● **ابن خراش:** "ثقة مامون ثبت" ثقہ، مامون اور ثبت ہیں۔ (ایضاً)

● **امام بخاری:** "هو احفظ من حماد بن زيد" ابن عیینہ حماد بن زید سے بڑے حافظ تھے۔ (ایضاً)

- **ابن حبان:** "كان من الحفاظ المتقنين واهل الورع والدين" ابن عیینہ متقن حفاظ حدیث میں تھے۔ وہ صاحب تقویٰ اور دیندار تھے۔ (ایضاً)

- **لالکائی:** "هو مستغن عن التزكية لثبته واتقانه واجمع الحفاظ انه اثبت الناس في عمرو بن دينار وجزم ابن الصلاح في علوم الحديث" وہ اپنے تثبت اور اتقان کی بناپر تزکیہ سے بے نیاز تھے اور حفاظ حدیث نے اجماع کیا ہے کہ وہ علوم حدیث میں عمرو بن دینار اور جزم بن صلاح کے تلامذہ میں سب سے پختہ کار ہیں۔ (ایضاً)

- **ابن خلکان:** "كان اماما عالما ثبتا حجة زاهداً ورعاً مجمعا على صحة حديثه وروايته" وہ امام، عالم، ثبت، حجت، زاہد اور پرہیز گار تھے حدیث کی صحت اور روایت میں وہ متفق علیہ ہیں۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۷)

- **حافظ ذہبی:** "العلامة الحافظ شيخ الاسلام محدث الحرم.... كان اماما حجة حافظا واسع العلم كبير القدر" بہت بڑے عالم، نامور حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور محدث حرم ہیں... آپ امام حجت حافظ حدیث، وسیع العلم اور جلیل القدر انسان تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۴۲)

- **احمد بن حنبل:** "ما رايت اعلم بالسنن منه" میں نے ان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

- **بہز بن اسد:** "ما رايت مثله ولا شعبة" میں نے ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا شعبہ بھی ان کے برابر نہ تھے۔ (ایضاً ص ۲۴۳)

- **یحیٰ بن معین:** "هو اثبت الناس في عمرو بن دينار" عمرو بن دینار سے حدیث بیان کرنے میں آپ سب لوگوں سے پختہ کار ہیں۔ (ایضاً)

- **ابن مہدی:** "عند سفيان بن عيينة من المعرفة بالقرآن وتفسير الحديث ما لم يكن عند الثوري" معرفت قرآن حکیم اور تفسیر حدیث کا جتنا علم ابن عیینہ کے پاس تھا سفیان ثوری کے پاس نہیں تھا۔ (ایضاً)

- **حافظ ذہبی:** "اتفقت الائمة على الاحتجاج بابن عيينة لحفظه وامانته" ابن عیینہ کے حفظ اور امانت میں قابل حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ (ایضاً)

حدیث اور درس حدیث:۔

اقوال بالا سے ابن عیینہ کی علمی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے، کثرت روایت کے لحاظ سے دوسرے بہت سے اتباع تابعین آپ پر فوقیت رکھتے ہیں مگر حدیث میں ابن عیینہ کو جو بات ان کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے وہ حدیث نبوی کا فہم، تفسیر حدیث کا ملکہ اور وثوق واعتماد ہے ان اوصاف میں کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے احمد بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ ان کا شمار حکماء حدیث میں ہوتا تھا گو کہ ان کی روایتیں صرف سات ہزار تھیں اور انہوں نے حدیث کا کوئی مجموعہ بھی نہیں چھوڑا۔ (تہذیب الاسماء ج۱ص ۲۳۴)

عبدالعزیز بن ابی داؤد کہتے ہیں کہ سفیان ثوری کی مجلس سے مسند روایتیں سن کر ابن عیینہ کے پاس جاتا اور ان روایتوں کو ان کے سامنے پیش کرتا وہ کہتے اس میں یہ غلطی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے پھر میں سفیان ثوری کے پاس آتا اور ان سے ابن عیینہ کی تنقید کا ذکر کرتا تو فرماتے ابن عیینہ نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔ (تاریخ بغداد ج۹ ص ۱۸۱)

عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا: ابن عیینہ کو حدیث کی تفسیر اور حدیث کے متفرق الفاظ کے جمع کرنے میں مہارت حاصل تھی۔ (ایضاً ص ۱۸۱)

اکابر حدیث آپ کی فقاہت پر متفق ہیں ابو حاتم کہتے تھے مسلمانوں کے لیے ان (ابن عیینہ) کا علم حجت ہے عجلی کا بیان ہے کہ ان کی ذات قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔ (تہذیب الاسماء ج۴ ص ۱۳)

بیس بائیس سال کی عمر سے حدیثوں کی روایت کا آغاز فرمایا ہوا یوں کہ آپ مکہ سے کوفہ آئے اور مسعر بن کدام کے حلقۂ درس سے وابستہ ہو گئے مسعر نے خواہش ظاہر کی کہ تحدیث روایت شروع کر دیں ابن عیینہ نے کم سنی کی معذرت کی تو مسعر نے کہا کہ آپ کے پاس امام زہری اور عمرو بن دینار کا سرمایۂ روایات موجود ہے پھر آپ کو کم سنی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے بعد آپ نے حلقۂ درس قائم کیا اور لوگوں کو حدیث نبوی کا درس دینے لگے۔

ابن عیینہ جب کوفہ پہونچے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب درس سے فرمایا "جاء کم حافظ علم عمرو بن دینار" تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آگیا ہے۔ چنانچہ لوگ ان کی مرویات سے استفادہ کے لیے آنے لگے ابن عیینہ کا بیان ہے "اول من صیرنی محدثا ابو حنیفة" جس نے مجھے سب سے پہلے محدث بنایا وہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ (وفیات الاعیان ج۱ص ۳۷۷)

امام شعبہ اپنے شاگردوں سے کہتے جس کو عمرو بن دینار کی مرویات معلوم نہ ہوں اس کو ابن عیینہ کے پاس جانا چاہئے۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۸۰) یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ ابن عیینہ نے اپنے شیوخ شعبہ اور اعمش کی موجودگی ہی میں حلقۂ درس قائم کرلیا تھا اور ان دونوں بزرگوں نے بھی ان سے سماع حدیث کیا تھا۔

ابن عیینہ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا مگر ایام حج میں جب عالم اسلام کے لوگ حرمین شریفین حاضر ہوتے تو ان کے حلقۂ درس میں بڑا ازدحام ہوتا تھا حافظ ذہبی لکھتے ہیں " فلقد كان خلق يحجون والباعث لقاء ابن عيينة فيزدحمون عليه في ايام الحج" ایک مخلوق حج کے لیے جاتی تھی کہ ابن عیینہ سے سماع حدیث کا موقع ملے گا۔ لوگ ایام حج میں ان کے گرد ہجوم کرتے۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۷۵) آپ سے حدیث کا سماع کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے ان میں سے چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

اعمش، شعبہ، ابن جریج، ثوری، مسعر، ابواسحاق فزاری، حماد بن زید، حسن بن حی، ہمام، ابوالاحوص، ابن مبارک، قیس بن ربیع، ابومعاویہ، وکیع، معتمر بن سلیمان، یحییٰ بن ابی زائدہ، محمد بن ادریس شافعی، عبداللہ بن وہب، یحییٰ قطان، ابن مہدی، ابواسامہ، روح بن عبادہ فریابی، ابوالولید طیالسی، عبدالرزاق، ابونعیم، ابوغسان نہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، اسحاق بن راہویہ، عمرو بن علی فلاس، ابوخیثمہ، احمد بن صالح مصری، احمد بن منیع، ابوتوبہ حلبی، ابوجعفر نفیلی، ابوبکر حمیدی، ابن عمر مدنی، علی بن حجر، علی بن خشرم، قتیبہ، ابوموسیٰ عنزی، احمد بن شیبان رملی، حسن بن محمد زعفرانی، زبیر بن بکار، محمد بن عیسی بن حبان، محمد بن عاصم اصبہانی۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۰۵)

فقہ و تفسیر:۔

امام ابن عیینہ کو حدیث کے ساتھ فقہ اور تفسیر میں بھی ملکہ حاصل تھا احمد بن حنبل فرماتے ہیں "ما رايت احدا من الفقهاء اعلم بالقرآن والسنن منه" میں نے فقہاء میں سے کسی شخص کو ابن عیینہ سے زیادہ قرآن وسنت کا عالم نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۰۵)

امام شافعی نے فرمایا: "وجدت احاديث الاحكام كلها عند مالك سوى ثلاثين حديثا ووجدتها كلها عند ابن عيينة سوى ستة احاديث" مجھے امام مالک کے پاس ۳۰ رکے سوا احکام کی تمام احادیث مل گئیں اور امام ابن عیینہ کے پاس ۶ رکے سوا احکام کی تمام

احادیث موجود تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۴۲)

تفسیر میں اتباع تابعین کی جماعت میں نمایاں مقام رکھتے تھے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں اہل علم میں ان سے زیادہ قرآن کا جاننے والا عالم نہیں دیکھا۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۲)

ابن عیینہ کی جلالت شان کے معترف صرف عوام اور علماء ہی نہ تھے بلکہ خلفاء اور امراء بھی آپ کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور ان کا نام عزت کے ساتھ لیتے تھے ابو ربیع کہتے ہیں میں ایک بار ہارون رشید سے ملا تو اس نے پہلے ہاشمی عالموں کا حال پوچھا پھر کہنے لگا سید الناس کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا امیر المومنین آپ کے سوا سید الناس کون ہے؟ کہا سفیان بن عیینہ سید الناس ہیں۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۷۹)

آپ علم وفہم دانش وبینش کا پیکر جمیل تھے بولتے کم تھے مگر جب بولتے منہ سے علم وحکمت کے موتی جھڑتے چند اقوال ہدیہ ناظرین ہیں:

- جس کی عقل زیادہ ہوتی ہے اس کا رزق کم ہوتا ہے
- زہد دراصل صبر ہے اور موت کے انتظار کا نام ہے۔
- علم نفع نہ دے تو ضرر پہونچائے گا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۱۲)
- جو شخص علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے لوگوں کو نفع پہونچے اس کا درجہ خدا کے یہاں وہی ہے جو کسی ایسے غلام کا آقا کے یہاں ہوتا ہے جو ایسا کام کرتا ہے جس سے آقا خوش ہو
- جب کوئی عالم لا ادری کہنا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنی ہلاکت کا سامان کرتا ہے۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۳۱)

زہد وعبادت:۔

ابن عیینہ کا پایہ جس قدر علم میں بلند تھا اسی قدر زہد وعبادت میں اپنے معاصرین پر فائق تھے۔ زندگی بڑی سادہ اور بے تکلف گذارتے تھے۔ ایک بار ان کے شاگرد ابو یوسف غسولی ابن عیینہ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ان کے پاس جو کی دو ٹکیاں رکھی ہوئی ہیں۔ فرمایا چالیس سال سے یہی میری غذا ہے۔

علی بن مدینی فرمایا کرتے تھے "ما فی اصحاب الزھری اتقیٰ من ابن عیینۃ" زہری کے شاگردوں میں ابن عیینہ سے بڑا متقی کوئی نہیں۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۰۵)

عبادت وریاضت سے بڑا شغف تھا انہوں نے بار بار حج وزیارت کی سعادت حاصل کی جب عمر کے آخری سال حج کیا تو فرمایا "قد وافیت ھذا الموضع سبعین مرۃ" میں اس مقدس مقام میں ستر بار آیا۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۷)

وفات: آخری حج کے بعد واپس آئے۔ جمادی الاخریٰ ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) حضرت امام یحییٰ بن سعید قطان رضی اللہ عنہ

۱۲۰ھ صفر ۱۹۸ھ

حافظ الحدیث امام جرح وتعدیل یحییٰ بن سعید قطان بصرہ کے باشندے تھے وہیں ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نسبی تعلق احرار عرب سے تھا۔ آپ کے دادا فروخ بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے اسی نسبت سے تمیمی کہے جاتے ہیں۔ یحییٰ قطان نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ قال اللہ وقال الرسول کے غلغلوں سے معمور تھا۔ قدرت نے انہیں حفظ وضبط کی بے مثال قوت سے نوازا تھا۔ وہ بے شمار احادیث کے حافظ تھے۔ کتاب سامنے رکھ کر حدیث بیان نہ کرتے تھے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث آپ کی قوت حفظ وضبط کے قائل تھے۔

سلیمان بن اشعث نے ایک دفعہ امام احمد سے پوچھا کیا یحییٰ آپ کو اپنے حافظہ سے روایت سناتے تھے؟ فرمایا ہم نے ان کے پاس کتاب نہیں دیکھی اور وہ ہماری کتاب کی طویل طویل حدیثیں پڑھ دیا کرتے تھے۔

بعض اوقات محدثین امتحان کی غرض سے حدیثوں کو گڈمڈ کر کے ان کے سامنے بیان کرتے۔ یحییٰ بن سعید بلا تامل سقم روایت اور تدلیس کی نشاندہی کر کے حدیث کو صحیح صحیح بیان فرمادیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن سعید کا بیان ہے:

ایک مرتبہ امام سفیان ثوری نے سونے چاندی کے برتن میں پانی پینے سے متعلق حدیث اس سند کے ساتھ بیان کی "عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر" میں نے عرض کی اے ابوعبداللہ (سفیان) یہ آپ پر زیادہ آسان تھا کہ کہتے "حدثنا عبید اللہ عن نافع عن یزید بن عبد اللہ بن عبد الرحمن عن ام سلمہ" تو امام ثوری نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۱)

ابن مہدی کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے حضرت سفیان نے فرمایا تم کوئی ایسا آدمی لاؤ

جس سے میں حدیث میں مذاکرہ کروں، یہ حضرت یحییٰ بن سعید کو لے کر پہونچ گئے۔ دونوں میں دیر تک مذاکرۂ حدیث ہوتا رہا جب یحییٰ گھر تشریف لے گئے تو سفیان نے مجھ سے کہا کہ ابن مہدی میں نے تم سے کوئی انسان لانے کو کہا تھا لیکن تم بجائے انسان کے ایک جن لے آئے۔ حافظ ذہبی واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "اندهش سفيان من حفظه" سفیان ثوری نے حضرت یحییٰ کے غیر معمولی حافظہ سے مرعوب ہو کر یہ فرمایا تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۶)

یحییٰ بن سعید نے اس غیر معمولی قوت حفظ کے ساتھ علم حدیث کی تحصیل کی تھی اور وقت کے اکابر مشائخ حدیث سے تحصیل علم کر کے اپنے دامن کو خوب بھر لیا تھا۔ ان کے مشہور شیوخ حدیث یہ ہیں:

سلیمان تیمی، حمید الطویل، اسماعیل بن ابی خالد، عبید اللہ بن عمرو، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، عکرمہ بن عمار، یزید بن ابی عبید، ابان بن صمعہ، ابن حکیم، جعفر بن محمد بن علی بن حسین، جعفر بن میمون اعمش، حسین معلم، ابن جریج، اوزاعی، مالک، ابن عجلان، ابو صخر، حمید بن زیاد، حسن بن ذکوان، حاتم بن ابی صغیرہ، خثیم بن عراک، سلیم بن حیان، شعبہ، سفیان ثوری، ابن ابی عروبہ، سیف بن سلیمان، عبد اللہ بن سعید بن ابی ہند، عبد الحمید بن جعفر، عبد الملک بن ابی سلیمان، عثمان بن غیاث، عثمان اسود، عبید اللہ بن اخنس، عوف الاعرابی، عمران قصیر، قرہ بن خالد، فضیل بن غزوان، یزید بن کیسان، مثنی بن سعد ضبعی۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۰)

حدیث:۔

علم حدیث میں یحییٰ بن سعید کو امتیازی شان حاصل تھی وہ درجۂ امامت پر فائز تھے۔ عراق میں حدیث کا عام رواج انہیں کی ذات سے ہوا۔ انہوں نے رواۃ کی تنقید اور جرح و تعدیل کا خاص اہتمام کیا۔ پھر جو راوی ثقہ ثابت ہوئے ان کی مرویات کو رائج کیا اور جو لوگ ضعیف ثابت ہوئے ان کو ترک کر دیا۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "ما رأيت احدا اقل خطأ من يحيىٰ بن سعيد" میں نے یحییٰ بن سعید سے کم خطا کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

عجلی فرماتے ہیں: "كان نقی الحديث لا يحدث الا عن ثقة" یحییٰ کی حدیثیں بڑی صاف ستھری ہوتی تھیں اور وہ بجز ثقات کے کسی اور سے روایت نہیں کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۵)

حضرت شعبہ سے وہ بہت قریب تھے کامل بیس سال تک ان کی خدمت میں رہے اور ہر روز زیادہ سے زیادہ ان سے تیرہ حدیثیں سنتے۔ شیخ کی بارگاہ سے اس طویل وابستگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اتنے بڑے محدث ہو گئے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو خود حضرت شعبہ ان کو حکم مقرر کرتے۔ ابن مہدی کا بیان ہے:

ایک بار حضرت شعبہ کے سامنے کسی بات پر اختلاف ہو گیا اس پر لوگوں نے کہا آپ ہمارے اور اپنے درمیان کسی کو حکم مقرر فرما دیجئے۔ حضرت شعبہ نے یحییٰ بن سعید قطان کا انتخاب کیا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے تو معاملہ پیش کیا گیا۔ یحییٰ نے فیصلہ حضرت شعبہ کے خلاف کیا۔ لیکن حق پرستی و انصاف پسندی کی شان دیکھو کہ شعبہ شیخ و استاذ ہونے کے باوجود ناراض نہ ہوئے بلکہ فرمایا اے یحییٰ تمہاری گمشدگی کون برداشت کرسکتا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۳۶)

عبدالرحمٰن بن مہدی نے یحییٰ بن سعید قطان سے دو ہزار حدیثیں اپنے ذخیرۂ حدیث میں شامل کر لی تھیں جنہیں وہ ان کی زندگی ہی میں دوسروں سے روایت کرتے تھے۔ ائمہ حدیث نے آپ کی بلند پایہ محدثانہ شخصیت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

- علی بن مدینی: "ما رایت اثبت من یحیی القطان" میں نے یحییٰ بن سعید قطان سے زیادہ پختہ کار کسی کو نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۱)
- احمد بن حنبل: "ما رأت عیناى مثله" میری آنکھوں نے یحییٰ بن سعید کا مثل نہیں دیکھا۔ "کان الیه المنتهی فی التثبت بالبصرة .... لا والله ما ادرکنا مثله" بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم تھا...... خدا کی قسم ہم نے ان کا مثل نہیں پایا۔
- عبدالرحمٰن بن مہدی: "تم اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید جیسا کوئی نہیں دیکھو گے"۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۵)
- امام نسائی: "امنا الله علیٰ حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم مالک وشعبة ویحیی القطان" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اللہ کی طرف سے امانت دار تین بزرگ ہیں۔ مالک، شعبہ، یحییٰ القطان۔ (ایضاً)
- ابوزرعہ: "کان من الثقات الحفاظ" یحییٰ ثقات و حفاظ حدیث میں تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۲)
- ابوحاتم: "حجة حافظ" (ایضاً)

● نسائی: "ثقة ثبت، مرضی" (ایضاً)

● ابن معین: "یحیی القطان اثبت من ابن مهدی فی سفیان" یحییٰ بن سعید قطان سفیان ثوری کی مرویات میں ابن مہدی سے زیادہ پختہ کار تھے۔ (ایضاً)

● بندار: "حدثنا یحییٰ بن سعید امام اهل زمانه" (ایضاً) اپنے زمانے کے امام یحییٰ بن سعید قطان نے ہم سے حدیث بیان کی۔

● ابن سعد: "کان ثقة ماموناً رفیعا حجة" یحییٰ بن سعید قطان ثقہ، مامون، حجت اور رفیع القدر تھے۔ (ایضاً)

جرح وتعدیل:۔

یحییٰ بن سعید قطان محض کثیر الروایہ محدث ہی نہ تھے بلکہ وہ جرح وتعدیل، نقد حدیث اور اسماء الرجال کے امام بھی تھے اور اس فن میں انہوں نے بڑا درک اور کمال حاصل کرلیا تھا۔ حفظ حدیث اور تحدیث روایت سے کہیں زیادہ اہم کام یہ ہے کہ راویان حدیث کے احوال وکوائف کا صحیح علم رکھا جائے ان کی قوت وضعف ان کے عقیدہ ومسلک ان کی دیانت وتقویٰ سے متعلق جملہ معلومات محفوظ رکھی جائیں۔ اور پھر سلسلہ سند میں راویوں کی ترتیب یاد رکھی جائے تاکہ تدلیس سے سند حدیث کو بچایا جاسکے۔ امام یحییٰ بن سعید نے یہ کام بڑی ذمہ داری اور حزم واحتیاط کے ساتھ انجام دیا۔ ابن منجویہ کا بیان ہے:

"کان من سادات اهل زمانه حفظاً وورعاً وفهماً وفضلاً ودیناً وعلماً وهو الذی مهد لاهل العراق رسم الحدیث وامعن فی البحث عن الثقات وترک الضعفاء" وہ اپنے زمانہ میں حفظ وورع، عقل، فضل، دین اور علم کے سردار تھے انہوں نے اہل عراق کے لیے حدیث کی بساط بچھائی اور ثقہ راویوں کے قبول کرنے اور ضعیف راویوں کے ترک کردینے میں انہوں نے کافی غور وخوض کیا اور تلاش وتفتیش کی۔ (تہذیب ج۱۱ص۱۹۳)

امام جرح وتعدیل ابن مدینی کہتے ہیں "ما رایت اعلم بالرجال من یحیی القطان ولا رایت اعلم بصواب الحدیث والخطأ من ابن مهدی فاذا اجتمعا علیٰ ترک رجل ترکته واذا اخذ عنه احدهما حدثت عنه" میں نے یحییٰ بن سعید سے زیادہ علم رجال کا اور عبدالرحمٰن بن مہدی سے زیادہ حدیث کی خطا وصواب کا جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا چنانچہ

یہ دونوں جس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس کو ترک کر دیتا ہوں اور جن رواۃ سے یہ روایتیں قبول کر لیتے ہیں میں بھی قبول کر لیتا ہوں۔ (ایضاً ص ۱۹۱)

ابراہیم بن محمد تیمی کہتے ہیں: " ما رایت اعلم بالرجال من یحی القطان " میں نے یحییٰ قطان سے زیادہ رواۃ حدیث کا جاننے والا نہیں دیکھا۔

رجال کے حالات پر یحییٰ بن سعید کی کتنی گہری نظر تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری نے ایک حدیث کی سند اس طرح نقل کی حدثنا ابو سھل عن الشعبی حضرت یحییٰ نے فوراً کہا ابوسہل تو محمد بن سالم ہیں ثوری یہ سن کر حیران رہ گئے اور فرمایا میں نے آپ جیسا کسی کو نہیں دیکھا آپ سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ بات یہ تھی کہ محمد بن سالم جس کی کنیت ابوسہل تھی ایک ضعیف راوی تھا نام تو مشہور تھا مگر اس کی کنیت ابوسہل کوئی نہیں جانتا تھا۔ حضرت ثوری نے اسناد بیان کی تو راوی کا نام لینے کے بجائے اس کی کنیت ذکر کر دی اور خیال یہ تھا کہ یحییٰ بن سعید قطان کو راوی کی کنیت کا علم نہ ہوگا اس لیے وہ اس اسناد پر کچھ نہ کہیں گے اور حدیث قبول کر لیں گے لیکن اس امتحان میں یحییٰ قطان کامیاب رہے۔ راوی کے نام کے ساتھ اس کی کنیت سے بھی آگاہ تھے چنانچہ انہوں نے سنتے ہی فرمایا یہ ابوسہل تو محمد بن سالم ہیں۔

جلالت علم:۔

امام یحییٰ قطان کے تبحر علمی اور کمال فن کی بناء پر امت کے اکابر ان کا حد درجہ احترام کیا کرتے تھے۔ خلیل کہتے ہیں: وہ کسی اختلاف کے بغیر مسلم امام تھے اور بصرہ میں امام مالک کے اصحاب میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔

ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے وجیہہ نہ تھے دیکھنے میں ایک معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی علمی تمکنت اور وقار کا یہ عالم تھا کہ وہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد ہی میں ٹیک لگا کر بیٹھتے اور ان کا جب درس قائم ہوتا تو بڑے بڑے اساطین علم حدیث جن میں علی بن مدینی امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین جیسے اکابر شامل ہوتے تھے باادب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کے متعلق استفسارات کرتے رہتے تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۲)

ابن عمار کہتے ہیں "کنت اذا نظرت الی یحیٰ بن سعید ظننت انہ لا یحسن شیئا کان یشبہ التجار اذا تکلم انصت لہ الفقھا" جب میں یحییٰ قطان کو دیکھتا تو بظاہر وہ ایک

بدوی معلوم ہوتے تھے میرا خیال تھا کہ یہ کسی مسئلہ کی نسبت کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکیں گے لیکن جب وہ تقریر شروع کرتے تھے تو بڑے بڑے فقہا خاموش ہو کر اسے سنتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۵)

تلامذہ:۔

آپ سے حدیث کی سماعت کرنے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے چند مشہور تلامذہ کے اسماء یہ ہیں:

محمد بن یحییٰ بن سعید، حمید، احمد بن محمد، احمد، اسحٰق، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، عمرو بن علی فلاس، مسدد، ابو بکر بن ابی شیبہ، ابو خیثمہ، بشر بن حکم، صدقہ بن فضل، ابو قدامہ سرخسی، عبداللہ بن عمر قواریری، بندار، ابو موسیٰ، یعقوب دورقی، محمد بن ابی بکر مقدمی، ابو کامل، جحدری، شعبہ، سفیان، معتمر بن سلیمان، عبدالرحمٰن بن مہدی۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۰)

تقویٰ اور خشیت الٰہی:۔

یحییٰ بن سعید قطان جتنے عظیم عالم تھے اتنے ہی زیادہ خداترس، عبادت گذار اور پیکر زہد واتقاء بھی تھے۔ قرآن حکیم سے حد درجہ شغف تھا۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ یحییٰ قطان کا بیس سال تک معمول رہا ہے کہ وہ ہر رات قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۵)

یحییٰ بن معین کا بیان ہے "کان یحییٰ اذاقری القرآن عندہ سقط حتی یصب وجھہ الارض" جب یحییٰ بن سعید کے پاس قرآن پڑھا جاتا تو بیہوش ہو کر گر جاتے اور ان کا سر زمین سے لگ جاتا۔ (ایضاً)

علی بن مدینی کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ یحییٰ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے سورۂ دخان کی تلاوت شروع کی جوں جوں وہ پڑھتا جاتا ان پر رقت طاری ہوتی جاتی تھی جب وہ اس آیت ان یوم الفصل ... پر پہونچا تو ان کا جسم لرزنے لگا اور وہ بیہوش ہو گئے کچھ دیر بعد جب افاقہ ہوا تو ان کی زبان پر یہی آیت تھی۔ (صفوۃ الصفوہ ج ۳ ص ۲۷۷)

کمال عبدیت یہ ہے کہ انسان خوشی اور غم، صحت اور مرض ہر حال میں خداوند تعالیٰ کی رضا اور اس کی مشیت پر صابر وشاکر رہے اس لحاظ سے یحییٰ پیکر تسلیم ورضا اور مجسمۂ صبر ووفا تھے مرض الموت میں کسی نے کہا خدا آپ کو صحت عطا فرمائے فرمایا میں اپنے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اللہ عزوجل میرے لیے پسند کرتا ہے۔

خدا کی جلالت وعظمت اور اس کا خوف پورے وجود پر حاوی رہتا ان کے پوتے کا بیان ہے میرے دادا کسی سے مذاق نہ کرتے اور نہ ہی بلند آواز سے ہنستے اگر کوئی بات ہوتی تو صرف تبسم ریز ہو جایا کرتے وہ کبھی حمام میں داخل نہیں ہوئے کبھی سرمہ نہیں لگایا۔ کبھی بالوں میں تیل نہیں ڈالا۔ وہ حددرجہ قناعت پسند واقع ہوئے تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ص ۱۹۲)

محمد بن ابی صفوان کہتے ہیں: ” کان نفقة یحییٰ لقطان من غلة حنطة وشعیر وتمر “ حضرت یحییٰ قطان کے گھر میں جو غلہ گیہوں، جو اور کھجور آجاتا تھا وہ اس پر ہی قناعت کرتے اور اسی سے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ص ۲۷۵)

وفات: ۷۸/ سال کی عمر پاکر ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) حضرت امام یحییٰ بن آدم رضی اللہ عنہ

۱۴۰ھ ۲۰۳ھ

ابو زکریا یحییٰ بن آدم بن سلیمان کوفی کی ولادت ۱۴۰ھ یا اس کے ایک دو سال ماقبل یا مابعد ہوئی۔ قریش کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے قرشی کہلاتے ہیں۔ انہوں نے مرکز علم وحکمت کوفہ میں آنکھ کھولی۔ علم کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ اکابر محدثین اور فقہاء کی بارگاہوں سے کسب فیض کیا اور کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، حمص کے شیوخ سے علم حاصل کیا۔ ان کے نوے شیوخ ہیں جن میں سے ۷۳/ سے انہوں نے کتاب الخراج اور ۱۷/ سے باقی دوسری کتابوں میں روایت کی ہے ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

ابراہیم بن حمید بن عبدالرحمٰن رواسی، ابراہیم بن حمید تیمی، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمی، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق سبیعی، اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم، ابو بکر بن نہشلی، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن زیاد، حاتم بن اسماعیل، حیان بن علی کوفی، حسن بن ثابت، حسن بن صالح، ابو عبد اللہ ثوری، حسن بن عیاش، حسین بن زید بن علی بن حسین، حفص بن غیاث، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ، شریک بن عبد اللہ، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن ابی زناد، فضیل بن عیاض، مبارک بن فضالہ، وکیع بن جراح، یحییٰ بن زکریا، ابو عثمان کی، فضیل بن عیاض، قطر بن خلیفہ، مسعر بن کدام، موسیٰ بن قیس حضرمی، یونس بن ابی اسحاق سبیعی، عیسیٰ بن طہمان، اسرائیل، سفیان ثوری، جریر بن حازم، حسن بن حی، زہیر بن معاویہ، ابو احوص، عمار بن رزیق، فضیل بن ابی مرزوق، مفضل بن

مہلل، ورقاء، وہیب، ابوبکر بن عیاش وغیرہم۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۴)

علم وفضل:۔

ان شیوخ واساتذہ کے فیض تعلیم وتربیت نے یحییٰ کو علوم اسلامی کا مخزن بنادیا تھا حدیث وفقہ میں ان کی عظمت وجلالت کا اعتراف اکابرامت نے اس طرح کیا ہے:

❁ **یعقوب بن ابی شیبہ:** "ثقة كثير الحديث فقيه البدن ولم يكن له سن متقدم" وہ ثقہ کثیر الحدیث اور بڑے فقیہ تھے۔ حالانکہ ان کا سن (عمر) بہت زیادہ نہ تھی۔

❁ **علی بن المدینی:** "يرحم الله تعالىٰ يحيىٰ بن آدم اى علم كان عنده وجعل يطريه" اللہ یحییٰ بن آدم پر رحم کرے ان کے پاس کتنا وسیع علم تھا پھر دیر تک ان کی مدح کرتے رہے۔

❁ **ابواسامہ:** "ما رايت يحيىٰ بن آدم الا ذكرت الشعبى" میں نے یحییٰ بن آدم کو جب بھی دیکھا شعبی کی یاد آئی۔

❁ **عجلی:** "كان ثقة جامعا للعلم عاقلا ثبتا فى الحديث" وہ ثقہ، جامع علم، عاقل اور حدیث میں ثابت تھے۔

❁ **یحییٰ بن ابی شیبہ:** "ثقة صدوق ثبت حجة مالم يخالف من هو فوقه مثل وكيع" وہ ثقہ، صدوق ثبت حجت تھے ان سے بڑا کوئی نہ تھا جس طرح وکیع بے مثل تھے۔

❁ **ابن حبان:** "ابن معین، امام نسائی، ابوداؤد نے یحییٰ بن آدم کو ثقہ قرار دیا ہے"۔ (ایضا ۱۵۵)

محمد بن احمد بن برا کہتے ہیں۔ میں نے علی بن مدینی کو سنا وہ کہتے تھے۔ میں نے بنظر غور دیکھا تو معلوم ہوا کہ عموماً صحیح سندوں کا دارومدار چھ اشخاص پر ہے مدینہ منورہ میں ابن شہاب، مکہ میں عمرو بن دینار، بصرہ میں قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، اور کوفہ میں ابواسحاق اور اعمش پر پھر ان کا علم ارباب تصنیف ائمہ کے پاس پہونچ گیا۔ مدینہ منورہ میں امام مالک اور ابن اسحاق مکہ معظمہ میں ابن جریج اور سفیان بن عیینہ، بصرہ میں سعید بن عروبہ، حماد بن سلمہ، ابوعوانہ، شعبہ اور معمر کے پاس، اور ان کو پہلے چھ ائمہ سے سماع حاصل ہے کوفہ میں سفیان ثوری، شام میں اوزاعی، واسط میں ہشیم کے پاس، پھر ان بارہ ائمہ کا علم یحییٰ قطان، یحییٰ بن زکریا اور وکیع کے پاس پہونچ گیا پھر ان تینوں کا علم عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابن آدم کے پاس جمع ہو گیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۲۸)

امام یحیٰ سے روایت کرنے والوں کی تعداد کثیر ہے ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

احمد، اسحاق، علی بن المدینی، یحیٰ بن معین، الحسن بن علی الخلال، احمد بن ابی رجاء الہروی، ابوکریب، السندی، یعقوب بن ابی شیبہ، یحیٰ ابن ابی شیبہ، عبدۃ بن عبداللہ الصغار، عباس بن حسین القنطری، محمد بن رافع، محمود بن غیلان، ہارون الحمال، الحسن بن علی بن عفان العامری۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۴)

مصنفات:۔

حافظ ذہبی نے آپ کے بارے میں لکھا "ہو صاحب التصانیف" ابن ندیم نے کتاب الخراج، کتاب الزوال اور کتاب الفرائض کا ذکر کیا ہے مگر موخر الذکر دونوں کتابیں ناپید ہوگئیں۔ کتاب الخراج کا ایک قدیم نسخہ ڈاکٹر جانیبول کو ایم شارل سیفر (پیرس) سے ملا، جسے انہوں نے تحقیق وکاوش کے ساتھ مرتب کرکے ۱۸۹۸ء میں مطبع بریل لیڈن سے شائع کیا۔ یہ نسخہ پانچویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

قاضی ابوالاشیال احمد مصری نے ڈاکٹر جانیبول کے مرتبہ نسخے پر تصحیح کی نظر ڈالی اور غلطیوں کی اصلاح کرکے دوبارہ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں قاہرہ سے شائع کیا۔

خراج اسلامی مملکت کی آمدنی کا ایک شعبہ ہے جس کا قیام عہد رسالت میں ہو چکا تھا۔ حضرت عمر نے حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ کو بھی ایک حد تک منظم کیا اور اس کے اصول وضوابط بنائے جوں جوں اسلامی حکومت کا دائرہ پھیلتا رہا اس شعبہ میں بھی وسعت پیدا ہوتی رہی۔ لیکن تقریباً پونے دو صدی تک اس کا کوئی مکمل تحریری دستور مرتب نہیں ہوا خلیفہ ہارون رشید نے ۱۷۰ھ میں قاضی ابو یوسف سے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے سب سے پہلے کتاب الخراج لکھ کر ہارون کے سامنے پیش کی اس کے بعد اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں یحیٰ بن آدم کی کتاب الخراج اور ابو عبیدہ کی کتاب الاموال زیادہ مشہور ہیں۔

شعبۂ امالیات سے متعلق قرآن پاک کی جن آیات میں اشارات موجود ہیں ان کو امام یحیٰ نے عنوان کے تحت نقل کیا ہے پھر احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے مسائل کے سلسلہ میں اپنی رائے کے بجائے حدیث وآثار صحابہ یا اقوال تابعین پیش کیے ہیں۔

یحیٰ بن آدم قناعت پسند انسان تھے۔ انہوں نے خلفاء اور امراء سے کبھی تعلقات وابستہ نہ کیے وہ بڑی بے نیازی کے ساتھ علم کی خدمت انجام دیتے رہے اور ربیع الاول ۲۰۳ھ میں دار فانی سے رحلت کی۔

(۲۵) حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ

۱۵۰ھ ۲۰۴ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف بن قصی بن کلاب القرشی المطلبی المکی الشافعی، آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں بمقام شہر غزہ علاقۂ عسقلان میں ہوئی۔ دنیائے علم وفن کا یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک امام (ابوحنیفہ) دنیا سے رخصت ہوئے اور دوسرے امام (محمد بن ادریس شافعی) نے بساط ہستی میں ظہور فرمایا۔

امام شافعی جس وقت شکم مادر میں تھے ان کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے خواب دیکھا کہ میرے جسم سے ستارۂ مشتری نکلا اور مصر میں جاکر گرا پھر ہر شہر میں اس کے ٹکڑے منتشر ہوگئے، معبرین خواب نے تعبیر بیان کی کہ ان کے بطن سے ایک ایسا بے نظیر عالم پیدا ہوگا جس کا علم مصر میں عام ہوگا اور وہاں سے اسلامی بلاد وامصار میں پھیلے گا۔ (وفیات الاعیان ج۲ص۳۱۲)

ولادت کے بعد یا اس سے پہلے ہی آپ کے والد نے وصال فرمایا۔ کفالت کی ساری ذمہ داریاں والدہ کے سر آئیں جب دو سال کے ہوئے تو والدہ انہیں لے کر مکہ آئیں اور وہاں سے اپنے وطن یمن لے گئیں جہاں امام صاحب نے بچپن کے آٹھ سال گذارے اور وہیں تحصیل علم کی ابتداء کی۔

تحصیل علم:۔

قدرت نے آپ کو ایسا بے نظیر حافظہ اور اعلیٰ ذہن عطا فرمایا تھا کہ جو کچھ پڑھتے ذہن میں محفوظ ہوجاتا چنانچہ سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کرلیا اور دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک زبانی یاد کرلی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ”بچپن میں میری ساری توجہ دو باتوں کی طرف تھی، تیراندازی اور تحصیل علم تیراندازی میں مجھے اتنی مہارت ہوگئی تھی کہ دس میں دس نشانہ صحیح بیٹھتا تھا اسی زمانہ میں گھوڑے کی سواری کا شوق تھا اور تیراندازی وشہ سواری کے موضوع پر کتاب السبق والرمی لکھی جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔ (تہذیب التہذیب ج۹ص۲۶)

دس سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ کو نسبی شرافت کے زائل ہونے کا اندیشہ ہوا اور آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آگئیں جہاں باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ مکہ اس وقت علم کا زبردست مرکز تھا۔ آپ نے انساب کی تعلیم کا ارادہ کیا اور دوسرے علوم وفنون کی تحصیل کی جانب رغبت پیدا ہوئی مگر تہی دست یتیم کے پاس معلمین اور اساتذہ کو دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا حتی کہ کاغذ تک میسر نہ آتا جو کچھ سنتے اسے ہڈیوں اور پتوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ عربیت اور شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا تو بنی ہذیل میں رہ کر ان کی زبان وکلام میں ملکہ پیدا کیا ہذلیوں کے دواوین انہیں زبانی یاد تھے۔ اصمعی جیسے مستند ادیب ولغوی کا بیان ہے کہ ''میں نے محمد بن ادریس نامی ایک قریشی نوجوان سے ہذلیین کا دیوان پڑھا''۔ (مناقب الامام الشافعی ص ۵۳)

بنی ہذیل کی مجالست میں امام شافعی کا شعری ذوق بھی پروان چڑھا اور وہ عربی زبان کے قادر الکلام اور فصیح اللسان شاعر بن گئے۔ آپ کا دیوان شرح کے ساتھ مصر میں ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مکہ ہی میں اپنے چچا محمد بن شافع اور فقیہ مکہ مسلم بن خالد زنجی کی درسگاہ سے کسب فیض کرنے لگے۔ مسلم بن خالد زنجی بڑے جوہر شناس تھے۔ امام صاحب کی ذہانت، ذکاوت اور قوت حفظ کی وجہ سے بے حد مانوس ہو گئے کامل تین برس تک ان سے حدیث وفقہ کی تکمیل کی۔ مجلس درس میں امام مالک کا اکثر وبیشتر تذکرہ ہوتا چنانچہ دل میں زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ شیخ سے ارادہ کا اظہار کیا تو انہوں نے امام مالک کی خدمت میں سفارشی خط لکھا کہ جس نوخیز جوان کو میں خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں وہ آپ کے فیوض وبرکات کا واقعی مستحق ہے اور اس میں غیر معمولی صلاحیتیں موجود ہیں۔ بعض تذکروں میں یہ صراحت ہے کہ یہ خط امیر مکہ نے امیر مدینہ کی وساطت سے امام مالک کی خدمت میں بھیجا تھا۔ زادسفر کے لیے سرمایہ نہ تھا کسی نے اعانت کی اور آپ مدینہ منورہ پہونچے۔ امام مالک کی بارگاہ میں خط پیش کیا خط پڑھ کر آپ نے فرمایا۔ ''سبحان الله وصار علم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوخذ بالوسائل سبحان الله'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وسیلوں اور سفارشوں سے حاصل کیا جانے لگا ہے۔ امام شافعی نے معذرت پیش کی اپنے حالات اور شوق علم کو اس خوبی سے بیان کیا کہ امام مالک متاثر ہوئے۔ پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا محمد بن ادریس۔ فرمایا'' يا محمد اتق الله واجتنب المعاصي فانه سيكون لك شان من الشان'' محمد اللہ سے خوف کرو اور گناہوں سے بچو کیوں کہ آئندہ تم بہت باحیثیت انسان ہوگے''۔

اس کے بعد امام شافعی امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر مؤطا کی زبانی قرأت کیا کرتے اور کچھ دنوں میں موطا کا درس تمام ہوا مگر آپ امام صاحب کی وفات ۱۷۹ھ تک مدینہ میں مقیم رہے امام شافعی نے آٹھ ہی ماہ امام مالک کی مجلس میں گذارے مگر ان کی علمی برکتوں سے خوب خوب فیض اٹھایا اور ان کے علمی احسانات کے معترف رہے۔ فرماتے تھے:

" مالک معلمي واستاذی ومنه تعلمنا العلم وما احدا من علي بن مالک وجعلت مالكا حجة فيما بيني وبين الله '' مالک میرے معلم اور میرے استاذ ہیں میں نے علم انہی سے سیکھا ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے میں نے ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا ہے۔ (الدیباج المذہب ص ۲۲۸)

خود امام مالک امام شافعی کے فہم و ذکاء اور طباعی کی تعریف کیا کرتے۔ فرماتے تھے "ان یک احد یفلح فهذ الغلام "یہ لڑکا یقیناً کامیاب ہوگا۔

نجران کی گورنری:۔

مدینہ سے مکہ واپس لوٹے جہاں شیوخ علم کی بارگاہوں میں جاتے آتے رہے مگر معاش کی فکر دامن گیر رہی والی یمن مکہ آیا عمائدین قریش نے آپ کی اہلیت اور استحقاق بیان کرکے کسی منصب کی سفارش کی چنانچہ اس نے آپ کے لیے سرکاری خدمت تفویض کی جس کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں۔ والی یمن نے خوش ہوکر نجران کا گورنر مقرر کردیا بہت جلد حسن انتظام اور عدل وانصاف کی بدولت مشہور ہوگئے اور عوام وخواص کے دلوں میں جگہ بنالی۔ جامعیت علم عدل وانصاف کے چرچے عام ہوئے۔ آپ کا ایک حلقۂ اثر بن گیا جس سے والی یمن کو اندیشہ لاحق ہوا اور اس نے خلیفہ ہارون رشید کو شکایتی خط لکھا کہ'' محمد بن ادریس شافعی سادات کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف سازش کررہے ہیں ان کا یہ عمل عباسی اقتدار کے لیے باعث تشویش ہے'' ہارون رشید ناراض ہوا اور حکم دیا کہ امام شافعی اور ان کے حلقہ بگوشوں کو گرفتار کرکے دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔ اسیروں کا یہ قافلہ رقہ میں ہارون کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے تمام قیدیوں کو قتل کردینے کا حکم صادر کیا۔ جب امام شافعی کی باری آئی تو امام صاحب نے اپنی بے گناہی بیان کی اسی وقت امام محمد بن حسن شیبانی دربار میں پہونچے اور امام شافعی کے علمی فضائل اور ان کی بے گناہی بیان کی ہارون نے آپ کو امام محمد کے حوالہ کرتے ہوئے کہا میں ان کے معاملہ میں غور کروں گا اور پھر خلیفہ نے آپ سے درگذر کیا یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے۔ اس احسان کے بعد امام شافعی امام محمد سے کسب علم میں مصروف

ہو گئے اوران کے فقہی ذوق اور قوت اجتہاد کو جلا نصیب ہوئی۔ امام محمد مالی اعانت بھی کیا کرتے تھے امام شافعی امام محمد سے تحصیل علم کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

”وکان محمد بن الحسن جید المنزلة عند الخلیفة فاختلف الیه وقلت هو اولیٰ من جهة الفقه فلزمته وکتبت عنه وعرفت اقاویلهم و کان اذا قام ناظرت اصحابه فقال لی بلغنی انک تناظرهم فناظرنی فی الشاهد والیمین فامتنعت فالح علی فتکلمت معه فرفع ذٰلک الی الرشید فاعجبه ووصلنی“

امام محمد کی خلیفہ کے یہاں بڑی قدر و منزلت تھی میں امام محمد کے پاس آمد و رفت کرنے لگا اور میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ یہ فقہ میں اس وقت سب سے بہتر ہیں بس میں تو انہیں کا ہو کر رہ گیا ان کی کتابیں نقل کیں اور ان حضرات کے نظریات و اقوال پر مطلع ہوا اور جب امام مجلس سے چلے جاتے تو میں ان کے اصحاب سے بحث و مباحثہ بھی کرتا تھا امام محمد نے ایک روز فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا تم مباحثہ کرتے ہو آؤ آج میرے ساتھ بھی شاہد و یمین کے مسئلہ پر بحث کرو مجھ کو ادب مانع ہوا انکار کیا تو بڑے اصرار سے مجھ کو مجبور کیا تو میں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی جسے امام محمد نے پسند کیا اور ہارون رشید سے بھی اس کا تذکرہ کیا خلیفہ نے بھی پسند کیا اور اپنے پاس آمد و رفت کا موقع دیا اس طرح خصوصی تعلق قائم ہو گیا۔ (توالی التاسیس ص ۶۹)

امام شافعی امام محمد کے تلمذ پر فخر کیا کرتے تھے اور ان کی حدیث و فقہ سے استفادۂ کثیر کا ذکر اس طرح کیا کرتے۔ ”انی لا عرف الاستاذیة علی لمالک ثم لمحمد بن الحسن“ میں امام مالک پھر امام محمد کے استاذ ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔ (اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ صیمری ص ۱۲۴)

میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹ کے بار برابر حدیثیں لکھی ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو علم میں میری زبان نہ کھلتی تمام اہل علم فقہ میں اہل عراق کے عیال ہیں اور اہل عراق اہل کوفہ کے عیال ہیں اور اہل کوفہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ (ایضا)

شیوخ:۔

امام شافعی کا علمی سفر بغداد میں ختم ہوا۔ آپ نے امت کے جن اکابر بن علم سے فیض پایا ان میں چند اہم نام یہ ہیں:

مسلم بن خالد زنجی، مالک بن انس، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم قداح، دراوردی،

عبدالوہاب ثقفی، ابن علیہ، ابن عیینہ، ابوحمزہ، حاتم بن اسماعیل، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد مخزومی، ہشام بن یوسف صنعانی، (امام محمد بن حسن شیبانی) (تہذیب التہذیب ج۹ ص۲۳)

علم وفضل:۔

امام شافعی کو قدرت نے ذہن رسا، قوی حافظہ، فہم وفراست، باریک بینی اور ژرف نگاہی کی دولت سے سرفراز کیا تھا۔ انہوں نے اسی خداداد استعداد علم کے ساتھ تحصیل علم کے میدان میں قدم رکھا۔ نامساعد حالات اور صبر آزما مشکلات میں بھی علوم وفنون کی تحصیل سے کبھی غافل نہ رہے۔ ساتھ ہی ساتھ مکہ، مدینہ، یمن اور عراق کے شیوخ واساتذہ کی بارگاہوں سے کسب فیض کا موقع میسر آتا رہا اور سفر علم کی تکمیل بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی کی صحبت میں ہوئی۔ امام شافعی عربیت، شعر وسخن، فصاحت وبلاغت، قرآن وحدیث، فقہ واجتہاد، انساب میں کمال رکھتے تھے۔ آثار صحابہ، اختلاف اقاویل علماء نیز تمام علوم وفنون کے جامع تھے۔ ایک مجتہد مطلق کے لیے جو علمی خصوصیات اور تبحر ناگزیر ہے ان سے وہ مالا مال تھے۔ امام شافعی کی عظمت علم کا اعتراف ملت کے ائمہ فقہ، محدثین اور ارباب سیر نے اس طرح کیا ہے:

- **زعفرانی:** "**فما کان مثله الا مثل الیهود فی ابن سلام**" علم میں امام شافعی کا کوئی مثل نہیں جس طرح علماء یہود میں عبداللہ بن سلام کا کوئی مثل نہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص۲۵)
- **ابوعبید:** "**ما رایت رجلا اعقل من الشافعی**" میں نے امام شافعی سے بڑا عقلمند شخص نہیں دیکھا۔ (ایضاً)
- **قتیبہ:** "**الشافعی امام**" شافعی امام ہیں۔ (ایضاً)
- **ابوثور:** "**من زعم انه رای مثل محمد بن ادریس فی علمه و فصاحته وثباته وتمکنه ومعرفته فقد کذب**" جو خیال کرتا ہے کہ اس نے علم فصاحت، ثبات، تمکن اور معرفت میں امام محمد بن ادریس شافعی کا مثل دیکھا تو وہ جھوٹا ہے۔ (ایضاً ص۲۶)
- **احمد بن سیار مروزی:** "**لولا الشافعی لدرس الاسلام**" اگر امام شافعی نہ ہوتے تو اسلام مٹ جاتا۔ (ایضاً ص۲۷)
- **ابوحاتم:** "**فقیه البدن صدوق**" فقیہ اور صدوق تھے۔ (ایضاً)

❁ ایوب بن سوید: "ما ظننت انی اعیش حتی اری مثله" میں نہیں گمان کرتا کہ اگر میں مزید زندہ رہوں تو امام شافعی کا مثل نہیں دیکھ سکتا۔ (ایضاً)

❁ یحییٰ بن سعید قطان: "ما رایت اعقل و لا افقه من الشافعی و انا ادعو الله له اخصه به وحده فی کل صلوٰۃ" میں نے امام شافعی سے بڑھ کر عقل مند اور فقیہ نہیں دیکھا اور میں ہر نماز میں خاص طور پر ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔ (ایضاً)

❁ قاسم بن سلام: "ما رایت رجلا قط اکمل من الشافعی" میں نے کبھی کسی شخص کو امام شافعی سے بڑھ کر کامل العلم نہیں پایا۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۱۲)

❁ امام احمد بن حنبل: "کان الشافعی کالشمس للدنیا و کالعافیة للبدن، ما بت منذ ثلاثین سنة الا و انا ادعو للشافعی و استغفر له" امام شافعی دنیا کے لیے سورج کے مانند تھے اور وہ ایسے تھے جس طرح جسم کے لیے عافیت (صحت) ہوا کرتی ہے تیس سال گذر گئے کہ میں ہمیشہ شافعی کے لیے دعا کرتا ہوں اور ان کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ (ایضاً)

❁ علامہ ابن خلکان: "و کان الشافعی کثیر المناقب جم المفاخر منقطع القرین اجتمعت فیه من العلوم بکتاب الله و سنة الرسول صلی الله علیه وسلم و کلام الصحابة و آثارهم واختلاف اقاویل العلماء و غیر ذلک من معرفة کلام العرب و اللغة والعربیة والشعر" امام شافعی کثیر المناقب اور بہت سارے مفاخر کے جامع، منقطع القرین، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، صحابہ کے کلام و آثار، اور علماء کے مختلف فیہ اقوال اور اس کے علاوہ کلام عرب کی معرفت، لغت، عربیت، شعر جیسے علوم وفنون ان میں جمع ہو گئے۔ (ایضاً)

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں ایک دن میرے استاذ امام احمد بن حنبل نے مجھے مکہ میں فرمایا "تعال حتی اریک رجلا لم تر عیناک مثله فاقامنی علی الشافعی" آؤ میں تم کو ایک ایسا انسان دکھاؤں کہ اس جیسا انسان آج تک تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا پھر مجھے امام شافعی کی خدمت میں لے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۹)

❁ احمد بن حنبل: "ما احد مس محبرة و لا قلما الا و للشافعی فی عنقه منه" جس آدمی نے بھی قلم و دوات کو ہاتھ لگایا ہے امام شافعی کا اس کی گردن پر احسان ہے۔ (ایضا)

یونس بن عبد الاعلی: ۔ اگر تمام لوگوں کی عقل شافعی کی عقل میں ضم کر دی جائے تو لوگوں کی عقل کا پتہ نہیں چلے گا۔ (ائمہ اربعہ ص ۱۷۱)

۞ ابن عبدالحکم: "ان کان احد من اهل العلم حجة فالشافعی حجة فی کل شئ" اگر کوئی اہل علم حجت ہوتا تو امام شافعی ہر چیز میں حجت ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص۲۷)

حدیث:۔

امام شافعی ابتداء ہی سے حدیث کے حفظ وضبط کی طرف مائل تھے۔ مکہ کے شیوخ حدیث کی بارگاہوں میں حدیث کا سماع کرتے۔ ایک روایت کے مطابق جب امام مالک کی خدمت میں حاضری اور طلب علم کا شوق پیدا ہوا تو نو راتوں میں پوری مؤطا حفظ کرلی اور امام مالک کی بارگاہ میں مؤطا کی زبانی قرأت کی۔ اس بے نظیر قوت حفظ وضبط اور بیکراں جذبۂ طلب حدیث نے انہیں بہت بڑا حافظ الحدیث بنادیا تھا۔ امام مالک، امام سفیان بن عیینہ اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے اساطین علم سے کسب فیض نے انہیں بحرِ علم بنادیا تھا وہ صرف حافظ الحدیث ہی نہیں تھے بلکہ حدیث کے معانی و مفاہیم، راویوں کے حالات وکوائف اور حدیث کی صحت وسقم کے زبردست عالم تھے۔ انہوں نے ضبط ونقل روایت کے علاوہ جمع روایات، تنقید احادیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے قواعد مرتب کیے، خدمت حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند ہے محدثین نے ان کے حفظ وضبط، ثقہ اور حجت ہونے کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

۞ امام نسائی: "کان الشافعی عندنا احد العلماء ثقة مامونا" امام شافعی ہمارے نزدیک ثقہ مامون علماء میں سے ایک ہیں۔ (تہذیب ج۹ ص۲۷)

۞ ابوداؤد: "لیس للشافعی حدیث اخطأ فیه" امام شافعی کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں انہوں نے خطا کی ہو۔ (ایضاً)

۞ ابوزرعہ رازی: "ما عند الشافعی حدیث غلط" امام شافعی کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں خطا ہو۔ (ایضاً)

۞ حافظ ذہبی: "وکان حافظا للحدیث بصیرا بعلله لا یقبل منه الاما ثبت عنده و لو طال عمره لا زداد منه" آپ حدیث کے حافظ اور اس کے علل کو خوب جاننے والے تھے صرف وہی حدیث قبول کرتے جو آپ کے نزدیک درجۂ صحت کو پہونچ جاتی تھی۔ اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو اس فن میں آپ کے کمال میں مزید اضافہ ہوجاتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۳۰)

علم حدیث پر امام شافعی کے عظیم احسانات کا اعتراف ائمہ فن نے اس طرح کیا ہے۔

۞ ابوحاتم رازی: "لولا الشافعی لکان اصحاب الحدیث فی عمی" اگر امام

شافعی نہ ہوتے تو اصحاب حدیث تاریکی میں رہتے (مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۹)

❁ زعفرانی: "کان اصحاب الحدیث رقوداً حتی جاء الشافعی فایقظھم فتیقظوا" حدیث والے سوئے ہوئے تھے امام شافعی آئے انہیں بیدار کیا تو وہ بیدار ہوئے (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۱۲)

❁ محمد بن حسن: "ان تکلم اصحاب الحدیث یوماً فبلسان الشافعی" اصحاب حدیث ہمیشہ امام شافعی ہی کی زبان میں کلام کریں گے۔ (توالی التاسیس ص ۵۴)

❁ امام احمد بن حنبل: "ان اللہ یقیض للناس فی کل رأس مائۃ سنۃ من یعلمھم السنن و ینفی عن رسول اللہ ﷺ الکذب فنظر نا فاذا فی رأس المائۃ عمر ابن عبد العزیز و فی رأس المائتین الشافعی"۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۵)
بیشک اللہ لوگوں کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو لوگوں کو سنن کی تعلیم دے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب جھوٹ کی نفی کرے گا۔ میں نے جب اس پر غور کیا تو دیکھا پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز ہوئے اور دوسری صدی کے آخر میں امام شافعی ہوئے۔ (جنہوں نے علم سنت کو عام کیا)

فقہ واجتہاد:۔

امام شافعی فقہ واجتہاد میں کامل درک رکھتے تھے انہوں نے امام ابن جریج فقیہ مکہ کی کتابیں ان کے تلامذہ سے حاصل کی تھیں امام دار الہجرت مالک بن انس کی فقہ براہ راست ان سے حاصل کی اور امام اعظم ابو حنیفہ کی فقہ ان کے شاگرد رشید محمد بن حسن شیبانی سے حاصل کی اس طرح آپ نے مکہ، مدینہ اور کوفہ کے جلیل القدر فقہاء کا علم حاصل کر کے اس علم میں بصیرت پیدا کر لی۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں "کان الفقہ قفلا علی اھلہ حتی فتحہ اللہ بالشافعی" فقہ فقیہوں کے لئے ایک قفل تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کے ذریعہ کھولا۔ (معجم الادباء ج ۶ ص ۳۸۹)

❁ اسحاق بن راہویہ: "الشافعی امام ما احد تکلم بالرای الا و الشافعی اکثر ھم اتباعا و اقلھم خطأ" امام شافعی امام ہیں جن لوگوں نے بھی رائے وقیاس سے کام لیا ہے امام شافعی ان سب سے زیادہ متبع سنت اور خطا کا کم ارتکاب کرنے والے ہیں (تذکرہ ج ۱ ص ۳۳۰)

امام شافعی نے اپنے فقہی مسلک کا آغاز بغداد ہی میں کر دیا اور اپنے فقہی مسائل کا

استخراج واستنباط شروع کردیا تھا قاضی عیاض لکھتے ہیں۔

”و سمع الموطا من مالک و سر به مالک ثم سار الشافعی الیٰ العراق فلزم محمد بن الحسن و ناظره علی مذهب اهل المدینة و کتب کتبه و رتب هناک قوله القدیم وهو کتاب الزعفرانی“ امام شافعی نے امام مالک سے مؤطا کا سماع کیا جس سے امام مالک خوش ہوئے پھر امام شافعی عراق جاکر محمد بن حسن کے یہاں رہ گئے اہل مدینہ کے مذہب کے بارے میں ان سے بحث و مذاکرہ کیا اور امام محمد کی کتابیں لکھیں اور وہیں اپنا قول قدیم مرتب کیا جو زعفرانی کی کتاب میں ہے (ترتیب المدارک ص ۳۸۵)

امام شافعی نے فقہاء حجاز و عراق کے اصول و فروع کو سامنے رکھ کر درمیانی راہ اختیار کی وہ قرآن کے ظواہر کو حجت مانتے ہیں پھر سنت رسول سے استدلال کرتے ہیں یہاں تک کہ خبر واحد کو بھی قابل عمل قرار دیتے ہیں۔ تعامل اہل مدینہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اجماع کو حجت مانتے ہیں۔ آخر میں اس قیاس پر عمل کرتے ہیں جس کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہے۔ امام شافعی کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے فقہی مسلک کی وضاحت ہوتی ہے۔

”ان القاضی والمفتی لا یجوز ان یقضی او یفتی حتی یکون عالماً بالکتاب و ما قال اهل التاویل فی تاویله و عالماً بالسنن و الآثار و عالماً باختلاف العلماء حسن النظر صحیح الاود ورعاً مشاوراً فیما اشتبه علیه“ قاضی اور مفتی کے لئے فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ کتاب اللہ اور اس کی تفسیر کے عالم اور سنن و آثار اور اختلاف علماء کے عالم نہ ہوں ان میں حسن نظر، صحیح فہم، تقویٰ اور مشتبہ مسائل میں مشورہ ہونا چاہئے (جامع بیان العلم ج۲ ص۸۲)

ان کے فقہی مسلک کی اساس صحیح حدیث پر قائم تھی وہ کہا کرتے تھے ”واذا صح الحدیث فهو مذهبی“۔ (مختصر صفوة الصفوه لابن جوزی ص ۲۱۴)

اقوال قدیمہ و جدیدہ:۔

امام شافعی نے اپنے فقہی اقوال و آراء کو بغداد میں مرتب کرنا شروع کیا اور یہ عمل قیام مکہ کے دوران بھی جاری رہا۔ اس طرح قیام مصر سے پہلے انہوں نے اپنے فقہی مسلک پر جو مسائل جمع کئے انہیں قول قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے راوی ابو علی حسن بن محمد زعفرانی، ابو ثور ابراہیم بن خالد، احمد بن حنبل، اور حسین بن علی کرابیسی ہیں جب مصر آئے تو اپنے اقوال و آراء پر نظر ثانی کی اور

اپنے مسائل مستنبطہ کو از سر نو مدوّن کیا جنہیں اقوال جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے راوی و ترجمان چھ تلامذہ ہیں، ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحیٰ مزنی، ربیع بن سلیمان مرادی، ربیع بن سلیمان بن داؤد جیزی ابو یعقوب یوسف بن یحیٰ بویطی، ابو حفص حرملہ بن یحیٰ، یونس بن عبد الاعلیٰ۔

علم اصول فقہ:۔

اصول فقہ کی تدوین امام شافعی کا بہت بڑا کارنامہ ہے وہ اس فن کے مدون اول کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

اسنوی کہتے ہیں: "ان الشافعی ھو اول من صنف فی اصول الفقه بالاجماع "امام شافعی نے بالاتفاق اصول فقہ میں سب سے پہلے تصنیف کی (شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۰)

بدر الدین زرکشی کہتے ہیں کہ "امام شافعی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیف کی اس فن میں انہوں نے کتاب الرسالۃ، کتاب احکام القرآن، اختلاف الحدیث، ابطال الاستحسان، کتاب اجماع العلم اور کتاب القیاس لکھ کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا"۔ (البحر المحیط)

اشاعت علم اور حلقۂ درس:۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اللھم اھد قریشاً فان عالمھا یملأ طباق الارض علما" خدایا تو قریش کو ہدایت دے پس ان کا ایک عالم روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔

علامہ ابو نعیم عبد الملک بن محمد نے اس حدیث کا مصداق امام شافعی کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس حدیث میں قریش کے جن عالم کی پیشین گوئی کی گئی ہے اس کا مصداق امام عبد اللہ شافعی رضی اللہ عنہ ہیں"۔ (ملخصا تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۴)

بلا ریب عہد امام شافعی سے لیکر آج تک ان کا علمی فیضان جاری ہے اور ان کے مکتب فقہ و حدیث کے تعلیم یافتہ اصحاب نے ان کے علم و فضل کی میراث کو دنیا والوں پر تقسیم کیا اور آج تک یہ فیضان جاری ہے اور ان کے اس خواب کی سچی تعبیر ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں میں نے ایک شب خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے مجھے سلام کر کے مصافحہ کیا اور اپنی انگوٹھی اتار کر مجھے پہنا دی میں نے اس خواب کا تذکرہ اپنے چچا سے کیا تو انہوں نے کہا حضرت علی کا مصافحہ عذاب سے امان ہے اور انگشتری کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں جہاں تک حضرت علی کا نام پہونچا ہے تمہارا نام بھی وہاں تک پہونچے گا۔ (ایضا)

امام شافعی نے جملہ علوم وفنون متداولہ میں کمال پیدا کرنے کے بعد علماء سلف کی روایت کے مطابق حلقۂ درس قائم کیا، اور اپنے چشمۂ علم سے دنیا کو خوب خوب سیراب کیا۔ ان کی مجلس درس سب سے پہلے بغداد میں قائم ہوئی پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے عمر کے آخری سالوں میں مصر چلے گئے۔ ان تینوں مقامات میں ان کے علمی کمال کا شہرہ ہوا اور حلقۂ درس میں شریک ہونے والوں کی تعداد ایک ایک وقت میں سات، سات سو ہوا کرتی تھی۔ عام طالب علموں کے علاوہ علماء وشیوخ کی بھی خاصی تعداد مجلس درس میں حاضر رہتی تھی۔ حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں کہ قیام بغداد کے زمانے میں امام شافعی کی مجلس میں ادباء اور کتاب حاضر ہو کر ان سے فصاحت دبلاغت اور حسن بیان سنتے تھے، میں کیا کسی نے ان کے دور میں ان جیسا عالم نہیں دیکھا۔

ابوالفضل زجاج کہتے ہیں کہ جس وقت امام شافعی بغداد میں تشریف لائے وہاں کی جامع مسجد میں چالیس، پچاس علمی اور درسی حلقے جاری تھے اور امام صاحب ایک ایک حلقہ میں بیٹھ کر حاضرین سے کہتے تھے قال اللہ اور قال الرسول اور وہ لوگ قال اصحابنا کہتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد مسجد میں ان کے حلقہ کے علاوہ کوئی حلقہ باقی نہیں رہ گیا خود امام صاحب کہتے ہیں کہ میں بغداد میں ناصر الحدیث کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔ (تاریخ البغداد ج ۲ ص ۳۸۶)

آپ کی مجلس درس کا نظام الاوقات یہ تھا۔ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک فقہ کا درس دیتے پھر حدیث کا درس شروع ہوتا، اس کے بعد مجلس وعظ ہوتی، پھر مذاکرات علمی ہوتے رہتے ظہر کے بعد ادب شعر، شاعری، عروض، نحو ولغت کا درس ہوتا رہتا، پھر عصر تک گھر پر آرام فرماتے۔ عصر سے لے کر مغرب تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک امام شافعی کے حلقۂ درس کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگانا آسان ہوگا۔ محمد بن فضل بزار اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سال میں نے احمد بن حنبل کے ساتھ حج کیا ہم مکہ میں ایک ہی مکان میں ٹھہرے میں صبح کے وقت احمد بن حنبل کی تلاش میں مسجد حرام کی ایک ایک مجلس درس میں گیا دیکھا کہ احمد بن حنبل ایک بدوی جوان کے پاس بیٹھے ہیں میں نے ان کے پاس جا کر کہا کہ ابو عبداللہ آپ سفیان بن عیینہ کی مجلس درس چھوڑ کر یہاں بیٹھے ہیں؟ حالانکہ وہاں ابن شہاب زہری، عمرو بن دینار، زیاد بن علاقہ اور تابعین موجود ہیں۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ خاموش رہو اگر تم سے کوئی حدیث علو (سند عالی) سے فوت ہو جائے تو نزول (سند سافل) سے اس کو پا سکتے ہو اور دین اور عقل میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور اگر اس جوان کی

عقل تم کو نہ ملی تو میرے خیال میں قیامت تک اس کو نہیں پاؤ گے۔ میں نے کتاب اللہ کا اس سے زیادہ فقیہ اور زیادہ سمجھدار نہیں پایا میں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ (الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۲۰۴)

امام شافعی نے جس ایثار و اخلاص اور انہماک کے ساتھ علم طلب کیا تھا اسی نہج پر اس دولت لازوال کو اپنے شاگردوں کے سینوں میں منتقل کر دینے کا جذبہ رکھتے تھے چنانچہ اپنے ایک شاگرد ربیع سلیمانی مرادی کے حق میں فرمایا " **یا ربیع لو امکننی ان اطعمک العلم لاطعمتک** " اے ربیع اگر میرے بس میں ہوتا کہ میں تم کو علم کھلا دوں تو ضرور کھلا دیتا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۳)

تدریس و تعلیم میں معلم کے لیے طلبہ کی نفسیات، افتاد طبع، کا درک بڑی اہمیت رکھتا ہے امام شافعی اپنے شاگردوں کی نفسیات، قبول علم کی صلاحیت اور ان کی طبیعت و مزاج کے رمز شناس تھے۔ چنانچہ انہوں نے کبھی کبھی اس بات کا اظہار بھی کیا۔ بغداد سے جاتے ہوئے امام احمد بن حنبل کے بارے میں فرمایا کہ ان کے جیسا پاکباز، متقی، فقیہ اور عالم کسی کو نہ چھوڑا۔

اپنے تلمیذ خاص مزنی کے بارے میں کہا کہ " **المزنی ناصر مذھبی** " اور دوسرے شاگرد ربیع مرادی کے بارے میں " **الربیع روایتی** "

بغداد کے حلقۂ درس کے چار اہم تلامذہ: زعفرانی، ابوثور، احمد بن حنبل، اور کرابیسی۔ مصر کے فیض یافتہ شاگردوں میں چھ نام اہم ہیں جنہوں نے فقہ شافعی کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مزنی، ربیع جیزی، ربیع مرادی، بویطی، حرملہ، یونس بن عبد الاعلیٰ ان اہم شاگردوں کے علاوہ کچھ اور قابل ذکر تلامذہ کے اسماء یہ ہیں: سلیمان بن داؤد ہاشمی، ابو بکر عبد اللہ بن زبیر حمیدی مکی، ابراہیم بن منذر حزامی، ابراہیم بن خالد، ابو طاہر بن سراج، عمرو بن سواد عامری، ابو الولید موسیٰ بن ابو الجارود مکی، ابو یحییٰ محمد بن سعید بن غالب عطار، ابو عبید، احمد بن سنان واسطی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، ہارون ایلی۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۳)

تصانیف:۔

امام شافعی نے اپنے علوم و فنون کی امانت جس فراخ دلی سے اپنے تلامذہ کو تفویض کی اسی طرح اپنے گراں بہا علمی تجربات اور فنی افکار، فقہی آراء کو کتابوں میں مرتب فرما دیا۔ آپ کا تصنیفی ذوق عنفوان شباب ہی سے پروان چڑھنے لگا تھا جو اخیر عمر تک باقی رہا اور آپ کے قلم سے بیش بہا علمی و فنی جواہر پارے عالم شہود میں آئے۔ آپ کی کثرت تصانیف پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوا کرتی تھی۔

اسحاق بن راہویہ سے پوچھا گیا کہ امام شافعی نے اتنی زیادہ کتابیں کیسے لکھیں جب کہ ان کی عمر مختصر تھی آپ نے فرمایا" **جمع اللہ تعالیٰ لہ عقلہ لقلۃ عمرہ**" قلت عمر کے باوجود اللہ نے ان پر عقل وعلم کو جمع کر دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج۹ص۲۶)

صرف کمیت ہی نہیں بلکہ کیفیت کے لحاظ سے بھی امام شافعی کی کتابیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ جاحظ کہتے ہیں: "**نظرت فی کتب الشافعی فاذا ھو در منظوم لم ارا حسن تالیفاً منہ**" میں نے شافعی کی کتابیں دیکھی ہیں وہ پروئے ہوئے موتی ہیں ان سے بہتر مصنف میں نے نہیں دیکھا۔ (ایضاً ص۲۷)

آپ کی چند کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب الام، یہ کتاب امام شافعی کی مذہب جدید کی اہم تصنیف ہے یہ کتاب پندرہ جلدوں میں ہے جس کے کتب کی تعداد مجموعی طور پر ایک سو پچاس ہے اس کو امام شافعی کے شاگرد رشید ربیع بن سلیمان مرادی نے روایت کیا ہے۔

(۲) الرسالۃ: یہ کتاب اصول فقہ میں ہے جسے آپ نے امام جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کی درخواست پر لکھا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی نے جب اس کو پڑھا تو بیساختہ فرمایا۔ "**ما ظننت ان اللہ خلق مثل ھذا الرجل**" (مرآۃ الجنان ج۲ص۱۸)

(۳) مسند شافعی: یہ کتاب احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے جن کو خود امام شافعی اپنے تلامذہ کے روبرو سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے یہ امام صاحب کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ کتاب الام اور مبسوط میں جو احادیث ربیع بن سلیمان اور مزنی سے مروی ہیں ابو جعفر محمد بن مطر نے ان کا انتخاب مسند شافعی کے نام سے کر دیا۔

(۴) کتاب الحجۃ، امام صاحب کے قول قدیم کی کتابوں میں مشہور ہے جو بغداد کے آخری قیام کے زمانہ میں تصنیف کی تھی۔

(۵) کتاب احکام القرآن (۶) اختلاف الحدیث (۷) ابطال الاستحسان (۸) کتاب اجماع العلم (۹) کتاب القیاس (۱۰) کتاب المبسوط وغیرہم۔

اخلاق وکردار:۔

- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حسنِ کردار اور عملِ صالح کا پیکر تھے۔ زہد و [illegible] حسنِ اخلاق،

بے نیازی، توکل وقناعت، صبر وضبط، راست بازی اور راست گفتاری آپ کی اہم خصوصیات ہیں۔

عبادت کا شوق اس درجہ تھا کہ رات کے تین حصے کرتے ایک میں سوتے اور دوسری تہائی میں کتابتِ حدیث وفقہ اور تیسری تہائی قرآن اور نوافل میں گزارتے یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاتی۔ تلاوت قرآن کا یہ عالم تھا کہ روز ایک قرآن ختم فرماتے۔ آپ کی تلاوت اور والہانہ انداز لوگوں پر رقت طاری کر دیتا۔ زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت، اتباع سنت میں وہ اپنے معاصرین پر فائق تھے۔

عبداللہ بن عبدالحکیم کہتے ہیں: کہ ہم لوگ آپس میں زاہدوں اور متقیوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ ان میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طور پر تذکرہ ہوا۔ عمرو بن بنانہ بھی آ گئے انہوں نے کہا اے احباب کرام میری نظر میں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے زاہد عابد اور متقی ہیں۔ قرآن کی نشر واشاعت میں مصروف، مکروہات، دنیا سے علیحدہ امراء سے بے نیاز تھے۔ اتباع سنت آپ کا شیوۂ حیات تھا فرمایا کرتے تھے حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصول یہ تھا کہ اگر ان کو اپنے فتوے کے خلاف کوئی صحیح حدیث پہنچ جاتی تو فوراً اعلان فرما دیتے کہ میں اپنے فتوے سے رجوع کرتا ہوں۔ امام شافعی حد درجہ خوش خلق تھے اپنے طلبہ اور قرابت داروں سے بے تکلفانہ ملتے ان کے اندر حد درجہ تواضع اور انکساری تھی استغنا کے ساتھ حد درجہ فیاض اور سخی واقع ہوئے تھے ان کے اخلاق کے بارے میں بویطی کہتے ہیں۔ "انما کان الشافعی یتبع اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" امام شافعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی اتباع کرتے تھے۔ (ترتیب المدارک ج ا ص ۳۹۳)

آپ خلفاء اور امراء کے ہدیوں اور نذرانوں سے پرہیز کرتے ہارون رشید نے ایک مرتبہ آپ کو دس ہزار دینار ہدیہ میں پیش کیے لینے سے انکار کیا اور بغداد سے مصر آ گئے یہاں آپ کے اصحاب نے خرچ کے لیے تین ہزار دینار پیش کیے تو انہیں قبول کر لیا۔ کیوں کہ یہ نذرانہ اہل علم اور اہل تقویٰ کی جانب سے تھا۔ اور وہ سلطانی احسان تھا۔ اس بے نیازی کے باوجود سخاوت کا یہ حال تھا کہ اہل علم، فقراء، مساکین اور ضرورت مندوں پر اپنا پورا اثاثہ لٹا دیتے۔

امام مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر نہ کوئی کریم دیکھا نہ کوئی سخی دیکھا، ایک بار عید کی رات تھی میں ان کے ساتھ مسجد سے گھر کی طرف چلا راستہ میں

ایک مسئلہ پر گفتگو جاری رہی۔ ان کے مکان پر ایک غلام کھڑا تھا اس نے سلام کیا اور عرض کیا کہ میرے آقا نے روپیوں کی یہ تھیلی بطور نذر پیش کی ہے۔ اور سلام عرض کیا ہے فرمایا میرا سلام کہہ دینا اور شکریہ ادا کر دینا اسی وقت ایک شخص آیا اور کہنے لگا ابو عبداللہ میرے یہاں ابھی بچہ پیدا ہوا ہے۔ اور گھر میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے آپ نے وہ تھیلی فوراً اس کو دے دی اور ہنستے ہوئے گھر میں چلے گئے۔

نجران کی ولایت کے بعد آپ نے سرکاری منصب اور عہدہ قبول نہیں کیا۔ ہارون رشید نے ایک بار کہا آپ جس شہر کو پسند کریں میں وہاں کا قاضی مقرر کر دوں۔ جواب دیا۔ مجھ کو اس عہدے سے معاف رکھئے۔

وفات:۔

آخر رجب ۲۰۴ھ کو شب جمعہ وصال فرمایا۔ امیر مصر نے نماز جنازہ پڑھائی جبل معظم کے قریب قرافۂ صغریٰ میں دفن کیے گئے۔ ربیع بن سلیمان مرادی کہتے ہیں میں نے امام صاحب کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ امام صاحب نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نور کی کرسی پر بیٹھایا۔

ربیع کہتے ہیں امام صاحب کی وفات کے بعد ہم ان کے درس میں بیٹھے تھے ایک اعرابی آیا اس نے پوچھا کہ اس حلقہ کے شمس و قمر کہاں ہیں۔ بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ زار و قطار رویا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

"رحمه الله وغفر له ما كان يفتح ببيانه مغلق الحجة ويهدى خصمه واضح الحجة ويغسل من العار وجوهاً مسودة و يوسع من الراى ابواباً منسدة"

اللہ تعالیٰ اس پر رحم اور اس کی مغفرت کرے، کس خوبی سے دلیل و حجت کی گتھیوں کو اپنے بیان سے سلجھاتا تھا، اپنے مقابل کو واضح دلیل سے ہدایت دیتا تھا، شرمندہ چہروں سے عار دھوتا تھا اپنے اجتہاد سے مسائل کے بند دروازے کھولتا تھا۔ (ترتیب المدارک ج ا ص ۳۹۶)

(۲۶) حضرت امام ابو داؤد طیالسی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۳۳ھ وفات ۲۰۴ھ

اسم گرامی سلیمان ابو داؤد کنیت ہے سلسلۂ نسب یہ ہے سلیمان بن داؤد بن جارود آپ فارسی الاصل ہیں۔ (تذکرہ ج ا ص ۲۷۰)

ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی اور وہ آل زبیر قریش کے مولیٰ تھے یہی وجہ ہے کہ فارسی، بصری، طیالسی کی نسبت سے یاد کیے جاتے تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور نسبت طیالسی ہے یہ طیالسہ کی جانب منسوب ہے جو طیلسان کی جمع ہے یہ ایک قسم کی چادر ہوتی تھی جسے اہل عرب دستار کے اوپر اوڑھا کرتے تھے۔

تحصیل علم:۔

ابو داؤد نے جب بصرہ میں آنکھ کھولی تو وہ فروغ علم کا سنہری دور تھا اسلامی بلاد وامصار میں علوم وفنون کے دھارے چل رہے تھے آپ نے بھی اپنے ذوق وشوق اور فطری حفظ وضبط کی مدد سے مروجہ علوم وفنون حاصل کیے طلب علم کی خاطر بغداد اصفہان اور دوسرے مراکز علم کا سفر بھی کیا ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ خود بیان کرتے ہیں "**کتبت عن الف شیخ**" میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۶۲)

یہاں ان کے مشہور شیوخ کے نام تحریر کیے جاتے ہیں:

ایمن بن نابل واہان بن یزید العطار وابراہیم بن جریر بن حازم، حبیب بن یزید، حرب بن شداد، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، زائدہ، زہیر بن محمد، زہیر بن معاویہ، شعبہ، سفیان الثوری، سلیمان بن قرم، شیبان النحوی، ابو عامر الخزاز، ابن ابی الزناد، عبد العزیز، ماجشون، قرۃ بن خالد، عمران القطان، ہشام الدستوائی، ورقاء، یزید بن ابراہیم، ہمام بن یحیٰ، معروف بن خربوذ، ابو عوانہ، محمد بن مسلم بن ابی الوضاح۔ (ایضاً ص ۱۶۱)

علم حدیث:۔

امام ابو داؤد نے اپنے زمانہ کے متداول علوم وفنون سیکھے مگر انہیں علم حدیث میں اتنا کمال حاصل ہوا کہ وہ امامت کے درجہ پر فائز ہو گئے ان کا حافظہ بہت قوی تھا تحصیل حدیث کے لیے جس غیر معمولی قوت حفظ وضبط کی ضرورت ہوتی ہے قدرت نے یہ ملکہ وافر مقدار میں آپ کو ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس وصف میں اپنے معاصرین سے بدرجہا برتر تھے۔

- فلاس وعلی بن مدینی: "**ما رایت احفظ منہ**" میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۲۱)
- عمر بن شیبہ: "**کتبوا عن ابی داؤد من حفظہ اربعین الف حدیث**" محدثین

نے ان سے چالیس ہزار حدیثیں زبانی لکھیں۔ (ایضاً)

- شاہ عبد العزیز: ابوداؤد طویل حدیثوں کو اچھی طرح محفوظ کر لیتے تھے۔ (بستان المحدثین ص ۵۵) یونس بن حبیب اصفہانی کا بیان ہے ابوداؤد نے ایک لاکھ حدیثیں محض اپنی یاد داشت سے املا کرائیں۔ محمد بن بشار کہتے ہیں جتنی حدیثیں ابوداؤد سے لکھی گئیں اتنی اور کسی محدث سے نہیں لکھی گئیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں "ابو داؤد الطیالسی کان فی ایامہ احفظ من بالبصرۃ مقدماً علی اقرانہ لحفظہ ومعرفتہ" (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۲)

بصرہ میں ابوداؤد طیالسی اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے اور اس وصف میں وہ اپنے معاصرین میں فائق و برتر تھے۔ ہشیم بن خارج نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا ابوداؤد اور ابو عبیدہ حداد میں کس کو آپ زیادہ پسند کرتے ہیں جواب دیا ابوداؤد حافظہ کے لحاظ سے فائق ہیں اور ابو عبیدہ زیادہ تر کتابوں سے روایت کرتے ہیں:

- وکیع: "ما بقی احد احفظ لحدیث طویل من ابی داؤد" طویل حدیثوں کا ابوداؤد سے بڑھ کر حافظ کوئی نہیں رہا۔ (ایضاً)

عدالت وثقاہت میں ان کا مرتبہ کافی بلند تھا علماء جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے۔

- عبدالرحمٰن بن مہدی: "ھو اصدق الناس" وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۰)
- ابو منذر نعمان: وہ معتمد اور ثقہ تھے۔
- ابن معین: ابوداؤد صدوق ہیں اس لیے وہ مجھے زیادہ پسند ہیں۔
- امام احمد بن حنبل: وہ ثقہ اور صدوق تھے
- امام نسائی: "کان ثقۃ واصدق الناس" ابوداؤد ثقہ اور لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۱۳)
- ابن سعد: "کان ثقۃ کثیر الحدیث" وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۶۲)
- خطیب: "کان حافظا مکثرا ثقۃ ثبتا" ابوداؤد حافظ مکثر الروایہ معتمد اور پختہ کار تھے۔ (ایضاً)

امام ابوداؤد محض حافظ الحدیث اور بڑے ناقل ہی نہ تھے بلکہ احادیث کی پرکھ میں بھی مہارت رکھتے تھے بندار کا بیان ہے وہ حفظ اور معرفت حدیث کے لحاظ سے نہایت برتر تھے۔ امام

وکیع حدیث میں ابوداؤد کی غیر معمولی واقفیت اور تمیز کی بنا پر ان کو جبل العلم کہتے تھے۔ یحییٰ بن معین ان کو عبدالرحمٰن بن مہدی سے بھی زیادہ صاحب علم اور حدیثوں کا واقف کار بتاتے ہیں ان کے شیخ امام شعبہ کو ان کے علم و تمیز پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مسند درس پر رونق افروز ہونے کی اجازت دے دیتے تھے ابوحاتم کا بیان ہے کہ "ان ابا داؤد کان محله ان یذاکر شعبة" (تہذیب ج ۴ ص ۱۶۲) معرفت حدیث میں ان کا مقام اتنا اونچا تھا کہ وہ اپنے شیخ شعبہ سے مذاکرہ کر سکتے تھے ابومسعود رازی کہتے ہیں کہ شعبہ کی روایتوں کے معاملہ میں ابوداؤد سے زیادہ کوئی واقف کار مجھ کو نہیں ملا۔ (تہذیب الکمال ص ۱۰۱، تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۷)

امام ابوداؤد کو کثرت علم کے باوصف جب اپنی غلطیوں کا پتہ چل جاتا تو ان کو تسلیم کرنے میں تامل نہ کرتے۔ امام ابوداؤد طیالسی سے درس حدیث لینے والوں کی تعداد بھی کافی ہے ان میں سے کچھ اہم تلامذہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

احمد بن ابراہیم دورقی، احمد بن حنبل، اسحاق بن منصور کوسج، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابومسعود رازی، ابن فرات، بکار بن قتیبہ، حجاج بن شاعر، عباس دوری، عبداللہ بن محمد مسندی، عثمان بن ابی شیبہ، علی بن مدینی، علی بن مسلم طوسی، عمرو بن علی فلاس، محمد بن ابی بکر مقدمی، محمد بن بشار بندار، محمد بن رافع، محمد بن سعد کاتب، محمد بن مثنیٰ، محمود بن غیلان، ہارون بن حمال، یعقوب بن ابراہیم، یونس بن حبیب اصبہانی، زید بن احزم، ابوموسیٰ۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۱ و تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۴)

مسند طیالسی:۔

کتب حدیث میں مسانید کے جو مجموعے مشہور ہیں ان میں مسند ابوداؤد طیالسی کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ دوسرے مسانید پر تقدم کی فضیلت رکھتی ہے بعض علماء نے اس کو سب سے قدیم مسند قرار دیا ہے۔ محدث حاکم صاحب مستدرک کا بیان ہے علمائے اسلام میں عبیداللہ موسیٰ اور ابوداؤد طیالسی نے سب سے پہلے تراجم رجال پر مسانید مرتب کیے۔ (الرسالة المستطرفة ص ۳۵۲) یہ مسند گیارہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں بڑی حد تک مسانید کے تمام اصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی صحابہ کے شرف و تقدم اور سبقت فی الاسلام کے لحاظ سے روایتیں نقل کی گئی ہیں پہلے خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہ کی حدیثیں ہیں چھٹے جز کے آخر سے صحابیات کی مرویات کا سلسلہ شروع ہو کر ساتویں جز میں ختم ہو جاتا ہے سب سے پہلے حضرت فاطمہ اس کے بعد حضرت عائشہ اور حفصہ کی روایتیں ہیں ہر صحابی کی حدیثیں الگ الگ عنوان سے ہیں۔ مسند طیالسی کے جمع و ترتیب کا کام بعض

اہل خراسان نے کیا اور زیادہ تر روایتیں یوسف بن حبیب کے واسطہ سے مروی ہیں۔ (کشف الظنون ج۲ ص۴۳۱)

مسند طیالسی کی خصوصیات:

(۱) قدامت (۲) اس کی اکثر روایتیں دوسری مشہور کتب حدیث میں موجود ہیں (۳) آثار صحابہ بھی ہیں (۴) راویوں کے ناموں کی وضاحت (۵) کثرت طرق، تعدد اسناد (۶) اختلاف الفاظ و معانی (۷) راویوں کا فرق (۸) رواۃ کے سہو و نسیان (۹) رواۃ کے درجات کی تشریح (۱۰) دو روایت کے درمیان ترجیح (۱۱) روایت کے ابہام اور مفہوم کی توضیح (۱۲) حدیث کے خاص پہلوؤں اور گوشوں کی تشریح۔

۱۳۲۱ھ میں مسند طیالسی دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد سے شائع ہوئی کل صفحات ۳۹۲ ہیں ابوداؤد پر سہو و خطا اور تدلیس کے اعتراضات کیے گئے ہیں مگر اعتراضات کے باوجود ان کی اہمیت اور ثقاہت میں فرق نہیں آیا خطاء و نسیان تو تقاضائے بشریت ہے جس سے اکثر محدثین بری نہیں۔ تدلیس عیب ضرور ہے مگر وہ بھی محدثین کی خطا اور نسیان کا ثمرہ ہے تدلیس دراصل کذب نہیں بلکہ ایک قسم کا ابہام ہے ان اعتراضات کے باوجود امام ابوداؤد کو ثقہ اور ضابط قرار دیا گیا ہے۔

ابوداؤد اپنی یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے اس لیے ان سے بھول چوک کا ہو جانا تعجب انگیز نہیں ہے ابن عدی کا بیان ہے " ولیس یعجب من یحدث باربعین الف حدیث من حفظه ان یخطئ فی احادیث منها یرفع احادیث لوقفها غیره ویوصل احادیث یرسلها غیره وانما اتی ذالک من حفظه وما ابو داؤد عندی وعند غیری الا متیقظاً ثبتاً" جو شخص محض یادداشت سے چالیس ہزار حدیثیں بیان کرے اس سے بعض روایتوں میں اس طرح کے سہو و خطا کا ہو جانا کہ جس روایت کو لوگ موقوفا بیان کرتے ہوں وہ اس کو مرفوعا یا جس کو لوگ مرسلا بیان کرتے ہوں وہ اس کو موصولاً بیان کر دے بعید اور تعجب خیز نہیں کیوں کہ اس کا تمام تر دار و مدار حافظہ پر ہوتا ہے۔ باقی ابوداؤد نہ صرف میرے بلکہ دوسرے لوگوں کے نزدیک بھی متیقظ اور ثابت ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۴ ص۱۶۲) امام احمد سے ایک مرتبہ کسی نے ان کی غلطیوں کا ذکر کیا تو فرمایا ان کی غلطی کو غلطی نہیں کہنا چاہیے خطا کا الزام اس وقت ان پر درست ہو سکتا ہے جب ان سے ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جائے اور وہ متنبہ نہ ہوں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ جس وقت ان کی

غلطی کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ فوراً متنبہ ہو جاتے اور سمجھ جاتے۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۶)

امام ابوداؤد طیالسی کی علمی دیانت اور صدق کا یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی خطا کرتے اور متنبہ ہوتے تو اس کے اظہار اور اصلاح میں ذرا بھی تردد اور تأمل نہ کرتے۔

یونس ابن حبیب کہتے ہیں: "قدم علینا ابوداؤد واملی علینا من حفظه مائة الف حدیث ، اخطأ فی سبعین موضعاً فلما رجع الی البصرة کتب الینا بانی اخطات فی سبعین موضعاً فاصلحوها" ابوداؤد ہمارے پاس (اصفہان) آئے تو انہوں نے ہمیں ایک لاکھ حدیثیں لکھوائیں اور ستر مقامات پر غلطی کی پس جب وہ بصرہ واپس آ گئے۔ ہمارے پاس لکھا کہ میں نے روایت حدیث میں ستر مقامات پر غلطی کی ہے۔ تم لوگ (اپنے نوشتوں میں) ان مقامات کی اصلاح کر لو۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۳)

وفات:۔

امام ابوداؤد اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے۔ اس پیکر علم و عمل نے ۷۲ سال کی عمر پا کر صفر ۲۰۴ھ میں دار فانی سے رحلت کی۔ حاکم بصرہ یحیٰ بن عبد اللہ بن عمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲۷) شیخ الاسلام حضرت امام یزید بن ہارون رضی اللہ عنہ

۱۱۸ھ ۲۰۶ھ

کنیت ابو خالد اسم گرامی یزید سلسلۂ نسب یہ ہے یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت، آپ کا وطن واسط تھا آباء و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ قبیلۂ سلم کے غلام تھے اس لیے سلمی کہلائے۔ آپ کی ولادت ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ اور زندگی کے بیشتر ایام یہیں بسر ہوئے۔

تحصیل علم:۔

امام یزید نے اپنے وطن واسط میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر طلب علم کا ذوق انہیں کشاں کشاں اسلامی بلاد و امصار کے علمی مرکزوں تک لایا اور انہوں نے اپنے زمانہ کے اکابر تابعین و محدثینؒ سے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ممتاز شیوخ یہ ہیں:

سلیمان تیمی، حمید الطویل، عاصم الاحول، اسمٰعیل بن ابی خالد، ابو مالک اشجعی، یحیٰ بن

سعید انصاری، حریز بن عثمان، ابن عون، داؤد بن ابی ہند، حسین معلم، محمد بن اسحاق، سعید جریری، سفیان بن حسین، کہمس بن حسن، محمد بن عمرو بن علقمہ، مسلم بن سعید، ہمام، ورقاء بن عمر، ہشام بن حسان، ابان، عطار، حجاج بن ابی زینب، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، ربیع بن مسلم، شعبہ، سفیان ثوری، سلیمان بن علی، سلیمان بن کثیر، عبدالخالق بن سلمہ، عبدالعزیز ماجشون، عبدالملک بن ابی سلمان، عوام بن حوشب، عمر بن محمد عمری، ابوغسان، محمد بن مطرف، ہشام دستوائی، ہشیم، ابراہیم بن سعد وغیرہم۔

(تہذیب التہذیب ج۱۱ص۳۲۱)

علم وفضل:۔

یزید بن ہارون نے غیر معمولی حافظے اور تحصیل علم کے بے پایاں ذوق کے ساتھ رحلت وسفر کی مشقتیں برداشت کر کے علماء وشیوخ کی بارگاہوں سے اکتساب علم کیا تھا اور وہ علم کا ظرف بن گئے تھے انہوں نے دوسری صدی کے نصف آخر میں علم وعمل کی ایسی شمع فروزاں کی جس سے ہزاروں قلوب واذہان نے روشنی حاصل کی اور ان کی عظمت وجلالت کا سکہ علمی دنیا میں چلتا رہا۔ ان کی درسگاہ حدیث وفقہ کے طلبہ کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ حدیث میں ان کی عظمت ورفعت کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ فن نے کیا ہے۔

● احمد بن حنبل: "کان حافظاً للحدیث، صحیح الحدیث عن حجاج بن ارطــاۃ" وہ حافظ حدیث تھے، حجاج بن ارطاۃ کی حدیثوں کے صحیح ناقل تھے۔ (تہذیب ج۱۱ص۳۲۱)

● ابن مدینی: " ھو من الثقات....ما رایت احفظ منه " وہ ثقہ تھے میں نے ان سے بڑا حافظ کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً ص۳۲۲)

● ابوحاتم:" ثقة امام، صــدوق، لا یسأل عن مثله " وہ ثقہ امام صدوق ہیں ان کے مثل کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً)

● ابن سعد:"کان ثقة کثیر الحدیث" وہ معتبر اور کثیر الحدیث تھے۔ (ایضاً)

● ابن حبان:"کــان مــن خیار عباد الله تعالیٰ ممن یحفظ حدیثه" وہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے تھے جن سے حدیثیں یاد کی جاتی ہیں۔ (ایضاً)

● ابن معین، عجلی، ابن حبان، اور قانع وغیرہم نے آپ کو ثقہ قرار دیا۔ (ایضاً)

● امام احمد:"کان یزید حافظاً متقناً" یزید حافظ ومتقن تھے۔ (تذکرہ ج۱ص۲۹۲)

● ہشیم: "ما بالبصریین مثل یزید بن ھارون" بصریوں میں کوئی یزید بن ہارون جیسا نہیں۔ (ایضاً)

● یحییٰ بن یحییٰ: "کان بالعراق اربعۃ من الحفاظ شیخان یزید بن زریع وھاشم، وکھلان وکیع ویزید" عراق میں چار حافظ حدیث ہیں ان میں دو یزید بن زریع اور ہاشم بوڑھے ہو چکے ہیں اور دو وکیع و یزید بن ہارون جوان ہیں۔ (ایضاً)

● ابوبکر بن ابی شیبہ: "ما رأینا اتقن حفظاً من یزید" ہم نے یزید سے زیادہ حدیث کو ضبط کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

حفظ وضبط:۔

یزید بن ہارون کو قدرت نے غیر معمولی قوت حفظ وضبط سے سرفراز فرمایا تھا۔ علی بن مدینی جیسے محدث نے فرمایا میری نظر میں یزید بن ہارون سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں۔ خود امام یزید فرمایا کرتے تھے۔ "احفظ اربعۃ وعشرین الف حدیث بالاسناد ولا فخر واحفظ للشامیین عشرین الفاً لا اسال عنہا" مجھے مع اسناد ۲۴؍ ہزار احادیث حفظ ہیں اور اس پر کوئی فخر نہیں نیز مجھے شامی اساتذہ کی ۲۰؍ ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ مجھے ان کے متعلق کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۲)

ایک بار ان سے کسی نے کہا کہ ہارون آپ کے پاس اس غرض سے آ رہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں رد و بدل کر کے آپ کے حافظے کا امتحان لے۔ کہنے والے نے ابھی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ ہارون مکان میں داخل ہوا حضرت یزید نے اس کی آواز سن کر فرمایا "ہارون مجھ کو یہ خبر پہونچی ہے کہ تم میری قوت حفظ کا امتحان لینے کے لیے مجھ پر بعض مشتبہ حدیث پیش کرنا چاہتے ہو تو تم اپنی جیسی کوشش کر دیکھو۔ خدا مجھ کو معزز نہ کرے اگر میں اپنی احادیث کو اچھی طرح یاد نہ رکھ سکوں۔

ایک دوسرے موقع پر شیخ یزید نے فرمایا میں بیس ہزار حدیث یاد رکھتا ہوں جس کا جی چاہے ان میں کوئی ایک حرف بھی کم و بیش کر کے دیکھ لے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۳)

فقہ:۔

یزید بن ہارون فقہ میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے کسی نے امام احمد سے پوچھا کیا ابن ہارون فقیہ تھے؟ جواب دیا نعم "ما کان الفطنه واذکاه والفهمه" ہاں، ان سے زیادہ ذہین وفطین

اور عقل و شعور والا میری نظر سے نہیں گذرا۔ سائل نے کہا اچھا ابن علیہ کے بارے میں کیا خیال ہے فرمایا" کان لہ فقہ لا اعلم انی لم اخبرہ خبری یزید "وہ فقیہ تو ضرور تھے لیکن مجھ کو ان کی نسبت اتنا علم نہیں ہے جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۳)

علمی دبدبہ:۔

حضرت یزید بن ہارون ان عظیم فقہا و محدثین میں تھے جن کی علمی شان اور تمکنت کا سکہ دلوں پر چلتا تھا۔ عوام ہوں یا خواص سب کے دل پر ان کے کمالات علمی کا رعب قائم تھا اور ان کی شخصیت سے خود خلیفہ مامون الرشید بھی مرعوب تھا۔ وہ یونانی منطق و فلسفہ کا دلدادہ تھا جس کے اثر سے خلق قرآن کا فتنہ رونما ہوا۔ مامون خود بھی قرآن کو مخلوق مانتا تھا مگر اس باطل عقیدے کی برملا تشہیر اور اعلان سے یزید بن ہارون کی شخصیت مانع تھی۔

یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا" لو لا مکان یزید بن ھارون لا ظھرت القرآن مخلوق "اگر یزید بن ہارون کے وقار کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا۔ اس پر کسی مصاحب نے پوچھا اے امیر المومنین یہ یزید بن ہارون کون ہیں جن سے اس قدر خوف کیا جاتا ہے؟ مامون نے کہا میں ان سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت ہے یا وہ کسی جگہ کے بادشاہ ہیں البتہ مجھ کو خوف یہ ہے کہ اگر میں نے اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا اور انہوں نے میری تردید کی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو کر ایک فتنہ کھڑا ہو جائے گا اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں وہ شخص بولا اچھا میں اس بات کی تحقیق کرتا ہوں چنانچہ یہ شخص واسط آیا اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارون تشریف رکھتے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اس بات کا ارادہ کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دوں۔ یزید بن ہارون بولے تم امیر المومنین پر تہمت طرازی کرتے ہو۔ وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کر سکتے جس کو وہ جانتے ہی نہیں ہیں اگر تم سچے ہو تو ذرا ٹھہرو۔ یہاں تک کہ مجلس کا وقت ہو جائے۔ جب لوگ جمع ہو جائیں تو اس بات کا پھر اعادہ کرنا چنانچہ دوسرے دن جب لوگ حضرت یزید بن ہارون کی مجلس میں اکٹھے ہوئے تو یہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے حضرت یزید کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ابو خالد امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ یزید بن ہارون بولے تم

امیر المومنین پر تہمت باندھتے ہو وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کر سکتے جس کو لوگ بالکل نہیں جانتے ہوں اور جس کا قائل کوئی شخص بھی نہ ہوا ہو، اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ ''امیر المومنین آپ جو کچھ فرماتے تھے بالکل بجا اور درست تھا۔ اس معاملہ میں بے شبہ آپ اعلم تھے۔ (تاریخ بغداد ج۱۴ ص۳۴۲)

یزید بن ہارون کو معلوم تھا کہ مامون رشید کا رجحان خلق قرآن کی طرف ہے لیکن اس کے باوجود ان کی حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے خوف ہو کر اعلان کرتے تھے ''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ (ایضاً)

حلقۂ درس:۔

یزید بن ہارون کا مستقل حلقۂ درس واسط میں قائم ہوتا تھا جب وہ بغداد جاتے وہاں بھی شائقین علم ان کے گرد جمع ہو کر درس حدیث لیتے۔ ان کے حلقۂ درس میں لوگوں کا ازدحام ہوتا کبھی کبھی شرکائے درس کی تعداد ستر ہزار تک پہونچ جاتی۔ یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہے ''سمعت من یزید ببغداد و کان یقال فی مجلسه سبعون الفا'' میں نے بغداد میں یزید بن ہارون سے سماع حدیث کیا کہا جاتا تھا کہ ان کی مجلس درس میں تقریباً ستر ہزار مستفیدین حاضر ہوتے تھے۔ (تذکرہ ج۱ ص۲۹۲)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے تلامذہ کی تعداد حدو حساب سے باہر تھی چند نامور تلامذہ یہ ہیں:

بقیہ بن ولید، آدم بن ابی ایاس، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، یعقوب بن ابی شیبہ، بیان بن عمر، بندار، ابوموسیٰ محمد بن سلام، ابوخیثمہ، عمرو، ناقد، ابن نمیر، محمد بن حاتم بن میمون، ہارون حمال، محمد بن عبادہ واسطی، عباس عنبری، محمد بن عبدالرحیم بزار، عمرو بن علی فلاس، مفضل بن سہل، ابوقدامہ، ابن ابی عمر، عبد بن حمید، حسن بن علی حلال، ذہلی، عبد اللہ بن نمیر، یحییٰ بن جعفر، یحییٰ بن موسیٰ، یوسف بن موسیٰ قطان، مطر بن فضل، یعقوب دورقی، احمد بن سنان قطان، محمد بن عبید بن منادی، حسین بن عیسیٰ بسطامی، ابوقلابہ رقاشی، حسن بن عرفہ، حسن بن محمد زعفرانی، محمد بن عبدالملک دقیقی، حارث بن ابی اسامہ، ابومسعود رازی، عباس دوری، محمد بن احمد بن ابی العوام، حارث بن ابی اسامہ، احمد بن عبدالرحمٰن سقطی وغیرہم۔ (تہذیب ج۱۱ ص۳۲۱)

عبادت:۔

وہ علمی جلالت کے ساتھ بے حد متورع، متقی اور خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرنے والے برگزیدہ بندۂ مومن تھے۔ احمد بن سنان کہتے ہیں "مارایت احسن صلوٰۃ منہ" میں نے ان سے عمدہ نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۲)

ان کے ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ عاصم بن علی کا بیان ہے "کان یزید یقوم اللیل وصلی الصبح وضوء العتمۃ نیفاً واربعین سنۃ" یزید ساری رات قیام میں معروف رہتے تھے اور انہوں نے چالیس سے زیادہ سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھی۔ (ایضاً)

❁ عجلی کا قول ہے "کان متعبد احسن الصلوٰۃ جدا وکان یصلی الضحی ستۃ عشر رکعۃ" یزید عبادت گذار اور بہت عمدہ نماز پڑھنے والے تھے اور وہ چاشت کی نماز سولہ رکعت پڑھتے تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۲)

وہ خوف خدا کی وجہ سے ہمیشہ رویا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کی بینائی زائل ہوگئی تھی۔ حسن بن عرفہ نے یزید بن ہارون سے پوچھا آپ نے اپنی دونوں خوبصورت آنکھیں کیا کر ڈالیں جواب میں فرمایا۔ "ذھب بھما بکاء الاسحار" گریۂ صبح گاہی نے میری دونوں آنکھیں لے لیں۔ (ایضاً)

علم وعبادت کے ساتھ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی بڑی جرأت وحقانیت کے ساتھ ادا کرتے تھے محمد بن احمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں یزید بن ہارون ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔

❁ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں "وکان یعد من الآمرین بالمعروف والناھین عن المنکر" یزید بن ہارون کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۲)

وفات:۔

علم وعمل زہد وتقویٰ کا یہ پیکر نورانی ۸۸؍ سال کی عمر پاکر ۲۰۶ھ میں بمقام واسط وصال فرما گیا۔

(۲۸) حضرت حافظ اکبر امام عبد الرزاق رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۲۶ھ وفات ۲۱۱ھ

اسم گرامی عبد الرزاق ابو بکر کنیت۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبد الرزاق بن ہمام بن نافع یمن کے پایۂ تخت صنعاء میں ۱۲۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی صنعانی مشہور ہوئے آپ کے والد ہمام ثقہ تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ ابتداء میں اپنے والد اور مقامی شیوخ سے علم حاصل کیا تجارت کے لیے اسلامی بلاد و امصار کے سفر کیے اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "رحل فی تجارۃ الی الشام ولقی الکبار" وہ تجارت کی غرض سے شام جاتے اور وہاں کے کبار علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (تذکرہ ج۱ ص۳۳۱) غیر معمولی قوت حفظ و ضبط کے مالک تھے ابراہیم بن عباد زبری کا بیان ہے کہ ان کو سترہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ (الاعلام ج۲ ص۵۱۹)

امام عبد الرزاق نے بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں مہارت پیدا کرلی تھی انہوں نے مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ میں کامل سات سال گزارے تھے خود کہتے ہیں "جالست معمرا سبع سنین" (تذکرہ ج۱ ص۳۳۱) اور ان کے زمانہ میں امام معمر کی مرویات کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔ امام احمد کہتے ہیں "کان عبد الرزاق یحفظ حدیث معمر" (ایضا) ان کے شیوخ حسب ذیل ہیں:

ہمام، وہب، معمر، عبید اللہ بن عمر عمری، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ابن جریج، اوزاعی، مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن عمر عمری، زکریا بن اسحاق مکی، جعفر بن سلیمان، یونس بن سلیمان صنعانی، ابن ابی رواد، اسرائیل، اسماعیل بن عیاش۔ (تہذیب ج۶ ص۲۷۸)

علم و فضل:۔

عبد الرزاق بن ہمام علم و فن میں امتیازی شان رکھتے تھے" تبحر علمی، مہارت فن، قوت حفظ و ضبط میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے ان کے علم و فضل کا اعتراف ارباب علم نے اس طرح کیا ہے:۔

● خیر الدین زرکلی:" من حفاظ الحدیث الثقات" وہ ثقہ حفاظ حدیث میں سے تھے۔

● علامہ یافعی:"الحافظ العلامۃ" حافظ اور بڑے علم والے تھے۔

● حافظ ذہبی:" احد الاعلام الثقات "وہ بڑے ثقہ عالم تھے۔ (تذکرہ ج۱ ص۳۳۱)

● ہشام بن یوسف: "کان عبد الرزاق اعلمنا واحفظنا" عبدالرزاق ہم میں سب سے بڑے عالم اور حافظ الحدیث تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۷۹)

● احمد بن صالح کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا "رایت احدا احسن حدیثا من عبدالرزاق قال لا" کیا آپ نے کسی کو عبدالرازق سے عمدہ حدیث والا پایا انہوں نے جواب دیا نہیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۷۹)

● ابوزرعہ کا بیان ہے میں نے امام احمد سے پوچھا" من اثبت فی ابن جریج عبدالرزاق او البرسانی قال عبدالرزاق"۔ (ایضا)

ماہرین علم حدیث امام عبدالرزاق کی صداقت وعدالت پر متفق ہیں ان کے ثقہ وعادل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی احادیث صحاح ستہ میں مرقوم ہیں: حافظ ذہبی لکھتے ہیں "وثقہ غیر واحد وحدیثہ مخرج فی الصحاح" بہت سے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے ان کی احادیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۳۱) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں معمر سے ابن ہمام کی روایت میرے نزدیک تمام بصری علماء سے زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہے نیز یہ بھی فرمایا ابن جریج کے تلامذہ میں عبدالرزاق اثبت ہیں۔

حلقۂ درس:۔

امام عبدالرزاق کے فضل وکمال کا شہرہ سن کر اقصائے عالم سے تشنگان علم کا ہجوم سیل رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا اور شہر صنعاء قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے معمور ہو گیا ان کے استاذ معمر بن راشد نے پیشین گوئی کی تھی "اما عبدالرزاق فان عاش فخلیق ان تضرب الیہ اکباد الابل" اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کر کے اس کے گرد ہجوم کریں گے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۷۹) یہ پیشین گوئی حرف بحرف حقیقت ہو کر رہی مورخین کا بیان ہے کہ عہد رسالت کے بعد کوئی شخصیت اتنی مرجوعۂ خلائق اور پرکشش ثابت نہ ہو سکی۔ علامہ یافعی نے آپ کو المرتحل الیہ من الآفاق لکھا ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس لوگ مختلف اطراف واکناف سے آتے تھے۔ (مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۵۲) ابن اثیر لکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے جتنے ابن ہمام کے پاس آئے۔ (اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ ص ۶۱) ابن خلکان لکھتے ہیں " ما رحل الناس الی احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما رحلوا الیہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے

کسی کی طرف اتنا سفر نہیں کیا جس قدر لوگ عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر ہوئے" (وفیات الاعیان ج۲ص۱۰۳)

آپ کے خرمن علم کے خوشہ چینوں کی تعداد کا اندازہ لگانا از بس دشوار ہے۔ چند اہم اور مشہور تلامذہ یہ ہیں:

ابن عیینہ، معتمر بن سلیمان، وکیع، ابواسامہ، احمد، اسحاق، علی، یحییٰ، ابوخیثمہ، احمد بن صالح، ابراہیم بن موسیٰ، عبداللہ بن محمد مسندی، سلمہ بن شبیب، عمروالناقد، ابن ابی عمر، حجاج بن شاعر، یحییٰ بن جعفر بیکندی، یحییٰ بن موسیٰ، اسحاق بن ابراہیم، سعدی، اسحاق بن منصور کوسج، احمد بن یوسف سلمی، حسن بن علی خلال، عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم، عبد بن حمید، محمد بن رافع، محمد بن مہران حمال، محمود بن غیلان، محمد بن یحییٰ ذہلی، ابومسعود رازی، اسحاق بن ابراہیم دبری۔ (تہذیب التہذیب ج۶ص۲۷۸)

الزام تشیع:۔

بعض علمائے جرح وتعدیل نے آپ کو نقد وجرح کا بھی نشانہ بنایا ہے مگر تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان اعتراضات کی کوئی اصل نہیں ان پر ایک اعتراض رفض وتشیع کی طرف میلان کا بھی ہے مگر اس بارے میں خود آپ نے فرمایا: "**واللہ ما انشرح صدری قط ان افضل علیا علیٰ ابی بکر وعمر**" بخدا میں اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا کہ میں علی کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دوں۔ (تذکرہ ج۱ص۳۳۱)

آپ پر الزام تشیع کی حقیقت محض اتنی ہے کہ بعض اکابر کی طرح وہ بھی حضرت علی اور اہل بیت کے بڑے گرویدہ تھے لیکن دوسرے صحابہ کے درجات ومراتب کو اہل سنت ہی کی طرح مانتے تھے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ مجھ کو یہ جرأت نہیں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امیر المومنین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح دوں اور میرا دل یاوری نہیں کرتا کہ ان کے تفاضل کو ثابت کروں کیوں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہ تواتر ثابت ہے اور یقین کی حد تک پہونچ گیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے مجھ کو ان دونوں حضرات پر فضیلت مت دو۔ (بستان المحدثین ص۸۰)

تصانیف:

امام عبدالرزاق متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے مگر ان کی اکثر کتابیں امتداد زمانہ کی وجہ

کتاب السنن فی الفقہ، کتاب المغازی، تفسیر میں بھی ایک کتاب لکھی تھی، مصنف عبدالرزاق، یہ کتاب نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے اس میں حدیثوں کو ابواب فقہ پر ترتیب دیا گیا ہے ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف اگر چہ مجموعی حیثیت سے زیادہ اہم اور وقیع ہے لیکن قدامت کے لحاظ سے وہ بھی اس مصنف سے کم پایہ ہے مصنف عبدالرزاق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مصنف کو شمائل پر ختم کیا ہے اور شمائل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے ذکر پر تمام کیا چنانچہ اس کے آخر میں یہ حدیث ہے **"حدثنا معمر عن ثابت عن انس قال کان شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ انصاف اذنیہ"** حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک آپ کے کانوں کے نصف حصہ تک پہونچتے تھے۔ (بستان المحدثین ص ۸۰)

وفات:۔ آپ کا وصال ماہ شوال ۲۱۱ھ میں ہوا۔

(۲۹) حضرت امام عبداللہ بن زبیر حمیدی مکی رضی اللہ عنہ

وفات ربیع الاول ۲۱۹ھ

کنیت ابوبکر نام عبداللہ سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حمید بن ابن نصر بن حارث بن اسد بن عبدالعزیٰ۔ حمیدی اسدی مکی نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ (تہذیب ج ۵ ص ۱۸۹)

آپ کا وطن مکہ معظمہ تھا خالص عربی النسل تھے ولادت بھی مکہ میں ہوئی جوار حرم میں زندگی کے ایام بسر ہوئے۔

علم وفضل:۔

امام حمیدی نے مکہ کی معارف پرور روحانی فضا میں آنکھ کھولی تھی اپنی فطری استعداد اور قوت حفظ کے ساتھ طلب علم کے کوچے میں قدم رکھا اور اپنے عہد کے ممتاز محدثین وفقہا کی بارگاہوں سے علم حاصل کیا۔ اپنے زمانہ کے مایۂ ناز محدث وفقیہ بن کر آسمان علم پر طلوع ہوئے اور عالم اہل مکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں:

ابن عیینہ، ابراہیم بن سعد، محمد بن ادریس شافعی، ولید بن مسلم، وکیع، مروان بن معاویہ، عبدالعزیز بن ابی حازم، دراوردی، بشر بن بکر وغیرہم (ایضا)

علمائے اسلام نے آپ کی توثیق وجلالت اور تجر علمی کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: "الامام العلم الحافظ الفقیه" (تذکرہ ج ۲ ص ۲)

❁ امام احمد بن حنبل: "الحمیدی عندنا امام "حمیدی ہمارے نزدیک امام ہیں۔ (ایضا)

❁ فسوی: "ما لقیت احداً انصح للاسلام واهله من الحمیدی" میں نے کسی آدمی سے ملاقات نہیں کی جو حمیدی سے بڑھ کر اسلام اور اہل اسلام کا خیر خواہ ہو۔ (ایضا)

❁ ابوحاتم: "هو اثبت الناس فی ابن عیینة وهو رئیس اصحابه وهو ثقة" امام سفیان بن عیینہ کی احادیث بیان کرنے میں حمیدی سب لوگوں سے پختہ ہیں اور وہ ان کے تلامذہ کے سرخیل اور ثقہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۸۹)

❁ ابن حبان: "صاحب سنة وفضل و دین" حمیدی صاحب سنت صاحب فضل اور صاحب دین تھے۔

❁ حاکم: "ثقة مامون" (ایضا)

امام بخاری جب حمیدی سے کوئی حدیث پاتے تو ان کی ثقاہت کی وجہ سے کسی اور محدث سے حدیث کی تخریج نہیں کرتے امام بخاری نے اپنی جامع میں حمیدی سے ۷۵/ حدیثیں روایت کی ہیں۔ (ایضا)

امام حمیدی کا حافظہ بہت قوی تھا ان کو اپنے شیخ سفیان بن عیینہ کی دس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اسی حفظ وضبط اور تثبت واتقان کی وجہ سے ان کی مرویات کا پایہ بہت بلند تھا محدثین نے ان کی اسناد کو کافی بلند قرار دیا۔

فقہ وافتا:۔

" حدیث کی طرح فقہ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ امام شافعی سے اس فن میں خصوصی مہارت پیدا کی۔ جب امام شافعی مصر گئے تو حمیدی بھی ان کے ساتھ رہے اس طرح وہ امام صاحب کے بکثرت اجتہاد کے امین بن گئے۔ امام شافعی کی وفات کے بعد مصر سے پھر مکہ واپس آگئے اور وہاں مفتی وفقیہ کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی۔ حاکم کا بیان ہے کہ حمیدی مکہ کے مشہور

مفتی، فقیہ اور محدث تھے"۔ (فتح الباری ج ا ص ۱۱)

امام حمیدی کے فضل وکمال اور بلندی شان کا اعتراف بکثرت علماء نے کیا ہے جن میں نہ صرف ان کے تلامذہ اور ہم عصر اہل علم بلکہ ان کے شیوخ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ امام شافعی اکثر فرمایا کرتے۔ "ما رایت صاحب بلغم احفظ من الحمیدی" میں نے حمیدی سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔

شمائل وخصائل:۔

زہد وورع، پاکبازی ونیک طینتی ان کی سیرت کے روشن پہلو تھے۔ تقویٰ ودیانت ان کے خاص جوہر تھے۔ ابن عدی نے ان کی نیکی وپاکبازی کا ذکر کیا ہے "کان من خیار الناس" (تہذیب ج ۵ ص ۱۸۹)

اتباع سنت میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ ابن حبان نے ان کو صاحب سنت بتایا۔ حاکم لکھتے ہیں "ھو لاھل الحجاز فی السنۃ کاحمد بن حنبل لاھل العراق" وہ حدیث میں اہل حجاز کے لیے وہی مقام رکھتے تھے جو عراق میں امام احمد کو حاصل تھا۔

امام حمیدی کی درسگاہ سے فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد کافی ہے چند اہم تلامذہ حسب ذیل ہیں:

امام بخاری، سلمہ بن شبیب، محمد بن یونس نسائی، ہارون حمال، محمد بن یحییٰ ذہلی، عبید اللہ بن فضالہ نسائی، محمد بن احمد قرشی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم، ابو الازہر نیشاپوری، ابو زرعہ، ابو حاتم، ابو بکر محمد بن ادریس، وراق حمیدی، یعقوب بن شیبہ، یعقوب بن سفیان، محمد بن سنجر، یوسف بن موسیٰ قطان، اسماعیل سمویہ، بشر بن موسیٰ، کدیمی (تہذیب ج ۵ ص ۱۸۹)

تصانیف:۔

وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) رسالہ اصول السنۃ (۲) کتاب الرد علی النعمان (۳) کتاب التفسیر (۴) مسند حمیدی کی کتابوں میں مسند سب سے زیادہ مشہور ہے جو ۱۱/ اجزاء اور ۱۲۹۳ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اس کا شمار قدیم ترین مسانید میں ہوتا ہے۔

مسند حمیدی:۔

مسانید کی تصنیف کا آغاز مختلف اسلامی شہروں میں جن محدثین نے کیا ان میں امام حمیدی

بھی ہیں۔ مکہ مکرمہ کے علمائے حدیث میں آپ ہی نے سب سے پہلے مسند تصنیف کی۔ عام مسانید کی طرح اس کتاب میں بھی سب سے پہلے خلفائے راشدین پھر بقیہ عشرۂ مبشرہ اور بعد میں دوسرے صحابہ کے مرویات کو تحریر کیا گیا ہے۔ جس کی اکثر روایتیں مرفوع ہیں صحابہ وتابعین کے آثار بھی شامل ہیں۔ تصحیح وترتیب جدید کے ساتھ کتاب کا جدید ایڈیشن دو جلدوں میں مجلس العلمی کراچی سے شائع ہوا ہے۔ یہ نسخہ بشر بن موسیٰ (۱۹۰ھ تا ۲۸۸ھ) کی سند سے مروی ہے۔

وفات: امام حمیدی کی وفات ربیع الاول ۲۱۹ھ بمقام مکہ ہوئی۔

(۳۰) حضرت امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۲ھ صفر ۲۲۶ھ

کنیت ابو محمد اسم گرامی یحییٰ سلسلۂ نسب یہ ہے یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملال لیثی اندلسی قرطبی مصمودی ۔ بربریوں کے ایک قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے مصمودی کہلائے۔ بنولیث سے نسبت ولاء کی وجہ سے لیثی کہلائے۔

یحییٰ کے دادا ابو عیسیٰ وسلاس قرطبہ (اندلس) میں آکر آباد ہو گئے تھے جہاں ۱۵۲ھ میں یحییٰ کی ولادت ہوئی۔

تحصیل علم:۔

قدرت نے یحییٰ کو بے مثال حافظہ اور قوت ادراک کے ساتھ تحصیل علم کے ذوق سے مالا مال کیا تھا۔ انہوں نے کم سنی ہی سے تحصیل علم کا آغاز کر دیا اور سب سے پہلے یحییٰ بن مضر اندلسی سے حدیث کا سماع کیا۔ پھر وہ طلب علم کے شوق میں کشاں کشاں مدینہ منورہ پہونچے جہاں امام مالک کا بحر بیکراں موجیں مار رہا تھا جس کے گرد علم نبوت کے جرعہ خواروں کی بھیڑ جمع رہتی تھی۔ یحییٰ نے امام مالک کے چشمۂ فیض سے خوب تشنگی بجھائی اور پوری موطا کا سماع کیا۔ اور پھر مکہ جا کر سفیان بن عیینہ اور مصر میں لیث بن سعد، عبد اللہ بن وہب، عبد الرحمٰن بن قاسم سے علم حاصل کیا۔

ان کے نامور اساتذہ یہ ہیں:

امام مالک، زیاد بن عبد اللہ، یحییٰ بن مضر، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن وہب، عبد الرحمٰن بن قاسم، قاسم بن عبد اللہ بن عمری، ابو ضمرہ، وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۶۳)

وہ طلب علم میں اس درجہ منہمک رہتے کہ کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ خواہ وہ کتنی ہی اہم اور توجہ کو مبذول کرنے والی کیوں نہ ہو۔ ایک بار وہ امام مالک کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شور اٹھا۔ ہاتھی آ گیا۔ ہاتھی آ گیا۔ تمام شرکائے درس اٹھ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے مگر یحییٰ اپنی جگہ سے نہ اٹھے امام مالک نے پوچھا "مالک لا تخرج فتراه لانه لا یکون بالاندلس؟ فقال انما جئت من بلدی لانظر الیک و اتعلم من حدیث وعلمک ولم اجیء لانظر الی الفیل" اندلس میں ہاتھی ہوتا ہی نہیں پھر تم ہاتھی دیکھنے کیوں نہیں گئے؟ عرض کی حضور میں یہاں آپ کا فیض صحبت اٹھانے اور آپ کے علم اور اسوہ سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں اس لیے نہیں آیا کہ ہاتھیوں کو دیکھتا پھروں۔ امام مالک کو ان کا یہ جواب بہت پسند آیا اور اس دن سے ان کو "عاقل اہل اندلس" کہنا شروع کر دیا۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۵)

فضل وکمال:۔

امام یحییٰ مصمودی نے اپنے وقت کے جلیل القدر مشائخ محدثین اور فقہاء کی بارگاہوں سے کسب علم فرما کر اپنا دامن گونا گوں علمی جواہرات سے بھر لیا تھا وہ حدیث، فقہ و فتویٰ اور دوسرے علوم و فنون میں کامل ہونے کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا مجسم پیکر تھے۔ ان کی جامعیت فضل وکمال کا اعتراف اکابر علماء نے اس طرح کیا ہے۔

- **ابن عماد حنبلی:** "وکان اماماً کثیر العلم کبیر القدر وافر الحرمة کامل العقل خیر النفس، کثیر العبادة و العقل" وہ (امام یحییٰ) کثیر العلم عظیم المرتبت اور نہایت ہی محترم و موقر امام تھے ان کی عقل کامل تھی نفس بہت نیک اور اچھا تھا زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔
(شذرات الذہب ج ۲ ص ۴۲)

- **احمد بن خالد:** "لم یعط احد من اهل العلم بالاندلس منذ دخلها الاسلام من الحظوة وعظم القدر وجلالة الذکر ما اعطیه یحییٰ بن یحییٰ"۔
جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا یہاں کے علماء میں سے کسی کو وہ جاہ و جلال اور عظمت و برتری حاصل نہیں ہوئی جتنی یحییٰ بن یحییٰ (مصمودی) کو حاصل ہوئی۔

- **ابن بشکوال:** "کان یحییٰ بن یحییٰ مجاب الدعوة وکان قد اخذ فی نفسه وهیئته ومقعده هیئة مالک" یحییٰ بن یحییٰ مستجاب الدعوات تھے وہ وضع قطع اور نشست

وبرخاست کے طور طریق میں بالکل امام مالک معلوم ہوتے تھے۔ (ایضاً)

❁ ابوولید ابن فرضی: "کان امام وقتہ وواحد بلدہ" حضرت یحییٰ امام وقت اور اپنے ملک کے یکتائے زمن تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۶۳)

❁ ابن راہویہ: "ما رایت مثل یحییٰ بن یحییٰ ولا اظنہ رایٰ مثل نفسہ" میں نے یحییٰ بن یحییٰ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا اور میرا خیال ہے کہ خود انہوں نے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۴)

حدیث:۔

امام یحییٰ کی کلاہ افتخار کا سب سے تابناک جوہر ان کی محدثانہ عظمت تھی انہوں نے امام مالک اور دوسرے اکابر محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا جس کی بنا پر امام مالک کے اصحاب میں جو عظمت انہیں حاصل ہوئی وہ کسی کے نصیب میں نہ آئی۔ ان کی کثرت حدیث اور علوم حدیث میں مہارت کا اعتراف ائمہ فن نے اس طرح کیا ہے۔

❁ اسحاق بن راہویہ: "ظہر لیحییٰ بن یحییٰ نیف وعشرون الف حدیث" یحییٰ بن یحییٰ کی بیان کردہ حدیثیں بیس ہزار سے زائد منظر عام پر آئی ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۴)

❁ ذہلی: "لو اشاء لقلت ھو راس المحدثین فی الصدق" میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں یہ صداقت وامانت میں محدثین کے سردار ہیں۔ (ایضاً)

❁ حافظ ذہبی: "یحییٰ بن یحیی الامام الحافظ شیخ خراسان" امام یحییٰ بن یحییٰ نامور حافظ حدیث اور شیخ خراسان ہیں۔ (ایضاً)

❁ حاکم: "ھو امام عصرہ بلا مدافعۃ" آپ (یحییٰ) بلا نزاع (حدیث میں) اپنے وقت کے امام ہیں۔ (ایضاً)

موطا امام مالک:۔

امام مالک کے سیکڑوں تلامذہ نے موطا کی نقل وروایت کی مگر مؤطا کے قابل ذکر سولہ نسخے علمی دنیا میں متداول ومشہور ہوئے۔ جن میں امام محمد بن حسن شیبانی کی موطا اور یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ کئی زاویوں سے دوسرے نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

مصمودی کی مؤطا کو امام محمد کی مؤطا پر اس لیے فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے مؤطا کی

سماعت امام مالک کی زندگی کے آخری سال کی اور مؤطا کی تمام وکمال مرویات کو اپنی کتاب میں محفوظ کرلیا اس طرح امام مصمودی کی مؤطا ہی پر مؤطا امام مالک کا اطلاق کیا جاتا ہے اس لیے امام مصمودی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ مؤطا امام مالک کی نقل وروایت ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے مؤطا امام محمد کو مصمودی کی مؤطا پر فوقیت دی ہے مگر یہ دونوں کتابیں اپنی جداگانہ خصوصیات کی وجہ سے کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

”اس دور میں مؤطا کی مشہورترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے اور اہل مغرب میں یحیٰی لیثی کی روایت۔ پہلی روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اہل عراق نے مؤطا میں مدونہ جن احادیث اہل حجاز کو لیا ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بنا پر جو امام محمد اپنی مؤطا میں لائے ہیں نہیں لیا ہے ان کا بیان ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے نہایت مفید ہے جو اہل مدینہ اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسری روایت مؤطا کی تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ تین ہزار کے قریب امام مالک کے ان اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے اور یہ دونوں روایتیں دنیا کے کتب خانہ میں شرقاً وغرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ (مقالات الکوثری ص ۷۹، ۸۰)

آج دنیا کے اندر مؤطا امام مالک کا جو نسخہ مشہور ہے وہ یحیٰی مصمودی کا روایت کردہ نسخہ ہے۔

فقہ وفتویٰ:۔

امام یحیٰی حدیث کے ساتھ فقہ کے بھی امام تھے انہوں نے امام مالک اور سفیان بن عیینہ سے علم فقہ حاصل کیا تھا وہ فقہ وفتویٰ میں کافی اونچا مقام رکھتے تھے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں

”کان فقیھا حسن الرای“ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۶۳)

ان کی فقہی جلالت اور عظمت کا سکہ دیار مغرب میں چلتا تھا وہ اندلس میں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ اور مفتی تھے۔ عوام وخواص فقہی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے چونکہ آپ فقہ مالکی کے پیرو تھے اس لیے مالکی فقہ کی اشاعت کا سہرا آپ کے سر رہا اور اہل مغرب نے آپ ہی سے امام مالک کے مسلک فقہ کی تعلیم پائی۔

ابن خلکان لکھتے ہیں: ”ان یحییٰ عاد الیٰ الاندلس وانتھت الیہ ریاسۃ بھا وبہ انتشر مذھب مالک فی تلک البلاد وتفقہ بہ جماعۃ لا یحصون عددا“ بلاشبہ یحیٰی اس حال میں اندلس واپس آئے کہ ان کی ذات علماء ومدرسین کا مرکز وملتجیٰ بن گئی۔ یحیٰی ہی کے ذریعہ

اندلس میں مالکی مذہب فروغ پذیر ہوا اور ان سے اتنے لوگوں نے تفقہ حاصل کیا جن کی تعداد کا شمار ممکن نہیں۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۵)

حافظ ابن عبد البر قمطراز ہیں: "قدم الی الاندلس بعلم کثیر فدارت فتیا الاندلس بعد عیسیٰ بن دینار الیہ وانتھی السلطان والعامة الی رایہ" یحییٰ کثیر علم کے ساتھ اندلس واپس آئے پس اندلس کے منصب افتاء پر عیسیٰ بن دینار کے بعد وہی فائز ہوئے اور عوام وخواص سب آپ ہی کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (الانتقاء لابن عبد البر ص ۵۹)

وہ اپنے فتووں میں کسی کا دباؤ قبول نہ کرتے اور قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا جواب دیتے۔ اس وصف اور گوناگوں علمی کمالات کی وجہ سے امام یحییٰ کی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی عوام وخواص سبھی عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے۔ حکومت اندلس نے بارہا عہدۂ قضا کی پیشکش کی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ تاہم اندلس کا بادشاہ حکومت کے اہم امور ومسائل میں آپ کے مشورے ہی سے اقدام کرتا۔ عمال اور قاضی آپ ہی کی رائے سے مقرر کیے جاتے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں " فان یحییٰ بن یحییٰ کان مکینا عند السلطان مقبول القول فی القضاة فکان لایلی قاض فی اقطار بلاد الاندلس الا بمشورته واختیاره ولا یشیر الا باصحابه ومن کان علی مذهبه" یحییٰ ابن یحییٰ بادشاہ اندلس کے نزدیک مقرب تھے اور قاضیوں کے تقرر میں آپ ہی کا قول قبول کیا جاتا، بلاد اندلس میں کوئی قاضی آپ کے مشورے اور اختیار کے بغیر مقرر نہ ہوتا۔ اور آپ اپنے اصحاب اور اپنے ہم مسلک (مالکی عالم) کا ہی مشورہ دیتے۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۵)

اس طرح اسپین کے طول وعرض میں فقہ مالکی کی اشاعت عام ہوئی۔ بلفظ دیگر وہاں کی حکومت فقہ مالکی پر تھی۔

حق گوئی وبیباکی:۔

شاہی تقرب کے باوجود حق گوئی آپ کا شعار رہی۔ فتویٰ قرآن وسنت کے مطابق کسی اثر ودباؤ کے بغیر بلا خوف وخطر دیتے۔ ایک بار اندلس کے حاکم عبد الرحمٰن بن حکم اموی نے صوم رمضان کی حالت میں اپنی محبوب اور خوبصورت کنیز کو دیکھا نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور اس سے مجامعت کر بیٹھا۔ بعد میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے تمام فقہاء شہر کو طلب کیا اور اپنی اس معصیت کے بارے میں حکم شرع دریافت کیا۔ آپ نے بڑی بے باکی سے فرمایا امیر کو کفارہ میں پے در پے

دو مہینوں کے روزے رکھنے ہوں گے۔ آپ کی علمی جلالت کی بنا پر دربار شاہی میں کسی کو اختلاف کی مجال نہ ہوسکی۔ جب مجلس برخاست ہوئی فقہاء نے آپ سے کہا اس نوع کے مسائل میں امام مالک کے نزدیک کفارۂ صوم میں روزے دار کو اختیار ہے چاہے غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ پھر آپ نے دو ماہ کے روزوں ہی پر کیوں اصرار کیا۔ یہ سن کر یحییٰ نے یہ حکیمانہ جواب دیا۔ "لو فتحنا له هذا الباب سهل عليه ان يطأ كل يوم يعتق رقبة فيه ولكن حملته على اصعب الامر لئلا يعود" اگر ہم نے امیر کے لیے یہ دروازہ کھول دیا تو اس کے لیے بہت آسان ہوگا کہ روز مجامعت کرے اور کفارہ میں کوئی غلام آزاد کردے لیکن میں نے اس کے لیے مشکل صورت اختیار کی تاکہ آئندہ وہ اس فعل کی جرأت نہ کرے۔ (وفیات الاعیان ج ٣ ص ٧٦، ٢٧٥)

تلامذہ:۔

امام یحییٰ کے علمی فیضان سے بہرہ یاب ہونے والوں کے چند اہم نام یہ ہیں:

عبیداللہ بن یحییٰ، بقی بن مخلد، محمد بن وضاح، محمد بن عباس بن ولید، صباح بن عبدالرحمٰن، اسحاق، ذہلی، محمد بن اسلم، امام بخاری، امام مسلم، داؤد بن حسین، ابراہیم بن علی ذہلی وغیرہم۔ (تہذیب ج ١١ ص ٢٦٣، تذکرہ ج ٢ ص ٤)

وفات: ماہ صفر ٢٢٦ھ میں وفات پائی۔ (تذکرہ ج ٢ ص ٥)

(٣١) حضرت امام یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ

ولادت ١٥٨ھ وفات ٢٣٣ھ

اسم گرامی یحییٰ، کنیت ابوزکریا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام بن عبدالرحمٰن مری، بغدادی۔

ولادت موضع نقیای، مضافات انبار میں ہوئی وہیں آپ کے والد معین سکونت گزیں تھے جو ابوجعفر منصور کے عہد خلافت میں رے کے عامل تھے اور صاحب جاہ وثروت شخص تھے۔ یحییٰ بن معین نسبی اعتبار سے عرب نہ تھے بلکہ آزاد غلام تھے اس غلام زادگی کو انہوں نے چھپانے کی کبھی کوشش نہ کی ایک بار کسی نے پوچھا آپ عرب ہیں؟ بے نیازی سے جواب دیا میں عرب نہیں بلکہ عربوں کا غلام ہوں۔ (تاریخ بغداد) ابن خیثمہ کا بیان ہے یحییٰ فرماتے تھے کہ میں حمید بن عبدالرحمٰن

مری کا آزاد کردہ غلام ہوں۔

اسلام نے اپنے نظام مساوات کے ذریعہ آقائی غلامی کے عرفی امتیازات کو ختم کر دیا تھا اور اس کے نزدیک شرافت و بزرگی کا معیار علم و فضل تھا چنانچہ دامن اسلام سے وابستہ ہونے والے ہزاروں غلام زادے تاریخ اسلام میں آپ کو ایسے نظر آئیں گے جن کی علمی عظمت اور زہد و اتقاء کے سامنے بڑے بڑے نسبی اشراف کی گردنیں خم نظر آتی ہیں۔

تعلیم:۔

ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے علم حدیث کے حصول کی جانب توجہ کی اپنے والد کا متروکہ اثاثہ جو دس لاکھ پچاس ہزار درہم پر مشتمل تھا خرچ کر ڈالا بالآخر یہ نوبت پہونچی کہ پاؤں میں جوتیاں تک نہ رہیں " **فخلف لابنه الف الف درهم و خمسين الف درهم فانفق جميع المال على الحديث حتى لم يبق له نعل يلبسه**"(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۳)

فن حدیث سے آپ کے شغف کا عالم یہ تھا کہ آپ نے بغداد جیسے مرکز علم و فن پر اکتفا نہ کیا بلکہ مختلف مقامات کا سفر کیا جس میں عراق، حجاز، جزیرہ شام، مصر، یمن قابل ذکر ہیں۔ علم دین کی تحصیل کے لیے اس بے مثال صرف اور جدو جہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ علم کی لازوال دولت سے ان کا دل و دماغ معمور ہوگیا انہوں نے جن اکابر اہل علم سے تحصیل علم کی ان کے نام یہ ہیں:

عبدالسلام بن حرب، عبداللہ بن مبارک، حفص بن غیاث، جریر بن عبدالحمید، ہشام بن یوسف، عبدالرزاق، ابن عیینہ، وکیع، ابن ابی عدی، غندر، عمر بن عبدالرحمٰن الآبار، حجاج بن محمد، حاتم بن اسماعیل، اسماعیل بن مجالد بن سعید، حسین بن محمد، عبدالصمد بن عبدالوارث، عباد بن عباد، سکن بن اسماعیل، مروان بن معاویہ، قطان، ابوعبیدہ بن حداد، ابواسامہ، حماد بن خالد، عبدالرحمٰن بن مہدی۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۶)

ابن معین محض زبانی حفظ پر اکتفا نہ کرتے بلکہ حدیثوں کو صفحۂ قرطاس پر نقل بھی کر لیا کرتے تھے۔ علی بن مدینی کا بیان ہے "**ما اعلم احداً كتب ما كتب يحيىٰ بن معين**" مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا جس نے یحییٰ بن معین کے برابر حدیثیں لکھی ہوں۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۷) ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کتنی حدیثیں لکھیں انہوں نے کہا "**كتبت بيدى هذه ستة مئة الف حديث**" میں نے اپنے اس ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھیں۔ (ابن خلکان ج ۳ ص ۲۷۳)

حدیثیں غور و فکر کے بعد تحریر فرمایا کرتے تھے بسا اوقات ایک ایک حدیث کو تیس تیس بار

لکھتے اور کاٹتے تھے اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ اگر ہم کسی روایت کو بار بار نہ لکھیں اور نہ کاٹیں تو سخن کو کما حقہ نہ سمجھ پائیں۔ ”لو لم نکتب الحدیث من ثلاثین وجها ماعقلناه“ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۸)

قال محمد بن نصر الطبری: ”دخلت علی ابن معین فوجدت عنده کذا و کذا سفطا و سمعته یقول کل حدیث لا یوجد ههنا واشار بیده الی الاسفاط فهو کذب وقال صالح جزرة ذکر لی ان یحیی بن معین خلف من الکتب لما مات ثلثین قمطراً وعشرین جبا“

محمد بن نصر طبری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں یحیٰ بن معین کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں دفتروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں حضرت یحیٰ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے جو حدیث ان دفاتر میں نہ ملے وہ کاذب ہے اور صالح جزرہ کا بیان ہے کہ انتقال کے بعد جب آپ کی کتابوں کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ تیس الماریاں اور بیس صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۲)

علم و فضل:۔

امام یحیٰ بن معین نے جس جانفشانی اور اخلاص کے ساتھ علم کی دولت جمع کی تھی اور اپنی فطری استعداد اور قوت حفظ وضبط کو بروئے کار لا کر حدیث و متعلقات حدیث کی معرفت حاصل کی تھی اس کے نتیجہ میں آپ محدثین کے سرخیل اور ارباب علم کے مقتدیٰ بن گئے تھے آپ کی علمی جلالت اور عالمانہ پایہ کا اعتراف وقت کے بڑے بڑے ائمہ حدیث وفقہ اور ارباب فکر و دانش نے کیا ہے۔

❁ علی بن مدینی: ” انتهی العلم بالبصرة الی یحییٰ بن ابی کثیر وقتادة، وعلم الکوفة الی ابی اسحاق والاعمش، وانتهی علم الحجاز الی ابن شهاب وعمر وبن دینار وصار علم هؤلاء الستة بالبصرة الی سعید بن ابی عروبة وشعبة ومعمر وحماد بن سلمة وابی عوانة ومن اهل الکوفة الی سفیان الثوری وسفیان بن عیینة ومن اهل الحجاز الی مالک بن انس ومن اهل الشام الی الاوزاعی وانتهی علم هؤلاء الی محمد بن اسحاق وهشیم ویحییٰ بن سعید وابن ابی زائدة و وکیع وابن المبارک وهو اوسع هؤلاء علما وابن مهدی ویحییٰ بن آدم وصار علم هؤلاء جمیعا الی یحییٰ بن معین “۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۳)

یعنی بصرہ میں علم حدیث یحییٰ بن ابی کثیر اور ابوقتادہ پر منتہی ہوا اور کوفہ کا علم اسحاق اور اعمش پر اور حجاز کا علم ابن شہاب اور عمرو بن دینار پر تمام ہوا۔ اور ان چھ محدثین کا علم بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ، شعبہ، معمر، حماد بن سلمہ، ابوعوانہ اور کوفہ والوں میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور اہل حجاز میں مالک بن انس اور اہل شام میں اوزاعی پر ختم ہوا اور ان تمام محدثین کا علم محمد بن اسحاق، ہشیم، یحییٰ بن سعید، ابن ابی زائد، یحییٰ بن آدم تک پہونچا، اور ان تمام علماء حدیث کا علم یحییٰ بن معین کے پاس جمع ہو گیا۔

- یحییٰ سعید القطان: "ما قدم علینا مثل ھذین الرجلین احمد ویحییٰ" (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۸) ہمارے پاس احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے شخص نہیں آئے۔

- ابن مدینی: "ما رایت فی الناس مثلہ" میں نے لوگوں میں ان کے مانند نہیں دیکھا۔ (ایضا ص ۲۲۹)

- ابوسعید حداد: "الناس کلھم عیال علی یحییٰ بن معین فقال صدق ما فی الدنیا مثلہ" (ایضا) تمام لوگ یحییٰ بن معین کی عیال ہیں اور کہا سچے ہیں دنیا میں کوئی ان کے مانند نہیں۔

- احمد بن حنبل: "السماع مع یحییٰ بن معین شفاء لما فی الصدور" (ایضا) یحییٰ بن معین سے سماع حدیث سینوں کے لیے پیغام شفا ہے۔

- خطیب بغدادی: "کان اماما ربانیا عالما حافظا ثبتا متقنا" وہ امام ربانی عالم حافظ، ثبت فی الحدیث اور علمی تجرر کھنے والے تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۲)

- ابن حبان: "کان من اھل الدین والفضل وممن رفض الدنیا فی جمع السنن وکثرت عنایتہ بھا وجمعہ وحفظہ ایا ھا حتی صار علما یقتدیٰ بہ فی الاخبار واماما یرجع الیہ فی الآثار" وہ صاحب دین اور صاحب فضل تھے اور ان علماء میں سے تھے جنہوں نے سنن کو جمع کرنے کے لیے دنیا چھوڑ دی اور انہیں بکثرت سنن میسر آئیں جن کو انہوں نے جمع کیا اور یاد کیا۔ یہاں تک کہ وہ ایسے علم والے ہو گئے کہ احادیث میں ان کی اقتداء کی جاتی ہے اور آثار میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ (ایضا)

بڑے بڑے ائمہ حدیث یحییٰ بن معین سے سماع حدیث کے مشتاق رہتے تھے۔

ایک بار امام احمد بن حنبل نے خواہش ظاہر کی کہ یحییٰ بن معین یہاں آ جائیں ایک شخص نے

کہا اگر وہ یہاں آ بھی جائیں گے تو کیا کریں گے وہی سنی سنائی احادیث پھر سنائیں گے امام احمد نے فرمایا چپ رہو وہ حدیث میں جہاں کہیں خطا ہوتی ہے اسے فوراً پہچان جاتے ہیں۔

ائمہ حدیث جب کسی حدیث کے بارے میں اختلاف کرتے تو ابن معین کی طرف رجوع کرتے۔

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ چالیس سال تک میرا یہ معمول رہا کہ میں جب کبھی بغداد آتا تھا تو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیث پر مذاکرہ کرتا تھا اس مذاکرہ میں اگر کسی چیز میں میرا اور امام احمد بن حنبل کا اختلاف ہو جاتا تو ہم حضرت یحیٰی بن معین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی طرف رجوع کرتے تھے وہ فوراً حدیث اس کے اصل مخرج سے نکال دیتے تھے اس میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۰)

تلامذہ:۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد ان کے اوقات عزیز حدیث کی صحت وعدم صحت اور احوال رواۃ پر غور کرنے میں صرف ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے باقاعدہ مجلس درس قائم نہیں کی تاہم ان سے اہل علم کی کثیر تعداد نے علم حاصل کیا جن میں حدیث کے بڑے بڑے امام شامل ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد عبداللہ بن محمد مسندی، ہناد بن سری، فضل بن سہل، محمد بن عبداللہ بن مبارک مخزومی، محمد بن اسحاق صنعانی، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، معاویہ بن صالح اشعری، ابوبکر بن علی مروزی، احمد بن حنبل، احمد بن ابی حواری، ابن سعد، داؤد بن رشید، ابوخیثمہ، احمد بن ابراہیم، یعقوب بن ابراہیم، ابراہیم بن عبداللہ بن جنید ختلی، ابوبکر بن ابی خیثمہ، احمد بن محمد بن قاسم بن محرز، جعفر بن محمد طیالسی، ابومعین حسین بن حسن رازی، صالح بن محمد جزرہ، حسین بن فہم، حنبل بن اسحاق، عباس دوری، عبداللہ بن احمد دورقی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، عبداللہ بن شعیب صابونی، عبدالخالق بن منصور، نصر بن محمد اسدی، مفضل بن غسان غلابی، حسین بن حبان، محمد بن یحیٰی ذہلی، یعقوب بن شیبہ سدوسی، ابوحاتم، ابوزرعہ رازی، ابوزرعہ دمشقی، ابویعلی موصلی، احمد بن حسن بن عبدالجبار صوفی، احمد بن محمد بن عبیداللہ تمار المقری۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۷)

جرح وتعدیل:۔

سنت رسول دین کی اساس ہے اس لیے اس کی نقل وروایت بڑی ذمہ داری کا کام ہے

یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ ہی سے اس سلسلہ میں حزم و احتیاط سے کام لیا جاتا تھا مگر عہد رسالت سے جوں جوں بعد بڑھتا گیا دین میں فتنوں کے دروازے بھی کھلتے گئے اور ائمہ بدعت وضلال نے موضوع روایتوں کو حدیث کے ذخیرہ میں شامل کرنے کی در پردہ کوشش شروع کر دی۔ محدثین عظام نے اس فتنہ انگیزی کو بروقت محسوس کر لیا اور ہمت و جرأت سے اس کے مقابلہ پر کمر بستہ ہو گئے اور جھوٹی حدیثوں کو ذخیرۂ حدیث سے نکال کر پھینکنے لگے یہ کام پہلی صدی کے آخر ہی میں شروع ہو چکا تھا مگر دوسری صدی میں محدثین نے جس کے سرخیل یحیٰی بن معین تھے جرح وتعدیل حدیث کو ایک مستقل فن کا درجہ دے دیا اور وضع حدیث کے فتنہ کا بڑی حد تک سد باب کر دیا۔ ابن معین نے صحیح اور غیر صحیح روایتوں کی تمیز اور رواۃ حدیث کی سیرت و کردار کے معلوم کرنے میں اپنی پوری ذہنی اور عملی قوت صرف کر دی تھی جو امت اسلام پر ان کا عظیم احسان ہے۔ وہ واعظوں اور کاذب راویوں کی روایتوں کو بھی اس لیے لکھ لیا کرتے تھے کہ ان کی پھیلائی ہوئی غلط روایتوں کے انبار سے صحیح باتیں اخذ کر لی جائیں خود فرماتے ہیں " **کتبنا عن الکذابین ثم سجرنا به التنور** " میں کاذبین کی روایتوں کو لکھ لیتا ہوں اور ان کو تنور میں ڈال کر ان سے پکی پکائی روٹیاں نکال لیتا ہوں۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۰)

مقصد یہ ہے کہ روایت و درایت کے معیار پر ان روایتوں کو پرکھتا ہوں ان میں جو صحیح ہیں انہیں لے لیتا ہوں جو غلط ہیں ان کی غلطی کو واضح کر کے ان کی حدیث نبوی ہونے کی حیثیت کو ختم کر دیتا ہوں محدث عجلی کا بیان ہے "**لقد کان یوتی بالاحادیث قد خلطت وتلبست فیقول هذا الحدیث کذا وهذا کذا فیکون کما قال** " ابن معین کے سامنے بہت سی ملتبس اور مختلط احادیث لائی جاتیں تو وہ سب کی حیثیت کو واضح کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۵۲)

ابن معین کو نقد حدیث کا اتنا زبردست ملکہ حاصل تھا کہ وہ ایک ماہر صیرفی کی طرح جو سکوں کے ڈھیر پر نظر ڈالتے ہی کھرے اور کھوٹے سکوں کو پہچان لیتا ہے ابن معین بھی حدیثوں کو سن کر اس کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ فرما دیا کرتے تھے اور اس امر میں ان کی نگاہ اتنی گہری اور باریک بیں تھی کہ عام محدثین تو درکنار خود اس فن میں درک رکھنے والوں کی نظر بھی ان اسقام و عیوب تک نہیں پہونچتی۔ ابو سعید حداد کا بیان ہے " **وانا لنذهب الی الحدیث فننظر فی کتبه فلا نری فیها الا کل حدیث صحیح حتی یجیئنی ابو زکریا، فاول شی یقع فی یده الخطا ولو لا انه عرفناه لم نعرفه** " ہم لوگ جب کسی محدث کی خدمت میں جاتے تو ان کی کتابوں میں

جو احادیث درج ہوتیں ان کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے مگر جب وہی روایتیں ابن معین کے سامنے پیش کی جاتیں تو ان کی نظر فوراً غلطیوں پر پڑ جاتی اور غلطی اتنی باریک ہوتی تھی کہ اگر وہ توجہ نہ دلاتے تو ہم کو احساس بھی نہ ہوتا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۹)

یحیٰی بن معین کا علم روایات اس درجہ پختہ اور یقینی تھا کہ ان کے سامنے جو روایات آتی تھیں ان پر فوراً حکم لگا دیتے تھے وہ کسی حدیث کے متعلق نہ تو استفہام کرتے تھے اور نہ اس میں ان کو کوئی تردد پیش آتا تھا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۹) ایک مجلس میں علی بن مدینی امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین موجود تھے حدیث پر مذاکرہ ہو رہا تھا کسی نے کہا اے یحیٰی بن معین آج ہم آپ کو بہترین احادیث سناتے ہیں بولے ہاں سناؤ ان کی یہ خواہش دیکھ کر لوگوں نے حدیثیں سنانی شروع کیں ان حدیثوں میں جہاں جہاں غلطی تھی یحیٰی بن معین ان پر تنبیہ کرتے رہے پھر ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت ابن معین کی تحقیق بالکل درست تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۷۹)

فن اسماء الرجال میں ابن معین کی حذاقت و مہارت اس دور کے بڑے بڑے ائمہ فن کے نزدیک مسلم تھی ابن رومی کہتے ہیں **"کنت عند احمد فجاء رجل فقال یا ابا عبد اللہ انظر فی ہذہ الاحادیث فان فیہا خطأ قال علیک بابی زکریا فانہ یعرف الخطأ"** میں ایک بار امام احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے ابو عبداللہ ذرا ان احادیث کو دیکھئے ان میں کچھ خطا معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا تم ابو زکریا یحیٰی بن معین کے پاس جاؤ وہ خطا کو پہچانتے ہیں۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۹)

امام احمد بن حنبل اور ایک محدث عبدالخالق دونوں مغازی کی احادیث سننے کے لیے یعقوب بن ابراہیم کے پاس جاتے تھے اس زمانہ میں حضرت یحیٰی بن معین بصرہ میں قیام پذیر تھے ایک دن امام احمد نے فرمایا اے کاش ابو زکریا یہاں ہوتے عبدالخالق نے کہا اگر وہ یہاں ہوتے بھی تو کیا کرتے؟ بولے وہ خطا کو پہچانتے ہیں۔

صالح بن محمد کہتے ہیں جن لوگوں کو میں نے پایا ہے ان میں علل حدیث کے سب سے بڑے عالم ابن مدینی اور فقہ حدیث میں سب سے زیادہ کمال رکھنے والے امام احمد بن حنبل اور مذاکرہ کے وقت سب سے بڑے حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ تھے۔ لیکن احادیث میں مشائخ نے جو تصحیفات (تغیرات) کی ہیں ان کے سب سے بڑے عالم یحیٰی بن معین تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱)

ایک دوسری روایت میں علی بن مدینی کے الفاظ یہ ہیں **یحییٰ اعلم بالرجال والکنی.**

⬤ عمرو ناقد: " ما كان في اصحابنا اعلم بالاسناد من يحيىٰ بن معين ما قدر احد يقلب عليه اسناداً قط " ہمارے اصحاب میں یحییٰ بن معین سے بڑھ کر اسناد کا علم رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی ان پر اسناد کے الٹ پلٹ کر بیان کرنے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۳۸)

⬤ احمد: " كان ابن معين اعلمنا بالرجال " ابن معین ہم میں رجال کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً)

امام احمد آپ سے حدیثوں کے بارے میں پوچھا کرتے " كيف حديث كذا وكيف حديث كذا " جس سے ان کا ارادہ حدیثوں کی حیثیت ہوا کرتی۔ امام احمد فرمایا کرتے تھے " كل حديث لا يعرفه ابن معين فليس هو بحديث " ہر وہ حدیث جسے ابن معین نہیں جانتے وہ حدیث نہیں۔ (ایضاً)

ہارون بن معروف کا بیان ہے کہ " ایک مرتبہ شام کے ایک شیخ ہمارے یہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث املا کرانے کی درخواست کی انہوں نے اس کو منظور فرمالیا اور اپنی کتاب اٹھا کر اس سے املا کرانے لگے اتنے میں دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی گئی معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل تشریف لائے ہیں۔ شیخ نے امام کو آنے کی اجازت دے دی چنانچہ آپ اندر تشریف لائے لیکن میں نے دیکھا کہ امام احمد کے آجانے سے شیخ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا وہ اسی طرح کتاب ہاتھ میں لیے املا لکھاتے رہے۔ امام احمد کے بعد احمد دورقی، عبد اللہ بن رومی، ابو خیثمہ اور زہیر بن حرب اسی طرح علی الترتیب آئے آکر اجازت حاصل کر کے شریک درس ہوتے رہے۔ لیکن شیخ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا وہ بدستور کتاب ہاتھ میں لیے املا کراتے رہے جب یہ سب حضرات آچکے تو پھر کنڈی کھٹکھائی گئی اس مرتبہ معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین تشریف لائے ہیں۔ شیخ نے حضرت یحییٰ بن معین کو دیکھا ہی تھا کہ ان کے ہاتھ کانپنے لگے اور کتاب نیچے گر پڑی"۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۳۹)

اوپر کے بیانات سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ آپ کو جرح وتعدیل اور فن اسماء الرجال میں خاص ملکہ تھا آپ اس فن کے امام وقت، عظیم محدث اور سب سے بڑے ناقد سمجھے جاتے تھے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں " كان من العلماء الجهابذة في الطبقة الثالثة ببغداد " (مقدمہ الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۱۴)

علامہ خلیلی کہتے ہیں: ’’ آپ قدیم وجدید ہر قسم کے راویوں کا حال جانتے تھے۔ (بحوث فی الجرح والتعدیل ص ۳۲۷) علامہ ابن رجب فرماتے ہیں ’’ آپ جرح وتعدیل کے امام مطلق ہیں‘‘۔ (شرح علل الترمذی ص ۱۸۸)

احساس ذمہ داری اور ورع:

راویوں پر بے لاگ تنقید اور رجال حدیث پر جرح وتعدیل کا کام جتنا مشکل ہے اس سے زیادہ اہم اخلاقی جرأت اور بلا اندیشۂ لوم لائم حق بات کہنے کی ہمت ہے بسا اوقات جرح وتعدیل کے معیار پر پرکھنے کے بعد بعض ایسے ایسے مشائخ علم وطریقت کو ساقط کردینا پڑتا ہے جو عوام کی نظروں میں انتہائی محترم ہوتے ہیں وہیں راوی پر تنقید کرتے وقت ضروری ہے کہ ذاتی دشمنی اور مخالفت کو مطلقاً اثر انداز نہ ہونے دیا جائے یحیٰ بن معین اس باب میں بڑے محتاط واقع ہوئے تھے۔

ابن رومی کا بیان ہے: شیوخ حدیث کے بارے میں میں نے یحیٰ بن معین سے زیادہ حق بات کہنے والا نہیں دیکھا مگر اظہار حق میں حدیث رسول کو کذب وافترا سے پاک کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا جذبہ ~~نہ~~ ہوتا تھا اس لیے وہ دعا فرماتے تھے ’’اللھم ان کنت اتکلم فی رجل ولیس ھو کذا ہا فلا تغفر لی‘‘ الٰہی اگر میں نے کسی شخص کے اوپر نقد وجرح کر کے اس کی کذب بیانی واضح کی ہو مگر اس میں وہ بات نہ ہو تو میری مغفرت نہ کرنا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۴۹)

ظاہر ہے کہ اگر وہ جرح وتعدیل میں احساس ذمہ داری کو پورے طور پر ملحوظ نہ رکھتے تو آخرت میں فلاح ومغفرت سے محرومی کی دعا بھی نہ کرتے کیوں کہ ایک مومن کا سب سے قیمتی سرمایہ یہی ہے۔ جس طرح دوسرے کی روایت لینے میں محتاط تھے اسی طرح خود بھی روایت کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے خود فرماتے ہیں۔ میں ایک روایت بیان کردیتا ہوں مگر پھر اس خوف سے رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے کہ شاید روایت میں غلطی نہ ہوگئی ہو۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۱۲)

کسی راوی کی کوئی غلطی سامنے آتی تو اسے حتی الامکان چھپاتے تھے کہ وہ خود اس کو مان لے اگر وہ نہیں مانتا تھا تو پھر اس کی غلطی کو برملا بیان کرتے تھے اور اس کی دوسری روایت قبول نہ کرتے تھے خود فرماتے ہیں۔ میں جب کسی شخص کی کوئی غلطی دیکھتا ہوں تو اس کو پوشیدہ رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حسن قول سے اس کی غلطی اس پر واضح ہو جائے اور کبھی میں ایسے راوی سے ملتا ہوں

جس کے چہرے سے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بات یعنی کوئی غلطی ایسی ہے جس کے اظہار کو وہ پسند نہیں کرتا تو میں اس کی غلطی اس پر واضح کرتا ہوں اگر وہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہے تو اس کو اپنے تک محدود رکھتا ہوں ورنہ اس کو متروک قرار دیتا ہوں۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۰) یہی وجہ تھی کہ ائمہ حدیث ان پر حد درجہ اعتماد کیا کرتے تھے امام احمد بن حنبل فرماتے تھے جو روایت یحییٰ بن معین کو معلوم نہ ہو اس کی صحت مشکوک ہے۔ (ایضاً) نیز فرماتے تھے یحییٰ بن معین کے ساتھ سماع حدیث کرنے میں یہ فائدہ ہوتا تھا کہ کتابت میں جو کچھ غلطی ہوتی تھی نکل جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے "ھھنا رجل خلقه الله تعالى لهذا الشان يظهر كذب الكذابين يعني ابن معين" اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شخص پیدا کر دیا ہے جو کاذبوں کی کذب بیانی ظاہر کر دیتا ہے۔ (تہذیب) ابو سعید حداد کہتے تھے اگر یحییٰ بن معین نہ ہوتے تو میں حدیث نہ لکھتا۔ ابو عبید فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابو بکر بن شیبہ اور یحیٰ بن معین پر علم ختم ہو گیا مگر ان چاروں میں یحییٰ بن معین حدیث کی صحت و سقم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۵)

❁ ابو سعید حداد: "الناس كلهم عيال على يحيىٰ بن معين" تمام لوگ یحییٰ بن معین کے محتاج ہیں دنیا میں ان کے برابر کوئی سچا آدمی نہیں ہے وہ اس بات میں سب سے زیادہ سبقت لے گئے ہیں رہے وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے ان کی نسبت کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۸۳)

وفات:۔

یحییٰ بن معین جس طرح علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے ان کی عملی زندگی بھی زہد و ورع کا نمونہ تھی انہوں نے بڑی پاکیزہ اور صالح زندگی بسر کی کئی بار حج کیا اور روضۂ انور کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا آخری حج کے موقع پر بعد حج مدینہ تشریف لائے زیارت رسول کے بعد قافلہ واپس ہونے والا تھا کہ رات میں خواب دیکھا ہاتف کہہ رہا تھا اے ابو زکریا کیا تم میرے پڑوس سے اعراض کرتے ہو۔ صبح ہوئی تو قافلہ والوں سے فرمایا تم لوگ جاؤ میں مدینہ ہی میں قیام کروں گا اور تین روز بعد علم و فضل کا یہ آفتاب درخشاں ڈوب گیا۔ اور جوار حبیب کا شرف ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر بن گیا۔ وصال ۲۳۳ھ میں ہوا۔

مدینہ میں جب آپ کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے والی مدینہ نے حکم دیا کہ جس چار پائی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد پاک رکھا گیا تھا اسی پر یحییٰ بن معین کا جنازہ بھی

رکھا جائے جنازہ اس شان سے اٹھا کہ آگے ایک شخص اعلان کرتا جاتا تھا " ھذا الذی کان ینفی الکذب عن حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۴) یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہونے والی جھوٹی باتوں کو دور کرتا تھا ابراہیم بن منذر خزاعی نے کہا جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مامون من الکذب کر دینے والے کے جنازہ میں شریک ہو تو اسے یحیٰی بن معین کے جنازہ میں آنا چاہیے جنازہ لاکھوں سوگواروں کے ازدحام میں اس طرح چلا کہ لوگ کہتے جاتے تھے۔ "ھذا الذی ذب عن رسول اللہ الکذب " یہ وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دور کیا۔ امیر مدینہ نے نماز پڑھائی۔ اور نعش مبارک جنت البقیع میں دفن کر دی گئی آپ کی کرامتوں سے ایک بہت بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے دن بغداد کے ایک بزرگ نے یہ خواب دیکھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں " جئت لھذا الرجل اصلی علیہ فانہ کان یذب الکذب عن حدیثی" یحیٰی بن معین کی نماز جنازہ پڑھنے جا رہا ہوں کہ یہ وہ شخص ہے جو میری حدیثوں سے جھوٹ کو دفع کرتا تھا۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۱)

(۳۲) حضرت امام حافظ علی بن مدینی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۶۱ھ وفات ۲۳۴ھ

امام جرح و تعدیل، محدث اعظم علی بن عبد اللہ بن جعفر بن نجیح سعدی آپ کا خاندان قبیلہ بنو سعد کے ایک شخص عطیہ اسعدی کا غلام تھا آبائی وطن مدائن تھا جس کی وجہ سے مدینی مشہور ہوئے۔ بعد میں یہ خاندان بصرہ میں آباد ہو گیا تھا جہاں ۱۶۱ھ میں علی بن مدینی پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:۔

جب آنکھ کھولی تو اپنے والد ماجد (جو مشہور محدث تھے) کی آغوش شفقت میں تحصیل علم کا آغاز کیا والد کے وصال کے بعد انہوں نے بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، مدینہ، یمن اور دوسرے اسلامی شہروں کا سفر محض طلب علم کے لیے کیا اور وہاں کے اساتذہ فن سے حدیث و فقہ کا درس لیا۔ ان کا طبعی رجحان حدیث کی جانب تھا چنانچہ اس میں کمال پیدا کیا انہوں نے طلب حدیث کے لیے جب یمن کا سفر کیا تو تین سال تک وہیں مقیم رہے ابن مدینی کا علمی شغف اتنا بڑھا ہوا تھا کہ رات کو سوئے سوئے

کوئی حدیث یاد آگئی یا کوئی شبہ ہوا فوراً نوکر سے کہتے کہ چراغ جلا چراغ جل جاتا اور وہ جب اپنی تسکین کر لیتے تب کہیں انہیں نیند آتی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۴۶۳)

آپ کے شیوخ حدیث کی تعداد کافی ہے یہاں چند اہم اسماء تحریر کیے جاتے ہیں:

ان کے والد عبد اللہ بن جعفر، حماد بن زید، ابن عیینہ، ابن علیہ، ابوضمرہ، بشر بن مفضل، حاتم بن وردان، خالد بن حارث، بشر بن سری، ازہر بن سعد سمان، حرمی بن عمارہ، حسان بن ابراہیم، شبابہ، مرحوم بن عبد العزیز، سعید بن عامر، ابواسامہ، یحییٰ بن سعید قطان، یزید بن زریع، ہشیم، محمد بن طلحہ تیمی، معاذ بن معاذ، عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ، عبد اللہ بن وہب، عبد العزیز ابن ابی حازم، عبد العزیز العمی، فضل بن عنبہ، معن بن عیسیٰ، ابوالنضر، فضیل بن سلمان، ہشام بن یوسف صنعانی، عبد الرزاق، یوسف بن یعقوب ماجشون، ابوغندر، صفوان اموی۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۶)

فضل و کمال اور حدیث:

ابن مدینی نے جس ذوق و شوق سے علم حاصل کیا اور جس حزم و احتیاط سے ذخیرۂ حدیث کو اسقام سے پاک کرنے اور راویان حدیث کے احوال و کوائف اور ان کے صدق و کذب پر لوگوں کو آگاہ فرمایا جس کی وجہ سے اکابر حدیث اور خود ان کے شیوخ بھی آپ کے فضل و کمال کے معترف ہو گئے اور چہار دانگ عالم میں آپ کی عظمت علم کا ڈنکا بجنے لگا۔ امام نووی تحریر فرماتے ہیں۔ تمام لوگ ان کی جلالت شان، امامت اور کمال اور دوسروں پر ان کی فوقیت کا اعتراف کرتے ہیں۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۵۰)

- **ابن عیینہ:** "یلوموننی علی حب علی واللہ لقد کنت اتعلم منہ اکثر مما یتعلم منی" لوگ مجھے علی بن مدینی کی محبت پر ملامت کرتے ہیں خدا کی قسم جتنا وہ مجھ سے علمی فائدہ اٹھاتے ہیں میں اس سے کہیں زیادہ ان سے علمی فائدہ حاصل کرتا ہوں۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۷)

- **عبدالرحمٰن بن مہدی:** "علی بن المدینی اعلم الناس بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخاصۃ بحدیث ابن عیینۃ" علی بن مدینی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث عموماً اپنے شیوخ میں سے سفیان بن عیینہ کی حدیث خصوصاً سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً)

- **امام نسائی:** "کان اللہ عزوجل خلق علی بن المدینی لھذا الشان" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی بن مدینی علم حدیث کی خدمت کے لیے ہی پیدا کیے گئے تھے۔ (ایضاً)

- امام بخاری: "ما استصغرت نفسی عند احد الا عند علی بن المدینی" جتنا میں نے اپنے آپ کو علی بن مدینی کے سامنے چھوٹا پایا ہے اتنا کسی اور استاذ کے پاس نہیں۔ (ایضاً ص ۳۰۸)

- امام ابوداؤد: "علی اعلم باختلاف الحدیث من احمد" علی بن مدینی اختلاف حدیث کو احمد بن حنبل سے زیادہ جانتے ہیں۔ (ایضاً)

- ابن حبان: "کان اعلم اهل زمانه بعلل حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم رحل وجمع وکتب وصنف وذاکر وحفظ" علی بن مدینی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علل کے بڑے علماء میں سے تھے انہوں نے سفر کیا۔ حدیثیں جمع کیں۔ ان کو لکھا ان پر کتابیں تصنیف کیں پھر ان سے متعلق مذاکرہ کیا اور انہیں محفوظ رکھا۔ (ایضاً ص ۳۱۱)

- امام نسائی: "ثقة مامون احد الائمة فی الحدیث" وہ معتبر اور مامون ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ (ایضاً)

- ابوزرعہ: "لا یرتاب فی صدقه" ان کی سچائی میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً)

- یحیٰ بن سعید قطان: "انا اتعلم من علی اکثر مما یتعلم منی" جتنا علم علی مجھ سے سیکھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ میں ان سے سیکھتا ہوں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۵)

- حافظ ذہبی: "حافظ العصر وقدوة ارباب هذا الشان، صاحب التصانیف" وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے حافظ حدیث اور ارباب علم حدیث کے پیشوا تھے۔ اپنے پیچھے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ (ایضاً)

معرفت علل ورجال:۔

"متذکرہ بالا ائمہ فن اور محدثین کے اقوال آراء اور ابن مدینی کی توصیف میں مبالغہ نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ ابن مدینی کو جو خصوصیت حاصل تھی ان کے شیوخ اور معاصرین میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ آپ علم حدیث کے محض حافظ اور راوی ہی نہ تھے بلکہ حدیث نبوی کے عارف و ماہر تھے سند و متن رواۃ و روایت ہر چیز پر گہری نظر رکھتے تھے خامیوں اور نقائص کا انہیں کامل ادراک تھا"۔

- ابوحاتم: "کان علی علما فی الناس فی معرفة الحدیث والعلل وکان احمد لا یسمیه انما یکنیه تبجیلا له وما سمعت احدا سماه قط" علی بن مدینی لوگوں میں حدیث اور اس کے علل کی معرفت میں ایک علامت ونشان تھے۔ میں نے امام احمد بن حنبل کو ان کا نام لیتے ہوئے کبھی نہیں سنا ہمیشہ ان کی تعظیم وتکریم کے پیش نظر ان کی کنیت ہی سے ان کا ذکر

کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۷)

فریابی سے علی بن مدینی، یحییٰ، احمد اور ابوخیثمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "اما علی فاعلمھم بالحدیث والعلل ویحییٰ اعلمھم بالرجال واحمد اعلمھم بالفقه وابو خیثمه من النبلاء" علی ان میں حدیث اور اس کے علل کے بارے میں سب سے زیادہ جانتے ہیں، یحییٰ ان میں علم رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں احمد ان میں سب سے بڑے فقیہ ہیں اور ابوخیثمہ دانشمندوں میں ہیں۔ (تہذیب ج ۷ ص ۳۰۸)

❁ صالح بن محمد: " اعلم من ادرکت بالحدیث وعلله علی بن المدینی " میں نے جن محدثین کو پایا ان میں علی بن مدینی حدیث اور علل کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً)

❁ ابوداؤد: " علی اعلم باختلاف الحدیث بن احمد" علی بن مدینی امام احمد سے زیادہ اختلاف حدیث کو جاننے والے تھے۔ (ایضاً)

امام ابن مدینی کو اپنے معاصرین پر جو تفوق حاصل تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب محدثین میں روایت کی صحت وعدم صحت پر بحث ومباحثہ ہوتا تو اپنے معاصرین میں وہ حکم مانے جاتے اور انہیں کی رائے پر بحث کا خاتمہ ہوتا تھا بغداد جو اس دور میں علم وفضل کا بہت بڑا مرکز تھا وہاں قدم قدم پر محدثین وفقہاء اور اہل علم کے حلقے قائم تھے جب ابن مدینی وہاں پہونچے تو شائقین آپ کے گرد اس کثرت سے جمع ہوتے کہ ایک علیحدہ حلقۂ درس قائم ہوجاتا اور اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوجاتا تو ابن مدینی کے فیصلے کو سب تسلیم کر لیتے تھے۔

ابو یحییٰ کہتے ہیں " کان علی بن المدینی اذا قدم بغداد تصدر الحلقة وجاء یحییٰ بن معین واحمد بن حنبل والمعیطی والناس یتناظرون فاذا اختلفوا فی شی تکلم فیه علی" (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۸)

ابن مدینی احادیث کے قبول کرنے میں حد درجہ محتاط ہی نہیں متشدد واقع ہوئے تھے ان کا بیان ہے میں نے تقریباً ایک لاکھ حدیثیں ترک کر دیں جن میں سے تیس ہزار حدیثیں عباد بن صہیب کی روایت کی ہوئی تھیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۴۵۹) پھر معیار تنقید پر پرکھنے کے بعد جو حدیثیں انہیں صحیح اور کھری معلوم ہوتی تھیں قید تحریر میں لے آتے تھے لکھتے لکھتے ان کے پاس اتنا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا کہ ایک الماری بھر گئی لیکن افسوس ہے کہ یمن کے سفر سے آنے کے بعد انہوں نے اس الماری کو کھولا تو انہیں یہ دیکھ کر بے انتہا صدمہ ہوا کہ ان کی اب تک کی زندگی کا جو کچھ سرمایہ تھا وہ سب

خاک کے ذروں میں تبدیل ہو گیا تھا اس موقع پر خود حضرت ابن مدینی کا بیان ہے کہ "اس کے بعد مجھ کو ضائع شدہ سرمایہ کے جمع کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

"وعن علی بن المدینی قال صنفت المسند علی الطرق مستقصی وجعلته فی قراطیس فی قمطر کبیر ثم عنبت عن البصرة ثلاث سنین فرجعت وقد خالطته الارضة فصار طینا فلم انشط بعده لجمعه" (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۸)

تصانیف:۔

ابن مدینی کا طریقہ یہ تھا وہ جو کچھ سنتے تھے اسے لکھ لیا کرتے تھے اس طرح ان کی کتابوں کی تعداد کافی ہو گئی تھی امام نووی کا قول ہے انہوں نے دو سو تصانیف یادگار چھوڑیں " لابن مدینی نحو منه مائتی مصنف" (تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۲) ابن عماد حنبلی آپ کو صاحب تصانیف لکھتے ہیں (شذرات ج ۲ ص ۸۰) ابن ندیم نے ان کی چند کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں کتاب الاسماء والکنی، کتاب المسند بعللہ، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء، کتاب العلل، کتاب الاشربہ، کتاب التنزیل۔

سیرت واخلاق:۔

ابن مدینی اخلاق وکردار، تقوی وطہارت، عبادت وریاضت میں اسلاف کا نمونہ تھے عباس عنبری کہتے ہیں اگر ان کی عمر نے کچھ وفا کی ہوتی تو وہ اپنے اخلاق وعادات میں حسن بصری سے بڑھ جاتے ان کی علمی برتری اور اخلاقی شان کا یہ عالم تھا کہ لوگ آپ کی ایک ایک بات ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ "کان الناس یکتبون قیامه وقعوده ولباسه وکل شیء یقول ویفعل" (تہذیب ج ۷ ص ۳۰۸) ان کی چال ڈھال نشست وبرخاست ان کے لباس کی کیفیت غرض ان کے ہر قول وعمل کو لوگ اسوہ سمجھ کر لکھ لیا کرتے تھے بڑے بڑے ائمہ وقت ان کے سامنے مودب ہو کر بیٹھا کرتے تھے حضرت سفیان بن عیینہ جو ساٹھ سال سے گوشہ نشیں ہو گئے تھے اور مجلس درس منعقد نہ کرتے تھے لیکن حضرت ابن مدینی کی ذات مستثنیٰ تھی وہ خود فرمایا کرتے تھے اگر علی نہ ہوتے تو میں کبھی تمہارے لیے مجلس میں نہ آتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۴۵۹)

ابن مدینی کی روحانی شخصیت کا یہ کرشمہ تھا کہ جب بغداد آتے تو سنت کا چرچا ہو جاتا تھا اور جب وہ بصرہ چلے جاتے تھے تو شیعیت غالب آ جاتی تھی۔

ابن معین کہتے ہیں: " کان علی بن المدینی اذا قدم علینا اظهر السنة واذا

ذهب الی بصرة اظهر التشیع“ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۹)

اشاعت علم اور تلامذہ:۔

ابن مدینی نے بڑی فراخ دلی سے اپنے علمی خریطہ میں محفوظ علوم وفنون سے دنیا کو مالا مال کر دیا وہ علم کی اشاعت میں بڑے فراخ دل اور سیر چشم واقع ہوئے تھے وہ جہاں جاتے لوگوں کی بھیڑ استفادۂ علمی کے لیے جمع ہو جایا کرتی تھی اور بڑے بڑے ائمہ فن بھی ان کی خدمت میں کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ ایمن کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن مدینی کو دیکھا کہ لیٹے ہوئے تھے اور ان کے دائیں جانب امام احمد اور بائیں جانب یحییٰ بن معین تشریف رکھتے تھے اسی حالت میں علی بن مدینی املا کراتے جاتے اور یہ دونوں بزرگ لکھتے جاتے تھے۔ (تہذیب ج ۷ ص ۳۰۹)

آپ سے کسب علم کرنے والوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہے چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

امام بخاری، ابوداؤد، ذہلی، اسماعیل قاضی، ابویعلی، بغوی، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حسن بن صباح بزار زعفرانی، ابراہیم بن حارث بغدادی، حسن بن علی خلال، ابومزاحم سباع بن نضر، عبد القدوس حجابی، ابوبکر بن ابی عتاب اعین، محمد بن عمرو بن نبہان ثقفی، ابراہیم جوزجانی، حمید بن زنجویہ، ابوداؤد حرانی، محمد بن عبداللہ بن عبدالعظیم، محمد بن جعفر بن امام، ہلال بن عاء الرقی، عباس بن عبدالعظیم عنبری۔ سفیان بن عیینہ، معاذ بن معاذ، احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن علی بن مدینی، احمد بن منصور الرمادی، حنبل بن اسحاق، صالح جزرہ، ابوقلابہ، ابوحاتم، الصاغانی، فضل بن سہل الاعرج، محمد بن عبدالرحیم صاعقہ، یعقوب بن شیبہ، العمری، ابوشعیب الحرانی، ابوالحسن بن ابراء، صالح بن احمد بن حنبل، محمد بن علی بن الفضل المدینی، ابوخلیفہ حجمی، محمد بن یونس الکدیمی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، ابویعلی، بغوی، غندی، عبداللہ بن محمد بن الحسن الکاتب۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۷)

وفات: اس پیکر علم وفضل کا وصال بقول اصح ۲۳۴ھ بمقام سامرہ (بغداد) ہوا۔

(۳۳) حضرت امام ابوبکر بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۵۹ھ وفات ۲۳۵ھ

اسم گرامی عبداللہ ابوبکر کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خواستی۔ وطن واسط ہے آپ کا خاندان علمی لحاظ سے مشہور تھا ان کے دادا ابوشیبہ صاحب علم

بزرگ تھے خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ میں ۲۳ برس تک واسط کے قاضی رہے۔ آپ کے والد محمد بھی صاحب علم تھے وہ فارس کے قاضی تھے جن کے تین صاحبزادے عبداللہ، عثمان، اور قاسم اکابر محدثین کے زمرہ میں شمار کیے جاتے ہیں امام ابوبکر کا خاندان بعد میں کوفہ آکر آباد ہوگیا تھا جس کی بنا پر بعض لوگوں نے ان کو کوفہ کا باشندہ بتایا ہے۔

تحصیل علم:۔

امام ابوبکر نے جب آنکھ کھولی ان کا خانوادہ اور شہر واسط گہوارۂ علم وفن بنا ہوا تھا چنانچہ آپ نے خداداد استعداد علمی اور بے نظیر حافظہ کی بدولت علم وفضل میں کمال پیدا کیا انہوں نے واسط، کوفہ، بغداد اور دوسرے شہروں کے ائمہ فن سے بھی اکتساب فیض کیا ان کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

ابوالاحوص، عبداللہ بن ادریس، ابن مبارک، شریک، ہشیم، ابوبکر بن عیاش، اسماعیل بن عیاش، جریر بن عبدالحمید، ابواسامہ، ابومعاویہ، وکیع، ابن علیہ، خلف بن خلیفہ، ابن نمر، ابن مہدی، قطان، ابن ابی زائدہ، عباد بن عوام، ابن عیینہ، ابوخالد احمر، عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ، محمد بن فضیل، مروان بن معاویہ، معتمر بن سلیمان، یزید بن مقدام بن شریح، یزید بن ہارون۔ (تہذیب التہذیب ج٦ ص ٣)

فضل وکمال:۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ قرآن وتفسیر، حدیث وسنت تاریخ وسیر میں بڑا کمال رکھتے تھے ان کو حدیث میں ممتاز مقام حاصل تھا معاصر اور بعد کے اکابر علماء نے آپ کے فضل وکمال تثبت واتقان اور کمال حفظ وضبط حدیث کا اعتراف کیا ہے۔

۞ امام احمد بن حنبل:" ابو بکر صدوق وھو احب الی من عثمان" ابوبکر صدوق ہیں اور میرے نزدیک اپنے بھائی عثمان سے زیادہ محبوب ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج٦ ص ٣)

۞ عجلی: "ثقة وکان حافظا للحدیث" وہ ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ (ایضاً)

۞ عمرو بن علی: " ما رایت احفظ من ابی بکر قدم علینا مع علی بن المدینی فسرد للشیبانی اربع مائة حدیث حفظا" میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ وہ ہمارے یہاں علی بن مدینی کے ساتھ آئے۔ تو انہوں نے شیبانی کی چارسو حدیثیں اپنی یادداشت سے بیان کیں۔ (ایضاً)

۞ ابوعبید قاسم:" انتھی العلم الی اربع فابو بکر اسردھم له واحمد افقھھم

فیه ویحییٰ اجمعهم له وعلی اعلمهم به" علم چار آدمیوں پر ختم ہو گیا۔ تو ابوبکر حدیث کو سب سے زیادہ خوبی کے ساتھ بیان کرنے والے تھے اور احمد ان میں سب سے بڑے فقیہ اور یحیٰ ان میں سب سے زیادہ حدیث جمع کرنے والے اور علی ان میں سب سے بڑے عالم تھے۔ (ایضا ص ۴)

● صالح بن محمد: " اعلم من ادرکت بالحدیث وعلله علی بن المدینی و اعلمهم بتصحیف المشائخ یحییٰ بن معین واحفظهم عندالمذاکرة ابو بکر بن ابی شیبة" میں نے جن اہل علم کو پایا ان میں علی بن مدینی حدیث اور اس کے علل کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ یحیٰ بن معین تصحیف مشائخ کے سب سے بڑے عالم ہیں اور ان میں ابوبکر بن ابی شیبہ مذاکرۂ حدیث کے وقت سب سے بڑے حافظ ہیں۔ (ایضا)

● ابوزرعہ رازی: " ما رایت احفظ من ابی بکر بن ابی شیبة" میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا (ایضا)

● ابن حبان: " کان متقنا حافظا دینا ممن کتب وجمع وصنف وذاکر وکان احفظ اهل زمانه للمقاطع "ابوبکر متقن، حافظ اور دیندار تھے۔ اور ان لوگوں میں تھے جنہوں نے لکھا جمع کیا اور تصنیفات چھوڑیں، مذاکرہ کیا وہ اپنے زمانہ میں منقطع رواتوں کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ (ایضا)

● ابن قانع: " ثقة ثبت "ابوبکر بن ابی شیبہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ (ایضا)

● حافظ ذہبی: "الحافظ عدیم النظیر الثبت الحریر " ابوبکر بن ابی شیبہ بے مثال حافظ حدیث اور اس فن میں ماہر بے عدیل ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸)

تلامذہ: ۔

امام ابوبکر نے علم وفن میں جو کمال پیدا کیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ دنیا ان کے گرد جمع ہو کر اپنے دامن کو مالا مال کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کے چشمۂ علم سے ہزاروں پیاسوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی ان میں سے چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، احمد بن علی قاضی، زکریا ساجی، عثمان بن خرزاذ، ابوشیبہ، ابراہیم بن ابی بکر بن ابی شیبہ، احمد بن حنبل، محمد بن سعد، ابوزرعہ، ابوحاتم، عبداللہ بن احمد بن حنبل، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، ابراہیم حربی، محمد بن عبیداللہ منادی، یعقوب بن شیبہ، بقی بن مخلد بن ابی عاصم، ابویعلی، ہیثم بن خلف دوری، عبدان اہوازی، محمد بن محمد بن سلیمان

باغندی، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بغوی، ابوعمر، یوسف بن یعقوب نیشاپوری۔ (تہذیب ج ۶ ص ۳)

تصنیف:۔

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ ایک باکمال مصنف تھے ابوعبیدہ کا بیان ہے " احسنھم وضعا للکتاب ابو بکر بن ابی شیبۃ" کہ کتاب تصنیف کرتے وقت ابوبکر بن ابی شیبہ کی ترتیب سب سے اچھی ہوتی ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸) خطیب بغدادی کہتے ہیں " کان ابو بکر متقنا حافظا صنف المسند والاحکام والتفسیر" ابوبکر متقن اور حافظ ہیں مسند، احکام، اور تفسیر میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں (ایضا) ابن ندیم نے ان کی ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے کتاب السنن فی الفقہ، کتاب التفسیر، کتاب التاریخ، کتاب الفتن، کتاب صفین، کتاب الجمل، کتاب الفتوح، کتاب المسند، لیکن عام مورخین ان کی چار کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مسند، تفسیر، کتاب الاحکام اور مصنف مؤخر الذکر کتاب ابن ابی شیبہ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے اسے لازوال شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی حدیث کی بلند پایہ اور اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں یہی کتاب سب سے جامع اور مبسوط ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے اس کتاب کو ابواب فقہ پر مرتب کیا ہے اور حدیث پوری سند کے ساتھ تحریر کی ہے ابتداء کتاب الطہارت سے ہوئی ہے اس کے شروع میں یہ ہے "باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء" جب کوئی شخص پاخانہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کون سی دعا پڑھے۔ اس باب میں یہ حدیث بیان کی ہے " حدثنا ھشیم بن بشیر عن العزیز بن ابی صھیب عن انس بن مالک قال کان رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اعوذ باللہ من الخبث والخبائث" (بستان المحدثین ص ۱۸۰)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ لاجواب اور عدیم المثال مصنف کے مرتب ہیں۔ ان سے پہلے اور بعد میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ (ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۱۵) اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مرویات صحاح ستہ میں موجود ہیں امام بخاری نے تیس اور امام مسلم نے ۱۵۴۰/روایت کی تخریج کی ہے سنن ابوداؤد میں بکثرت اور سنن ابن ماجہ میں غالباً سب سے زیادہ اسی مصنف سے حدیثیں لی گئی ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۰۷)

احکام ومسائل کا اس سے زیادہ جامع اور مستند کوئی مجموعہ نہیں ہے اس میں وہی حدیثیں شامل کی گئی ہیں جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے اس کتاب میں مرفوع ومتصل روایات کے

ساتھ مرسل، منقطع اور موقوف حدیثیں بھی ہیں آثار صحابہ اور تابعین کے فتاوے اور فقہاء کے اقوال و آراء بھی بیان کیے گئے ہیں اس سے ہر حدیث کے متعلق سلف کے تعامل اور ائمہ کے اتفاق واختلاف کا پتہ چل جاتا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ شائع ہو چکی ہے

وفات: امام ابن ابی شیبہ نے ۷۴/سال عمر پائی ۸/محرم الحرام ۲۳۵ھ میں رحلت فرمائی۔

(۳۴) محدث خراسان حضرت امام قتیبہ بن سعید بلخی بغلانی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۰ھ ۲۴۰ھ

اسم گرامی قتیبہ، کنیت ابو رجاء، سلسلہ نسب یہ ہے۔ قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبداللہ ثقفی بغلانی بلخی۔ قبیلہ ثقیف سے نسبت ولاء رکھتے تھے۔ اسی لیے ثقفی کہلاتے ہیں۔ آپ کے دادا جمیل بن طریف اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے غلام تھے۔ حجاج اپنے مزاج کی سختی اور تشدد کے باوجود آپ کا بڑا اعزاز واحترام کرتا تھا اور مجلس میں آپ کو اپنی داہنی طرف ایک کرسی پر بیٹھاتا۔

قتیبہ بن سعید کی ولادت ان کے آبائی وطن بغلان مضافات بلخ میں ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم:۔

قتیبہ کا خاندان دولت وثروت کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتا تھا ساتھ ہی ساتھ علمی ذوق بھی اس خاندان کی میراث تھا چنانچہ سعید خود صاحب علم تھے اور فرزند کو بڑا عالم دیکھنا چاہتے تھے۔ سعید بن جمیل نے ایک بار خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ دیکھا کہ حضور کے دست مبارک میں ایک صحیفہ ہے۔ عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا اس میں علماء کے نام درج ہیں انہوں نے عرض کی حضور! ذرا یہ رجسٹر مجھ کو مرحمت فرمادیجئے تاکہ میں دیکھ لوں کہ اس میں میرے فرزند (قتیبہ) کا نام بھی درج ہے یا نہیں۔ حضور نے رجسٹر عطا فرمادیا انہوں نے دیکھا تو اس صحیفہ میں ان کے فرزند قتیبہ کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۸)

قتیبہ ایسے نیک دل اور صالح مرد مومن کے فرزند تھے۔ علم کی طرف فطری رجحان تھا۔ ابتداء میں وہ قیاسی مسائل کی طرف زیادہ راغب تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک توشہ دان لٹک رہا ہے لوگ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے

ہیں لیکن اس تک پہونچنے سے عاجز ہیں پھر اس کو میں نے لینا چاہا تو میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی کل کائنات نظر آ گئی۔ صبح کے وقت میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خواب کی تعبیر بتانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا بیٹے! روایات و آثار کی طلب میں مشغول ہو جاؤ کیوں کہ صرف احادیث و آثار ہی مشرق و مغرب تک پہونچ سکتے ہیں۔ قیاسی مسائل میں اس درجہ وسعت پائی کہاں؟۔

چنانچہ اپنے وطن سے نکل کر عراق، خراسان، شام، مکہ، مدینہ اور مصر کا سفر کیا اور یہاں کے اکابر شیوخ و علماء سے حدیث نبوی کا سماع کیا اور اپنے دامن کو علم کے سدا بہار پھولوں سے بھر لیا۔

آپ کے نامور شیوخ یہ ہیں:

مالک، لیث، ابن لہیعہ، رشدین بن سعد، داؤد بن عبدالرحمٰن عطار، خلف بن خلیفہ، عبدالرحمٰن بن ابی الموال، بکر بن مضر، مفضل بن فضالہ، عبدالوارث بن سعید، حماد بن زید، عبداللہ بن زید بن اسلم، عبدالعزیز الدراوردی، ابوزید ابصر بن قاسم، عبدالعزیز بن ابی حازم، یزید بن مقدام بن شریح بن ہانی، معاویہ بن عمار دہنی، حفص بن غیاث، جریر بن عبدالحمید، حمید بن عبدالرحمٰن رواسی، ابوالاحوص، شریک، عباد بن عباد، عبدالسلام بن حرب، عبدالوہاب ثقفی، عطاف بن خالد، فرج بن فضالہ، فضیل بن عیاض، ایوب بن نجار یمامی، جعفر بن سلیمان ضبعی، ہشیم، ابوعوانہ، ابن ادریس، یزید بن زریع، یعقوب بن عبدالرحمٰن اسکندرانی، اسماعیل بن جعفر، اسماعیل بن علیہ، ابوضمرہ، ابواسامہ، ابن عیینہ، سہل بن یوسف، ابوصفوان عبداللہ بن سعید اموی، مروان بن معاویہ، محمد بن فضیل غزدان، ابومعاویہ، محمد بن عبداللہ انصاری، وکیع وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۲۱)

اگرچہ انہوں نے طلب علم کے لیے وطن ترک کیا تھا مگر علم کا شوق اور مراکز علم سے لگاؤ اتنا بڑھا کہ ہمیشہ کے لیے وطن چھوڑ دیا اور عراق میں بود و باش اختیار کر لی، کبھی کبھی دو ایک دن کے لیے وطن جاتے پھر عراق واپس آ جاتے۔ وہ خود کہا کرتے تھے:

ما کان مثلی فی بغلان مسکنہ
ولا یمر بہا الا علی سفر

میری طرح بغلان میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کا وطن ہو تو بغلان مگر وہ وہاں آئے مسافر کی طرح۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۷۰)

علم وفضل:۔

حضرت قتیبہ نے جس ذوق وشوق اور لگن سے طلب علم کے لیے رحلت وسفر کی دشواریاں جھیلیں اور اسلامی بلاد کے اکابر شیوخ سے علم حاصل کیا جس کی وجہ سے ان کی ذات علم کا ظرف بن گئی تھی۔ حدیث میں ان کے تبحر کا یہ عالم تھا کہ ایک شب انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے کہا۔ "اقم عندی هذه الشتوة حتی اخرج الیک مائة الف حدیث عن خمسة الخ" تم اس موسم سرما میں میرے پاس قیام کرو تو میں تم کو پانچ شخصوں کی روایت کی ہوئی ایک لاکھ حدیثیں سناؤں گا"۔ شاگرد نے کہا غالباً ان میں سے ایک بزرگ تو عمر بن ہارون ہوں گے فرمایا نہیں۔ صرف عمر بن ہارون سے تو میں نے تیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ یہ ایک لاکھ احادیث تو وکیع بن جراح، عبدالوہاب ثقفی، جریر الرازی، محمد بن بکر برسانی سے منقول ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ قتیبہ بن سعید نے پانچویں بزرگ کا بھی نام لیا تھا لیکن میں اس کو بھول گیا۔ (ایضا ص ۴۶۷)

آپ کی کثرت حدیث، ثقاہت واتقان اور ضبط وتثبت پر اساطین علم حدیث متفق ہیں۔

- حافظ ذہبی: "الشیخ الحافظ محدث خراسان ..... وکان ثقة عالماً صاحب حدیث ورحلات وکان غنیا متمولاً" نامور شیخ، بلند پایہ حافظ حدیث اور محدث خراسان ہیں....... آپ قابل اعتماد عالم اور صاحب حدیث تھے اس فن کی طلب میں انہوں نے دور دراز ملکوں کے سفر کیے۔ غنی اور مالدار تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۰)
- ابن سیار: "کان ثقة صاحب سنة کتب الحدیث عن ثلاث طبقات" آپ پختہ کار عالم اور صاحب سنت تھے۔ تین طبقہ کے اساتذہ سے حدیث لکھی تھی۔ (ایضا)
- نسائی: "ثقة مامون" وہ ثقہ اور مامون تھے۔ (ایضا)
- ابن عماد حنبلی: "الیہ المنتھیٰ فی الثقة" ثقاہت ان پر ختم ہے۔ (شذرات الذہب ج ۲ ص ۹۵)
- فریابی: "قتیبة صدوق لیس احد من الکبار الا وقد حمل عنه بالعراق،" قتیبہ صدوق ہیں۔ عراق کے اکابر حدیث میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے ان سے حدیث نہ لی ہو۔ (تہذیب ج ۸ ص ۳۲۲) ابن معین، ابو حاتم، نسائی اور حاکم نے آپ کو ثقہ قرار دیا۔ (ایضا)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ۳۰۸ رحدیثیں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ۶۶۸ راحادیث روایت کی ہیں۔ (ایضا ص ۳۲۳) امام ترمذی نے بھی اپنی جامع میں آپ سے بکثرت حدیثیں نقل کی ہیں۔

درسگاہ:

قتیبہ کی علمی شخصیت طالبان حدیث کا مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی وہ جہاں کہیں جاتے لوگ ان کے گرد جمع ہو کر حدیثیں سنتے اور قلم بند کرتے، عام طالبان حدیث تو در کنار بڑے بڑے اعیان حدیث آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حدیثوں کا سماع کرتے چنانچہ جب بغداد آئے تو امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین جیسے بلند پایہ محدثین نے آپ سے حدیثیں سنیں۔ جو لوگ آپ سے استفادہ میں پیچھے رہ جاتے وہ کف افسوس ملتے۔ عمرو بن فلاس بیان کرتے ہیں میں ایک مرتبہ منیٰ میں حضرت قتیبہ کے پاس سے گزرا تو دیکھا عباس عنبری ان کے پاس بیٹھے ہوئے حدیث لکھ رہے ہیں میں اس وقت گزرتا ہوا چلا گیا اور ان سے احادیث کا سماع نہیں کیا۔ لیکن بعد میں مجھ کو اپنی تساہلی پر بڑی ندامت ہوئی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۸)

اس عظیم محدث کی بارگاہ سے فیض اٹھانے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے کچھ اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ترمذی، امام احمد بن حنبل، احمد بن سعید داری، ابوبکر بن ابی شیبہ، محمد بن یحیٰی ذہلی، علی بن مدینی، نعیم بن حماد، ابوبکر حمیدی، محمد بن عبد اللہ بن نمیر، یحیٰی بن معین، یحیٰی بن عبد الحمید حمانی، ابو خثیمہ زہیر بن حرب، حسن بن عرفہ، ہارون حمال، عباس عنبری، زعفرانی، یوسف بن موسیٰ قطان، یعقوب بن شیبہ، ابو حاتم، ابوزرعہ، حارث بن ابی اسامہ، جعفر بن محمد صائغ، حسن بن سفیان، جعفر بن محمد فریابی، زکریا بن یحیٰی سجزی، عبدان بن محمد مروزی، عبد اللہ بن محمد فرہیانی، حسن بن طیب باخی، علی بن طیفور بسطامی، ابو العباس محمد بن اسحاق سراج۔ (تہذیب ج ۸ ص ۳۲۲)

وفات: اس پیکر علم و عمل نے ۲ر شعبان ۲۴۰ھ میں بمقام بغلان بلخ وفات پائی۔

(۳۵) حضرت امام اسحٰق بن راہویہ رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۶۱ھ وفات ۲۳۸ھ

جلیل القدر محدث امام ابو یعقوب اسحاق بن راہویہ جن کا سلسلۂ نسب بقول دولابی یہ ہے۔ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن بکر بن عبد اللہ بن غالب بن عبد الوارث بن عبد اللہ بن عطیہ بن مرہ بن کعب بن ہمام بن تمیم بن مرہ بن عمرو بن حنظلہ۔ (تہذیب ج ۱ ص ۱۹۱)

بمقام مرو ایران ۱۶۱ھ یا ۱۶۶ھ میں ولادت ہوئی مگر بعد میں نیشاپور میں مستقل قیام کیا۔

تعلیم :۔

مرو ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر تحصیل علم کے لیے وطن سے قدم باہر نکالا اور اپنے وقت کے ممتاز شیوخ حدیث وفقہ اور ائمہ مفسرین سے درس لیا اس سلسلہ میں انہوں نے دور دراز مقامات کا سفر کیا راستے کی سختیاں خوشی کے ساتھ جھیلیں ۔ عراق، حجاز، یمن، مکہ، مدینہ، شام، مصر کی خاک چھانی اور علوم ومعارف کے گنجہائے گرانمایہ سے دامن بھر لیا ۔

آپ کے مشہور مشائخ یہ ہیں:

عبداللہ بن مبارک، جریر بن عبدالحمید، عبدالعزیز بن عبداللہ العمی، فضیل بن عیاض، عیسی بن یونس، ابن عیینہ، ابن علیہ، بشر بن مفضل، حفص بن غیاث، سلیمان بن نافع عبدی، معتمر بن سلیمان، ابن ادریس، عبدالرزاق، عتاب بن بشیر، ابو معاویہ، غندر، شعیب بن اسحٰق، دراوردی، بقیہ، وکیع بن جراح، یحیٰی بن آدم، ابو اسامہ ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰ تہذیب ج ۱ ص ۱۹۱)

قوت حفظ وضبط:

خداوند تعالیٰ نے حفظ وضبط کی غیر معمولی دولت عطا فرمائی تھی بے شمار احادیث ازبر تھیں اس بے مثال حافظہ کے بارے میں امام ابوزرعہ فرماتے ہیں **"ما رؤی احفظ من اسحاق"** امام اسحٰق سے زیادہ قوی یادداشت والا کوئی آدمی نہیں دیکھا گیا۔ ابوحاتم کا بیان ہے **"العجب من اتقانہ وسلامتہ من الغلط مع مارزق من الحفظ"** قوت حفظ کے ساتھ ساتھ ان کے حدیث ضبط کرنے اور غلطیوں سے محفوظ ہونے پر تعجب ہوتا ہے ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰) امام اسحاق سے ایک بار پوچھا گیا آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں؟ فرمایا میں ایک دو لاکھ کچھ نہیں جانتا مگر میں نے آج تک جتنی حدیثیں سنی ہیں وہ سب یاد ہیں ۔ (تاریخ بغداد)

تلامذہ کو کئی کئی ہزار حدیثیں اپنی یادداشت سے لکھایا کرتے تھے اور کبھی کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی خود فرماتے تھے **"کانی انظر الی مائۃ الف حدیث فی کتبی وثلاثین الفا اسردھا"** میری کتابوں میں لکھی ہوئی ایک لاکھ احادیث اس طرح میری آنکھوں کے سامنے ہیں جیسے میں ان کو دیکھ رہا ہوں اور تیس ہزار احادیث تو میں روانی کے ساتھ ازبر پڑھ سکتا ہوں ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰)

امام اسحاق کے ایک شاگرد ابوداؤد خفاف کا بیان ہے: **"املی علینا اسحاق من حفظہ**

احد عشر الف حدیث ثم قرأ ها علینا فما زاد حرفا ولا نقص حرفا" ایک بار گیارہ ہزار حدیثیں انہوں نے املا کرائیں پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔ (ایضاً)

علم وفضل اور حدیث:۔

خداداد قوت حافظہ اور ذاتی کدوکاوش نیز رحلت وسفر اور بکثرت شیوخ سے سماع حدیث کی بدولت انہوں نے حدیث میں جو بلند مقام حاصل کیا تھا اور جس امتیازی شان کے وہ محدث بن گئے تھے اس کا اندازہ وقت کے عظیم محدثین کے اعتراف سے لگایا جاسکتا ہے۔

۞ **امام احمد بن حنبل:** " لا اعلم لاسحاق بالعراق نظیرا ..... اسحاق لم یلق مثلہ" مجھے عراق میں اسحاق بن راہویہ کی نظیر معلوم نہیں .... اسحاق نے اپنے جیسے کسی عالم سے ملاقات نہیں کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰)

۞ **امام نسائی:** " اسحاق ثقة مامون امام " اسحاق ثقہ، مامون اور امام ہیں۔ (ایضاً)

۞ **حافظ ذہبی:** "الامام الحافظ الکبیر .... عالمها بل شیخ اهل المشرق " بلند پایہ امام، بہت بڑے حافظ حدیث، نیشاپور کے عالم اور اہل مشرق کے شیخ ہیں۔ (ایضاً ص ۱۹)

۞ **امام احمد بن حنبل:** " لم یعبر الجسر الی خراسان مثله"۔ خراسان کی طرف جانے والوں میں کسی بزرگ نے ان سے زیادہ اس پل کو عبور نہیں کیا۔ (ایضاً)

۞ **ابن خزیمہ** "واللہ لو کان فی التابعین لاقروا له بحفظه وعلمه وفقهه" اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو اپنے علم وفضل حفظ وضبط اور فقہ کی بنا پر اس زمرہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لیتے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۱)

۞ **مرہ:** جب مرہ سے اسحاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا" اسحاق عندنا امام من ائمة المسلمین " اسحاق ہمارے نزدیک مسلمانوں کے امام ہیں۔ (ایضاً)

۞ **وہب بن جریر:** " جزی اللہ اسحاق بن راهوية عن الاسلام خیرا" اللہ تعالیٰ اسحاق کو ان کی اسلامی خدمات کا صلہ عطا فرمائے۔ (ایضاً)

۞ **ابن حبان:** " کان اسحاق من سادات اهل زمانه فقها وعلما وحفظا وصنف الکتب وفرع علی السنن وذب عنها وقمع من خالفها " اسحاق فقہ، علم اور حفظ میں اپنے زمانہ کے سردار تھے۔ انہوں نے کتابیں تصنیف کیں اور سنن کی اشاعت کی اور سنن کی حفاظت کی اور مخالفین سنت کا مقابلہ کیا۔ (ایضاً ص ۱۹۲)

❁ابن خلکان: " جمع بین الحدیث والفقه والورع وکان احد ائمة الاسلام " اسحاق بن راہویہ حدیث وفقہ، زہد وورع کے جامع اور اسلام کے ایک امام تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۰۸)

امام اسحاق کے علمی مرتبہ کا پاس ولحاظ ان کے معاصرین بلکہ عمر میں ان سے بڑے علماء ومحدثین بھی کیا کرتے تھے اور آپ کے حفظ واتقان پر ائمہ محدثین کے اعتماد کا یہ حال تھا کہ ان کی احادیث پر چون وچرا کو پسند نہ کرتے تھے۔

ایک بار امام احمد نے اسحاق بن راہویہ سے کوئی حدیث پوچھی جب اسحاق نے اسے بیان کیا تو ایک شخص نے اعتراضاً کہا کہ وکیع سے یہی روایت ہے انہوں نے مختلف طریقہ پر بیان کی ہے امام احمد نے برافروختہ ہوکر کہا خاموش رہو جب ابو یعقوب جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں کوئی روایت بیان کریں تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہئے۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۵۳) ایک ممتاز محدث یحییٰ بن معین کے پاس جب اسحاق بن راہویہ تشریف لاتے تو وہ ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو بڑا تعجب ہوتا تھا کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ تو آپ سے عمر میں چھوٹے ہیں آپ ان کی اتنی عزت افزائی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا اسحاق علم میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں ان سے عمر میں بڑا ہوں مقصد یہ تھا کہ باعث احترام علم ہے۔ ارباب علم کا جہاں مجمع ہوتا امام اسحاق صدر نشیں ہوا کرتے تھے محمد بن یحییٰ ذہلی کا بیان ہے ایک بار ۱۹۹ھ میں اسحاق بن راہویہ کے ساتھ وصاف گیا جہاں تمام معاصر ائمہ حدیث مثلاً احمد بن حنبل یحییٰ بن معین وغیرہ موجود تھے لیکن اس مجلس کے صدر نشیں اسحاق بن راہویہ بنائے گئے۔ (تاریخ بغداد)

امام اسحٰق محض جامع وناقل حدیث ہی نہ تھے بلکہ نقد حدیث پر بھی ان کی نظر رہتی تھی انہوں نے موضوع حدیثیں بھی یاد کر رکھی تھیں تاکہ کوئی شخص آکر صحیح روایات میں جھوٹی حدیثوں کو شامل کرے تو وہ اس کی کذب بیانی کی گرفت کریں اور ایسی موضوع حدیثوں کو رائج نہ ہونے دیں۔

ان کا بیان ہے کہ جو ذخیرۂ حدیث میرے پاس موجود ہے ان میں ایک لاکھ حدیثوں کے موقع ومحل سے اس طرح واقف ہوں گویا کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں ان میں سے ستر ہزار مجھے مع معانی حفظ ہیں اور چار ہزار مزورہ حدیثیں مزید مجھے یاد ہیں لوگوں نے دریافت کیا مزورہ حدیثوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا وہ جھوٹی حدیثیں ہیں جنہیں میں نے اس لیے یاد کر لیا ہے کہ جب وہ روایتیں صحیح حدیث کے ساتھ مختلط ہوکر میرے سامنے آئیں تو ان میں جتنا حصہ کذب

اور وضع کا ہوا سے الگ کردوں اور صحیح حدیث کا جتنا حصہ ہے اس کو علیحدہ کردوں۔

ابن حبان کا بیان ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے سنت نبوی کی ترویج کی جھوٹی روایتوں کو احادیث نبوی سے الگ کیا اور جن لوگوں نے سنت کی مخالفت کی ان کا پورا مقابلہ کیا۔

امام اسحاق حدیث وفقہ کے ساتھ تفسیر کے بھی بڑے عالم تھے انہوں نے کتابیں بھی تصنیف کیں جو آج موجود نہیں ابن ندیم نے کتاب السنن فی الفقہ کتاب التفسیر کا تذکرہ کیا ہے۔

تلامذہ:۔

علمی جلالت کا یہ عالم تھا کہ نیشاپور میں آپ کی قیام گاہ ہر وقت تشنگان علوم کا مرکز بنی رہتی تھی اور دور دور سے علم کے شائق آپ کی بارگاہ میں آتے اور دامن کو گوہر مقصود سے بھر کر واپس جاتے آپ کے زمرہ تلامذہ میں وقت کے بڑے بڑے ائمہ حدیث شامل تھے۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد، امام نسائی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن آدم، حسن بن سفیان، ابوالعباس سراج، بقیہ بن ولید، اسحاق کوسج، محمد بن رافع، ذہلی، زکریا سنجری، محمد بن افلح۔ (تہذیب ج ۱ ص ۱۹۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰)

فقہ واجتہاد:۔

امام اسحاق محض ایک بلند پایہ امام حدیث ہی نہ تھے بلکہ فقہ میں بھی مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ آپ کے فقہی مسلک کی نشاندہی امام ترمذی نے اپنی جامع میں جگہ جگہ کی ہے آپ کے متبعین کی تعداد بھی پائی جاتی تھی مگر دوسرے مجتہدین وبانیان مسالک کی طرح آپ کے مسلک فقہ پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی ناپید ہوگئی۔ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں اسحاق بن راہویہ امام وقت تھے ایک گروہ ان کی تقلید کرتا تھا اور ان کے مسلک کے مطابق مسائل کا استنباط اور اجتہاد کرتا تھا۔ (اختصار علوم الحدیث ص ۸۹)

امام احمد بن حنبل اس طرح فرماتے ہیں امام اسحاق کی فقہ کا مدار احادیث وسنن پر ہے شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں ان کے مسائل کی بنیاد احادیث اور اقوال صحابہ پر زیادہ ہے (انصاف) ابو حاتم سے پوچھا گیا کہ آپ کا میلان ان دونوں امام احمد، اسحاق کی جانب زیادہ ہے؟ فرمایا مجھے ان سے زیادہ پر عظمت شخص نظر نہیں آتا ان دونوں نے حدیثیں قلم بند کیں ان کا مذاکرہ کیا اور ان پر تصنیفات کیں۔ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے ان کی فقہی تعریفات سنن واحادیث پر مبنی ہوتی ہیں لیکن امام احمد کے برخلاف ان کا میلان امام مالک کی طرف زیادہ ہے جن کا اصل ماخذ اہل مدینہ کے اقوال ہوتے ہیں۔

تصانیف:۔

طبقات وتراجم کے مرتبین نے امام اسحاق کو صاحب تصانیف کثیرہ لکھا ہے مگر زمانہ کے استداد نے ان کی مصنفات کو ناپید کر دیا ان کی جن کتابوں کے نام معلوم ہوئے وہ یہ ہیں۔

(۱) کتاب السنن فی الفقہ (۲) کتاب التفسیر جسے امام اسحٰق نے مکمل کر لیا تھا اور اسے املا بھی کرا دیا تھا (۳) مسند۔ یہ آپ کی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے حاکم نیشاپوری نے دور ثانی کے مسانید میں ان کا بھی تذکرہ کیا ہے امام اسحٰق نے اسے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر لیا تھا اور اسے املا بھی کرایا تھا اس کا ایک نسخہ جرمنی میں موجود ہے۔

زہد وتقویٰ:۔

علم دین میں امتیازی شان رکھنے کے ساتھ عمل بالسنہ اور زہد وورع میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے۔ محمد بن اسلم طوسی کو آپ کے انتقال کی خبر ملی تو فرمایا" **ماعلم احدا کان اخشی اللہ من اسحاق یقول اللہ وانمایخشی اللہ من عبادہ العلماء وکان اعلم الناس ولو کان الحماد ان والثوری فی الحیلۃ لاحتاجوا الیہ**" میں کوئی ایسا شخص نہیں جانتا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اسحاق سے بڑھ کر ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " **انمایخشی اللہ من عبادہ العلماء**" اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں اور یہ سب لوگوں سے بڑے عالم تھے۔ اگر حماد بن سلمہ، حماد بن زید، اور سفیان ثوری موجود ہوتے تو ان کے محتاج ہوتے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰) ایک مرتبہ امیر خراسان علی بن طاہر کے پاس گئے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں کھاتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے اس نے ان کی اس بے نیازی اور سادگی کو دیکھ کر کہا اگر تم نے یہ کسی ریا کی وجہ سے نہیں کیا ہے تو دنیا میں تم سے زیادہ بے ریا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ (ابن عساکر ج ۲ ص ۴۱۴)

وفات:۔

علم وتقویٰ کے اس تاجدار نے ۷۷ رسال کی عمر پا کر ۱۵ رشعبان ۲۳۸ھ میں دار فانی سے رحلت فرمائی آپ کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۳۶) حضرت امام احمد بن حنبل شیبانی رضی اللہ عنہ

۱۶۴ھ ۲۴۱ھ

اسم گرامی احمد، کنیت ابو عبد اللہ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد

بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان شیبانی مروزی۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۰)

امام احمد کا خاندان خالص عرب تھا۔ ان کے اجداد بصرہ میں آباد تھے۔ دادا حنبل خراسان کے گورنر تھے اس تقریب سے یہ خاندان مرو میں آباد ہوگیا۔ خراسان عباسی تحریک کا مرکز تھا حنبل اس کے سرگرم کارکن بن گئے۔ والد محمد بن حنبل ایک سپاہی تھے جو قومی شرافت اور علم حدیث کے امین تھے ۱۶۴ھ میں مرو سے ترک وطن کر کے بغداد آئے جہاں ماہ ربیع الاول میں امام احمد کی ولادت ہوئی۔ ابھی صغر سن ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب کفالت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ماں کے دوش نازک پر آئی انہوں نے اس در یتیم کی تربیت خاص اہتمام سے کی اور تعلیم و تربیت پر دھیان دیا۔ ماں کے سایۂ شفقت میں پروان چڑھ کر یہ در یتیم اقلیم حدیث و اجتہاد کا تاجدار بن گیا۔

تحصیل علم:۔

امام احمد میں بچپن ہی سے قبول علم کی صلاحیت اور آثار تقدس ظاہر تھے جب وہ مکتب میں تعلیم کے لیے بیٹھائے گئے اسی وقت سے ان کی عبقری صلاحیت اور تقویٰ کی شہرت ہونے لگی۔ عفیف راوی کا بیان ہے **"کان فی الکتاب معنا وھو غلیم نعرف فضلہ"** احمد بن حنبل مکتب میں ہمارے ساتھ تھے وہ اس وقت بہت چھوٹے تھے اور ہم طلبہ ان کی بزرگی سے واقف تھے ہشیم بن حنبل نے آپ کو نوجوانی کے زمانہ میں دیکھ کر کہا تھا۔

اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔ (محدثین عظام ص ۱۶)

امام احمد نے ہوش سنبھالا تو عباسیوں کا پایہ تخت بغداد علم و علماء کا زبردست مرکز بن چکا تھا پوری فضا علم و عرفان سے معمور تھی ابتدائی تعلیم کے بعد امام صاحب نے فقہ و حدیث کی تعلیم کے لیے اسی شہر میں امام ابو یوسف کے حلقۂ درس میں شرکت کی وہ خود کہتے ہیں **"اول من کتبت عنہ الحدیث ابو یوسف"** میں نے سب سے پہلے ابو یوسف سے حدیث لکھی۔ (مناقب الامام احمد ص ۲۰)

حافظ ابن سید الناس نے شرح السیرہ میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ابتداء میں امام ابو یوسف کے پاس فقہ و حدیث کا علم حاصل کیا تین سال تک ان کی خدمت میں رہے اور ان سے تین الماریوں کے مقدار کتابیں لکھیں۔ اور ان کے علاوہ دوسرے علماء و مشائخ سے کسب فیض کیا لیکن آپ کا ذوق علم اور جذبۂ تحصیل ایک ہی شہر کا پابند ہو کر نہ رہ سکا چنانچہ کوفہ، بصرہ، شام، یمن، حرمین

شریفین، جزیرہ، اہادانی کا سفر کیا اور اس کے فقہاء ومحدثین کی بارگاہوں سے وابستہ ہو کر خوب فیض حاصل کیا۔

طلب علم کے شوق میں انہوں نے بحری سفر بھی کیے۔ یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل کا بیان ہے کہ میرے والد اور احمد بن حنبل نے طلب علم میں بحری سفر کیا اور سمندر میں کشتی ٹوٹ گئی تو ایک جزیرے میں اتر گئے۔

تنگدستی اور زادسفر کی نایابی کے وقت بھی وہ علمی اسفار سے باز نہ رہتے اور پاپیادہ سفر کرتے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ "میرے والد نے پیدل طرطوس کا سفر کیا تھا"۔

۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعی سے ہوئی پھر بغداد میں دوبارہ ہوئی اور جب تک امام شافعی بغداد میں رہے امام احمد ان سے جدا نہیں ہوئے۔ یہ امام شافعی کے بہت معتقد تھے کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں نے امام شافعی جیسا عالم نہیں دیکھا اور امام شافعی بھی ان کے مداح تھے "قال الشافعی خرجت من بغداد فما خلفت بها رجلا افضل ولا اعلم ولا افقه من احمد بن حنبل" امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا اس وقت وہاں امام احمد سے زیادہ افضل واعلم اور افقہ کسی کو میں نے نہیں چھوڑا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸)

امام احمد نے سفر کی صعوبتیں جھیلیں اور اساطین علم سے علم حاصل کیا مگر تحصیل علم کا شوق پوری زندگی باقی رہا یہاں تک کہ جب ان کی علمی شہرت اور بزرگی کا چرچا ہر طرف ہو رہا تھا اکابر شیوخ کی بارگاہوں میں طالب علم کی حیثیت سے آتے جاتے۔ ایک بار وہ قلم دوات لیے ہوئے کسی محدث کی خدمت میں جا رہے تھے ایک شخص نے انہیں دیکھ کر کہا ابو عبداللہ آپ امام المسلمین ہیں پھر بھی پڑھنے جا رہے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا "مع المحبرة الى المقبرة" محبرہ (دوات کے ساتھ) مقبرہ (قبرستان) تک (مناقب امام احمد ص ۲۳)

امام صاحب نے جس ذوق وشوق کے ساتھ مختلف بلاد وامصار کے شیوخ واساتذہ سے فیض پایا بلاشبہ ان کے اساتذہ کی تعداد کافی ہوگی یہاں کچھ نامور اساتذہ کے نام تحریر کیے جا رہے ہیں۔

بشر بن مفضل، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید، یحیٰ بن سعید قطان، ابو داؤد طیالسی، عبداللہ بن نمیر، عبدالرزاق، علی بن عیاش، امام شافعی، غندر، معتمر بن سلیمان۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۳)

فضل وکمال:۔

امام احمد بن حنبل نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علمی مرکزوں میں جا کر وہاں کے شیوخ کا علم حاصل کیا تھا حفظ وضبط اور فراست ودانائی کی خداداد صلاحیت نے ان کے جوہر علم کو چمکا دیا اور وہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہی نہیں رہے بلکہ اسلام کی تاریخ کے بہت اہم علمی ستون بن گئے۔ اور اس مینارۂ علم وفضل سے آج تک روشنی حاصل کی جارہی ہے۔ امام احمد قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد وکلام، عربیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی علمی شوکت اور فنی جلالت اور ثبات قدمی کا اعتراف بڑے بڑے علما ومحدثین نے کیا ہے۔

- ابن معین: "ما رأيت خيرا من احمد ما افتخر علينا بالعربية قط" میں نے احمد بن حنبل سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا اور انہوں نے عربیت پر کبھی فخر نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ج ا ص ۶۳)
- وکیع بن الجراح وحفص بن غیاث: "ما قدم الكوفة مثل ذالك الفتى يعنى احمد" (ایضاً) کوفہ میں اس جوان یعنی احمد بن حنبل سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا۔
- سعید القطان: "ما قدم على مثل احمد . حبر من احبار هذه الامة" (ایضاً ص ۶۴) میرے پاس احمد جیسا کوئی شخص نہیں آیا۔ وہ اس امت کے حبر تھے (بڑے عالم)
- ابوعبید: "لست اعلم فى الاسلام مثله" میں اسلام میں ان کے مانند کسی کو نہیں جانتا۔ (ایضاً)
- عجلی: "ثقة ثبت فى الحديث نزه النفس فقيه فى الحديث متبع الآثار صاحب سنة وخير" حدیث میں وہ ثقہ اور ثبت ہیں پاکیزہ نفس فقیہ الحدیث آثار کی پیروی کرنے والے صاحب سنت وخیر ہیں۔ (ایضاً)
- حجاج بن الشاعر: "ما رأت عيناى روحا فى جسد افضل من احمد بن حنبل" میری آنکھوں نے احمد بن حنبل سے افضل کسی کی روح کو جسد میں نہیں دیکھا۔ (ایضاً)
- ابوثور: "احمد شيخنا وامامنا" احمد ہمارے شیخ اور ہمارے امام ہیں۔ (ایضاً)
- ابوحاتم: "هو امام وهو حجة" وہ امام اور حجت ہیں۔ (ایضاً)
- ابن ماکولا: "كان اعلم الناس بمذاهب الصحابة والتابعين" لوگوں میں صحابہ اور تابعین کے مذاہب کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً)

محمد بن ابراہیم بوشنجی: " ما رأیت اجمع فی کل شیٔ من احمد ولا اعقل وھو عندی افضل وافقه من الثوری " میں نے احمد کے سوا کسی کو سارے علوم جمع کرنے والا نہیں دیکھا اور نہ ان سے بڑا عقلمند وہ میرے نزدیک سفیان ثوری سے افضل اور افقہ ہیں۔ (ایضا)

۞ ابن حبان: "کان حافظا متقنا فقیھا ملازماً للورع الخفی مواظبا علی العبادة الدائمة اغاث الله به امة محمد صلی الله علیه وسلم وذالک انه ثبت فی المحنة وبذل نفسه لله حتی ضرب بالبساط للقتل فعصمه الله تعالیٰ عن الکفر وجعله علما یقتدی به وملجا یلجا الیه" حافظ، متقن، فقیہ، ورع کو لازم پکڑنے والے، عبادت پر ہمیشہ مواظبت کرنے والے تھے ان کے ذریعہ اللہ نے امت محمدیہ کی مدد فرمائی اس لیے کہ وہ مشکلات میں ثابت قدم اور اللہ کے لیے اپنی ذات کو قربان کرنے والے تھے حتیٰ کہ ان کو کوڑوں سے مارا گیا تو اللہ نے انہیں اس آزمائش میں بھی کفر سے محفوظ رکھا اور انہیں ایسا علم (فقہ) عطا کیا جس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ ایسے ملجا ہیں جس کی پناہ حاصل کی جاتی ہے۔ (ایضا)

۞ ابراہیم حربی: " رأیت احمد کان الله قد جمع له فی علم الاولین والآخرین " میں نے امام احمد کو دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب لوگوں کا علم ان کے سینہ میں جمع کر دیا ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷)

۞ ابوعبید: "انتھی العلم الیٰ اربعة افقھھم احمد" سب لوگوں کا علم چار آدمیوں کے پاس جمع ہو گیا اور ان سب سے بڑے فقیہ احمد ہیں۔ (ایضا ۱۸)

۞ ابو ہمام سکونی: " ما رای احمد بن حنبل مثل نفسه " احمد بن حنبل نے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (ایضا ص ۱۸)

۞ ابن مدینی: " لیس فی اصحابنا افضل منه " ہمارے اصحاب میں ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۴)

حلقۂ درس:۔

امام احمد نے چالیس سال کی عمر میں بغداد کے اندر حلقۂ درس وافتاء قائم کیا جس میں طالبان علم اور مسائل شرعیہ دریافت کرنے والوں کا بڑا ازدحام ہوتا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حلقۂ درس میں بیٹھنے والوں کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی جن میں پانچ پانچ سو حدیثیں لکھنے والے ہوا کرتے تھے یوں تو حکومت وقت کی جانب سے پابندیاں عائد کی گئیں جبر واستبداد کے پہاڑ توڑے گئے مگر

حلقۂ درس ہر حال میں قائم رہا اور علم حدیث وفقہ میں آپ کا فیضان سیل رواں کی طرح اتنا بڑھا کہ بے شمار طالبان حدیث نے اپنے دامن کو مالا مال کر لیا۔

امام صاحب اپنے شاگردوں کو حدیث میں سند عالی کی ہدایت کرتے اور اس کو اسلاف کی سنت بتاتے تھے وہ کہتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ ان سے حدیث سن کر کوفہ سے مدینہ جاتے تھے اور حضرت عمر سے ان کو سنتے تھے”۔ حصول علم کے سلسلہ میں ریا سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کرتے فرماتے تھے کہ دوات کا اظہار ریا میں داخل ہے اس سے لوگ سمجھیں گے کہ یہ حدیث لکھتا پڑھتا ہے۔

امام احمد کا حلقۂ درس دو جگہ قائم ہوتا گھر پر ان کے صاحبزادگان اور خاص خاص شاگرد شریک درس رہتے۔ دوسرا حلقہ مسجد میں قائم ہوتا جس میں عام تلامذہ اور ہر قسم کے طالبین حدیث وفقہ ہوا کرتے بعض لوگ محض حصول برکت کے لیے حلقۂ درس میں بیٹھتے۔ ان کا یہ حلقۂ درس کافی وسیع تھا جب بغداد سے باہر ہوتے جہاں رہتے استفادہ کرنے والوں کی ایک بھیڑ ان کے گرد جمع ہو جاتی۔ نوح بن حبیب کہتے ہیں:

"رایت احمد فی مسجد الخیف سنة (۹۸) مستنداً الی المنارة فجاءه اصحاب الحدیث فجعل یعلمهم الفقه والحدیث ویفتی الناس" میں نے امام احمد کو ۱۹۸ھ میں (بمقام منیٰ) مسجد خیف میں دیکھا منارہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے تو ان کے پاس اصحاب حدیث آئے تو وہ انہیں حدیث وفقہ کی تعلیم دینے لگے اور لوگوں کو فتویٰ بتانے لگے۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۴)

امام احمد اپنے طلبہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے اور ان کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھتے۔

امام صاحب کی مجلس خالص علمی ہوتی دوسرا موضوع زیر بحث ونظر نہ آتا اور نہ لایعنی باتیں کی جاتیں۔ ابوداؤد سجستانی کہتے ہیں” میں نے دو سو ماہرین سے استفادہ کیا لیکن ان میں امام احمد بن حنبل کے مثل کوئی نہ تھا وہ کبھی دنیاوی کلام نہ کرتے جب گفتگو کرتے تو موضوع سخن کوئی علمی مسئلہ ہی ہوتا۔

آپ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والے چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

امام بخاری، امام ابوداؤد، امام مسلم، اسود بن عامر شاذان، ابن مہدی، امام شافعی، ابوالولید، عبدالرزاق، وکیع، یحییٰ بن آدم، یزید بن ہارون، قتیبہ، داؤد بن عمرو، خلف بن ہشام، احمد بن ابی حواری، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، دحیم، ابوقدامہ سرخسی، محمد

بن رافع، محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ، عبداللہ بن احمد بن حنبل، صالح بن احمد بن حنبل، ابوبکر اثرم، حرب کرمانی، بقی بن مخلد، حنبل بن اسحاق، شاہین بن سمیدع، میمونی، ابوالقاسم بغوی۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۳)

حدیث:۔

امام احمد اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے شیوخ حدیث سے حدیث نبوی کا بہت بڑا سرمایہ اپنے سینے میں محفوظ کیا تھا اور اس ذخیرے سے آنے والی نسلوں کو اپنے حلقۂ درس میں فیض یاب کیا کرتے تھے۔ ان کے تلامذہ میں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے محدثین بھی شامل تھے۔ آپ کی محدثانہ جلالت اور ثقاہت وعدالت، کثرت حدیث کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کیا ہے:

۞ ابن خلکان: "کان امام المحدثین، صنف کتابہ المسند وجمع فیہ من الحدیث مالم یتفق لغیرہ" امام احمد محدثین کے امام تھے انہوں نے کتاب المسند لکھی اور اس میں انہوں نے اتنی حدیثیں جمع کیں جس کی توفیق دوسروں کو نہ ہوئی۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۰)

۞ ابن سعد: " ثقۃ ثبت صدوق کثیر الحدیث " ثقہ، ثبت، صدوق اور کثیر الحدیث تھے۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۵)

۞ حافظ ذہبی: " شیخ الاسلام وسید المسلمین فی عصرہ الحافظ الحجۃ" امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ کے (سرخیل محدثین) شیخ الاسلام، سید المسلمین بلند پایہ حافظ حدیث اور حجت ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷)

مسند احمد

حدیث میں امام احمد کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی کتاب "المسند" ہے جسے انہوں نے خود جمع کیا۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی ان کی طرف نسبت ہر شک وشبہ سے بالا ہے۔ ثقات نے اسے روایت کیا اور اس کی کتابت خود امام احمد نے کی ہے اور اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کو اس کا املا کرایا ہے۔ اس کی تحریر وکتابت پر وہ بہت زیادہ حریص تھے تاکہ یہ لوگوں کے لیے راہ نما ثابت ہو۔

اس کتاب کی ترتیب کے لیے انہوں نے اسلامی دنیا کا سفر کیا اور شیوخ حدیث سے حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا کیا یہ مسند اسی ذخیرے سے انتخاب ہے جسے آپ نے مسند کی طرز تالیف پر تحریر کیا۔ اس میں عام کتب مسانید کی طرح صحابہ کی ترتیب پر حدیثیں مرتب کی گئی ہیں۔

مسند احمد تقریبا ۱۷۲ اجزاء پر مشتمل اور سات سو صحابہ کی حدیثوں کا مجموعہ ہے جن کی تعداد عام طور سے تیس ہزار اور چالیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ

”مشہور ہے کہ مسند میں اصل سے تیس ہزار حدیثیں ہیں اور جب ان کے بیٹے عبداللہ کی زیادات کو ملا لیا جائے تو چالیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں لیکن بعض محدثین نے اپنے کل شیوخ اور بعض ثقات سے یہ نقل کیا ہے کہ کل تیس ہزار حدیثیں ہیں“۔ واللہ اعلم (بستان المحدثین ص ۵۳)

امام احمد نے اس کتاب کی ترتیب کا کام بہت پہلے شروع کر دیا تھا اور اس میں وہ حذف و اضافہ کرتے رہے مگر اسے آخری شکل دینے نہ پائے تھے کہ پیام اجل آ گیا۔ بعد میں ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ چنانچہ شمس الدین جزری فرماتے ہیں:

”امام احمد نے مسند کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا اسے الگ الگ ورقوں میں لکھا پھر اسے جدا جدا اجزاء میں تقسیم کیا یہاں تک کہ اس نے ایک مسودہ کی صورت اختیار کر لی پھر قبل اس کے کہ آرزو پوری ہو پیام اجل آ پہونچا تو انہوں نے اپنی اولاد اور اہل بیت کو اسے پہلی فرصت میں سنا ڈالا اور قبل اس کے کہ اس کی تنقیح و تہذیب اہتمام تک پہونچتی وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور مسودہ جوں کا توں قائم رہا پھر ان کے صاحبزادے عبداللہ نے ان روایات کے مشابہ اور مماثل مسموعات اس میں شامل کر دیئے۔ (مقدمہ مسند طبع المعارف)

امام احمد بن حنبل کے بھتیجے حنبل بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ”عم محترم نے مجھے اور دونوں صاحبزادگان صالح اور عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی۔ ہمارے سوا کسی دوسرے نے آپ سے اس کتاب کو بتمامہ نہیں سنا ہے۔ پھر ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث سے منتخب کیا ہے۔ پس حضور اقدس کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر وہ روایت اس میں موجود ہو فبہا ورنہ حجت نہیں۔
(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۰۲)

امام احمد نے مسند کو مختلف اجزاء میں جمع کیا تھا آپ کے بعد اس میں اضافے بھی کیے جاتے رہے شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں ”مسند احمد بن حنبل اگرچہ خود امام عالی مقام کی تصنیف ہے لیکن اس میں بہت سے زیادات ان کے بیٹے عبداللہ کے ہیں اور بعض زیادات ابوبکر قطیعی کے بھی ہیں یہ کتاب مستطاب ۱۸ر مسندوں پر مشتمل ہے۔ مسند عشرہ مبشرہ، مسند اہل بیت نبوی، مسند ابن مسعود، مسند عبداللہ بن عمر، مسند عباس و صاحبزادگان، مسند عبداللہ بن عباس، مسند ابی ہریرہ، مسند انس بن

مالک، مسند ابوسعید خدری، مسند جابر بن عبداللہ، مسند مدنیاں، مسند مکیاں، مسند کوفیاں، مسند بصریاں، مسند شامیاں، مسند انصار، مسند عائشہ مع مسند النساء۔ (بستان المحدثین ص ۵۲)

مسند میں تقریباً سو صحابہ کی روایات ہیں۔ مرویات کی تعداد تیس ہزار ہے اگر عبداللہ بن احمد کی زوائد کو شامل کرلیا جائے تو چالیس ہزار حدیثیں ہوجاتی ہیں اس کتاب کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ حافظ شمس الدین جزری فرماتے ہیں ''کوئی حدیث غالباً ایسی نہ ہوگی جس کی اصل سند مسند میں موجود نہ ہو واللہ اعلم''۔ (محدثین عظام ص ۱۱۸)

فقہ واجتہاد:۔

امام احمد بلند پایہ فقیہ اور مجتہد فی المذہب تھے۔ اسلامی دنیا میں فقہ کے جو چار دبستان مشہور ہیں اور جن ائمہ کی فقہی آراء پر امت مسلمہ عمل کررہی ہے ان میں ایک امام احمد اور ان کا مکتب فقہ بھی ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ ''**وقد صار اهل الاسلام الیوم علی تقلید هؤلاء الائمة الاربعة**'' اب مسلمان ان ہی چار اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۹۱) صاحب مفتاح السعادہ لکھتے ہیں۔ امام احمد ان مجتہدین میں ہیں جن کے اقوال وآراء پر عمل کیا جاتا ہے اور جن کا مذہب اکثر شہروں میں مروج ہے۔ (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۹۸)

صاحب کشف الظنون تحریر فرماتے ہیں کہ مشہور مذاہب جن کی صحت مسلم ہے چار ہیں اور وہ امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد کی جانب منسوب ہیں۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۲)

امام احمد بلاریب فقیہ اور مجتہد ہیں اور وہ صاحب مذہب اور امام فقہ ہیں آپ کی فقہی جلالت کا اعتراف مقتدر ائمہ اسلام نے کیا ہے۔

❁ عبدالرزاق: ''**ما رایت افقه منه ولا اورع**'' میں نے امام احمد سے بڑھ کر فقیہ اور صاحب ورع نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۴)

❁ ابوعاصم: ''**ماجاء نا من ثمة احد غیره یحسن الفقه**'' ہمارے یہاں امام احمد کے سوا کوئی شیخ نہیں آیا جو عمدہ فقہ جانتا ہو۔ (ایضاً)

❁ امام شافعی: ''**خرجت من بغداد وما خلفت بها افقه ولا ازهد ولا اورع ولا اعلم من احمد بن حنبل**'' میں بغداد سے نکلا اور میں نے اپنے پیچھے امام احمد سے بڑھ کر فقیہ، زاہد، متقی، اور ان سے بڑا عالم کسی کو نہیں چھوڑا۔ (ایضاً)

امام احمد بن حنبل کی فقہ کے پانچ بنیادی اصول ہیں: (۱) نصوص یعنی قرآن وحدیث کا

صاف حکم، قرآن وسنت میں جو حکم پاتے اسی کے مطابق فتویٰ دیتے۔ (۲) صحابہ کے فتاوے، امام صاحب کو کسی صحابی کا فتویٰ مل جاتا اور اس کے خلاف دوسرے صحابی کے فتوے کا علم نہ ہوتا تو اسی فتوے کے مطابق حکم صادر فرماتے۔ (۳) اختلاف صحابہ کا فیصلہ، کسی مسئلہ میں صحابہ مختلف الرائے ہوتے تو ان میں سے وہ قول قبول کر لیتے جو کتاب وسنت سے قریب تر ہوا گر یہ صورت نہ ہو سکتی تو ان کا اختلاف ذکر کر دیتے لیکن کسی صورت میں صحابہ کے اقوال سے خروج نہ کرتے۔ (۴) حدیث مرسل اور حدیث ضعیف، امام احمد حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو قبول کرتے اگر مسئلہ زیر بحث میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں مرسل اور ضعیف حدیث کو وہ قیاس پر ترجیح دیتے (۵) قیاس، امام احمد کو متذکرہ بالا اصول نہ ملتے تو قیاس سے کام لیتے لیکن قیاس کا استعمال وہ سخت ضرورت کے وقت ہی کیا کرتے تھے۔ (ملخص اعلام الموقعین ج ا ص ۳۸ تا ۴۱)

امام احمد نے اپنی فقہ کو کتاب میں جمع نہیں کیا اور نہ ان کے فتوے ان کی زندگی میں مرتب کیے گئے۔ مگر ان کے ارشد تلامذہ جنہوں نے حدیثوں کی روایت کی امام احمد کے فقہی افکار و آراء اور ان کے فتوؤں کو بھی دوسروں تک پہونچانے اور مرتب و مدون کرنے کی کوشش کی جن کے ذریعہ فقہ حنبلی کا سرمایہ محفوظ ہوا۔ صاحب کتاب المنہج لکھتے ہیں:

”ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے کم روایتیں کی ہیں اور وہ بھی جنہوں نے بہت زیادہ روایتیں کی ہیں اور امام احمد کے نزدیک نقل و منزلت اور ضبط و حفظ کے اعتبار سے یہ لوگ متفاوت مدارج پر فائز تھے۔ جن لوگوں نے امام احمد سے بکثرت روایت کی ہی ان میں ابراہیم الحربی، ابراہیم بن ہانی اور ان کے بیٹے اسحاق، ابوطالب مشکاتی، ابوبکر المروزی، اور ابوبکر الاثرم، ابوالحارث احمد، اسحاق بن منصور الکوسج، اسماعیل شالنجی، احمد بن محمد الکحال، ابوالمظفر اسماعیل، بشر بن موسیٰ، بکر بن محمد، حرب کرمانی، حسن بن ثواب، حسن بن زیاد، ابوداؤد بجستانی، عبداللہ، صالح، عبداللہ فوران، عبدالملک یمونی، فضل بن زیاد، ابوبکر محمد بن حکم، فرخ بن صباح، محمد بن ابراہیم، مثنی بن جامع، مہنی بن یحییٰ، ہارون حمال، یعقوب بن بختان اور ابوالصقر یحییٰ وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(المنہج الاحمد فی تراجم اصحاب الامام احمد قلمی ص ۳۳۸)

ان ناقلین و جامعین کے علاوہ فقہ حنبلی کی جمع و تدوین کا مہتم بالشان کارنامہ جس شخص نے انجام دیا وہ احمد بن محمد بن ہارون ابوبکر الخلال ہیں۔ انہیں فقہ حنبلی کی تاریخ میں وہی مقام حاصل ہے جو امام محمد بن حسن شیبانی کو فقہ حنفی کی جمع و تدوین میں۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

”امام احمد ابن حنبل تصنیف کتب کو ناپسند کرتے تھے وہ صرف تجرید حدیث کے قائل تھے اور یہ بات انہیں ذرا پسند نہ تھی کہ ان کا کلام ضبط تحریر میں لایا جائے۔ اس مسلک پر وہ بڑی سختی سے عامل تھے اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کے حسن نیت میں برکت دی اور (تکوینی طور پر) ایسا انتظام فرمادیا کہ آپ کے اکثر و بیشتر فتاوی جمع ہو گئے چنانچہ خلال نے امام احمد کے جو نصوص جامع کبیر میں جمع کیے ان کی ضخامت تقریباً بیس مجلدات بلکہ کہ اس سے بھی زیادہ تک پہنچ گئی۔ خلال نے امام احمد کے مسائل اور فتاویٰ جمع کر کے اختلاف طبقات کے باوجود اہل سنت کی امامت اور رہبری کا منصب حاصل کرلیا۔ (اعلام الموقعین ج ا ص ۴۰)

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں: ”خلال نے امام احمد بن حنبل کے علوم جمع کرنے کی طرف توجہ کی۔ اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے سفر کی سختیاں جھیلیں اور جو کچھ حاصل کیا اسے قلمبند کرلیا انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جو اصحاب احمد کی روایات اور اصحاب احمد سے روایت کرنے والوں کی مرویات پر مشتمل تھیں۔

فتنۂ خلق قرآن اور امام احمد کی آزمائش:

اسلام نے اپنے متبعین میں حق وصداقت کی تائید و جانبداری اور باطل شکنی کا جو بلند حوصلہ پیدا کیا اس کی نظیر دوسرے مذاہب میں بمشکل نظر آتی ہے یہ وہ عظیم لوگ ہوتے ہیں جو حق وصداقت کے روئے روشن کو بدعات کے غبار سے محفوظ رکھنے کے لیے جان شیریں کی پرواہ نہیں کرتے اسلام کی بقا و سالمیت کے لیے سر ہتھیلی پر لے کر میدان میں اتر جاتے ہیں طوفان حوادث کی ہلاکت خیزیاں ان کے پائے ثبات واستقلال میں ارتعاش پیدا کرنے میں ہمیشہ ناکام رہی ہیں انہیں ہستیوں میں امام احمد بن حنبل کی عظیم شخصیت ہے وہ حق وصداقت کے اعلان میں بے حد جری و بیباک واقع ہوئے تھے آپ کے سر سے ابتلاء وآزمائش کے طوفان گذرتے رہے مگر ضبط وتحمل کی یہ چٹان ذرا بھی متزلزل نہیں ہوئی۔ محمد بن علی بن شعیب اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق تھے۔" کائن فی امتی ما کان فی بنی اسرائیل حتی ان المنشار لیوضع علی فرق راسہ مایصرفہ ذلک عن دینہ " بنی اسرائیل میں جو کچھ ہو چکا ہے میری امت میں بھی ہوگا حتی کہ کسی کے سر پر آرا چلایا جائے گا مگر یہ عمل بھی اس کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کر سکے گا۔

آپ کے عہد کا عظیم فتنہ خلق قرآن کا فتنہ تھا جو یونانی فلسفہ کی موشگافیوں کا بدترین ثمرہ تھا فلسفہ یونان کے اثرات نے اسلام میں متکلمین کی ایک جماعت کو محدود فلسفیانہ تصورات کے معیار پر خدا کی لامحدود ذات وصفات کی تعیین پر مجبور کر دیا اور انہوں نے منطقی قیاسات کی روشنی میں خدا کی ہستی وصفات کو سمجھنے کی ناکام کوشش کی۔ ان عقلیت پرستوں نے بہت سے اسلامی افکار وعقائد کی فلسفیانہ توجیہات کیں انہیں میں عقیدۂ خلق قرآن بھی ہے دینی فلسفیوں کے اس گروہ کی پیشوائی معتزلہ کے ہاتھ آئی جو عقلیت پرستی کے پر جوش نمائندے تھے اور انہوں نے اس مسئلہ کو کفر وایمان کا مدار ٹھہرایا جب ان کی رسائی ایوان خلافت تک ہوئی تو حکومت کی سطح پر اس باطل عقیدہ کی تبلیغ شروع کی۔

ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں:

خلق قرآن کا مسئلہ تاریخ معتزلہ سے وابستہ ہے معتزلہ ہی نے اسے خلافت عباسیہ میں اکسایا اور پھیلایا انہیں کے افکار سے متاثر ہو کر عباسی خلفاء نے محدثین وفقہاء کو جبراً اس کا قائل کرنا چاہا اور بعض کو آلام وشدائد میں مبتلا کیا۔ خلفائے ثلاثہ، مامون، معتصم اور واثق کے عہد ہائے خلافت میں یہ فتنہ لوگوں کے ذہنوں پر مسلط رہا۔ (مذاہب اسلامی ص ۲۵۳) خلیفہ مامون فطرتاً عقلیت پرست واقع ہوا تھا وہ معتزلہ سے کافی متاثر ہوا۔ اور معتزلہ کو اپنا مقرب بنالیا۔ ۲۱۳ھ میں اس نے سرکاری طور پر خلق قرآن کے عقیدہ کا اعلان کر دیا ابتداء میں وہ منکرین خلق قرآن کو بحث ونظر سے قائل کرنے میں یقین رکھتا تھا مگر زندگی کے آخری ایام میں اس عقیدہ کی جبری اشاعت پر آمادہ ہوا چنانچہ اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم کے نام اپنے آخری خط میں لکھتا ہے۔

جو لوگ خلق قرآن کے عقیدہ کے ہم خیال نہ ہوں ان کو بیڑیاں پہنا کر امیر المومنین کے لشکر کی جانب بھیج دو تاکہ امیر المومنین انہیں دلائل وبراہین سے خلق قرآن کا قائل کر لیں اگر وہ پھر بھی توبہ نہ کریں تو انہیں تہہ تیغ کر دیا جائے۔ (مذاہب اسلامی ص ۲۵۱)

اسحاق بن ابراہیم معتزلی نے اس حکم کی تعمیل میں علماء ومشائخ بغداد کے سامنے ۲۱۷ھ میں یہ عقیدہ پیش کیا اور نہ ماننے کی صورت میں آلام وشدائد کی دھمکی دی اور امام احمد بن حنبل کو عدم قبول عقیدہ خلق قرآن پر قید کر کے مامون کے پاس بھیج دیا گیا مگر ان کے پہونچنے سے قبل ہی مامون انتقال کر گیا۔

۲۱۸ھ میں معتصم خلیفہ بنا وہ بھی مامون کی طرح انتہا پسند معتزلی اور خلق قرآن کا زبردست داعی تھا اس نے ابتداء میں امام احمد کو حیلوں سے خلق قرآن کے عقیدہ کی جانب مائل کرنے کی کوشش

کی مگر جب ناکامی ہوئی تو ۲۲۰ھ میں دربار میں طلب کیا مسئلہ پر مناظرہ کا آغاز کیا یہ وہ وقت تھا جب حکومت کے تشدد نے پورے ماحول کو چارو ناچار اس باطل عقیدہ کا پابند بنا دیا تھا اس شب دیجور میں صرف امام احمد کا چراغ صداقت پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا چنانچہ دربار عام میں ظلم واستبداد کے نرغے میں آپ کی زبان سے یہی صدا بلند ہوتی تھی " القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" قرآن کلام الٰہی اور صفت الٰہی ہے اگر یہ حادث ہو تو اللہ کی ذات محل حوادث بن جائے اور یہ محال ہے۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۳۵)

جب معتزلی مناظرین اور معتصم آپ کی زبان حق ترجمان کو سر دربار خاموش کرنے سے عاجز رہے تو آپ کے قتل کا فتویٰ دیا گیا چنانچہ جلاد نے امام برحق کے جسم پر کوڑوں کی بارش شروع کر دی پہلے کوڑے پر بسم اللہ اور دوسرے پر لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور تیسرے کوڑے پر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق اور چوتھی ضرب پر فرمایا من یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ۔ (تذکرۃ المحدثین اول ص ۱۴۳)

آپ کے جسم پر مسلسل کوڑوں کی بارش ہوتی رہی جسم سے خون کے پھوارے چھوٹتے رہے مگر پائے استقلال میں جنبش نہ آئی دست ظلم شل ہو گیا مگر صداقت کی یہ چٹان اپنی جگہ قائم رہی اس سزا کے بعد امام کو ۱۸ ماہ قید رکھ کر آزاد کر دیا گیا۔ آپ کی اس مثالی عزیمت وثبات قدمی نے اہل حق کو تقویت بخشی فتنہ کا غبار چھٹ گیا اور آپ کی ذات اہل اسلام کے لیے معیار حق بن گئی قتیبہ کہتے ہیں:

جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبل سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے۔ انہیں کا قول ہے فرماتے ہیں "اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو ورع وتقویٰ کی موت ہو جاتی اور اگر احمد بن حنبل نہ ہوتے تو لوگ دین میں بدعات واحداث پیدا کر دیتے۔

احمد بن ابراہیم دورقی کہتے ہیں کہ اگر تم کسی کو احمد بن حنبل کی برائی کرتے ہوئے سنو تو اس کے اسلام میں شک کرو۔ سفیان بن وکیع کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل ہمارے نزدیک معیار ہیں جو ان کی عیب جوئی کرتا ہے ہمارے نزدیک فاسق ہے۔

سیرت وکردار:۔

امام احمد بن حنبل کی علمی شخصیت کی تعمیر میں چند باتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں وہ بچپن میں

ی یتیم ہو گئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان میں اعتماد نفس پیدا ہو گیا جو زندگی کے آنے والے مراحل میں نہیں تقویت دیتا رہا۔ فقر و فلاکت جس نے انہیں دنیا کی لذتوں میں گرفتار نہیں کیا۔ قناعت جس نے ن کے اندر علو فکر و نظر پیدا کیا۔ تقویٰ جس کا اثر یہ ہوا کہ خدا کے سوا کسی اور قوت کے سامنے انہوں نے سرخم نہیں کیا۔ عقل سلیم اور فکر رسا جس کی بدولت انہوں نے علم کے ہر خرمن سے فائدہ حاصل کیا ور پوری خود اعتمادی کے ساتھ علمی جواہر پاروں سے اپنی فکر و دانش کا چراغ روشن کیا۔ اور وہ زمانۂ طالب علمی ہی میں قابل رشک علمی و اخلاقی شخصیت کے مالک بن گئے تھے۔ اشراف کے لیے آپ کی ذات نمونہ و اسوہ بن گئی تھی لوگ کہا کرتے تھے۔

میں نے اپنے لڑکے پر اتنا اتنا خرچ کیا اسے اتنے استادوں کے حوالہ کیا کہ اسے ادب اور تمیز سکھائیں لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا اور اسے دیکھو احمد بن حنبل کو، یہ یتیم لڑکا اپنے ادب اور حسن طریق کے باعث کیسے پسندیدہ اور قابل رشک خصائص کا حامل بن گیا ہے۔ (المناقب لابن جوزی ص ۲۱)

امام احمد بن حنبل علم و فضل عزیمت و عبادت، زہد و اتقاء، تواضع و اخلاق حسنہ کا پیکر تھے حق گوئی و بے باکی استقامت دین ان کے تاج فضائل کا گوہر تابندہ ہے انہوں نے پوری زندگی عسرت و آزمائش میں گزار دی دنیا کے لیے حق سے سر مو انحراف نہیں کیا۔ خلفاء و امراء تو کجا اپنے احباب و اقران علماء و صلحاء کے سامنے بھی اپنی ضرورت پیش نہیں کی فقر و فاقہ میں استغنا کی نرالی شان رکھتے تھے ایک بار نقدی موجود نہ تھی تو اپنی جوتیاں بیچ کر روٹیاں خریدیں۔ امام عبدالرزاق کو پتہ چلا تو انہوں نے آپ کو رقم مہیا کرائی لیکن آپ کے غیور ضمیر نے ان سے کچھ لینا گوارا نہ کیا اور خود محنت و مشقت کر کے اپنی ضرورت پوری کی۔

حسن بن عبدالعزیز نے آپ کی خدمت میں تین ہزار دینار پیش کیے اور عرض کیا یہ مال حلال ہے آپ اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں باپ کے ترکہ سے آپ کو ایک مکان اور کپڑے کی چھپائی کا ایک کارخانہ ملا تھا۔ آپ اسی مکان میں رہتے تھے اور کارخانہ کے کرایہ پر بسر اوقات کرتے۔ صحن مکان کافی بڑا تھا جس میں کاشتکاری کر کے سال بھر کا غلہ پیدا کر لیتے۔ استغناء کے ساتھ طبیعت میں فیاضی بھی رچی بسی تھی چنانچہ اہل حاجت اور مسکینوں کی دل کھول کر مدد کرتے جس کی وجہ سے بسا اوقات تنگ دست ہو جاتے اور فاقہ کی نوبت آ جاتی۔ ادریس حداد کا بیان ہے کہ آپ کے محلہ میں پارچہ بافوں کی آبادی تھی جب تنگ دستی زیادہ ہو جاتی تھی تو امام صاحب ان کے یہاں مزدوری کیا کرتے تھے " کان احمد بن

حنبل اذا ضاق به الامر آجر نفسه من الحاكة فسوىٰ لهم" امام احمد بن حنبل کو جب تنگ دستی ہو جاتی تو پارچہ بافوں کے یہاں مزدوری کر کے ان کے کام کرتے تھے۔

قید سے رہائی کے بعد گھر میں فقر و فاقہ کی نوبت تھی اس زمانے میں آپ کو خطیر رقم پیش کی گئی مگر آپ نے اس کو واپس کر دیا۔ چچا کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا آپ نے رقم واپس کر دی حالانکہ گھر میں سخت تنگ دستی ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا "یاعم! لو طلبناه لم یاتنا وانما اتانا لما تركناه" چچا! اگر ہم اس کو طلب کرتے تو وہ نہ آتی۔ چھوڑ دیا ہے اسی لیے آئی ہے۔ (ذیل طبقات الحنابلہ ص ۱۸۰) بار بار آپ کو رقمیں پیش کی جاتیں مگر قبول نہ کرتے۔ ایک صراف کا لڑکا آپ کے درس میں شریک ہوتا تھا آپ نے اسے ایک درہم کاغذ خریدنے کے لیے دیا اس نے کاغذ خرید کر اس میں پانچ سو دینار رکھے اور کاغذ کے اندر اس کو لپیٹ دیا۔ آپ نے گھر والوں سے کاغذ کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ ہاں کوئی بیاض آئی ہے جب آپ نے اسے کھولا تمام دینار بکھر گئے آپ نے لڑکے کے سامنے کاغذ اور تمام دینار رکھ کر کہا کہ ان کو لے جاؤ جوان کہتا رہا کہ کاغذ تو آپ کی رقم سے خریدا گیا ہے مگر آپ نے اس کے لینے سے بھی انکار کر دیا۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۹، ۳۸) آپ نے کبھی سرکاری منصب قبول نہیں کیا۔ عہدۂ قضا کی پیش کش ہوئی تو اسے ٹھکرا دیا اپنے علم اور اسلامی شریعت کو خلفاء و امراء کی مرضی پر قربان کرنے کے لیے کسی حالت میں راضی نہ ہوئے۔

امام احمد زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے بچپن ہی سے پابند تھے۔ آپ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔ نماز اور روزہ سے خاص شغف تھا۔ صاحبزادہ عبداللہ کا بیان ہے کہ والد روزانہ رات دن میں تین سو رکعات نفل نماز پڑھتے تھے۔ کوڑوں کی ضرب سے بیمار ہو گئے تو ڈیڑھ سو رکعات پڑھتے تھے اس وقت ان کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔ روزانہ ساتواں حصہ قرآن پڑھتے تھے۔ عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ امام شافعی، امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل ایک ساتھ مکہ مکرمہ گئے اور ایک ہی مکان میں اترے۔ شافعی اور یحییٰ بن معین لیٹ گئے۔ اور احمد بن حنبل نماز پڑھنے لگے۔ صبح کو شافعی نے کہا کہ میں نے رات دو سو مسائل حل کیے۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں نے دو سو احادیث کو کذاب سے محفوظ کیا۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے ایک ختم قرآن نماز میں پڑھا ہے۔

امام صاحب نے پانچ حج کیے تین بار بغداد سے مکہ آئے گئے۔

امام احمد کی کتاب زندگی کا ورق ورق اتباع سنت کے نقوش سے معمور ہے انہوں نے پوری زندگی اسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھال لی تھی۔ اور وہ سنت رسول اور دین مصطفیٰ کی حفاظت میں زندگی کے ایام بسر کرتے رہے۔

امام احمد بن حنبل کا دل محبت رسول سے معمور اور دماغ خوشبوئے رسالت سے مہکتا رہتا تھا۔ عبداللہ بن حنبل کہتے ہیں کہ امام احمد کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک تھا وہ اس مقدس بال کو اپنے ہونٹوں سے بوسہ دیتے اور کبھی آنکھوں سے لگاتے اور جب کبھی بیمار ہوتے تو اس بال کو پانی میں ڈال کر اس کا غسالہ پیتے اور شفا حاصل کرتے۔

وفات:۔

علم وتقویٰ کا یہ نورانی پیکر بعہد واثق باللہ ماہ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز جمعہ دار فانی سے رحلت کر گیا امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں چھ لاکھ سے زیادہ لوگ شریک ہوئے تھے۔ آپ کے ماتم میں مسلمانوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ بھی شریک تھے۔ باب حرب کے مقبرہ میں دفن کیے گئے ۲۳۰ رسال بعد آپ کی قبر کے پہلو میں قبر کھودی گئی جس سے قبر کا ایک حصہ کھل گیا دیکھا گیا تو آپ کا کفن صحیح وسالم تھا اور جسم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۵)

(۳۷) حضرت امام ابو محمد عبداللہ دارمی رضی اللہ عنہ

ولادت ۱۸۱ھ وفات ۲۵۵ھ

اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو محمد۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی دارمی، سمرقندی ولادت ۱۸۱ھ میں بمقام سمرقند ہوئی۔ قبیلہ تمیم کی ایک شاخ دارم سے نسبی تعلق تھا جس کی بنا پر تمیمی دارمی مشہور ہوئے۔ امام دارمی نے رسمی تعلیم کے بعد تحصیل علم حدیث کے لیے شام، خراسان، عراق، مصر، حجاز کا سفر کیا اور وہاں کے اصحاب فضل وکمال کی بارگاہوں سے وابستہ ہو کر کسب فیض کیا۔ چند مشہور اساتذہ یہ ہیں

نضر بن شمیل، یزید بن ہارون، سعید بن عامر ضبعی، جعفر بن عون، زید بن یحییٰ بن عبید دمشقی، وہب بن جریر، ابو نضر ہاشم بن قاسم، مروان بن محمد طاطری، یزید بن ہارون اشہل بن حاتم،

حبان بن ہلال، اسود بن عامر شاذان، جعفر بن عون، سعید بن عامر ضبعی، ابوعلی حنفی، عثمان بن عمر بن فارس، وہب بن جریر، یحییٰ بن حسان، یعلی بن عبید، ابوعاصم، ابونعیم۔ (تہذیب ج ۵ ص ۲۵۸)

حلقہ درس وتلامذہ:۔

آپ کی گوناگوں ذاتی اور علمی خصوصیات نے خلائق کو آپ کا گرویدہ بنادیا تھا درسگاہ حدیث شائقین کے لیے نعمت عظمیٰ تھی لوگ دور دراز سے آکر سماع حدیث کرتے۔ آپ کے چنداہ

تلامذہ یہ ہیں:

مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مطین، جعفر فریابی، عمر بن بجیر، نسائی، حفص بن احمد، عبداللہ بن احم بن حنبل، عیسیٰ بن عمر سمرقندی، ابوزرعہ، ابوحاتم، بقی بن مخلد، جعفر، حسن بن صباح، صالح بن محم عبداللہ بن واصل بخاری، عمر بن محمد، رجاء بن مرجی، بخاری، حسن بن صباح، بنداری، ذہلی ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۰۵، تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵۸)

علم وفضل زہد وتقویٰ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا ائمہ وقت نے آپ کے تبحر علمی جلال شان ضبط وحفظ حدیث اور عظمت وورع کا اعتراف کیا ہے۔

● **احمد بن حنبل:** "امام کان ثقة وزیادة واثنی علیه خیرا" وہ امام ثقہ کثیر الحدی تھے اور ان کی نیکیوں کی تعریف کی گئی۔ (تہذیب ج ۵ ص ۲۵۹)

● **محمد بن عبداللہ بن نمیر:** " غلبنا بالحفظ والورع" وہ ہم پر حفظ وورع میں غالب آئے۔ (تہذیب ج ۵ ص ۲۵۸)

● **ابوحاتم:** " امام اهل زمانه ...ثقة صدوق" دارمی اپنے زمانہ کے امام تھے اور ثق وصدوق ہیں۔ (ایضاً)

محمد بن ابراہیم بن منصور شیرازی: " کان علیٰ غایة من العقل والدیانة ممن یضرب به المثل فی العلم والدرایة والحفظ والعبادة والزهد اظهر علم الحدیث والآثار بسمرقند وذب عنها الکذب وکان مفسرا کاملا وفقیها عالما" وہ انتہا عقل منداور دیانت دار تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے علم، درایت، حفظ، عبادت اور زہد میں جن ک مثال دی جاتی تھی۔ سمرقند میں حدیث اور آثار کی اشاعت کی اور حدیث کو کذب وافتراء سے پاک

کیا وہ ایک کامل مفسر قرآن، فقیہ اور عالم تھے۔ (ایضاً)

❁ احمد بن سیار: "کان حسن المعرفة قد دون المسند والتفسیر" وہ معرفت میں عمدہ تھے۔ حدیث میں مسند اور تفسیر قرآن لکھی۔ (ایضاً)

❁ ابو حاتم بن حبان: "کان من حفاظ المتقنین واهل الورع فی الدین ممن حفظ وجمع وتفقه وحدث واظهر السنة فی بلده ودعا الیها و ذب عن حریمها وقمع من خالفها" وہ حدیث کے متقن حفاظ میں تھے اور دین میں صاحب تقویٰ ان محدثین میں تھے جنہوں نے حدیثوں کو حفظ کیا اور جمع کیا وہ فقیہ اور محدث تھے اور اپنے شہر میں سنت کو پھیلایا اور اس کی طرف دعوت دی اور حدیث کو کذب سے پاک کیا اور جس نے حدیث کی مخالفت کی اس کو زیر کیا۔ (ایضاً)

❁ خطیب: "کان احد الرحالین فی الحدیث والموصوفین بحفظه وجمعه والاتقان له مع الثقة والصدق والورع والزهد واستقضٰی علیٰ سمرقند فابی فالح علیه السلطان فقضیٰ بقضیة واحدة ثم اعفی وکان یضرب به المثل فی الديانة والحلم والرزانة" آپ کا شمار حفاظ حدیث میں تھا طلب علم کے لیے کثرت سے سفر کرتے تھے۔ ثقہ، متقی اور زاہد تھے۔ آپ کو سمرقند کا قاضی مقرر کیا گیا صرف ایک مقدمہ کا فیصلہ کر کے مستعفی ہو گئے۔ دیانت داری، بردباری اور محنت و جدوجہد میں ضرب المثل تھے۔ (تہذیب ج۵ ص۲۵۹)

❁ رجاء بن مرجی: "ما اعلم احداً اعلم بالحدیث منه" میں کسی کو نہیں جانتا کہ ان سے بڑا عالم حدیث ہو۔ (ایضاً)

❁ ابو عبد اللہ حاکم: "کان من حفاظ الحدیث المبرزین" وہ مشہور و برگزیدہ حفاظ حدیث میں تھے۔ (ایضاً)

❁ ابو حاتم رازی: "محمد بن اسماعیل اعلم من دخل العراق ومحمد بن یحییٰ اعلم من بخراسان الیوم ومحمد بن اسلم اورعهم وعبد الله بن عبد الرحمن اثبتهم" جو لوگ عراق آئے ان میں امام بخاری سب سے زیادہ حدیث جاننے والے ہیں اور محمد بن یحییٰ خراسان میں اور محمد بن اسلم ان میں سب سے بڑے متقی ہیں اور عبد اللہ بن عبد الرحمن داری ان میں سب سے اثبت فی الحدیث ہیں۔ (ایضاً)

تصانیف اور سنن دارمی:

امام دارمی تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم اسلامی کے زبردست عالم وماہر تھے ان کی تصانیف کتاب التفسیر، کتاب الجامع، سنن الدارمی، مشہور ہیں:

سنن دارمی حدیث میں امام دارمی کی سب سے مشہور تصنیف ہے جسے مسند دارمی بھی کہتے ہیں صحاح ستہ کے بعد جو کتابیں آتی ہیں ان میں سنن دارمی بھی ہے محدثین عظام نے اس کی حدیثوں کو مستند گردانا ہے بعض علماء اس کو ابن ماجہ پر فوقیت دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں سنن دارمی مرتبہ میں دیگر کتب سنن سے کم نہیں ہے بلکہ اسے پانچ کتابوں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کے ساتھ ابن ماجہ کی جگہ پر رکھ دیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کیوں کہ یہ سنن ابن ماجہ سے بدرجہا فائق ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۰۲)

علامہ شیخ محمد عابد سندھی امام صلاح الدین سے نقل کرتے ہیں اگر مسند دارمی کو سنن ابن ماجہ کی جگہ میں رکھ دیا جائے اور اسے چھٹی کتاب قرار دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ (مقدمہ سنن دارمی ص ۱۰۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ سنن دارمی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کو صحاح ستہ میں چھٹی کتاب کی جگہ رکھا جائے اس لیے کہ اس میں ضعیف رجال بھی بہت کم ہیں اور منکر وشاذ روایات بھی نادر ہیں اور اس کی سندیں عالی ہیں اور اس میں بخاری سے زیادہ ثلاثیات ہیں۔ (مقدمہ مشکوۃ ص ۷)

☆ صحت کا التزام ہے علمائے جرح وتعدیل نے اس کے اکثر رجال کی ثقاہت اور بیشتر احادیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

☆ اس کتاب میں فقہی مسائل ومباحث اور ان کے متعلق فقہا کے اختلافات ودلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں مختلف اقوال میں تطبیق وتوضیح یا مختار مسلک کی وضاحت کی گئی ہے۔

☆ افادیت کی طور پر صحابہ وتابعین کے آثار وفتاویٰ بھی منقول ہیں۔

☆ روایات کے مفہوم کی وضاحت، ابہام کی تشریح، دقیق الفاظ ومشکل لغات کا حل رواۃ کے ناموں کی مختلف حیثیتوں سے وضاحت، تعدد طرق واسناد، روایت اور ان کے الفاظ کا فرق واختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ مسند، مرفوع، مقطوع کی توضیح، خطا، شک، تردد اور اشباہ کی تصریح کی گئی ہے۔

فضائل اخلاق:۔

”امام دارمی کا دامن علم وعمل کی خوبیوں سے مالا مال تھا زہد وتقویٰ کے اعتبار سے بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے علمی مشاغل کے ساتھ انہیں عبادت وریاضت میں بھی بڑا انہماک تھا جس طرح انہوں نے سنت رسول کی اشاعت کی اسی طرح اپنے اخلاق وکردار کو سنت نبوی کے سانچے میں ڈھال لیا تھا انہوں نے دنیاوی عیش وعشرت سے سروکار نہیں رکھا۔ قناعت وتوکل کے ساتھ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے انہیں سمرقند کا منصب قضا پیش کیا گیا سلطان کے اصرار پر قبول تو کرلیا مگر ایک مقدمہ کا فیصلہ دینے کے بعد منصب سے علیحدہ ہوگئے انہوں نے حدیث وسنت کی اشاعت میں سرگرمی دکھائی اور مخالفین سنت کا زور توڑ دیا لوگوں کے دلوں میں اتباع سنت اور محبت رسول کا جذبہ پیدا کیا یہ وہ فضائل اخلاق تھے جنہوں نے ان کی ذات کو مرجع خلائق بنادیا۔

وفات:۔

اس پیکر علم وتقویٰ محدث وفقیہ کا وصال ٨/ذوالحجہ ٢٥٥ھ بروز پنجشنبہ ہوا دوسرے دن ٩/ذوالحجہ کو تجہیز وتدفین عمل میں آئی۔ آپ کے وصال سے علمی دنیا سوگوار ہوگئی۔ حضرت امام بخاری نے جب سانحۂ ارتحال کی خبر سنی فرط غم سے سر جھکا لیا اور یہ شعر پڑھا۔

ان تبق تفجع بالاحبة کلھــا
وفناء نفسک لا ابالک افجع

اگر تو زندہ رہے گا تو تمام دوستوں کا غم تجھ ہی کو اٹھانا پڑے گا مگر تیری موت کا سانحہ ان سب سے دردناک ہے۔ (تہذیب ج ٥ ص ٢٥٩)

(٣٨) حضرت شیخ الاسلام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ عنہ

١٩٤ھ ٢٥٦ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب امام المحدثین، سید الفقہاء۔ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بخاری جعفی۔ آپ کے جد اعلیٰ مغیرہ نے حاکم بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس لئے آپ کو جعفی کہا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت شوال ١٩٤ھ میں ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں ہوئی۔ والد اپنے زمانے کے بڑے محدث تھے جنہوں نے امام مالک، حماد بن زید اور دیگر اعیان حدیث سے تلمذ کا شرف حاصل کیا تھا۔ اور عبداللہ بن مبارک جیسے محدث وزاہد کی صحبت پائی تھی۔

جن کا انتقال امام بخاری کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا: ۔ امام بخاری ایام طفلی میں نابینا ہو گئے تھے جس کے باعث والدہ کو بے پناہ قلق رہا کرتا تھا اور وہ بارگاہ قاضی الحاجات میں انتہائی تضرع و زاری کے ساتھ لخت جگر کی بینائی کے لئے دعا کیا کرتی تھیں چنانچہ دعا قبول ہوئی اور انہوں نے ایک شب خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری گریہ وزاری و دعا کے سبب تیرے فرزند کو بصارت عطا فرمائی صبح کو بیدار ہوئیں تو نور نظر کی آنکھوں کو روشن و منور پایا۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۲)

تحصیل علم: ۔

بخارا میں رسمی تعلیم کے بعد صغر سنی میں ہی حدیث کی تحصیل کی جانب متوجہ ہوئے اور دس سال کی عمر میں امام داخلی کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے اور اپنی خداداد قوت حفظ و ضبط سے حدیثوں کی اسناد و متون کو ذہن میں محفوظ کرنے لگے اسی زمانے کی بات ہے ایک بار امام داخلی نے درس حدیث میں فرمایا ”سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم“ امام بخاری نے کہا کہ حضرت ابو زبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے تو داخلی نے تسلیم نہیں کیا۔ امام بخاری نے عرض کی اسے اصل نسخہ میں دیکھنا چاہئے چنانچہ داخلی نے جب اصل نسخہ ملاحظہ کیا۔ باہر تشریف لا کر فرمایا۔ اس لڑکے کو بلاؤ! جب بخاری حاضر ہوئے تو فرمایا میں نے اس وقت جو پڑھا تھا بے شک وہ غلط نکلا۔ اب۔ آپ بتائیں صحیح کیا ہے؟ بخاری نے کہا صحیح ”سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم ہے“ داخلی نے حیران ہو کر کہا واقعی ایسا ہی ہے (ایضاً ص ۱۷۱) قوت حفظ و ضبط کا یہ عالم تھا کہ ۱۸/سال کی عمر میں آپ نے عبداللہ بن مبارک کی تمام کتابیں اور وکیع کے نسخے ازبر کر لیے۔

۲۱۰ھ میں اپنی والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ حج کے لئے حجاز کا سفر کیا فراغت حج کے بعد والدہ اور بھائی تو بخارا واپس لوٹے مگر امام صاحب طلب حدیث کے لئے حجاز ہی میں مقیم ہو گئے اور وہاں کے شیوخ حدیث سے استفادہ کرتے رہے آپ نے طلب و جستجوئے حدیث کے لئے بخارا اور حجاز ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ برسہا برس وطن سے دور دیار غربت کی خاک چھانتے رہے اور علم و فن کے جواہرات سے دامن بھرتے رہے خود فرماتے ہیں۔

”میں شام، مصر اور جزیرہ دو بار گیا اور بصرہ کا سفر چار مرتبہ کیا اور حجاز مقدس میں چھ سال سکونت گزیں رہا بیشمار بار کوفہ و بغداد گیا اور محدثین کی صحبتوں سے فیض یاب ہوا۔ (المحدیث والمحدثون ص ۳۵۴)

امام بخاری نے علمی بلاد وامصار کے بکثرت سفر کیے وہاں کے ایک ہزار شیوخ حدیث سے سماع حدیث کیا اور حدیثیں لکھیں خود فرماتے ہیں۔ "کتبت عن الف شیخ ما عندی حدیث الا و اذکر اسنادہ" میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں میرے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں جس کی سند مجھے ازبر نہ ہو۔ (تہذیب ج۹ ص۴۳)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے شیوخ کی تعداد ایک ہزار تھی مگر سیر و تذکرہ کی کتابوں میں ان خاص خاص اور اہم شیوخ ہی کے نام ملتے ہیں۔

عبید اللہ بن موسیٰ، محمد بن عبد اللہ انصاری، عفان، ابو عاصم نبیل، مکی بن ابراہیم، ابو مغیرہ، ابو مسہر، احمد بن خالد وہبی، (تہذیب ج۹ ص۴۱)

محمد بن سلام سندی، محمد بن یوسف، مکی بن ابراہیم، مقری، ابو مغیرہ فریابی، آدم، ابوالیمان، ابو مسہر (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۲) محمد بن عروہ ہارون بن سخف، یحییٰ بن بشیر، قتیبہ، علی بن شفیق، عبدان، معاذ بن اسد، عبد العزیز اویسی، صدقہ بن فضل، یحییٰ بن یحییٰ بشر بن حکم، اسحاق، ابراہیم بن موسیٰ، محمد بن عیسیٰ، طلق بن غنام، شریح بن نعمان، معلّٰی بن منصور، محمد بن عبد اللہ انصاری، عبد الرحمٰن بن محمد، عمر بن عاصم، عبد اللہ بن صالح، عبد اللہ بن رجاء، عبد اللہ بن محمد مسندی، ابو نعیم، حسن بن عطیہ، خلاد بن یحییٰ، خالد بن مخلد، سعید بن طلید، حمیدی، احمد بن محمد ارزقی، مطرف بن عبد اللہ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص۱۷۶)

قوت حفظ و ضبط:۔

قدرت نے امام بخاری کو بے مثال ذہانت اور قوت حفظ و ضبط سے سرفراز فرمایا تھا وہ انتہائی بیدار مغز اور روشن دماغ انسان تھے قرطاس و قلم پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے جتنا انہیں اپنے لوح ذہن پر بھروسہ تھا۔ حاشد بن اسماعیل عہد بخاری کے زبردست محدث فرماتے ہیں بخاری طلب حدیث کے لئے میرے ہمراہ شیوخ وقت کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن ان کے پاس عام طلبہ کی طرح قلم و دوات اور کاغذ کچھ نہ ہوتا تھا میں نے ان سے کہا جب تم حدیث سن کر تحریر نہیں کرتے تو تمہاری آمد و رفت اور سماع سے کیا فائدہ؟ یہ سننا تو ہوا کے مانند ہے جو ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل گیا سولہ دن بعد بخاری نے مجھ سے کہا تم لوگوں نے مجھ کو بہت تنگ کر دیا آؤ اب میری یادداشت کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرو۔ اس مدت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھیں تھی بخاری نے صحت کے

ساتھ سب کو اس طرح سنایا کہ میں اپنی حدیثوں کو ان سے صحیح کرتا تھا امام بخاری خود فرماتے تھے مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۳)

امام بخاری کے علمی کمالات اور ان کے بے نظیر حفظ وضبط اور بے مثال حدیث دانی کا شہرہ تمام بلاد اسلامی میں پھیلا تو بعض مقامات پر آپ کی محدثانہ شان اور قوت حفظ کا امتحان بھی لیا گیا جب وہ ایک بار بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین نے آپ کا امتحان لینا چاہا چنانچہ سو احادیث کے اسناد و متون میں گڈ مڈ کر کے دس آدمیوں کے حوالہ کیا گیا ہر شخص ان میں سے دس دس حدیثیں طے شدہ پروگرام کے مطابق پیش کرتا رہا ہر بار امام صاحب **لا اعرفہ** فرماتے رہے جب سب لوگ حدیثیں پیش کر چکے تو امام صاحب نے ہر متن کو اس کی اصل سند اور ہر سند کو اس کی اصل حدیث کے ساتھ ملحق کر کے ترتیب وار سنا دیا لوگ سن کر حیرت زدہ ہو گئے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۲۴)

اس واقعہ کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ "**هنا يخضع للبخاری فما العجب من رده الخطأ الی الصواب فانه كان حافظا بل العجب من حفظه للخطا علی ترتيبه ماالقو عليه من مرة واحدة**" یہاں امام بخاری کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے تعجب اس بات پر نہیں کہ انہوں نے غلطی کو درست کر دیا وہ تو حافظ زمانہ تھے ہی تعجب اس حافظہ پر ہے کہ انہوں نے ایک ہی مرتبہ میں غلط اسناد و حدیث کو اسی ترتیب پر دہرایا جس ترتیب سے ان لوگوں نے پڑھا تھا۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۶)

ابو حاتم رازی نے ایک مجلس میں فرمایا۔ "**يقدم عليكم رجل من خراسان لم يخرج منها احفظ منه فقدم محمد بن اسماعيل بعد اشهر**" تمہارے پاس ایک خراسانی شخص آ رہا ہے اس سر زمین سے ایسا بڑا حافظ نہیں پیدا ہوا کچھ ہی ماہ بعد محمد بن اسماعیل بخاری تشریف لائے۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۴)

اعتراف علم و فضل :۔

امام بخاری کی جلالت شان اور محدثانہ عظمت و برتری کا ہر دور میں اعتراف کیا گیا ان کی تعریف میں اتنے لوگ رطب اللسان ہوئے جن کا احاطہ تحریر میں لانا ازبس دشوار ہے ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں امام بخاری کی اس قدر مدح و ستائش کی گئی کہ قرطاس و قلم ختم ہو سکتے ہیں لیکن ان کے مناقب کا بیان ختم نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ وہ بحر ہے جو اپنا ساحل نہیں رکھتا۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۵)

❁ محمود بن نضر شافعی: "دخلت البصرۃ و الشام والحجاز والکوفۃ ورایت علماء ھا کلما جری ذکر محمد بن اسماعیل فضلوہ علی انفسھم" میں نے بصرہ، شام، حجاز، کوفہ کا سفر کیا اور وہاں کے علماء کو دیکھا ہر ایک محمد بن اسماعیل کا ذکر کر رہا تھا اور اپنے اوپر ان کی فضیلت تسلیم کر رہا تھا۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۴)

❁ احمد بن حمدون قصار: " رایت مسلم بن الحجاج جاء الی البخاری فقبل بین عینیہ و قال دعنی اقبل رجلیک یا استاذ الاستاذین و سید المحدثین و طبیب الحدیث فی عللہ .... لا یبغضک الا الحاسد و اشھد ان لیس فی الدنیا مثلک" میں نے مسلم بن حجاج کو دیکھا کہ وہ بخاری کے پاس آئے تو انہوں نے امام بخاری کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا اے استاذ الاساتذہ سید المحدثین طبیب الحدیث آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے قدموں کو چوم لوں۔ آپ سے مفسد کے علاوہ کوئی بغض نہیں رکھے گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا مثل دنیا میں نہیں۔ (الحدیث والمحدثون ص ۳۵۴)

❁ ابن خزیمہ: "ما رایت تحت ادیم السماء اعلم بحدیث رسول اللہ ﷺ ولا احفظ لہ من البخاری" میں نے آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل سے بڑا حدیث داں اور حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۵)

❁ قتیبہ بن سعید: "میرے پاس مشرق و مغرب کے بے شمار لوگ علم حدیث کی تحصیل کے لئے آئے لیکن ان میں بخاری جیسا کوئی نہ تھا"۔

❁ رجاء بن حیوہ: "آیۃ من آیات اللہ" امام بخاری اللہ کی آیات سے میں ایک آیت ہیں۔

❁ بندار: "ما قدم علینا مثل محمد بن اسماعیل" ہمارے پاس محمد بن اسماعیل بخاری کے مثل کوئی شخص نہیں آیا۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۳)

ابوبکر بن ابی شیبہ و محمد بن عبداللہ بن نمیر: "ما راینا مثل محمد بن اسماعیل" ہم نے محمد بن اسماعیل بخاری جیسا عالم نہیں دیکھا۔ (ایضا)

❁ احمد بن حنبل: "ما اخرجت خراسان مثل محمد بن اسماعیل" سرزمین خراسان نے محمد بن اسماعیل بخاری جیسا عالم پیدا نہیں کیا۔ (ایضا ص ۴۴)

❁ ابوحاتم رازی: "محمد بن اسماعیل اعلم من دخل العراق" جو لوگ عراق میں آئے ان میں سب سے بڑے عالم امام بخاری ہیں۔ (ایضا)

❁ عبدان بن عثمان: "ما رایت بعینی شابا ابصر منه" میں نے اپنی آنکھوں سے ایسا ہوشمند جوان نہیں دیکھا۔ (ایضا)

❁ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی: "رایت العلماء بالحرمین والعراقین فما رایت فیهم اجمع منه" میں نے حرمین اور عراق عرب اور عراق عجم میں بہت سے علماء کو دیکھا تو ان میں امام بخاری سے بڑا جامع علم کسی کو نہیں پایا (ایضا ص ۴۵)

❁ عمرو بن عجلی: "حدیث لا یعرفه محمد بن اسماعیل لیس بحدیث" وہ حدیث جسے محمد بن اسماعیل بخاری حدیث نہیں کہتے یقیناً وہ حدیث نہیں۔ (ایضا ص ۴۳)

صالح بن محمد اسدی: "محمد بن اسماعیل اعلمهم بالحدیث" محمد بن اسماعیل بخاری لوگوں میں سب سے بڑے عالم حدیث تھے۔ (ایضا ص ۴۴)

❁ اسحاق بن راہویہ: "یا معشر اصحاب الحدیث اکتبوا عن هذا الشباب فانه لو کان فی زمن الحسن بن ابی الحسن لا حتاج الناس الیه لمعرفته بالحدیث و فقهه" اے اصحاب حدیث کے گروہ اس جوان سے حدیثیں لکھو کیوں کہ اگر یہ شخص حسن بصری کے زمانہ میں ہوتا تب بھی لوگ اس کی معرفت حدیث اور فقہ کے محتاج ہوتے۔ (ایضا ص ۴۶)

❁ ابوعمرو خفاف: "لم ار مثله محمد بن اسماعیل و هو اعلم بالحدیث من اسحاق و احمد و غیر هما بعشرین درجة ومن قال فیه شیئا فعلیه منی الف لعنة" میں نے محمد بن اسماعیل بخاری جیسا محدث نہیں دیکھا وہ اسحاق اور احمد بن حنبل اور ان کے علاوہ محدثین سے بیس درجہ بڑے عالم تھے اور جو اس بارے میں کچھ کلام کرے میری جانب سے اس پر ہزار لعنتیں ہیں۔ (ایضا ص ۴۶)

❁ مسلمہ: "کان ثقة جلیل القدر عالما بالحدیث" وہ معتبر بڑے مرتبہ والے اور حدیث کے عالم تھے۔ (ایضا ص ۴۶)

❁ ابن خلکان: "البخاری الحافظ الامام فی علم الحدیث" بخاری زبردست حافظ اور حدیث میں امام تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۲۴)

کثرت اسانید:۔

یوں تو حدیث نبوی کے بڑے بڑے حفاظ اسلامی دنیا میں پیدا ہوئے مگر ان کی معرفت زیادہ تر حدیثوں کے متن اور اس کی محدود اسانید و طرق پر تھی۔ مگر امام بخاری کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ

احادیث کے طرق و اسانید کی معرفت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ حدیث کے تمام طرق ان کی نظر میں ہوتے تھے ایک روایت جتنی اسانید سے مروی ہوتی امام بخاری کو ان تمام پر عبور ہوتا تھا۔ ایک بار بصرہ کی جامع مسجد میں آپ نے فرمایا میں تم کو وہی حدیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین بیان کرتے ہیں لیکن نئی سند کے ساتھ۔ پھر آپ نے ایک حدیث منصور کی روایت سے پڑھی اور فرمایا تمہارے شہر والے اس حدیث کو منصور کے غیر سے روایت کرتے ہیں اسی طرح امام بخاری نے مشتاقان حدیث کو کثیر تعداد میں احادیث لکھوائیں اور ہر حدیث کے بارے میں فرماتے تمہارے شہر والوں نے اس کو فلاں سے روایت کیا ہے اور میں اس کو فلاں سے لکھواتا ہوں۔ (ارشاد الساری ج ا ص ۳۴)

حافظ ابو احمد اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نیشاپور کی ایک مجلس میں امام مسلم بن حجاج امام بخاری سے ملنے آئے دوران مجلس کسی شخص نے یہ حدیث پڑھی۔ "**عن ابن جریج عن موسیٰ بن عقبة عن اسماعیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال کفارة المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحانک اللّٰهم و بحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک و اتوب الیک**"

امام مسلم نے اس حدیث کو سن کر کہا سبحان اللہ کس قدر عمدہ حدیث ہے دنیا میں اس کا ثانی نہیں ہے یعنی یہ حدیث صرف اسی سند سے پائی جاتی ہے پھر امام بخاری سے پوچھا کیا اس حدیث کی آپ کو کسی اور سند کا علم ہے امام بخاری نے فرمایا ہاں لیکن وہ سند معلول ہے امام مسلم نے درخواست کی کہ مجھے وہ سند بتلائیں۔ امام بخاری نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر نہیں کیا اسے مخفی ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا اور اس عاجزی سے مطالبہ کیا کہ اگر امام بخاری نہ بتلاتے تو قریب تھا کہ امام مسلم رو پڑتے بالآخر امام بخاری نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو لکھو **حدثنا موسیٰ بن اسماعیل حدثنا وهیب حدثنا موسیٰ بن عقبه عن عون بن عبداللّٰه قال قال رسول اللّٰه ﷺ کفارة المجلس الحدیث.**

امام مسلم اس حدیث کو سن کر بے حد مسرور ہوئے اور بے اختیار کہنے لگے اے امام میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی شخص آپ کا مماثل نہیں ہے اور جو شخص آپ سے بغض رکھے وہ حاسد کے سوا اور کچھ نہیں۔ (ایضاً)

علل حدیث کی معرفت:۔

علم اصول حدیث میں علل حدیث کا فن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے

احادیث کی اسانید و متون میں فہم ثاقب اور ذہن رسا کا ملکۂ راسخہ عطا فرمایا ہے وہی اس فن سے حصہ پاتے ہیں۔ علل حدیث ان خفیہ و غامض اسباب کو کہتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث کی صحت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے منقطع حدیث کا وصل یا موقوف حدیث کا رفع یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دینا وغیرہ وغیرہ۔

ائمہ حدیث نے حدیث معلل کی معرفت کو بہت مشکل قرار دیا ہے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا ''علل حدیث کی معرفت الہام کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

امام بخاری حدیث کے دوسرے علوم کی طرح علل حدیث میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ بڑے بڑے مشہور محدث آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔

وراق بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مسلم بن حجاج امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب یہ بتلائیے کہ "اخبرنا ابن جریج عن موسیٰ بن عقبة عن سهيل عن ابيه عن ابی هريرة" اس سند میں کون سی علت ہے؟۔ امام بخاری نے فرمایا کہ موسیٰ بن عقبہ کا سہیل سے سماع نہیں ہے۔ پس جو حدیث بظاہر متصل تھی وہ درحقیقت منقطع ثابت ہوئی۔ (توجیہ النظر ص ۲۶۸)

حافظ احمد بن حمدون بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ کے موقع پر دیکھا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری سے اسماء اور علل کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور امام بخاری اس تیزی اور روانی سے جواب دے رہے تھے جیسے آپ کے منہ سے جواب نہیں کمان سے تیر نکل رہا ہے۔ (ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۰)

امام ترمذی فرماتے ہیں "لم ار فی معنی العلل والرجال اعلم من محمد بن اسماعیل" علل حدیث اور فن رجال میں میں نے امام بخاری سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ (تہذیب ۹/۴۵)

فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل:

اسماء الرجال کا علم نہایت مہتم بالشان بلکہ حدیث کا نصف علم ہے کیوں کہ حدیث متن اور سند کا نام ہے اور اسماء الرجال سند کے رواۃ و رجال کی معرفت کو کہتے ہیں۔ امام بخاری اس علم میں بھی [illegible] مرتبہ رکھتے ہیں کثرت طرق کے ساتھ راویان حدیث کے حالات و کوائف اور ان کے

خاندان، وطن، شیوخ، تلامذہ، ولادت ووفات، ثقہ غیر ثقہ جملہ کوائف کا علم رکھتے تھے۔ سلیم بن مجاہد علامہ بیکندی کی مجلس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تھوڑی دیر قبل آئے ہوتے تو ایک ایسے بچے سے ملاقات ہو جاتی جو ستر ہزار حدیثوں کا حافظ ہے ان کو اس نوعمر محدث سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا جب ان سے ملاقات ہوئی جو امام بخاری تھے تو انہوں نے سوال کیا کہ آپ کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ نوعمر محدث نے کہا بلاشبہ بلکہ اس سے زائد ہی نہیں بلکہ جس حدیث کے بارے میں آپ مرفوع یا موقوف کا سوال کریں گے اس کا جواب بھی دوں گا مزید برآں اس میں جتنے بھی راویان حدیث سندوں میں موجود ہیں اکثر کی وفات سکونت، اور دیگر حالات کا بھی پتہ دے سکتا ہوں۔ (سیرت البخاری ص ۶۸)

جرح وتعدیل کا علم، رجال کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے امام بخاری نقد حدیث اور رجال کی جرح وتعدیل کے علم سے بھی کاملاً بہرہ مند ہوئے تھے لاکھوں حدیثوں کے راویوں کی زندگیاں اور ان کے حفظ وضبط، عدالت اور ان کے اسقام ومعائب ان کے پیش نظر ہوتے۔ جس حدیث کے بارے میں جس راوی کے متعلق ان سے سوال ہوتا سائل کے سوال کا جملہ پورا بھی نہیں ہونے پاتا کہ آپ کا جواب حاضر رہتا تھا۔

فن رجال اور جرح وتعدیل میں آپ کو جو ملکہ حاصل تھا وہ آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ”تاریخ کبیر“ اور دیگر تالیفات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے جس میں تقریباً سوا تیرہ ہزار افراد کے حالات قلمبند ہیں آپ کے بعد آنے والا ہر فرد آپ کے علمی خزانہ کا محتاج ہے امام ابوالعباس بن سعید نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تیس ہزار حدیثیں بھی لکھ ڈالے تو وہ آپ کی اس کتاب ”تاریخ کبیر“ کا محتاج رہے گا۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں **”ما تحت ادیم السماء اعلم بالحدیث من محمد بن اسماعیل“** اس روئے زمین پر امام بخاری سے زیادہ حدیث کی معلومات رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۵)

فقہ:۔

امام بخاری امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے ساتھ فقہ واجتہاد میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے پھر صحیح بخاری کے ابواب فقہ کے ترتیب پر ہیں اور انہوں نے اپنے مسلک فقہ پر حدیثوں کو جمع کیا ہے اور اپنے اقوال وآراء بیان کیے ہیں اس کے علاوہ قرأت فاتحہ خلف الامام، جزء رفع یدین، خلق افعال العباد جیسی کتابیں آپ کی قوت استنباط اور اجتہادی بصیرت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

علمائے اسلام نے سید المحدثین کے ساتھ آپ کو سید الفقہاء اور افقہ العلماء جیسے القاب سے یاد کیا ہے اور آپ کی فقہی بصیرت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

❁ حاشد بن اسماعیل: میں بصرہ میں تھا وہاں امام بخاری آئے تو محمد بن بشار نے کہا "دخل الیوم سید الفقھاء" آج سید الفقہاء آئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۳)

❁ ابومصعب: "محمد بن اسماعیل افقه عندنا وابصر من ابن حنبل" محمد بن اسماعیل بخاری ہمارے نزدیک سب سے بڑے فقیہ ہیں اور وہ احمد بن حنبل سے بھی زیادہ بصیرت رکھنے والے ہیں۔ (ایضاً)

❁ یعقوب بن ابراہیم دورقی: "محمد بن اسماعیل فقیه هذه الامة" محمد بن اسماعیل بخاری اس امت کے فقیہ ہیں۔ (ایضاً ص ۴۴)

❁ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی: "محمد بن اسماعیل البخاری افقهنا واعلمنا واغوصنا واکثرنا طلباً" محمد بن اسماعیل ہم میں سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عالم حدیث، سب سے زیادہ گہرائی میں اترنے والے اور ہم میں سب سے زیادہ طلب وجستجو کرنے والے ہیں۔ (الحدیث والمحدثون ص ۳۱۵)

حلقۂ درس وتلامذہ:۔

دور تحصیل علم ہی میں امام صاحب کی عبقری صلاحیت حفظ وضبط اور ذہانت وطباعی کی کثرت علم کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تھا۔ جب آپ نے حلقۂ درس قائم کیا اور مسند تدریس کو رونق بخشی تو صرف عام طالبان حدیث ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے محدثین جن کے گرد تلامذہ کا حلقہ ہوا کرتا تھا آپ کی بارگاہ میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور آپ کے درس سے مستفید ہوتے جو لوگ فضل وکمال کے اعتبار سے خود امام فن کی حیثیت رکھتے ان کے کسی مجموعہ حدیث کو امام صاحب صحیح تسلیم کرتے تو فخریہ لہجے میں کہتے کہ ہماری ان حدیثوں کو محمد بن اسماعیل بخاری نے صحیح تسلیم کیا۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۳)

امام صاحب اپنے وطن سے باہر جہاں کہیں جاتے شائقین حدیث کا ہجوم آپ کے گرد جمع ہو جاتا اور حدیث کا سماع کرتا رجال حدیث علل اور تعدد طرق کے بارے میں لوگ معلومات حاصل کرتے۔

یوسف بن موسیٰ مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ منادی کی آواز آئی اے علم کے طلب گارو! امام محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں جسے ان سے

احادیث لینی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ مروزی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک دبلا پتلا سا نوجوان ستون کے قریب انتہائی سادگی اور خضوع وخشوع سے نماز پڑھ رہا ہے یہی امام بخاری تھے نماز سے فارغ ہو کر علماء کی طرف متوجہ ہوئے حاضرین نے درخواست کی آج حدیث سے متعلق خطبہ دیں امام صاحب نے منظور فرمالیا شہر میں اعلان کرادیا گیا کہ فلاں وقت امام صاحب بیان فرمائیں گے لوگ جوق در جوق مسجد میں جمع ہونے لگے جب حاضرین کی تعداد ایک ہزار تک پہونچ گئی تو امام صاحب کھڑے ہوئے اور یوں بیان کرنا شروع کیا اے علمائے بصرہ آج میں تمہارے سامنے وہ حدیثیں پیش کروں گا جن کے راوی تمہارے شہر بصرہ کے رہنے والے ہیں مگر تم کو ان کی خبر نہیں اس کے بعد انہوں نے جتنی حدیثیں بیان کیں سب کے رواۃ اہل بصرہ تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۵، ۱۶)

طلب علم کے بعد امام بخاری نے اشاعت حدیث کے لیے بصرہ، بغداد، نیشاپور، سمرقند، بخارا میں درس حدیث کے لیے حلقے قائم کیے اور لاکھوں تشنگان علم کو آسودہ کیا آپ کی درسگاہ سے فیض پانے والوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے آپ سے اصاغر، معاصر، اکابر، افراد کے علاوہ خود آپ کے شیوخ نے بھی سماع حدیث کیا۔ چند مشہور تلامذہ وسامعین یہ ہیں:

نسائی، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابراہیم حربی، ابن ابی دنیا، صالح بن محمد اسدی، ابو بشر دولابی، محمد بن عبداللہ حضرمی، قاسم بن زکریا، ابن ابی عاصم، ابن خزیمہ، عمیر بن محمد بن بجیر، حسین بن محمد قبانی، ابوعمرو خفاف نیشاپوری، حسین بن محمد بن حاتم بن عبید العجلی، عبداللہ بن ناجیہ، فضل بن عباس رازی، ابوقریش محمد بن جمعہ قہستانی، ابوبکر بن ابی داؤد، ابومحمد بن ماعد، حسین بن اسماعیل حاملی، محمد بن یوسف، فربری۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱) ترمذی، محمد بن نصر مروزی، صالح بن محمد جزری، ابوحامد بن شرقی، منصور بن محمد بزدوی۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۲)

تصانیف:۔

امام بخاری کو قدرت نے علم کی جس بیکراں دولت سے نوازا تھا اسے انہوں نے عام کرنے کے لیے حلقہ درس قائم کیا اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ اپنی علمی اور فنی معلومات کو آنے والی نسلوں کے لیے صفحہ قرطاس پر محفوظ کردیا وہ ابتداہی سے تصنیف وتالیف کا شغل رکھتے تھے خود فرماتے ہیں جب میں اپنی عمر کے اٹھارہویں سال میں داخل ہوا تو میں نے اپنے شیخ عبداللہ بن موسیٰ کے

زمانہ میں قضایا الصحابہ والتابعین اور ان کے فتاوی میں کتاب تصنیف کرنا شروع کر دی تھی اور اسی دور میں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر لکھی۔

جامع صحیح:۔

امام بخاری نے متعدد گراں مایہ تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں الجامع الصحیح، الادب المفرد، التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط، التاریخ الصغیر، خلق افعال العباد، رسالہ رفع الیدین، قرأت خلف الامام، برالوالدین، الضعفاء، الجامع الکبیر، التفسیر الکبیر، کتاب الاشربہ، کتاب الھبہ، کتاب المبسوط، کتاب الکنیٰ، کتاب العلل، کتاب الفوائد، کتاب المناقب، اسامی الصحابہ، کتاب الوحدان، قضاء الصحابہ والتابعین عالم اسلام میں مشہور ومعروف ہیں لیکن صحیح بخای کو جو شہرت اور قبولیت عام حاصل ہوئی وہ اور کسی کتاب کے حصہ میں نہ آئی۔ بلکہ اسے جملہ امہات کتب حدیث میں جو مقام بلند حاصل ہوا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوا علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ صحیح کوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں۔

امام بخاری سے پہلے تدوین حدیث کا چلن ضرور عام ہو چکا تھا مگر اس وقت جتنی کتابیں معرض وجود میں آئی تھیں ان میں سے کسی کتاب میں بھی صرف احادیث صحیحہ کے لانے کا التزام نہیں کیا گیا تھا ان میں شاذ ومنکر، مدلس، اور معلل ہر قسم کی روایات جمع کی گئیں تھی جس کے پیش نظر ضروری تھا کہ حدیث میں ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں صرف احادیث صحیحہ درج کی جائیں۔

ایک دن امام بخاری اپنے استاذ اسحاق بن راہویہ کی مجلس درس میں حاضر تھے استاذ نے لوگوں سے کہا کیا اچھا ہو اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی توفیق دے کہ سنن میں کوئی ایسا مختصر تیار کرے جس میں باعتبار صحت اعلیٰ درجہ کی احادیث درج ہوں تاکہ عمل کرنے والے بلاخوف تردد مجتہدین کی طرف مراجعت کیے بغیر اس پر عمل پیرا ہوں امام بخاری کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی اور اسی وقت اس جامع کا خیال پیدا ہوا چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں کے اس ذخیرہ میں سے جو ان کے پاس موجود تھا انتخاب شروع کیا اور ان میں صحیح ترین احادیث پر اکتفا کیا۔ (بستان المحدثین ص۱۷۲)

صاحب مفتاح السنہ کا بیان ہے بعض دوسرے ائمہ نے اپنی جمع وتدوین میں صرف صحیح حدیثوں کا لحاظ رکھا تاکہ طالب حدیث کدوکاوش سے بچ جائے سب سے پہلے اس مثالی طریقہ کی بنیاد ڈالنے والے شیخ المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری ہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب میں صرف ان

احادیث کو جمع کیا ہے جن کی صحت ان کی نظر میں واضح ہو چکی تھی ۔ (مفتاح السنہ بحوالہ تاریخ افکار وعلوم اسلامی اول ص ۴۳۱)

امام بخاری نے صحیح بخاری کی ترتیب وتالیف کے لیے جو اہتمام کیا اس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں ۔ بخاری جب کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت نفل ادا کرتے پھر اس کو لکھتے ۔ چنانچہ سولہ سال کے عرصہ میں انتخاب سے فراغت پائی جب حدیثوں کو مضمون کے مطابق مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بیٹھ کر یہ اہم کام انجام دیا ہر ترجمۃ الباب پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے ۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۲)

حافظ ابن صلاح کے مطابق صحیح بخاری کی کل مرویات سات ہزار دو سو پچھتر ہیں اور حذف مکررات کے بعد ۴۰۰۰ ہزار حدیثیں ہیں (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۲۰۴)

الجامع الصحیح کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

☆ صحیح بخاری کی تالیف کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کا جمع کرنا نہیں ہے بلکہ تراجم ابواب پر استدلال اور صحیح احادیث سے مسائل فقہیہ کا استخراج واستنباط بھی ہے چنانچہ وہ سب سے پہلے ترجمۃ الباب میں آیات قرآنیہ لاتے ہیں اور بعض اوقات آثار صحابہ وتابعین اور ارشادات ائمہ سے اس کی تائید کرتے ہیں پھر اس باب کے تحت پوری سند کے ساتھ حدیث درج کرتے ہیں ۔

☆ امام بخاری کسی ایک باب کے تحت احادیث کثیرہ بیان کرتے ہیں اور کبھی صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں یہ اس صورت میں جب انہیں ترجمۃ الباب کے لیے اپنی شرائط پر احادیث مل جائیں ورنہ ترجمۃ الباب کے تحت کسی حدیث کا ذکر نہیں کرتے بلکہ کسی حدیث کے بعینہ الفاظ یا اس کے ہم معنی الفاظ کو عنوان باب بنا کر اشارہ کرتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت شرائط کے مطابق حدیث نہ مل سکی ۔

☆ بخاری کبھی ایک ہی حدیث کو متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد ان متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے جن ابواب سے متعلق وہ اس حدیث کو لاتے ہیں ۔

☆ امام بخاری کا معمول ہے جب حدیث میں کوئی ایسا غریب لفظ آتا ہے جس کی نظیر کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہیں ۔

☆صحیح بخاری کا خاص امتیاز اس کی ۲۲/ ثلاثیات ہیں۔

☆امام بخاری ہر کتاب کے شروع میں اس کے زمانۂ نزول اور مشروعیت کی ابتدا کی جانب کبھی کبھی اشارہ کرتے ہیں۔

☆امام بخاری کتاب کے اختتام پر کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم کتاب کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔

صحیح بخاری کی اہمیت اور اس کی دقت و بیان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون ۸۰۸ھ لکھتے ہیں ’’کتب حدیث میں صحیح بخاری کا درجہ و مرتبہ بہت بلند ہے اسی لیے اس کی شرح کما حقہ نہ ہو سکی اور اس کی گہرائیوں تک رسائی نہ مل سکی، ابن الطال، ابن المہلب، ابن التین، نے گو شرحیں لکھیں مگر درحقیقت شرح کا حق ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ ہم نے اپنے شیوخ سے بارہا سنا ہے کہ صحیح کی شرح کا بوجھ اب تک امت کے کندھوں پر ہے اور ایک واجب الاداء قرض ہے جو ان کے ذمہ سے اب تک ساقط نہیں ہوا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۶)

اس قول سے بخاری شریف کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ابن خلدون کے شیوخ کا یہ قول کہ بخاری شریف کی شرح کا قرض علمائے ملت سے ساقط نہیں ہوا۔ ممکن ہے اس عہد تک اس کی شرحیں ایسی ہی رہی ہوں مگر اس کے بعد کی محققانہ اور جامع شروح یقیناً حق شرح ادا کرتی ہیں اور وہ نہایت اہم اور وقیع ہیں ذمہ قرض کا ساقط ہونا تو اس کا فیصلہ اس عہد کے ان بالغ نظر محققین کے ذمہ ہے جنہوں نے بخاری کی تمام شروح کا بغور مطالعہ کیا ہو۔

بخاری شریف کی اہمیت و قبولیت کا انداہ اس کی مفصل، مختصر، شروح، تلخیص اور دیگر زبانوں میں ترجموں سے ہوتا ہے جو اس وقت سے اب تک لکھے گئے یا لکھے جا رہے ہیں۔

☆فتح الباری، عمدۃ الباری، ارشاد الساری، الکوکب الدراری، شرح النووی، ہدایۃ الباری، تیسیر القاری، عون الباری عربی زبان میں کافی اہم ہیں۔

صحیح بخاری کی شرحیں عربی، فارسی اردو اور دیگر زبانوں میں کی گئیں۔ نیز اس کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں کیے گئے اور آج مدارس اسلامیہ میں صحیح بخاری کا درس پورے اہتمام کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں صحیح بخاری کی اہمیت و عظمت اور اہل علم میں مقبولیت کی دلیل ہیں۔

اخلاق و کردار:۔

امام بخاری نے جس اخلاص و انہماک کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث

کریمہ کو سینے میں محفوظ کیا تھا اسی طرح انہوں نے اپنی ذات وصفات کو اخلاق نبوی کے سانچے میں ڈھال لیا تھا زہد وتقویٰ عبادت وریاضت حسن خلق حق گوئی وحق شناسی میں ممتاز تھے حلم ومروت کے پیکر تھے کبھی کسی کو برائی سے یاد نہ کرتے اور کسی کی برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیتے۔ ہر شخص کی عزت نفس کا لحاظ رکھتے وہ بے حد صابر انسان تھے اور اپنی ذات کا انتقام بالکل ہی نہ لیتے تھے وہ متواضع منکسر المزاج واقع ہوئے تھے بڑی سادہ زندگی بسر کرتے اپنے کام خود کرلیا کرتے کسی دوسرے کو زحمت نہ دیتے۔ آپ کے شاگرد محمد بن حاتم وراق بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ امام بخاری بخارا کے قریب سرائے بنا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں ہی سے دیوار میں اینٹیں چن رہے تھے میں نے آگے بڑھ کر کہا آپ رہنے دیجئے میں یہ اینٹیں لگا دیتا ہوں آپ نے فرمایا قیامت کے دن یہ عمل مجھے نفع دے گا وراق کہتے ہیں کہ جب ہم امام بخاری کے ساتھ کسی سفر میں جاتے تو آپ ہم سب کو ایک کمرے میں جمع کر دیا کرتے اور خود علیحدہ رہتے۔ ایک بار میں نے دیکھا امام بخاری رات کو پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور ہر مرتبہ اپنے ہاتھ سے آگ جلا کر چراغ روشن کیا کچھ احادیث نکالیں ان پر نشانات لگائے پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے میں نے عرض کیا آپ نے رات کو اٹھ کر تنہا مشقت برداشت کی مجھے اٹھا لیتے فرمایا تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۱۸۲)

اخلاقی بلندی کے ساتھ عبادت وریاضت کا شوق بھی غالب تھا نماز کی محویت اور تلاوت قرآن کی حلاوت اس درجہ غالب رہتی کہ بڑی سے بڑی اذیت گوارا کر لیتے مگر نماز نہ توڑتے۔ بکیر بن نمیر کا بیان ہے۔

ایک دن امام بخاری نماز پڑھ رہے تھے تو آپ کو ایک زنبور نے سترہ بار ڈنک مارا۔ جب آپ نے نماز پوری کی۔ اپنے شاگرد سے کہا ذرا دیکھنا میری قمیص کے نیچے کیا ہے؟ شاگرد نے دیکھا قمیص کے نیچے زنبور تھی جس نے ان کے بدن پر سترہ جگہ ڈنک لگایا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے سوجھ گیا تھا۔ ابن نمیر نے پوچھا جب آپ کو زنبور نے پہلی مرتبہ کاٹا تو اس وقت آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی آپ نے فرمایا میں قرآن کریم کی جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا اس میں اتنا ذوق وشوق پا رہا تھا کہ میں اس وقت اس تکلیف کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۳، تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۸۴)

امام صاحب نے اپنی علمی دیانت اور وقار کو کبھی مجروح نہ ہونے دیا وہ اپنی ذاتی ضرورت

کے لیے امراء روسا کے دروازوں پر ہرگز نہ گئے ایک بار آپ کے مضارب تاجر نے پچیس ہزار لے کر دوسرے ملک میں سکونت اختیار کی امام صاحب سے لوگوں نے کہا کہ مقامی حاکم کا خط لے کر اس علاقہ کے حاکم کے پاس پہونچا دو روپیہ آسانی سے مل جائے گا امام بخاری نے فرمایا اگر میں اپنے روپے کے لیے حکام سے سفارش لکھواؤں تو کل یہ حکام میرے دین میں دخل دیں گے اور میں اپنے دین کو دنیا کے عوض ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

ابتلا و آزمائش اور وصال:۔

٢٥٠ھ میں امام بخاری نیشاپور تشریف لے گئے جہاں ان کا بڑا ہی پرتپاک استقبال کیا گیا آپ نے وہاں حلقۂ درس قائم کیا صبح سے شام تک طالبان حدیث کا ازدحام رہتا پورا نیشاپور آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتا یہ بات بعض حاسدوں کو بری لگی اور انہوں نے آپ کی تحقیر و تذلیل کے لیے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں آپ سے سوال کیا امام صاحب نے فرمایا" القرآن کلام اللہ غیر مخلوق "سائل نے اصرار کیا قرآن کے الفاظ کا حکم بتایئے۔ تو آپ نے کہا " افعالنا مخلوقة و الفاظنا من افعالنا "یعنی ہمارے افعال مخلوق ہیں اور الفاظ بھی ہمارے افعال ہیں مفسدوں نے شور و غوغا کیا کہ امام بخاری الفاظ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں جب یہ خبر محمد بن یحییٰ ذہلی کو پہونچی تو اس نے اعلان کرا دیا کہ کوئی بخاری کے حلقۂ درس میں نہ جائے چنانچہ امام مسلم کے سوا تمام لوگوں نے آپ کے حلقۂ درس میں جانا چھوڑ دیا یہ صورت حال دیکھ کر امام بخاری اپنے وطن بخارا لوٹے اہل بخارا نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا آپ نے بخارا میں مسند درس آراستہ کی مگر یہاں بھی حاسدین کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں لوگوں نے حاکم بخارا خالد بن احمد ذہلی سے کہا کہ امام بخاری سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادے کو گھر آ کر پڑھایا کریں۔

والی بخارا نے خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں علم کو سلاطین کے دروازے پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ پڑھنے والے کو میرے درس میں آنا چاہیے۔ والی بخارا نے کہا اگر میرا لڑکا درس میں آئے تو وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں پڑھے گا آپ کو اسے علیحدہ پڑھانا ہوگا۔ امام بخاری نے جواب دیا میں کسی شخص کو احادیث رسول کی سماعت سے نہیں روک سکتا یہ جواب سن کر حاکم بخارا غصہ ہوا اور اس نے ابن الوقت علماء سے فتویٰ لیا اور بخارا سے نکل جانے کا حکم صادر کیا امام صاحب آزردہ ہو کر وطن سے نکلے سمرقند کا رخ کیا اور سمرقند سے پہلے ہی خرتنگ نامی ایک مقام پر ٹھہر

گئے وہیں بیمار پڑے اور یکم شوال ۲۵۶ھ کو دار فانی سے رحلت فرما گئے بعد نماز ظہر خرتنگ ہی میں اس پیکر علم و دانش کو ہزاروں سوگواروں نے نماز جنازہ کے بعد سپرد خاک کر دیا دفن کے بعد آپ کی قبر مبارک سے مدتوں ایسی خوشبو آتی رہی جو مشک و عنبر سے بھی عمدہ تھی لوگ قبر کی مٹی تبرکاً لے جانے لگے مجبوراً اس کے گرد محصورہ قائم کر دیا گیا۔

(۳۹) حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ

ولادت ۲۰۶ھ وفات ۲۶۱ھ

اسم گرامی مسلم، کنیت ابوالحسن، لقب عساکرالدین۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاد، وطن نیشاپور تھا جو خراسان کا مشہور و معروف مردم خیز شہر ہے جو تیسری صدی ہجری میں اسلامی دنیا کا باوقار علمی مرکز تھا۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں "**قد کانت نیسابور من اجل البلاد واعظمها لم یکن بعد بغداد مثلها**" نیشاپور اس قدر بڑا اور عظیم الشان شہر تھا کہ بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی۔ (طبقات الشافعیہ ج ا ص ۱۷۳) آپ نسباً عرب کے مشہور قبیلہ قشیر سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے قشیری کہلائے۔ آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ ۲۰۶ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:۔

امام مسلم کا زمانہ علم حدیث کی نقل و روایت اور تدریس کا زریں عہد تھا۔ علم حدیث کے بڑے بڑے مراکز اسلامی شہروں میں قائم ہو چکے تھے جہاں اکابر محدثین کا فیض عام جاری تھا۔ نیشاپور خود علم حدیث کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا تھا جہاں حدیث کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے۔ امام مسلم نے ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بارہ سال کی عمر میں جب کہ عقل و فہم میں استواری اور حفظ میں پختگی آ جاتی ہے۔

عقیدت و احترام کے جذبے اور حسن نیت و خلوص کے ساتھ اس کوچہ میں قدم رکھا اور پوری سعی بلیغ سے خراسان، عراق، حجاز، شام، بغداد، مصر کے محدثین سے کسب فیض کیا اور اس علم میں دستگاہ حاصل کی آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

قعنبی، احمد بن یونس، اسماعیل بن ابی اویس، داؤد بن عمرو الضبی، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ہشیم بن خارجہ، سعید بن منصور، شیبان بن فروخ، عون بن سلام، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ،

عبداللہ بن مسلم، امام بخاری۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۳، تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۰)

فضل وکمال:۔

امام مسلم نے اپنے دور کے علمی چشموں سے فیض پایا تھا اور انہوں نے دریائے علم میں غواصی کر کے لعل وجواہر اپنے دامن میں سمیٹے تھے۔ آپ کی خداداد ذہانت، طباعی، قوت حفظ وضبط دیکھ کر آپ کے اساتذہ ششدر رہ جاتے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث امام مسلم کے استاذ امام اسحاق بن راہویہ آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ " ای رجل یکون ھذا" خدا جانے یہ کتنا بلند انسان ہوگا۔

اسحاق بن منصور نے امام مسلم کی طرف دیکھا اور آپ کی عظمت وبزرگی پر نظر کرتے ہوئے کہا " ان نعدم الخیر ما ابقاک اللہ للمسلمین " جب تک خدا آپ کو مسلمانوں کے لیے زندہ رکھے گا بھلائی ہمارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴)

تیسری صدی ہجری علم حدیث کی اشاعت، تصنیف وتالیف اور گوناگوں علوم حدیث کی ترویج وتدوین کا زمانہ تھا۔ جس میں بیشمار محدثین اور ائمہ فن پیدا ہوئے۔ سیکڑوں محدثین جن کی علمی عظمت کے سکے چل رہے تھے ان میں بعض وہ بھی ہیں جنہیں امام مسلم کی استاذی کا شرف حاصل ہے تاہم امام صاحب کی فطری قابلیت اور زبردست قوت حافظہ نے ان تمام بزرگوں کو اپنے فضل وکمال کا معترف بنالیا۔

امام مسلم نے علم حدیث میں جو عبقری شان پیدا کر لی تھی اس کا اعتراف ان کے معاصرین اور اصاغر واکابر سب کو تھا۔

● محمد بن عبدالوہاب الفراء:" کان مسلم من علماء الناس واوعیۃ العلم ما علمتہ الا خیرا" مسلم گروہ علماء میں سے تھے اور وہ علم کا ظرف تھے میں نے ان سے خیر کے سوا نہ جانا۔ (تہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۵)

● ابن اخرم:" انما اخرجت مدینتنا ھذہ من رجال الحدیث ثلاثۃ محمد بن یحییٰ وابراھیم بن ابی طالب ومسلم" ہمارے اس شہر نے حدیث کے تین اہم رجال پیدا کیے۔ محمد بن یحییٰ، ابراہیم بن ابی طالب اور امام مسلم۔ (ایضا)

● ابو بکر جارودی: " حدثنا مسلم بن الحجاج وکان من اوعیۃ العلم" ہم

سے مسلم بن حجاج نے حدیث بیان کی اور وہ علم کے ظرف تھے۔ (ایضاً)

❁ **مسلم بن قاسم:** " ثقة جليل القدر من الائمة" وہ ثقہ عظیم المرتبت ائمہ حدیث میں سے تھے۔ (ایضاً)

❁ **ابو حاتم:** " كان ثقة من الحفاظ له معرفة بالحديث" وہ ثقہ اور حفاظ حدیث میں تھے حدیث کی معرفت میں کامل تھے۔ (ایضاً)

❁ **بندار:** " الحفاظ اربعة ابو زرعة ومحمد بن اسماعيل والدارمي ومسلم" حفاظ حدیث چار ہیں ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل، دارمی اور امام مسلم۔ (ایضاً)

❁ **ابن خلکان:** "احد الائمة الحفاظ واعلام المحدثين" امام مسلم ائمہ حفاظ حدیث اور اعلام محدثین میں سے ایک تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۹۸)

❁ **احمد بن مسلمہ:** " رايت ابا زرعة وابا حاتم يقدمان مسلم بن الحجاج في معرفة الصحيح على مشايخ عصرهما" میں نے امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم کو دیکھا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے جاننے میں امام مسلم کو اپنے زمانے کے مشائخ سے مقدم سمجھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۰)

❁ **ابو عمرو بن حمدان:** میں نے ابن عقدہ سے پوچھا" ايهما احفظ البخاري او مسلم الخ " امام بخاری اور امام مسلم میں کون بڑا حافظ حدیث ہے؟ جواب دیا محمد بھی عالم ہیں اور مسلم بھی عالم ہیں۔ میں نے یہ سوال کئی دفعہ دہرایا تو کہنے لگے امام محمد بخاری سے شامی راویوں کے متعلق غلطی ہو جاتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ان کی کتابیں لے کر پڑھیں ہیں کسی جگہ ایک راوی کو کنیت سے ذکر کرتے ہیں اور دوسری جگہ اس کو نام سے ذکر کرتے ہیں اور اس طرح ان کو دو آدمی خیال کرتے ہیں امام مسلم سے علل میں ایسی غلطی نہیں ہوئی کیوں کہ انہوں نے مسند روایتیں لکھی ہیں اور مقطوع اور مرسل نہیں لکھیں۔ (ایضاً ص ۲۵۱)

❁ **شاہ عبدالعزیز:** " آپ نے عمر بھر میں نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔ صحیح وسقیم حدیث کی پہچان میں اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی ترجیح وفضیلت ہے"۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۸)

حلقۂ درس وتلامذہ:۔

امام مسلم کے زمانہ میں نیشاپور کا گوشہ گوشہ محدثین سے معمور تھا اور ان کے حلقہائے درس

قائم تھے مگر علم حدیث میں امام مسلم نے جو عظمت اور شان پیدا کرلی تھی اس رتبہ تک عالم اسلام میں کم ہی لوگوں کی رسائی ہوسکی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے حلقۂ درس میں شائقین علم کا ہجوم رہتا۔ عام لوگوں کی بات ہی کیا ہے خود آپ کے بلند مرتبہ اقران حتی کہ شیوخ بھی آپ سے سماع حدیث کے مشتاق رہتے اور آپ کی سند عالی سے روایت کرنے پر فخر کرتے آپ کے کچھ ممتاز تلامذہ یہ ہیں:

امام ترمذی، ابراہیم بن ابی طالب، ابن خزیمہ، سراج، ابن صاعد، ابو عوانہ، ابو حامد بن شرقی، ابو حامد احمد بن حمدان، ابراہیم بن محمد بن سفیان، مکی بن ابان، عبدان، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، محمد بن مخلد، حسین بن محمد قبانی، ابوعمرو، صالح بن محمد، علی بن حسن، محمد بن عبدالوہاب، محمد بن عبد بن حمید، محمد بن اسحاق فاکہی، ابوالفضل، احمد بن سلمہ، علی بن حسین بن جنید، عبداللہ بن شرقی، علی بن اسماعیل، ابراہیم بن محمد بن حمزہ، محمد بن ابی حاتم رازی، ابو حامد حسویہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۰)

تصنیف وتالیف:۔

امام مسلم کو خداوند تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کی بیکراں صلاحیت سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ وہ تحقیق وجستجو کا ملکہ رکھتے تھے۔ فن کی باریکیوں اور علم کی گہرائیوں تک پہونچنے کا شعور انہیں حاصل تھا۔ اس لیے ان کے قلم سے جو کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ فکر وتحقیق، دقت نظر اور وسعت معلومات کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ حافظ ذہبی آپ کو صاحب تصانیف کثیرہ قرار دیتے ہیں۔ چند اہم تصانیف یہ ہیں:

(۱) مسند کبیر (۲) الاسماء والکنی (۳) جامع کبیر (۴) کتاب العلل (۵) کتاب التمیز (۶) کتاب الوحدان (۷) کتاب الافراد (۸) کتاب الاقران (۹) کتاب سوالات لاحمد بن حنبل (۱۰) کتاب حدیث عمرو بن شعیب (۱۱) کتاب الانتفاع باہب السباع (۱۲) کتاب مشائخ مالک (۱۳) کتاب مشائخ ثوری (۱۴) کتاب مشائخ شعبہ (۱۵) کتاب من لیس لہ الاراو واحد (۱۶) کتاب المخضر مین (۱۷) کتاب اولاد الصحابہ (۱۸) کتاب اوہام المحدثین (۱۹) کتاب الطبقات (۲۰) کتاب افراد الشامیین (۲۱) صحیح مسلم شریف۔

صحیح مسلم:۔

عالم اسلام میں جن کتابوں کو صحاح کے نام سے شہرت حاصل ہے ان میں بلاشبہ صحیح بخاری کا مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس اہم کتاب کے ساتھ جس کتاب کا نام لیا جاتا ہے وہ امام مسلم

کی کتاب "الجامع الصحیح" ہے۔ اور حسن ترتیب وتدوین کے اعتبار سے یہ کتاب صحیح بخاری پر بھی فوقیت رکھتی ہے بعض لوگوں نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔

حافظ ابو علی نیشاپوری کہتے ہیں "**ما تحت ادیم السما کتاب اصح من کتاب مسلم**" آسمان کے نیچے مسلم کی صحیح سے بڑھ کر اصح اور کوئی کتاب نہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۱) ان کے علاوہ حافظ ابو بکر اسماعیل، امام نسائی، مسلم بن قاسم قرطبی، ابن حزم بھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دیتے ہیں۔

ابن خلدون لکھتے ہیں رہی صحیح مسلم تو مغرب میں اس کو بہت ہی قبولیت حاصل ہے اور لوگ اس پر مٹے ہوئے ہیں اور اہل مغرب متفق الرائے ہیں کہ یہ صحیح بخاری سے افضل ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "**حصل لمسلم فی کتابه حظ عظیم مفرط لم یحصل لاحد مثله بحیث ان بعض الناس کان یفضله علی صحیح محمد بن اسماعیل وذلک لما اختص به من جمع الطرق وجودة السیاق والمحافظة علی اداء الالفاظ کما هی من غیر تقطیع ولا روایة بمعنیٰ وقد نسج علی منواله خلق عن النیساہوریین فلم یجعلوا نشاؤه وحفظت منهم اکثر من عشرین اماما ممن صنف المستخرج علی مسلم**"۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴)

امام مسلم کو ان کی کتاب میں حد سے زیادہ ایسا عظیم حصہ ملا ہے کہ ویسا کسی کو نہیں ملا اسی لیے بعض لوگ اس کو امام محمد بن اسماعیل کی صحیح پر ترجیح دیتے تھے اور یہ اس خصوصیت کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے طرق (احادیث) کو جمع کیا ہے، اسلوب عمدہ اختیار کیا ہے اور بغیر روایت بالمعنی کے ہو بہو الفاظ کی ادائیگی کی پابندی کی ہے حالانکہ اہل نیشاپور میں سے بہتوں نے ان کے طرز پر تصنیف کی ہے مگر ان کی تصنیف کے مقابل نہ لا سکے ان میں سے جنہوں نے مسلم کے (طرز) پر مستخرج تصنیف کی بیس سے زیادہ امام حدیث مجھے یاد ہیں۔

امام مسلم سے ان کے بعض تلامذہ نے درخواست کی کہ احادیث صحیح کا ایسا مجموعہ تیار کریں جس میں بلا تکرار احادیث کو جمع کیا جائے چنانچہ اس درخواست پر امام مسلم نے صحیح کو تالیف فرمایا۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۲۲۹) شیخ ابن صلاح کے نزدیک مکررات کے علاوہ احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۱۹)

چوں کہ امام مسلم کا اہم مقصد احادیث صحیحہ کا جمع کرنا تھا اس لیے امام بخاری کی طرح ان کی کتاب میں حدیثوں کی تکرار نہیں۔ وہ استنباط مسائل سے تعرض نہیں کرتے ہر حدیث کے طرق کو حسن ترتیب کے ساتھ یکجا بیان کرتے ہیں۔ جس سے اختلاف متون اور مختلف طرق سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

امام مسلم کے عہد میں وضع حدیث کا فتنہ کافی زور و شور پر تھا اس لیے وہ روایتوں کی نقل میں کافی حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے صحیح مسلم میں ان کی شرائط اخذ حدیث امام بخاری سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف ایسی حدیث بیان کریں گے جس کو کم سے کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین وتبع تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلہ اسناد ان تک ختم ہو دوسرے یہ کہ وہ صرف راویوں کی عدالت پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ شرط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتنی پابندی نہیں۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۸)

امام مسلم نے حدیثوں کی صحت کے معاملہ میں صرف اپنی رائے پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ان احادیث کا اندراج فرمایا جو مشائخ وقت کے نزدیک بالاتفاق صحیح تھیں خود فرماتے ہیں ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا میں نے تو یہاں صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے۔ (صحیح مسلم باب التشہد)

ان اہم شرائط تخریج کے التزام کے ساتھ جب کتاب مکمل ہوئی تو امام مسلم نے اسے ابوزرعہ امام الجرح والتعدیل کے سامنے پیش کیا انہوں نے جس روایت میں کسی علت کی طرف اشارہ کیا اس کو کتاب سے خارج کر دیا اس طرح پندرہ سال کی کدوکاوش کے بعد یہ مجموعہ پایۂ تکمیل کو پہونچا امام مسلم کتاب کی اہمیت تحریر فرماتے ہیں:

محدثین اگر دو سو سال بھی حدیثیں لکھتے رہیں جب بھی ان کا دار و مدار اسی المسند الصحیح پر رہے گا۔ (مقدمہ مسلم نووی)

علم حدیث دین کی اساس ہے۔ عہد رسالت ہی سے مسلمانوں نے اس علم کی حفاظت اور اس کی روایت کا التزام کیا اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا حدیث کی اہمیت وافادیت میں اضافہ ہوتا گیا اور روایت حدیث سبب فخر وناز بن گیا۔ ایک طرف محدثین نے اس کی روایت وحفاظت کا

بطور خاص اہتمام کیا تو دوسری جانب بہت سے ہوا پرست اسلام دشمن افراد پیدا ہو گئے جنہوں نے موضوع اور سقیم روایتوں کو خوب عام کیا۔ دشمنوں کا مقصد تو دین کو تباہ کرنا تھا اور ہوا پرست لوگوں کا مطمح نظر دنیاوی وجاہت اور شہرت تھا ایسے حالات میں محدثین کی ذمہ داریاں دو چند ہو گئیں ایک طرف صحیح روایتوں کی حفاظت و روایت اور دوسری جانب ذخیرۂ احادیث میں سے موضوع اور ضعیف حدیثوں کو چھان پھٹک کر الگ کرنا تھا۔ اسی ضرورت نے جرح و تعدیل کا قانون اور اصول روایت و درایت کو رواج دیا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کا مقدمہ تحریر کر کے وضع حدیث کے سرچشموں کی نشاندہی کی اور علمائے حدیث کے لیے ایسا ضابطہ فراہم کیا جس سے وہ فریب خوردگی سے مامون رہ سکیں۔

انہوں نے اپنے مقدمہ میں ضعیف راویوں کا استقصاء کر کے لکھا ہے۔

"ہمارا خیال ہے ان مجہول الاسناد اور ضعیف روایتوں پر جن کو ہم نے بیان کر دیا ہے ان کے ضعف کے ظاہر ہونے کے بعد بجز ان لوگوں کے جن کو عوام کے نزدیک کثرت سے حدیثیں بیان کرنے کا شوق ہوتا ہے تا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں نے کس کثرت سے حدیثیں جمع کی ہیں اکثر لوگ اعتبار نہ کریں گے لیکن جو لوگ علم حدیث میں یہ مسلک اختیار کرتے ہیں ان کو اس فن میں ذرا بھی دخل نہیں اور ان کو بجائے عالم کے جاہل کہنا اچھا ہے"۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۲۷)

خصوصیات:۔

امام مسلم دو یا اس سے زیادہ روایت کو بیان کرتے ہیں جن میں معنی کے اتحاد کے ساتھ الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے تو دونوں کو ایک اسناد میں جمع کر دیتے ہیں لیکن جس راوی کے کچھ الفاظ بیان کرتے ہیں اس کی تعیین کر دیتے ہیں۔

☆ ہر حدیث کو اس کی مناسب جگہ پر لاتے ہیں اور وہیں اس کے طرق اور متعدد اسانید اور مختلف الفاظ کو جمع کر دیتے ہیں جس سے اس حدیث میں تعدد طرق اور الفاظ سے بسہولت واقفیت ہو جاتی ہے۔

☆ روایتوں کے الفاظ کے اختلاف کو اچھی طرح ضبط کرتے ہیں کبھی کسی حروف میں روایتوں کا اختلاف ہوتا ہے جس سے کبھی معنی میں تغیر ہوتا ہے اور کبھی تغیر نہیں ہوتا البتہ بسا اوقات یہ تغیر ایسا پوشیدہ ہوتا ہے جس سے صرف ماہر فن ہی آگاہ ہو سکتا ہے لیکن امام صاحب نے پوری کتاب میں اس کا التزام فرمایا ہے۔

☆ امام صاحب نے مختلف طرق اور تحویل اسانید کو ایجاز کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔

حدیث کے پورے متن کو یکجا بیان فرماتے ہیں اور اس کے پورے الفاظ نقل کرتے ہیں روایت بالمعنی کے بجائے روایت باللفظ بیان فرماتے ہیں اس کو صحابہ یا بعد کے لوگوں کے اقوال کے ساتھ ضم نہیں کرتے۔

☆ صحیح مسلم کی ایک امتیازی خصوصیت حسن ترتیب اور حسن ادا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علم حدیث کی باریکیوں اور اسرار سے کس درجہ واقف تھے۔

امت نے صحیح مسلم کے ساتھ غایت درجہ اعتنا کیا ہے اسے پڑھا اور پڑھایا جاتا رہا اور اس کی شرحیں تراجم و ملخصات ہر دور میں لکھے گئے جن میں المنہاج فی شرح صحیح مسلم، شرح النووی، اکمال المعلم فی شرح مسلم، المفہم بما اشکل فی تلخیص کتاب مسلم، الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج کافی مشہور ہیں۔

علامہ نووی نے اختصار کے ساتھ صحیح مسلم کی خصوصیات ان الفاظ میں بیان کی۔

"ومن حقق نظره فی صحیح مسلم رحمه الله واطلع علی ما اودعه فی اسانیده وترتیبه وحسن سیاقه وبدیع طریقته من نفائس التحقیق وجواهر التدقیق وانواع الورع والاحتیاط والتحری فی الروایة وتلخیص الطرق واختصارها وضبط متفرقها وانتشارها وکثرة اطلاعه واتساع روایته وغیر ذلک مما فیه من المحاسن والاعجوبات واللطائف الظاهرات والخفیات انه امام لا یلحقه من بعد عصره وقل من یساویه بل یدانیه من اهل وقته ودهره وذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔ (مقدمہ نووی)

امام مسلم علیہ الرحمۃ کی صحیح میں جو تحقیقی نگاہ ڈالے اور ان خوبیوں پر مطلع ہو جو انہوں نے اس کی اسناد، اس کی ترتیب، حسن اسلوب اور اس کے انوکھے طریقے میں عمدہ تحقیق و تدوین، زہد و ورع اور حزم و احتیاط کے انواع و اقسام پیش کیے ہیں اور روایت میں تحری طرق کی تلخیص و اختصار، متفرق و منتشر طرق کو منضبط کرنا اور کثیر معلومات اور وسعت روایت کے علاوہ جن ظاہری اور باطنی محاسن اور عجائب و لطائف کا مظاہرہ کیا ہے تو وہ یقیناً اس بات کا معترف ہوگا کہ وہ ایسے امام ہیں کہ ان کے زمانہ کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوا اور ان کے زمانہ میں بھی کوئی ان کے ہم پلہ نہیں بلکہ ان جیسا نہیں تھا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں تحقیق و امعان کامل طور سے کیا گیا ہے اور اس کی

یں تو خصوصیت کے ساتھ فن حدیث کے عجائبات بیان کیے گئے ہیں اور ان میں بھی اخص خصوص رد اسانید اور متون کا حسن سیاق ہے اور روایت میں تو آپ کا ورع تام اور احتیاط اس قدر ہے جس یں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اختصار کے ساتھ طرق اسانید کی تلخیص اور ضبط انتشار میں یہ کتاب بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۸)

اخلاق و کردار:۔

امام مسلم سیرت و اخلاق کے اعتبار سے بلند مرتبہ پر فائز تھے انتہائی متواضع خلیق حلیم و بردبار واقع ہوئے تھے علمی وجاہت اور تفوق کے باوجود آپ میں کبر و نخوت کا شائبہ نہ تھا ذوق علم کے ساتھ عبادت و ریاضت کی کثرت فرماتے ہر صاحب علم کی قدر کرتے حق گوئی آپ کا شیوہ تھا اس سلسلے میں زمانہ کی نامساعدت اور باطل پرستوں کے جاہ و منصب کی ہرگز پرواہ نہ کرتے تھے۔ امام بخاری جب نیشاپور آئے اور ان کی مقبولیت بڑھنے لگی تو وہاں کے عوام و خواص حتی کہ نکتہ سنج محدث امام ذہلی نے بھی خلق قرآن کے ایک جزوی مسئلہ کو لے کر امام بخاری کو ہدف ملامت بنایا اور امام ذہلی نے اپنی مجلس حدیث میں یہ اعلان کر دیا "الا من قال باللفظ فلا یحل له ان یحض مجلسنا" خبردار جو شخص قرآن مجید کے الفاظ کو مخلوق کہے گا اس کو ہماری مجلس میں آنا حرام ہے"۔

امام مسلم جو امام ذہلی کے شاگرد تھے مگر امام بخاری کے ہم مسلک تھے اور ان کے موقف کو صحیح سمجھتے تھے امام ذہلی سے مراسم توڑ ڈالے اور ان کی مجلس کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا اور گھر جا کر ان کی تقریروں کے تمام نوشتے اونٹوں پر لاد کر بھجوا دیے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۳)

امام مسلم کی کتاب زندگی کا یہ بڑا ہی درخشاں باب ہے کہ انہوں نے پوری زندگی کسی کی غیبت نہیں کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۸)

وفات:۔

زندگی کے آخری ایام تک حدیث رسول کی تلاش و جستجو کا حیرت انگیز انہماک قائم رہا ایک دن مجلس مذاکرہ میں امام مسلم سے ایک حدیث کے بارے میں استفسار کیا گیا اس وقت آپ اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ گھر آ کر اپنی کتابوں میں اس کی تلاش شروع کر دی قریب ہی کھجوروں کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا امام مسلم حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور کو اٹھا کر کھاتے رہے حدیث تلاش کرنے میں امام مسلم کے استغراق و انہماک کا یہ عالم تھا کہ کھجوروں کی مقدار کی

جانب آپ کی توجہ نہ ہو سکی اور حدیث ملنے تک کھجوروں کا سارا ٹوکرا خالی ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں کا زیادہ کھالینا ہی ان کی موت کا سبب بن گیا اس طرح ۲۴ رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن شام کے وقت علم حدیث کا درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا اور دوسرے دن اس عظیم محدث کو ہزاروں سوگواروں نے نماز جنازہ کے بعد سپرد خاک کر دیا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴)

ابو حاتم رازی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مسلم کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے اور میں اس میں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۹)

(۴۰) حضرت امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم رازی مخزومی رضی اللہ عنہ

۲۰۰ھ ـ ۲۶۴ھ

اسم گرامی عبید اللہ کنیت ابوزرعہ سلسلہ نسب یہ ہے عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فروخ مخزومی رازی۔ آپ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ایران کے مشہور تاریخی شہر رَے میں ہوئی جسے آج قم کہا جاتا ہے۔ یہ شہر علمی و ثقافتی اعتبار سے کافی مشہور تھا ہے۔ مجوسی اسے تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسلامی قلمرو میں داخل ہونے کے بعد بھی اسے دفاعی و فوجی اعتبار سے مرکزیت حاصل تھی اور دعوت و تبلیغ کا بھی مرکز تھا۔ چوں کہ یہ شہر خراسان اور ماوراء النہر سے بلاد عربیہ کی طرف آنے والوں کی گذرگاہ پر واقع تھا اس لیے یہاں بکثرت علماء وارد ہوا کرتے تھے جس سے اسے علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

امام رامہرمزی فرماتے ہیں "ھی من مراکز العلمیة التی کان المحدثون یشدون الرحال الیھا طلبا لتدوین الحدیث عن علماء ھا" یہ ان علمی مراکز میں سے ہے جس کی طرف محدثین وہاں کے علماء سے کتابت علم و حدیث کے لیے سفر کرتے تھے"۔ (ابوزرعہ الرازی وجھودہ فی السنۃ ج ۱ ص ۳۸)

اس مردم خیز خطہ میں بڑے بڑے علماء و محدثین پیدا ہوئے جو اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ انہیں میں امام ابوزرعہ رازی بھی ہیں۔ آپ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ چچا اسماعیل بن یزید اور محمد بن یزید بڑے بڑے عالم تھے۔ والد عبد الکریم صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ اہل علم اور علماء کے قدرداں تھے اور ان کی مجلسوں میں شریک رہتے تھے۔ وہ اپنے فرزند کو

یک بڑا عالم بنانا چاہتے تھے چنانچہ ان کی کنیت دمشق کے مشہور عالم ابوزرعہ دمشقی کی کنیت پر رکھی اور پ کی پرورش اس انداز سے کی کہ صغر سنی ہی سے طلب علم کا شوق بیدار ہوگیا۔ وہ اپنے فرزند کو علماء حدثین کی مجلسوں میں لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے والد آپ کو عبدالرحمن الدمشقی کی جلس میں لے گئے تو انہوں نے آپ کی فراست کو دیکھ کر فرمایا "ان ابنک ھذا سیکون لہ سان" تمہارے اس بیٹے کی ایک شان ہوگی۔ (مقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۴۹)

وت حفظ وملکۂ علم:۔

ابوزرعہ کو خداوند تعالیٰ نے بڑی شان کا حافظہ عطا فرمایا تھا ذکاوت وذہانت کی دولت یں بھی ممتاز تھے۔ وہ ان اوصاف میں زمانہ کے نمایاں ترین افراد میں سے تھے ان کا حافظہ اتنا ضرب المثل تھا کہ لوگ بلاخوف وتردد اس کی قسم کھا لیتے تھے۔

امام ابوزرعہ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو بات کان میں پڑتی پردۂ ذہن پر ہمیشہ کے لیے نقش وجاتی۔ خود فرماتے ہیں: "ما سمع اذنی شیئا من العلم الا وعاہ قلبی وان کنت لامشی فی سوق بغداد فاسمع من الغرب صوت المغنیات فاضع اصبعی فی اذنی مخافة ان یعیہ قلبی" علم کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو میں نے اپنے کان سے سنا ہو اور میرے دل نے اس کو محفوظ نہ کر لیا ہو۔ اور جب میں بغداد کے بازار سے گزرتا تو گانے والیوں کی آوازیں سنتا تو میں اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتا اس خوف سے کہ کہیں ان گانوں کو میرا قلب محفوظ نہ کر لے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰)

ابوبکر موصلی فرماتے ہیں ہم نے جس کسی شخص کی قوت حافظہ کی شہرت سنی ملاقات کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے متعلق جیسی شہرت تھی وہ خود ایسا نہیں تھا لیکن حضرت ابوزرعہ کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے ان کو ہم نے دیکھا تو وہ اپنی شہرت سے کہیں زیادہ ثابت ہوئے۔ (ایضاً ص ۳۰)

امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے " ماجاوز الجسر افقہ من اسحاق ولا احفظ من ابی زرعة" اس پل کو عبور کرنے والا کوئی شخص اسحاق سے زیادہ فقیہ اور ابوزرعہ سے زیادہ حافظے والا نہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۹)

امام ابوزرعہ سے ایک آدمی نے فتویٰ پوچھا کہ اس نے اس بات پر طلاق دینے کی قسم کھائی ہے کہ آپ کو ایک لاکھ حدیث یاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو ایک لاکھ حدیث یاد نہیں تو میری بیوی کو طلاق آپ بولے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۴)

ابوبکر بن شیبہ کا بیان ہے: " مارایت احفظ من ابی زرعة" میں نے ابوزرعہ سے بڑا حافظہ والا کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

صنعانی کہتے ہیں:" ابوزرعة عندنا یشبہ با حمد بن حنبل "قوت حفظ میں ابوزرعہ ہمارے نزدیک امام احمد کے مشابہ تھے۔ (ایضاً)

تحصیل علم:۔

خاندانی ماحول بے پایاں شوق علم بے نظیر قوت حفظ وضبط اور ذکاوت وذہانت کے ساتھ ابوزرعہ نے جب علم کے کوچہ میں قدم رکھا۔ تو سب سے پہلے آپ نے "ری" اور اس کے قرب وجوار کے علماء اور وہاں سے گزرنے والے محدثین سے استفادہ کیا خود آپ کا بیان ہے کہ "کتبت بالذی قبل ان اخرج الی العراق نحو ثلثین شیخاً" ری سے عراق کی جانب سفر کرنے سے پہلے میں نے وہاں کے تقریباً تیس مشائخ سے حدیثیں لکھیں۔ جب اپنے شہر اور اطراف کے محدثین سے علم حاصل کر چکے تو مزید تحصیل علم کے لیے اکابر محدثین کی روش پر رحلت وسفر کا آغاز کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں طلب علم کے لیے عزیز وطن کو خیر آباد کہا اور کوفہ پہونچے پھر دوسرا سفر آپ نے ۲۲۷ھ میں کیا اور ۲۳۲ھ میں واپس آئے پھر تیسرا سفر کیا اور ساڑھے چار سال تک مختلف دیار وامصار کے شیوخ سے کسب علم کرتے رہے وہ کہتے ہیں:

"اقمت فی خرجت الثالثة بالشام والعراق ومصر اربع سنین وستة اشهر فما اعلم الی طبخت فیها قدر ا بید نفسی" تیسرے سفر میں جب شام، عراق اور مصر کی جانب میں نکلا تو ساڑھے چار سال تک قیام کیا اس وقفے میں (طلب علم کی خاطر) میں نے کبھی اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں پکایا۔ (المحدث الفاصل ص ۲۳۰)

ان علمی اسفار میں آپ نے علم اور علماء کے جن دیار کا رخ کیا ان میں بلاد خراسان نیشاپو کے علاوہ حجاز، شام، عراق اور مصر کے علمی مراکز شامل ہیں، خصوصاً بغداد، کوفہ، بصرہ اور حرمین کا آ نے بار بار رخ کیا۔ (ابوزرعہ رازی وجہودہ فی السنة ج ۱ ص ۸۱) آپ اپنے شیوخ سے حدیثیں سن کر بند بھی کر لیا کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں "کتبت عن ابن ابی شیبة مائة الف حدیث و ابراهیم بن موسیٰ رازی مائة الف" میں نے ابن ابی شیبہ سے ایک لاکھ اور ابراہیم بن مو رازی سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۴)

مختلف دیار وامصار کی سیاحت ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بے شمار شیو

واساتذہ سے طلب علم کیا تھا جن کی تعداد معلوم کرنا آج مشکل ہے چند اہم شیوخ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

ابو عاصم، ابو نعیم، قبیصہ بن عقبہ، مسلم بن ابراہیم، ابو الولید طیالسی، احمد بن یونس، ثابت بن محمد زاہد، خلاد بن یحییٰ، عبداللہ بن صالح عجلی، قعنبی، محمد بن سعید بن سابق، ابو ثابت مدنی، ابراہیم بن شماس، حسن بن بسر عجلی، ابو سلمہ قبودکی، حسن بن ربیع بورانی، حکم بن موسیٰ، صفوان بن صالح، سعید بن داؤد، عبدالرحمٰن بن شیبہ، علی بن الحمید معینی، محمد بن صلت اسدی یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، محمد بن امیہ ساوی، منجاب ابن حارث، عبدالرحیم بن مطرف سروجی، ہشام بن خالد ازرق۔ (تہذیب ج ۷ ص ۲۸)

حدیث:۔

قوت حفظ وضبط اور تلاش وجستجو، رحلت وسفر کی کثرت کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کی احادیث کی تعداد حیرت انگیز طور پر کافی ہوگئی جلیل القدر محدث امام احمد بن حنبل نے ایک مرتبہ فرمایا کل صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ سے بھی کچھ زائد ہے ان میں سے چھ لاکھ حدیثیں اس نوجوان یعنی ابوزرعہ کو یاد ہیں۔

”صح من الحديث سبع مائة الف حديث وكسر وهذا الفتىٰ يعنى ابا زرعة قد حفظ سة مائة الف حديث“ (تہذیب ج ۷ ص ۳۰)

ابوحاتم اعلانیہ کہا کرتے تھے ” وما خلف بعده مثله علماً وفقهاً وصيانة وصدقاً ولا اعلم فى المشرق والمغرب من كان يفهم هذا الشان مثله “(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰)

علم، فقہ، فہم، صیانت، صدق میں ابوزرعہ نے اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ میرے علم میں مشرق ومغرب کا کوئی محدث ایسا نہیں ہے جو حدیثوں کے پہچاننے میں ابوزرعہ کا ہمسر ہو سکے۔ ابوزرعہ خود فرمایا کرتے تھے ”احفظ مائة الف حديث كما يحفظ الانسان قل هو الله احد“ (ایضاً) مجھے ایک لاکھ حدیثیں تو اس طرح یاد ہیں جس طرح کسی شخص کو سورہ قل ھو اللہ شریف یاد ہوتی ہے۔

❁ ابوزرعہ فرمایا کرتے تھے ” انا احفظ عشرة آلاف حديث فى القراء ات“ کہ میں دس ہزار حدیثیں قرأت میں یاد رکھتا ہوں یعنی جب چاہوں بیان کردوں۔ (تہذیب ج ۷ ص ۲۹)

آپ کی علمی جلالت کا اعتراف بڑے بڑے اکابر علم نے کیا ہے۔

❁ خطیب بغدادی: ”كان اماماً ربانياً، حافظاً، مكثراً، صادقاً“ ابوزرعہ امام ربانی، حافظ، مکثر الحدیث صادق تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۹)

❁ عبداللہ بن احمد ابن حنبل: "لما قدم ابو زرعة نزل عند ابی و کان کثیر المذاکرة له فسمعت ابی یقول یوما ما صلیت غیر الفرض استأ صرت بمذاکرة ابی زرعة" (ایضا) ایک دفعہ امام ابوزرعہ ہمارے یہاں تشریف لائے تو میرے والد کہنے لگے بیٹا! میں اپنے نوافل کے بجائے اس شیخ کے ساتھ علمی مذاکرہ کو غنیمت سمجھتا ہوں۔

امام نسائی نے ثقہ، ابوحاتم نے امام کہا ہے۔ (ایضاً)

❁ محمد بن یحییٰ: "لا یزال المسلمون بخیر ما ابقی اللہ لھم مثل ابی زرعة" مسلمان اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک ان کے اندر اللہ تعالیٰ ابوزرعہ جیسے لوگوں کو زندہ رکھے گا۔ (ایضاً)

❁ ابوبکر بن ابی شیبہ: "مارأیت احفظ من ابی زرعة" میں نے ابوزرعہ سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۴)

❁ صغانی:۔ ابو زرعة عندنا یشبه باحمد بن حنبل۔ ابوزرعہ ہمارے نزدیک امام احمد سے مشابہ تھے۔ (ایضا)

❁ علی بن جنید: "مارأیت اعلم من ابی زرعه" میں نے ابی زرعہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا (ایضا)

❁ ابویعلی موصلی: "کان ابو زرعة مشاھدته اکبر من اسمه یحفظ الابواب والشیوخ التفسیر" ابوزرعہ کا دیکھنا ان کی غائبانہ ناموری سے بہت زیادہ ہے ان کے پاس مسائل رجال اور تفسیر کا بہت زیادہ علم محفوظ تھا۔ (ایضاً)

❁ عبدالواحد ابن غیاث: "ماراٰی ابو زرعة مثل نفسه" ابوزرعہ نے اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا" (ایضاً ص ۲۵)

❁ ابواسحٰق راہویہ: "کل حدیث لا یعرفه ابو زرعة لیس له اصل" یعنی ہر وہ حدیث جس کو ابوزرعہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ (مقدمۃ الکامل ج ۱ ص ۱۴۱)

❁ ابن حبان: "کان احد ائمة الدنیا فی الحدیث مع الدین والورع والمواظبة علی الحفظ والمذاکرة و ترک الدنیا" حدیث کے علم، تدوین، ورع، علمی مذاکرہ اور علمی مصروفیت وانہماک اور ترک دنیا ومافیہا کے اعتبار سے حضرت ابوزرعہ دنیا کے اماموں میں سے تھے۔ (تہذیب ج ۷ ص ۳۰)

- ابن عماد حنبلی: وہ حافظ اور بلند مرتبہ امام تھے (شذرات ج ۲ ص ۱۴۴)
- حافظ ذہبی: "الامام حافظ العصر" (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۴)

فضلک رازی کا بیان ہے میں مصر میں حضرت ربیع کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ ان سے سماع حدیث کروں۔ انہوں نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا "رے" سے یہ سن کر فرمایا اللہ تمہاری اصلاح کرے بھلا تم ابوزرعہ کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو؟ ابوزرعہ تو اللہ کی ایک نشانی ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو آیہ (نشانی) بناتا ہے تو اس کی شکل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۳۰)

احتیاط:۔

غیر معمولی قوت حفظ وضبط کے باوجود محض اپنے حافظہ پر انہیں کامل اعتماد نہ تھا بلکہ جو کچھ سنتے اسے تحریر کر لیتے اور پھر بوقت ضرورت اس سے کام لیتے تھے اگر چہ پچاس پچاس سال پہلے کی لکھی ہوئی حدیثیں ان کو یاد تھیں اور ان کو اس مدت میں دوبارہ کتاب اٹھا کر دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا لیکن اس کے باوجود ان کو خوب یاد تھا کہ کون سی حدیث کس کتاب کے کس صفحہ اور سطر میں ہے۔ ابوجعفر تسری کا بیان ہے: "**سمعت ابا زرعة یقول ان فی بیتی ما کتبته منذ خمسین سنةً و لہ الطالعہ منذ کتبته وانی اعلم فی ای کتاب ھو فی ابی ورقة ھو فی ای صفح ھو ، فی ای سطر ھو** "ابوزرعہ کہتے ہیں بے شک میرے گھر میں حدیث کے وہ تمام نوشتے موجود ہیں جو میں نے پچاس سال پہلے لکھے ہیں۔ اور جب سے میں نے انہیں لکھا ہے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا۔ پھر بھی میں جانتا ہوں کہ وہ حدیث کس کتاب میں ہے، کس ورق میں ہے، اور کس صفحہ میں ہے اور کس سطر میں ہے (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰)

مگر احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی راوی کی تغلیط کتاب دیکھے بغیر نہ کرتے ایک بار محمد بن مسلم اور فضل بن عباس دونوں نے کسی حدیث میں اختلاف کیا اور فیصلہ کے لئے ابوزرعہ کے پاس آئے ان میں سے ہر ایک اپنی روایت کو صحیح اور دوسرے کی روایت کو منکر قرار دیتا تھا محمد بن مسلم نے حضرت ابوزرعہ سے پوچھا ہم میں کون خطا پر ہے اور کون صواب پر ہے آپ خاموش رہے ابن مسلم نے دوبارہ کہا آپ کیوں نہیں بولتے؟ آپ نے اس بار بھی تغافل برتا۔ جب اصرار بڑھا کہ آپ خطا و صواب کا فیصلہ کر دیں آخر میں فرمایا میرے بھتیجے ابوالقاسم کو بلاؤ وہ آئے تو فرمایا تم میرے کتب خانہ میں جاؤ پہلی دوسری تیسری الماری چھوڑ کر چوتھی الماری دیکھو اس میں سے سترہواں جزء نکال کر

لاؤ۔ جب مطلوبہ جزء آ گیا تو آپ نے اوراق گردانی کر کے متنازعہ فیہ حدیث نکالی اور محمد بن مسلم کے سامنے رکھ دی محمد بن مسلم نے قرأت کی تو پتہ چلا کہ دونوں غلطی پر تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۳۰)

جرح وتعدیل:

امام ابوزرعہ رازی کثرت حدیث کے ساتھ ساتھ فن اسماء الرجال اور نقد رواۃ میں بھی ملکہ رکھتے تھے۔ انہیں جرح وتعدیل میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ آپ کے اقوال جرح وتعدیل کے سلسلے میں بڑے اہم سمجھے جاتے ہیں۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”یعجبنی کثیر الکلام ابی زرعة فی الجرح و التعدیل بین علیه الورع و الخبرة بخلاف رفیقه ابی حاتم فانه جراح“ یعنی امام ابوزرعہ کا کلام جو جرح وتعدیل کے سلسلے میں ہے مجھ کو بہت پسند ہے ان کے کلام پر تقویٰ و تجربہ واضح ہے بخلاف ان کے دوست ابوحاتم کے وہ بڑے جراح ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۸۱)

آپ نے امام ابو حاتم کے اشتراک سے امام بخاری کی کتاب تاریخ کبیر“ پر نقد کی نیز آپ کی کتاب الضعفاء اور امام برزعی کے سوالات کا جواب اسی فن جرح وتعدیل سے متعلق ہیں۔ جو آپ کے علم کی عکاسی کرتے ہیں۔

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

حضرت ابوزرعہ نے ۲۷ ؍سال کی عمر ہی سے حدیث کا درس دینا شروع کر دیا تھا ابوحفص عمر بن مقلاص کا بیان ہے ابوزرعہ ۲۲۹ھ میں مصر آئے انہوں نے ابن بکیر، عمرو بن خالد اور دوسرے شیوخ سے سماع کر لیا تو ان کے پاس اصحاب حدیث جمع ہو گئے ابوزرعہ نے ان سب کو حدیث املا کرائی جب کہ ان کی عمر ۲۷ ؍برس تھی۔

یزید بن عبدالصمد ذکر کرتے ہیں حضرت ابوزرعہ ہمارے شہر میں تشریف لائے تو ان کے ارد گرد مستفیدین کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا آپ جب واپس جانے لگے تو میں نے کہا حضرت اب یہاں کے حلقہ کے لئے آپ مجھے اپنا قائم مقام بنا دیجیے تو آپ نے مجھے جانشین بنا دیا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۲۸)

رے میں ابوزرعہ کا حلقۂ درس بڑا وسیع ہو گیا تھا لوگ دور دور سے ان کی خدمت میں سماع حدیث کے لئے حاضر ہوتے تھے آپ سے علم حاصل کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اسحاق بن موسیٰ انصاری، خرملہ بن یحییٰ، ربیع بن سلیمان، محمد بن حمید رازی، عمرو بن علی، یونس بن عبد الاعلیٰ، ابو حاتم، ابو زرعہ دمشقی، ابراہیم حربی، محمد بن عوف طائی، سعید بن عمرو اذرعی، صالح بن محمد جزرہ، عبد اللہ بن احمد، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، ابو القاسم بن محمد بن عبد الکریم، ابو عوانہ اسفرائنی، موسیٰ بن عباس جوینی، عمر بن عبد العزیز مقلاص، ابو بکر بن ابی داؤد، عبد اللہ بن محمد بن وہب دینوری، ابو یعلی الموصلی، قاسم بن زکریا مطرز، علی بن حسین بن جنید، ابو بکر بن زیادونیساپوری، محمد بن حسین بن حسن بن قطان۔ (تہذیب ج ۷ ص ۲۹)

سیرت و کردار:۔

علمی جلالت کے ساتھ آپ کے زہد و اتقاء کا اعتراف بھی لوگ بڑی فراخدلی سے کیا کرتے تھے یونس بن عبد الاعلیٰ کہتے ہیں "ما رایت اکثر تواضعاً من ابی زرعۃ" میں نے امام ابو زرعہ سے زیادہ متواضع آدمی نہیں دیکھا ابو حاتم کا بیان ہے "ما خلف ابو زرعۃ بعدہ مثلہ لا اعلم من کان یفھم ھذا الشان مثلہ وقل من رایت فی زھدہ" ابو زرعہ نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا ان جیسا زاہد میں نے کم ہی دیکھا ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۵)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ابو زرعہ حفظ و ذکاء، دین و اخلاص اور علم و عمل کے اعتبار سے زمانہ کے یکتا بزرگوں میں سے تھے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۵)

ابو بکر مقری نے ایک بار حضرت ابو زرعہ کا تذکرہ کیا کسی نے دریافت کیا ابو بکر کیا ابو زرعہ ان حفاظ حدیث میں سے تھے جن کو آپ نے دیکھا سائل نے یہ کہہ کر ان حفاظ کا نام بھی لیا ابو بکر نے فرمایا ابو زرعہ تو ان سب حفاظ سے اعلیٰ تھے کیوں کہ وہ حفظ حدیث کے ساتھ تقویٰ و طہارت کے بھی جامع تھے اس لحاظ سے وہ امام احمد بن حنبل کے مشابہ تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۳۳)

حمدون برذعی ابو زرعہ کے پاس حدیث لکھنے رے آئے لیکن جب وہ ان کے مکان میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں عمدہ عمدہ قیمتی برتن اور فرش و فروش دیکھے یہ سب چیزیں دراصل ابو زرعہ کے بھائی کی ملکیت تھیں لیکن حمدون کو غلط فہمی ہوئی اور متنفر ہو کر سماع حدیث کیے بغیر ہی گھر سے واپس لوٹ آئے اور وطن کی مراجعت کا ارادہ کر لیا رات میں خواب دیکھا کہ وہ ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہیں اور پانی میں کسی انسان کا عکس پڑ رہا ہے اس عکس سے آواز آئی اے حمدون تم ابو زرعہ سے کنارہ کشی کرتے ہو کیا تم کو معلوم نہیں کہ امام احمد بن حنبل ابدال میں سے تھے جب ان کی

وفات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب و مقام پر ابوزرعہ کو فائز کردیا۔ (ایضاً)

وہ عالم ربانی تھے وہ عبادت وریاضت میں بسا اوقات مصروف رہتے اس میں ان کو اس درجہ انہماک ہوتا تھا کہ گردوپیش کی تمام چیزوں سے بے خبر رہتے انہوں نے اپنے وطن کی مسجد میں بیس سال تک نماز پڑھی تھی اس مسجد کی محراب میں کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی لیکن انہوں نے بیس سال تک نماز اس مسجد میں پڑھنے کے باوجود اس عبارت کو نہیں دیکھا تھا ایک دفعہ علماء حدیث کی ایک جماعت مسجد میں آپ کی زیارت کے لیے آئی اور انہوں نے محراب میں لکھی ہوئی عبارت کو دیکھ کر دریافت کیا محرابوں میں کچھ لکھنے کی نسبت آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے اسلاف کی ایک جماعت اس کو مکروہ سمجھتی تھی یہ لوگ بولے تو پھر آپ کی مسجد میں یہ عبارت کیوں لکھی ہوئی ہے کیا آپ اس سے باخبر نہیں؟ فرمایا سبحان اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں اللہ کے حضور میں حاضر ہو پھر وہ اپنے سامنے کی چیزوں کو بھی جانے۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۴۰) صبر وتحمل دوسرے کی عیب پوشی کا حد درجہ خیال رکھتے لوگوں کی غلطیوں پر تنہائی میں متنبہ کرتے۔

وفات:۔

مرض الموت میں جب نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو پاس ہی ابوجعفر تستری، ابوحاتم رازی، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان دیگر علماء عہد موجود تھے ان حضرات نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت ابوزرعہ کو کلمۂ شہادت تلقین کرنا چاہیے لیکن آپ کی جلالت شان اور عظمت کے باعث تلقین کرتے ہوئے شرم آتی تھی آخر تدبیر یہ سوچی کہ اسی حدیث کا تذکرہ کریں اس طرح خود بخود ان کو تلقین ہو جائے گی چنانچہ ان علماء نے حدیث کی اسناد پڑھنی شروع کی لیکن کوئی اسے مکمل نہ کرسکا حضرت ابوزرعہ نے اسی عالم میں پوری اسناد پڑھ کر سنائی اور اس کے بعد حدیث شروع کی "عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ" اتنا کہتے ہی طائر روح عالم قدس کی طرف پرواز کر گیا اور آپ حدیث نبوی کے بموجب "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" یعنی جس کی زبان سے بوقت مرگ آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا" جنتی ہوئے۔ ابوزرعہ کتنے خوش نصیب تھے اور حدیث شریف سے آپ کی پاکیزہ روح کو کتنا گہرا لگاؤ اور والہانہ تعلق تھا کہ موت کی آخری سانس تک بھی علم وعمل کا ساتھ رہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰)

سانحۂ ارتحال ذی الحجہ ۲۶۴ھ میں بمقام رے پیش آیا اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔

(۴۱) حضرت امام محمد ابن ماجہ رضی اللہ عنہ

۲۰۹ھ ۲۷۳ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابو عبد اللہ لقب حافظ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن یزید بن عبد اللہ بن ماجہ ربعی قزوینی ماجہ آپ کے باپ کا لقب تھا۔ اس سلسلے میں مورخین کا اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا جس کی تائید علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے قاموس میں علامہ ابو الحسن سندھی نے ابن ماجہ کی شرح میں شاہ عبد العزیز نے عجالہ میں قزوین کے مشہور مورخ حافظ خلیلی نے اور محدث رافعی نے تاریخ قزوین میں اور امام ابن ماجہ کے شاگرد خاص حافظ ابو الحسن بن قطان نے کی ہے۔ شاہ عبد العزیز عجالہ نافعہ میں لکھتے ہیں "ماجه لقب پدر ابو عبد الله است نه لقب جداو نه نام مادر او" (عجالۂ نافعہ ص ۲۳)

آپ کی ولادت عراق عجم کے مشہور شہر قزوین میں ۲۰۹ھ میں ہوئی۔ آپ نسلاً عجمی تھے قبیلہ ربیعہ کی طرف نسبت ولاء کرتے ہوئے ربعی کہلاتے ہیں۔

تحصیل علم:۔

ابن ماجہ کا زمانہ علم حدیث کی ترقی واشاعت کا زریں عہد تھا اس علم میں کمال پیدا کرنا ہی علمی حلقوں میں فضیلت کا معیار تھا چنانچہ امام صاحب نے ابتدائی تعلیم کے بعد دیگر بلاد وامصار کی سیاحت وسفر بغرض سماع حدیث شروع کی۔ ابن خلکان کا بیان ہے: "ارتحل الى العراق والبصرة والكوفة وبغداد ومكة والشام ومصر والرى لكتب الحديث" ابن ماجہ نے کتابت حدیث کے لیے عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، شام، مصر اور رَے کا سفر کیا۔ (وفیات ج ۲ ص ۳۶۳)

شاہ عبد العزیز کے مطابق ابن ماجہ کو عراق، بصرہ، بغداد، مکہ، مدینہ، شام، مصر، واسط رے اور دوسرے اسلامی شہروں میں سفر کا اتفاق ہوا۔ (بستان المحدثین ص ۱۹۱)

آپ نے کثیر شیوخ حدیث سے سماع کیا چند اساتذہ کے نام یہ ہیں:

محمد بن عبد اللہ بن نمیر، حیارہ بن مغلس، ابراہیم بن منذر الحزامی، عبد اللہ بن معاویہ، ہشام بن عمار، محمد بن رمح، داؤد بن رشید۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۹) ابو بکر بن ابی شیبہ، احمد بن عبدہ، نصر بن علی، ابو مروان محمد بن عباد، عباس بن عبد العظیم، عبد اللہ بن عامر، ابو خیثمہ، زبیر بن حرب، عثمان بن ابی

شیبہ، عبداللہ بن احمد، اسماعیل بن بشر، یحیٰی بن حکیم۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۳۱۵)

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

ان اہم ترین شیوخ سے کسب فیض کے بعد ابن ماجہ نے علم حدیث میں وہ رتبہ بلند پالیا تھا جس کا تقاضا تھا کہ آپ کی بارگاہ طالبان حدیث کا مرجع بن جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ سے بے شمار لوگوں نے حدیثیں سنیں اور روایت کیں جن میں اکابر، معاصر، اصاغر، سبھی شامل ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

علی بن سعید بن عبداللہ غدانی، ابراہیم بن دینار جرشی، احمد بن ابراہیم قزوینی، ابوطیب احمد بن روح شعرانی، اسحاق بن محمد قزوینی، جعفر بن ادریس، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید قزوینی، محمد بن عیسیٰ صفار، ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ قزوینی، ابوعمرو احمد بن محمد بن حکیم مدنی۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۶۸) محمد بن عیسیٰ ابہری، احمد بن مدح بغدادی، ابوبکر حامدی۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۳۱۵)

فضل وکمال:۔

امام ابن ماجہ نے حدیث، علوم حدیث، تاریخ وتفسیر میں جو کمال پیدا کرلیا تھا اس کا اعتراف علماء اور ارباب سیر نے کیا ہے۔

- ابن خلکان: "كان اماماً في الحديث عارفا بعلومه وجميع ما يتعلق به" ابن ماجہ حدیث کے امام تھے اور علوم حدیث کے جاننے والے اور ان تمام فنون کا درک رکھتے تھے جو حدیث سے متعلق ہیں۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۶۳)
- ابویعلیٰ خلیلی: "ثقة كبير متفق عليه محتج به له معرفة بالحديث وحفظ وله مصنفات في السنن والتفسير والتاريخ" وہ ثقہ کبیر ہیں ان کی جلالت علم پر سب کا اتفاق ہے وہ حجت ہیں اور علم حدیث میں انہیں گہری معرفت ہے اور وہ حافظ حدیث ہیں۔ سنن، تفسیر اور تاریخ میں ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۶۸)
- حافظ ذہبی: "الحافظ الكبير المفسر صاحب السنن والتفسير والتاريخ ومحدث تلك الديار" الحافظ الکبیر امام، سنن، تفسیر اور تاریخ کے مصنف اور ملک خراسان کے محدث ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۹)
- ابن جوزی: وہ حدیث وتاریخ اور تفسیر کے ممتاز ماہر تھے۔

- **ابوالقاسم رافعی:** ائمہ مسلمین میں ابن ماجہ بھی ایک بڑے معتبر امام ہیں۔ ان کی مقبولیت پر سب کا اتفاق ہے۔
- **ابن اثیر:** وہ ذی عقل، صاحب علم اور امام حدیث تھے۔
- **جلال الدین تغری:** ابن ماجہ امام حجت اور ناقد حدیث تھے۔
- **ابن ناصر الدین:** مشہور علماء اسلام میں ایک ابن ماجہ بھی ہیں وہ حدیثوں کے حافظ اور اس میں نہایت معتبر اور بلند پایہ شخص تھے۔

تصانیف اور سنن:۔

امام ابن ماجہ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی تین اہم کتابیں مشہور ہیں۔ سنن ابن ماجہ، تفسیر ابن ماجہ، التاریخ، تاریخ ابن ماجہ عہد رسالت سے لے کر مصنف کے زمانہ تک کی مبسوط تاریخ ہے حافظ ابن طاہر مقدسی کہتے ہیں میں نے قزوین میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا لیکن اب یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ یہ کتاب امام ابن ماجہ کے درک فی التاریخ کی دلیل ہے تفسیر قرآن میں ان کی ایک نادر کتاب تھی ابن کثیر لکھتے ہیں "ولابن ماجه تفسير حافل" اب یہ کتاب ناپید ہے اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہ کو تفسیر اور علوم قرآنیہ میں دستگاہ حاصل تھی۔ مگر ان کا خاص میدان علم حدیث تھا اور اسی فن میں انہیں شہرت دوام حاصل ہوئی آپ کی سنن کے سامنے بہت سے حدیثی مجموعے پھیکے پڑ گئے، سنن ابن ماجہ میں ایک ہزار پانچ سو ابواب ہیں جس میں چار ہزار احادیث ہیں جب امام ابن ماجہ اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اسے حافظ ابوزرعہ کے سامنے پیش کیا وہ اسے دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ میں پہونچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع مصنفات بے کار و معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ ابن ماجہ فرماتے ہیں:

عرضت هذه السنن علىٰ ابی زرعة فنظر فيه و قال اظن ان وقع هذا فی ایدی الناس تعطلت هذه الجوامع او اکثرها۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں "كتابه فی السنن جامع جيد كثير الابواب والغرائب و فيه احاديث ضعيفة جداً" ابن ماجہ کی کتاب سنن میں جامع، عمدہ، کثیر الابواب والغرائب ہے اور اس میں بہت سی ضعیف حدیثیں ہیں۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۶۸)

ابن کثیر کہتے ہیں۔ صاحب کتاب السنن المشہورۃ "وهي دالة على عمله و علمه و

تبحرہ واطلاعہ واتباعہ للسنۃ فی الاصول و الفروع" ابن ماجہ مشہور کتاب سنن کے مصنف ہیں اور یہ کتاب ان کے عمل، علم، تبحر اور اطلاع اور اصول وفروع میں ان کے اتباع سنت کی دلیل ہے۔

(ابن کثیر ج ۱۱ ص ۵۲)

سنن ابن ماجہ کی قبولیت کا بنیادی سبب روایات کا حسن انتخاب ہے۔

ابواب کی فقہی رعایت سے اور ترتیب احادیث سے مسائل کو واضح کرتے ہیں استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی کے مطابقت نے بھی سنن ابن ماجہ کے حسن کو نکھارا ہے

سنن ابن ماجہ کی بعض اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

☆ سنن ابن ماجہ میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو دیگر کتب صحاح میں موجود نہیں ہیں

☆ حسن ترتیب میں وہ تمام کتب صحاح پر فائز ہے

☆ عدم تکرار اور اختصار کے باوصف وہ انتہائی جامع کتاب ہے اور دوسری کتابوں کے مقابل زیادہ مسائل ومعلومات پر مشتمل ہے بعض مقامات پر حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کی گئی ہے

☆ اس کی مرویات مسائل واحکام سے متعلق ہیں فضائل ومناقب سے متعلق احادیث نہیں سنن ابن ماجہ کا شمار صحاح ستہ میں ہیں یا نہیں؟ اس باب میں علماء اسلام کے درمیان اختلاف رہا ہے پانچویں صدی کے آخر تک صحاح کی بنیادی کتابوں میں صرف پانچ کتابیں، بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، کا شمار ہوتا تھا۔ شیخ بن صلاح اور علامہ نووی نے بھی انہیں پانچوں کا شمار صحاح میں کیا ہے۔ سب سے پہلے۔ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی نے ابن ماجہ کی افادیت واہمیت کے پیش نظر اپنی کتاب شروط الائمۃ الہمہ میں ابن ماجہ کی شروط سے بھی بحث کی اور ان کی سنن کو بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ ملا کر صحاح کی اصل چھ کتابیں قرار دیں اسی دور میں حافظ طاہر کے معاصر محدث رزین بن معاویہ مالکی نے اپنی کتاب التجرید لصحاح والسنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ اور مؤطا امام مالک کو لاحق کر دیا اس کے بعد اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے یا مؤطا امام مالک۔ اہل مغرب مؤطا کو ترجیح دیتے تھے اور اہل مشرق سنن ابن ماجہ کو لیکن متاخرین نے سنن ابن ماجہ کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب علماء ملت کی غالب اکثریت صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہی کو قرار دیتی ہے (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۳۲۴)

علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہے اور متاخرین کی غالب اکثریت اس بات پر ہے کہ سنن ابن ماجہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے۔

سنن ابن ماجہ پر دیگر صحاح کی طرح ہر دور میں شروح وحواشی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کا کام ہوتا رہا ہے جو اس کتاب کی مقبولیت واہمیت اور افادیت کا واضح ثبوت ہے شرح سنن ابن ماجہ حافظ علاء الدین مغلطائی۔ شرح ابن ماجہ حافظ برہان الدین حلبی، الدیباجہ علی سنن ابن ماجہ شیخ کمال بن محمد بن موسیٰ، مصباح الزجاجہ حافظ جلال الدین سیوطی۔ شرح سنن ابن ماجہ، حافظ ابوالحسن محمد بن عبدالباری، شرح ابن ماجہ شیخ سراج احمد فاروقی سرہندی بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

اخلاق وکردار:۔

امام ابن ماجہ فضل وکمال کی طرح تدین وتقویٰ اور زہد وصلاح کے بھی جامع تھے احکام شریعت کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے اور اصول وفروع میں پورے طور پر متبع سنت تھے اس پر خود ان کی سنن شاہد ہے

وفات:۔

ابن ماجہ نے دوشنبہ رمضان المبارک ۲۷۳ھ کو ۶۴ رسال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا دوسرے دن سہ شنبہ کو تجہیز وتکفین ہوئی آپ کے بھائی ابوبکر نے نماز جنازہ پڑھائی بیٹے عبداللہ اور آپ کے دو بھائیوں نے لحد میں اتارا۔

(۴۲) حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ

اسم گرامی سلیمان، کنیت ابوداؤد۔ سلسلۂ نسب یہ ہے سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمر ازدی سجستانی آپ کی ولادت سجستان کے اندر ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ ارباب سیر وتاریخ نے سجستان کے محل وقوع میں اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ سجستان بصرہ کے قریب ایک قریہ ہے جہاں ابوداؤد پیدا ہوئے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سجستان ایک شہر کا نام ہے۔ قندھار کے قریب سندھ وہرات کے درمیان واقع ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:

ابن خلکان نے جو یہ لکھا ہے کہ " نسبتہ الیٰ سجستان او سجستانۃ قریۃ من قری البصرۃ" (ان کی نسبت سجستان یا سجستانہ کی طرف ہے جو بصرہ کا ایک قریہ ہے) اس نسبت کی تحقیق میں ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے حالانکہ ان کو تاریخ دانی اور تصحیح انساب ونسب میں کمال

حاصل ہے چنانچہ شیخ تاج الدین سبکی ان کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وھذا وھم والصواب انہ نسبة الی الاقلیم المعروف المتاقم لبلاد الھند" یہ ان کا وہم ہے صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت اس اقلیم کی طرف ہے جو ہند کے پہلو میں واقع ہے یعنی یہ سیستان کی طرف نسبت ہے جو سندھ وہرات کے مابین مشہور ملک ہے اور قندھار کے متصل واقع ہے اور چشت جو بزرگان چشتیہ کا وطن ہے وہ بھی اس ملک میں واقع ہے۔ پہلے زمانہ میں بست اس ملک کا پایہ تخت تھا عرب لوگ اس ملک کی نسبت میں کبھی سنجری بھی کہہ دیتے ہیں۔ (بستان المحدثین ۱۸۰،۸۱)

تحصیل علم:۔

امام ابو داؤد نے خوش قسمتی سے تاریخ اسلام کا وہ عہد زریں پایا تھا جو حدیث کی ترقی وعروج کا زمانہ تھا ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے دور دراز بلاد اسلامی کا سفر کیا اور اسلامی ممالک کے مشہور شیوخ حدیث سے علم حاصل کیا اور اس ضمن میں بغداد، مصر، شام، حجاز، عراق میں کافی دنوں تک قیام پذیر رہے۔

ابن خلکان تحریر کرتے ہیں:" طوف البلاد وکتب عن العراقیین والخراسانیین والشامیین والمصریین والجزریین" انہوں نے شہروں کا گشت لگایا عراقی، خراسانی، شامی، مصری اور جزری محدثین سے حدیثیں قلم بند کیں"۔ (وفیات الاعیان ج۱ ص۳۸۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ وغیرہا میں خصوصیت کے ساتھ کثرت سے گشت کر کے علم حدیث حاصل کیا۔ حفظ حدیث، اتقان روایت، عبادت وتقویٰ اور صلاح واحتیاط میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ (بستان المحدثین ص۱۸۱)

امام صاحب نے اپنے عہد کے بیشمار محدثین سے سماع کیا ان کے شیوخ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں " شیوخہ فی السنن وغیرھا نحو من ثلاث مائة نفس" سنن وغیرہ میں ان کے شیوخ کی تعداد ۳۰۰ کے قریب ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۴ ص۱۵۱)

کچھ اہم شیوخ حسب ذیل ہیں:

ابو سلمہ تبوذکی، ابو الولید طیالسی، محمد بن کثیر عبدی، مسلم بن ابراہیم، ابو عمر حوضی، ابو توبہ حلبی، سلیمان بن عبد الرحمٰن دمشقی، سعید بن سلیمان واسطی، صفوان بن صالح دمشقی، ابو جعفر نفیلی، احمد، علی، یحییٰ،

اسحاق، قطن بن نسیر، عبداللہ بن رجاء، احمد بن یونس، ضریر۔ (تہذیب ج ۴ ص ۱۴۹، تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۲)

ابوداؤد کے شوق علم کا یہ حال تھا کہ وہ ایک آستین کشادہ اور دوسری تنگ رکھتے تھے پوچھا گیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کشادہ آستین کتابیں رکھنے کے لیے ہے اور دوسری آستین استعمال میں نہیں آتی اس لیے تنگ ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۳)

فضل وکمال:۔

امام ابوداؤد اپنے زمانہ میں علم حدیث کے عظیم ستون تھے کثرت حدیث اور علوم حدیث کی معرفت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ انہیں اپنے اقران ومعاصرین پر برتری حاصل تھی چنانچہ آپ کے معاصرین اور بعد میں آنے والے علماء ومحدثین نے علم حدیث میں آپ کے کمال کا اعتراف کیا ہے نیز آپ کے زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت عفت وپاکدامنی کی ستائش وتحسین کی ہے۔ ذیل میں ائمہ حدیث اور بعض ارباب تذکرہ کے اقوال درج کیے جاتے ہیں۔

- ابن خلکان: ”احد حفاظ الحدیث وعلمه وعلله وکان فی الدرجة العالیة من النسک والصلاح“ وہ حافظ حدیث تھے اور حدیث وعلل کے جاننے والے اور عبادت وتقویٰ میں بلند درجہ پر فائز تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۸۲)

- ابوبکر خلال: ”ابوداؤد الامام المقدم فی زمانه رجل لم یسبقه الیٰ معرفته بتخریج العلوم ونصره بمواضعه احد فی زمانه رجل ورع مقدم“ ابوداؤد امام اور اپنے زمانہ میں مقدم تھے کوئی ان سے علوم کی تخریج کی معرفت اور اس کے مقام پر اس کی مدد میں سبقت نہ لے گیا۔ وہ اپنے زمانہ میں یکتا اور ورع وتقویٰ میں سب سے آگے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۵۱)

- احمد بن محمد بن یاسین ہروی: ”کان احد حفاظ الاسلام للحدیث وعلمه وعلله وسنده فی اعلیٰ درجة من النسک والعفاف والصلاح والورع“ وہ حافظ حدیث تھے اور سند حدیث اور اس کی علل میں ماہر تھے اور عبادت وپاکدامنی، صلاح اور تقویٰ میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ (ایضاً)

- محمد بن اسحاق صغانی وابراہیم حربی: ” الین لابی داؤد الحدیث کما الین لداؤد علیه السلام الحدید“ ابوداؤد کے لیے علم حدیث کو اس طرح سہل کر دیا گیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا ملائم کر دیا گیا تھا۔ (ایضاً)

- موسیٰ بن ہارون: " **خلق ابو داؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرۃ للجنۃ** " اللہ تعالیٰ نے ابوداؤد کو دنیا میں خدمت حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیا تھا۔ (ایضاً)
- ابوحاتم بن حبان: " **کان احد الائمۃ الدنیا فقھا وعلما وحفظا ونسکا وورعا واتقاناً جمع وصنف وذب عن السنن** " ابوداؤد علم حدیث، علم فقہ، علم وحفظ عبادت وتقویٰ پاکدامنی وخوف خدا میں دنیا والوں کے امام تھے۔ حدیثیں جمع کیں، کتابیں لکھیں اور اس کو آمیزش سے پاک کیا۔ (ایضاً)
- حاکم: " **ابو داؤد امام اھل الحدیث فی عصرہ بلا مدافعۃ** " ابوداؤد اپنے زمانہ میں تمام محدثین کے بلا اختلاف امام تھے۔ (ایضاً)
- موسیٰ بن ہارون: " **ما رایت افضل منہ** " میں نے ان سے افضل شخص نہیں دیکھا۔ (ایضاً ص ۱۵۲)
- مسلمہ بن قاسم: " **کان ثقۃ زاھداً عارفا بالحدیث امام عصرہ فی ذلک** " ابو داؤد، ثقہ، زاہد، حدیث کے جاننے والے اور علم حدیث میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ (ایضاً)
- حافظ ذہبی: **الامام الثبت سید الحفاظ** آپ پختہ کار امام اور حفاظ حدیث کے سردار ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۲)

حلقۂ درس:۔

امام ابوداؤد نے جس طرح علم حدیث کی تحصیل میں کاوش ومحنت کی اسی طرح احادیث رسول کی اشاعت میں پورے اخلاص کے ساتھ کوشش کرتے رہے اس کام کے لیے انہوں نے حلقۂ درس قائم کیا جس میں طالبان علم نبوت بڑے ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کرتے اور اپنے دامن کو مالا مال کر لیتے امام صاحب کا حلقۂ درس کافی وسیع تھا تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

ابوعلی محمد بن احمد بن عمر لولوی، ابوطیب احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن اشنانی، ابوعمرو احمد بن علی بن حسن بصری، ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی، ابوبکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ، ابوالحسن علی بن حسن بن عبد انصاری، ابوعیسیٰ، اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی، رراقہ، ابواسامہ محمد بن عبدالملک بن یزید رواس، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب بصری، ابوبکر احمد بن سلیمان نجار، ابوعبید محمد بن علی بن عثمان آجری، اسماعیل بن محمد صفار، ابوعبدالرحمٰن نسائی، ابوعیسیٰ ترمذی، حرب بن اسماعیل کرمانی، زکریا ساجی، ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال حنبلی، عبداللہ بن احمد بن موسیٰ عبدان رہوازی، ابوبشر

محمد بن احمد دولابی، ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی، ابوبکر بن ابی داؤد، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی دینار، ابراہیم بن حمید بن ابراہیم بن یونس عاقولی، ابوحامد احمد بن جعفر اصفہانی، احمد بن معلّٰی بن یزید، دمشقی، احمد بن محمد بن یاسین ہروی، حسن بن صاحب الشاشی، حسین بن ادریس انصاری، عبداللہ بن محمد بن عبدالکریم رازی، علی بن عبدالصمد، محمد بن مخلد دوری، محمد بن جعفر بن متفاض الفریابی، ابوبکر محمد بن یحیٰی صولی۔ (تہذیب ج۴ ص۱۵)

تصانیف اور سنن ابی داؤد:۔

ابوداؤد صرف حدیث کے ہی امام نہ تھے بلکہ فقہ واجتہاد اور تفسیر وکلام میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے مختلف علوم وفنون پر متعدد تصانیف ان کی تبحر علمی اور جامعیت وکمال کا بین ثبوت ہیں ان مصنفات میں کتاب السنن، کتاب المراسل، کتاب المسائل، کتاب الرد علی القدریہ، الناسخ والمنسوخ، کتاب التفرد، کتاب فضائل الانصار، مسند مالک بن انس، کتاب الزہد، دلائل النبوت، کتاب الدعاء، کتاب بدء الوحی، اخبار الخوارج، کتاب شریعۃ التفسیر، فضائل الاعمال، کتاب التفسیر، کتاب نظم القرآن، کتاب فضائل القرآن، کتاب البعث والنشور، کتاب شریعۃ القاریؔ ان تمام تصانیف میں جو کتاب شہرت وقبولیت دوام حاصل کر سکی وہ سنن ابی داؤد ہے اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”کان ھمتہ جمع الاحادیث اللتی استدل بھا الفقھاء ودارت فیھم وبنیٰ علیھا الاحکام علماء الامصار فصنف سننہ وجمع فیھا الصحاح والحسن واللین والصالح للعمل قال ابو داؤد ما ذکرت فی کتابی حدیثاً اجمع علی ترکہ وما کان منھا ضعیفا صرح بضعفہ وما کان فیہ علۃ بینھما بوجہ یعرفہ الخائض فی ھذا الشان وترجم علی کل حدیث بما قداستنبط منہ عالم وذھب الیہ ذاھب ولذٰلک صرح الغزالی وغیرہ بان کتابہ کاف للمجتھد“ ان کی غرض یہ تھی کہ ان احادیث کو جمع کیا جائے کہ جن سے فقہاء نے استدلال کیا ہے اور ان میں مروج ہوئی ہیں علماء امصار نے ان پر احکام کو مبنی کیا ہے چنانچہ انہوں نے اپنی سنن تصنیف کی اور اس میں صحاح، حسن، لین اور قابل عمل احادیث کو جمع کر دیا۔ ابوداؤد فرماتے ہیں میں نے اپنی کتاب میں کوئی حدیث ایسی نہیں لکھی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہے اور جو ضعیف تھی اس کے ضعف پر صراحت کر دی اور جس میں کسی طرح کی کوئی علت تھی اسے اسی طرح بیان کر دیا کہ جس کو علم حدیث میں غور کرنے والا خوب

سمجھتا ہے اور ہر وہ حدیث جس سے کسی عالم نے کوئی مسئلہ استنباط کیا اور کسی اہل مذہب نے اس کو اختیار کیا اس پر عنوان لگا دیا یہی وجہ ہے کہ غزالی وغیرہ کی صراحت سے کہ ابوداؤد کی کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۳۶۵)

امام ابوداؤد نے اس کتاب میں پانچ لاکھ احادیث سے چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب کیا ہے خود فرماتے ہیں " كتبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس مأة الف و جمعت في كتابه اربعة الاف حديث انتخبت منها ما ضمنته هذا الكتاب ، يعني السنن جمعت فيه اربعة آلاف وثمان مائة حديث ذكرت الصحيح وما يشبهه ويقاربه"

خود فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثوں کو لکھا ان میں سے منتخب کر کے اپنی کتاب سنن میں چار ہزار آٹھ سو حدیثوں کو جمع کیا جو صحیح اور اس کے مشابہ ومقارن ہیں۔ (وفیات الاعیان ج ا ص ۳۸۲)

اس کتاب کی ترتیب وتدوین کے بعد ابوداؤد نے اسے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس سنن کو بہت پسند فرمایا۔ (بستان المحدثین ص ۱۸۱)

سنن ابی داؤد سے قبل کتب احادیث میں مسانید اور جوامع کا رواج عام تھا جس میں سنن اور احکام قصص اور مواعظ اور آداب ہر طرح کی حدیثیں شامل ہوتی تھیں۔ امام ابوداؤد نے سب سے پہلے صرف سنن میں یہ کتاب تالیف کی امت مسلمہ کے اکابر نے اسے ہر زمانے میں عقیدت کی نظر سے دیکھا اور اعتبار کیا۔

- یحیٰی بن یحیٰی زکریا ساجی، كتاب الله اصل الاسلام و سنن ابی داؤد عهد الاسلام، اسلام کی بنیاد قرآن کریم اور اس کا ستون سنن ابی داؤد ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۴)
- ابن العربی: " دین کے مقدمات کا علم حاصل کرنے کے لیے کتاب اللہ اور سنن ابی داؤد کافی ہیں" (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۸۶)
- ابن القیم: " امام موصوف (ابوداؤد) نے ایسی کتاب لکھی ہے جو مسلمانوں کے درمیان حکم ثابت ہوئی اور اخلاقی مسائل میں فیصلہ کن بن گئی"۔ (محدثین عظام ص ۹۶۹)
- ابوسلمان خطابی: " قد جمع ابو داؤد في كتابه هذا من الحديث في اصول العلم وامهات السنن واحكام الفقه مالا نعلم متقدما ما سبقه اليه ولا معاصرا لحقه فيه وقد رزق القبول من كافة الناس"

امام ابوداؤد نے اپنی اس سنن میں اصول امہات سنن اور احکام فقہ سے متعلق ایسی حدیثیں جمع کی ہیں کہ ہمارے علم میں نہ تو کسی نے ان سے پہلے ایسا مرتب ذخیرہ جمع کیا اور نہ آج تک کوئی ان کے نقش قدم پر چل سکا۔ (معالم السنن ج ۱ص ۸)

❁ **محمد بن مخلد:** ''ابوداؤد نے سنن مرتب کرنے کے بعد جب لوگوں کے سامنے اس کو بیان کیا تو محدثین نے اس کو مصحف کی طرح قابل اتباع سمجھا''۔

ابوالعلاء محن کا بیان ہے کہ انہوں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا" من اراد ان یتمسک بالسنن فلیقرا "سنن ابی داؤد، سنن کی اتباع کی آرزو رکھنے والوں کو سنن ابی داؤد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۱ص ۲۹۴)

❁ **ابن العربی:** ''دین کے مقدمات کا علم حاصل کرنے کے لیے کتاب اللہ اور سنن ابی داؤد کافی ہیں'' (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۸۶)

خصوصیات:۔

ذیل میں سنن ابی داؤد کی کچھ اہم خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اس کتاب کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ اس کے اندر صرف احکام ومسائل سے متعلق روایات واخبار جمع کیے گئے ہیں۔ امام ابوداؤد سے پہلے اس قسم کی حدیث کی کتابیں لکھنے کا رواج نہ تھا۔ امام نووی کا بیان ہے کہ اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر وہ ائمہ حدیث اور علماء آثار کی توجہات کا مرکز بن گئی اور گو اس تخصیص کی بنا پر وہ احادیث کے بہت سے ابواب سے خالی ہے لیکن فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے وہ صحاح ستہ کی کسی اور کتاب میں نہیں۔ حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی متوفی ۸۰۷ھ نے صحاح ستہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے " ولابی داؤد فی حصر احادیث الاحکام واستیعابها ما لیس لغیره " اور فقہی حدیثوں کے حصر واستیعاب کے سلسلہ میں ابوداؤد کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین کو نہیں۔

(۲) اس کتاب میں امام ابوداؤد نے اپنے علم کے مطابق زیادہ تر صحیح ترین روایات ذکر کی ہیں۔

(۳) اگر کوئی حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں سے ایک طریقہ کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند عالی ہو) اور دوسرے طریقہ کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو امام ابوداؤد ایسی صورت میں پہلے طریقہ کا ذکر کر دیتے ہیں۔

(۴) بسا اوقات ایک حدیث کو دو تین سندوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں بشرطیکہ بعض سے متن میں کچھ زیادتی ہو۔

(۵) جو حدیث بہت طویل ہوتی ہے اسے بتمامہ ذکر کردینے سے یہ خوف ہوتا ہے کہ بعض سامعین اس کی غرض کو نہ سمجھ سکیں گے ایسی صورت میں امام ابوداؤد حدیث کا اختصار کردیتے ہیں۔

(۶) جن احادیث کی اسانید میں کوئی ضعف ہو یا اور کوئی علت خفیہ ہو اس کو امام ابوداؤد بیان کردیتے ہیں اور جس حدیث کی سند کے بارے میں امام ابوداؤد کوئی کلام نہیں کرتے وہ عام طور پر صالح للعمل ہوتی ہے۔

(۷) عام طور پر امام صاحب نے مشہور روایتیں ذکر کی ہیں شاذ اور غریب روایات اس کتاب میں بہت کم درج کی ہیں۔ متروک الحدیث راوی سے روایت نہیں کی ہے۔

(۸) کسی حدیث میں اگر مرفوع یا موقوف کا اختلاف ہو تو اس کا ذکر کردیتے ہیں۔

(۹) اگر کوئی حدیث معلل ہو تو علت خفیہ بیان کردیتے ہیں۔

(۱۰) جو روایات منکر یا ضعیف ہوں تو اس کی تصریح کردیتے ہیں۔

(۱۱) بعض اوقات راویوں کے اسماء کنی اور القاب کی وضاحت کرتے ہیں۔

(۱۲) اس کتاب میں تکرار سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔

حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں احادیث درج کرنے کے لیے یہ شرط مقرر کی ہے کہ وہ احادیث متصل السند اور صحیح ہوں اور وہ احادیث ایسے راویوں سے مروی ہوں جن کے ترک پر اجماع نہ ہوا ہو۔ اور علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث کی جامع ہے اور ان کی اس کتاب میں احادیث سقیمہ سے مقلوب اور مجہول روایات اصلاً نہیں ہیں۔ (مقدمۃ التعلیق الممجد ص ۴)

اخلاق و کردار:۔

امام ابوداؤد علم و فن میں ممتاز ہونے کے ساتھ سیرت و کردار کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، جاہ و منصب سے اجتناب آپ کا شیوہ تھا۔ یٰسین ہروی فرماتے ہیں:

"وہ بے مثال عالم و حافظ ہونے کے علاوہ عبادت و ریاضت، عفت و پاکدامنی خیر و صلاح ورع و تقویٰ میں بھی منفرد خصوصیات کے مالک تھے"۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۵۱)

آداب شریعت کی پابندی اور سنت نبوی کے اتباع کا خاص اہتمام تھا ان کی امامت حدیث اور شان عبادت دیکھ کر موسیٰ بن ہارون نے کہا:

"خلق ابو داؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرۃ للجنۃ"

امام ابوداؤد دنیا میں خدمت حدیث اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ (ایضاً)

امام صاحب دنیا اور لذائذ دنیا سے بے پرواہ تھے امراء و سلاطین کی ہرگز پرواہ نہ کرتے بلکہ ان کے ناروا مطالبات کو ان کے روبرو رد کر دیتے۔ ایک دن امیر ابواحمد موفق آپ کے پاس آیا اور کہا میں تین درخواستیں لے کر حاضر ہوا ہوں ایک تو یہ کہ آپ بصرہ میں مستقل قیام فرمائیں تاکہ مختلف مقامات کے طالبان حدیث آپ سے استفادہ کر سکیں۔ دوسرے میرے بچوں کو سنن کی تعلیم دیں تیسرے روایت اور درس حدیث کے حلقوں میں میرے بچوں کے لیے مخصوص نشست کا اہتمام فرما دیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ پہلی دونوں باتیں مناسب ہیں لیکن تیسری بات ناممکن ہے علم کے معاملے میں شریف و وضیع اعلیٰ و ادنیٰ سب برابر ہیں اس لیے کوئی امتیاز نہیں برتا جا سکتا چنانچہ امیر کے لڑکے عام لوگوں کی طرح حلقۂ درس میں شریک ہو کر سماع حدیث کرتے۔ (دیباچہ غایۃ المقصود)

وفات:۔

آپ کی وفات ۱۶ رشوال بروز جمعہ ۲۷۵ھ ۷۳ رسال کی عمر میں ہوئی۔ عباس بن عبدالواحد نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۴۳) حضرت امام بقی بن مخلد قرطبی رضی اللہ عنہ

رمضان ۲۰۱ھ جمادی الاخریٰ ۲۷۶ھ

شیخ الاسلام بقی بن مخلد بن یزید قرطبی مرکز علم و حکمت قرطبہ (اندلس) میں رمضان ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:۔

بقی نے اندلس کے مشہور علمی شہر قرطبہ میں آنکھ کھولی تھی جو اس زمانہ میں علماء و فضلاء ادباء و شعراء اور حکماء و اطباء کی آماجگاہ تھا۔ فطری ذوق و ذہانت کے ساتھ انہوں نے طلب علم کا آغاز کیا مگر اپنے آپ کو قرطبہ ہی تک محدود نہ رکھا بلکہ دور دراز شہروں کے سفر محض طلب علم کے شوق میں کیے

اور محنت وجانکاہی، عسرت وتنگدستی کی ہوشربا تلخیاں بڑی خوشی سے گوارا کیں اور علم وفن کی لازوال دولت سے اپنے دامن کو مالا مال کر لیا۔ ارباب تذکرہ نے آپ کو کثرت سفر کے باعث " ذو رحلة واسعة" (کثیر الاسفار) لکھا ہے۔ تنگ دستی کے سبب سواری کا اہتمام ان کے لیے دشوار تھا اس لیے پیدل ہی سفر کرتے خود فرماتے ہیں " کل من رحلت الیه فماشیا علیٰ قدمی " میں طلب علم کے لیے جس کے پاس گیا پیدل ہی گیا۔ (تذکرہ ج۲ ص ۱۸۵)

حصول علم کی راہ میں اپنی بے سروسامانی اس طرح بیان کرتے ہیں: "انی لاعرف رجلا کانت تمضی علیه الایام فی وقت طلبه لیس له عیش الاورق الکرنب" میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جو طالب علمی کے زمانہ میں کئی کئی دن کرنب (ایک سبزی) کے پتے کھا کر گذارا کرتا تھا۔ (یہ خود بقی ہی کا حال تھا) (ایضاً ص ۱۸۴)

آپ کاغذ اور روشنائی کے لیے اپنے پاجامے بیچ دیا کرتے تھے۔

جن مشائخ اور علماء سے علم حاصل کیا ان کی تعداد کافی ہے چند نامور اساتذہ یہ ہیں۔

ابراہیم بن محمد شافعی، ابراہیم بن منذر خراسانی، ابوثور، ابومصعب، احمد بن ابراہیم دورقی، ابوطاہر احمد بن سرح، بکار بن عبد اللہ، حارث بن مسکین، خلیفہ بن خیاط، دحیم، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، زہیر بن عباد، مجنون بن سعید، سلمہ بن شعیب، صفوان بن صالح، ابوبکر عبد اللہ بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن ذکوان، عون بن یوسف، محمد بن بشار بندار، محمد بن عبد اللہ بن نمیر، محمد بن بید بن حسان، محمد بن عیسیٰ اعشی، محمد بن عمر عدنی، محمد بن محمد مصطفےٰ حمصی، ہارون بن عبد اللہ حمال، یحیٰ بن عبد اللہ بن بکیر، یحیٰ بن عبد الحمید حمانی، یحیٰ بن یحیٰ لیثی وغیرہ۔

حدیث:۔

امام بقی نے دستور زمانہ کے مطابق حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی اور وہ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث بن کر دیار مغرب میں مشہور ہوئے۔ ان کی عدالت وثقاہت اور ضبط وتثبت کا اعتراف علماء فن نے کیا ہے۔

● حافظ ذہبی: " کان اماماً علماً قدوة مجتهداً لا یقلد احداً ثقة حجة صالحاً عابداً متهجداً اواهاً عدیم النظیر فی زمانه " یہ (بقی) امام چوٹی کے عالم، پیشوا اور مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ ثقہ، حجت صالح، عابد، تہجد گذار اور خوف خدا رکھنے والے اور اپنے زمانہ میں عدیم النظیر تھے۔ (تذکرہ ج۲ ص ۱۸۴)

بلند پایہ محدث ہیں''۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۷۹)

ورع وعبادت:۔

علم کیساتھ حضرت بقی زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ وہ پوری پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تیرہ رکعتوں میں پورا قرآن ختم کردیتے۔ رمضان کے علاوہ بھی اکثر روزے رکھتے۔ انہوں نے تیس حج کیے تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ کا بھی جذبۂ بیکراں رکھتے تھے ستر جنگوں میں داد شجاعت دی۔ وہ مستجاب الدعوات تھے اکثر لوگ آپ سے دعا کی درخواست کیا کرتے وہ بڑے حق پسند ستودہ صفات بزرگ تھے۔

حافظ ذہبی نے ان کے صفات حمیدہ اس طرح بیان کیے ہیں۔ ''ذکر عن بقی خیر ونسک وایثار حتی ثوبه وکان مجاب الدعوات وقيل انه كان يختم القرآن كل ليلة في ثلاث عشرة ركعة ويسرد الصوم وحضر سبعين غزوةً'' ان کی خیرخواہی، عبادت اور ایثار وقربانی کے واقعات زبان زد خواص وعوام تھے کپڑے تک محتاجوں کو دے دیتے تھے مستجاب الدعوات بھی تھے کہتے ہیں ہر رات تیرہ رکعت میں قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے اور عمر بھر میں ستر جنگوں میں شریک ہوئے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۵)

وفات:۔

۲۹؍ جمادی الاخریٰ ۲۷٦ھ بروز سہ شنبہ اندلس میں وفات پائی۔

(۴۴) حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابو عیسیٰ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن ضحاک سلمی ترمذی۔ آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق شہر ترمذ میں ۲۰۹ھ میں ہوئی۔ یہ شہر نہر جیحون کے ساحل پر آباد ہے۔ اسے مدینۃ الرجال بھی کہا گیا ہے کیوں کہ اس خاک سے بڑے بڑے علماء وفضلا پیدا ہوئے امام ترمذی کے دادا سورہ مروز کے باشندہ تھے۔ لیث بن سیار کے زمانہ میں ترمذ آکر آباد ہو گئے۔

تحصیل علم:۔

خراسان ماوراء النہر کا علاقہ علم وفن کا گہوارہ رہا ہے جس کی خاک سے ہزاروں اسلامی

شخصیتیں ابھریں انہیں میں امام ترمذی کی باکمال ذات گرامی بھی ہے امام ترمذی نے جس زمانہ میں آنکھ کھولی آپ کے گرد و پیش کا سارا ماحول علم و فضل کے غلغلوں سے معمور تھا انہوں نے اپنی فطری مناسبت علم اور قوت حفظ و ضبط کے ساتھ ابتداء میں اپنے شہر کے محدثین سے کسب فیض کیا پھر اسلامی شہروں کی رحلت کی اور اپنے دامن کو علم حدیث کی دولت سے مالا مال کیا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: " طاف البلاد وسمع خلقاً من الخراسیین والعراقیین والحجازیین "انہوں نے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ خراسان، عراق، اور حجاز کے ارباب کمال سے سماع کیا۔ (تہذیب ج ۹ ص ۳۴۴)

قوت حافظہ:۔

قدرت نے انہیں غیر معمولی قوت حفظ و ضبط عطا فرمائی تھی جس حدیث کو ایک بار سن لیتے ہمیشہ کے لیے حافظہ میں محفوظ ہو جاتی انہوں نے ایک شیخ سے حدیث کے دو جزء نقل کیے مگر اب تک انہیں پڑھ کر سنانے کا موقع نہیں ملا تھا مکہ مکرمہ کے راستہ میں اتفاقاً ان سے ملاقات ہوگئی ترمذی نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزاء کے قرأت کی درخواست پیش کی شیخ نے قبول فرمایا اور کہا ان اجزاء کو نکال لو میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ امام ترمذی نے تلاش کیا تو اتفاقاً وہ اجزاء ان کے پاس نہ تھے وہ بہت گھبرائے لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ آیا کہ وہ دو جزء سادے کاغذ کو ہاتھ میں لے کر سننے میں مشغول ہو جائیں شیخ نے قراءت شروع کی اتفاقاً ان کی نظر سادے کاغذ پر پڑی اس بات پر شیخ کو غصہ آیا فرمایا کیا تم مذاق کرتے ہو امام صاحب نے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا وہ مکتوب اجزاء میرے پاس نہیں ہیں لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ وہ محفوظ ہیں امام ترمذی نے وہ ساری حدیثیں زبانی سنا دیں شیخ اس پر متعجب ہوئے اور فرمایا ایک بار سننے سے ساری حدیثیں یاد ہو گئیں ہیں پھر امتحاناً اپنی چالیس غریب حدیثیں پڑھیں امام ترمذی نے ان کو صحت کے ساتھ پڑھ کر سنا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض محدثین نے ابو عیسیٰ ترمذی کا امتحان لیا اور اپنی چالیس غریب حدیثیں ان کے سامنے پڑھیں جو ابو عیسیٰ نے اسی وقت زبانی پڑھ کر سنا دیں اس پر وہ بولے "ما رایت مثلک" میں نے آپ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۸)

امام ترمذی نے خداداد صلاحیت علم کو بروئے کار لا کر اپنے وقت کے جلیل القدر محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم کے بعض شیوخ سے بھی استفادہ کیا۔ اس طرح آپ

کے شیوخ کی تعداد کافی ہوگئی ان میں سے کچھ اہم شیوخ یہ ہیں:

قتیبہ بن سعید، ابو مصعب، ابراہیم بن عبداللہ ہروی، اسماعیل بن موسیٰ سیدی، سوید بن نصر علی بن حجر، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، عبداللہ بن معاویہ جمحی، امام بخاری، امام مسلم، ہناد بن سری، ابو کریب، محمد بن علاء، محمد بن موسیٰ الزمن، محمد بن بشار، عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی۔

(تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۶، کتاب الانساب سمعانی)

فضل وکمال:۔

قدرت نے امام ترمذی میں ضبط علم کی فطری صلاحتیں ودیعت کردی تھی اور ساتھ ہی انہیں اپنے وقت کے بڑے بڑے محدثین سے اکتساب علم کا موقع ملا خصوصیت کے ساتھ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی صحبت نے آپ کو علم حدیث میں ذروہ کمال تک پہونچادیا۔ آپ کی جلالت علم، شان حفظ وضبط اور فضل وکمال پر تمام محدثین اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے۔

- خلیلی: ”**ثقه متفق عليه** “وہ ثقہ اور متفق علیہ ہیں”۔ (تہذیب ج ۹ ص ۳۴۴)

- امام بخاری: امام بخاری باوجودیکہ آپ کے عظیم المرتبت شیخ ہیں فرماتے ہیں ”**ما انتفعت بک اکثر مما انتفعت بی**“ تم نے مجھ سے جتنا فائدہ حاصل کیا اس سے زیادہ میں نے تم سے حاصل کیا۔ (ایضاً ص ۳۴۵)

- ابن خلکان: ”**الحافظ المشهور احد ائمة الذين يقتدىٰ بهم فى علم الحديث صنف كتاب الجامع و العلل تصنيف رجل متقن**“ مشہور حافظ حدیث اور ان ائمہ میں سے ہیں علم حدیث میں جن کی اقتداء کی جاتی ہے۔ آپ نے جامع اور علل تصنیف فرمائیں وہ متقن تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۶۳)

- ادریسی: **كان الترمذى احد ائمة الذين يقتدىٰ بهم فى علم الحديث صنف الجامع و التواريخ و العلل تصنيف رجل عالم متقن كان يضرب به المثل فى الحفظ**۔ امام ترمذی ان اماموں میں سے تھے علم حدیث میں جن کی پیروی کی جاتی ہے۔ انہوں نے حدیث میں جامع علل اور تاریخ تصنیف فرمائی۔ وہ عالم اور متقن شخص تھے قوت حفظ میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۴۵)

- عمران بن علان: **مات محمد بن اسماعيل البخارى ولم يخلف**

بخراسان مثل ابی عیسی فی العلم والورع بکی حتی عمی، امام محمد بن اسماعیل بخاری نے وفات پائی اور اپنے بعد خراسان میں علم وتقویٰ میں ابوعیسیٰ ترمذی کا مثل نہیں چھوڑا وہ خشیت الٰہی سے اس قدر روئے کہ بینائی جاتی رہی۔ (ایضاً)

ابن حبان: کان ابو عیسیٰ ممن جمع وصنف حفظ وذاکر، ابوعیسیٰ نے علم حدیث جمع کیا۔ اس فن میں کتابیں تصنیف کیں زبانی محفوظ رکھا اور مذاکرے کئے (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۷)

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

امام ترمذی صرف خراسان ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی شہرو اور قریوں میں عظمت علم وفضل کے لئے مشہور ہوگئے تھے۔ امام بخاری کے بعد پورے خراسان میں کوئی صاحب علم آپ کا ہمسر نہ تھا یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے حلقۂ درس قائم کیا تو خراسان کے علاوہ دوسرے ملکوں اور شہروں سے بھی طالب علموں کا قافلہ جوق در جوق سماع حدیث کے لئے آنے لگا۔ آپ کے نامور تلامذہ یہ ہیں۔

ابو حامد احمد بن عبداللہ بن داؤد مروزی، ہشیم بن کلیب شامی، محمد بن محبوب ابوالعباس المحبوبی المروزی، احمد بن یوسف نسفی، ابوحارث اسد بن حمدویہ، داؤد بن نصر بن سہیل بزدوی، عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمود بن نمیر، محمد بن نمیر، محمد بن مکی بن فوج، ابوجعفر محمد بن سفیان بن نضر، محمد بن منذر بن سعید ہروی، مکحول بن فضل، محمد بن محمود بن عنبر، حماد بن شاکر، احمد بن علی بن حسویہ وغیرہم (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۴۴، تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۶)

تصانیف:۔

امام ترمذی بلند پایہ مصنف بھی تھے حدیث، رجال اور علل کے ساتھ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ فقہ کے اقوال وآراء میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان کی اہم تصانیف انہیں موضاعات پر مشتمل ہیں۔ چند مشہور مصنفات یہ ہیں۔

(۱) جامع ترمذی (۲) کتاب العلل (۳) کتاب التاریخ (۴) کتاب الزہد (۵) کتاب الاسماء والکنی (۶) کتاب الشمائل النبویہ۔

جامع ترمذی:۔

لیکن امام ترمذی کو جس کتاب نے شہرت دوام عطا کی وہ جامع ترمذی ہے جامع ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کے بعد تصنیف کی گئی لیکن اپنی افادیت وجامعیت کے لحاظ سے اس کتاب کا شمار

کتب صحاح ستہ میں بخاری و مسلم کے بعد کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی سے قبل ہی حدیث کی معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف کی جا چکی تھیں جو ہر لحاظ سے اہم تھیں مگر ان تصانیف کی موجودگی میں بھی امام ترمذی نے اپنی جامع ایسی نہج پر ترتیب دی کہ امت نے اسے قبول دوام بخشا۔ حافظ ابن اثیر کا قول ہے۔

جامع ترمذی کتب صحاح میں سب سے زیادہ احسن ہے کیوں کہ اس کی افادیت سب سے زیادہ اور ترتیب سب سے عمدہ ہے نیز اس میں تکرار سب سے کم ہے مذاہب ائمہ اور وجوہ استدلال کے ذکر اور انواع حدیث اور احوال رواۃ کے بیان میں کتاب سب سے منفرد ہے (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ٢٤٥)

شیخ ہرات عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں میرے نزدیک ابو عیسیٰ ترمذی کی کتاب جامع ترمذی، صحیح بخاری اور مسلم سے زیادہ مفید ہے ان کتابوں سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے حدیث میں معرفت تامہ حاصل ہو ان کے برعکس امام ترمذی نے اپنی کتاب میں تمام احادیث کی شرح و تفسیر اور مذاہب علماء اس طرح بیان کر دیئے ہیں کہ اس سے ہر فقیہ، ہر محدث بآسانی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ٢٤٥)

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: ”صنفت هذا الكتاب فعرضته علىٰ علماء الحجاز والعراق والخراسان و رضوا به ومن كان في بيته هذا لكتاب يعني الجامع فكانما في بيته نبي يتكلم“ میں نے یہ کتاب تصنیف کی تو اسے حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کیا سب نے اسے پڑھ کر پسندیدگی کا اظہار کیا جس گھر میں یہ کتاب (جامع ترمذی) موجود ہے یوں سمجھو کہ اس میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کر رہے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ٢ ص ١٨٨)

جامع ترمذی کی تصنیف کا بنیادی مقصد مع الاستدلال بیان مذہب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

”انہوں نے شیخین کے طریق کو جہاں کہ انہوں نے واضح کیا تھا اور جہاں مبہم چھوڑا تھا اسے پسندیدہ صورت دیدی اور ابوداؤد کے طریقہ کو بھی اختیار کیا کہ صاحب مذہب کے مسلک کو بیان کر دیا چنانچہ ایک جامع کتاب بنادی اور حدیث کے طرق کا اچھے طریقہ سے اختصار کیا۔ ایک طریق کا ذکر کر کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کو واضح کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن

ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے اور ضعف کی حالت کو بھی واضح کر دیا تا کہ طالب حدیث کو اس معاملہ میں بصیرت کاملہ حاصل رہے اور وہ لائق اعتبار احادیث اور نا قابل اعتبار میں فرق کر سکے اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ حدیث مستفیض ہے یا غریب ہے نیز صحابہ اور فقہاء امصار کا مذہب بھی ذکر کر دیا اور جس شخص کے نام کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اس جس کی کنیت معلوم کرنے کی ضرورت تھی اس کی کنیت بتا دی اور اہل علم لوگوں کے لئے کسی قسم کا خفاء باقی رہنے نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا کرتے ہیں کہ یہ کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے اور مقلد کو بے نیاز کرنے والی ہے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۳۶۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''جامع ترمذی ان (امام ترمذی) کی بہت مشہور اور مقبول تصنیف ہے مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے اول اس وجہ سے کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ اس میں فقہاء کا مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل بہ علل وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ چہارم اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے''۔ (بستان المحدثین ص ۱۸۵)

جامع ترمذی کی خصوصیات:

اس کی تمام حدیثیں کسی نہ کسی امام محدث فقیہ کی معمول بہا ہیں یعنی ہر روایت کسی نہ کسی صاحب علم کے نزدیک صحیح ہے اور اسقام سے پاک قابل حجت اور لائق عمل ہے۔

☆ اس کے اندر روایات کی تکرار بہت قلیل ہے ایک ہی مسئلہ کے متعلق مختلف روایتوں کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے۔

☆ جرح و تعدیل کی رو سے جس روایت کا سند میں جو عیب و ہنر ہوتا ہے اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

☆ فقہی حدیثوں میں فقہائے مذاہب کے استنباطات دلائل اور ان کے اختلافات اور اس پر اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔

☆ رواۃ کے نام کنیت اور القاب کے اجمال کی تفصیل کر دی ہے۔

☆ حدیث میں کوئی مشکل لفظ ہو تو اس کی معنی آسان لفظ میں بیان کر دیتے ہیں۔

☆اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بسا اوقات تعارض دفع کرنے کے لئے کوئی توجیہ اور تاویل پیش کرتے ہیں اور کبھی رفع تعارض کے لئے متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا بیان کر دیتے ہیں۔

جامع ترمذی اپنے عہد تصنیف سے لے کر آج تک مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور اس کی شروح کا کام بھی ہر عہد میں ہوتا رہا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے چند اہم شروح یہ ہیں۔

عارضۃ الاحوذی، المسک الشذی، العرف الشذی، شرح الجامع، الکوکب الدری، التحفۃ الاحوذی، جائزۃ الشعوذی۔

اخلاق و کردار:۔

امام ترمذی جس طرح علم میں امتیازی شان رکھتے تھے عمل و کردار کے سدا بہار پھولوں سے بھی ان کا دامن حیات مالا مال تھا۔ زہد و ورع، عبادت و ریاضت کے ساتھ خوف خدا ان کے رگ و ریشے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ خشیت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ روتے روتے بینائی ختم ہو گئی تھی مگر ان کا قلب اور بصیرت تا دم مرگ روشن رہا۔

وفات:۔

اس یگانۂ روزگار محدث کا وصال ۱۳؍ رجب المرجب ۲۷۹ھ کو بمقام ترمذ ہوا اور وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

(۴۵) حضرت امام ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ کشی رضی اللہ عنہ

ولادت ۲۰۰ھ وفات ۲۹۲ھ

اسم گرامی ابراہیم، کنیت ابو مسلم سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بن ماغر بصری کشی، خطیب بغدادی کے مطابق ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی مگر حافظ ذہبی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۲۰۰ھ سے قبل پیدا ہوئے۔

آپ بصرہ میں مقیم تھے اور تعمیر مکانات کا کام کرتے تھے۔ کشی کی نسبت کے بارے میں ارباب تذکرہ کا اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا کہ کش جرجان کے ایک قریہ کا نام ہے جو ابو مسلم کا آبائی وطن تھا اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کشی کہلائے لیکن سمعانی نے ان کے جد اعلیٰ کا نام کش لکھا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کش فارسی لفظ گچ (چونا) کی بگڑی ہوئی شکل ہے چونکہ آپ کا پیشہ

معماری تھا اینٹوں اور پتھروں کو جمانے کے لئے گچ ہی کا استعمال کیا جاتا تھا اس بناء پر کجی (کشی) مشہور ہوئے۔

علم وفضل:۔

ابو مسلم کے زمانے میں بصرہ اسلامی علوم کے مشہور مراکز میں شمار کیا جاتا تھا۔ ابو مسلم نے اس مرکز علم کے مشہور علماء ومحدثین کی بارگاہوں میں حاضری دی اوران سے خوب خوب فیض حاصل کیا بصرہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے ائمہ علم وفن سے بھی آپ نے علم کی دولت حاصل کی آپ کے مشہور شیوخ یہ ہیں۔

ابو عاصم نبیل، عبداللہ انصاری، اصمعی، بدل بن محبر، مسلم بن ابراہیم، ابو ولید طیالسی، حجاج بن نصیر، فساطیطی، سلیمان بن حرب، عبداللہ بن رجاء نہدانی، عبداللہ بن مسلم قعنبی، عبدالرحمٰن بن حماد شعبی، عبدالملک بن قریب اصمعی، عمرو بن مرزوق، محمد بن عرعرہ، مسلم بن ابراہیم، معاذ بن عبداللہ عوذی وغیرہ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷۶، تذکرۃ المحدثین ج ۱ ص ۳۵۸)

ابو مسلم کشی نے اکابر واساطین علم کی بارگاہوں سے اپنے دامن علم کو مالا مال کرلیا تھا اور وہ اپنے حفظ وضبط اور شوق علم کی وجہ سے حدیث کے ممتاز شیخ بن گئے تھے علماء فن اور محدثین آپ کی کثرت حدیث اور توثیق وجلالت کے معترف تھے انہوں نے آپ کو **الحافظ، کان محدثا حافظا** اور **من حفاظ الحدیث** لکھا ہے۔

موسیٰ بن ہارون اور دارقطنی نے آپ کو ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔

- حافظ عبدالغنی بن سعید: وہ ثقہ اور نہایت ذکی تھے۔
- علامہ ابن جوزی: وہ عالم، ثقہ اور جلیل القدر محدث تھے۔
- ابن ندیم: وہ ان اجلہ محدثین میں تھے جن کی سندیں نہایت عالی ہوتی ہیں۔
- علامہ سمعانی: وہ ثقہ اور اکابر محدثین میں تھے اور انہوں نے بے شمار حدیثیں بیان کیں۔
- خطیب بغدادی: وہ صاحب علم وفضل اور امین تھے۔
- علامہ ذہبی: "**الحافظ المسند... بقیۃ الشیوخ**" وہ حدیث کے واقف کار مسند اور بقیۃ الشیوخ میں تھے۔
- ابن عماد: وہ صاحب سنن اور مسند وقت تھے۔

امام ابو مسلم کی علمی کشش دور دور سے طالبان علم کو ان کے حلقۂ درس میں کھینچ لاتی اور وہ اپنے زمانہ کے عظیم شیخ الحدیث بن گئے تھے۔ ان کی مقبولیت اور علمی طمطراق کا یہ عالم تھا کہ جب بغداد شریف پہونچے تو رحبہ غسان میں مجلس حدیث قائم کی آپ سے حدیثیں لکھنے اور سننے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ سات نقیب آپ سے الفاظ حدیث کو سن کر دوسروں تک پہونچاتے جن کی مدد سے چالیس ہزار سے زیادہ افراد حدیثیں سنتے اور لکھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۷۷)

بغداد ہی میں صالح جزرہ کے تلامذہ حاضر بارگاہ ہوئے اور آپ سے ابن عرعرہ کی حدیث اور اصمعی کی حکایات حاصل کیں۔ (ایضاً)

آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی کچھ اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابو بکر شافعی، ابو بکر مالک بن قطیعی، ابو سہیل بن زیاد، ابو عمرو بن سماک، ابو القاسم بغوی، ابو محمد بن ماسی، احمد بن سلمان نجاد، اسماعیل خطبی، اسماعیل بن محمد صفار، جعفر خالدی، حبیب قزاز، عبد الباقی بن قانع، فاروق خطابی۔ (تذکرۃ المحدثین ج ا ص ۳۵۸)

سنن ابی مسلم کشی :۔

امام ابو مسلم نے سنن کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں اس کتاب میں ثلاثیات بہت ہیں ان کی ثلاثیات کی پہلی حدیث باب فضل الصدقہ میں یہ ہے:

حدثنا عمرو بن محمد العثمانی قال حدثنا عبد الله بن نافع الانصاری انه اخبر عن جابر بن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من احياء ارضاً ميتة فله منها اجر وما اكلت العافية منها فهو له صدقة“

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو ویران زمین کو آباد کرے گا تو اس کے لیے اس میں سے اجر ہے اور اس میں سے جو کچھ جانوروں نے کھایا ہے وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔ (بستان المحدثین ص ۷۸)

سنن کے علاوہ ایک مسند بھی تصنیف فرمائی، سنن کی تصنیف اور اساتذہ وعلماء پر اس کی قرأت سے فارغ ہوئے تو شکرانے میں ایک ہزار درہم محتاجوں میں تقسیم کیے اور محدثین وعلماء، امراء وخواص کی پر تکلف دعوت کی اور ہزاروں دینار اس دعوت طعام کے اہتمام میں صرف کیے یہ عمل آپ کی فیاضی، سیر چشمی اور جود وسخا کا واضح ثبوت ہے۔ (ایضاً)

وفات:۔

اس جلیل القدر محدث نے ۲۳ محرم ۲۹۲ھ میں بمقام بغداد وفات پائی جنازہ بصرہ لاکر سپرد خاک کیا گیا۔

(۴۶) حضرت امام ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۲۹۲ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابوبکر، بزار لقب ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے احمد بن عمرو بن عبدالخالق۔ بزار اس شخص کو کہتے ہیں جو تخم فروشی کرتا ہے اردو اور ہندی میں اسے پنساری کہتے ہیں یہ بصرہ کے باشندے تھے۔ (بستان المحدثین ص ۵۹) قبیلۂ ازد کی ایک شاخ عتیک سے خاندانی تعلق ہے اسی نسبت سے عتکی اور بصری مشہور ہوئے۔

تیسری صدی ہجری علم حدیث کی اشاعت کے لحاظ سے کافی اہم ہے اسی صدی میں صحاح ستہ کے جلیل القدر مصنفین نے اپنی مستند اور مشہور عالم کتابیں تحریر فرمائیں تاریخ کے اسی قرن میں ابوبکر بزار نے ہوش کی آنکھ کھولی اور ابتداء میں بصرہ کے علماء حدیث سے استفادہ کیا انہوں نے عمر کے آخری حصہ میں اشاعت حدیث اور ساتھ ہی دوسرے شہروں کے شیوخ سے تحصیل علم کے لیے بغداد، اصفہان، شام، وغیرہ کے سفر کیے اور ان مقامات میں قیام کرکے وہاں کے شائقین حدیث ک درس دیتے اور شیوخ و محدثین سے سماع کرتے رہے۔ شاہ عبدالعزیز رقم طراز ہیں:

عام رواج یہ ہے کہ جوانی کے زمانہ میں تعلیم اور فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے سفر کی جاتا ہے انہوں نے اس کے برعکس یہ کیا کہ آخر عمر میں ان حدیثوں کی اشاعت کے لیے جن کے و عالم تھے اور مزید علم حاصل کرنے کی غرض سے سفر اختیار فرمایا مدتوں اصفہان اور شام میں اسی نی صالحہ پر مقیم رہے اور مخلوق کثیر کو علم حدیث کے فیض سے مستفیض فرمایا۔ (بستان المحدثین ص ۵۹)

شیوخ:۔

آپ کے مشہور شیوخ حدیث یہ ہیں ابراہیم بن سعید جوہری، اسماعیل بن یوسف، حس بن علی بن راشد، واسطی، عبدالاعلیٰ حماد، عبداللہ بن معاویہ، عبدالرحمٰن بن فضل بن موفق، عمر بن موسیٰ

تلامذہ:۔

ان کے بعض تلامذہ اور مستفیدین کے نام درج ذیل ہیں ابو احمد عسال، ابو بکر بن سلم، ابوبکر بن مہندس، حضرت ابو شیخ، ابو القاسم طبرانی، ابو الحسن علی بن محمد مصری، حسن بن رشیق، عبد الباقی بن قانع، عبد اللہ بن حسن، محمد بن ایوب بن صموت، محمد بن عباس بن نجیح۔

فضل وکمال:۔

امام ابوبکر بزار اپنے زمانہ کے اکابر حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں ان کے فضل وکمال، حفظ وضبط، ثقاہت وصداقت کا اعتراف ائمہ حدیث نے کیا ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: " ذکره الدار قطنی فاثنی علیه وقال ثقة" امام دار قطنی نے آپ کے محامد کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے وہ ثقہ ہیں۔ (تذکرہ ج ٢ ص ٢٠٤)

- ابو شیخ: "حفاظ دنیا میں ایک وہ بھی تھے علی بن مدینی کے بعد کوئی شخص ان سے زیادہ حدیثوں کا جاننے والا نہیں گزرا۔ بغداد کے حفاظ ومحدثین ان کے گرد جمع ہو کر ان سے روایتیں تحریر کرتے تھے وہ لوگوں میں حدیثوں کے سب سے بڑے حافظ تھے"۔

- ابو یوسف یعقوب بن مبارک: " ما رأیت انبل من البزار ولا احفظ " میں نے بزار سے زیادہ دانشور اور حافظ نہیں دیکھا۔ (لسان المیزان ج ١ ص ٢٣٨)

مسند بزار:۔

فن حدیث میں ابوبکر بزار کے کمال فن کا ثبوت ان کی مسند ہے۔ مسند میں ان کی دو کتابیں تھیں (١) المسند الکبیر المعلل جس کا نام البحر الزاخر ہے (٢) مسند طبقہ۔ مسند کبیر میں حدیثوں کے علل اور مخفی اسباب قادحہ سے کلام کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اسے کتب معلل میں شمار کیا جاتا ہے۔ ائمہ حدیث کی اصطلاح میں معلل وہ کتابیں ہیں جن میں مصنف ان مخفی اسباب وعلل کو بیان کرتا ہے جو حدیث کی صحت کے لیے موجب قدح ہوں شاہ عبد العزیز رقم طراز ہیں ان کی مسند کبیر معلل ہے یعنی ایسے اسباب جو صحت حدیث میں قادح ہیں ان کو بھی بیان کرتے جاتے ہیں عرف میں اس قسم کی کتاب کو معلل کہتے ہیں مثلاً اس روایت کے بعد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کے واسطے سے بیان کی کہتے ہیں اسماء بن الحکم مجہول ہیں اس حدیث کے سوا کوئی حدیث روایت نہیں

کرتے۔ (بستان المحدثین ص ۵۹) ابوالعباس احمد بن ابی بکر اسماعیل الکنانی بوصیری م ۸۴۰ھ نے اور حافظ نورالدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے اس کتاب کے زوائد علی الکتب الستہ جمع کیے ہیں۔ حافظ ہیثمی کی کتاب کا نام البحر الذخار فی زوائد البزار ہے۔

وفات:۔

ماہ ربیع الاول ۲۹۲ھ میں بمقام رہا (ملک شام) وفات پائی جہاں وہ اشاعت حدیث کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔

(۴۷) حضرت شیخ الاسلام امام محمد بن نصر مروزی رضی اللہ عنہ

۲۰۲ھ محرم ۲۹۴ھ

شیخ الاسلام محمد بن نصر مروزی کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ وطن خراسان کا مشہور شہر مرو ہے جس کی جانب منسوب ہوئے۔ ولادت ۲۰۲ھ میں بمقام بغداد ہوئی۔

تحصیل علم:۔

آپ نے تحصیل علم کا آغاز نیشاپور سے کیا اور جوانی کے بیشتر ایام طلب علم کے لیے رحلت وسفر میں گذارے اور تمام مشہور علمی مراکز مثلاً خراسان، عراق، حجاز، شام ومصر وغیرہ کے شیوخ و اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ خطیب لکھتے ہیں: **"رحل الیٰ سائر الامصار فی طلب العلم"** انہوں نے طلب علم کے لیے تمام شہروں کا سفر کیا۔

شوق علم انہیں مدتوں در بدر پھراتا رہا۔ بلاشبہ انہوں نے بہت سے شیوخ سے کسب فیض کیا ہوگا یہاں کچھ نامور اساتذہ کے نام تحریر کیے جاتے ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، عبدان بن عثمان، ابوکامل جحدری، ابراہیم بن منذر، عبیداللہ بن معاذ، اسحاق بن راہویہ، یزید بن صالح، صدقہ بن فضل، شیبان بن فروخ، سعید بن عمرو اشعثی، محمد بن عبداللہ بن نمیر، ہشام بن عمار وغیرہم۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۳۲، تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۱)

امام مروزی نے پوری عمر حصول علم اور اشاعت علم سے سروکار رکھا۔ ایک شخص چالیس سال تک آپ کی مجلس میں بیٹھا اس کا بیان ہے کہ "اس طویل مدت میں ان سے علم کے سوا کوئی

علم وفضل:۔

محمد بن نصر مروزی اپنے وقت کے امام اور شیخ الاسلام تھے وہ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے مگران کا خاص میدان حدیث وفقہ تھا۔ آپ کے زمانے میں یہ قول خواص کی نوک زبان پر رہتا ' خراسان کے ستارے چار ہیں ۔ ابن مبارک، یحییٰ بن یحییٰ، اسحٰق بن راہویہ اور محمد بن نصر مروزی۔ (تہذیب الاسماء) آپ کے علمی کمالات کا اعتراف علماء نے اس طرح کیا ہے۔

۞ ابن عبدالحکم مصری: " کان محمد بن نصر المروزی عندنا اماماً فکیف بخراسان "محمد بن نصر ہمارے یہاں مصر میں امام تھے خراسان میں بھلا کیسے امام نہیں ہوں گے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۳۲)

۞ ابن حبان:" کان احد الائمة فی الدنیا ممن جمع وصنف وکان من اعلم اهل زمانه بالاختلاف واکثرهم صیانةً فی العلم" وہ دنیا کے ان اماموں میں ایک تھے جنہوں نے علم جمع کیا اور کتابیں تصنیف کیں اور وہ اپنے زمانہ میں اختلاف ائمہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور علماء میں سب سے بڑھ کر علم کی حفاظت کرنے والے تھے۔ (ایضاً ص ۴۳۳)

حدیث: امام محمد بن نصر مروزی علم حدیث میں اپنے وقت کے ممتاز محدث تھے ان کی جلالت فی الحدیث اور ثقاہت واتقان کا اعتراف ملت کے اکابر علم وفن نے کیا ہے۔ حافظ ذہبی آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"الامام شیخ الاسلام الفقیه" پھر حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں "وبرع فی هذا الشان " یعنی اس فن میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۱)

۞ حاکم:" هو امام اهل الحدیث فی عصره بلا مدافعة" یہ اپنے زمانہ میں بلا نزاع اہل حدیث کے امام ہیں۔ (ایضاً ۲۰۲)

۞ سلیمان حافظ: " محمد بن نصر امام وفق من السماء" محمد بن نصر ایسے امام ہیں جن کو آسمان سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۳)

ابن اخرم کہتے ہیں جتنے لوگوں نے سنن کو جمع اور مرتب کیا اور جو مفاہیم سنن کے عالم ہوئے اور صحت حدیث کے ماہر ہوئے اور مختلف فیہ مسائل کے جامع ہوئے ان میں سب سے برتر وفائق محمد بن نصر مروزی ہیں (مزید لکھتے ہیں) اگر کوئی حدیث نبوی یا اثر صحابہ کسی اور کے پاس نہیں ہے صرف

محمد بن نصر مروزی کے پاس موجود ہے تو یہ بعید از صدق نہیں ہے۔ (تہذیب الاسماء ج۱ ص ۹۳)

❁ ابو محمد بن حزم: ”اعلم الناس من کان اعلمهم بالسنن واضبطهم لها واذکرهم لها وادراهم بصحتها وبما اجمع علیه الناس مما اختلفوا فیه الیٰ ان قال ومایعلم هذه الصفة بعدالصحابة اتم منها فی محمد بن نصر المروزی“ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو احادیث کو سب سے زیادہ جمع کرنے اور سب سے زیادہ ضبط کرنے والا ہو پھر ان کے معنوں اور ان کی صحت کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو نیز اجماعی واختلافی مسائل سے بھی خوب آگاہ ہو اور ہم نہیں جانتے کہ یہ صفت صحابۂ کرام کے بعد محمد بن نصر مروزی سے بڑھ کر کسی اور شخص میں پائی جاتی ہے۔ (ایضاً)

❁ اسحاق دبوی: ” رایت محمد بن نصر بسمر قند وکان بحرا فی الحدیث“ میں نے محمد بن نصر کو سمرقند میں دیکھا وہ حدیث کے بحر (سمندر) تھے۔ (تہذیب ج۹ ص ۴۳۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی الفقیہ، الحافظ لکھا ہے اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

فقہ:۔

امام محمد بن نصر جلیل القدر فقیہ بھی تھے انہیں الفقیہ، احدائمۃ الفقہاء اور راسافی الفقہ وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی سے جب کوئی سوال کیا جاتا تو وہ سائلین کو آپ کے پاس بھیج دیتے اور کہتے ”سلوا ابا عبد الله المروزی“ ابوعبداللہ مروزی سے پوچھو۔ (ایضاً)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:” صنف الکتب الکثیرة ورحل الی الامصار فی طلب العلم وکان من اعلم الناس باختلاف الصحابة ومن بعدهم فی الاحکام“ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور طلب علم میں شہروں کا سفر کیا وہ لوگوں میں صحابہ وتابعین کے اختلافی مسائل کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً)

صبغی کہتے ہیں ” لم نر بعد یحییٰ بن یحییٰ من فقهاء خراسان اعقل من محمد بن نصر“ ہم نے یحییٰ بن یحییٰ کے بعد خراسان کے فقہاء میں محمد بن نصر سے زیادہ عقل مند کوئی امام نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج۲ ص ۲۰۲)

ابتداء میں وہ حدیث کی طرف زیادہ مائل تھے مگر بعد میں انہیں امام شافعی کے کتب فقہ سے دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے مصر جا کر فقہ شافعی کے اساطین امام ربیع بن سلیمان، یونس بن عبدالاعلیٰ، اور حارث محاسبی سے فقہ شافعی کی پورے انہماک سے تحصیل کی اور اس فن کے بھی امام بن گئے۔

ابوبکر صیرفی ان کی کتاب القسامہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں " لو لم یصنف الا کتاب القسامہ لکان من افقہ الناس " اگر یہ کتاب القسامہ کے سوا اور کوئی کتاب تصنیف نہ کرتے تو یہی ان کے سب لوگوں سے بڑھ کر فقیہ ہونے کا کافی ثبوت تھا۔ (ایضاً)

تصانیف:۔

امام مروزی بلند پایہ مصنف بھی تھے ان کی کتابیں افادیت کے لحاظ سے بہت اہم تھیں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں "وصنف الکتب المفیدة المحافلة النافقة"

ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) مسند: یہ کتاب مجموعۂ احادیث ہے جس کے شروع میں ایک باب نماز سے بھی متعلق ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے جس کا سن کتابت ۲۵۶ھ ہے

(۲) کتاب القسامہ: یہ اہم کتاب فقہ میں ہے۔

(۳) قیام اللیل (۴) کتاب رفع الیدین۔

موخر الذکر دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

تلامذہ:۔

امام مروزی نے اپنے علم کی اشاعت میں بھی بھرپور کوشش کی اور اسے خوب عام کیا چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

اسماعیل بن محمد بن نصر، محمد بن اسحاق رشادی، عبداللہ بن محمد بن علی بلخی، عثمان بن جعفر، ابوعبداللہ بن اخرم، ابوالعباس سراج، ابوحامد بن شرقی۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۳۲، تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۱)

بارگاہ رسالت میں مقبولیت:۔

محمد بن نصر نے خراسان میں جو عزت و شہرت اور علمی تمکنت حاصل کی تھی اس کا اثر تھا کہ عوام و خواص یکساں طور پر آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وزیر ابوالفضل بلعمی کہتا ہے میں نے والی خراسان امیر اسماعیل بن احمد سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک دن دربار لگا ہوا تھا کہ امام محمد بن نصر مروزی تشریف لائے میں ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا اور آداب تعظیم و تکریم بجا لایا جب وہ دربار سے چلے گئے تو میرے بھائی اسحاق نے ناگواری کے لہجہ میں مجھ سے کہا۔ "تم رعیت کے ایک آدمی کے لیے کھڑے کیوں ہوئے"؟ اس کے بعد جب میں سویا تو میں نے خواب میں

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا میرا بھائی بھی میرے ساتھ موجود تھا آپ نے مجھے بازو سے پکڑا اور فرمایا محمد بن نصر کی تعظیم کرنے کی وجہ سے تیری اور تیرے بیٹوں کی حکومت قائم رہے گی اور اس کی حکومت ان کا استخفاف کرنے کی بنا پر جاتی رہے گی۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۳)

عبادت:۔

ان کا علمی پایہ جتنا بلند تھا وہ زہد و عبادت میں بھی اتنا ہی بلند مقام رکھتے تھے۔ ابوبکر صبغی کہتے ہیں۔ ''ما رایت احسن صلوٰۃ منہ'' میں نے کوئی آدمی ان سے اچھی طرح نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۲)

نمازیں بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے تھے ابن اخرم فرماتے ہیں " کان یقع الذباب علیٰ اذنہ فی صلوتہ ویسیل الدم فلا یذبہ لقد کنا نتعجب من حسن صلوتہ وخشوعہ'' بسا اوقات مکھی ان کے کان پر بیٹھ کر کاٹتی جس سے خون بہنے لگتا مگر آپ اس کو اپنے بدن سے نہ اڑاتے ہم ان کے حسن نماز خشوع و خضوع کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۲)

استغراق و محویت کا یہ حال ہوتا کہ ایک دفعہ نماز میں بھڑ نے ڈنک مار دیا اور جسم سے خون جاری ہو گیا مگر انہوں نے کوئی حرکت اور جنبش نہ کی وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تو ایک بے حس و حرکت لکڑی کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ (ایضا)

فیاضی:۔

علم و عمل کے ساتھ وہ جود و سخا کے پیکر تھے انہوں نے کبھی نقد و جنس جمع نہ کیے بلکہ اپنی ساری آمدنی راہ خدا میں دریا دلی کے ساتھ خرچ کر دیتے۔ ان کی آمدنی بارہ ہزار سالانہ تھی وہ مدتوں لاولد رہے ان کے ذاتی مصارف بہت قلیل تھے وہ اپنی آمدنی کا اکثر حصہ غریبوں محتاجوں اور طالب علموں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ''وقد کان من اکرم الناس واسخاھم نفسا'' وہ بڑے کریم و سخی تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۰۲)

کسی نے ان سے کہا اگر آپ یہ مال محفوظ رکھیں تو آڑے وقت بہت مفید ہو سکتا ہے فرمایا ''کان قوتی بمصر ولباسی وکاغذی فی السنۃ عشرین درھما فتریٰ ان ذھب ذا لا یبقیٰ ذا'' مصر میں میرے لباس، خوراک اور کاغذ پر سالانہ ۲۰/درہم خرچ ہوتے تھے جب وہ نہیں رہے تو یہ بھی نہیں رہیں گے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۳)

وفات: محرم الحرام ۲۹۴ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔

(۴۸) حضرت امام ابو عبداللہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابو عبدالرحمٰن۔ سلسلۂ نسب یہ ہے احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار خراسانی نسائی ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۱)۔ آپ کا وطن خراسان کا مشہور شہر نسا ہے جو اس عہد میں مرکز علم و فضل تھا اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے نسائی کہلاتے ہیں امام نسائی نے پندرہ سال کی عمر تک ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر تحصیل علم حدیث کی جانب متوجہ ہوئے اور سب سے پہلے قتیبہ بن سعید بلخی کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے ایک سال دو ماہ تحصیل علم کیا۔ امام نسائی کہتے ہیں۔ اقمت عنده سنة و شهرين۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳)

پھر آپ نے دیگر اسلامی بلاد و امصار کے شیوخ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تحصیل علم کیا اس دور کے علمی مراکز حجاز، عراق شام اور مصر کا سفر کیا، امام نسائی کے شیوخ کی تعداد کافی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے۔ سمع من خلائق لا يحصون یعنی نسائی نے بہت زیادہ لوگوں سے سماع حدیث کیا جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۲)

چند قابل ذکر اساتذہ یہ ہیں۔

قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، ہشام بن عمار، عیسیٰ بن زغبہ، محمد بن نصر مروزی ابو کریب، سوید بن نصر (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۱) محمود بن غیلان، محمد بن بشار، علی بن حجر، ابو داؤد سلیمان بن اشعث، ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، ابو زرعہ رازی، ابو حاتم رازی، یونس بن عبدالاعلیٰ، حسین بن منصور۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۲۹۲)

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

امام نسائی خراسان کے شہر نساء میں پیدا ہوئے وہیں عنفوان شباب تک قیام کیا پھر طلب علم میں دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔ فراغت علم کے بعد مصر میں مستقل بود و باش اختیار کر لی اور وہیں آپ کا حلقۂ درس قائم ہوا۔ مصر کے علاوہ جہاں کا سفر کرتے وہاں کے طالبان علم آپ سے کسب فیض کیا کرتے۔ ابن یونس لکھتے ہیں قدم مصر قديما و كتب بها و كتب عنه۔ امام نسائی مصر آئے اور انہوں نے وہاں تصنیف و تالیف کی اور ان سے بہت سے تلامذہ نے حدیثیں لکھیں (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۲)

شیوخ کی طرح آپ کے تلامذہ کی بھی کثیر تعداد ہے کچھ اہم تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

عبدالکریم بن امام نسائی، ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن سنی، ابو علی حسن بن خضر السیوطی، حسن بن رشیق عسکری، ابوالقاسم حمزہ بن محمد بن علی کنانی، ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا بن حبویہ، محمد بن معاویہ بن احمر، محمد بن قاسم اندلسی، علی بن ابی جعفر طحاوی، ابو بکر احمد بن محمد بن مہندس، ابو بشر دولابی، ابو عوانہ، ابو جعفر طحاوی، ابو بکر بن حداد، ابو جعفر عقیلی، ابو علی بن ہارون، ابو علی نیشاپوری۔ (تہذیب ج ۱ ص ۳۲)

علم و فضل:

علمی فضل و کمال اور زہد و تقویٰ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا آپ کی فضیلت کا اعتراف معاصرین اور بعد کے علماء و محدثین نے کیا ہے۔

- **ابو علی نیشاپوری:** کان من ائمة المسلمین. ان النسائی الامام فی الحدیث بلا مدافعة رأیت من ائمة المسلمین اربعة فی وطنی و اسفاری اثنان بنیسابور محمد بن اسحاق و ابراهیم بن ابی طالب والنسائی بمصر و عبدان بالاهواز۔ (ابو عبدالرحمٰن نسائی) مسلمانوں کے امام تھے۔ نسائی بلا اختلاف امام حدیث تھے۔ میں نے اپنے وطن اور دیار مسافرت میں چار امام دیکھے دو نیشاپور میں محمد بن اسحاق اور ابراہیم بن ابو طالب اور امام نسائی مصر میں اور عبدان کو اہواز میں۔ (تہذیب ج ۱ ص ۳۳)

- **ابوالحسین بن المظفر:** سمعت مشائخنا بمصر یعترفون لابی عبد الرحمن النسائی بالتقدم والامامة و یصفون من اجتهاده فی العبادة باللیل والنهار ومواظبته علی الحج والجهاد واقامته السنن الماثورة واحترازه عن مجالس السلطان وان ذالک لم یزل دابه الی ان استشهد.

میں نے مصر میں اپنے مشائخ سے سنا وہ سب ابو عبدالرحمٰن نسائی کے تقدم و امامت کے معترف ہیں اور رات دن عبادت حج و جہاد پر مداومت سنن ماثورہ کے قیام اور بادشاہان وقت کی مجلس سے احتراز کی تعریف و توصیف کرتے ہیں اور ان کی اس عادت میں فرق نہیں آیا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے۔ (ایضاً)

- **ابن یونس:** کان اماماً فی الحدیث ثقة ثبتا حافظاً۔ نسائی امام حدیث ثقہ ثبت اور حافظ حدیث تھے۔ (ایضاً)

- ابن خلکان: کان امام اھل عصرہ فی الحدیث ، نسائی اپنے زمانہ میں محدثین کے امام تھے۔ (وفیات الاعیان ج۱ص۴۷)
- دار قطنی: ابو عبد الرحمن مقدم علی کل من یذکر بھذا لعلم من اھل عصرہ امام نسائی کے زمانہ میں علم حدیث میں جتنے قابل ذکر لوگ موجود تھے یہ ان سب پر مقدم تھے (تذکرہ الحفاظ ج۲ص۲۴۲)
- دار قطنی: ابو بکر بن الحداد شافعی کثیر الحدیث محدث تھے اور امام نسائی کے علاوہ کسی سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے "رضیت بہ حجة بینی و بین اللہ" میں نے ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجت بنالیا ہے۔ (ایضاً ۲۴۳)
- حافظ ذہبی: و کان افقہ مشائخ مصر فی عصرہ و اعلمھم بالحدیث والرجال، آپ اپنے زمانہ میں تمام مشائخ مصر سے زیادہ فقیہ اور حدیث و رجال کے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً ص۲۴۳)
- محمد بن سلامہ طحاوی: ابو عبد الرحمن امام ائمة المسلمین۔ ابو عبد الرحمن مسلمانوں کے امام ہیں (تہذیب ج۱ص۳۲)
- علی بن عمر: ابو عبد الرحمن مقدم علی کل من یذکر بھذا لعلم من اھل عصرہ. ابو عبد الرحمن نسائی علم حدیث میں اپنے زمانہ کے تمام محدثین پر مقدم ہیں۔ (ایضاً)

افقہ مشائخ مصر فی عھدہ و اعرفھم بالصحیح والسقیم و اعلمھم بالرجال۔ امام نسائی اپنے زمانے میں مشائخ مصر میں سب سے بڑے فقیہ اور ان میں حدیث صحیح و سقیم کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے اور ان میں رجال کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (ایضاً)

حافظہ:۔

حدیث کی کثرت اور علوم حدیث میں مہارت کے لئے بنیادی چیز قوت حفظ و ضبط اور استعداد جرح و نقد کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام نسائی کو قدرت نے حفظ و ضبط اور فہم و بصیرت کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ حافظ ذہبی نے آپ کو "الحافظ الامام شیخ الاسلام" لکھا ہے۔ (تذکرہ ج۲ص۲۴۲)

ابو سعید عبد الرحمن نے اپنی تاریخ مصر میں لکھا ہے کان فی الحدیث ثقة ثبتا حافظاً. (وفیات الاعیان ج۱ص۴۷) علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۲ص۸۲ میں لکھا

ہے کہ" میں نے اپنے شیخ ابوعبداللہ ذہبی سے سوال کیا کہ امام مسلم بن حجاج حدیث کے زیادہ حافظ ہیں یا امام نسائی؟ فرمایا امام نسائی پھر میں نے اپنے والد حافظ تقی الدین سبکی سے دریافت کیا تو انہوں نے اس سے موافقت کی۔

فن جرح وتعدیل:۔

امام نسائی کثرت حدیث کے ساتھ فن جرح وتعدیل میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے۔ رجال کی معرفت اور علل حدیث میں کافی درک تھا۔ انہیں ابوداؤد، امام مسلم ترمذی پر بعض ائمہ فن نے ترجیح دی ہے حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے تذکرہ میں لکھا ہے "ھو احذق بالحدیث فی علله ورجاله من مسلم والترمذی و ابی داؤد وھو جار فی مضمار البخاری وابی زرعة"۔ امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی سے حدیث، علل حدیث، علم رجال میں امام نسائی زیادہ ماہر ہیں۔ امام بخاری اور ابوزرعہ کے ہمسر ہیں۔

ابن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن علی زنجانی سے ایک شخص کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے اس کی توثیق کی۔ میں نے کہا امام نسائی تو تضعیف کرتے ہیں یہ سن کر انہوں نے کہا صاحبزادے ابوعبدالرحمٰن کی رجال کے بارہ میں امام بخاری اور امام مسلم سے بھی زیادہ سخت شرطیں ہیں احادیث کی سقم وصحت میں ان کی بصیرت ومعرفت کے بارہ میں دارقطنی اور حاکم کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنے معاصرین میں صحیح وسقیم روایات وآثار اور رجال کی معرفت وتمیز میں سب سے زیادہ واقف کار تھے"۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۳)

فقہ:۔

امام نسائی حدیث کے ساتھ تفسیر اور فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے آپ کی فقہی عظمت کے بارے میں اوپر علماء کے اقوال گذر چکے ہیں۔ امام حاکم اور امام دارقطنی نے آپ کو مصر کا سب سے بڑا فقیہ قرار دیا ہے۔ فقہی درک اور اجتہادی قوت کی بناء ہی پر آپ کو حمص کا قاضی مقرر کیا گیا تھا سنن نسائی میں بھی آپ کی فقہی بصیرت جا بجا نمایاں ہے۔

تصانیف اور سنن نسائی:۔

امام نسائی نے درس وتدریس، جہاد، عبادت وریاضت کے مشاغل کثیرہ کے باوجود متعدد مفید تصانیف یادگار چھوڑیں۔ السنن الکبریٰ، المجتبیٰ، خصائص علی مسند علی، مسند مالک، مسند منصور،

فضائل الصحابہ، کتاب التمیز، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء، کتاب الاخوہ، کتاب الجرح و التعدیل، اسماء الرواۃ، مناسک حج، معلوم ومشہور ہیں۔ امام نسائی کی تصنیفات میں سنن کے نام سے دو کتابیں ہے، سنن کبریٰ، سنن صغریٰ، صحاح ستہ میں سنن صغریٰ شامل ہے۔ جس کا دوسرا نام المجتبیٰ ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المجتبیٰ کا سبب تالیف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

”جب سنن کبریٰ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو امیر وقت نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی یہ کتاب پوری صحیح ہے؟ جواب دیا نہیں اس میں حسن اور صحیح دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں امیر نے کہا ان تمام احادیث میں سے جو صحت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچی ہوں میرے لئے ان کا مجموعہ مرتب فرما دیجئے تو انہوں نے مجتبیٰ کی تصنیف فرمائی“۔ (بستان المحدثین ص ۸۹)

یہی مجموعہ علمی حلقہ میں سنن نسائی کے نام سے معروف ہے جو صحاح ستہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام نسائی نے اس کے اندر بالعموم صحیح الاسناد روایات درج کی ہیں، حافظ عبد اللہ بن رشید کا قول ہے۔ علم سنن میں جتنی کتابیں تالیف ہوئی ہیں تصنیف کے لحاظ سے ان سب میں نادر اور ترتیب کے لحاظ سے عمدہ ہے یہ کتاب بخاری، مسلم دونوں کے طریقہ کی جامع ہے۔ (محدثین عظام ص ۲۱۹)

چوں کہ اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد کے بعد آتا ہے اس لئے امام نسائی نے اس کتاب کی تالیف میں جو انداز اختیار کیا ہے وہ اکثر کتب صحاح کے اسالیب و انداز کی جامع ہے انہوں نے امام بخاری کی طرح ایک حدیث کو متعدد ابواب میں ذکر کر کے اس سے مختلف مسائل کا اثبات کیا ہے امام مسلم کے طرز پر ایک حدیث کے تمام طرق کو اختلاف الفاظ کے ساتھ روایت کر کے ایک جگہ جمع کیا ہے ابوداؤد کے انداز پر صرف احکام فقہ سے متعلق احادیث کی تدوین کی ہے اور امام ترمذی کی طرح احادیث کے ذیل میں ان کے بھی راویوں سے بحث کی ہے امام نسائی نے اپنی کتاب کو افادیت سے معمور کر کے ارباب علم و دانش کے لئے نابغۂ روزگار بنا دیا ہے۔

صحاح ستہ میں ہر کتاب اپنی منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ نسائی کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

☆سنن نسائی کی سب سے اہم خصوصیت اس کے شرائط ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ان لابی عبد الرحمن شرطا اشد من شرط البخاری و مسلم۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۲) امام نسائی کی شرائط بخاری و مسلم سے بھی سخت ہیں۔ امام نسائی نے ابوداؤ، ترمذی ہی

نہیں بلکہ بخاری و مسلم تک کے راویوں تک کی ایک جماعت سے تخریج حدیث نہیں کی ہے۔

☆ ترتیب و تالیف میں حسن کے لحاظ سے سنن کا پایہ بلند ہے ابن رشید کا قول ہے یہ تمام کتب سنن میں تصنیف و ترتیب کے لحاظ سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔

☆ امام نسائی بلند پایہ مجتہد و فقیہ بھی تھے اور ان کی سنن فقہ و اجتہاد اور استدلال کی حیثیت سے جامع ہے۔

اخلاق و کردار:۔

قدرت نے امام نسائی کو صلاح ظاہر و باطن سے حظ وافر عطا فرمایا تھا وہ بڑے خوب رو خوش پوشاک انسان تھے علمی کمالات کے لحاظ سے وہ معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے ساتھ ہی ساتھ زہد و ورع، جہاد فی سبیل اللہ، صبر و استقامت ضبط و تحمل، شجاعت و دلیری عزم و استقلال جیسے اوصاف حمیدہ سے مالا مال تھے فطرتا غیور اور مستغنی انسان تھے کبھی عزت نفس کا سودا نہیں کیا امیر مصر کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے لیکن اس کی مجلس اور ہم نشینی سے ہمیشہ دور رہے۔ امام نسائی قائم اللیل اور صائم الدہر تھے نماز تہجد اور نوافل معمول تھا اور وہ پوری پابندی کے ساتھ صوم داؤدی رکھا کرتے تھے یعنی ایک روز افطار کرتے اور ایک دن روزہ رکھتے آپ کی عبادت و ریاضت اور مکارم اخلاق کا تذکرہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس طرح فرماتے ہیں "**یصفون من اجتہاد بالعبادة باللیل والنھار ومواظبته علی الحج والجھاد واقامة السنن الماثورة واحترازہ عن مجالس السلطان وان ذالک لم یزل دابه الی ان استشھد**" (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳) لوگ شب و روز کی عبادت و جہاد کی مواظبت اور سنن ماثورہ کی اقامت اور بادشاہ کی مجلسوں سے احتراز میں امام نسائی کی کوششوں کی تعریف کرتے ہیں اور آپ انہیں اوصاف پر پوری زندگی قائم رہے یہاں تک کہ شہید کر ڈالے گئے۔

اکمال میں ہے "کان ورعا متورعا" وہ زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔

حادثۂ وفات:۔

امام نسائی آخر عمر میں دمشق تشریف لائے اس وقت شام خوارج کا مرکز تھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کا بھی بہت بڑا طبقہ موجود تھا جو اہل بیت علی و آل علی کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے چنانچہ امام نسائی نے علی اور آل علی کے فضائل میں خصائص علی مرتب فرمائی اور اس کتاب

کو جامع دمشق میں پڑھ کر سنایا چوں کہ یہ کتاب حامیان امیر معاویہ کے نظریات کے خلاف تھی اس لیے لوگ کافی مشتعل ہو گئے ۔ مجمع سے کسی نے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی روایت سنائیں جس سے امیر معاویہ کی علی پر فضیلت ظاہر ہو؟ آپ نے فرمایا کیا معاویہ کے لیے علی کے مساوی ہونا کافی نہیں ہے ۔ جو تم برتری کا سوال کر رہے ہو کسی نے کہا آپ حضرت معاویہ کے فضائل بھی بیان کریں آپ نے جواب میں فرمایا مجھے معاویہ کے بارے میں "لا اشبع اللہ بطنہ" کے سوا اور کوئی حدیث نہیں ملی یہ بات سن کر لوگ کافی برہم ہوئے ۔ اور آپ پر ٹوٹ پڑے کافی زخمی کیا وہاں سے جب مکان لائے گئے تو خدام سے کہا مجھے مکہ لے چلو چنانچہ مکہ لے آئے اور ۱۳ / صفر ۳۰۳ھ کو انتقال فرمایا ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۳)

صحیح قول کے مطابق وفات رملہ میں ہوئی جنازہ مکہ لایا گیا اور صفا و مروہ کے درمیان سپرد خاک کیے گئے ۔

ابن خلکان نے امام نسائی کے بارے میں تحریر کیا "کان یتشیع" (وفیات) ابن کثیر نے تحریر کیا" فیہ شیء من التشیع" (بدایہ والنہایہ) ان دونوں اقوال سے لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوئی کہ امام نسائی معاذ اللہ شیعہ تھے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں امام نسائی سنی تھے فضائل علی میں کتاب کی تصنیف ان کے تشیع کی دلیل نہیں وہ تمام صحابہ کا بھرپور احترام کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کی سنن میں نقل روایات سے واضح ہوتا ہے ۔ اہل بیت کی محبت رفض کی بنا پر نہ تھی بلکہ اہل شام کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عناد کے تدارک کے لیے آپ نے خصائص علی تحریر فرمائی تھی چنانچہ آپ کے شاگرد محمد بن موسیٰ ماموئی فرماتے ہیں " سمعت قد ماینکرون علی ابی عبدالرحمان کتاب الخصائص لعلی رضی اللہ عنہ وترکہ تصنیف فضائل الشیخین فذکرت لہ ذالک فقال دخلت دمشق والمنحرف عن علی بھا کثیر فصنفت کتاب الخصائص رجوت ان یھدیھم اللہ ثم انہ صنف بعد ذالک فضائل الصحابۃ" (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۳)

مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ حضرت علی کے فضائل لکھنے اور فضائل شیخین پر کچھ نہ لکھنے کی وجہ سے امام ابو عبدالرحمان نسائی کا انکار کرتے ہیں تو میں نے اس مسئلہ پر امام نسائی سے گفتگو کی انہوں نے فرمایا جب میں دمشق گیا تو وہاں اکثر لوگوں کو حضرت علی سے منحرف پایا پس میں نے خصائص علی اس توقع سے تصنیف کی کہ وہ لوگ راہ راست پر آجائیں

- انہوں نے باقی صحابہ کے فضائل بھی تصنیف کیے۔

(۴۹) حضرت امام ابویعلیٰ موصلی رضی اللہ عنہ

ولادت ۲۱۰ھ وفات ۳۰۷ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابویعلیٰ نسب نامہ یہ ہے احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال تمیمی موصلی۔ شام کا مشہور شہر موصل آپ کا وطن ہے جو دجلہ وفرات کے درمیان واقع ہے آپ کی ولادت ۲۱۰ھ میں ہوئی ذہانت وطباعی میں کامل تھے۔ ۱۵ سال کی عمر میں طلب علم کے لیے موصل سے نکلے اور اپنے وقت کے جلیل القدر محدثین وفقہاء سے علم حاصل کیا ان کے نامور اساتذہ یہ ہیں:

علی بن جعد، یحییٰ بن معین، محمد بن منہال، ضریر، غسان بن ربیع، شیبان بن فروخ، یحییٰ حمانی، احمد بن حاتم طویل، احمد بن حنبل، غسان بن لیث۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۸)

حدیث:۔

ابویعلیٰ موصلی اپنے وقت کے مشہور حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں قوت حفظ وضبط، اتقان ووثوق میں ممتاز تھے حدیث میں ان کی معلومات وسیع اور ان کی نگاہ بڑی گہری تھی ارباب علم نے ثقاہت وعدالت اور غیر معمولی مرتبہ بلند کا اعتراف کیا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: "الحافظ الثقة محدث الجزيرة صاحب المسند الكبير" قابل اعتماد حافظ حدیث، جزیرہ کے محدث اور مسند کبیر کے مصنف ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۸)

❁ یزید بن محمد ازدی: "كان ابو يعلى من اهل الصدق والامانة والدين والحلم" ابویعلیٰ راست گو، امانت دار، متدین اور حلیم الطبع تھے۔ (ایضاً)

❁ ابن حبان: حافظ ذہبی لکھتے ہیں " وثقه ابن حبان ووصفه بالاتقان والدين ثم قال بينه وبين النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثة انفس" ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے وہ صاحب اتقان ومتدین تھے۔ نیز فرمایا ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین نفوس کا واسطہ ہے۔ (ایضاً ص ۲۴۹)

❁ امام حاکم: " كنت ارى ابا على الحافظ معجبا بابى يعلى واتقانه وحفظه لحديثه حتى كان لا يخفى عليه منه الا يسير ..... هو ثقة مامون" میں نے دیکھا ہے

تھا کہ بہت کم حدیثیں ان پر مخفی رہتی تھیں۔ وہ ثقہ اور مامون ہیں۔ (ایضاً)

❁ حافظ ابن کثیر: ”وہ اپنی مرویات میں ثقہ و عادل اور احادیث میں حافظ و ضابط تھے“۔ (شذرات ج۲ ص۲۵۰)

حلقۂ درس:۔

امام ابویعلیٰ موصلی نے پوری زندگی حدیث کی تحصیل اور اس کی اشاعت میں اخلاص و ایثار کے ساتھ بسر کردی ایک دفعہ ابوعمرو حیری نے امام ابویعلیٰ کا تذکرہ کیا اور ان کی حسن بن سفیان پر فضیلت بیان کی تو کسی نے اعتراض کیا کہ ان کو حسن پر فضیلت کس طرح ہوسکتی ہے جب کہ حسن کی مسند ان کی مسند سے بڑی ہے اور ان کے شیوخ ان کے شیوخ سے اعلیٰ ہیں؟ بولے ”ان ابا یعلی کان یحدث احتسابا والحسن کان یحدث اکتسابا“ ابویعلیٰ لوجہ اللہ حدیث پڑھاتے تھے اور حسن حدیث پڑھانے پر اجرت لیتے تھے۔ (تذکرہ ج۲ ص۲۴۹)

امام ابویعلیٰ کی پرخلوص، باعظمت علمی شخصیت کا فیضان تھا کہ ان کے حلقۂ درس میں کافی لوگ شرکت کرتے اور ان کا حلقۂ درس کئی دہائیوں تک قائم رہا جس میں شرکت کے لیے دور دراز سے طالبان علم نبوت کھنچ کھنچ کر چلے آتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”عمر وتفرد ورحل الناس الیہ“ طویل زندگی پائی اور منفرد شخصیت کے حامل تھے یہی وجہ ہے کہ لوگ دور دراز سے سفر کرتے ان کی خدمت میں پہونچتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ (تذکرہ ج۲ ص۲۴۹)

آپ سے بے شمار لوگوں نے حدیث کا درس لیا اور سماع کیا چند اہم نام یہ ہیں:

ابوحاتم بن حبان، ابوعلی نیشاپوری، حمزہ بن محمد کتانی، ابوبکر اسماعیلی، ابوبکر بن مقری، ابوعمرو بن حمدان، نصر بن احمد مرجبی، محمد بن نخاس۔ (تذکرہ ج۲ ص۲۴۸)

تصانیف:۔

امام ابویعلیٰ بلند پایہ مصنف بھی تھے حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ وہ عمدہ اور اعلیٰ تصانیف کے مالک تھے ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں: معجم، مسند کبیر، مسند صغیر، آپ نے دو مسندیں لکھیں مسند کبیر اور مسند صغیر، مسند صغیر مشہور زمانہ ہے جو ۳۶/ اجزا پر مشتمل ہے اسے حدیث کی اہم اور جامع کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے اس کے اندر ثلاثیات بھی ہیں حافظ اسماعیل بن محمد بن فضل فرماتے ہیں ”قرات المسانید کمسند العدی ومسند ابی منیع وھی کالانھار ومسند ابی

یعلی کالبحر یکون مجتمع الانہار" میں نے مسند عدی مسند ابو منیع اور ان کے علاوہ اور بھی کئی مسندیں پڑھی ہیں مگر ان سب کی حیثیت نہروں کی ہے اور مسند ابو یعلی ایک سمندر ہے جس میں سب نہریں آکر ملتی ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۹)

علماء فن نے اس کتاب کے ساتھ کافی اعتناء کیا ہے اور بعد کے محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مسند سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

وفات:۔

آپ نے طویل عمر پائی ۳۰۷ھ میں اپنے وطن موصل میں وفات پائی آپ کی ہر دل عزیزی اور مرجوعیت کا یہ عالم تھا کہ موصل کے بازار بند ہو گئے اور لوگوں نے کثرت سے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔

(۵۰) حضرت علامہ امام ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ

۲۲۴ھ ۳۱۰ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابو جعفر نسب نامہ بقول سبکی یہ ہے محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری۔ آپ کا آبائی وطن طبرستان کا مشہور شہر آمل تھا آپ وہیں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عالم اسلام کا ہر شہر و قریہ قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلنواز سے گونج رہا تھا ایسے ماحول میں ابن جریر نے آنکھ کھولی۔

تحصیل علم:۔

قدرت نے تحصیل علم کی جو قوت آپ کو ودیعت کی تھی اسے بچپن ہی سے بروئے کار لانے لگے اور اپنے وطن ہی کے علماء سے تحصیل علم میں مصروف ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ پھر دوسرے علوم و فنون کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے جب سن رشد کو پہونچے والد نے حصول علم کے لیے سفر کی اجازت دی چنانچہ آپ سب سے پہلے رَے (قم) آئے جہاں شہر رَے اور مضافات رَے کے علماء سے بیک وقت کسب علم کرتے رہے۔ طلب علم کا ذوق بیکراں اور اس سلسلہ میں ان کی جد و جہد اور کاوش کا یہ عالم تھا کہ احمد بن حماد دولابی مضافات رَے میں رہتے تھے اور [illegible] کی مجلس میں شرکت [illegible] کر لیے جاتے اور ختم درس کے بعد وہاں سے دوڑتے ہوئے

رے آتے تا کہ یہاں کے مشائخ کے حلقۂ درس میں شریک ہوسکیں۔ (معجم الادباء ج ٦ ص ٤٣٠)

رے کے بعد بصرہ، کوفہ، مصر، فسطاط اور شام کے سفر کیے اور ہر مقام کے علماء و محدثین سے علم کی دولت حاصل کی۔ ان کے والد ہر جگہ انہیں اخراجات بھیجتے تا کہ وہ معاش سے بے نیاز ہو کر یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کریں۔ فرغانی کا بیان ہے۔ "**ورحل محمد لما ترعرع من آمل وسمع له ابوه وكان طول حياته وجه اليه بالشئ الى البلد ان قال لى ابطات عنى نفقة ابى حتى بعت كمى قميصى**" جب آپ نے عہد شباب میں قدم رکھا تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے رخت سفر باندھا اور والد ماجد کی اجازت سے اپنے شہر آمل کو چھوڑا اور علمی تشنگی بجھانے کے لیے ہر چشمۂ صافی پر حاضری دی جس شہر میں بھی گئے آپ کے والد عمر بھر آپ کو برابر خرچ پہونچاتے رہے آپ نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ والد ماجد کی طرف سے خرچ آنے میں دیر ہو گئی تو مجھے اپنی قمیص کی دونوں آستینیں بیچنی پڑیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۵۳)

ذہانت، توجہ اور محنت نے انہیں اساتذہ کی نظر میں محبوب بنا دیا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں ایک بار اپنے استاذ ابو کریب کے مکان پر دوسرے طالبان حدیث کے ساتھ گئے استاذ نے شاگردوں کا امتحان لیا اور چند سوالات کیے ان سوالات کا پورا اور صحیح جواب صرف ابن جریر طبری نے دیا۔ استاذ خوش ہو گئے اور اپنے حلقۂ درس میں اعزاز و اکرام کی جگہ دی۔ (معجم الادباء ج ٦ ص ٤٣١)

آپ کے مشہور شیوخ واساتذہ یہ ہیں:

محمد بن عبد الملک بن ابی شوارب ابو ہمام سکونی، اسحاق بن ابی اسرائیل، اسماعیل بن موسیٰ سدی، محمد بن حمید رازی، احمد بن منیع، ابو کریب، ہناد بن سری۔ (تذکرہ) مثنی بن ابراہیم ابلی، احمد بن حماد دولابی، محمد بن بشار وغیرہم۔

علم وفضل:۔

علامہ ابن جریر طبری نے جس یکسوئی اور انہماک سے شہر علم کی کوچہ گردی کی اور اپنی سعی مسلسل سے علم کے مراکز تک رسائی حاصل کی علماء فقہاء محدثین ومفسرین کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر علم وفن کا گنج گراں مایہ اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، تاریخ وادب ہر شعبۂ علم میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا ملت اسلامیہ کے علماء ومحدثین آپ کی جلالت شان کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

❁ حافظ ابو بکر خطیب: "کان ابن جریر احد الائمة یحکم بقوله ویرجع الیٰ رایه لمعرفته وفضله جمع من العلوم مالم یشارکه فیه احد من اهل عصره فکان حافظا لکتاب الله عارفاً باحوال الصحابة والتابعین بصیرا بایام الناس واخبارهم" علامہ ابن جریر اماموں میں سے ایک بلند پایہ امام تھے ان کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا تھا اور علم و فضل میں مہارت کی بنا پر لوگ ان کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ کتاب اللہ کے حافظ اس کے معنوں کے جاننے اور احکام قرآن کو سمجھنے والے تھے۔ احادیث رسول ان کی صحیح اور ضعیف اسانید اور ان میں سے ناسخ و منسوخ کے عالم تھے۔ صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے حالات سے واقف اور لوگوں کے تاریخی و جنگی واقعات سے باخبر تھے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۱)

❁ حافظ ذہبی: "الامام العلم الفرد الحافظ ابو جعفر الطبری احد الاعلام وصاحب التصانیف من اهل طبرستان اکثر الطواف" حافظ ابو جعفر طبری چوٹی کے علماء میں سے ایک عالم، امام اور علم کا منفرد پہاڑ ہیں بہت سی کتابوں کے مصنف اور طبرستان کے شہر آمل کے رہنے والے تھے۔ آپ تحصیل علم کے لیے قریہ قریہ اور بستی بستی گھومے۔ (ایضاً)

❁ علامہ ابن خزیمہ: "ما اعلم علی ادیم الارض اعلم من محمد بن جریر" میں روئے زمین پر کوئی ایسا آدمی نہیں جانتا جو علامہ ابن جریر سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ (ایضاً ص ۲۵۲)

❁ ابو محمد فرغانی: "کان محمد لا یاخذه فی الله لومة لائمة مع عظیم ما یؤذی فاما اهل الدین والعلم فغیر منکرین علمه وزهده ورفضه للدنیا وقناعته" باوجود سخت ترین ابتلاء کے حق بات کے اظہار میں علامہ ابن جریر پر کسی ملامت گر کی ملامت کا مطلقا اثر نہیں ہوتا تھا اہل دین اور اہل علم آپ کے علم و فضل اور آپ کے زہد و ترک دنیا اور قناعت کے معترف تھے۔ (ایضاً ص ۲۵۲)

❁ حافظ ذہبی: "لو اشاء لکتبت عشرین ورقة من سیرة هذ الامام" امام صاحب کے اتنے فضائل و مناقب ہیں کہ اگر میں چاہوں تو ان کی سیرت پر بیس ورق لکھ سکتا ہوں۔ (ایضاً ص ۲۵۳)

❁ علامہ ابن خلکان: "کان اماما فی فنون کثیرة منها التفسیر والحدیث والفقه والتاریخ وغیر ذالک وله مصنفات ملیحة فی فنون عدیدة تدل علی سعة

حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے اور متعدد فنون میں ان کی عمدہ کتابیں ہیں جو ان کی علمی وسعت و کثرت پر دلالت کرتی ہیں وہ امام مجتہد تھے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۲۵)

قیام بغداد اور اشاعت علم:

مدتوں تحصیل علم کے بعد جب علامہ ابن جریر اپنے وطن طبرستان لوٹے تو دیکھا لوگوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ بکثرت لوگ رفض و تشیع کے زیر اثر خلفاء ثلثہ اور صحابہ پر سب و شتم کر رہے ہیں اور ان عظیم ہستیوں پر زبان طعن دراز کر رہے ہیں۔ آپ نے ان حالات میں روافض کی تردید شروع کر دی اور فضائل شیخین بیان کیے۔ انجام کار حکومت وقت کی مخالفت کا سامنا ہوا اور آپ ترک وطن کر کے عروس البلاد بغداد میں سکونت گزیں ہو گئے۔ جہاں آپ جیسی عظیم علمی شخصیت کے لیے وسیع میدان عمل ہاتھ آ گیا۔ اور پورے اخلاص کے ساتھ علوم اسلامی کی اشاعت میں مصروف ہو گئے پوری عمر خدمت دین اور اعلاء کلمہ حق کے لیے بغداد ہی میں بسر ہوئی۔

آپ کی علمی شخصیت کا سکہ پورے بغداد بلکہ دوسرے اسلامی شہروں میں چلنے لگا اور خلق خدا آپ کی طرف متوجہ ہونے لگی آپ کا علمی طمطراق دیکھ کر حکومت وقت نے خدمت کا ارادہ کیا لیکن ان کی غیور اور محتاط طبیعت نے کبھی قبول نہ کیا۔ خاقانی نے اپنے زمانہ وزارت میں کافی دولت نذر کرنی چاہی مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا قضا کا عہدہ پیش کیا اسے بھی مسترد کر دیا۔ مصاحبوں نے عرض کیا کہ یہ تو ثواب کا کام تھا اسے آپ نے کیوں چھوڑ دیا اس پر ابن جریر ان لوگوں سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مجھ کو تو یہ امید تھی کہ اگر میں اس عہدہ کو قبول کرتا تو تم مجھ کو اس سے باز رکھتے نہ کہ تم خود مجھ کو ترغیب دے رہے ہو۔؟ (طبقات شافعیہ)

بغداد کے زمانہ قیام میں دوسرے علماء حق کی طرح ابن جریر کو بھی ابتلاء و آزمائش کی سخت سے گذرنا پڑا۔ حاسدوں نے ان پر رفض و الحاد کے الزامات عائد کیے حنابلہ نے بھی آپ کو اپنی مخالفتوں کا ہدف بنایا۔ فرغانی لکھتے ہیں۔ " لقد ظلمته الحنابلة "حنبلیوں نے آپ پر ظلم کیا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۲) مگر آپ صبر و استقامت کے ساتھ یہ مصائب جھیلتے رہے۔ آپ سے تحصیل علم کرنے والوں کی تعداد کافی ہے۔ چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

[illegible] الغفار [illegible] ابو عمرو [illegible] (تذکرہ)

علی بن عبدالعزیز دولابی، ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج الکاتب، ابوالحسن احمد بن یحیٰ المنجم، ابوالحسن وقیق الحلوانی، ابوالفرج المعافی بن زکریا النہروانی، ابوالقاسم بن العراد، ابوالحسین بن یونس، ابوبکر بن کامل، ابواسحاق، ابراہیم بن حبیب السقی الطبری۔

تصانیف:۔

ابن جریر طبری نے عنفوان شباب ہی سے دینی تاریخی فنی مواد کی فراہمی پر توجہ مرکوز کردی تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے دور دراز کے شہروں کا سفر کیا اور وہاں کے علماء ومحدثین اور ماہرین فن سے رابطہ پیدا کیا تاکہ ان سے اپنی دلچسپی کے مضامین میں استفادہ کرسکیں۔ ان کے ذاتی کتب خانوں سے فائدہ اٹھاسکیں اور اسکے علاوہ سماعت کے ذریعہ ان سے مستفید ہوں جب وہ وطن واپس لوٹے تو ان کے پاس علم کا وافر خزانہ موجود تھا چنانچہ انہوں نے تصنیف وتالیف کا مہتم بالشان کام شروع کیا اور اس کام سے انہیں ایسی رغبت ہوئی کہ مادی سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر علم دین کے سچے خادم بن گئے اور پوری زندگی قرطاس وقلم سے سروکار رکھا اور گرانقدر عظیم کتابیں آپ کے قلم سے معرض وجود میں آئیں آپ علوم اسلامیہ کے بہت بڑے خادم تھے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ نحو، صرف، ادب، معانی، منطق، حساب، جبر ومقابلہ اور طب میں ان کو کمال حاصل تھا، انہیں علوم وفنون سے متعلق ان کی بیش بہا کتابیں ہیں ان کے کثیر التصانیف ہونے کا اندازہ حافظ ذہبی کے اس بیان سے لگانا آسان ہوگا۔

وقیل مکث اربعین سنة یکتب کل یوم اربعین ورقة و قال تلمذه ابو محمد الفرغانی حسبت تلامذة ابی جعفر منذ احتلم الی ان مات فقسموا علی المدة مصنفاته فصار لکل یوم اربع عشرة ورقة ۔ کہتے ہیں آپ کی چالیس سالہ تحریروں کا اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ ہر روز چالیس ورق لکھتے تھے آپ کے شاگرد رشید ابومحمد فرغانی کہتے ہیں کہ امام طبری کے شاگردوں نے آپ کے سن بلوغ سے لیکر وفات تک کی تصانیف کا اندازہ کیا تو ثابت ہوا کہ آپ ساری عمر فی یوم چودہ ورق لکھتے تھے۔

آپ کی کچھ اہم کتابوں کے نام یہ ہیں۔

تفسیر ابن جریر، تاریخ ابن جریر، کتاب القرأت، کتاب العدد والتنزیل، کتاب اختلاف العلماء، کتاب [illegible] کتاب لطیف القول فی [illegible]، کتاب [illegible]، کتاب التبصیر فی

الاصول، تہذیب الآثار، کتاب البسیط، الفصل بین القرأت، کتاب الفضائل، احکام شرائع الاسلام۔

فن تجوید وقرأت:

ابن جریر کو فن قرأت میں کامل عبور حاصل تھا اس میں انہوں نے امامت کا درجہ حاصل کیا تھا اور ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو مختلف قرأتوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکتے تھے۔

آپ قرآن اتنا عمدہ پڑھتے تھے کہ دور دور کے قراء اس کے سننے کے لئے اور عام لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آتے تھے۔

ایک بار رمضان کی کسی آخری شب میں ابوعلی طوماری اپنے استاذ ابوبکر بن مجاہد کے ساتھ تراویح کے لئے روشنی لئے ہوئے جا رہے تھے ابن مجاہد چلتے چلتے محمد بن جریر طبری کی مسجد کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ طبری مسجد میں سورۂ رحمٰن پڑھ رہے تھے دیر تک ان کی قرأت سنتے رہے جب واپس لوٹے تو ابوعلی طوماری نے عرض کیا کہ آپ نے لوگوں کو اپنا منتظر رکھا اور یہاں قرآن سنتے رہے ابوبکر بن مجاہد نے کہا کہ تمہیں کیا خبر کہ اللہ نے کیسا آدمی پیدا کیا جو اس قدر اچھا قرآن پڑھتا ہے۔ (تاریخ بغداد ج۲ ص۱۶۴)

اس فن پر الفصل بین القرأت کے علاوہ بقول ابوعلی الحسن بن علی فن تجوید میں ابن جریر کی ایک کتاب میں نے آٹھ جلدوں میں دیکھی ہے اس میں انہوں نے تمام مشہور اور شاذ قرأتوں کو جمع کر دیا ہے۔ (معجم الادباء ج۶ ص۴۲۷)

تفسیر:

ابن جریر مفسر اعظم تھے۔ آپ کی عظیم تفسیر پیشروؤں کا مخزن اور بعد میں آنے والوں کا ماخذ ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر پہلے تیس ہزار صفحات میں لکھی بعد میں اسے مختصر کیا۔ علامہ ابن سبکی طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں۔

”ابن جریر نے اپنے تلامذہ سے پوچھا۔ کیا تمہیں تفسیر قرآن سے دلچسپی ہے؟ انہوں نے کہا اس کی ضخامت کس قدر ہے؟ کہا تیس ہزار صفحات کہنے لگے ایسی تفسیر کو پڑھتے پڑھتے تو عمر ختم ہو جائے گی چنانچہ آپ نے اس کو تین ہزار صفحات میں مختصر کر دیا“۔

فنی لحاظ سے ابن جریر کی تفسیر کو اولیت کا مقام حاصل ہے اس سے پہلے کوئی اتنی مبسوط مکمل اور وسیع معلومات پر مشتمل تفسیر نہیں لکھی گئی علماء اسلام نے اس تفسیر کی طرف کافی اعتناء کیا اور اسے

مسلمانوں میں شہرت و مقبولیت دوام حاصل ہوئی۔ علماء اور مفسرین نے اس تفسیر کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی۔

❁ ابو حامد اسفرائنی: **لو سافر رجل الی الصین فی تحصیل تفسیر ابن جریر لم یکن کثیراً**۔ اگر کسی شخص کو علامہ ابن جریر کی تفسیر حاصل کرنے کے لئے چین تک کا سفر کرنا پڑے تو اس کے لئے یہ سودا مہنگا نہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۲)

❁ حافظ جلال الدین سیوطی: ''تفسیر ابن جریر کتب تفسیر سے اعظم و افضل ہے اس میں تفسیری اقوال کی توجیہ و ترجیح، کلمات کی نحوی، حالت اور استنباط مسائل سے تعرض کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ تفسیر سابقہ کتب تفسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔'' (الاتقان ج ۲ ص ۱۹۰)

❁ امام نووی: اس امر پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ (ایضاً)

❁ داودی مالکی: حسب اتفاق علماء ابن جریر کی تفسیر القرآن کے مثل کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ (بحوالہ طبقات المفسرین مخطوطہ بانکی پور)

یہ تفسیر اپنی گوناگوں خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر انہی تاثرات کی مستحق ہے۔ اس سے پہلے جو تفسیری کتابیں لکھی گئیں وہ پورے قرآن حکیم کی تفسیر نہیں تھی بلکہ بعض سورتوں اور آیتوں کے سلسلہ میں تفسیری اقوال کا مجموعہ تھیں بہ ترتیب مصحف قرآن کی پہلی اور جامع تفسیر صرف ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ماسبق تفسیری اقوال و آراء اور احادیث و آثار جو تحریری یا زبانی طور پر حاصل ہوئے ان کو جمع کر کے محفوظ کر لیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے محض جمع و نقل روایت پر اکتفاء کیا ہے بلکہ تمام اقوال کو نقل کر کے مجتہدانہ شان کے ساتھ ان کی توجیہ اور بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی کوشش کی گویا انہوں نے روایت کے ساتھ درایت سے بھی کام لیا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں یہ اہم کارنامہ بھی انجام دیا کہ قرآن سے متعلق اس عہد تک زیر بحث شدہ مباحث کو اپنی تفسیر میں شامل کر کے اس وقت عہد تک کی قرآنی انسائیکلوپیڈیا بنا دیا چنانچہ نحو، صرف، تجوید، لغت، فقہ، عقائد و کلام ملاحدہ اور فرق باطلہ کی تردید علوم طبعیہ کے متعلقہ مسائل ان کی تفسیر میں صاف طور سے ملتے ہیں۔

تاریخ:

صف اول میں کھڑا کر دیا ہے۔ آپ نے جب یہ تفصیلی تاریخ قلمبند کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے شاگردوں سے کہا اگر میں دنیا کی تاریخ لکھوں تو تم لوگ بخوشی اس کا مطالعہ کرو گے؟ وہ بولے حضرت وہ کتنی بڑی ہوگی؟ آپ نے فرمایا کوئی تیس ہزار ورق یعنی ساٹھ ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی۔ شاگردوں نے عرض کیا جناب والا اس کو تو پورا پڑھنے سے پہلے لوگوں کی عمریں ختم ہو جائیں گی آپ نے فرمایا انا للہ! علم کا شوق اور اس کو حاصل کرنے کی ہمت مر گئی پھر آپ نے تین ہزار ورق پر مشتمل تاریخ کی کتاب لکھی۔ (تذکرہ ج۲ ص۲۵۲)

اس کتاب کا آغاز ایک طویل تمہید سے ہوتا ہے اس کے بعد تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے مسائل پر مواد پیش کیا گیا ہے پھر تاریخ الانبیاء کا حصہ شروع ہوتا ہے۔ تاریخ الانبیاء کے ساتھ ساتھ پرانے زمانے کے بادشاہوں اور پرانی قوموں کے مختصر حالات بھی تحریر کیے گئے ہیں اس کے بعد ایران کے ساسانی بادشاہوں کی تاریخ بیان کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ یونان وروم کی تاریخ پر بھی سرسری نظر ڈالی ہے پھر رسول اللہ ﷺ کی سیرت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے پھر خلفاء راشدین، خلفاء بنی امیہ، خلفاء بنی عباسیہ کے حالات، سیاسی کشمکش صلح و جنگ اور نظام حکمرانی کے تعلق سے بھر پور روایات سند کے ساتھ جمع کی ہیں اس طرح یہ تاریخ ابتدائے آفرینش سے لے کر ۳۰۲ھ تک کے اہم واقعات وحالات اور حوادث کا احاطہ کرتی ہے۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ کا ماخذ ایسے اشخاص اور کتابوں کو بتایا ہے جو مستند اور قدیم ترین اہمیت کے حامل ہوں۔

علامہ ابن جریر نے انتھک کوشش کے ذریعہ معلومات کا وسیع اور بیش بہا خزانہ محفوظ کر دیا ہے۔ اسطرح اپنے معاصرین اور بعد کے مورخین کے لئے زبردست تاریخی ریکارڈ فراہم کر دیا یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس کتاب کی طرف توجہ کی ابن خلکان کہتے ہیں (یہ کتاب) اصح التاریخ ہے۔

علامہ سخاوی کہتے ہیں۔ یہ انتہائی معتبر تاریخ ہے ان کے بعد میں آنے والوں نے اس سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ (الاعلان بالتوبیخ ۱۴۴)

فقہ:۔

علامہ طبری نے تحصیل علم کے دوران حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مکاتب فقہ کے علماء سے علم فقہ حاصل کیا اور فقہ میں امتیازی شان پیدا کر لی۔ ابتداء میں وہ امام شافعی کے مقلد تھے اور اسی فقہ کے مطابق دس سال تک فتویٰ دیتے رہے مگر رفتہ رفتہ بعض قانونی مسائل پر اجتہاد کرنا شروع کیا اور اس طرح وہ ایک الگ فقہی دبستان کے بانی ہو گئے۔ اس مکتب فکر کے ماننے والے ''جریریہ''

کہلاتے تھے ان کا مذہب پانچویں صدی ہجری کے نصف تک معمول بہ رہا۔

آپ نے فقہ میں بھی عظیم تصانیف چھوڑیں مگر دست بردِ زمانہ سے ان کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا فقہ میں آپ کی سب سے مشہور کتاب ''اختلاف علماء الامصار فی احکام شرائع الاسلام'' ہے۔ اس کتاب کے بارے میں آپ کہا کرتے تھے فقیہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے اس کتاب میں فقہاء کے اختلاف سے بحث کی گئی ہے تین ہزار صفحات پر مشتمل تھی۔

دوسری کتاب ''لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام'' ہے یہ کتاب ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل تھی اس کے علاوہ ایک اور کتاب بسیط القول فی احکام شرائع الاسلام ہے مزید براں متعدد فقہی رسائل بھی تصنیف کئے تھے۔

حدیث:۔

ابن جریر طبری علم حدیث میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے ان کی عظمت فی الحدیث کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے ارباب تذکرہ نے آپ کو الامام العلم الفرد الحافظ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ ان کا شمار ترمذی اور نسائی کے طبقہ میں ہے اور ان کے مشائخ وہی ہیں جو بخاری و مسلم کے مشائخ میں (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۷۸)

حافظ ذہبی کتاب الفضائل کے طرق کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''رایت مجلدا طرق الحدیث لابن جریر فاندھشت له و لکثرة تلک الطرق''۔ یعنی میں نے ایک جلد پر مشتمل ابن جریر کی یہ کتاب دیکھی ہے جس میں اس حدیث کے تمام طریق اور تمام سندیں جمع کر دی ہیں میں اس کتاب میں حدیث کی اتنی زیادہ سندیں دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔ (تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۲۵۲)

تہذیب الآثار:

حدیث میں آپ کی اہم ترین کتاب ہے حافظ ذہبی رقم طراز ہیں۔

''ھو من عجائب کتبه ابتدابما رواہ ابو بکر الصدیق فما صح وتکلم علی کل حدیث وعلته و طرقه ما فیه من الفقه واختلاف العلماء وحججھم و اللغة فتم مسند العشرة واھل البیت والموالی ومن مسند ابن عباس قطعة ومات'' آپ کی عجیب ترین کتاب ہے اس میں آپ نے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کی کل احادیث جمع کیں اور ہر حدیث [illegible] بانید ر بحث کی اس سے فقہی مسائل کا استنباط کیا اور اس میں علماء کا

اختلاف اور ان کے دلائل بالتفصیل بیان کیے نیز حل لغات پر بھی کام کیا اس طریقہ پر عشرہ مبشرہ اہل بیت اور موالی کے مسندات کو پوری کر لی تھیں۔ اور ابن عباس کی کچھ مسند حدیثیں لکھنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ (ایضاً)

خطیب بغدادی کہتے ہیں میں نے ایسی کتاب نہیں دیکھی۔ حدیث کے سلسلہ میں یاقوت معجم الادباء میں ابن جریر کی ایک مسند کا بھی ذکر کیا ہے حضرت ابو بکر و عمر اور علی کے فضائل پر بھی ایک کتاب لکھی ہے ایک اور کتاب عبارۃ الرویاء ہے۔

ابن جریر طبری نے تفسیر، حدیث، فقہ کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں بھی گرانقدر تصانیف چھوڑیں۔

وفات:

شوال ۳۱۰ھ میں اس عظیم و متبحر عالم دین نے وفات پائی محلہ رحبہ یعقوب میں اپنے گھر کے اندر دفن کیے گئے۔

(۵۱) شیخ الاسلام امام الائمہ محمد ابن خزیمہ سلمی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۲۳ھ وفات ۳۱۱ھ

اسم گرامی محمد ابو بکر کنیت شیخ الاسلام لقب ہے سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر آپ کی ولادت صفر ۲۲۳ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں ہوئی اس زمانہ میں نیشاپور علم و علماء کا بڑا مرکز تھا ابن خزیمہ نے اپنے وطن کے اکابر علم سے ابتدا میں علم حاصل کیا مگر ان کے دامن کی وسعت متقاضی تھی کہ وہ اپنے شہر سے نکل کر دیگر اسلامی بلاد و امصار کے ذخیرہ ہائے علم سے خوشہ چینی کریں چنانچہ انہوں نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ رے، بغداد، کوفہ، بصرہ، شام، حجاز، عراق، مصر، واسط کا سفر کیا طلب علم کے لیے رحلت و سفر کا شوق بچپن ہی سے دامن گیر تھا ان کے پوتے محمد بن فضل کا بیان ہے۔

میں نے اپنے دادا سے سنا ہے فرماتے تھے میں نے امام قتیبہ بن سعید سے اکتساب فیض کرنے کے لئے اپنے والد سے سفر کی اجازت طلب کی تو فرمانے لگے پہلے قرآن پڑھ لو پھر تمہیں ان کے پاس جانے کی اجازت دونگا میں نے تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا عید الفطر کے بعد انہوں نے مجھے جانے کی اجازت دیدی۔ "فخرجت الی مرو سمعت بمرو الروذ من

محمد بن هشام يعني صاحب هشيم فنعني الينا قتيبه"۔ میں پہلے رے گیا اور مروالروذ میں امام ہشیم کے تلمیذ محمد بن ہشام سے ہی سماع کر رہا تھا کہ قتیبہ کی وفات کی خبر ملی اور یوں میں ان سے کسب فیض نہ کر سکا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۶۱)

امام ابن خزیمہ نے غیر معمولی حافظہ اور بے نظیر جذبۂ تحصیل علم کے ساتھ جن اکابر علم سے اپنے دامن کو مالا مال کیا ان میں چند اہم نام یہ ہیں۔ ابو قدامہ سرخسی، ابو کریب، احمد بن منیع، اسحاق بن موسیٰ خطمی، بشر بن معاذ عقدی، عبد الجبار بن اعلیٰ، عتبہ بن عبد اللہ محمدی، علی بن حجر علی بن خشرم محمد بن ابان ستملی، محمد بن اسلم زاہد، محمد بن حرب، محمد بن مہران محمود بن غیلان، نصر بن علی جہمی، یونس بن عبد الاعلی۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۶۲)

علم وفضل:۔

ابن خزیمہ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ انہوں نے صغر سنی ہی میں قرآن حکیم حفظ کر لیا تھا اور پھر اسلامی بلاد وامصار کے اکابر علم سے بڑے ذوق وانہماک کے ساتھ علم حاصل کیا اور اپنے وقت کے نامور حفاظ حدیث کی صف اول میں داخل ہو گئے آپ سے وفور علم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ۔"قال رسول الله ﷺ ماء زمزم لما شرب له واني لما شربت ماء زمزم سالت الله علما نافعا"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمزم کا پانی جس مقصد سے پیا جائے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اس لئے میں نے جب زمزم کا پانی پیا تو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے علم نافع کا سوال کیا تھا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۶۰)

آپ کے حفظ وضبط ثقاہت وعدالت اور بلند علمی رتبہ کا اعتراف بڑے بڑے مشائخ وقت نے کیا ہے۔

۞ حافظ ذہبی "الحافظ الكبير امام الائمة شيخ الاسلام" بہت بڑے حافظ حدیث شیخ الاسلام اور اماموں کے امام ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۹)

۞ ابو علی نیشاپوری: كان ابن خزيمة يحفظ الفقهيات من حديثه كما يحفظ القارى السورة ...... لم ار مثل ابن خزيمة ۔ امام ابن خزیمہ کو اپنی احادیث سے یاد کردہ فقہی مسائل اس طرح یاد تھے جس طرح حافظ کو قرآن کی کوئی سورت یاد ہوتی ہے۔ میں نے ان کے جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۶۰) .

❁ حافظ ذہبی: انتہت الیہ الامامة والحفظ فی عصرہ بخراسان ھذا الامام کان فرید عصرہ۔ آپ کے زمانہ میں خراسان میں امامت فی الحدیث اور حفظ و اتقان آپ پر ختم ہو گیا۔ یہ امام اپنے زمانہ میں دریکدانہ تھے۔

❁ ابو حاتم ابن حبان: ''ما رایت علی وجه الارض من یحسن ضاعة السنن و یحفظ الفاظها الصحاح و زیاداتها حتی کان السنن بین عینیه الا محمد بن اسحاق بن خزیمة فقط'' میں نے روئے زمین پر بجز امام ابن خزیمہ ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جسے فن حدیث میں اس قدر مہارت ہو کہ اسے صحیح الفاظ اور زیادات حدیث اس طرح یاد ہوں کہ گویا حدیث کی سب کتابیں اس کے سامنے کھلی پڑی ہیں۔ (ایضاً ص ٢٦١، ٢٦٢)

❁ امام دارقطنی: ''کان ابن خزیمة اماماً ثبتاً معدوم النظیر'' ابن خزیمہ پختہ کار اور بے نظیر عالم تھے۔ (ایضاً ص ٢٦٦)

❁ ابو احمد داری: ''میں نے خود ابن خزیمہ سے ان کے حافظہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا بیٹا! میں نے سفید کاغذ پر سیاہی سے جو کچھ لکھا ہے اسے خوب جانتا ہوں''۔ ''یابنی ما کتبت سوادا فی بیاض الا وانا اعرفه'' (ایضاً)

حدیث:۔

''علم حدیث میں وہ درجۂ امامت پر فائز تھے ایک با کمال محدث کی تمام صفات ان کے اندر موجود تھیں وہ اکابر محدثین اور نامور ائمہ فن میں نمایاں نظر آتے ہیں احادیث کے اسناد و متون پر وہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے ابو حاتم محمد بن حبان بستی کا قول اوپر گذر چکا ہے''۔

فقہ شافعی کے جامع و مدون امام مزنی سے ایک عراقی شخص نے دریافت کیا کہ جب قرآن مجید نے قتل کی صرف دو ہی صورتیں بیان کی ہیں۔ عمد۔ خطا تو آپ لوگ تیسری قسم شبہ عمد کو کس طرح مانتے ہیں انہوں نے جواب میں ایک حدیث پیش کی اس نے کہا کہ آپ علی بن زید بن جدعان کی روایت سے استدلال کرتے ہیں یہ سن کر مزنی خاموش ہو گئے اور ابن خزیمہ نے جواب دیا کہ شبہ عمد کی روایتیں دوسرے سے بھی مروی ہیں عراقی نے کہا اور کس کے واسطے سے مروی ہیں امام ابن خزیمہ نے فرمایا ایوب سختیانی اور خالد حذا سے اس نے ایک راوی عقبہ بن اوس کے متعلق شک و تردد کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بصری شیخ ہیں اور ابن سیرین جیسے جلیل القدر بزرگ نے بھی ان سے روایت کی ہے معترض نے امام مزنی سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ کر ہے ہیں یا یہ؟ انہوں

نے فرمایا "اذا جاء الحدیث فهو یناظر لانه اعلم به منی ثم اتکلم انا" یہ احادیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ واقف کار ہیں اس لیے جب حدیثوں پر گفتگو ہوتی ہے تو میں خاموش رہتا ہوں اور یہ بحث ومناظرہ میں حصہ لیتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۱۱ ص ۲۶۰)

امام ابن خزیمہ پیش آنے والے مسائل واستفسارات کا جواب بھی احادیث کریمہ کی روشنی میں دیا کرتے تھے امیر اسماعیل بن احمد نے ایک مرتبہ فَی وغنیمت کا فرق دریافت کیا تو انہوں نے سورۂ انفال کی آیت " واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه" (الآیہ) پڑھنے کے بعد چند حدیثیں بیان کیں پھر سورۂ حشر کی آیت "ما افاء الله علی رسوله " (الآیہ) پڑھ کر احادیث سے مسئلہ کی وضاحت کی ابوزکریا محمد بن یحیٰ کا بیان ہے کہ اس موقع پر انہوں نے تقریبًا ایک سو ستّر احادیث بیان کی ہوں گی۔ (طبقات الشافعیہ سبکی ج ۲ ص ۱۳۴)

ابن شریح بیان کرتے ہیں کہ وہ بڑی چھان بین اور محنت سے احادیث کے نکات اور مطالب کا استخراج کرتے تھے (ایضا) حدیث کی نقل وروایت میں فضل واجتہاد کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے " وکان مبرزا فی علم الحدیث" وہ علم حدیث میں بہت ممتاز اور نہایت کامل تھے (المنتظم ج ۶ ص ۱۸۴) امام ابن خزیمہ کے کسی صاحب علم پڑوسی نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک ایک تختی پر ہے جسے ابن خزیمہ صاف کر کے اجلا کر رہے ہیں معبر نے اس خواب کی تعبیر میں کہا یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرے گا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۶۶) چنانچہ ایسا ہی ہوا امام ابن خزیمہ نے صحیح احادیث وسنن کی اشاعت میں اپنی پوری زندگی وقف کردی۔

فقہ واجتہاد:۔

حدیث کے ساتھ فقہ واجتہاد میں بھی کمال رکھتے تھے وہ کسی مسلک فقہ کے پابند نہیں تھے بلکہ وہ خود مجتہد تھے علامہ ابن سبکی نے ان کو المجتہد المطلق اور علامہ ابن کثیر نے "وهو من المجتهدین فی دین الاسلام" لکھا ہے وہ خود صاحب مذہب مجتہد اور امام فقہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے فتاوے بھی بعض اسلامی ملکوں میں رائج تھے ان کی فقہ کا مدار احادیث پر تھا ابوزکریا یحیٰ بن محمد کہتے ہیں میں نے ابن خزیمہ کو سنا " لیس لاحد مع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قول اذا صح الخبر" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح فرمان کی موجودگی میں کسی شخص کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۶۶)

تلامذہ:۔

علم وفضل میں کمال کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی شہرت وناموری عطا فرمائی تھی امام الائمہ ان کے نام کا جز بن گیا تھا آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ استفادہ کرنے کے لیے علماء وطلبہ کا ہجوم در دولت پر لگا رہتا تھا بڑے بڑے ارباب کمال دور دراز سے آتے، استفادہ کرنے والوں کا قافلہ ہر وقت موجود رہتا امراء اور اہل ثروت بھی آپ کا احترام کرتے علامہ ابن سبکی بیان کرتے ہیں وہ مختلف علوم کے جامع اور مرتبۂ کمال پر فائز تھے نیشاپور میں جو علم وفن کا گہوارہ اور فضلاء وارباب کمال کا مرکز تھا یکتائے روزگار تھے ان کی علمی شان سب سے بالا وبرتر تھی ان کے گرد طلبہ ومستفیدین کا ہجوم رہتا تھا ان کے فتاوے تمام روئے زمین میں نقل ہوتے تھے۔ عقل وفطانت میں بے مثال تھے بحث ومناظرہ میں انہیں زیر نہیں کیا جا سکتا تھا درحقیقت علم وفضل کا بحر زخار تھے جس سے تشنگان علوم سیراب ہوتے تھے ان کی اس علمی ضیاء سے ایک عالم کو بصیرت حاصل ہوتی تھی علماء واساطین فن بھی ان کی جانب رجوع کرتے تھے ان کے فیض کا یہ حال تھا کہ وہ سمندر کی طرح اپنے قریب کے لوگوں کو موتی اور جواہرات سے مالا مال کرتے تھے اور دور والوں کے لیے باران رحمت کی طرح سامان فیض فراہم کرتے تھے۔ (طبقات الشافعیہ ابن سبکی ج۲ ص۱۳۰)

ان کے چند مشہور تلامذہ یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، محمد بن عبد اللہ بن حکم، احمد بن مبارک، ابوبکر احمد بن مہران مقری، ابو حامد احمد بن محمد بن بالویہ، ابو علی نیشاپوری، ابو عمرو بن حمدان، اسحاق بن سعید نسوی، محمد بن احمد بن نصیر، محمد بن فضل، ابراہیم بن ابی طالب، ابو عمرو بن حمدان۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۶۰)

مکارم اخلاق:۔

امام ابن خزیمہ متبع سنت، زاہد وعابد اور متقی پرہیزگار فقیہ ومحدث تھے ان کی زندگی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی ابوبکر بن بالویہ کہتے ہیں امام ابن خزیمہ سے کہا گیا کاش آپ حمام میں جا کر بال صاف کروالیں فرمایا "لم یثبت عندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل حماماً قط ولا حلق شعرہ انما تاخذ شعری جاریۃ لی بالمقراض" میرے نزدیک یہ ثابت نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حمام میں داخل ہوئے اور بال صاف کیے میری لونڈی قینچی سے میرے بال تراش دیتی ہے۔ (تذکرہ ج۲ ص۲۶۰)

آپ کی معاشرت بڑی سادہ اور تکلفات سے پاک تھی معمولی رقم میں گزر اوقات کر لیتے تھے پہننے کے لیے صرف ایک ہی قمیص ہوتی جب دوسری قمیص بنواتے تو پرانی کسی ضرورت مند کو دے دیتے لوگ کہتے کچھ زیادہ کپڑے بنوا لیجئے فرماتے مجھے اپنے نفس کے آرام وراحت کا کوئی خیال نہیں توکل وقناعت کے ساتھ سخاوت وفیاضی کا وصف بھی بیکراں تھا ان کے پوتے محمد بن فضل کہتے ہیں میرے دادا کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے بلکہ سارا مال اہل علم پر خرچ کر دیتے بخل کرنا بالکل نہیں جانتے تھے محتاجوں پر صدقہ کرتے وقت دس اور بیس میں تمیز نہیں کرتے۔ (ایضاً) وہ بڑے صاف گ اور اعلان حق میں بے باک اور جری واقع ہوئے تھے سلاطین وامراء کے روبرو بھی حق گوئی میں انہیں تامل نہ ہوتا تھا۔ ایک بار امیر اسماعیل بن احمد سامانی نے اپنے والد کے واسطہ سے ایک حدیث بیان کی جس کی سند میں ان کو وہم ہو گیا تھا ابن خزیمہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے فوراً اس کی تصحیح کی جب واپس ہوئے تو قاضی ابوذر نے بتایا کہ ہم لوگ بیس سال سے یہ غلط روایت سنتے تھے مگر تصحیح کی جرأت نہ ہوتی تھی ابن خزیمہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں خطاوتحریف جان کر خاموش رہنا گوارہ نہیں کر سکتا۔ (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۲۳)

علم حدیث کی برکت اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع نے ان کے آئینۂ ذات وصفات کو مجلّٰی ومزکّٰی بنا دیا تھا۔ اور علم ظاہر وباطن کے امام ومقتدیٰ بن گئے تھے ان کی ذات خیر وبرکت وکرامت کا سرچشمہ بن گئی تھی لوگ ان کی بزرگی وکرامت اور خیر وبرکت کے قائل ومعترف تھے ابو عثمان حیری کا بیان ہے اللہ تعالیٰ ابن خزیمہ کی وجہ سے اہل نیشاپور سے بہت سی مصیبتیں دور کرتا ہے۔ (تذکرہ ج ۲) محمد بن ہارون طبری بیان کرتے ہیں کہ وہ اور محمد بن نصر مروزی محمد بن علوی وزان اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ چاروں آدمی تحصیل علم وسماع حدیث کے لیے ربیع بن سلیمان کے پاس گئے وہاں ہم لوگوں کا ساز وسامان ختم ہو گیا جب مسلسل تین روز فاقوں میں بسر ہوئے تو ہم نے آپس میں کہا ایسی حالت میں ہمارے لیے سوال کرنا جائز ہے لیکن ہر شخص سوال کرنے میں عار محسوس کرتا تھا اس لیے قرعہ اندازی کی گئی اتفاقاً قرعہ ابن خزیمہ کے نام نکلا انہوں نے کہا پہلے مجھے دو رکعت صلوٰۃ استخارہ پڑھ لینے دو ابھی وہ نماز میں مشغول ہی تھے کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی درواز کھلوا گیا تو حاکم مصر احمد بن طولون کا خادم اجازت لے کر اندر آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا پھر ایک پرز نکال کر پوچھا محمد بن نصر کون ہیں؟ ہم نے ان کی طرف اشارہ کر دیا اس نے پچاس ہزار کی ایک تھیلی دی اور کہا امیر مصر نے سلام عرض کیا ہے اور اخراجات کے لیے آپ کو یہ رقم پیش کی ہے ختم ہونے کے

بعد مزید رقم پیش کی جائے گی اسی طرح ہم چاروں کو تھیلیاں دے کر یہی پیغام پہونچایا ہم نے اس سے کہا پہلے اس واقعہ کا سبب بتاؤ ورنہ ہم تھیلیاں قبول نہ کریں گے اس نے کہا آج دوپہر میں امیر قیلولہ کر رہے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کل خدا کے ہاں حاضر ہو کر کیا جواب دو گے جب وہ تم سے ان چاروں علماء کے بارے میں سوال کرے گا جو تین روز سے بھوکے ہیں اس خواب سے امیر گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور آپ لوگوں کا نام لکھوا کر یہ تھیلیاں بھیجیں۔ (المنتظم ابن جوزی ج ۶ ص ۱۸۵)

تصانیف:۔

امام ابن خزیمہ باکمال کثیر التصانیف مصنف بھی تھے ابن کثیر نے لکھا ہے انہوں نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں امام حاکم کتاب علوم الحدیث میں فرماتے ہیں:" **فضائل ابن خزيمة مجموعة عندي في اوراق كثيرة و مصنفاته تزيد علىٰ مائة واربعين كتابا سوى المسائل والمسائل المصنفة مائة جزء وله فقه حديث بريرة في ثلاثة اجزاء**" امام ابن خزیمہ کے فضائل ومناقب میرے پاس بہت سے اوراق میں جمع ہیں مختلف مسائل اور فتاویٰ کے علاوہ ان کی مصنفات کی تعداد ایک سو چالیس سے زائد ہے مسائل اور فتاویٰ الگ سو جزء میں جمع کیے گئے ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۶۶)

امام ابن خزیمہ کا معمول تھا کہ تصنیف سے پہلے وہ نماز استخارہ پڑھا کرتے تھے اگر استخارہ نکل آتا تو تصنیف کی ابتدا کرتے ابوعثمان حیری کہتے ہیں:" **حدثنا ابن خزيمة قال كنت اذا اردت ان اصنف الشي دخلت في الصلاة مستخيراً حتى يقع لي فيها ثم ابتدئي**" امام ابن خزیمہ نے ہمیں بتایا جب میں کوئی کتاب تصنیف کرنا چاہتا تو پہلے نماز میں مصروف ہوتا پھر دعا استخارہ کرتا اطمینان قلب حاصل ہونے پر لکھنا شروع کر دیتا تھا۔ (ایضاً) ان کی اکثر کتابیں ناپید ہو گئیں چند کتابوں کے نام یہ ہیں: فقہ حدیث بریرہ، کتاب التوحید والصفات، صحیح ابن خزیمہ۔

صحیح ابن خزیمہ یہ آپ کی سب سے اہم کتاب ہے جسے حدیث کی معتبر کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے ثقہ علماء اس کی حدیثوں سے اخذ واستفادہ کرتے ہیں ابن کثیر لکھتے ہیں:

"**من انفع الكتب واجلها**" یعنی صحیح ابن خزیمہ نہایت مفید اور اہم کتابوں میں ہے۔ علامہ سیوطی نے بخاری ومسلم کے بعد جن کتابوں کو زیادہ معتبر بتایا ہے ان میں کتب صحاح کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کا پایہ صحیح ابن حبان سے زیادہ ہے

کیوں کہ ابن خزیمہ نے صحت کی جانب زیادہ توجہ کی ہے وہ ادنیٰ شبہ پر بھی توقف سے کام لیتے ہیں ...... یہ صحت میں صحیح مسلم کے قریب قریب ہے۔

وفات: ۔ ۲/ذی قعدہ ۳۱۱ھ نیشاپور میں وصال فرمایا اور اپنے مکان میں دفن ہوئے۔

(۵۲) حضرت امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۱۶ھ

اسم گرامی یعقوب کنیت ابوعوانہ۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید۔ اسفرائین نیشاپور کے قریب ایک نہایت شاداب وآباد شہر تھا جسے زمانۂ قدیم میں مہرجان کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہ شہر مسلمانوں کے دور عروج واقبال میں علماء وفضلاء کا مرکز تھا۔ امام عمر بن صفار نے اسفرائین کے باب نیشاپور کے قریب استاذ ابواسحاق کی قبر کے اردگرد دیکھ کر فرمایا:

"قد قیل ھھنا من الائمة والفقھاء علی مذھب الامام الشافعی رضی اللہ عنہ اربعون اماماً کل واحد منھم لو تصرف فی المذھب وافتیٰ برایہ واجتھادہ یعنی علی مذھب الامام الشافعی لکان حقیقاً بذٰلک" کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر مذہب شافعیہ کے چالیس ایسے ائمہ وفقہاء مدفون ہیں جن میں سے ہر ایک فقیہ اس مرتبہ کا تھا کہ اگر وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے فتویٰ دیتا یعنی امام شافعی کے مذہب پر تو وہ اس کا مستحق تھا۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۹۶) امام ابوعوانہ اسی مردم خیز شہر کے باشندے تھے۔

تحصیل علم: ۔

ابوعوانہ نے جس شہر میں آنکھ کھولی وہ علم وفضل کا مرکز تھا فطری ذہانت، طبعی شوق اور جدوجہد کی صلاحیت نے ابوعوانہ کو حدیث وفقہ میں اونچے مقام تک پہونچا دیا۔ طلب حدیث کے لیے وہ صرف اسفرائین اور نیشاپور ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ ذخیرۂ حدیث کی طلب میں اسلامی بلاد وامصار کا چپہ چپہ چھان مارا۔ تحصیل علم کے لیے رحلت وسفر کی کثرت اور اسفار کی مشقت میں شاید ہی کوئی محدث ان کی ہمسری کر سکے۔ ابوعبداللہ حاکم فرماتے ہیں:

"ابو عوانة من علماء الحدیث واثباتھم ومن الرحالة فی اقطار الارض لطلب الحدیث" ابو عوانہ علماء حدیث اور اثبات میں سے تھے انہوں نے ذخیرہ حدیث کی تحصیل کے لیے

روئے زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا۔ (ایضاً)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: " طوف الدنیا و وعیٰ بھذا الشان" آپ نے طلب علم کے لیے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا اور اس فن کو کمال توجہ کے ساتھ حاصل کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲)

ارباب سیر وتذکرہ کی تصریحات کے مطابق انہوں نے حصول علم کے لیے خراسان، عراق، یمن، حجاز، شام، جزیرہ، فارس، اصفہان، ثغور، رَے، واسط، بصرہ اور کوفہ وغیرہ مختلف ملکوں اور شہروں کا سفر کیا۔ اور وہاں کے اساطین علم سے علم حاصل کر کے اپنے دامن کو مالا مال کر لیا۔

ان کے اہم شیوخ یہ ہیں:

یونس بن عبد الاعلیٰ، احمد بن ازہر زعفرانی، علی بن حرب، عمر بن شبہ، محمد بن یحییٰ ذہلی، علی بن اشکاب (تذکرہ ج ۳ ص ۲) یزید بن محمد بن عبد الصمد، اسماعیل بن محمد بن قیراط، شعیب بن شعیب بن اسحاق، مزنی، ربیع، محمد بن عبد الحکیم، سعد بن عبد الحکیم، سعدان بن نصر، حسن زعفرانی، مسلم بن حجاج، محمد بن رجاء سندھی۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۹۶) ابو حاتم، ابوزرعہ، احمد بن سعید دارمی، یعقوب بن سفیان وغیرہ۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۱ ص ۴۰۶)

علم وفضل:

امام ابوعوانہ نے قوت حفظ وضبط اور بے پایاں ذوق وجستجوئے علم سے اپنے سینے میں علم دین کا بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا تھا۔ آپ کی علمی جلالت، حفظ وضبط اور عدالت وثقاہت پر علماء فن اور ارباب سیر کا اتفاق ہے لوگوں نے آپ کو الحافظ الکبیر الجلیل، احد الحفاظ، احد حفاظ الدنیا اور من اکابر حفاظ الحدیث لکھا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: "ابو عوانة الحافظ الثقة الکبیر" بہت بڑے حافظ حدیث ہیں سب محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲)

❁ ابن خلکان: " کان ابو عوانة احد الحفاظ الجوالین والمحدثین المکثرین" ابوعوانہ ان حفاظ اور محدثین میں تھے جنہوں نے بڑے سفر کیے اور بکثرت حدیثیں جمع کیں۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۹۶)

فقہ واجتہاد:۔

حدیث کے علاوہ امام ابوعوانہ فقہ میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے انہوں نے مصر جا کر امام

شافعی کے ارشد واعلیٰ تلامذہ مزنی اور ربیع سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی اور جب اسفرائین لوٹے تو یہاں فقہ شافعی کو خوب رواج دیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "وکان هو اول من ادخل كتب الشافعي ومذهبه الىٰ اسفرائين" آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام شافعی کا مذہب اسفرائین میں رائج کیا اور ان کی کتابوں کی نشر واشاعت کی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳)

تلامذہ:۔

آپ کی ذات طالبان علوم کی مرجع تھی آپ سے کسب فیض کرنے والوں کی تعداد کثیر ہے چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

احمد بن علی رازی، ابوعلی نیشاپوری، یحییٰ بن منصور، ابن عدی، طبرانی، اسماعیلی، حسینک، ابومصعب محمد بن ابی عوانہ، ابونعیم، عبدالملک بن حسن اسفرائینی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲) ابواحمد بن علی، محمد بن یعقوب بن اسماعیل، ابولید۔ (وفیات جلد ۳ صفحہ ۳۹۶)

صحیح ابوعوانہ:۔

صحیح ابوعوانہ علم حدیث میں آپ کی مشہور کتاب ہے جو صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: یہ صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ اصطلاح محدثین میں مستخرج اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسری کتاب کی حدیثوں سے ثابت کیا جائے اور ترتیب اور متون اور طرق اسناد میں اسی کتاب کے طریق کو ملحوظ رکھے اور اپنی سند کو اسی طریق سے بیان کرے کہ اس کتاب کا مصنف درمیان میں نہ ہو جس پر یہ مستخرج ہے بلکہ اپنے واسطہ کو اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ یا شیخ شیخ الشیخ یا اور اوپر تک بیان کردے اور جب اس طرز پر دوسرے طریق سے بھی یہ روایت ثابت ہوگئی تو اس کتاب کے مصنف کی روایت پر زیادہ وثوق اور اعتبار ہو جاتا ہے لیکن اس مستخرج کو صحیح اس سبب سے کہتے ہیں کہ مسلم کے طرق واسانید کے علاوہ مزید طرق واسانید کا بھی اس میں اضافہ کردیا ہے بلکہ قدرے قلیل متون میں بھی زیادتی کی ہے پس گویا یہ ایک مستقل کتاب ہوگئی۔ (بستان المحدثین ص ۶۱)

مستخرج ابوعوانہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ صحیح مسلم پر مستخرج ہونے کے باوجود اس میں بعض اہم اضافے بھی ہیں۔

۲۔ مختلف اسانید اور متعدد احادیث تحویل نظائر وشواہد کے ساتھ درج کیے ہیں اور اختلاف متن

٣۔ احادیث کے معنی کی صحیح تعبیر اور بلیغ تشریح بھی کی ہے۔

٤۔ ابواب فِقہ پر ترتیب احادیث کے باوجود انھوں نے مختلف فصلیں بھی قائم کی ہیں۔

وفات:۔

آبائی وطن اسفرائین میں ٣١٦ھ میں اس جلیل القدر محدث نے وفات پائی اور اسی شہر میں باب نیشاپور کے قریب دفن کیے گئے۔ مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔ عمر بن صفار اسفرائینی کہتے ہیں۔ قبر ابی عوانة باسفرائین مزار العالم ومتبرک الخلق۔ (وفیات الاعیان ج٣ ص٣٩٦)

(٥٣) حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ٢٣٩ھ   وفات ٣٢١ھ

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی حجری مصری الطحاوی کی ولادت ابن خلکان کے مطابق ٢٣٩ھ میں ہوئی۔ آپ کا نسبی تعلق یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی شاخ حجر سے تھا اسلامی فتوحات کے بعد آپ کا خاندان مصر منتقل ہو کر سکونت گزیں ہو گیا اور یہیں طحا نامی ایک گاؤں میں آپ کی ولادت ہوئی جس کی نسبت سے آپ طحاوی کہلاتے ہیں۔

مصر اس دور میں علم وفن کا عظیم مرکز تھا عہد فاروقی کی فتوحات کے نتیجہ میں اس سرزمین پر صحابہ وتابعین نے بود وباش اختیار کی اور علم وفن کی روایت قائم کی۔ جسے بعد کی صدیوں میں نقطۂ کمال تک پہونچادیا گیا اور یہ خطہ عمرو بن حارث یحیٰی بن ایوب، حیوہ بن شریح، لیث بن سعد بن وہب، امام شافعی، ابن قاسم کے علمی چشموں سے سیراب ہوا۔

تحصیل علم:

امام طحاوی نے جس وقت آنکھ کھولی پوری فضا علوم وفنون کی عطر بیزیوں سے معطر تھی آپ نے اپنے ماموں ابو ابراہیم مزنی تلمیذ امام شافعی سے علوم اسلامی کی تحصیل کی اور مسلکاً شافعی رہے۔ لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بناء پر آپ نے امام مزنی کی صحبت ترک کردی اور قاضی احمد بن ابی عمران حنفی سے وابستہ ہو گئے۔ شافعی مسلک ترک کر کے حنفی مکتب فقہ کے سرگرم ترجمان بن گئے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

”کان اولا شافعیا یقرأ علی المزنی فقال واللہ لا جاء منک شئی فغضب من ذلک وانتقل الی ابی عمران. فلما صنف مختصرہ قال رحم اللہ ابا ابراہیم لو

کان حیا لکفر عن یمینه" ۔ پہلے شافعی تھے اور امام مزنی سے پڑھا کرتے تھے انہوں نے ایک دن ان سے کہہ دیا بخدا تم سے کچھ بھی نہیں بن پڑے گا اس پر یہ ناراض ہو گئے اور ابن ابی عمران کے حلقۂ درس میں داخلہ لے لیا جب انہوں نے اپنی مختصر لکھی تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم پر رحم فرمائے اگر وہ زندہ ہوتے تو انہیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۹)

شافعی مسلک ترک کرنے کی وجہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ان الطحاوی کان شافعی المذهب فقرا فی کتابه ان الحاملة اذا ماتت و فی بطنها ولد حتی لم یشق فی بطنها خلافا لابی حنیفة و کان الطحاوی ولدا مشقوقا فقال لا ارضی بمذهب رجل یرضی بهلا کی فترک مذهب الشافعی و صار من عظماء المجتهدین علی مذهب ابی حنیفة" ۔ امام طحاوی ابتداءً شافعی المذہب تھے ایک دن انہوں نے شافعی کی کتاب میں پڑھا کہ جب حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو بچہ نکالنے کے لئے اس کے پیٹ کو چیرا نہیں جائے گا۔ برخلاف مذہب امام اعظم ابوحنیفہ۔ اور امام طحاوی کو مذہب حنفی پر پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا۔ امام طحاوی نے اس کو پڑھ کر کہا میں اس شخص کے مذہب سے راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انہوں نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور حنفی مسلک کو اختیار کیا اور اس مسلک کے عظیم مجتہد بن گئے۔ (نبراس ص ۱۱۰)

مصر کے بعد طحاوی شام چلے گئے جہاں قاضی القضاۃ ابو حازم سے فقہ کی تحصیل کی مصر کے علاوہ آپ کے کثیر اساتذہ خراسان، یمن، کوفہ، بصرہ، حجاز شام کے تھے شام سے واپسی کے بعد آپ کے ذوق و جستجوئے علم کا یہ حال تھا کہ مصر کے اندر جب بھی کوئی فقیہ یا محدث وارد ہوتا تو اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اکتساب علم کرتے۔ اسی لئے آپ کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے چند کے اسماء یہ ہیں۔

ہارون بن سعید ایلی، عبدالغنی بن رفاعہ، یونس بن عبدالاعلیٰ، عیسی بن مشرور، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، بحر بن نصر، ابوبکر بن قتیبہ سلیمان بن شعیب ابراہیم مزنی، احمد بن ابی عمران (تذکرۃ المحدثین ص ۱۵۵)

امام طحاوی کی ذات حدیث و فقہ کی جامع تھی آپ کے تبحر علمی کا شہرہ بلاد اسلامیہ کے دور دراز گوشوں تک پھیلا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں اسلامی ممالک کے تشنگان علم کھنچ کھنچ کر چلے آ رہے تھے آپ نے اپنے تلامذہ کی بہت بڑی جماعت چھوڑی چند مشاہیر تلامذہ یہ ہیں۔

احمد بن، قاسم خشاب، ابوالحسن محمد بن احمد اخمیمی، یوسف میانجی، ابوبکر بن مقری، طبرانی، قاضی

سعید، احمد بن عبدالوارث زجاج، عبدالعزیز بن محمد جوہری، محمد بن بکر بن مطروح (تذکرہ ج ۳ ص ۲۸) ابوالحسن علی بن احمد طحاوی، ابوالقاسم سلمان بن احمد بن ایوب، حافظ ابوسعید عبدالرحمٰن، میمون بن حمزہ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۵۵)

علم وفضل:۔

امام طحاوی نے علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں وہ مرتبہ بلند حاصل کرلیا تھا کہ عوام وخواص۔ علماء وعمال سبھی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کی جلالت علم کے سامنے جبین عقیدت خم کرتے تھے علاوہ ازیں آپ کے علم وفضل کا اعتراف اسلامی دنیا کی مشہور ومعروف علمی ہستیوں نے ہر دور میں کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں۔ ”جن محدثین اور مورخین نے ان کا تذکرہ کیا ہے وہ سب ان کی مدح وتوصیف میں متفق ہیں“۔

- ابن خلکان: الفقیہ الحنفی انتہت الیہ ریاسۃ اصحاب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ بمصر۔ وہ حنفی فقیہ تھے مصر میں ابوحنیفہ کی علمی ریاست کے خاتم ہیں۔ (وفیات ج ۱ ص ۲۴)
- حافظ ذہبی: الامام العلامۃ الحافظ صاحب التصانیف البدیعۃ۔ امام طحاوی بہت بڑے عالم بلند پایہ حافظ حدیث اور بہت سی عجیب وغریب کتابوں کے مصنف ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۸)
- ابن یونس: کان ثقۃ ثبتا فقیہا عاقلا لم یخلف مثلہ، ثقہ، ثبت، فقیہ، اور عقلمند تھے انہوں نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا۔ (ایضاً)
- ابواسحاق شیرازی: انتہت الی ابی جعفر ریاسۃ اصحاب ابی حنیفۃ بمصر، مصر میں امام ابوحنیفہ کے پیروؤں کی سرداری ابوجعفر پر ختم ہے۔ (ایضاً)
- علامہ سیوطی: وہ حدیث وفقہ میں امام، علوم دینیہ کے ماویٰ اور احادیث نبوی کے ملجا تھے۔
- حافظ عبدالبر: وہ کوفیوں کی روایت اور مسائل فقہ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے اور تمام مذاہب فقہاء کے عالم تھے۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۵)
- شاہ عبدالعزیز: نہایت پرہیزگار، فقیہ اور دانشمند تھے۔ مصر میں ریاست حنفیہ کا سہرا انہی کے سر تھا۔
- علامہ زاہد الکوثری: امام طحاوی فضائل وکمالات کے جامع تھے حدیث اور اس کے متعلقہ علوم، فقہ اور اس کے اصول وضوابط میں علمائے امت میں بہت کم لوگ ان دونوں فنون

میں ایسے جامع پیدا ہوئے اس کا ان تمام لوگوں کو اعتراف ہے جو اس سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ہیں۔ (الحاوی ص ۳)

امام طحاوی فرماتے ہیں "ایک دفعہ ایک معتبر آدمی قاضی محمد بن عبدہ کے پاس آیا اور کہنے لگا ابو عبیدہ بن عبد اللہ نے اپنی والدہ سے کون سی حدیث بیان کی ہے جو وہ ان کے والد سے روایت کرتے ہیں۔ قاضی صاحب تو خاموش رہے میں نے اپنی سند سے اس طرح بیان کی۔ " **حدثنا بکار بن قتیبة نا ابو احمد نا سفیان عن عبد الاعلیٰ الثعلبی عن ابی عبیدة عن امه عن ابیه ان رسول الله قال ان الله لیغار للمؤمنین فلیغو** "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کے لیے غیرت کرتا ہے اسے بھی غیرت مند ہونا چاہیے"۔

اور مجھے یہ حدیث اس سند سے بھی ملی ہے۔ " **حدثنا ابراهیم بن ابی داؤد نا سفیان بن وکیع عن ابیه عن سفیان موقوفا** " وہ آدمی مجھ سے کہنے لگا آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ معلوم ہے آپ کس فن میں بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کیوں کیا بات ہے؟ بولا میں نے آپ کو کل شام کے وقت فقہاء کے میدان میں دیکھا تھا۔ اور اب آپ اصحاب حدیث کے میدان میں نظر آ رہے ہیں اور یہ دونوں فن کسی میں کم ہی جمع ہوتے ہیں میں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا انعام ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۹)

امام طحاوی کی علمی عظمت کا سکہ پورے مصر پر چلتا تھا ان کی شہرت زندگی ہی میں اسلامی دنیا کے ہر ہر گوشے میں پہونچ چکی تھی۔ صرف طبقۂ علماء اور عوام ہی میں ان کی مقبولیت نہ تھی بلکہ اعیان سلطنت اور اصحاب جاہ و منصب آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ اپنے طرز عمل اور اعزاز و احترام کے رویہ سے آپ کی علمی شوکت اقتدار کا اعتراف کرتے۔

ابن زولاق بیان کرتے ہیں کہ جب عبد الرحمان بن اسحاق احمر جوہری مصر کے عہدہ قضا پر متمکن ہوئے تو وہ امام طحاوی کے آداب و احترام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ اور سواری پر ہمیشہ ان کے بعد سوار ہوتے تھے اور ان کے بعد اترتے تھے جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے امام طحاوی عمر میں مجھ سے گیارہ سال بڑے ہیں اور اگر وہ مجھ سے گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے تو مجھ پر پھر بھی ان کا احترام لازم تھا کیوں کہ عہدۂ قضا کوئی ایسی بڑی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے میں امام طحاوی جیسی شخصیت [illegible] کر سکا۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۰، ۲۸۱)

تصانیف:۔

امام طحاوی ایک عظیم المرتبت مصنف تھے انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، رجال ومناقب، ہر موضوع پر گراں قدر مصنفات یادگار چھوڑیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں (طحاوی) صاحب المصنفات المفیدۃ والفوائد الغزیرہ، وہ نہایت مفید اور بیش بہا تصنیفات کے مالک تھے۔ امام ذہبی نے انہیں صاحب التصانیف البدیعہ لکھا ہے۔ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں ''ان کی تصنیفات سے ان کی وسعت علمی کا پتہ چلتا ہے ان کی بعض تصانیف شروط واختلاف علما میں اور بعض احکام القرآن میں موجود ہیں۔ (بستان المحدثین ص ۱۴۵)

چند اہم مصنفات یہ ہیں:

احکام القرآن، شرح معانی الآثار، مشکل الآثار، اختلاف العلماء، کتاب الشروط، شروط الصغیر، شروط الاوسط، مختصر الطحاوی فی الفقہ، نوادر الفقیہ، کتاب نوادر الحکایات، حکم ارض مکہ، نقض کتاب المدلسین، کتاب الاشربہ، الرد علی عیسی بن ابان، الرد علی ابی عبید، اختلاف الروایات، شرح جامع الکبیر، شرح جامع الصغیر، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الوصایا والفرائض، تاریخ الکبیر، اخبار ابی حنیفہ، عقیدۃ الطحاوی۔ (تذکرۃ المحدثین سعیدی ص ۱۶۱)

شرح معانی الآثار:۔

علامہ طحاوی کی جملہ تصنیفات میں جو شہرت وقبول عام شرح معانی الآثار کو حاصل ہوا وہ دوسری تصانیف کے حصہ میں نہ آسکا بلا ریب یہ کتاب فن حدیث میں ایک عظیم تصنیف اور حزب احناف کا سرمایہ افتخار ہے اس کتاب میں حدیث، فقہ اور رجال کے متعدد علوم کو جس حسن اور عمدگی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے صرف مسلک حنفی ہی میں نہیں بلکہ دیگر مکاتب فکر میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔'' علامہ امیر اتقانی فرماتے ہیں '' **فانظر شرح معانی الآثار ھل تری له نظیرا فی سائر المذاھب فضلا عن مذھبنا ھذا**'' شرح معانی الآثار پر غور کرو کیا تم ہمارے مذہب حنفی کے علاوہ دوسرے مذہب میں بھی اس کی نظیر پا سکتے ہو؟۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

''سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ کسی ناواقف ہی کو اس میں شک ہو سکتا ہے۔ وجہ استنباط تمیز ناسخ ومنسوخ وجوہ معارضات اور کلام کی ترتیب میں یہ کتاب بے مثل ہے۔ (الحاوی)

امام طحاوی اس کتاب کا سبب تالیف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

مجھ سے بعض اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ میں ایک ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں احکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جمع کروں جو بظاہر متعارض ہوں چوں کہ ملحدین اور مخالفین اسلام اس میں ظاہری تعارض کی وجہ سے طعن کرتے ہیں ان متعارض روایات میں تطبیق دینے کے لیے علمائے اسلام کی ان تاویلات کا بھی ذکر کروں جو کتاب وسنت اجماع اور تاویل صحابہ سے مؤید ہیں اور جو روایات منسوخ ہو چکی ہیں ان کے نسخ پر دلائل پیش کروں تا کہ احادیث نبویہ کے درمیان تعارض نہ رہے اور طعن مخالفین سے یہ روایات بے غبار ہو جائیں۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۵)

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے امام طحاوی نے جو اہم کتاب تصنیف کی اس کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

☆ طحاوی ایک باب کے تحت پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث وارد کرتے ہیں بعض لوگوں کے مستنباط کا ذکر کرتے ہوئے احناف کا اختلاف واضح کرتے ہیں اور احناف کی تائید میں دوسری حدیث پیش کرتے ہیں پھر اس حدیث کے متعدد طرق بیان کرتے ہیں آخر میں مذہب احناف کو تقویت دیتے ہیں دونوں حدیثوں کا الگ الگ محمل بیان کر کے تعارض دور کرتے ہیں احناف کی تائید میں عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں اور مذہب احناف پر ہونے والے اشکال کو دور کرتے ہیں۔

☆ جب دو متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کے بارے میں نسخ کی دلیل مل جائے تو امام طحاوی اس کے نسخ کی تصریح کر دیتے ہیں اور ایک حدیث کو معمول بہ اور دوسری حدیث کو متروک قرار دیتے ہیں۔

☆ متعارض روایات میں سے کسی ایک روایت کو فیصلہ کن قرار دینے کے لیے بعض اوقات فن رجال سے کام لیتے ہیں اور دو متضاد روایات میں سے کسی ایک روایت کو باعتبار اسناد مرجوح قرار دیتے ہیں اور دوسری روایت کو راجح اور استنباط حکم کے لیے اصل قرار دیتے ہیں۔

☆ امام طحاوی ہر باب میں مختار مسلک کو احادیث صحیحہ سے ثابت کرنے کے بعد دلائل عقلیہ اور نظر صحیح سے اس کو ثابت کرتے ہیں۔

☆ نظر صحیح کی بحث میں امام طحاوی بعض اوقات مخالف کی نظر فاسد کا جواب ذکر کرتے

ہیں۔ (تذکرۃ المحدثین ۶۹، ۱۶۳)

وفات:۔

امام طحاوی علم وفضل اخلاق وکردار کے جامع تھے حق گوئی ان کا شیوہ تھا، سچی بات بلاخوف وخطر بیان کرتے آپ کی جامع کمالات ذات کا فیض عام رہا۔ بیاسی (۸۲) سال کی عمر پا کر ۳۲۱ھ میں رحلت فرمائی اور بمقام قرافہ حضرت امام شافعی کے مزار سے متصل دفن کیے گئے۔

(۵۴) حضرت امام حافظ ابوجعفر عقیلی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۳۲۲ھ

اسم گرامی محمد کنیت ابوجعفر سلسلۂ نسب محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عقیلی حجازی۔ بنوعقیل کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عقیلی کہلاتے ہیں۔ آپ حجاز کے رہنے والے تھے آپ کا زمانہ علم حدیث کی ترویج واشاعت اور ترتیب وتدوین کا سنہرا دور تھا۔ حجاز میں قیام کی وجہ سے وہاں کے علماء اور پھر اس سرزمین پر وارد ہونے والے دوسرے دیار وامصار کے محدثین سے بھی کسب علم کا موقع ملا مگر علم کی پیاس نہ بجھی تو حجاز سے نکل کر شام، مصر اور عراق کا سفر کیا۔ اور وہاں کے شیوخ سے حدیثوں کا سماع کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

یزید بن محمد بن اسماعیل صائغ، ابویحییٰ بن ابی میسرہ، محمد بن احمد بن ولید بن بردانطاکی، یحییٰ بن ایوب علاف، محمد بن اسماعیل ترمذی، اسحاق بن ابراہیم دبری، علی بن عبدالعزیز بغوی، محمد بن خزیمہ، محمد بن موسیٰ بلخی، عبداللہ بن موسیٰ، عبداللہ بن احمد بن ابراہیم دبری۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۵۰)

علم وفضل:۔

آپ حدیث کے حفظ وضبط اور ثقاہت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ جرح وتعدیل میں بھی پایہ نہایت بلند تھا۔ علماء حدیث نے آپ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

- **مسلمہ بن قاسم:** "کان العقیلی جلیل القدر عظیم الخطر مازایت مثله وکان کثیر التصانیف" عقیلی جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیت کے مالک تھے۔ میں نے ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (ایضاً)

- **ابوالحسن بن سہل قطان:** "ابو جعفر ثقة جلیل القدر عالم بالحدیث مقدم فی

الحفظ "ابو جعفر ثقہ جلیل القدر حدیث کے عالم اور حفظ واتقان میں سب سے آگے ہیں۔ (ایضاً)

حافظ ذہبی نے آپ کا تعارف صاحب نقد اور ابن عماد حنبلی نے صاحب جرح وتعدیل سے کیا ہے۔

قدرت نے آپ کو بے مثال قوت حفظ وضبط عطا فرمائی تھی۔ جب بھی کوئی محدث آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ اس سے کہتے اپنی کتاب سے پڑھو وہ پڑھتے اور یہ سنتے رہتے اور اپنی کتاب کھولے بغیر قوت حافظہ پر اعتماد کر کے اس کی تصحیح فرماتے رہتے۔ لوگوں میں اس طریقہ درس پر چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں اور ان کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ بعض لوگ کہتے عقیلی احفظ الناس ہیں یا اکذب الناس ہیں۔ چنانچہ ایک دن بغرض امتحان لوگوں نے ان کی کچھ روایتوں کو خلط ملط اور کمی وزیادتی کر کے ان کو سنانا شروع کر دیا جہاں کمی یا زیادتی کی گئی تھی۔ انہوں نے فوراً اس کی گرفت کر لی۔ مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں ہمارے ہاتھ سے وہ کتاب لے کر ان غلطیوں کی اصلاح فرما دی۔ اس واقعہ کے بعد ہم لوگ خوشی خوشی اپنے گھروں کو واپس ہوئے اور یقین کر لیا کہ آپ احفظ الناس ہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۵۰)

آپ کے چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

محمد بن نافع خزاعی، یوسف بن دخیل مصری، ابو بکر بن مقری۔ (ایضاً)

الضعفاء والکبیر:

امام عقیلی نے حدیث پر متعدد کتابیں تصنیف کیں اوپر گزر چکا ہے "کان کثیر التصانیف" آپ کی کتابوں میں ایک اہم کتاب "الضعفاء الکبیر" ہے۔

یہ کتاب اس فن میں پہلی اور جامع تصنیف ہے کتاب کے اندر جملہ متکلم فیہ راویوں کا تذکرہ مصنف نے اپنے علم کے مطابق کیا ہے اس طرح اس میں کذاب، متہم بالکذب، مجہول، ضعیف نیز داعی بدعت راویوں کا تفصیلی تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس میں ان بعض راویوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جو صحیحین کے راوی ہیں اور ان پر کلام کیا گیا ہے۔ تراجم کی ترتیب حروف معجم پر ہے۔ ترجمہ میں راوی کا نام ونسب اور کنیت کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد راوی پر حکم لگانے کے لیے ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو بطور استدلال ذکر کیا گیا ہے۔ امام عقیلی نے ائمہ فن کے اقوال کو اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔ جن ائمہ فن کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور امام بخاری قابل ذکر ہیں۔ مزید برآں بہت سے راویوں کے بارے میں اپنی رائے بھی دلائل کے ساتھ

ذکر کی ہے۔ راوی کے ترجمہ میں ایک دو غریب اور منکر حدیثوں کا ذکر بھی بطور نمونہ کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب ضعیف اور موضوع حدیثوں کی معرفت کے لیے اہم مصدر بن گئی ہے۔

امام عقیلی کا موقف جرح رجال کے بارے میں قدرے وسیع ہے اس لیے بہت سے راویوں کو غیر مسلمہ اسباب جرح کی بناء پر انہوں نے ضعیف قرار دے دیا ہے اسی وجہ سے مذکورہ راوی ان کے یہاں اگرچہ ضعیف سمجھا جائے گا مگر یہ ضروری نہیں کہ حقیقت میں بھی وہ ضعیف ہو۔ صحیحین کے جو راوی اس کتاب میں آگئے ہیں عموماً ان کا حال یہی ہے۔

امام ذہبی نے جرح میں وسعت کی بنا پر آپ پر نکتہ چینی کی ہے مگر حافظ ذہبی نے مجموعی لحاظ سے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کی تعریف کی ہے۔ "للعقیلی مصنف مفید فی معرفۃ الضعفاء" ضعفاء کی معرفت میں عقیلی کی کتاب کافی مفید ہے۔ (میزان الاعتدال ج۱ ص۴)

وفات:۔ آپ کا وصال ربیع الاول ۳۲۲ھ میں بمقام مکہ مکرمہ ہوا۔

(۵۵) حضرت شیخ الاسلام ابن ابی حاتم رازی رضی اللہ عنہ

۲۴۰ھ ۳۲۷ھ

اسم گرامی عبدالرحمٰن، کنیت ابو محمد، ابن ابی حاتم سلسلۂ نسب یہ ہے عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن منذر تمیمی حنظلی۔ شہر رے کی ایک گلی درب حنظلہ کی اقامت کی وجہ سے حنظلی کہلائے اور رے کی طرف نسبت کی وجہ سے رازی مشہور ہوئے۔ آپ رے کے بہت بڑے علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد امام ابوحاتم رازی بڑے پائے کے محدث اور صاحب علم و تقویٰ بزرگ تھے۔ ولادت ۲۴۰ھ میں بمقام رے ہوئی۔ صاحب علم باپ کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے اور صغر سنی ہی سے طلب علم میں مصروف ہوگئے۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی تحصیل علم کا شوق اور انہماک ترقی کرتا رہا۔ آپ نے سب سے پہلے فضل بن شاذان سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کی پھر طلب حدیث میں مصروف ہوئے۔ کہتے ہیں " لم یدعنی ابی اطلب الحدیث حتی قرأت القرآن علی الفضل بن شاذان" جب تک میں نے فضل بن شاذان سے قرآن کی تعلیم حاصل نہیں کی میرے والد نے مجھے طلب حدیث کی اجازت نہیں دی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۴۷)

تحصیل علم:۔

درس قرآن کے بعد حدیث اور دوسرے علوم وفنون کی تحصیل کا آغاز ہوا۔ والد بزرگوار

فرزند ارجمند کو بلند پایہ عالم بنانا چاہتے تھے چنانچہ آپ کی تعلیم وتربیت کا خاص طور پر خیال رکھا وہ خود بھی بیٹے کو تعلیم دیتے اور وقت کے دوسرے علماء ومشائخ سے کسب علم کی تلقین کرتے اور اس غرض سے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ چنانچہ ۲۵۵ھ میں جب کہ آپ حد بلوغ کو بھی نہ پہونچے تھے والد نے سفر حج میں ہمسفر بنایا جب ذوالحلیفہ پہونچے تو وہاں آثار بلوغت ظاہر ہوئے۔ یہ پہلا سفر حج تھا جس کا مقصد حج وزیارت کے ساتھ حرمین شریفین کے محدثین وعلماء اور حج میں آنے والے اکابر علم سے علم حاصل کرنا بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے اس سفر میں محمد بن ابی عبدالرحمٰن مقری سے سماع حدیث کیا۔ طلب علم کے لیے دوسرے اسفار کا تذکرہ ابوالحسن علی بن ابراہیم رازی اس طرح کرتے ہیں۔

"رحل مع ابیه وحج مع محمد بن حماد الظهرانی ورحل بنفسه الی الشام ومصر سنة اثنتین وستین ثم رحل الی اصبهان سنة اربع وستین" آپ نے اپنے والد کے ساتھ سفر کیا اور ۲۶۰ھ میں محمد بن حماد ظہرانی کے ساتھ دوبارہ حج کیا پھر ۲۶۲ھ میں اکیلے شام اور مصر کے سفر پر روانہ ہو گئے پھر ۲۶۴ھ میں اصفہان کا سفر کیا۔ (ایضاً ص ۴۷)

ابن ابی حاتم نے علم نبوت کے تابناک موتیوں کو چننے کے لیے حجاز، شام، عراق، مصر، اصفہان، جزیرہ، سواحل اور بلاد جبال کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ طلب حدیث کی لگن کا یہ عالم تھا کہ سماع حدیث کتابت حدیث اور مذاکرۂ حدیث میں دن اور رات کے سارے اوقات گزر جاتے سیر وتفریح کجا بھر پیٹ عمدہ کھانے کی نوبت بھی نہ آتی۔ خود بیان کرتے ہیں: "کنا بمصر سبعة اشهر لم ناکل فیها مرقة نهارنا ندور علی الشیوخ وباللیل ننسخ ونقابل فاتینا یوما انا ورفیق لی شیخا فقالوا هو علیل فرایت سمكة اعجبتنا فاشتریناها فلما صرنا الی البیت حضر وقت مجلس بعض الشیوخ فمضینا فلم یزل السمكة ثلاثة ایام وكادان ینضی فاكلناه نیا لم نتفرغ نشویه ثم قال لا یستطاع العلم براحة الجسد" ایک دفعہ ہم نے طلب حدیث کے لیے مصر میں سات ماہ قیام کیا اس عرصہ میں ہمیں شوربا کھانے کا موقع نہیں ملا تھا دن بھر ہم مختلف شیوخ سے حدیث کا سماع کرتے تھے اور رات اس کے لکھنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنے میں گزر جاتی تھی۔

ایک دن میں اور میرا رفیق دونوں ایک شیخ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوئے تو پتہ چلا شیخ آج بیمار ہیں درس نہیں دیں گے راستہ میں ہمیں ایک مچھلی پسند آئی جو ہم نے خرید لی لیکن جب اپنے مکان پر پہونچے تو ایک دوسرے شیخ کے درس دینے کا وقت ہو گیا۔ ہم مچھلی کو وہیں چھوڑ کر ادھر چلے گئے

اور تین دن تک ہمیں مچھلی پکانے کا وقت نہیں ملا جب وہ خراب ہونے کے قریب ہوئی تو ہم نے اسی طرح کچی ہی کھالی۔ آپ فرماتے تھے آرام طلبی اور تن آسانی سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۴۷)

یہ واقعہ طلب علم کرنے والوں کے لیے بے مثال نمونہ عمل ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے جس ذوق وشوق اور کدوکاوش سے علم طلب کیا اور اسلامی دنیا کے دور دراز شہروں میں جا کر اصحاب علم سے اکتساب فیض کیا بلاشبہ ان کے شیوخ واساتذہ کی تعداد بہت بڑی ہوگی ان میں سے کچھ شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں:

ابو سعید اشج، علی بن منذر طریقی، حسن بن عرفہ، احمد بن سنان قطان، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن اسماعیل احمسی، حجاج بن شاعر، محمد بن حسان ازرق، محمد بن عبدالملک بن زنجویہ، ابن دارہ، ابوزرعہ، ابوحاتم۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۴۶)

علم وفضل:۔

ابن ابی حاتم کا دامن علم وفضل کے رنگا رنگ پھولوں سے مالا مال تھا۔ حدیث، فقہ، تفسیر، کلام اور ادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ حدیث اور فن جرح وتعدیل آپ کا خاص میدان تھا۔ خاندانی ماحول، اخلاص وایثار، استعداد علم اور ذوق وشوق کے ساتھ طلب علم نے آپ کے علمی پائے کو بہت بلند اور ارفع بنا دیا تھا۔ ابوحاتم اور ابوزرعہ رازی دونوں عظیم محدثین کا علم تنہا آپ کی ذات میں جمع ہو گیا تھا جب کہ اگر آپ کے پاس ان میں سے صرف ایک ہی کا علم ہوتا تو آپ کی امامت اور جلالت شان کے لیے کافی تھا۔ پھر اس عظیم علمی شخصیت کا کیا کہنا جس کے پاس دونوں کا علم جمع ہو جائے۔ مزید برآں دیگر محدثین کا علمی خزانہ بھی موجود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علماء وقت نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور آپ کے علمی وفنی کمالات، ثقاہت وعدالت اور جرح وتعدیل میں مہارت تامہ کا اعتراف کیا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: "الامام الحافظ الناقد شیخ الاسلام، جلیل القدر" امام، حافظ کبیر شیخ الاسلام اور نقد حدیث میں بڑے ماہر تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳ ص ۴۶)

❁ ابو یعلیٰ خلیلی: "اخذ علم ابیہ وابی زرعۃ وکان بحرا فی العلوم ومعرفۃ الرجال" آپ نے اپنے والد اور ابوزرعہ کا علم اپنے سینہ میں جمع کرلیا آپ معرفت رجال اور دیگر علوم میں بحر زخار تھے۔ (ایضاً)

ابوالولید باجی: "ابن ابی حاتم ثقة حافظ" ابن ابی حاتم ثقہ اور حافظ حدیث ہیں۔ (ایضاً ص ۴۸)

ابویعلی خلیلی: "السنة بالری ختمت بابن ابی حاتم" رے میں سنت (کی معرفت) ابن ابی حاتم پر ختم ہوگئی"۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۶۵)

فن جرح وتعدیل:۔

علوم حدیث میں فن جرح وتعدیل بڑا اہم بالشان فن ہے امام ابن ابی حاتم اس فن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ اس فن کی جو پیچیدگیاں سلجھائیں اور جن مشکل عقدوں کو حل کیا اور جرح وتعدیل کے جو مراتب متعین کیے ہیں اس سے آپ کی حذاقت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

۱۔ اگر کسی کو ثقہ یا متقن کہا جائے تو وہ قابل احتجاج ہوتا ہے۔

۲۔ اگر صدوق یا محلہ الصدوق یا لاباس بہ کہا جائے تو ایسے لوگوں کی حدیثیں قابل تحریر ونظر ہوتی ہیں اور یہ دوسرا مرتبہ ہے۔

۳۔ اگر شیخ کہا جائے تو اس کی روایت قابل تحریر ہوتی ہے لیکن ماقبل سے کم تر ہوتی ہے۔

۴۔ اگر صالح الحدیث کہا جائے تو اس کی روایت قابل احتجاج نہیں بلکہ قابل اعتبار ہوگی۔

۵۔ اگر لین کہا جائے تو اس کا درجہ ماقبل سے بھی کم تر ہوتا ہے۔

۶۔ اگر ضعیف الحدیث کہا جائے تو اس کی روایت مطلق قابل طرح (پھینکنے چھوڑنے کے لائق) نہیں ہوتی بلکہ قابل اعتبار ہوتی ہے۔

۷۔ لیکن اگر متروک الحدیث یا کذاب یا ذاہب الحدیث کہا گیا ہو تو ایسے لوگوں کی روایت قابل ترک ہوتی ہے۔ اس کا تحریر کرنا ناجائز ہوتا ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۷)

تصنیف وتالیف:۔

ابن ابی حاتم بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں " صنف فی الفقه واختلاف الصحابة والتابعین وكان زاهدا يعد من الابدال" فقہ اور اختلاف صحابہ وتابعین میں کتابیں لکھیں وہ زہد وعبادت کی وجہ سے ابدال میں شمار ہوتے تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۴۷)

آپ کی گراں مایہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔ المسند، التفسیر، الرد علی الجھمیۃ، کتاب الزہد، الفوائد، الجرح والتعدیل۔

تفسیر میں آپ کی کتاب کئی جلدوں پر مشتمل ہے، علل حدیث میں آپ کی کتاب بڑی معرکۃ الآراء اور مایہ ناز تصنیف ہے۔ حافظ ذہبی آپ کی مصنفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"**کتابه فی الجرح و التعدیل یقضی له بالمرتبة المنیفة فی الحفظ و کتابه فی التفسیر عدة مجلدات و له مصنف کبیر فی الرد علی الجهمیة یدل علی امامته**" آپ کی تصنیف کردہ کتاب الجرح والتعدیل حفظ واتقان میں آپ کے بلند مقام کی شاہد ہے۔ تفسیر قرآن حکیم میں آپ کی کتاب کئی جلدوں میں پوری ہوئی ہے آپ نے جہمیہ کے رد میں بھی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس سے آپ کی امامت کا پتہ چلتا ہے"۔ (ایضاً)

کتاب الجرح والتعدیل:

جرح وتعدیل کے فن میں یہ کتاب مستند دستاویز ہے جسے اس فن کی کتب عامہ میں ام الکتب کا درجہ حاصل ہے جو علم حدیث کے طلبہ کے لیے عظیم سرمایہ ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اس کتاب میں عہد صحابہ سے لے کر اپنے زمانہ تک کے راویان حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب امام بخاری کی کتاب "التاریخ الکبیر" کی تکمیل ہے چوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اپنے فن کی اساسی کتاب ہے جس کو علماء وقت نے قبول واعتبار بخشا۔ لیکن اس کتاب میں عموماً راویان حدیث پر جرح وتعدیل کا حکم نہ تھا جو راویوں کے تراجم کا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔ امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے یہ ذمہ داری امام عبدالرحمن ابن ابی حاتم کو سونپ دی کہ اس کتاب کے راویوں کے بارے میں ہم لوگوں سے معلومات لے کر اس کی تکمیل کریں۔ امام ابن ابی حاتم نے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی تو بطور نمونہ امام بخاری کی التاریخ الکبیر تھی اور بطور معلم ورہنما امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم تھے۔ امام ابن ابی حاتم ان سے سوالات کرتے اور یہ دونوں ائمہ رجال پر جرح وتعدیل کا حکم لگاتے جاتے تھے۔ مزید راویوں کا اضافہ بھی کرتے۔ ابن عبدویہ وراق فرماتے ہیں کہ:

"**اعلم ان ابا زرعة وابا حاتم لما حمل الیهما هذا الکتاب قال هذا علم حسن لا یستغنی عنه ویحسن بنا ان نذکره عن غیرها فاقعدا ابا محمد عبدالرحمن فسالهما عن رجل بعد رجل وزادا فیه ونقصا ونسبه عبدالرحمن الیهما**" جب امام ابوزرعہ اور ابوحاتم کو یہ کتاب تاریخ کبیر ملی تو انہوں نے کہا یہ ایسا علم ہے جس سے بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا اور ہمارے لیے مناسب نہیں کہ (اس کی تکمیل کے لیے) دوسرے سے کہیں چنانچہ ان دونوں نے ابومحمد

کو بیٹھا کر یہ کام شروع کر دیا وہ فرداً فرداً ہر راوی کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور یہ دونوں حضرات جواب دیتے تھے۔ اسی طرح سے کچھ حذف واضافہ بھی کیا اس تالیف کو ابو محمد نے ان دونوں ائمہ کی جانب منسوب بھی کر دیا۔ (الموضح لاوہام الجمع والتفریق ج ا ص ۹۔۸)

اس کتاب میں ابتداء امام بخاری، امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم جیسے عظیم محدثین کے معلومات کا خلاصہ جمع ہو گیا ہے جو اس کتاب کی عظمت کے لیے کافی ہے۔ مزید برآں امام ابن ابی حاتم نے دوسرے ناقدین حدیث کی آراء کو بھی جمع کر کے کتاب کی اہمیت میں چار چاند لگا دیے۔ ان ناقدین میں امام شعبہ، عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، عمرو بن علی فلاس رحمہم اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے صرف اقوال ہی کے جمع کرنے پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے اور غامض و متعارض اقوال سے صحیح حکم کا استخراج کیا ہے۔ مشکل اور نادر کلمات کی وضاحت بھی فرما دی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب اس فن کی سب سے اہم اور جامع کتاب بن گئی ہے۔ اس لیے فنی اعتبار سے یہ کتاب تاریخ کبیر پر فوقیت رکھتی ہے۔ مزید برآں جرح وتعدیل سے متعلق بسیط مقدمہ ہے جو پوری ایک جلد پر مشتمل ہے جس میں جرح وتعدیل کے مسائل کے پیچ وخم کو سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ صحیح وسقیم حدیث میں تمیز کی اہمیت، معرفت رجال کی ضرورت، عدالت صحابہ اور راویوں کے طبقات کا ذکر نیز مشہور ائمہ فن کا مبسوط ترجمہ بھی ہے۔

مطبوعہ کتاب مقدمہ کے ساتھ نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ راویان حدیث کے تذکرے حروف تہجی کے اعتبار سے کیے گئے ہیں کل تراجم رجال کی تعداد ۱۸۰۴ ہے۔ ترجمہ میں راوی کا نام نسب ونسبت اور کنیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے اس طرح سے بعض شیوخ اور بعض تلامذہ کا بھی ذکر پایا جاتا ہے کہیں کہیں راوی کی رحلات علمیہ یا دیگر صفات خلقیہ یا خلقیہ کا ذکر بھی کیا ہے نیز راوی پر حکم صادر فرمایا ہے۔

زہد وتقویٰ:۔

آپ علم کے ساتھ تقویٰ وپرہیزگاری کے بھی امام تھے آپ کا ذوق عبادت بے مثل تھا۔ آپ کے والد فرمایا کرتے تھے۔ "من یقویٰ علی عبادۃ عبدالرحمان لا اعرف لہ ذنبا" عبدالرحمان کی عبادت کرنے کی طاقت اور ہمت کس کو ہے میں نہیں جانتا کہ اس نے کوئی گناہ کا کام

حافظ ذہبی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ کثرت عبادت اور زہد وورع کی وجہ سے انہیں ابدال میں شمار کیا جاتا تھا۔ علم وفضل اور عمل صالح نے ان کے پیکر کو نورانی بنا دیا تھا۔ ان کے چہرے میں بڑی جاذبیت اور کشش پیدا ہو گئی تھی۔ ابوالحسن علی بن ابراہیم رازی لکھتے ہیں۔

"کان رحمہ اللہ قد کساہ اللہ بھاءً ونوراً یسر بہ من نظر الیہ" اللہ تعالیٰ نے ان کو نور و محبت کا حلہ پہنایا تھا ہر شخص انہیں دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۴۷)

وفات: ۔ محرم الحرام ۳۲۷ھ کو مقام رے میں آپ کا وصال ہوا۔

(۵۶) حضرت امام ابو حاتم محمد ابن حبان رضی اللہ عنہ

۲۷۵ھ ۳۵۴ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابو حاتم اور لقب ابن حبان۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی دارمی بستی۔ آپ قبیلہ تمیم کی شاخ دارم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ ولادت تقریباً ۲۷۵ھ میں خراسان کے مشہور شہر بست میں ہوئی یہ سرسبز وشاداب شہر غزنہ وہرات کے درمیان واقع ہے جو انتہائی زرخیز خطہ ہے یہاں بڑے بڑے علماء وفضلاء پیدا ہوئے۔

تحصیل علم: ۔

امام ابن حبان کو قدرت نے علمی استعداد اور ذوق طلب سے مالا مال کیا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی بست کی درسگاہوں میں تحصیل علم کا آغاز کر دیا اور جوں جوں اس میدان میں آپ آگے بڑھتے رہے علم کی تشنگی فزوں تر ہوتی رہی اور وہ خراسان کی سرحدوں سے نکل کر اسلامی بلاد وامصار کی برسہا برس خاک چھانتے رہے ایک ایک شہر میں علم کی خاطر بار بار گئے۔ انہوں نے درجنوں اسلامی بلاد وامصار کا سفر کیا۔ یاقوت حموی نے ۴۳ شہروں کا نام لکھا ہے ان میں مشہور علمی مراکز بخارا، رے، نسا، بصرہ، بغداد، حجاز، مصر تشریف لے گئے۔ ابو عبد اللہ غنجار فرماتے ہیں کہ آپ نے شاش سے اسکندریہ تک کا سفر کیا۔

ابن حبان کے علمی ذوق کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنا وقت کبھی ضائع نہ کرتے تھے۔ سفر ہو یا حضر ہر جگہ تحصیل علم کا شغل جاری رکھتے۔ ابو حامد نیشاپوری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ امام ابن خزیمہ کے ساتھ نیشاپور سے کہیں جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ابو حاتم بستی بھی تھے۔ یہ بار بار راستہ میں ان سے سوالات کرتے رہتے تھے حتی کہ وہ تنگ ہو گئے اور فرمایا کہ (دور رہو تنگ مت کرو)

انہوں نے پھٹکار کا یہ جملہ بھی لکھ لیا۔ جب ان سے کہا گیا کہ اس جملہ کو بھی لکھ ڈالا؟ تو آپ نے فرمایا کہ آنجناب کی ہر بات قابل غور ہے۔ (معجم البلدان ج ۱ ص ۴۱۹)

امام ابن حبان نے رواج زمانہ کے مطابق طلب علم کے شوق میں دور دراز ملکوں اور شہروں کا سفر کیا اور بے شمار اساتذہ وشیوخ سے کسب علم کیا۔ ان کا بیان ہے ہم نے اسبیجاب اور اسکندریہ کے درمیان سے دو ہزار بزرگوں سے حدیثیں لکھیں۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۸۴)

بعض مشہور شیوخ کے نام یہ ہیں:

حسین بن ادریس، ابو خلیفہ جمحی، ابو عبدالرحمٰن نسائی، عمران بن موسیٰ بن مجاشع، حسن بن سفیان، ابو یعلیٰ موصلی، احمد بن حسن صوفی، جعفر بن احمد دمشقی، ابو بکر بن خزیمہ۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۵) ابو یعلیٰ زکریا ساجی، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن شیرویہ ازدی، ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغوی، عمر بن محمد، عمران بن موسیٰ بن مجاشع، محمد بن ابراہیم خلدی ہروی، محمد بن الحق بن ابراہیم، سراج ثقفی، ابو الحسن محمد بن عبداللہ جنید بستی، محمد بن عثمان بن سعد دارمی، محمد بن یحییٰ مدینی، محمد بن یزید دورقی، ابو عوانہ، یعقوب بن اسحاق وغیرہ۔

فضل وکمال:۔

ابن حبان نے طلب علم میں رحلت وسفر کی پریشانیاں جھیلیں اور بڑے بڑے علماء وحفاظ حدیث سے اسلامی علوم وفنون کی تحصیل کی۔ ان کا دامن علم وفن کے خزانوں سے معمور تھا۔ مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ میدان علم میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ علم حدیث، فقہ، طب، علم کلام، علم نجوم، اور دیگر علوم میں آپ ماہر سمجھے جاتے۔ ابن عماد فرماتے ہیں کہ آپ حدیث، فقہ، لغت، وعظ، حتیٰ کہ علم طب علم نجوم وکلام میں علم کا خزانہ تھے۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۶)

فن حدیث میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ آپ سند ومتن کے حافظ تو تھے ہی۔ اس کے ساتھ ساتھ فن حدیث میں ایسے ایسے گوہر آب دار کا پتہ لگایا جس سے دوسرے لوگ قاصر رہے۔

● ابو عبداللہ غنجار فرماتے ہیں: "اخرج فی علوم الحدیث ما عجز عنہ غیرہ" (معجم البلدان ج ۱ ص ۱۱۵) علم حدیث میں ایسی حدیثوں کا پتہ لگایا جس سے دوسرے عاجز تھے۔

● امام ذہبی فرماتے ہیں: "کان راسا فی معرفۃ الحدیث" (میزان الاعتدال

❁ ابو سعد ادریسی فرماتے ہیں کہ: "كان من فقهاء المدن وحفاظ الآثار والمشهورين في الأمصار والأقطار عالما بالطب والنجوم وفنون العلم" (لسان المیزان ج ۵ ص ۱۱۴) آپ کا شمار بڑے بڑے فقہاء اور حفاظ حدیث میں ہوتا تھا۔ شہروں ملکوں میں آپ کی شہرت تھی آپ طب، نجوم، اور مختلف فنون کے عالم تھے۔

❁ ابن عماد حنبلی فرماتے ہیں کہ: "كان حافظا ثبتا اماما، حجة احد اوعية العلم" وہ حافظ ثبت امام، حجت اور علم کا ظرف تھے۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۶)

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی: "آپ علم وفن کے مالک انتہائی ذہین اور عظیم تر حافظ کے حامل تھے۔

❁ حاکم: "كان ابن حبان من اوعية العلم والفقه والحديث واللغة والوعظ ومن عقلاء الرجال" ابن حبان فقہ، لغت، اور حدیث میں علم کا خزانہ تھے۔ وعظ خوب کہتے تھے اور عقلمند انسانوں میں شمار ہوتے تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۶)

❁ خطیب: "كان ثقة، نبيلا، فهما" وہ قابل اعتماد اور ذہین وفطین عالم تھے۔

حدیث اور علوم حدیث:۔

حدیث میں وہ امتیازی شان رکھتے تھے اور ان کا شمار باکمال ائمہ حدیث میں ہوتا ہے وہ مکثر حدیث اور ماہر علوم حدیث تھے متون اور اسانید حدیث پر ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع تھی اسماء الرجال، فن جرح وتعدیل اور علل حدیث کی معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ فن جرح میں آپ اپنے معاصرین میں ہی نہیں بلکہ بعد میں آنے والے محدثین پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔ علل حدیث میں آپ کا بیش بہا علمی خزانہ جرح وتعدیل میں گراں قدر تالیفات، رجال کے سلسلے میں بے باک فیصلے، جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط، اس کا واضح ثبوت ہیں کہ آپ امام فن اور ناقد وقت تھے۔

ماہرین فن کا بیان ہے کہ وہ متون واسانید کے عالم اور واقف کار تھے۔ حدیث میں ان کے کارنامے غیر معمولی ہیں انہوں نے علوم حدیث کی حیرت انگیز خدمات انجام دی ہیں حدیث میں ان کی مہارت اور ژرف نگاہی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ جرح وتعدیل کے امام تھے اور اس فن میں ان کی تصنیفات بڑی اہم خیال کی جاتی ہیں۔

فقہ:۔

ابن حبان حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی اجتہادی شان رکھتے تھے انہوں نے یہ علم اپنے

استاذ امام ابن خزیمہ سے حاصل کیا تھا۔ آپ ہی کی بدولت سمرقند میں فقہی ذوق پیدا ہوا۔ فقہی کمالات کو دیکھتے ہوئے آپ کو منصب قضا پر فائز کیا گیا۔

ابوسعد ادریسی کہتے ہیں: "کان علی قضاء سمرقند زمانا و کان من فقهاء الدین" مدتوں سمرقند کے عہدۂ قضاء پر فائز رہے ہیں اور وہ دین کے فقیہ تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۶)

حلقۂ درس:۔

امام ابن حبان کو قدرت نے علوم وفنون کی دولت سے مالا مال کیا تھا اور وہ بہت جلد اسلامی دنیا میں محدث وفقیہ کی حیثیت سے مشہور ہو گئے سب سے پہلے ۳۳۷ھ میں خراسان کے مرکز علم نیشاپور میں خانقاہ تعمیر کی اور حلقۂ درس قائم کیا جہاں طلبہ کی ایک کثیر جماعت آپ سے علم حاصل کرتی اور آپ کی کتابیں نقل کرتی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"اقام بنیسابور وبنی الخانقاه وقرئ علیه جملة من مصنفاته" وہ نیشاپور آئے وہاں انہوں نے ایک خانقاہ تعمیر کی اور ان سے طالبان علم نے ان کی ساری تصنیفات پڑھیں۔ (ایضاً)

نیشاپور سے وہ ۳۴۰ھ میں اپنے وطن بجستان چلے گئے جہاں انہوں نے اپنی جیب خاص سے ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ تعمیر کیا مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ کی کفالت خود کیا کرتے اور کتب خانہ کا دروازہ ہر صاحب علم کے لیے کھلا رہتا وہ ان کی کتابوں سے استفادہ کرتا اور انہیں نقل کرتا۔

آپ کی علمی شہرت دور دور پھیلی اور طلبہ جوق در جوق حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے۔

علامہ استر آبادی آپ کی شہرت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں " کان من المشهورین فی الآفاق والامصار " مختلف علاقوں اور شہروں میں آپ کی شہرت تھی۔ (معجم البلدان ج ۱ ص ۴۱۷)

چنانچہ آپ سے طلبہ کے جم غفیر نے استفادہ کیا جن میں ایک سے بڑھ کر ایک امام فن تھے آپ ہی کے شاگردوں میں امام ابوعبداللہ حاکم، امام دارقطنی، ابوعبداللہ بن مندہ تھے۔ ان کے علاوہ منصور بن عبداللہ، ابومعاذ عبدالرحمٰن بن محمد بجستانی، ابوعبداللہ غنجار بخاری، جعفر بن شعیب بن محمد سمرقندی، حسن بن منصور، محمد بن احمد بن منصور بوقانی، ابوسلمہ محمد بن محمد بن داؤد شافعی وغیرہ جیسے اہل علم وفضل ہیں۔

تصانیف:۔

امام ابن حبان نے اپنی وسیع معلومات اور علمی تجربات وتحقیقات کو مختلف الانواع تصانیف

میں تحریر فرمایا۔ آپ کی کل تصانیف کتنی ہیں ان کی تعداد کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ یاقوت حموی نے چالیس کتابیں ذکر کی ہیں جب کہ مقدمہ ''موارد الظمأن'' میں ۵۹/تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ کمال یوسف نے ''الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان'' کے مقدمہ میں آپ کی تالیفات میں ۶۳/کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

آپ کی معلوم اہم تصانیف یہ ہیں:

کتاب الصحابہ، کتاب التابعین، کتاب اتباع تابعین، کتاب تبع الاتباع، کتاب الفصل بین النقلۃ، کتاب علل حدیث الزہری، کتاب علل حدیث مالک، کتاب علل اوہام اصحاب التواریخ، کتاب علل مناقب ابی حنیفۃ ومثالبہ، کتاب علل ما استند الیہ ابوحنیفۃ، کتاب ما خالف الثوری شعبۃ، کتاب ما انفرد فیہ اہل المدینۃ من السنن، کتاب ما انفرد فیہ اہل مکۃ من السنن، کتاب ما عند شعبۃ عن قتادۃ ولیس عند سعید عن قتادۃ، کتاب غرائب الاخبار، کتاب ما اغرب الکوفیون عن البصریین، کتاب ما اغرب البصریون عن الکوفیین، کتاب اسامی من یعرف بالکنی، کتاب کنی من یعرف بالاسامی، کتاب الفصل والوصل، کتاب التمییز بین حدیث النضر الخزار، کتاب الفصل بین حدیث اشعث بن مالک واشعث بن سوار، کتاب الفصل بین حدیث منصور بن معتمر ومنصور بن زاذان، کتاب الفصل بین مکحول الشامی والازدی، کتاب موقوف مارفع، کتاب آداب الرجالۃ، کتاب ما اسند جنادۃ عن عبادۃ، کتاب الفصل بین حدیث ثور بن یزید وثور بن زید، کتاب ما جعل عبداللہ بن عمر عبیداللہ بن عمر، کتاب ما جعل شیبان سفیان وسفیان شیبان، کتاب مناقب مالک بن انس، کتاب مناقب الشافعی، کتاب المعجم علی المدن، کتاب المقلین من الحجازیین، کتاب المقلین من العراقیین، کتاب ابواب المتفرقۃ، کتاب الجمع بین اخبار المتضادہ، کتاب الفصل بین حدثنا واخبرنا، کتاب وصف العلوم وانواعہا، کتاب مجۃ المبتدئین، کتاب حفظ اللسان، کتاب مراعاۃ العشرۃ، کتاب الثقۃ باللہ، کتاب التوکل، کتاب مراعاۃ الاخوان، الفصل بین الغنی والفقر، کتاب السخا والبذل، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، کتاب شعب الایمان، روضۃ العقلاء ونزہۃ الفضلاء، کتاب التاریخ، کتاب الہدایہ الیٰ علم السنن، کتاب الجرح والتعدیل، کتاب الثقات، کتاب الضعفاء، صحیح ابن حبان۔

آپ کی تالیفات غزارت علم، قوت استدلال، پختہ تحریروں کی وجہ سے انتہائی مقبول تھیں ان کو سننے کے لیے طالبان علم جوق در جوق خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

۞ امام حاتم فرماتے ہیں " کانت الرحلة بخراسان الیٰ تصانیفه "آپ کی تصانیف پڑھنے اور سننے کے لیے لوگ خراسان کا رخت سفر باندھتے ۔ (معجم البلدان ج ۱ ص ۱۴۷)

۞ ابو عبد اللہ غنجار فرماتے ہیں " صارت تصانیفه عدة لاصحاب الحدیث الا انها عزیزة الوجود "ان کی تصنیفات اصحاب حدیث کے لیے زادراہ تھیں لیکن اب ان کا وجود بہت کم ہو گیا ہے ۔ (ایضاً ص ۴۱۵)

آپ کی تالیفات مختلف علوم وفنون میں ہیں لیکن فن حدیث سے متعلق آپ کی گرانقدر تالیفات اپنی مثال آپ ہیں امام حاکم فرماتے ہیں "علم حدیث میں آپ کی ایسی ایسی تالیفات ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی ۔ (لسان المیزان ج ۵ ص ۱۱۴)

صحیح ابن حبان:

صحیح ابن حبان آپ کا عظیم کارنامہ ہے جسے کتاب الانواع والتقاسیم بھی کہا جاتا ہے یہ اہم کتاب پانچ مبسوط جلدوں پر پھیلی ہوئی ہے اس کی ترتیب کے بارے میں شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں:

اس کی ترتیب نئی طرح کی نہ مبوب ابواب ہی ہے اور مثل مسانید صحابہ و معاجیم شیوخ ہے اول اقسام کو ذکر کرتے ہیں اور ان اقسام میں انواع بیان کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "النوع السادس والاربعون من القسم الثانی فی النواهی" (بستان المحدثین ص ۶۶)

☆ صحیح ابن حبان کی اہم ترین خصوصیت اس کی صحت ہے صحاح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ابن خزیمہ کی کتاب کے بعد اسی کا درجہ ہے۔

☆ اس کتاب کو عام روش ترتیب سے ہٹ کر نادر اسلوب پر مرتب کیا گیا ہے یعنی فقہی ابواب و مسانید پر مرتب کیا گیا ہے۔

☆ ہر حدیث کے آخر میں رجال واسناد کی تحقیق حدیث کے مفہوم کی تعیین ووضاحت اور اسناد و متون کی فنی بحثیں اور دوسری مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اس کتاب سے امام ابن حبان کی فقہی بصیرت اور عالمانہ ژرف نگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔

کتاب الثقات:۔

امام ابن حبان نے فن رجال میں بڑی مبسوط اور جامع کتاب تحریر کی ۔ اس کی ابتدا میں سنت واتباع سنت کی اہمیت ذکر کی گئی ہے ۔ مقدمہ کتاب میں حدیث کے راویوں کی ۳۲ر قسمیں بیان کی گئی ہیں کتاب کا آغاز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے تذکرہ سے

کیا گیا ہے پھر عام صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے لے کر اپنے عہد تک کے علماء حدیث کا تذکرہ حروف تہجی کی ترتیب پر لکھا گیا ہے یہ کتاب بڑی اہم اور مستند ہے بعد میں رجال پر جتنی کتابیں لکھی گئیں سب میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔

رجال میں دوسری کتاب کتاب الضعفاء ہے۔

وفات:۔

ابن حبان نے شائقین علم کے لیے اپنا ذاتی ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا تھا دور دراز کے طلبہ کو وہ اپنے گھر سے کھانا دیتے تھے یہ ان کی سخاوت و فیاضی اور معارف پروری کی دلیل ہے۔

آپ کی وفات ۲۴ ر شوال ۳۵۴ھ میں بمقام بست ہوئی اور اپنے مکان کے قریب ایک چبوترہ میں دفن کیے گئے۔

(۵۷) حضرت امام ابوالقاسم طبرانی رضی اللہ عنہ

۲۶۰ھ ۳۶۰ھ

اسم گرامی سلیمان، کنیت ابوالقاسم۔ سلسلۂ نسب یہ ہے سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی، طبرانی۔ آپ کا نسبی تعلق یمن کے مشہور قبیلہ لخم سے تھا جس کی ایک شاخ شام کے مشہور شہر طبریہ میں آباد ہو گئی تھی یہیں آپ کی ولادت صفر ۲۶۰ھ میں ہوئی۔ قبیلے کی مناسبت سے لخمی اور مولد کی طرف نسبت کرتے ہوئے طبرانی مشہور ہوئے۔

تحصیل علم:۔

طبریہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کے والد احمد جو صاحب علم بزرگ تھے اپنے فرزند کو لے کر شہروں اور قریوں میں علما و شیوخ کے پاس جاتے رہے۔ امام طبرانی نے طلب حدیث کے لیے سفر کا آغاز ۲۷۳ھ میں کیا جب کہ ان کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی اور وہ تقریباً تیس سال تک طلب علم میں اسلامی دیار و امصار کی خاک چھانتے رہے اور ایک ہزار سے زیادہ شیوخ حدیث سے علم حاصل کیا۔ ابن خلکان آپ کی مدت سفر اور مشہور مقامات سفر کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”رحل فی طلب الحدیث من الشام الی العراق والحجاز والیمن ومصر

وبلاد جزیـــــرۃ الفراتیۃ واقام فی الرحلۃ ثلاثاً وثلاثین سنۃ وسمع الکثیر وعدد شیـوخـہ الف شیخ"۔ امام طبرانی نے طلب علم کے لیے شام سے عراق، حجاز، یمن، مصر اور جزیرہ فراتیہ کے شہروں کا سفر کیا اور وہ طلب علم کے اس سفر میں ۳۳/ سال تک رہے اور کثیر شیوخ سے حدیثوں کو سماع کیا اور ان کے شیوخ کی تعداد ایک ہزار ہے۔ (وفیات الاعیان ج ا ص ۳۸۴)

ابتداء میں تو انہوں نے شام کے علمی مراکز طبریہ، قدس، قیساریہ، حمص کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر مکہ، مدینہ، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، فارس اور اصفہان وغیرہ کے شیوخ و اساتذہ سے درس حدیث لیا۔ انہیں سفر میں بڑی دشواریاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں۔ مگر طلب علم کی راہ میں ساری زحمتوں کو صبر و استقامت کے ساتھ جھیلتے رہے۔ ذکوانی کہتے ہیں "سئل الطبرانی عن کثرۃ حدیثہ فقال کنت انام علی البواری ثلاثین سنۃ" طبرانی سے بکثرت احادیث جمع کرنے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا میں نے مسلسل تیس سال چٹائی پر سو کر بسر کیے ہیں (یعنی آرام و آسائش کو چھوڑ دیا تب یہ خزانہ ہاتھ آیا) (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۲۱)

آپ کے جلیل القدر شیوخ یہ ہیں:

ہاشم بن مرشد طبرانی، ابوزرعہ دمشقی، اسحاق دبری، ادریس عطار، بشر بن موسیٰ، حفص بن عمر سنجہ الف، علی بن عبدالعزیز بغوی، مقداد بن داؤد رعینی، یحییٰ بن ایوب علاف، ابوعبدالرحمٰن نسائی، عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم، ابراہیم بن ابی سفیان قیسرانی، ابراہیم بن محمد بن عرق حمصی، ابراہیم بن موبد شیبانی، ابومسلم کجی، احمد بن یونس، احمد بن عبدالرحیم حوطی، احمد بن عبدالقاہر، احمد بن معلیٰ، اسحاق بن ابراہیم دبری، ابوعلی اسماعیل بن محمد بن قیراط، حسن بن سہل، حسن بن عبدالاعلیٰ بوسی، ابوخلیفہ، فضل بن حباب جمحی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۱۹)

علم و فضل:۔

امام طبرانی نے جس ذوق و شوق اور یکسوئی کے ساتھ طویل مدت تک اسلامی بلاد و امصار کے بکثرت حاملین حدیث سے سماع اور استفادہ کر کے اپنے دامن علم کو بھر لیا تھا ان کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ حفظ و ضبط حدیث کا اعتراف بڑے بڑے اہل کمال نے کیا ہے۔

● ابن خلکان: "کان حافظ عصرہ" وہ اپنے زمانہ کے حافظ الحدیث تھے۔ (وفیات ج ا ص ۳۸۴)

● [illegible] مسند الدنیا" جلیل

القدر حافظ حدیث، امام بہت بڑے عالم، حجت اور مسند دنیا ہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۱۸)

❁ ابن جوزی: امام سلیمان طبرانی کا حافظہ نہایت قوی تھا۔

❁ ابراہیم بن محمد بن حمزہ: میں نے ان سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

حفظ وضبط کے ساتھ ثقاہت وعدالت میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا ان خصوصیات کے ساتھ وہ لاکھوں حدیثوں کے حافظ تھے۔ کثرت علم میں ان کے زمانہ میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ حدیث کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ مگر حدیث میں ان کا مرتبہ تمام معاصرین سے بلند تھا۔ اور محدثین ان کی وسعت علم اور علو اسناد کے معترف ہیں۔

❁ ابن مندہ: "الطبرانی احد حفاظ المذکورین" طبرانی مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۲)

❁ احمد بن منصور شیرازی: "کتبت عن الطبرانی ثلاث ماۃ الف حدیث و ھو ثقۃ" میں نے امام طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں لکھیں وہ ثقہ محدث تھے۔ (ایضاً)

❁ حافظ ذہبی: "وحدیثہ قد ملأ البلاد" ان کی حدیثوں سے سارے شہر بھر گئے تھے۔ (ایضاً)

❁ یافعی: "حدیثوں کے علل اور رجال وابواب کے اچھے واقف کار تھے"۔

❁ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: "طبرانی علم حدیث میں کامل وسعت رکھتے تھے اور کثرت روایت میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے"۔ (بستان المحدثین ص ۹۱)

امام ابن عقدہ سے کسی اصفہانی شخص نے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے پوچھا کہ تم نے سلیمان بن احمد لخمی (طبرانی) سے سماع کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں ان سے واقف نہیں۔ ابن عقدہ نے حیرت سے سبحان اللہ کہا اور فرمایا" ابو القاسم ببلدکم وانت لا تسمع منہ وتوذینی ھذا الذی ما اعرف لہ نظیرا" ابو القاسم طبرانی تمہارے شہر میں ہیں ان کے ہوتے ہوئے تم لوگ ان سے حدیثیں نہیں لکھتے اور ہم لوگوں کو خواہ مخواہ دق کرتے ہو میں نے طبرانی کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۲)

امام طبرانی کی وسعت علم کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے "استاذ ابن عمید کہتے ہیں جب تک میں نے طبرانی اور ابوبکر جعابی کا مذاکرہ علمیہ نہیں سنا تھا میں اپنی وزارت اور سیادت کے مقابلہ میں دنیا کی کسی چیز کو حلاوت بخش نہیں سمجھتا تھا اس مذاکرہ میں کثرت محفوظات کے لحاظ سے

طبرانی کا پلڑا بھاری تھا۔ جب کہ ذہانت اور فطانت میں جعابی غالب نظر آتے تھے ہوتے ہوتے دونوں کی آوازیں بلند ہوئی اور جعابی نے دعویٰ کیا میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے جو دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے طبرانی بولے وہ حدیث بیان کرو جعابی نے حدیث بیان کی۔ " اخبرنا ابو خلیفة قال اخبرنا سلیمان بن ایوب " (ہم سے ابوخلیفہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے سلیمان بن ایوب نے روایت کی) طبرانی نے کہا سلیمان بن ایوب تو میں ہی ہوں اور ابوخلیفہ میرے شاگرد ہیں۔ تم یہ سند عالی کے ساتھ مجھ سے لے لو یہ سن کر جعابی شرمندہ ہوئے اور میں نے اس وقت خواہش کی کاش میں وزیر ہونے کے بجائے طبرانی ہوتا اور اس مذاکرہ میں جو انہیں خوشی ہوئی وہ مجھے حاصل ہوتی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۱)

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

امام طبرانی نے اسلامی دنیا میں اپنی علمی عظمت کا سکہ بیٹھادیا تھا اور ان کی شہرت تمام اسلامی آبادیوں میں پھیل گئی تھی چنانچہ طلب حدیث کے لیے رحلت وسفر سے انہوں نے جب فرصت پائی تو اصفہان میں مستقل بود و باش اختیار کرلی اور انہیں حاکم اصفہان ابن رستم کی طرف سے ۵۰۰/ درہم وظیفہ مقرر ہوا اور آپ پوری فراغت کے ساتھ علم کی تدریس میں مصروف ہوئے ۔ اور تقریباً ساٹھ سال تک آپ کی مجلس درس اصفہان میں قائم رہی جہاں دور دور سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آتے رہے۔ آپ سے سماع حدیث بھی کرتے اور آپ کی کتابیں بھی نقل کرتے۔ آپ کی علمی شہرت اور حلقۂ درس کی وسعت کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

''حافظ اسماعیل بن محمد تیمیؒ کے زمانہ میں یہ مشہور تھے اور طلبہ ان سے استفادہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے پھر ابن ناصر اور ابوالعلاء ہمدانی کے زمانہ میں ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور طلبہ کا ان کی طرف تانتا بندھ گیا ازاں بعد ابوموسیٰ مدینی کے زمانہ میں تو ان کی سند بہت عالی سمجھی جاتی تھی اور اسی زمانہ میں حافظ عبدالغنی نے معجم کبیر کا ان سے سماع کیا تھا پھر ابن خلیل حافظ ضیاء اور دوسرے مشاہیر نے ان کی طرف رخت سفر باندھا اور ان سے سماع کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا"۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۲)

شیوخ کی طرح آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہے کچھ اہم تلامذہ یہ ہیں:

ابوخلیفہ جمحی، ابن عقدہ، احمد بن محمد صحاف، ابوبکر بن مردویہ، فقیہ ابوعمرو، محمد بن حسین نقاشی، حسین بن احمد بن مرزبان، ابوبکر بن علی زکوانی، ابوالفضل محمد بن احمد جارودی، ابونعیم حافظ، ابوالحسین بن

فادشاہ، محمد بن عبید اللہ بن شہر یار، عبد الرحمٰن بن احمد صفار، ابو بکر بن زبدہ۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۱۹)

تصانیف اور معجم:-

امام طبرانی کے قلم نے مختلف علوم وفنون میں ہزاروں صفحات پر علم وفضل کے نادر موتی اہل ذوق کے استفادہ کے لیے بکھیر دیئے آپ کثیر التصانیف ہیں آپ کی مصنفات یہ ہیں:

کتاب الدعاء، کتاب المناسک، کتاب عشرۃ النساء، کتاب السنۃ، کتاب الطوالات، کتاب النوادر، کتاب دلائل النبوۃ، کتاب مسند شعبۃ، کتاب مسند سفیان، اسانید جمعۃ من الکبار، کتاب حدیث الشامیین، کتاب الاوائل، کتاب الری، تفسیر کبیر، معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر، مسند العشرہ، مسند الشامیین، النوادر، معرفۃ الصحابۃ، فوائد معرفۃ الصحابہ، مسند ابی ہریرہ، مسند عائشہ، الدعاء السنہ، حدیث اعمش، حدیث الاوزاعی، حدیث شیبان، حدیث ایوب، مسند ابی ذر، الرؤیۃ، الجود، العلم، الالویۃ، فضل رمضان، الفرائض، الرد علی المعتزلۃ، الرد علی الجہمیۃ، مکارم الاخلاق الفراء، الصلوٰۃ علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، المامون، الغسل، فضل العلم، ذم الرائی، تفسیر الحسن، الزہری عن انس، ابن المنکدر عن جابر، مسند ابی اسحاق سبیعی، حدیث یحییٰ بن ابی کثیر، حدیث مالک بن دینار، ماروی الحسن عن انس، حدیث ربیعہ، حدیث حمزۃ الزیات، حدیث مسعر بن کدام، حدیث ابی سعد البقال، طرق حدیث من کذب علی النوح، مسند ابن جحادہ، من اسمہ عباد، من اسمہ عطاء، من اسمہ شعبہ، اخبار عمر بن عبد العزیز بن رفیع، مسند روح بن القاسم، فضل عکرمہ، امہات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسند عمارہ بن غزیہ، طلحہ بن مصرف وجماعۃ، مسند العبادلۃ، احادیث ابی عمرو بن العلاء، غرائب مالک، ابان بن تغلب، حریث بن ابی مطر، وصیت ابی ہریرہ، مسند الحارث العکلی، فضائل الاربعۃ الراشدین، مسند ابن عجلان، کتاب الاشربہ، کتاب الطہارۃ، کتاب الامارۃ، مسند ابی ایوب الافریقی، مسند زیاد الجصاص، مسند زافر وغیرہ۔ مقام افسوس ہے کہ دوسرے قدیم مصنفین کی طرح آپ کی اکثر وبیشتر کتابیں تلف ہو گئیں ان کی تصانیف میں معاجم ثلاثہ کو خاص اہمیت اور کتب حدیث میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

معجم کبیر:-

یہ کتاب حقیقتاً مسند ہے کیوں کہ اس میں صحابہ کی ترتیب پر ان کی مرویات درج کی گئی ہیں لیکن اس کی شہرت معجم کے نام سے ہوئی۔ ابن عابدین نے فرمایا اس کتاب کی بارہ جلدیں ہیں جن

میں ساٹھ ہزار حدیثیں ہیں۔ ابن دحیہ کا بیان ہے کہ کتب معاجم میں سب سے بڑی یہی کتاب ہے اور جب محدثین مطلق معجم کہتے ہیں تو ان کی مراد یہی کتاب ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۵۱)

معجم اوسط:۔

یہ کتاب شیوخ کے ناموں پر ترتیب دی گئی ہے اس میں طبرانی نے تقریباً ایک ہزار شیوخ کے غرائب جمع کیے ہیں چوں کہ مفرد و غریب وہ احادیث ہیں جو ایک ہی شیخ کے پاس ہوں اور دوسرے شیوخ ان سے واقف نہ ہوں یہی وجہ ہے کہ اس میں نفیس، عزیز، منکر ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں لیکن اس کی ترتیب و تالیف میں امام طبرانی نے بڑی کاوش سے کام لیا تھا یہ کتاب چھ مبسوط جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کی تصنیف میں امام طبرانی نے کافی محنت کی تھی اور اپنی اس قلمی کوشش کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ حافظ شمس الدین ذہبی تحریر فرماتے ہیں: "**کان یقول ھذا الکتاب روحی فانہ تعجب علیہ وفیہ کل نفیس و عزیز و منکر**" یہ کتاب میری جان ہے اس میں آپ نے بہت محنت کی اور اس میں ہر قسم کی نفیس عزیز اور منکر احادیث تحریر ہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۰)

معجم صغیر:۔

یہ کتاب معجم اوسط ہی کی طرح مرتب کی گئی ہے چوں کہ مختصر ہے اس لیے زیادہ مقبول و متداول ہے طبرانی نے اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ کی ایک ایک حدیث درج کی ہے آخر میں بعض خواتین کی حدیثیں جمع کی ہیں جن کی تعداد دو ہزار ہے۔ اس میں روایت اور راوی کے متعلق مختلف نوع کی تصریحات کی گئی ہیں حدیث کے بارے میں المعلم کے بیان کردہ مفہوم کو ذکر کرنے کے علاوہ خود بھی کہیں کہیں اس کی مراد واضح کی اور مشکل لغات کے معنی لکھے۔

طبرانی نے ائمہ فقہ اور محدثین کے فقہی اقوال و آراء بھی نقل کیے ہیں اور بعض روایتوں کی اس طرح تشریح کی ہے جن سے کسی خاص فقہی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

امام طبرانی علم و فضل کے افق پر ایک درخشندہ ستارہ تھے حدیث میں وہ حفاظ حدیث کی آخری یادگار تھے۔

سیرت و کردار:۔

وریاضت، دینی غیرت وحمیت سے عبارت تھی۔ آپ دین کے معاملے میں بڑے ہی باغیرت اورحساس واقع ہوئے تھے اصحاب رسول سے انہیں قلبی لگاؤ تھا ان کی شان میں ذرا سی اہانت گوارہ نہ کرتے تھے۔ ابن رستم عامل اصفہان جس نے آپ کے لیے پانچ سو درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا اور جس سے آپ کے دیرینہ مراسم بھی تھے۔ جب اس نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کی اور معاندانہ رویہ اختیار کیا تو آپ نے اس سے ملنا جلنا ترک کردیا اور اس کے وظیفے کو لینے سے انکار کردیا۔

وفات:۔

دنیائے اسلام کے اس عظیم محدث نے سو سال کی عمر پا کر بروز شنبہ ۲۸/ذوقعدہ ۳۶۰ھ میں دار فانی سے رحلت کی۔ صحابی رسول حمہ دوسی کے مزار کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ حافظ ابونعیم اصفہانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۵۸) حضرت حافظ عصر ابواحمد عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ

۲۷۷ھ متوفی ۳۶۵ھ

اسم گرامی عبداللہ کنیت ابواحمد سلسلۂ نسب اس طرح ہے عبداللہ بن عدی بن عبداللہ جرجانی۔ اپنے وطن میں ابن القطان سے مشہور تھے اور عالم اسلام میں ابن عدی سے شہرت پائی۔ آپ کا مولد وطن جرجان طبرستان اور خراسان کے درمیان ایک مشہور شہر ہے جو انتہائی خوبصورت، سرسبز وشاداب خطۂ زمین ہے جہاں بڑے بڑے نامور اہل علم پیدا ہوئے انہیں میں علامہ ابن عدی کی ستودہ صفات علمی ذات بھی ہے۔ تاریخ ولادت ذی قعدہ ۲۷۷ھ ہے۔

تحصیل علم:۔

قدرت نے امام ابن عدی کو مضبوط حافظہ اور قبول علم کی بیکراں استعداد سے نوازا تھا۔ چنانچہ سن شعور کو پہونچتے ہی انہوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ طلب علم کے کوچے میں قدم رکھا اور اپنے وطن کے علماء ومحدثین کی بارگاہوں سے فیض اٹھایا پھر وہ اسلامی دنیا کے علماء اور فضلاء سے تحصیل علم کرنے کے لیے ۲۹۷ھ میں جرجان سے نکلے اور محدثین عظام کی روش پر دور دراز ملکوں اور شہروں کا سفر کرکے اکابر علم سے حدیث کا سماع کیا۔ امام سبکی لکھتے ہیں " احد الجهابذة الذين

طافو البلاد" (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۳۳)

سفر کے دوران حجاز، بلاد شام، عراق، بغداد، مصر، خراسان، اسکندریہ اور سمرقند گئے۔ ان رحلات و اسفار میں آپ نے بڑے بڑے ماہرین فن ائمہ اور محدثین عظام سے ملاقات کی جن کی ایک بڑی تعداد ہے۔ آپ نے اپنی کتاب معجم الشیوخ میں اپنے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زائد ذکر کی ہے۔ قابل ذکر اساتذہ کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

امام عبدالرحمٰن نسائی، امام ابو یعلیٰ موصلی، حسن بن سفیان نسوی، امام ابن خزیمہ، امام بغوی، بہلول بن اسحاق انباری، محمد بن عثمان بن ابی سوید، محمد بن یحییٰ مروزی، عبدالرحمٰن بن قاسم بن رواس دمشقی، انس بن سلم، ابو خلیفہ جمحی، عمران بن مجاشع، عبدان اہوازی، حسن بن محمد مدنی، حسن بن فرج غزی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۴۳)

علم و فضل:۔

امام ابن عدی نے حسن انہماک اور اخلاص کے ساتھ علم دین حاصل کیا تھا اس کے برکات نے انہیں علم و فضل کی عظیم شخصیت بنا دیا تھا۔ وہ بلند پایہ محدث اور ماہر فن رجال تھے۔ اسلامی دنیا کے مقتدر اہل علم نے آپ کی ثقاہت و عدالت، حفظ و ضبط اور مہارت فن کا اعتراف کیا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: "الامام الحافظ الکبیر، کان احد الاعلام..... وھو المصنف فی الکلام علی الرجال عارفا بالعلل" بہت بڑے حافظ حدیث نامور امام ہیں آپ چوٹی کے علماء میں سے ایک زبردست عالم ہیں آپ رجال پر لکھنے والے کامیاب مصنف اور علل حدیث کے خوب ماہر تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۴۳)

❁ حافظ حمزہ سہمی: "کان حافظا متقنا لم یکن فی زمانہ احد مثلہ" آپ حافظ اور متقن تھے ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ (ایضا)

❁ احمد بن ابی مسلم: "لم ار احدا مثل ابی احمد بن عدی و کیف فوقہ فی الحفظ و کان احمد قد لقی الطبرانی و ابا احمد الحاکم وقد قال لی کان حفظ ھولاء تکلفا و حفظ ابن عدی طبعا" میں نے حفظ و اتقان میں ابو احمد ابن عدی جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا ان سے بڑا کیسے دیکھتا حافظ احمد مذکور نے امام طبرانی اور ابو احمد حاکم سے ملاقات کی تھی انہوں نے مجھ سے کہا ان تینوں کا حافظہ تکلف کا رہین منت تھا۔ اور ابن عدی کا حافظہ طبعی تھا۔ (ایضا)

❁ابوالولید باجی: '' ابن عدی حافظ لا باس '' ابن عدی حافظ حدیث ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔ (ایضاً ص ۱۴۴)

❁علامہ ابن اثیر: ''کان امام عصرہ'' آپ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ (اللباب ج۱ ص۲۷۰)

جرح وتعدیل:۔

فن جرح وتعدیل میں آپ کی شخصیت انتہائی معروف ہے۔ اس فن میں آپ کو بلند مقام حاصل تھا۔ فن جرح وتعدیل میں آپ کی شہرہ آفاق کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال قابل فخر ہے جس سے آپ کی علمی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور فن جرح وتعدیل واسماء الرجال میں آپ کی مہارت تامہ کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے علاوہ حدیث اور علوم حدیث سے متعلق آپ کی دیگر تالیفات ہیں علل حدیث میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ اس لیے آپ کا شمار کبار ائمہ جرح وتعدیل میں ہوتا ہے۔ خاص طور سے ضعفاء رجال کی معرفت میں آپ مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں '' معرفت علل حدیث اور معرفت رجال میں آپ حافظ وقت تھے جن کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔ (طبقات الشافعیہ ج۲ ص۲۳۳)

نیز فرمایا'' مصنفه فی الرجال الیه المنتهیٰ فی الجرح'' یعنی رجال کے سلسلے میں آپ کی تصنیف جرح میں منتہی ہے۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص۱۰۳)

الکامل فی ضعفاء الرجال:۔

یہ کتاب ضعفاء رجال کے سلسلے میں بہت اہم اور جامع ہے علماء جرح وتعدیل نے اس کتاب کو اپنی تالیفات کے لیے مصدر بنایا ہے اور راویوں کے بارے میں آپ کے اقوال کو بطور فیصل تسلیم کیا ہے۔ خاص طور پر امام ذہبی نے اپنی نادر تصنیف میزان الاعتدال کے لیے اس کتاب کو بنیاد بنایا ہے۔ دیگر علماء جرح وتعدیل نے بھی اس کتاب کو خاص اہمیت دی ہے۔

کتاب کی ابتداء میں ایک طویل وبسیط معلومات افزا مقدمہ ہے جس میں کذب بیانی کی فضیحت حدیث رسول میں دروغ گوئی پر وعید اور سزا بعض صحابہ کی قلت روایت کے اسباب کتابت حدیث کا جواز اور عدم جواز کا معاملہ کاذبین کی قسمیں، ائمہ جرح وتعدیل کے تراجم کا ذکر۔ اس کے بعد غیر ثقہ راویوں سے روایت کرنے کا نقصان، صالحین سے غفلت اور دروغ گوئی کا صدور اور آخر

میں ان لوگوں کا تذکرہ جن سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے اور جن سے نہیں کیا جا سکتا۔

مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جس میں ان تمام راویوں کا تذکرہ ہے جن پر کسی کا بھی کلام ہو خواہ وہ قادح ہو یا غیر قادح اسی وجہ سے بہت سے ائمہ اور صحیحین کے رجال کا تذکرہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ چوں کہ وہ اس قسم کے سارے رجال کا تذکرہ کرنا چاہتے تھے اس لیے جملہ متکلم فیہ راوی کتاب میں آگئے ہیں بہت سے ایسے راوی جن پر قادحین کا کلام معتبر نہیں ان راویوں کا دفاع بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کتاب میں ذکر کرنے کا مقصد ان پر عیب لگانا نہیں ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں

”یذکر فی الکامل کل من تکلم فیہ بادنی شیئ ولو کان من رجال الصحیحین لکنہ ینتصر لہ اذا امکن ویروی فی الترجمۃ حدیثا او احادیث ما استکر للرجل وھو منصف فی الرجال بحسب اجتھادہ“

وہ اپنی کتاب ”الکامل“ میں ہر اس راوی کا ذکر کرتے ہیں جس پر ادنیٰ شی کی وجہ سے بھی کلام کیا گیا ہو اگر چہ وہ بخاری و مسلم کے رجال ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ حسب امکان ان کی حمایت کرتے ہیں اور ترجمہ میں اس سے ایک یا چند حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

وہ اپنے اجتہاد کے مطابق رجال کے بارے میں فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱۶اص۵۷_۱۵۵)

کتاب حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے۔ راوی کا نام، ولدیت نسبت کا ذکر کیا ہے اور ہر راوی کے بارے میں اپنا واضح فیصلہ صادر کر دیا ہے جو بالعموم ہر راوی کے ترجمہ کے آخر میں ہے اس فیصلے کا انتخاب متکلم فیہ راوی کی روایتوں کی چھان بین کے بعد کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیصلے عموماً معتدل ہیں۔ علماء نقد و نظر کے اقوال بھی اپنی سند سے ذکر کیے ہیں۔ ہر راوی کے ترجمہ میں بطور مثال ایک یا چند ضعیف روایتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ کثرت اخبار کی وجہ سے بعض تراجم طویل ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر اس کتاب میں ضعیف اور منکر روایتوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ ناموں کے ختم ہونے کے بعد آخر میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے جو کنیت سے مشہور ہیں:

علماء حدیث نے اس کتاب کو کافی پسند کیا ہے۔ چنانچہ حمزہ سہمی نے ایک بار امام دارقطنی سے درخواست کی کہ ضعفاء پر ایک کتاب تحریر فرما دیں فرمانے لگے کیا تمہارے پاس ابن عدی کی کتاب نہیں

ہے میں نے کہا کیوں نہیں میرے پاس ابن عدی کی کتاب موجود ہے فرمانے لگے "فیه کفایة لا یزاد علیه" بس یہی کتاب کافی ہے اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ (تذکرہ ج۳ ص۱۴۳)

❁ امام سبکی " وکتابه الکامل طابق اسمه معناه ووافق لفظه فحواه من عینه انتجع المنتجعون وبشهادته حکم الحاکمون" ان کی کتاب الکامل اسم با مسمّیٰ ہے اس کے الفاظ کلام کے عین مطابق ہیں اسی چشمہ سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا ہے اور انہیں کی شہادت سے فیصلہ کیا ہے۔ (طبقات الشافعیہ ج۲ ص۲۳۳)

❁ امام خلیلی: ضعفاء رجال میں ابن عدی کی جو تالیف ہے اس طرح کی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ (مقدمہ کامل سامرائی ص۷)

❁ حافظ ذہبی: ابن عدی کی کتاب الکامل اس فن کی سب سے زیادہ جامع اور عظیم کتاب ہے۔ (میزان الاعتدال ج۱ ص۲)

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ابن رومیہ اور ابن طاہر نے ذیول لکھے ابن ایبک دمیاطی نے کتاب کا مختصر لکھا۔

وفات:۔

۳۶۵ھ میں علم وفضل کا یہ روشن ستارہ سرزمین جرجان میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی نے نماز جنازہ پڑھائی اور جسد خاکی مسجد کوزین کے بغل میں سپرد خاک کردیا گیا۔

(۵۹) شیخ الاسلام حضرت ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۷۷ھ وفات ۳۷۱ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابوبکر لقب اسماعیلی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس بن مرداس۔ آپ کی ولادت ۲۷۷ھ میں بمقام جرجان ہوئی۔ ان کا خاندان علم وفن میں مشہور تھا طلب علم کا شوق بیکراں انہیں ورثہ میں ملا تھا چنانچہ ۲۸۳ھ میں ۶ر سال کی عمر ہی سے حدیثوں کی کتابت کا آغاز کردیا تھا اور نو دس سال کی عمر سے باقاعدہ تحصیل علم میں مصروف ہوگئے تھے وہ شوق علم میں دور دراز بلاد وامصار کا سفر کرنا چاہتے تھے مگر کم سنی کی وجہ سے ان کے گھر والے راضی نہ ہوئے ایک دن انہیں اس عہد کے مشہور محدث محمد بن ایوب رازی علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر ملی تو کافی صدمہ پہونچا گھر میں آکر سارے کپڑے پھاڑ ڈالے اور آہ وبکاء کرنے لگے اور سر پر

خاک ڈالنے لگے اہل خاندان نے یہ حال زار دیکھا تو جمع ہو گئے جامہ دری اور رونے دھونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا دیکھو کیسے زبردست عالم کا اس عالم سے انتقال ہو گیا ہے تم لوگوں نے مجھ کو ان کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی مجھے اسی بات کا صدمہ ہے کہ میں ان سے مستفید نہ ہو سکا اور ان کی دولت علم سے محروم رہ گیا رشتہ داروں نے تسلی دی اور کہا اب بھی بہت سے علماء زندہ ہیں تمہارا جس طرف جی چاہے سفر کرو۔ جس محدث سے چاہو حدیث حاصل کرو آپ جرجان سے باہر نکلے اور ماموں کے ساتھ پہلے شہر نساء گئے اور وہاں شیخ حسن بن سفیان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے بغداد، کوفہ، اہواز، بصرہ، انبار، موصل، جزیرہ اوز دوسرے اسلامی شہروں میں پھرتے رہے اور اکابر محدثین کے علمی ذخیروں سے خوشہ چینی کرتے رہے۔ طلب حدیث کے لیے ان کا سفر اس وقت شروع ہوا جب کہ ان کی داڑھی بھی نہ آئی تھی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۴۹)

آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

ابراہیم بن زہیر حلوانی، ابراہیم بن عبداللہ مخزمی، ابو یعلی احمد بن علی بن مثنی موصلی، احمد بن محمد بن مسروق، بہلول بن اسحاق تنوخی انباری، جعفر بن محمد فریابی، حسن بن سفیان شیبانی، حمزہ بن محمد بن عیسیٰ کاتب، عبداللہ بن ناجیہ، عبدان بن احمد عسکری، عمران بن موسیٰ سختیانی، ابو خلیفہ فضل بن حباب جمحی، ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن حسن بن سماعہ، ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان حضرمی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، زاہد محمد عثمان مقابری، محمد بن یحییٰ بن سلیمان مروزی، یحییٰ بن محمد حنائی، قاضی یوسف بن یعقوب۔ (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۸۰)

علم و فضل:۔

امام اسماعیلی حفظ و ضبط، ثقاہت و اتقان میں ممتاز تھے وہ حدیث و فقہ میں درجۂ امامت پر فائز ہوئے ان کی علمی کمالات کا اعتراف ارباب علم و فضل نے اس طرح کیا ہے۔

● حافظ ذہبی: " وانبهرت بحفظ هذا الامام وجزمت بان المتاخرين على اياس من ان يلحقوا المتقدمين في الحفظ والمعرفة " میں اس جلیل القدر امام کے حافظہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں میری پختہ رائے ہے کہ حفظ اور معرفت میں متقدمین و متاخرین ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پا سکتے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۴۹)

● ابو محمد حسن بن علی: "كان الواجب للشيخ ابي بكر ان يصنف لنفسه سننا و يختار، و يجتهد فانه كان يقدر عليه لكثرة ما كان كتب ولغزارة علمه وفهمه

وجلالته وما كان ينبغي له ان يقتدي بكتاب محمد بن اسماعيل فانه اجل من ان يتبع غيره " وسیع علم، قوی فہم اور جلالت قدر کے پیش نظر شیخ ابوبکر کے لیے لازم تھا کہ وہ صحیح بخاری کی تخریج کا پابند ہونے کے بجائے سنن میں اپنی مستقل کتاب لکھتے جس میں آپ بے پناہ اجتہاد سے کام لے کر اپنے مختارات جمع کرتے وہ اپنے عظیم ذخیرۂ احادیث کی وجہ سے ایسا کر سکتے تھے اور ان کا مقام دوسروں کی نقالی سے بہت اونچا تھا۔ (ایضاً)

❁ امام حاکم: "**كان الاسماعيلي واحد عصره وشيخ المحدثين والفقهاء واجلهم في الرياسة والمروة والسخاء ولا خلاف بين علماء الفريقين وعقلائهم**" فریقین کے علماء اور ان کے عقلاء کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام اسماعیلی اپنے زمانہ کے دریکدانہ اور شیخ المحدثین والفقہاء تھے ریاست و مروت اور جود و سخا میں ان سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

❁ حمزہ سہمی: "**سمعت جماعة منهم الحافظ ابن المظفر يحكون جودة قراءة ابی بكر وقالوا كان مقدماً فی جميع المجالس كان اذا حضر مجلساً لا يقرأ غيره**" میں نے اہل علم کی ایک جماعت سے جن میں حافظ ابن مظفر بھی شامل ہیں سنا ہے سب امام اسماعیلی کی حسن قراءت کی داد دیتے تھے اور کہتے تھے مجالس درس میں بھی قراءت کرتے تھے ان کے ہوتے ہوئے کسی کو پڑھنے کی جراءت نہ ہوتی تھی۔ (تذکرہ)

❁ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: "فقہ و حدیث کے جامع اور دین و دنیا کی ریاست کے مالک ہوئے"۔ (بستان المحدثین ص ۶۰)

حدیث:۔

امام اسماعیلی منقولات کے متبحر عالم اور کامل الفن محدث تھے وہ حدیث میں مرجع و مقتدیٰ کی حیثیت رکھتے تھے امام حاکم نے ان کو شیخ المحدثین اور امام اہل جرجان کہا ہے۔ نیز فرمایا ان کے ضبط و ثقاہت میں کوئی اختلاف نہیں کیا گیا ہے شہرت کے بارے میں ابن فرات لکھتے ہیں "**لقد رزق من العلم والجاه والصيت الحسن**" ان کو علم و جاہ اور اچھی شہرت نصیب ہوئی۔

حافظ حسن بن علی فرماتے ہیں اسماعیلی اس پایہ کے محدث تھے کہ حدیث و سنن میں مستقل کتابیں لکھتے مگر انہوں نے مستخرج مرتب کرنے پر اکتفا کیا ان کو اکثر کتابیں ازبر تھیں اور اللہ تعالیٰ نے علم وافر اور ذہن رسا سے نوازا تھا۔ (تاریخ جرجان ص ۷۰)

۞ حافظ ذہبی: "قد جمع مع امامته فی علم الحدیث والفقه رفعة الاسانید والتفرد ببلاد العجم" اسماعیلی نے حدیث وفقہ میں درجۂ امامت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ ضبط اسانید میں بھی بلند مقام حاصل کیا اور بلاد عجم میں یکتا سمجھے گئے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۵۲)

حلقۂ درس:۔

امام اسماعیلی تکمیل علم کے بعد جب مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تو ان کی مجلس درس نے کافی وسعت حاصل کی حلقۂ درس میں طلبہ ومستفیدین کا جم غفیر ہوا کرتا تھا۔ درس حدیث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا تلامذہ اسے نقل کرلیا کرتے تھے ان کے تلامذہ کی بہت بڑی تعداد ہے چند اہم نام یہ ہیں:

ابوالقاسم عبدری، ابوبکر بن محمد بن غالب برقانی، حسین بن محمد باسانی، حمزہ بن یوسف سہمی، ابو عمرو عبدالرحمٰن بن محمد فارسی، عبدالواحد بن منیر معدل، ابوجعفر محمد بن احمد حجاجی، ابوبکر محمد بن ادریس جرجانی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم، ابوعلی محمد بن علی بن سہل، ابوالحسن محمد بن علی طبری، ابوحازم عبدوی۔

فقہ:۔

امام اسماعیلی حدیث کی طرح فقہ واجتہاد میں بھی صاحب کمال اور امام ومقتدیٰ تھے علامہ سمعانی کا بیان ہے کہ اسماعیلی اہل جرجان کے امام اور فقہ وحدیث میں مرجع تھے موصوف سے علم فقہ ان کے بیٹے ابوسعد اور علماء جرجان نے حاصل کیا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۴۷) امام اسماعیلی امام شافعی کے مقلد تھے اور ائمہ شوافع میں شمار کیے جاتے تھے امام حافظ لکھتے ہیں اس علاقہ میں شوافع کے سب سے بڑے رہنما تھے۔ (تذکرہ)

تصانیف:۔

امام اسماعیلی نے بہت سی کتابیں لکھیں ان میں بعض اہم تصانیف یہ ہیں:

(۱) مسند عمر (۲) مسند کبیر (۳) مستخرج (۴) معجم (۵) مسند کبیر، یہ کافی ضخیم کتاب ہے جو تقریبا سو جلدوں پر مشتمل تھی۔

مستخرج اسے صحیح اسماعیلی بھی کہتے ہیں یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے جو بے شمار فوائد اور معلومات پر مشتمل ہے۔

معجم :-

اسماعیلی کی یہ اہم تصنیف ہے مصنف خود تحریر فرماتے ہیں میں نے جن شیوخ سے حدیثیں سنیں اور لکھی ہیں یا جن کے سامنے قراءت کی ہے ان کے ناموں کے حصر اور حروف معجم پر تخریج کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا تاکہ طلبہ کو اس سے سہولت ہو اور ناموں میں التباس واشکال کے وقت وہ اس کی جانب رجوع کرسکیں ہر شیخ کی صرف ایک ہی حدیث نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے جن راویوں کی طرف میرے خیال میں کذب واتہام یا عام محدثین سے تفرد کی بنا پر ناپسندیدہ ہیں ان کی حقیقت اس میں اچھی طرح واضح کردی گئی ہے لیکن جن لوگوں کا قدح وطعن بالکل واضح اور ظاہر ہے ان کی حدیث کی تخریج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں نے تیمناً وتبرکاً اس کا آغاز اسم احمد سے کیا ہے اور جمادی الاولیٰ ۳۶۱ھ میں اس کی جمع وتالیف کی ابتداء کی۔

وفات :-

۹۴ رسال کی عمر میں رجب ۳۷۱ھ میں انتقال ہوا ان کے صاحبزادے ابونصر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۶۰) حضرت امام ابوالحسن دارقطنی رضی اللہ عنہ

۳۰۶ھ ۳۸۵ھ

اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن۔ سلسلۂ نسب یہ ہے علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبداللہ بغدادی دارقطنی۔ آپ کا مولد ومسکن شہر بغداد کا محلہ دارقطن ہے جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے دارقطنی کہلائے۔

چوتھی صدی ہجری کا آغاز ہوچکا تھا۔ دنیائے اسلام کی عظیم علمی شخصیتیں رخصت ہوچکی تھیں۔ علمی محفلیں بے نور ہوگئی تھیں ایسے ماحول میں قدرت نے امام دارقطنی کو پیدا فرمایا۔ آپ کی ولادت ۳۰۶ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم :-

امام دارقطنی نے دنیائے اسلام کے عظیم علمی شہر بغداد میں نشو ونما پائی جو عباسیوں کا پایۂ تخت اور علم وعلماء کی راجدھانی تھا جہاں کے ذروں سے علم وفن کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ آپ کا گھر بھی

علم کی تجلیوں سے معمور تھا والد عمر بن احمد کا شمار محدثین میں ہوتا تھا۔ جن کی آغوش تربیت میں دارقطنی نے پرورش پائی اور صغرسنی ہی سے طلب علم کا شوق پروان چڑھنے لگا۔ جب آپ کی عمر نو سال کی تھی درس حدیث میں شرکت شروع کردی۔ یوسف قواس کہتے ہیں کہ "جب ہم لوگ امام بغوی کی مجلس میں شرکت کرنے جاتے تھے اس وقت امام دارقطنی ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیے ہوئے ہمارے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۴۵۲)

نیز فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ہم لوگ ابن منیع کے یہاں جارہے تھے یہ بھی روٹی پر سالن ڈالے ہوئے پیچھے پیچھے آرہے تھے ہم نے ان کو اندر جانے نہیں دیا وہ وہیں دروازے پر بیٹھے روتے رہے۔ (تاریخ دمشق ج ۲۲ ص ۲۴۱)

قدرت نے آپ کو بے پایاں ذوق طلب اور حفظ وضبط کی غیر معمولی قوت عطا کی تھی چنانچہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ طلب علم کے میدان میں داخل ہوئے اور بڑے انہماک سے حدیث وفقہ تفسیر وقرأت عربیت وشعر کی تحصیل میں مدتیں گزاریں آپ کی قوت حفظ کا یہ واقعہ بڑا ہی نرالا ہے۔

حافظہ:۔

خطیب فرماتے ہیں ازہری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ امام دارقطنی اپنی نوعمری میں مشہور محدث اسماعیل صفار کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے وہ املا کرارہے تھے اور یہ بیٹھے کوئی دوسری کتاب نقل کرر ہے تھے حاضرین میں سے کسی نے کہا تمہارا سماع صحیح نہیں کیوں کہ تم توجہ سے سننے کے بجائے دوسری کتاب نقل کرنے میں مصروف ہو بولے میری سمجھ اور آپ کی سمجھ میں فرق ہے بھلا بتلایئے اب تک شیخ نے کتنی حدیثیں املا کرائیں ہیں؟ بولے مجھے یاد نہیں ہے آپ نے فرمایا اس وقت تک ۱۸/حدیثیں املا کرا چکے ہیں۔ پہلی حدیث کے راوی فلاں فلاں ہیں اور اس کا متن یوں ہے دوسری حدیث کے فلاں فلاں راوی ہیں اور اس کا متن یہ ہے اس طرح ساری حدیثیں آپ نے من وعن بیان کردیں چنانچہ لوگ آپ کا یہ حافظہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۸۷)

امام دارقطنی کا شہر علم وعلماء کا مرکز تھا جہاں بڑے بڑے محدثین، فقہاء، مفسرین اور ادباء کے حلقے قائم تھے مگر آپ کا شوق علم اتنا بڑھا ہوا تھا کہ بغداد کے علماء سے سیری نہ ہوئی اور دوسرے بلاد وامصار کا رخ کیا۔ کوفہ، بصرہ، شام، واسط اور مصر کی خاک چھانی اور وہاں کے علماء ومشائخ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دوسرے مروجہ اسلامی علوم وفنون کا درس لیا [illegible] کے مشہور شیوخ واساتذہ کی

تعداد کافی ہے چند اہم شیوخ حدیث یہ ہیں۔

امام بغوی، ابن ابی داؤد، ابن صاعد، حضرمی، ابن درید، ابن فیروز، علی بن عبداللہ بن بشر، محمد بن قاسم محاربی، ابوعلی محمد بن سلیمان مالکی، ابوعمر قاضی ابوجعفر احمد بن بہلول، ابن زیاد نیشاپوری، بدر بن ہیثم قاضی، احمد بن قاسم فرائضی، حافظ ابوطالب۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۸۶) ابراہیم بن حماد، ابوسعید عدوی، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز، احمد بن عیسیٰ بن مسکین بلدی، عبدالوہاب بن ابی حیہ، فضل بن احمد زبیدی، محمد بن نوح جندساپوری، ابوعمر محمد بن یوسف قاضی ازدی، یوسف بن یعقوب نیشاپوری۔ (کتاب الانساب ورق ۲۱۷)

فضل وکمال اور جامعیت:۔

یوں تو امام دارقطنی کا خاص میدان حدیث، رجال اور علوم حدیث کی معرفت تھا مگر وہ نحو، ادب، تفسیر، قرأت اور فقہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:

"کان عالماً حافظاً فقیہاً علی مذھب الامام الشافعی رضی اللہ عنہ اخذ الفقہ عن ابی سعید الاصطخری الفقیہ الشافعی وقیل بل اخذہ عن صاحب لابی سعید واخذ القرأۃ عرضا وسماعا عن محمد بن الحسن النقاش، وعلی بن سعید القزاز ومحمد بن الحصین الطبری ومن فی طبقتھم وسمع من ابی بکر بن مجاھد وھو صغیر وانفرد بالامامۃ فی علم الحدیث فی دھرہ ولم ینازعہ فی ذلک احد من نظر ائہ وتصدر فی آخر ایامہ للاقراء ببغداد وکان عارفا باختلاف الفقہاء ویحفظ کثیرا من دواوین العرب منھا دیوان السید الحمیری". (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۲، ۱۴۱)

وہ عالم، حافظ اور فقیہ امام شافعی کے مسلک کے ماننے والے تھے انہوں نے فقہ کی تعلیم فقیہ شافعی ابوسعید اصطخری سے حاصل کی اور کہا گیا کہ انہوں نے ابوسعید کے ایک شاگرد سے حاصل کی اور فن قرأت عرضاً وسماعاً محمد بن حسن نقاش، علی بن سعید قزازی، محمد بن حصین طبری اور ان کے ایک طبقہ سے حاصل کیا۔ صغر سنی ہی میں ابوبکر بن مجاہد سے حدیث کا سماع کیا اور وہ اپنے زمانہ میں علم حدیث کے اندر انفرادی شان کے مالک ہوئے اور معاصرین میں کوئی ان کے برابر نہیں ہوا اور اپنے آخری زمانے میں فن قرأت میں بغداد کے اندر صف اول کے قاری بن گئے اور وہ اختلاف فقہاء کی معرفت رکھتے تھے اور انہوں نے کثرت سے عرب شعراء کے دواوین یاد کر رکھے تھے ان میں سید حمیری کا بھی دیوان ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”علم نحو وفن تجوید میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ فن معرفت علل حدیث واسماء الرجال میں بے نظیر اور اپنے وقت کے یگانہ تھے چنانچہ خطیب اور حاکم اور اس فن کے دوسرے اماموں نے ان کی فضیلت کی شہادت دی ہے۔ نیز مذاہب فقہاء سے بھی باخبر تھے علم ادب وشعر سے بھی خوب واقفیت رکھتے تھے“۔ (بستان المحدثین ص۷۶)

۞ ابوالقاسم ازہری: ” **كان الدار قطنی ذكيا اذا ذكر شئا من العلم ای نوع كان وجد عنده منه نصيب وافر**“ امام دارقطنی بڑے روشن دماغ اور ذہین تھے جب کبھی کسی قسم کا علمی تذکرہ چھڑتا تو آپ اس میں کافی دسترس کا ثبوت بہم پہونچاتے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۱۸۸)

حافظ ابو ذر کہتے ہیں میں نے امام حاکم سے پوچھا کیا آپ نے امام دارقطنی جیسا کوئی آدمی دیکھا ہے بولے ”**هو لم یر مثل نفسه فكیف انا؟**“ انہوں نے خود اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا میں کیسے دیکھتا۔ (ایضاً)

۞ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”**فاشهد انه لم یخلف علی ادیم الارض مثله**“ میں شہادت دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے پیچھے روئے زمین پر اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا۔ (ایضاً ص۱۸۷)

حدیث:۔

یوں تو امام دارقطنی کی ذات علوم وفنون کا مجمع البحرین تھی مگر انہیں شہرت اور عظمت علم حدیث میں امتیاز کی بنا پر حاصل ہوئی۔ آپ کی کثرت حدیث، معرفت رجال وعلل، تعدد طرق اور جرح ونقد حدیث کی صلاحیت کا اعتراف بڑے بڑے محدثین اور علماء فن نے کیا ہے۔

۞ خطیب بغدادی: ” **انتهیٰ الیه علم الاثر والمعرفة بعلل الحدیث واسماء الرجال واحوال الرواة مع الصدق والامانة والفقه والعدالة**“ علم حدیث کی جانکاری، علل حدیث اور رجال کی معرفت احوال رواۃ کا علم، صداقت وامانت، فقہ اور عدالت کے ساتھ ساتھ آپ پر ختم ہے۔ (تاریخ بغداد ج۱۲ ص۳۴)

۞ حاکم: ” **صار الدار قطنی اوحد عصره فی الحفظ والفهم والورع واماماً فی القراة والنحویین واقمت فی سنة سبع وستین ببغداد اربعة اشهر وكثر اجتماعنا فصادفته فوق ما وصف لی وسالته عن العلل والشیوخ**“ امام دارقطنی حفظ، فہم اور ورع میں یکتائے روزگار تھے نیز قراء اور نحاۃ کے امام تھے میں نے ۶۷ھ میں بغداد میں چار

مہینے قیام کیا اس عرصہ میں ان سے اکثر ملنے کا اتفاق ہوا میں نے جیسا سنا تھا ان کو اس سے زیادہ پایا میں نے علل حدیث اور شیوخ کے متعلق ان سے بہت سے سوالات حل کیے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۸۷)

۞ ابو طیب طبری: "الدار قطنی امیر المؤمنین فی الحدیث" امام دار قطنی حدیث میں مسلمانوں کے امام ہیں۔ (ایضاً ص ۱۸۸)

۞ ابن عماد: "آپ امام اعظم، شیخ الاسلام ہیں آپ پر حدیث اور علوم حدیث کی معرفت ختم ہے آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے"۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۱۶)

امام دار قطنی کثرت اسانید کے لحاظ سے بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ عتیقی کا بیان ہے کہ "میں ایک دفعہ امام دار قطنی کی مجلس میں حاضر تھا۔ ابو الحسن بیضاوی ایک اجنبی آدمی کو لائے اور امام صاحب سے درخواست کی کہ اس کو چند احادیث املاء کرائیں۔ چنانچہ آپ نے اس کو اس مجلس میں بیس سے زیادہ حدیثیں زبانی لکھائیں ان سب کا متن یہ تھا " نعم الشئ الھدیة امام الحاجة" یعنی کسی کو ضرورت کے وقت ہدیہ دینا بہت اچھی چیز ہے وہ آدمی چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر آیا اور امام کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھی پیش کیا اس وقت آپ نے اس کو زبانی سترہ حدیثیں لکھائیں ان سب کا متن یہ تھا "اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہ" یعنی جب تمہارے پاس کسی قبیلہ کا کوئی معزز آدمی آئے تو اس کی تعظیم کرو"۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۸۹)

علوم حدیث:۔

امام دار قطنی حدیث کی اسناد و متون کے ساتھ اس علم سے متعلق تمام ضروری امور میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ اسماء الرجال، جرح و تعدیل، علل حدیث، روایت و درایت میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ آپ کا شمار ناقدین حدیث کے زمرہ میں کیا جاتا ہے۔ رجال کی تمام معتبر و متداول کتابوں میں ان کے نقد و جرح کے اقوال موجود ہیں۔ علل حدیث میں بھی ان کو کمال حاصل تھا اور وہ سندوں کی خفی علتوں سے بخوبی واقف تھے۔ ازہری کہتے ہیں: میں نے دیکھا ہے ایک دفعہ امام دار قطنی نے حدیث کی کسی علت یا راوی کے کسی نام کے متعلق ابن ابی الفوارس کے کسی اشکال کا جواب دیا پھر فرمایا اے ابو الفتح مشرق اور مغرب کے درمیان اس کا جواب میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ایضاً)

ایک روز نوافل ادا کر رہے تھے اور ایک دوسرا شخص ان کے متصل بیٹھا ہوا کسی حدیث کا کوئی نسخہ پڑھ رہا تھا اس نسخہ کے راویوں کے ناموں میں ایک نام نُسیر آیا جو نون اور سین مہملہ اور یاء

تصغیر سے ہے اس پڑھنے والے نے بشیر باء موحدہ اور شین معجمہ سے پڑھا تو دار قطنی نے اس کو اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے نماز میں ہی سبحان اللہ کہا پڑھنے والے نے دوسری مرتبہ بسیر بضم باء تحتانی پڑھا جب دار قطنی نے خیال کیا کہ صحیح لفظ پر متنبہ نہیں ہوا پھر دار قطنی نے سبحان اللہ کہا مگر وہ نہ سمجھا تو آپ نے یہ آیت پڑھی "نون والقلم وما یسطرون" تاکہ وہ سمجھ جائے کہ اس راوی کا نام نون کے ساتھ ہے۔ (بستان المحدثین ص ۷۷)

ممتاز محدثین اور ائمہ فن نے ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے:

- **محمد بن طاہر مقدسی:** "آپ کی مثال اپنے زمانے میں وہی تھی جو ابن معین کی اپنے دور میں تھی۔ آپ کے دور کے حفاظ حدیث نے علوم حدیث کی معرفت آپ سے حاصل کی راویوں کے بارے میں سوالات کر کے تحریر کیا ہم کو پتہ نہیں کہ کسی نے یہ علم آپ کے علاوہ کسی اور سے لیا ہو"۔ (مقدمہ محقق ج ۱ ص ۳۱)
- **عبدالغنی ازدی:** "حدیث رسول پر اپنے اپنے دور میں گفتگو کرنے والے تین افراد سب سے بہتر ہیں۔ علی بن مدینی، موسیٰ بن ہارون اور امام دار قطنی"۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۴)
- **امام ذہبی:** "آپ شیخ الاسلام سرخیل نقاد، علم کے بحر بیکراں اور امام وقت تھے آپ پر حفظ حدیث معرفت علل اور رجال کا خاتمہ ہے"۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۵۰)
- **حافظ ابن جوزی:** "امام دار قطنی کی علم حدیث اسماء الرجال اور علل حدیث میں معرفت مسلم ہے"۔
- **حافظ ابن کثیر:** "احادیث پر نظر اور علل وانتقاد کے اعتبار سے وہ نہایت عمدہ تھے اپنے دور میں فن اسماء الرجال، علل اور جرح وتعدیل کے امام اور فن درایت میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے"۔

حدیث واسماء الرجال سے ان کی گہری واقفیت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے جملوں میں معمولی غلطی بھی کرتا تو وہ فوراً اس کو تاڑ جاتے اور بروقت اس کی اصلاح کر دیتے تھے ایک مرتبہ خلال نے یہ حدیث پڑھی "اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی" اس میں انہوں نے عفو کو مخفف پڑھا تو امام صاحب نے فوراً ٹوکا کہ عفو مشدد ہے۔

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

امام دار قطنی کی جامع فضل وکمال ہستی کا شہرہ بہت جلد ان کے وطن سے نکل کر دوسرے مسلم شہروں اور قریوں تک پہونچا اور لوگ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ آپ سے کسب فیض کے لیے جوق در جوق آنے لگے جس سے حلقۂ درس کافی وسیع ہو گیا۔ علمی کمالات کا رعب مجلس درس پر اس

طرح قائم رہتا کہ کسی کو بیجا لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی۔ حلقۂ درس میں وقار اور سنجیدگی کا ماحول قائم رہتا۔ ابن شاہین محدث ایک بار مجلس درس میں حاضر ہوئے تو آپ کے رعب وجلال کی وجہ سے ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکال سکے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ تلامذہ آپ کو بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے اور ہر جگہ احترام ملحوظ رکھتے۔ آپ کے تلمیذ رشید عبدالغنی جو بلند پایہ محدث تھے جن کے بارے میں برقانی نے کہا ''دار قطنی کے بعد میں نے ان سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا'' لیکن عبدالغنی جب بھی دار قطنی کے حوالہ سے کوئی بات بیان کرتے تو ''قال استاذی'' یا ''سمعت استاذی'' وغیرہ ضرور کہتے۔ اس کا سبب دریافت کیا گیا تو نہایت فراخدلی کے ساتھ اعتراف کیا کہ ہم نے جو دو چار حروف سیکھے ہیں وہ ان ہی امام دار قطنی کا فیض ہے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۸۷، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۸)

آپ سے کسب علم کرنے والوں کی کثیر تعداد ہے کچھ ممتاز تلامذہ یہ ہیں:

حاکم، ابو حامد اسفرائنی، تمام الرازی، حافظ عبدالغنی ازدی، ابو بکر برقانی، ابوذر ہروی، ابو نعیم اصبہانی، ابو محمد الخلال، ابو القاسم بن محسن، ابو طاہر بن عبدالرحیم، قاضی ابو طیب طبری، ابو بکر بن بشران، حمزہ سہمی، ابو محمد جوہری ابو الحسین بن آبنوسی، عبدالصمد بن مامون، ابو الحسین بن مہتدی باللہ۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۸۶) ابو طالب بن عباری، ابو القاسم بن بشران، ابو القاسم ازہری، حمزہ بن محمد بن طاہر، عبدالعزیز ازجی، ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی۔

تصانیف اور سنن دار قطنی:

ماہر علوم وفنون امام دار قطنی نے مختلف علوم وفنون پر اہم تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں اکثر ناپید ہو گئیں بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:

کتاب الرؤیت، کتاب المستجاد، کتاب معرفۃ مذاہب الفقہاء، غریب اللغۃ، الاربعین اختلاف المؤطات، غرائب مالک، کتاب الضعفاء اسماء المدلسین، اسئلۃ الحاکم، کتاب الجہر، رسالہ قرأت الرباعیات، کتاب المجتبیٰ، کتاب الاخوہ، کتاب الافراد، کتاب العلل، کتاب التصحیف، کتاب المؤتلف والمختلف، باب القضاء بالیمین مع الشاہد، (تذکرۃ المحدثین دوم ص ۹۷) سنن کو شہرت دوام حاصل ہوئی یہ کتاب صحاح ستہ کے بعد صحت کے لحاظ سے اہم شمار کی جاتی ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دار قطنی کی یہ مشہور کتاب اس فن کی بہترین کتابوں میں ہے۔ (ایضاً ص ۱۰۱)

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: ''فن حدیث میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں مگر علماء سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب بخاری شریف ہے پھر صحیح مسلم اور موطا امام مالک ہیں۔ ان کے بعد امام ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ اور دارقطنی کی کتابوں اور مشہور مسانید کا درجہ ہے''۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲۶)

اس کتاب کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

۞ امام دارقطنی کو کثرت وتعدد طرق میں بڑا کمال حاصل تھا سنن میں اسانید وطرق کا انہوں نے استقصاء کیا چنانچہ قلتین والی حدیث کی ۵۲ سندیں بیان کی ہیں۔

۞ سنن دارقطنی نقد وجرح حدیث کے متعلق اقوال کا عمدہ ذخیرہ ہے انہوں نے اکثر طرق واسانید بیان کرنے کے ساتھ ان پر مفصل کلام کر کے ان کی قوت وضعف کا فیصلہ اور حدیث کے مرتبہ کی تعیین کی ہے۔

۞ اس کتاب سے فقہی آراء اور اجتہادی اختلافات ائمہ کا علم بھی ہوتا ہے۔

۞ رواۃ کے اسماء وکنی، بلاد و مساکن اور بعض مشکل وغریب الفاظ حدیث کی مختصر وضاحت بھی ہے۔

۞ روایت کے حسن وقبح کے ضمن میں بعض واقعات اور تاریخی حالات بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔

کتاب العلل:۔

علل میں یہ کتاب متقدمین کی اہم کتابوں کا خلاصہ ہے اور بڑی جامع کتاب ہے۔ ابو عبد اللہ حمید اندلسی کا بیان ہے کہ ''فن حدیث کی تین اہم چیزوں میں ایک العلل بھی ہے اور اس میں سب سے عمدہ کتاب دارقطنی کی ہے''۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۱۹۰)

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''اس میں صحیح وغلط، متصل ومرسل اور منقطع ومعضل وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے'' اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علل کے طرق کی کثرت وتعدد کو جمع کیا گیا ہے یہ مسانید کی ترتیب پر ہے۔

المؤتلف والمختلف:۔

امام دارقطنی، کی یہ کتاب اس فن کی انتہائی اہم اور وسیع کتاب ہے۔ جس میں محدثین کرام

اور راویان حدیث کے مشتبہ اسماء وکنی اور القاب کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ دیگر اشخاص، فقہاء، ادباء، شعراء وغیرہ نیز اسماء قبائل ومقامات کا بھی ذکر کیا ہے حتی کی بعض لغوی کلمات جو مشتبہ ہوتے ہیں ان کو بھی کتاب میں شامل کرلیا ہے۔ (المؤتلف والمختلف ج ۱ ص ۸۵ مقدمہ)

امام سخاوی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں " **وھو کتاب حافل** " وہ بڑی عظیم کتاب ہے۔ (فتح المغیث ج ۴ ص ۲۳۱)

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ بعد کے مصنفین نے فن اسماء الرجال میں جو کتابیں تحریر کیں ان کی اساس یہی کتاب بنی۔ اہل علم نے اس کتاب پر پورا اعتماد کیا ہے۔

سیرت وکردار: امام صاحب علم وفضل میں جس قدر بلند مقام رکھتے تھے سیرت وکردار میں بھی اتنے ہی عظیم تھے۔ زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت ان کا مشغلہ تھا۔ یوں تو وہ خاموش طبع، متواضع اور انتہائی خلیق انسان تھے لیکن دین کے معاملہ میں ذرا بھی مداہنت گوارا نہ تھی۔ لوگوں کی دل آزاری نہ کرتے۔ طلبہ کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے ان کی مالی امداد کرتے تھے۔ ان کے ورع وتقویٰ کے بارے میں حاکم کا بیان ہے " وہ ورع وتقویٰ میں بے مثال تھے "۔

وفات:۔

صحیح قول کے مطابق اس پیکر علم وعمل کا وصال ۸/ ذوقعدہ ۳۸۵ھ کو ہوا۔ ابو حامد اسفرائنی (فقیہ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور شیخ معروف کرخی کے مزار کے متصل باب حرب میں سپرد خاک کیے گئے۔

(۶۱) حضرت امام ابو سلیمان حمد خطابی رضی اللہ عنہ

۳۱۹ھ ۳۸۸ھ

اسم گرامی حمد، کنیت ابو سلیمان۔ سلسلۂ نسب یہ ہے حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب وطن بست کی طرف نسبت کرکے بستی کہلائے اور اپنے جد اعلیٰ خطاب کی طرف منسوب ہوکر خطابی کہلائے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا نام احمد لکھا ہے جو مشہور ہوگیا جب کہ نام حقیقتاً حمد ہی ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب رقم طراز ہیں:

" ابو منصور ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں ان کا ذکر کیا ہے مگر ان کے نام میں غلطی کی ہے کہ " ھو ابو سلیمان احمد " ان کی یہی غلطی شہرت پکڑ گئی تحقیق یہ ہے کہ ان کا نام حمد ہے۔ افغانستان

کے مشہور شہر بست میں جو غزنین اور ہرات کے درمیان واقع ہے رجب ۳۱۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی"۔

تحصیل علم:۔

امام خطابی نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا غزنی، عراق، نیشاپور، حجاز، خراسان اور ماوراء النہر، مصر و شام اسلامی علوم وفنون کے مرکز تھے آپ کا ذوق تحصیل علم اسلامی بلاد وامصار میں پھراتا رہا اور وہ علوم وفنون کے چشموں سے سیراب ہوتے رہے۔ مکہ مکرمہ میں ابوسعید ابن الاعرابی، بغداد میں اسماعیل بن محمد صفار اور اس طبقہ کے دوسرے علماء، بصرہ میں ابوبکر بن داستہ اور نیشاپور میں ابوالعباس اصم اور اس طبقہ کے دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۰۹)

علم وفضل:۔

امام خطابی نے حصول علم کے لیے بڑی جدوجہد کی شیوخ واساتذہ کی خدمتوں میں حاضری کے لیے رحلت وسفر کی مشقتیں برداشت کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حدیث وفقہ، عربیت ولغت اور شعر وسخن کے ماہر بن گئے۔ انہیں دوسرے اسلامی علوم میں بھی دستگاہ حاصل تھی وہ اپنے زمانہ میں جامع کمالات امام علم وفن تھے۔ ارباب سیر وتذکرہ نے آپ کے علمی کمالات کا اعتراف کیا ہے۔

- حافظ ذہبی: "الامام العلام المحدث الرحال ... صاحب التصانیف" علامہ امام، نامور محدث اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ طلب علم کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ (ایضاً)
- علامہ سمعانی: "آپ (خطابی) فاضل، کبیر الشان اور جلیل القدر تھے"۔
- حافظ ابن جوزی: "ان (خطابی) کا علم نہایت وافر تھا"۔
- ابن عماد: "وہ (خطابی) اپنے تمام معاصرین پر علمی حیثیت سے فائق تھے"۔

علم حدیث:۔

یوں تو امام خطابی جملہ علوم وفنون میں کامل مہارت رکھتے تھے لیکن انہیں علم حدیث میں امتیازی شان حاصل تھی۔ ان کا شمار اس فن کے ائمہ اور نامور محدثین میں کیا جاتا ہے۔ حفظ وضبط، عدل واتقان اور فہم ودرایت میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

" وکان ثقة متثبتاً من اوعية العلم قد اخذ اللغة عن ابی عمر الزاهد

بغداد والفقه عن ابی علی بن ابی هریرة والقفال وله شعر جید“ آپ ثقہ اور محقق تھے علم کا خزانہ تھے بغداد میں علم لغت ابو عمر زاہد سے اور علم فقہ ابو علی بن ابی ہریرہ اور قفال سے حاصل کیا۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ (ایضاً)

علامہ سمعانی آپ کو حجت وصدوق کہتے ہیں اور علامہ ابن سبکی نے امام حدیث لکھا ہے۔

(تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۔ کتاب الانساب)

حلقۂ درس:

گوناگوں علوم وفنون میں بصیرت کی وجہ سے آپ طالبان علم کا مرکز بن گئے تھے جہاں جاتے لوگوں کا ایک حلقۂ درس آپ کے گرد قائم ہو جاتا۔ آپ نے نیشاپور میں زمانہ دراز تک قیام کیا اور وہاں درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا شغل بھی جاری رکھا۔ آپ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں کی تعداد کافی ہے کچھ اہم تلامذہ کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

امام حاکم، ابو حامد اسفرائینی، ابو نصر محمد بن احمد بلخی غزنوی، ابو مسعود حسین بن محمد کرابیسی، ابو عمرو محمد بن عبد اللہ رزجاہی، ابو ذر عبد اللہ بن احمد ہروی، ابو عبیدہ ہروی لغوی، ابو الحسین عبد الغافر فارسی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۰۹)

تصانیف:۔

امام خطابی علمی کمالات کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے انہوں نے مختلف علوم وفنون پر اپنی معلومات کے گرانقدر موتیوں کو کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ آپ کی بیشتر کتابیں بیش قیمت، حسن تالیف اور دلکش طرز تصنیف کا نمونہ ہیں۔

(۱) کتاب الجہاد (۲) کتاب شان الدعاء (۳) کتاب النجاح (۴) کتاب شرح الادعیۃ الماثورۃ (۵) کتاب شرح دعوات لابی خزیمۃ (۶) کتاب العروس (۷) کتاب العزلہ (۸) کتاب الغنیۃ عن الکلام واہلہ (۹) کتاب اصلاح الغلط (۱۰) کتاب تفسیر اسامی الرب عز وجل (۱۱) اعلام السنن (۱۲) غریب الحدیث (۱۳) معالم السنن۔

معالم السنن:۔

یہ کتاب سنن ابی داؤد کی مبسوط ومستند شرح ہے جس کے اندر احادیث کے اہم مطالب کی دلنشیں توضیح کی گئی ہے اور کتاب کے مشکلات کو بڑے عالمانہ پیرایہ میں حل کیا گیا ہے۔ کتاب سنن

ابی داؤد کی سب سے پہلی مکمل شرح ہے بعد کی شرحیں زیادہ تر اسی سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب میں احادیث کی شرح اور مسائل کی وضاحت کا انداز عالمانہ ومحدثانہ ہے۔ معالم السنن میں حدیثوں سے مستنبط احکام ومسائل کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور حدیثوں کے اسرار ورموز کو بیان کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ حدیثوں کے باہمی اختلاف وتضاد کو رفع کرنے اور ان میں جمع وتطبیق دینے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ امام خطابی فن جرح وتعدیل میں بھی کمال رکھتے تھے اس لیے معالم السنن میں حدیث کی فنی بحثوں اور اصول حدیث پر بڑی ماہرانہ گفتگو کی ہے۔ امام خطابی فقہ واجتہاد میں بھی ممتاز تھے اس لیے معالم السنن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اس زمانہ تک کے تمام ائمہ مجتہدین کے آراء ومسالک کی تفصیل بیان کی ہے اور مختلف اقوال میں محاکمہ کر کے مرجح قول کی نشاندہی بھی کی ہے۔ امام ابوداؤد سے پہلے حدیثیں جوامع اور مسانید پر مرتب کی گئیں، محدثین میں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے سنن واحکام کی حدیثوں پر معتبر کتاب مرتب فرمائی۔ امام ابوداؤد نے ایمانیات وعقائد کے بجائے صرف احکام ومسائل کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ امام خطابی نے بھی مصنف کی طرح فقہیات کی تخریج اور احکام ومسائل کے استنباط کی جانب زیادہ توجہ کی ہے۔

علامہ شرف الدین طیبی فرماتے ہیں:

"**واما فقه الحديث ما تضمنه من الاحكام والآداب المستنبطة منه هذا داب الفقهاء الاعلام كالائمة الاربعة رضى الله عنهم وفى هذا الفن مصنفات كثيرة كمعالم السنن للخطابى والتمهيد لابن عبدالبر**" فقہ حدیث سے وہ احکام وآداب مراد ہیں جن پر حدیث مشتمل ہوتی ہے اور جو اس سے مستنبط کیے جاتے ہیں یہی نامور فقہاء جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ کا طریقہ ہے اور اس فن میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے امام خطابی کی معالم السنن اور ابن عبدالبر کی تمہید۔ (مقدمہ ناشر معالم السنن ج۱ ص۶)

امام خطابی نے معالم السنن میں حدیث وفقہ دونوں کو جمع کر دیا ہے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"حدیث کی حیثیت بنیاد اور اصل کی ہے۔ فقہ دراصل اس کی دیوار اور فرع ہے تم خود غور کرو کہ جو عمارت کسی بنیاد اور اساس پر تعمیر نہ کی گئی ہو اس کو ڈھہ جانے سے کون بچا سکتا ہے اسی طرح جس بنیاد پر کوئی عمارت ہی تعمیر نہ کی گئی ہو اس میں اور ویرانہ میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ مجھے امید ہے کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ ثابت کیا ہے یعنی حدیث کے معانی اور اس سے مستنبط ہونے

کے لیے آمادہ ہوگا اور صاحب حدیث کو فقہ سے رغبت ہوگی اور وہ اس کی تحصیل میں جدوجہد کرے گا۔ (مقدمہ خطابی معالم السنن ج۱ ص ۶،۳)

کتاب میں عربیت، اسلوب واداء کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

یہ کتاب گوناگوں فوائد، مختلف النوع مباحث اور حدیث سے متعلق اہم تحقیقات کا مجموعہ ہے۔ محمد راغب طباخ نے متعدد قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر معالم السنن کو ایڈیٹ کیا اور چار جلدیں مطبع علمیہ حلب سے ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوئیں۔

اعلام السنن:۔

معالم السنن سے امام خطابی جب فارغ ہوئے تو اہل بلخ نے خواہش ظاہر کی کہ صحیح بخاری کی شرح تحریر فرمائیں چنانچہ امام خطابی نے بخاری شریف کی بھی ایک جلد میں شرح لکھی جو لطیف نکات اور مفید مطالب پر مشتمل ہے۔

امام خطابی نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ حدیث میں ایک کتاب ''غریب الحدیث'' بھی لکھی جو اس فن پر بڑی اہم اور عمدہ کتاب خیال کی جاتی ہے۔

وفات:۔

امام خطابی نے اپنے وطن بست میں ربیع الآخر ۳۸۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۶۲) حضرت امام ابوعبداللہ حاکم رضی اللہ عنہ

ولادت ۳۲۱ھ وفات ۴۰۵ھ

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم اضی طہمانی نیشاپوری کی ولادت ماہ ربیع الاول ۳۲۱ھ میں ہوئی۔ (وفیات ج۲ ص ۳۶۴) آپ کا وطن ایران کا مشہور مردم خیز شہر نیشاپور ہے جو اس عہد کا زبردست علمی مرکز تھا۔ آپ کے والد بلند پایہ عالم تھے انہیں امام مسلم کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ حاکم بچپن ہی سے اپنے باپ اور ماموں کی توجہ خاص کے سبب علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور ذوق علم اتنا بڑھا کہ نیشاپور سے نکل کر عراق، خراسان، ماوراء النہر کے بیشتر شیوخ واساتذہ کی بارگاہوں سے کسب فیض کے لیے سفر کیے اور اپنے دامن علم کو گلشن نبوت کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال کیا۔ حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، قرأت، تصوف وسلوک اور تاریخ میں بھی

مہارت پیدا کی ان کے اساتذہ کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے۔ چند اہم شیوخ واساتذہ یہ ہیں:

محمد بن علی عمر، ابوجعفر، ابوالعباس، محمد بن صالح بن ہانی، محمد بن عبد اللہ صفار، ابوعبداللہ بن اخرم، ابوالعباس بن محبوب، ابوحامد بن حسنویہ، حسن بن یعقوب بخاری، ابونصر محمد بن یوسف، ابوالولید حسان بن محمد، ابوعمرو بن سماک، ابوبکر نجاد، ابن درستویہ، ابوسہل بن زیاد، عبدالرحمٰن بن حمدان جلاب، علی بن محمد بن عقبہ شیبانی، ابوعلی حافظ، ابن ابی ہریرۃ، ابومحمود ملیح بن احمد سنجری، ابوجعفر محمد بن علی، ابوحامد بن حسنویہ مقری، ابوسہل محمد بن سلیمان صعلوکی، محمد بن ابی منصور، صرام بن امام، علی بن علی نقار کوفی، ابو عیسٰی بکار بغداد، ابوعمر بن نجید، ابوالحسن بوشنجی، ابوسعید احمد بن یعقوب ثقفی، ابوالقاسم۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۷)

تلامذہ:۔

امام حاکم جس پایہ کے محدث فقیہ اور صاحب علم شخص تھے اس کا تقاضا تھا کہ وقت کے معارف جو شائقین آپ کی بارگاہ سے وابستہ ہو کر اکتساب علم وفضل کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کی درسگاہ طالبان علم کی آماجگاہ بن گئی ہزاروں تشنگان علم خوب خوب سیراب ہوئے جن کی پوری فہرست ازبس دشوار ہے۔

چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں: دار قطنی، ابوالفتح بن ابوالفوارس، ابوالعلاء واسطی، محمد بن احمد بن یعقوب، ابوذر ہروی، ابویعلی خلیلی، ابوبکر بیہقی، ابوالقاسم قشیری، ابوصالح موذن، زکی عبدالحمید بحیری، عثمان بن محمد، ابوبکر احمد بن علی بن خلف شیرازی، علی بن امام، محمد بن منصور صرام، ابوعلی بن نقار (تذکرہ ج ۳ ص ۲۲۸) ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمان صابونی، ابوالقاسم بن عبداللہ بن احمد ازہری، ابوبکر بن علی بن اسماعیل قفال۔

علم وفضل اور حدیث:۔

امام حاکم نے اپنے دامن میں بڑے بڑے علماء وفقہاء اور قراء کا علم جمع کر لیا تھا۔ علمی جامعیت اور فضل وکمال میں وہ اپنے معاصرین پر فائق تھے۔ اگرچہ انہیں تمام اسلامی علوم وفنون میں درک حاصل تھا مگر حدیث اور علوم حدیث سے خصوصی لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فخر المحدثین اور نقاد حدیث کی حیثیت سے علمی دنیا میں متعارف ہوئے۔ آپ کی علمی جلالت کا اعتراف ملت اسلامیہ کے اکابر محدثین ومورخین نے کیا ہے۔

❁ ابن خلکان: " امام اهل الحدیث فی عصره والمولف فیه الکتب اللتی لم یسبق الی مثلها، کان عالما عارفا واسع العلم" اپنے زمانہ میں محدثین کے امام تھے اور حدیث میں ایسی کتابوں کے مولف ہیں کہ کوئی ان پر سبقت نہ لے جاسکا وہ عالم، عارف اور وسیع علم والے تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۶۴)

❁ حافظ ذہبی: " الحاکم الحافظ الکبیر امام المحدثین.. صاحب التصانیف " امام حاکم بہت بڑے حافظ حدیث، محدثین کے جلیل القدر امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۷)

❁ خلیل بن عبداللہ: " وهو ثقة واسع العلم " وہ ثقہ اور کثیر العلم تھے۔ (ایضا ص ۲۲۹)

❁ عبدالغافر بن اسماعیل: " ابو عبد الله الحاکم هو امام اهل الحدیث فی عصره العارف به حق معرفته" ابوعبداللہ حاکم اپنے زمانہ میں اصحاب حدیث کے امام تھے اور فن حدیث کو کما حقہ جانتے تھے۔ (ایضا ص ۲۳۱)

❁ خطیب بغدادی: " کان من اهل الفضل والمعرفة والعلم والحفظ " وہ اہل علم و فضل صاحب معرفت حافظ حدیث تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۵ ص ۴۷۳)

❁ علامہ سبکی: " آپ اپنے زمانہ کی باکمال منفرد شخصیت تھے۔ حجاز، شام، مصر، عراق، خراسان، ماوراء النہر، رے، بلاد جبال و طبرستان وغیرہ میں کوئی آپ کا مد مقابل نہ تھا۔ آپ امام وقت اور عظیم محدث تھے آپ کی امامت، عظمت شان، قدر و منزلت پر علماء کا اتفاق ہے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۶۴، ۶۶)

امام حاکم فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ حدیثوں پر حکم لگانے، صحت و ضعف کی نشاندہی کرنے اور راویوں پر جرح و تعدیل کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ابوبکر صبغی، ابوالولید نیشاپوری جیسے حضرات (جو آپ کے اساتذہ میں ہیں) جرح و تعدیل میں آپ کی جانب رجوع کرتے تھے۔ علل حدیث، صحیح و ضعیف کی معرفت کے لیے آپ کی خدمت حاصل کرتے تھے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۶۵)

حاکم اپنے عالمانہ کمالات اور زہد و ورع کے باعث مرجع خلائق تھے اسلامی سوسائٹی کا ہر طبقہ آپ کا بیحد احترام کرتا تھا آپ جس مجلس میں موجود ہوتے اس کے افق میں چار چاند لگادیتے تھے علمائے وقت نہ صرف آپ کا احترام کرتے تھے بلکہ اپنی ذات پر انہیں ترجیح دیتے تھے وہ اپنے

زمانہ میں بے نظیر تھے۔

❁ عبدالغافر کہتے ہیں: ”لقد سمعت مشائخنا یذکرون ایامه ویحکون ان مقدمی عصره مثل الصعلوکی والامام ابن فورک وسائر الائمة یقدمونه علی انفسهم ویراعون حق فضله ویعرفون له الحرمة الاکیدة‘ میں نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ وہ امام حاکم کے حالات بڑے مزے لے کر بیان کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ صعلوکی امام ابن فورک اور اس زمانہ کے دوسرے سربرآوردہ امام ان کو اپنے پر مقدم سمجھتے تھے۔ ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور ان سے بے حد تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۱) علو اسناد کے ساتھ نادر سندوں کے بھی وہ ماہر تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

امام حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث کے آخر میں ایک اسناد ایسی ذکر کی ہے جس میں نیچے سے لے کر اوپر تک پانچ راویوں کا ایک ہی نام خلف ہے لکھتے ہیں ”اخبرنی خلف نا خلف نا خلف نا خلف نا خلف“ پھر فرماتے ہیں پہلے راوی امیر خلف بن احمد سنجری، دوسرے ابوصالح خلف بن محمد بخاری خیام، تیسرے صاحب المسند خلف بن سلیمان نسفی چوتھے خلف بن محمد کردوس واسطی اور پانچویں خلف بن موسیٰ بن خلف ہیں امام حاکم فرماتے ہیں میں نے یہی سند ابوصالح کے ذریعہ سے بھی سنی ہے اس کا متن مذکور نہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۳۰)

تصانیف:۔

امام حاکم اپنے وقت کے جلیل القدر صاحب تصنیف محدث تھے۔ انہیں قرطاس وقلم سے ہمیشہ واسطہ رہا اور ان کے قلم سے بیشمار مفید کتابیں نکلیں جن کی ضخامت ایک ہزار جزء سے متجاوز تھی۔ انہوں نے مکہ معظمہ کی حاضری کے وقت آب زم زم پیتے وقت یہ دعا کی تھی۔ ”اے اللہ مجھے عمدہ کتابیں لکھنے کی توفیق عطا فرما“۔ ابوحازم عبدوی کہتے ہیں میں نے حاکم کو کہتے سنا ”شربت ماء زمزم وسالت الله ان یرزقنی حسن التصنیف‘ میں نے زمزم کا پانی پیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے بہترین اور مایۂ ناز کتابیں تصنیف کرنے کی سعادت بخشے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۲)

امام حاکم کی مہارت فی التصنیف کا اندازہ درج ذیل بیان سے لگانا آسان ہوگا۔

حافظ محمد بن طاہر کہتے ہیں میں نے حافظ سعد بن علی زنجانی سے مکہ مکرمہ میں حدیث کا سماع کیا ایک دن میں نے ان سے پوچھا چار حافظ حدیث ہمعصر ہیں ان میں بڑا حافظ حدیث کون

ہے فرمانے لگے وہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا بغداد میں دار قطنی، مصر میں عبدالغنی، اصفہان میں ابن مندہ، اور نیشاپور میں حاکم۔ پہلے تو خاموش رہے پھر میرے اصرار پر بولے۔ "**اما الدار قطنی فاعلمھم بالعلل واما عبدالغنی فاعلمھم بالانساب واما ابن مندة فاکثرھم حدیثا مع معرفة تامة واما الحاکم فاحسنھم تصنیفا**" دار قطنی علل حدیث کے اور عبدالغنی انساب کے بڑے عالم ہیں۔ ابن مندہ کے پاس حدیث کا زیادہ علم ہے اور انہیں اس فن میں معرفت تامہ حاصل ہے اور حاکم تصنیف میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۳۳)

الاربعین، الامالی، الحشیات، تراجم الشیوخ، تراجم المسند علی شرط الصحیحین، التلخیص، فضائل امام شافعی، فضائل الحشرة المبشرة، فضائل فاطمہ، فوائد الخراسانیین، فوائد الشیوخ، فوائد العراقیین، ما تفرد باخراجہ کل واحد من الامامین، کتاب المبتدا من الامالی، مناقب الصدیق، کتاب العلل، تخریج الصحیحین، تفسیر القرآن، مزکی الاخبار، تاریخ نیشاپور، معرفة علوم الحدیث، المستدرک علی الصحیحین، المدخل الی علم الحدیث۔

مستدرک:۔

تدوین حدیث کے باب میں مستدرک حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں ان احادیث کو نقل کیا جاتا ہے جو حدیث کی کسی اور کتاب کی شروط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں اس نوع کی کتب حدیث میں مستدرک علی الصحیحین حاکم کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی حاکم نے اپنی کتاب میں بخاری و مسلم کی شرائط تخریج پر ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین کی کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں درج نہیں کی گئی تھیں حاکم مستدرک کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ہمارے زمانہ میں مبتدعین کی ایک اور جماعت پیدا ہوئی جو حدیث کے راویوں پر سب وشتم کرتی ہے کہ کل وہ حدیثیں جو تمہارے نزدیک صحت کو پہونچ چکی ہیں وہ دس ہزار سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ اسانید جمع کی گئی ہیں اور ہزاروں جزء یا کم وبیش پر مشتمل ہیں وہ سب مستقیم اور غیر صحیح ہیں اور مجھ سے اس شہر کے علماء کی ایک ممتاز جماعت نے یہ خواہش کی کہ میں ایک ایسی جامع کتاب لکھوں کہ جس میں وہ حدیثیں جمع کی جائیں جن کی سندوں سے امام بخاری اور امام مسلم نے استدلال کیا ہے اس وجہ سے کہ جو سند علت قادحہ سے خالی ہو اس سے نکال ڈالنے کی کوئی صورت نہیں کیوں کہ ان دونوں بزرگوں نے اپنے متعلق یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ ان دونوں کے معاصرین اور

ان کے بعد آنے والے علماء کی ایک جماعت نے چند ایسی احادیث کی تخریج کی تھی جن کا اخراج ان دونوں نے کیا تھا اس لیے وہ حدیثیں معلول تھیں تو میں نے ایسی احادیث کی جانب سے مدافعت کرنے میں اپنی اس کتاب کے اندر جس کا نام (المدخل الی الصحیح بمارضیہ اہل الصحۃ ہے) پوری کوشش کی۔

اور میں اللہ سے ایسی احادیث کے اخراج پر جن کے رواۃ ایسے ثقہ ہوں جن سے شیخین بھی استدلال کر سکتے ہوں امداد کا طالب ہوں اور تمام فقہائے اسلام کے نزدیک اسانید ومتون میں ثقات کی زیادتی مقبول ہے۔ (مستدرک حاکم بحوالہ بستان المحدثین ص ۷۰، ۶۹)

حاکم نے جس بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر مستدرک کی تالیف کا اہم کام کیا اسے بعض حیثیتوں سے کافی شہرت وقبول عام حاصل ہوا۔ شاہ عبدالعزیز نے اس کتاب کو طبقۂ دوم کی کتب حدیث میں شمار کیا ہے۔ بعض اصحاب نے مستدرک کے بارے میں حد سے تجاوز کیا ہے۔ چنانچہ ابو سعید مدائنی کہتے ہیں میں نے مستدرک کو اول سے آخر تک دیکھا ہے مگر کوئی حدیث بھی بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق نہ پائی۔ (بستان المحدثین ص ۷۲)

اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: مگر انصاف یہ ہے کہ بہت سی حدیثیں ان دونوں بزرگوں یا ان دونوں میں سے ایک کی شرط کے مطابق پائی جاتی ہیں بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ بقدر نصف کتاب اس قسم کے ہو اور بقدر رُبع ایسی ہو کہ بظاہر اس کا اسناد درست ہے لیکن ان دونوں کی شرط کے مطابق نہیں ہے اور باقی رُبع کے بقدر منکرات سے ہیں چنانچہ میں نے تلخیص ذہبی میں اس کی تلخیص کی لوگوں کو اس پر مطلع کیا ہے (ایضا ص ۷۲)

شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں اسی وجہ سے علماء حدیث نے بیان کر دیا ہے کہ حاکم کی مستدرک پر تلخیص ذہبی کے دیکھے بغیر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ (ایضا)

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: میں نے ان احادیث کا تتبع کیا ہے جن کا حاکم نے اضافہ کیا ہے ان کو ایک وجہ سے درست پایا اور ایک وجہ سے غیر درست اس واسطے کہ حاکم نے بہت سی احادیث کو صحت واتصال میں اساتذہ شیخین سے ان دونوں کی شرط کے مطابق مروی پایا پس حاکم کا اس وجہ سے اضافہ کرنا درست ہے لیکن شیخین اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں جس میں ان کے اساتذہ نے خوب غور کر لیا تھا اور اس کے قبول وصحت پر ان کا اتفاق ہو گیا تھا حاکم نے اکثر ان قواعد پر اعتماد کیا ہے جو محدثین کے فنون سے حاصل کیے گئے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۱۴)

اقوال بالا کی روشنی میں مستدرک کی بعض جہات سے اہمیت وافادیت بہر حال مسلم ہو جاتی ہے اس کتاب کی چند خصوصیات یہ ہیں:

☆ حاکم نے مستدرک کی تبویب اور حدیثوں کے انتخاب میں حسن وموزونیت کے علاوہ بعض مقامات پر جدت واختراع سے کام لیا ہے۔

☆ امام بخاری وامام مسلم کی بعض خصوصیات واصول اور اس کے متعلق مفید معلومات اس کتاب سے ہو جاتی ہیں۔

☆ مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے تاہم کہیں کہیں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے حاکم نے بعض فقہی اختلاف میں مرجح واولیٰ کی نشان دہی بھی کی جو ان کی اجتہادی بصیرت کا ثبوت ہے۔

☆ مستدرک میں بعض احادیث کے مصادر ومراجع کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور حدیثوں کی صحیح تبویب ان کے قوی وعزیز، ضعیف وشاذ اور غریب ہونے کی بھی نشاندہی کی ہے۔

تدین وتقویٰ:۔

وہ زہد واتقاء اور دیانت وامانت میں ممتاز تھے۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ حاکم، متدین، امین، صاحب حزم وورع اور اللہ کی جانب مائل رہتے تھے تصوف سے اشتغال اور اکابر صوفیہ ومشائخ سے وابستگی بھی ان کے تدین کا ثبوت ہے۔

وفات:۔

امام ابوعبداللہ حاکم اپنے وطن نیشاپور میں ۳ر صفر ۴۰۵ھ کو دفعۃً دار فانی سے کوچ کر گئے حمام سے غسل کر کے نکل رہے تھے اور صرف تہہ بند باندھے ہوئے تھے کہ ایک آہ کی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی عصر بعد تجہیز وتکفین کی گئی قاضی ابو بکر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۶۳) شیخ الفقہاء والمحدثین امام ابو بکر احمد بن محمد برقانی خوارزمی، شافعی رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۶ھ رجب ۴۲۵ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابو بکر لقب شیخ بغداد ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے احمد بن محمد بن احمد بن غالب خوارزمی۔

آپ کا مولد برقان دریائے جیحون کے ساحل پر ایک سرسبز وشاداب قصبہ تھا۔ جو خوارزم

کے نواح میں واقع تھا اسی قصبہ میں آپ کی ولادت ۳۳۶ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم:۔

قدرت نے امام برقانی کو حفظ وضبط کی قوت کے ساتھ تحصیل علم کا بے کراں ذوق بھی عطا کیا تھا چنانچہ وہ اپنے وطن سے نکل کر عراق، حجاز، شام اور مصر کے شہروں میں طلب علم کے لیے رحلت وسفر کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ تعلیمی اسفار میں ان کی مشکلات اور شوق علم کا اندازہ اس واقع سے لگایا جا سکتا ہے وہ خود فرماتے ہیں "دخلت اسفرائن ومعی ثلاثة دنانیر ودرهم فضاعت الدنانیر وبقی الدرهم فدفعته الی خباز فکنت آخذ منه کل یوم رغیفین وآخذ من احمد بن بشر جزأ فاکتبه وافراغه بالعشیٰ فکتبت ثلاثین جزأ وتقدما عند الخباز فسافرت"

جب میں تحصیل علم کے لیے شہر اسفرائن میں آیا تو میرے پاس تین دینار اور ایک درہم تھا۔ دینار تو کسی طرح ضائع ہو گئے۔ درہم بچ رہا۔ وہ میں نے ایک نانبائی کو دیا اور اس سے ہر روز دو روٹیاں لینا ٹھہرائیں۔ ادھر میں بشر بن احمد سے ایک جزء لیتا اور اس کو لکھ کر شام تک واپس کر دیتا۔ جب میں تیس جزء لکھ چکا تو نانبائی سے میرا حساب ختم ہو گیا۔ چنانچہ مجھے وہاں سے نکلنا پڑا۔

امام برقانی نے عالم اسلام کی جن مقتدر علمی ہستیوں سے کسب علم کیا ان کی تعداد کافی ہے ان میں سے کچھ اہم شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابن نحاس مصری، ابو احمد الحافظ، ابو بحر بن کوثر ابو بھاری، ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی، احمد بن ابراہیم بن حباب، احمد بن جعفر بن سلمہ، ابو العباس احمد بن محمد بن حمدان نیشاپوری، ابو بکر بن ابی الحدید، ابو بکر بن مالک قطیعی، ابو محمد بن ماسی، ابو منصور ازہری، ابو سہل بشر بن احمد، ابو محمد بن عبدالغنی بن سعید ازدی، مصری، عبداللہ بن احمد بن صدیق، عبداللہ بن عمر بن علک، ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی، ابو علی محمد بن احمد بن حسین بن صواف، ابو عمرو محمد بن احمد بن حمدان، محمد بن جعفر بن ہیثم بن بندار، ابو الفضل محمد بن عبداللہ بن خمیرویہ، محمد بن علی حسانی، ابو بکر محمد بن مالک اسعدی، ابو حاتم محمد بن یعقوب۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۷۳۔۳۷۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۶۰)

علم وفضل:۔

امام برقانی تفسیر وحدیث، فقہ اور ادب عربی کے زبردست عالم تھے۔ حدیث وفقہ میں

انہیں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ ابتداء میں انہوں نے فقہ کی طرف خاص توجہ کی اور اس علم میں اعلیٰ قابلیت بہم پہونچائی انہیں عالم بالفقہ، عارف بالفقہ اور شیخ الفقہاء کے القاب سے یاد کیا گیا۔ اس علم میں متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ آپ کے شیخ ابوبکر اسماعیل کا دستور تھا کہ عام طلبہ کے سامنے ایک ورق پڑھتے مگر آپ کے سامنے دو ورق کی قرأت کرتے اور تلامذہ سے فرماتے میں برقانی کو تم پر اس لیے فضیلت دیتا ہوں کہ یہ فقیہ بھی ہیں۔ (طبقات شافعیہ ج ۳ ص ۱۹)

مگر جب آپ نے حدیث اور علوم حدیث کی طرف عنان توجہ پھیری تو حدیث ہی کے ہو کر رہ گئے۔ حدیثوں کی طلب و جستجو اور علم حدیث پر کتابوں کی تصنیف و تالیف کی مشغولیت نے کسی اور طرف دیکھنے کی مہلت نہ دی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "كان حريصا على العلم منصرف الهمة اليه سمعته يقول لرجل من الفقهاء الصلحاء دع الله لي ان ينزع شهوة الحديث من قلبي فان حبه قد غلب على فليس لي اهتمام الا به" وہ علم کے اتنے حریص تھے کہ اپنی ساری توجہ اس کے حصول پر مرکوز کردی تھی۔ میں نے ان سے سنا ہے ایک نیکوکار عالم سے کہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ حدیث طلبی کی خواہش کی شدت میرے دل سے نکال دے اس کی محبت مجھ پر اس قدر غالب ہے کہ مجھے اس کے سوا کسی اور چیز کی رغبت ہی باقی نہیں رہی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۶۰)

آپ کی علمی جلالت اور حدیث میں ثقاہت و اتقان کا اعتراف علماء اسلام نے اس طرح کیا ہے:

- **حافظ ذہبی:** "الامام الحافظ شيخ الفقهاء والمحدثين .... شيخ بغداد" چوٹی کے امام نامور حافظ حدیث فقہاء و محدثین کے شیخ تھے اور شیخ بغداد لقب ہے۔ (ایضاً ص ۲۶۱)
- **خطیب بغدادی:** "كان ثقة ورعا ثبتا لم نر في شيوخنا اثبت منه عارفا بالفقه له حظ من علم العربية كثير" آپ ثقہ پختہ کار اور پرہیزگار عالم تھے ہم نے اپنے اساتذہ میں ان سے زیادہ پختہ ذہن کوئی آدمی نہیں دیکھا آپ فقہ کو جانتے تھے اور ادب عربی میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۶)
- **محمد بن یحییٰ کرمانی** نے ازہری سے پوچھا "هل رايت شيخا اتقن من البرقاني" کیا آپ نے برقانی سے زیادہ حدیث ضبط کرنے والے کسی شیخ کو دیکھا ہے قال لا کہا نہیں۔ (ایضاً)
- **ابو محمد خلال:** "هو نسيج وحده" وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ (ایضاً)

❁ ابو الولید باجی: " ثقة حافظ " آپ ثقہ اور حافظ حدیث ہیں۔ (ایضا)

❁ ابو القاسم ازہری: " البرقانی امام اذا مات ذھب ھذا الشان " برقانی ایسے امام ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد اس فن کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (ایضا)

امام برقانی کے سینے میں حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا ساتھ ہی ساتھ ان کے پاس حدیثوں کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔

❁ احمد بن غانم کہتے ہیں " نقلت البرقانی من بیته فکان معه ثلاثة وستون سفطا وصندوقان کل ذلک مملوء کتبا " میں نے امام برقانی کو ان کے مکان سے منتقل کیا تو ان کے پاس ۶۳ / بیگ اور دو صندوق تھے جو سب کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ (ایضا ص۲۶۲)

تمام مورخین نے حدیث میں آپ کی کثرت، ضبط واتقان، ژرف نگاہی اور فہم عالی کا اعتراف کیا ہے۔

خطیب کا بیان ہے برقانی حدیث کی اچھی فہم وبصیرت رکھتے تھے۔

ابن عساکر اور سمعانی کا بیان ہے کہ وہ حدیث کی فہم ومعرفت میں ممتاز تھے۔

ابو اسحاق شیرازی فرماتے ہیں جب وہ اس فن کی جانب متوجہ ہوئے تو اس کے امام بن گئے۔

تصانیف:۔

امام برقانی نے فقہ اور حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ خصوصیت کے ساتھ حدیث میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔ ذہبی لکھتے ہیں "لم ینقطع التصنیف حتی مات" آپ نے اپنی وفات تک تصنیف کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ (ایضا ص۲۶)

آپ کی تصانیف کا ذکر حافظ ذہبی اس طرح کرتے ہیں " صنف التصانیف وخرج علی الصحیحین .... صنف مسندا ضمنه ما اشتمل علیه صحیح البخاری ومسلم وصنف حدیث الثوری وشعبة وعبد الله بن عمرو عبد الملک بن عمیر وبیان بن بشر ومطر الوراق " آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں اور صحیحین پر تخریج کی...... آپ نے ایسی مسند لکھی جس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ذکر ہو جانے والی احادیث درج کیں۔ آپ نے ثوری، شعبہ، عبد اللہ بن عمر، عبد الملک بن عمیر، بیان بن بشر اور مطر الوراق کی دیگر احادیث الگ الگ تصانیف میں جمع کیں۔ (ایضا)

آپ کی تصانیف میں مسند کو خاص شہرت حاصل ہوئی جو مسند خوارزمی کے نام سے مشہور ہے۔ حمیدی نے الجمع بین الصحیحین کی نقل میں اس کی حدیثوں پر اعتماد کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۷۸ھ کا لکھا ہوا پشاور کے ایک دار العلوم میں موجود ہے۔ اور دوسرا نسخہ یحییٰ بن ناصر کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں ہے۔

زہد و تقویٰ:۔

علمی وفنی کمالات کے ساتھ وہ ورع و تقویٰ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ انتہائی متدین عبادت گزار اور پرہیزگار محدث تھے۔

محمد بن یحییٰ کرمانی فقیہ کا بیان ہے " ما رایت فی اصحاب الحدیث اکثر عبادة من البرقانی " میں نے اصحاب حدیث میں برقانی سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضا) ص ۲۶۰) ۔

ابن سبکی فرماتے ہیں وہ مجموعۂ فضائل اور عابد محض تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۷۵)

وفات:۔

یکم رجب ۴۲۵ھ بروز چہار شنبہ امام برقانی نے دار فانی کو وداع کہا۔ جمعرات کے دن تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ ابوعلی بن ابی موسیٰ ہاشمی نے پڑھائی اور بغداد کے مقبرہ جامع میں باب سکہ خرقی کے قریب دفن کیے گئے۔

(۶۴) حضرت امام ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۳۳۶ھ وفات ۴۳۰ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابونعیم سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن وائل بن مہران۔ آپ کی ولادت رجب ۳۳۶ھ میں بمقام اصفہان ہوئی۔ ابونعیم اگرچہ عجمی نژاد تھے مگر آپ کے جد اعلیٰ مہران کو خاندان نبوت سے شرف ولاء حاصل تھا جس کی برکت نے آپ کے خاندان میں علم و عمل کو فروغ دیا آپ کے والد عبداللہ زبردست عالم تھے انہوں نے فرزند ارجمند کو کم عمری ہی سے تحصیل علم اور سماع حدیث کے مشغلہ سے وابستہ کر دیا تھا۔ شوق علم دیکھ کر مشائخ عمدہ نے بطریق تبرک آپ کو سند حدیث عنایت فرمائی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں " اجاز لہ مشائخ الدنیا سنة نیف واربعین وثلاث مائة ولہ ست سنین " ۳۴۰ھ کے بعد جب آپ کی عمر صرف چھ

سال تھی دنیا کے سر برآوردہ اور عظیم مشائخ نے آپ کو اجازت سے نوازا''۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۷۵)

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں: (سند اجازت مرحمت فرمانے والوں میں) ابوالعباس اصم، خیثمہ بن سلیمان طرابلسی، جعفر خلدی اور شیخ عبداللہ بن عمر بن شوذب بھی ہیں۔ اور یہ (ابونعیم) اس خصوصیت کے ساتھ منفرد ہیں۔ (بستان المحدثین ص ۷۳)

آپ نے شیخ ابومحمد بن فارس سے ۳۴۴ھ میں پڑھنا شروع کیا طلب علم کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اصفہان کے علاوہ کوفہ، بصرہ، بغداد، خراسان، شام، واسط، نیشاپور، مکہ، مدینہ کا سفر کیا اور وہاں کے اساطین حدیث سے اپنے دامن کو مالا مال کیا ان کے مشہور اساتذہ وشیوخ حسب ذیل ہیں:

ابومحمد بن فارس، اس کے بعد ابواحمد عسال، احمد بن معبد سمسار، احمد بن بندار عشار، احمد بن محمد قصار، عبداللہ بن حسن بن بندار، ابوبکر بن ہیثم بندار، ابوبحر بن کوثر، ابوبکر بن خلاد نصیبی، جبیب قزاز، ابوبکر جعابی، ابوالقاسم طبری، ابوبکر آجری، ابوعلی بن صواف، ابراہیم بن عبداللہ بن ابی العزائم کوفی، عبداللہ بن جعفر جابری، احمد بن حسن مکی، فاروق خطابی، ابوالشیخ بن حبان خراسان او عراق کے بہت سے ائمہ سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۷۵)

علم وفضل:۔

فطری مناسبت علم قوت حفظ وضبط اور بیکراں ذوق وشوق نے امام ابونعیم کو اپنے وقت کا جلیل القدر محدث بنادیا تھا لوگوں نے آپ کو الحافظ المشهور، الحافظ الکبیر من اکابر الحفاظ الثقات کے القاب سے نوازا ہے۔ وقت کے ائمہ فن نے آپ کی جلالت شان فی الحدیث کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے۔

- حافظ ذہبی: "الحافظ الکبیر محدث العصر الصوفی" آپ صوفی باصفا، بہت بڑے حافظ حدیث اور اپنے زمانہ کے محدث اعظم ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۷۵)
- خطیب بغدادی: "لم ار احداً اطلق علیه اسم الحفظ غیر ابی نعیم وابی حازم العبدوی" میں نے حافظ ابونعیم اصفہانی اور ابوحازم عبدوی کے سوا کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس پر بجا طور پر حافظ کا اطلاق کیا جائے۔ (ایضاً ص ۲۷۶)
- ابن مردویہ: "کان ابو نعیم فی وقته مرحولا الیه لم یکن فی الافق من احد احفظ منه ولا اسند منه" حافظ ابونعیم کی طرف استفادہ کرنے والوں کا تانتا

بندھا رہتا تھا۔ دنیا کے کسی حصہ میں اس وقت ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں تھا اور نہ ان سے زیادہ عالی سند کوئی آدمی موجود تھا۔ (ایضاً ص ۲۷۶)

❁ حمزہ بن عباس علوی: "کان اصحاب الحدیث یقولون بقی الحافظ اربع عشرة بلا نظیر لا یوجد شرقا ولا غربا اعلیٰ اسناداً منه ولا احفظ منه" محدثین کہا کرتے تھے کہ حافظ ابونعیم کا چودہ سال تک کوئی نظیر نہیں تھا۔ مشرق و مغرب میں نہ ان سے بڑا کوئی حافظ حدیث تھا اور نہ کسی کے پاس ان سے اعلیٰ سند تھی۔ (ایضاً ص ۲۷۶)

❁ ابن نجار: "وہ محدثین کے سرتاج اور اعلام دین میں تھے حدیث کی جمع و روایت کی طرح اس کی معرفت و درایت میں بھی شہرت و امتیاز رکھتے تھے"۔

❁ ابن سبکی: "وہ حفظ و ضبط میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے"۔ (طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۸)

حلقۂ درس:۔

امام ابونعیم کے علمی کمالات اور غیر معمولی تبحر فن نے ان کی ذات کو مرجع خلائق بنادیا تھا دور دور سے تشنگان علم نبوت کھنچ کھنچ کر ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوا کرتے تھے ان کے گرد طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا۔ اصاغر و اکابر بھی ان کی بارگاہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ابن مردویہ کا بیان ہے:

"کان ابو نعیم فی وقته مرحولا الیه..... کان حافظ الدنیا قد اجتمعوا عنده وکل یوم نوبة واحد منهم یقرأ مایریده الی قریب الظهر فاذا قام الی داره ربما کان یقرأ علیه فی الطریق جزء لم یکن له غذا سوی التسمیع والتصنیف" حافظ ابونعیم کی طرف استفادہ کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ دنیا کے حافظ حدیث آپ کے پاس جمع رہتے تھے ان میں سے ہر روز ایک ایک آدمی کی پڑھنے کی باری ہوتی تھی۔ وہ ظہر سے تھوڑی دیر پہلے تک جو چاہتا پڑھتا۔ بعض اوقات گھر کو جاتے ہوئے راستہ میں طالب علم ان سے پڑھتے جاتے جس سے آپ گھبراتے نہیں تھے کیوں کہ حدیث پڑھانا اور کتابیں تصنیف کرنا آپ کی غذا تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۷۶)

❁ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "ورحله الحافظ الی بابه لعلمه وحفظه وعلو اسناده" دنیا کے کونے کونے سے حفاظ حدیث آپ کے حفظ، علمی شہرت اور علو اسناد کی وجہ سے آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۷۵)

آپ سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے چند اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں: ابو بکر خطیب، ابو بکر بن علی ذکوانی، ابو سعید مالینی، ابو صالح موذن، ابو علی دخشی، ابو الفضل احمد الحداد، ابو علی حسن بن احمد حداد، سلیمان بن ابراہیم، قاضی عبد السلام بن احمد کوشیار بن لیالیروز جیلی، ابو بکر محمد بن ابراہیم عطار، ابو منصور محمد بن عبد اللہ شروطی، ابو سعید محمد بن محمد مطرز ہبۃ اللہ بن محمد شیرازی، یوسف بن تنگری۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۷۵)

دیگر علوم وفنون:۔

حدیث کے علاوہ فقہ اور تصوف میں بھی کافی درک تھا مسلکا وہ شافعی تھے تصوف وسلوک سے ان کی دلچسپی موروثی تھی ان کے نانا محمد بن یوسف بلند پایہ صوفی بزرگ تھے تصوف میں امام ابو نعیم کے کمال کی سند ان کی کتاب حلیۃ الاولیاء ہے۔

تصانیف:۔

امام ابو نعیم باکمال مصنف تھے انہوں نے بہت سی گراں مایہ کتابیں لکھی ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں۔ کتاب معرفۃ الصحابہ، کتاب دلائل النبوۃ دو جلد، کتاب المستخرج علی البخاری، کتاب المستخرج علی مسلم، کتاب تاریخ اصفہان صفۃ الجنۃ، کتاب الطب، کتاب المعتقد۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۷۶)

اس کے علاوہ مزید کتابیں ہیں کتاب الاربعین، حشیت الرویا، کتاب حرمۃ المساجد، رسائل مختصرۃ، ریاضۃ المتعلمین، طرق حدیث، عمل الیوم واللیلۃ، کتاب الفتن، کتاب فضائل الخلفاء، کتاب فضائل الصحابہ، فضل السواک، کتاب فضل عالم العفیف، کتاب الفوائد، مختصر الاستیعاب، کتاب معجم الشیوخ ۳ جلد، کتاب معجم الصحابہ، کتاب علوم الحدیث، کتاب المستخرج علی التوحید، کتاب المہدی۔

دلائل النبوۃ:۔

امام ابو نعیم کی مطبوعہ کتابوں میں اس کتاب کو بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی اس کتاب میں وہ تمام واقعات ومرویات سنداً بیان کیے گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص وکمالات اور فضائل ومکارم نیز دلائل نبوت اور معجزات وغیرہ سے متعلق ہیں پہلے قرآن مجید کی [illegible] اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وخصوصیات بیان کیے گئے ہیں اور تائید میں

روایات بھی پیش کی گئی ہیں پھر آپ کے حسب ونسب کی فضیلت اور قدیم کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں آپ کے بارے میں جو پیشین گوئیاں ہے ان کو ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد آپ کی ولادت سے وفات تک کے تمام حیرت انگیز واقعات اور معجزات اور آپ کی پیشین گوئیوں اور امور غیب سے متعلق خبروں کا مفصل ذکر ہے مصنف نے بعض واقعات کی تفصیل اوران کے دلائل کی نوعیت وغیرہ بھی بیان کر دی ہے اور بعض شبہات واشکالات کو بھی رفع کیا ہے آخر میں بعض مشہور انبیاء کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تقابلی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں بعض جلیل القدر انبیاء کے خاص اور اہم معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد دیکھایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی نوعیت کے معجزات عطا کیے گئے تھے۔

حلیۃ الاولیاء:۔

یہ کتاب امام ابونعیم کی سب سے بے نظیر کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے عمدہ اور معتبر کتاب بتایا ہے۔

حافظ سبکی نے اسے عدیم النظیر کتاب بتایا ہے وہ کہتے ہیں " ولم یصنف مثل کتابه حلیة الاولیاء" آج تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ (تذکرہ ج۳ ص۲۷۵) مصنف کی زندگی میں اس کو شہرت اور غیر معمولی حسن قبول واعتبار حاصل ہوگیا تھا اسی زمانہ میں جب نیشاپور پہونچی تو لوگوں نے چار سو دینار میں خریدا۔ (ایضا)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ان کی نادر وعجیب کتابوں میں سے حلیۃ الاولیاء ایسی نادر کتاب ہے جس کی نظیر اسلام میں نصیب نہیں ہوئی۔ (بستان المحدثین ص۴۷)

حافظ ابن کثیر کا بیان ہے۔ اس سے مصنف کی وسعت نظر ان کے شیوخ کی کثرت اور مخارج وطرق حدیث سے پوری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

طبقات صوفیہ میں یہ نہایت اہم اور عمدہ کتاب ہے اس موضوع پر اس سے قبل کوئی کتاب ایسی بہتر وجامع نہیں لکھی گئی تھی۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی مشہور کتاب صفوۃ الصفوۃ کی بنیاد اسی پر رکھی۔

حلیۃ الاولیاء میں ان صحابۂ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور مابعد کے ائمہ اعلام کا تذکرہ ہے جو زہد وتقویٰ اور معرفت وسلوک میں ممتاز تھے ان بزرگوں کے فضائل ومناقب اوران کے واقعات وحکایات جمع کرکے تصوف میں ان کا مرتبہ واضح کیا گیا ہے۔ اوران سے مروی حدیثیں اوران کے عارفانہ اقوال وملفوظات بھی درج کیے گئے ہیں۔

وفات:۔

۲۰؍محرم الحرام ۴۳۰ھ میں ۹۴؍سال کی عمر پا کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۶۵) حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رضی اللہ عنہ

ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۸ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابوبکر۔ سلسلۂ نسب یہ ہے احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ۔ آپ کی ولادت بمقام بیہق شعبان ۳۸۴ھ میں ہوئی۔ بیہق خراسان کا مشہور شہر جو نیشاپور سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ متعدد بستیوں پر مشتمل تھا جن کا مرکز خسروجرد تھا۔

تحصیل علم:۔

خداوند تعالیٰ نے امام بیہقی کو قبول علم کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا۔ انہوں نے دستور زمانہ کے مطابق پہلے اپنے شہر اور مضافات کے علماء سے علم حاصل کیا پھر وہ مزید علم وتفقہ حاصل کرنے کے لیے اسلامی شہروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ رحلت وسفر کے مصائب ومشکلات جھیلتے ہوئے پورے ذوق وانہماک کے ساتھ مقتدر علماء وفقہاء سے کسب علم کرتے رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نیشاپور، بغداد، جبال، کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ کا سفر کیا۔ آپ نے جن مقتدر علماء ومشائخ سے علم حاصل کیا ان کی تعداد کا احاطہ دشوار ہے۔ چند اہم شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابوالحسن محمد بن حسین علوی، ابوعبداللہ حاکم، ابوطاہر بن محمش، ابوبکر بن فورک، ابوعلی روذباری، عبداللہ بن یوسف بن ناموبہ، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ہلال بن محمد، ابوالحسین بن بشران، ابن یعقوب ایادی، حسن بن احمد بن فراس، جناح بن نذیر۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۰)

علم وفضل:۔

امام بیہقی نے جس ذوق وشوق اور تلاش وجستجو کے ساتھ علوم وفنون کے گراں بہا موتیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا ان کی نظیر معاصرین میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ وہ شافعیہ کے زبردست محدث وفقیہ گزرے ہیں ان کی مصنفات سے شافعی مکتب فکر کو کافی قوت حاصل ہوئی شوافع کے بڑے عالم امام الحرمین فرماتے ہیں "ما من شافعی الا وللشافعی علیہ منۃ ا [illegible] نصرۃ مذھبہ" کوئی شافعی ایسا نہیں۔

جس پر امام شافعی کا احسان نہ ہو سوائے بیہقی کے کہ بیہقی کا خود امام شافعی پر احسان ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ ان کے مذہب کو مضبوط کیا ہے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۰)

امام بیہقی کی علمی جلالت، حفظ و اتقان اور زہد و ورع کے بارے میں امام ابوالحسن عبدالغافر بیان فرماتے ہیں۔ "ابو بکر البیهقی الفقیه الحافظ الاصولی الدین الورع واحد زمانه فی الحفظ وفرد اقرانه فی الاتقان والضبط من کبار اصحاب الحاکم ویزید علیه بانواع من العلوم کتب الحدیث وحفظه من صباه وتفقه وبرع واخذ فی الاصول وارتحل الی العراق والجبال والحجاز ثم صنف وتوالیفه تقارب الف جزء مالم یسبقه الجمع بین علم الحدیث والفقه وبیان علل الحدیث ووجه الجمع بین الاحادیث" امام ابوبکر بیہقی فقیہ، حافظ حدیث، اصولی، متدین اور متورع تھے۔ قوت حفظ میں یگانۂ روزگار اور ضبط و اتقان میں اپنے ہمعصروں سے ممتاز تھے۔ امام حاکم کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور کئی علوم ان سے زیادہ جانتے تھے آپ نے بچپن ہی میں حدیث لکھی اور حفظ کرنی شروع کردی تھی پھر عراق، جبال اور حجاز میں رہ کر علم فقہ اور اصول کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد بے نظیر اور لاجواب کتابیں لکھیں جو تقریبا ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہیں ان میں علم حدیث اور فقہ حدیث کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا اور علل حدیث اور مختلف روایات کے درمیان جمع و تطبیق کے قواعد و ضوابط تحریر فرمائے۔ (ایضا ص ۳۱۱)

علامہ ابن سبکی تحریر فرماتے ہیں کہ "امام بیہقی مسلمانوں کے ائمہ ہداۃ میں سے دین متین کے داعی تھے۔ وہ علم و فضل کے پہاڑ اور اپنے پورے دور میں عدیم المثال و یکتائے روزگار، میدان علم کے شہسوار حاذق الفن محدث سرعت فہم، جودت طبع اور ذہن کی دراکی میں بے نظیر تھے۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۲)

"الفقیه الشافعی الحافظ الکبیر المشهور واحد زمانه وفرد اقرانه فی الفنون من کبار اصحاب الحاکم" شافعی فقیہ وہ بہت بڑے حافظ حدیث یکتائے زمانہ اور اپنے معاصرین میں بے مثال تھے اور حاکم کے اہم تلامذہ میں تھے۔ (وفیات ج ۱ ص ۴۶)

حدیث:۔

امام بیہقی قوت حفظ اور ثقاہت و اتقان میں امتیازی شان رکھتے تھے اوپر ابوالحسن عبدالغافر کا بیان گذر چکا ہے کہ امام بیہقی اپنے زمانہ میں حفظ میں یکتا اور اپنے تمام معاصرین میں ضبط و اتقان کے اعتبار سے یگانہ تھے"۔ حافظ ذہبی نے آپ کا تذکرہ الامام الحافظ صاحب التصانیف کے الفاظ

سے شروع کیا ہے۔

حفظ وضبط اور ثقاہت واتقان نے امام بیہقی کو علم حدیث میں امتیاز عطا کر دیا تھا۔ معرفت حدیث میں بے نظیر اور احادیث کے علل واسقام کی تمیز میں غیر معمولی درک رکھتے تھے جمع وتلفیق ان کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اسی لیے آپ کا شمار چوٹی کے محدثین میں ہوتا ہے۔

ظہیر الدین بیہقی لکھتے ہیں کہ ”فن حدیث میں ان کا کوئی ہمسر اور ثانی نہ تھا“ ان کے زمانہ میں خراسان کے اندر کسی کو ان کی مرضی وسند کے بغیر کوئی حدیث بیان کرنے یا اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی مجال نہ تھی۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ”محدثین کا اتفاق ہے کہ حاکم کے شاگرد امام بیہقی حدیث کی طلب وتحری میں ان سے فائق تھے“۔ (تبیین کذب المفتری ص ۲۶۶)

اگرچہ وہ دوسرے علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے لیکن حدیث میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں "غلب علیه علم الحدیث واشتهر به" ان پر علم حدیث خاص طور سے غالب تھا اور اس میں ان کو نمایاں شہرت حاصل ہوئی۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۴۶)

امام بیہقی فن حدیث میں یگانہ روزگار اور بے نظیر تھے ان سے بکثرت حدیثیں روایت کی گئیں اور انہوں نے اس فن میں متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں بقول علامہ سمعانی امام بیہقی کے پاس احادیث کا بہت بڑا وسیع ذخیرہ تھا اور انہوں نے متعدد بے مثال تصنیفات چھوڑی ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں "عنده عوال وبورک له فی عمله لحسن مقصده وقوة فهمه وحفظه" آپ کے پاس عالی اسناد حدیث تھیں آپ کی حسن نیت، قوت فہم اور قابل رشک حافظہ کی وجہ سے آپ کے علم میں بے حد برکت ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۰)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقمطراز ہیں:

”باوجود اس تبحر اور علو اسناد کے امام بیہقی کے پاس سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ نہیں تھیں اس لیے ان تینوں کتابوں پر جیسی اطلاع ہونی چاہیے تھی ان کو نہیں تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے علم میں غیر معمولی برکت اور فہم میں نہایت بصیرت عطا کی تھی اور ان کی یادگار..... ایسی عجیب تصنیفات ہیں جو ان سے پہلے کے لوگ نہیں لکھ سکے“۔ (بستان المحدثین ص ۵۱)

فقہ:۔

وہ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی امامت کا درجہ رکھتے تھے ان کی کتب حدیث میں گوناگوں فقہی

اصول ومباحث موجود ہیں جن کی بنا پر وہ حدیث وفقہ کے جامع قرار پائے ابن عساکر لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنی کتابوں میں علم حدیث وفقہ دونوں کے مسائل ومعلومات جمع کیے ہیں اسی کے ساتھ علل حدیث صحیح وسقیم رواتیوں کی نشاندہی احادیث کے درمیان جمع وتطبیق کے وجوہ اور فقہ واصول وغیرہ مختلف النوع مباحث بیان کیے ہیں۔ (تبیین کذب المفتری ص ۲۶۶)

امام بیہقی فقہ شافعی کے پیرو تھے انہوں نے اس مکتب فقہ کی تہذیب وتنقیح اور ترویج واشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ ابن سبکی کہتے ہیں کہ "کوئی شافعی المذہب ان کی تصنیفات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا"۔ امام بیہقی حدیث وفقہ کے ساتھ عربیت اور شعر وسخن میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔

حلقۂ درس:۔

قدرت نے جس قدر علم وفضل کی دولت سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا اتنی ہی ایثار وخلوص کے ساتھ علم نبوی کی دولت کو عام کرنے کی انہوں نے کوشش کی۔ ابتداء میں ان کا حلقۂ درس خسروجرد میں قائم ہوتا تھا مگر جب آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی تو شائقین حدیث نے نیشاپور آ کر حلقۂ درس قائم کرنے کی درخواست کی چنانچہ ۴۴۱ھ میں آپ نیشاپور تشریف لائے اور حلقۂ درس قائم کیا۔ حافظ ذہبی نے ابوالحسن عبدالغافر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"**طلب منه الائمة الانتقال من الناحية الىٰ نيسابور لسماع الكتب فاتى فى سنة احدىٰ واربعين واعدوا له المجلس لسماع كتب المعرفة وحضره الائمة**" ائمہ حدیث نے آپ کو آپ سے آپ کی کتابوں کا سماع کرنے کے لیے نیشاپور آنے کی دعوت دی جو آپ نے منظور کرلی چنانچہ آپ ۴۴۱ھ میں تشریف لے آئے اور آپ سے کتاب المعرفۃ کے سماع کے لیے ایک مجلس کا اہتمام کیا گیا جس میں بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ حدیث شریک ہوتے تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۱۱) آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔

چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری، ابوالحسن عبید اللہ بن محمد بن احمد، اسماعیل بن احمد، ابوعبداللہ فراوی، ابوالقاسم شامی، ابوالمعالی محمد بن اسماعیل فارسی، عبدالجبار بن عبدالوہاب دہان، عبدالجبار بن محمد خواری، عبدالحمید بن محمد وغیرہم۔ (ایضاً)

تصانیف:۔

امام بیہقی اپنے زمانہ میں عالم اسلام کے زبردست مصنف تھے کیت وکیفیت دونوں لحاظ سے ان کی مصنفات کا پایہ بہت بلند ہے۔ انہوں نے ایسے ایسے اہم موضوعات پر قلم اٹھایا کہ سخت ضرورت کے باوجود ان کے زمانہ تک ان پر کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ صاحب تذکرۃ الحفاظ لکھتے ہیں: "وعمل کتبا لم یسبق الیٰ تحریرھا" کچھ تصانیف کے نام یہ ہیں: (۱) کتاب الاسماء والصفات ۲ جلد (۲) کتاب السنن الکبیر ۱۰ جلد (۳) کتاب معرفۃ السنن والآثار ۴ جلد (۴) شعب الایمان ۲ جلد (۵) دلائل النبوۃ ۳ جلد (۶) السنن الصغیر ۲ جلد (۷) کتاب البعث ۱ جلد (۸) کتاب المعتقد ۱ جلد (۹) کتاب الآداب ۱ جلد (۱۰) نصوص الشافعی ۳ جلد (۱۱) المدخل ۱ جلد (۱۲) کتاب الدعوات ۱ جلد (۱۳) الترغیب والترہیب ۱ جلد (۱۴) کتاب الخلافیات ۲ جلد (۱۵) الاربعون الکبریٰ (۱۶) الاربعون الصغریٰ (۱۷) کتاب الرویۃ ۱ جلد (۱۸) مناقب الشافعی (۱۹) مناقب احمد (۲۰) کتاب الاسریٰ۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۰)

مزید برآں کتابیں یہ ہیں: (۲۱) بیان خطا من اخطأ علی الشافعی (۲۲) ترغیب الصلوٰۃ (۲۳) جامع ابواب وجوہ قرأۃ القرآن (۲۴) کتاب فضائل الاوقات (۲۵) المصنف فی فضائل الصحابۃ (۲۶) کتاب القدر (۲۷) کتاب المعارف (۲۸) کتاب ینابیع الاصول (۲۹) کتاب اثبات عذاب القبر (۳۰) کتاب الاسرار (۳۱) المعرفۃ (۳۲) کتاب احکام القرآن (۳۳) کتاب ماوردفی حیاۃ الانبیا بعد وفاتہم (۳۴) کتاب الزہد (۳۵) کتاب المبسوط (۳۶) کتاب القرأۃ خلف الامام۔

ابن خلکان لکھتے ہیں: "تبلغ تصانیفہ الف جزء" ان کی تصانیف کی ضخامت ایک ہزار اجزاء تک پہونچتی ہے۔ (وفیات ج ۱ ص ۴۶)

سنن:۔

امام بیہقی نے سنن میں دو کتابیں لکھیں ایک سنن کبیر اور دوسری سنن صغیر یہ دونوں کتابیں ابواب فقہ پر جمع کی گئی ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اسلامیات پر ایسی عظیم کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ سنن صغریٰ تو اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن سنن کبریٰ ۱۰ ضخیم جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب ذخیرۂ احادیث میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب کی وقعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو غیر معمولی شہرت اور بقائے دوام نصیب ہوا ان میں یہ بھی ایک ہے۔

علماءِ فن نے اس کتاب کو مستند اور معتبر قرار دیا ہے بعض علماءِ فن کہتے ہیں ”اسانید، علل، اسماء الرجال اور صحاح کے متون کے علاوہ جن متون کا علم وسماع ایک محدث اور طالب فن کے لیے ضروری ہے ان میں السنن الکبیر کا متن بھی ہے۔ امام بیہقی نے اس کی ترتیب وتالیف اور متون واسناد کی صحت وجودت میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیا ہے۔ اہل فن کا بیان ہے کہ سنن میں دیدہ ودانستہ کوئی موضوع حدیث شامل نہیں ہوئی۔

ترتیب وتہذیب اور جودت تصنیف وغیرہ کے لحاظ سے بے نظیر کتاب ہے۔ اس کی ترتیب میں انتہائی لطیف اسلوب اور عمدہ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو دوسری کتابوں میں موجود نہیں۔

وجوہ وطرق کی کثرت اور تعدد اسناد محدثین کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے اس لحاظ سے سنن بیہقی کو کافی اہمیت حاصل ہے۔

معانی ومطالب کی وسعت، استدلال واستنباط اور استخراج کے لحاظ سے سنن بیہقی بے نظیر کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ عنوانات اور ابواب قائم کرکے آیات واحادیث سے لطیف استنباطات کیے گئے ہیں۔

امام بیہقی نے حدیثوں کے حوالے بھی درج کردیے ہیں۔ حوالوں کے ساتھ انہوں نے اس فرق واختلاف کو بھی واضح کردیا ہے جو ان کی اور دوسروں کی روایت کے سند ومتن میں پایا جاتا ہے۔

اس کتاب کے ابواب فقہی ترتیب کے مطابق ہیں۔ ایک ایک حدیث سے مختلف مسائل کو مستنبط اور متعدد ابواب کی تفریع کی گئی ہے۔ اس سے امام بیہقی کے فقہی کمال اور اجتہادی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے صحابہ وتابعین کے آثار اور ائمہ مابعد کے اقوال ومسالک بھی جمع کیے گئے ہیں اور ضعیف وقوی اور مرجوح وراجح اقوال میں محاکمہ بھی کیا گیا ہے۔ امام شافعی کے قدیم وجدید اقوال، شوافع کے مذاہب اصول اور دلائل خصوصیت سے ذکر کیے گئے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب لکھ کر انہوں نے امام شافعی پر احسان کیا ہے۔

امام بیہقی نے اس کتاب میں اسانید ومتون کے متعلق مبسوط کلام بھی کیا ہے اور احادیث ورجال کی قوت وضعف، جرح وعدالت، صحت وسقم اور ترجیح وتضعیف وغیرہ کے متعلق کافی مواد بھی جمع کردیا ہے۔

معرفۃ السنن والآثار:۔

یہ امام بیہقی کی شہرۂ آفاق کتاب ہے جس کی ابتداء میں حدیث و سنت کی اہمیت، روایت، اسناد میں احتیاط اور بعض ضروری فنی مباحث، اجماع، اجتہاد، قیاس، عام و خاص، امر و نہی دلیل خطاب اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کی نوعیت، امام شافعی کے حالات و کمالات اور اجتہادی مرتبہ پر لطیف بحث کی ہے اس کے بعد فقہی ابواب کی ترتیب پر احکام و مسائل سے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں۔ روایات کی نقل میں سرد و استقصاء سے کام لیا گیا ہے۔ اور ایک نوع کی رواتوں کے متعدد طرق و اسناد کی تخریج ان کے صحت و سقم ان سے استنباطات کا ذکر اور امام شافعی کے آراء و اقوال کی تصریح کی گئی ہے اسی لیے تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ ''شافعی فقیہ کو اس کتاب کی سخت ضرورت پڑتی ہے بغیر اس کتاب کے اس کو چارہ نہیں''۔ (بستان المحدثین ص ۸۴)

اس کتاب کی چار جلدیں ہیں:

شیخ القضاۃ ابو علی اسماعیل بن امام بیہقی کا بیان ہے کہ مجھے والد صاحب نے بتایا ہے کہ جب میں نے کتاب معرفۃ السنن والآثار لکھنا شروع کی اور اس کے چند ابتدائی اجزاء کو مبیضہ کی شکل دی تو مجھے محمد بن احمد نے (جو میرے کثیر التلاوت، راست گفتار اور صالح شاگرد ہیں) بتایا کہ میں نے خواب میں امام شافعی کو دیکھا ان کے ہاتھ میں اس کتاب کی ایک جلد ہے اور فرما رہے ہیں میں نے آج فقیہ احمد کی کتاب کے سات جزء دیکھے ہیں یا کہا پڑھے ہیں اور اس نے دیکھا کہ وہ اسے دوبارہ پڑھ رہے ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں اسی دن صبح کے وقت میرے ایک فقیہ اور عالم دوست نے امام شافعی کو جامع مسجد میں ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے خواب میں دیکھا جو فرما رہے ہیں کہ میں نے آج فقیہ احمد کی کتاب سے فلاں فلاں حدیث پہلی دفعہ پڑھی ہے۔

نیز والد صاحب فرماتے ہیں میں نے فقیہ حافظ ابو محمد حسن بن احمد سمرقندی سے سنا ہے انہوں نے فقیہ محمد بن عبدالعزیز مروزی سے سنا ہے وہ کہتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی صندوق نما چیز آسمان کی طرف چڑھ رہی ہے جس کے چاروں طرف نور ہی نور ہے میں نے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ جواب ملا یہ احمد بیہقی کی تصنیفات ہیں۔ شیخ القضاۃ کہتے ہیں میں نے یہ تینوں واقعات اس کے بعد تینوں حضرات سے خود بھی سنے ہیں۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۱)

شمائل و اخلاق:۔

عادات وخصائل نہایت عمدہ تھے قناعت وتوکل، عفت وعصمت، زہد وتقویٰ آپ کی کتاب زندگی کے درخشاں ابواب ہیں۔ شمائل وخصائل میں آپ سلف صالحین کے اوصاف کے پرتو تھے۔ علامہ عبدالغافر لکھتے ہیں "کان البیھقی علیٰ سیرۃ العلماء قانعا بالیسیر متجملا فی زھدہ وورعہ" امام بیہقی علماء سلف کے طریقہ پر زندگی بسر کرتے تھے قناعت پسند تھے زہد وورع میں آپ کا کردار قابل تقلید تھا۔ (ایضاً)

وفات:۔

آپ کی وفات بروز سنیچر ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو بمقام نیشاپور ہوئی۔ لاش نیشاپور سے بیہق لائی گئی اور یہیں دفن کیے گئے۔

(۶۶) حضرت امام ابوبکر خطیب بغدادی علیہ الرحمہ

ولادت ۳۹۲ھ وفات ۴۶۳ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابوبکر لقب خطیب۔ محدث الشام والعراق۔ سلسلہ نسب احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت وطن عروس البلاد بغداد ہے ولادت ۲۴ر ذی قعدہ ۳۹۲ھ بروز جمعرات بغداد کے قریب ایک گاؤں درزیجان میں ہوئی جہاں آپ کے والد علی خطیب تھے انہوں نے علامہ کتانی سے قرآن مجید پڑھا تھا اور انہیں سے حدیث کا سماع بھی کیا تھا وہ اپنے فرزند احمد کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے پہلے آپ کو قرآن حفظ کرایا۔ گیارہ سال کی عمر میں درس حدیث شروع کرایا۔ اس کے ساتھ ساتھ قاضی ابوالطیب طبری، ابوالحسن محاملی جیسے ماہرین فقہ سے فقہ شافعیہ کا درس بھی جاری رکھا۔ تقریباً چودہ سال تک فقہ کی طرف زیادہ توجہ رہی یہاں تک کہ آپ اس میں ماہر اور شہرت یافتہ ہوگئے۔ اس کے بعد پوری توجہ تحصیل حدیث کی طرف مبذول کرلی" ابن خلکان لکھتے ہیں "کان فقیھا فغلب علیہ الحدیث والتاریخ" وہ فقیہ تھے پھر ان پر حدیث اور تاریخ کا غلبہ ہوا۔ (وفیات الاعیان ج۱ ص۵۴) بیس سال کی عمر تک بغداد کے علماء ومحدثین سے کسب علم کرتے رہے۔ علم کی حرص اور شوق انہیں اسلامی بلاد وامصار میں پھراتا رہا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں "ثم الھم طلب ھذا الشان ورحل فیہ الی الاقالیم وبرع" وہ مختلف ممالک کے مراکز کی طرف دیوانہ وار لپکے اور نور علم سے اپنے قلب ودماغ کو منور کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۳۱۲)

انہوں نے نیشاپور، کوفہ، بصرہ، اصفہان، دینور، ہمدان، رے، مکہ، مدینہ، دمشق، قدس،

صور کا دور دراز سفر کیا اور ان شہروں کے علماء و محدثین سے کسب فیض کیا۔

خطیب کو طلب علم کا شوق اس حد تک تھا کہ وہ راہ چلتے ہوئے بھی کسی نہ کسی کتاب کے جزء کو پڑھتے جاتے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۳ بستان المحدثین ص ۱۱۷)

آپ انتہائی تیز رفتاری و بلند آواز سے پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی آواز جامع دمشق کے آخر تک پہونچتی تھی۔ طلب علم کا شوق اس قدر غالب تھا کہ صرف تین مجلسوں میں پوری بخاری شریف کا درس لیا۔

ایک مرتبہ احمد بن اسماعیل الضریر کا گذر بغداد سے ہوا جن کو واپس نیشاپور جانا تھا۔ آپ کو ان سے صحیح بخاری پڑھنا تھا جس کو آپ نے صرف تین مجلسوں میں پڑھ لیا۔ پہلی مجلس مغرب سے فجر تک چلی۔ لیکن کتاب مکمل نہ ہوئی اور ان کی واپسی کا وقت آگیا۔ وہ بغداد سے روانہ ہوئے تو خطیب بھی ہمرکاب ہوگئے۔ محدث احمد نے جزیرہ میں قیام کیا تو چاشت سے لے کر مغرب تک اور پھر مغرب سے لے کر فجر تک صحیح بخاری پڑھ کر کتاب مکمل کی۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۱۴)

خطیب بغدادی کے اہم شیوخ واساتذہ حسب ذیل ہیں:

ابوالحسن بن صلت اہوازی، ابوعمر بن مہدی، ابوالحسین متیم، حسین بن حسن جوالیقی، ابن رزقویہ، ابن ابی الفوارس، ہلال حفار، ابراہیم بن مخلد باخرجی، ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی، علی بن قاسم عبدالرحمٰن بن محمد سراج، قاضی ابوبکر حیری، ابوالحسن بن عبدویہ، محمد بن عبداللہ بن شہریار، حافظ ابونعیم، محمد بن عیسیٰ۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۴) ابونصر احمد بن حسین کسار، ابوحازم عبدوی، ابوسعید مالینی، ابوالحسن بن بشران۔

علم وفضل:۔

حافظ کبیر امام احمد بن علی خطیب بغدادی نے جس شوق بیکراں اور انہماک سے طلب علم کی راہ میں قدم رکھا اور اپنے وقت کے مشاہیر اساتذہ وشیوخ کی بارگاہوں سے کسب فیض کیا اور رحلت وسفر کی مشقتیں علمی شہ پاروں کو جمع کرنے کے لیے برداشت کیں وہ اپنے زمانہ میں نہ صرف بغداد بلکہ پوری دنیائے اسلام کے ممتاز علماء کی صف اول میں شامل ہوگئے اور ان کے عالمانہ فضل وکمال کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجنے لگا ان کے جذبہ تحصیل علم کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مکہ معظمہ میں صحیح بخاری کو کریمہ (بنت احمد المروزیہ تی) سے صرف پانچ دن میں ختم کیا اور عبدالرحمٰن

اسماعیل احمد جریر حیری کی خدمت میں صرف تین مجلسوں میں صحیح بخاری کو ختم کیا اور کشمیہنی کی درسگاہ میں اس طرح صحیح بخاری کو ختم کیا کہ مغرب کے وقت سے پڑھنا شروع کرتے اور نماز فجر تک پڑھتے رہے دوراتیں اسی طرح گزریں تیسرے دن چاشت کے وقت سے مغرب تک اور مغرب کے وقت سے صبح تک پڑھا اور پوری صحیح بخاری ختم کر ڈالی۔ حافظ ذہبی نے بیان کیا ہے کہ دماغ کی یہ قوت اور قرأت میں مہارت نوادرات میں سے ہے۔ (بستان المحدثین ص ۱۱۷)

حدیث اور اس سے متعلقہ فنون کے علاوہ فقہ، تاریخ، قرأت، علوم القرآن، عربیت، شعرو سخن اور خطاطی میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ بڑے فصیح البیان خطیب تھے آواز اتنی بلند تھی کہ جامع منصور میں حدیث بیان کرتے تو آخری کونے میں بھی سنائی دیتی تھی۔ شجاع ذہلی کہتے ہیں خطیب، امام، مصنف اور ایسے باکمال حافظ حدیث تھے کہ ان کی نظیر نہیں ملتی تھی۔

"الخطیب امام مصنف حافظ لم یدرک مثله" (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۴)

مؤتمن ساجی کہتے ہیں: "مااخرجت بغداد بعد دار قطنی مثل الخطیب" بغداد نے امام دارقطنی کے بعد خطیب جیسا عالم پیدا نہیں کیا۔ (ایضاً ص ۳۱۴)

❁ ابو علی بردانی کا بیان ہے "لعل الخطیب لم یر مثل نفسه" خطیب نے اپنا مثل نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

❁ ابوسعد سمعانی بیان کرتے ہیں "کان الخطیب مهیبا وقورا ثقة متحریا حسن الخط کثیر الضبط فصیحا ختم به الحفاظ" خطیب بارعب، پروقار، ثقہ، حق کے متلاشی اور حجت تھے آپ کی تحریر بڑی دلکش ہوتی تھی۔ کثیر الضبط اور فصیح الکلام تھے۔ حفاظ حدیث کا آپ پر خاتمہ ہو گیا۔ (ایضاً)

❁ ابن خلکان: "کان من الحافظ المتقنین والعلماء المتبحرین ولو لم یکن له سوی التاریخ لکفاه فانه یدل علی اطلاع عظیم وصنف قریبا من مائة مصنف وفضله اشهر من ان یوصف" وہ متقن حفاظ حدیث میں اور متبحر عالم تھے اگر ان کی کتاب تاریخ کے علاوہ کچھ اور نہ ہوتا تو ان کے لیے وہ کافی تھا کیوں کہ وہ کتاب ان کی بہت بڑی معلومات پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے تقریباً ایک سو کتابیں لکھیں اور ان کا فضل وکمال تعریف سے بالاتر ہے۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۵۴)

حدیث:۔

حدیث کے سماع اور حفظ وضبط کا انہوں نے جس طرح اہتمام کیا اور پوری زندگی تحصیل حدیث اور تحدیث روایت کے مقدس شغل میں گزار دی اس سے ان کے درک فی الحدیث کا اندازہ لگانا آسان ہوگا وہ حفاظ محدثین میں شمار ہوتے ہیں علماء فن نے ان کے حفظ وضبط، ثقاہت واتقان اور روایت ودرایت میں اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

- حافظ ذہبی: " **الحافظ الکبیر الامام محدث الشام والعراق صاحب التصانیف**" بہت بڑے حافظ حدیث، امام اور شام وعراق کے محدث اعظم تھے بہت سی عمدہ کتابیں لکھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۲)
- ابو اسحاق شیرازی: " **الخطیب یشبہ بالدار قطنی ونظرائہ فی معرفۃ الحدیث وحفظہ** "خطیب کو معرفت اور حفظ حدیث میں امام دار قطنی اور ان کے اقران کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ (ایضا ص ۳۱۴)
- شافع: "**انتہیٰ الیہ الحفظ والاتقان فی علوم الحدیث**" حفظ وضبط اور علوم حدیث کو زندۂ جاوید کرنا آپ پر ختم تھا۔ (ایضا ص ۳۱۵)
- علامہ سمعانی: "وہ متقدمین حفاظ اور ائمہ کبار یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، اور احمد بن ابی خیثمہ وغیرہ کے ہم پایہ اور علامۂ عصر تھے... اور اپنے اقوال ومنقولات اور تصنیفات کے جمع وانتخاب میں ثقہ، حجت، صدوق اور معتمد تھے"۔
- سعید مؤدب: "وہ کثیر الروایہ اور جمع وتحریر حدیث پر خاص دھیان دینے والے ثقہ، ضابط، متقن اور نہایت باخبر محدث تھے"۔

جرح وتعدیل:۔

خطیب بغدادی مشرق میں محدثین کے امام اور مغرب میں حافظ ابن عبد البر مالکی کی طرح حدیث میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ تاریخ کا یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں ممتاز محدثین کا انتقال ایک ہی سن میں ہوا۔ امام خطیب کثرت حدیث ہی میں فائق نہ تھے بلکہ وہ فنون حدیث میں بھی کمال رکھتے تھے۔ اسماء الرجال اور علل حدیث کی معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ صحیح وضعیف حدیثوں کی پہچان میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا چنانچہ بغداد کے وزیر اعظم (صدر الصدور) ابن سلمہ نے سارے

خطباء اور واعظین کو ہدایت کردی تھی کہ کوئی حدیث جب تک خطیب بغدادی پر پیش نہ کی جائے اس کو عوام کے سامنے بیان نہ کیا جائے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۴)

آپ معرفت رجال اور ان کی تاریخ سے خوب واقف تھے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک ایسی دستاویز پیش کی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خیبر سے جزیہ معاف کردینے کا ذکر تھا اور اس دستاویز پر بعض صحابہ کی شہادت ثبت تھی وزیر نے یہ دستاویز علامہ خطیب کو دکھائی تو انہوں نے کہا یہ دستاویز جعلی ہے وزیر نے پوچھا آپ کس بنا پر اس کو جعلی کہتے ہیں؟ بولے اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت درج ہے اور اس وقت وہ مسلمان ہی نہ تھے وہ خیبر کے بعد فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے دوسری بات یہ ہے کہ اس میں سعد بن معاذ کی گواہی ہے اور وہ جنگ خیبر سے کئی سال پہلے انتقال کر گئے تھے۔ (ایضاً)

فن جرح وتعدیل اور اصول روایت سے متعلق ان کی متعدد کتابیں یادگار ہیں۔ آپ کی علوم حدیث میں مہارت کا اعتراف بڑے بڑے محدثین نے کیا ہے۔

● ابن ماکولا: "کان ابو بکر الخطیب آخر الاعیان ممن شاهدنا معرفة وحفظا واتقاناً وضبط بالحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وتفننا فی علله واسانيده وعلما بصحيحه و غريبه وفرده ومنكره ومطروحه ولم يكن للبغداد يين بعد الدار قطني مثله" جن لوگوں کو ہم نے دیکھا اور ملاقات کی ان میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ تبحر اور ضبط کے ساتھ حفظ حدیث اور اس کی معرفت، علل حدیث اور علم اسناد میں تفنن، صحیح اور ضعیف، غریب اور منکر کے عالم تھے۔ امام دار قطنی کے بعد بغداد میں آپ جیسا عالم پیدا نہیں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۴)

فقہ:۔

آپ ایک بلند مرتبہ فقیہ بھی تھے فقہ کی تعلیم ابو الحسن بن محاملی اور قاضی ابو طیب سے حاصل کی تھی بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ وہ اصلاً فقیہ تھے۔ علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں وہ اکابر و اعیان فن میں تھے ان کی تحقیقات سے ان کی فقہی جزرسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تاریخ:۔

حدیث وفقہ کی طرح تذکرہ وتراجم اور تاریخ بھی ان کا خاص موضوع تھا حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

"مازلت تداب فی التاریخ مجتهداً
حتی رأیتک فی التاریخ مکتوبا"

(البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۱۰۳)

حلقۂ درس اور تلامذہ:۔

امام خطیب بغدادی نے جس لگن اور شوق سے علوم وفنون اسلامی کا درس لیا تھا اسی طرح اپنے علمی سرمائے کو شائقین تک پہونچانے میں بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ انہوں نے بغداد کی جامع منصور میں حلقۂ درس قائم کیا جہاں حدیث، ادب، تاریخ اور علوم حدیث کا درس دیا کرتے۔ ان کی مجلس درس بڑی باوقار اور سنجیدہ ہوا کرتی۔ آپ حلقۂ درس کے علاوہ اوقات میں بھی تحدیث روایت میں تامل نہ کرتے سفر حج میں غروب آفتاب تک پورا قرآن مجید ختم کر دیتے اس کے بعد لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کرتے تو ذرا بھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے بلکہ پورے شرح صدر کے ساتھ ان کو حدیثیں سناتے۔ آپ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ زمزم کا پانی جس مقصد سے پیا جائے وہ مقصد حاصل ہوتا ہے آب زمزم تین مرتبہ پیا اور اللہ تعالیٰ سے تین حاجتیں طلب کیں۔ (۱) انہیں اپنی مشہور عالم کتاب تاریخ بغداد پڑھانے کا موقع ملے (۲) وہ جامع منصور میں حدیث املا کرائیں (۳) انہیں مرنے کے بعد مشہور بزرگ حضرت بشر حافی کے جوار میں دفن کیا جائے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۶) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی یہ تینوں خواہشیں پوری کر دیں۔ انہیں جامع منصور میں درس حدیث کا موقع ملا اور انہوں نے بساط درس آراستہ کی بغداد سے باہر دمشق، صور، حلب، طرابلس میں بھی وہ درس دیتے رہے جس سے ان کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہوگئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔

چند مشہور شخصیتوں کے نام درج ذیل ہیں:

آپ کے شیخ برقانی، ابو الفضل بن خیرون، فقیہ نصر مقدسی، ابو عبد اللہ حمیدی، عبد العزیز کتانی، ابو نصر بن ماکولا، عبد اللہ بن احمد سمرقندی، مبارک بن طیوری، محمد بن مرزوق، ابو بکر بن خاضبہ، ابی نرسی، ابو القاسم نصیب، ہبۃ اللہ بن اکفانی، علی بن احمد بن قیس غسانی، محمد بن علی بن ابو العلاء مصیصی، ابو الفتح نصر اللہ بن محمد مصیصی، عبد الکریم بن حمزہ، طاہر بن سہل اسفرائینی، ہبۃ اللہ بن عبد اللہ شروطی، ابو السعادات، احمد بن احمد متوکلی، عبد الرحمٰن بن محمد قزاز شیبانی، مقری ابو منصور بن خیرون، یوسف بن ایوب ہمذانی، عبد اللہ بن احمد بن عثمان۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۳)

تصانیف:۔

خطیب بلند پایہ مصنف بھی تھے ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو تھی امتداد زمانہ کے باعث بہت ساری کتابیں معدوم ہو گئیں ان کی اکثر کتابیں فنون حدیث سے متعلق گونا گوں مسائل ومباحث پر مشتمل ہیں ان میں ادب وانشاء، فصاحت وبلاغت اور اسلوب وادب کی دلکشی پائی جاتی ہے حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں:

جو شخص ان کا بغور مطالعہ کرے گا وہ خطیب کی قدر وعظمت اور عدیم الشال کارنامے کا اعتراف کرے گا انہوں نے ایسا عظیم الشان علمی ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جوان سے پہلے کے ان سے کہیں فائق محدثین وائمہ مثلاً دارقطنی وغیرہ بھی انجام نہ دے سکے۔ (المنتظم ج ۸ ص ۳۶۶)

ان کی اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) التاریخ (۲) الکفایہ (۳) الجامع (۴) السابق واللاحق (۵) شرف اصحاب الحدیث (۶) المتفق والمفترق (۷) تلخیص المتشابہ (۸) تالی التلخیص (۹) الفصل والوصل (۱۰) المکمل فی المہمل (۱۱) الموضح (۱۲) التطفیل (۱۳) الاسماء المبہمہ (۱۴) الفقیہ والمتفقہ (۱۵) الرواۃ عن مالک (۱۶) تمییز متصل الاسانید (۱۷) البخلاء (۱۸) الفنون (۱۹) کتاب البسملۃ وانہا من الفاتحۃ (۲۰) الجہر بالبسملۃ (۲۱) غنیۃ المقتبس فی تمییز الملتبس (۲۲) من وافقت کنیتہ اسم ابیہ (۲۳) من حدث ونسی (۲۴) الحیل (۲۵) الاسماء المبہمہ (۲۶) روایۃ الآباء عن ابنائہم (۲۷) المؤتنف لتکملۃ المؤتلف والمختلف (۲۸) الرحلۃ (۲۹) اقتضاء العلم (۳۰) الاحتجاج بالشافعی (۳۱) مبہم المراسیل (۳۲) مقلوب الاسماء (۳۳) العمل بشاہد ویمین (۳۴) کتاب اسماء المدلسین (۳۵) تقیید العلم (۳۶) القول فی النجوم (۳۷) ماروی الصحابہ عن التابعین (۳۸) صلوٰۃ التسبیح (۳۹) صوم یوم الشک (۴۰) اجازۃ المجہول (۴۱) الرواۃ عن شعبۃ (۴۲) المؤتلف والمختلف (۴۳) مسند محمد بن سوقہ (۴۴) المسلسلات (۴۵) الرباعیات (۴۶) طرق قبض العلم (۴۷) غسل الجمعہ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۷، ۳۱۶) (۴۸) مسند ابی بکر علی شرط الصحیحین (۴۹) مسند بنان بن بشر (۵۰) مسند صفوان بن سلیم (۵۱) مسند نعیم بن حماد الغطفانی (۵۲) مسند صفوان غسانی (۵۳) مسند محمد بن جحادہ (۵۴) مسند مسعر بن کدام (۵۵) مناقب احمد بن حنبل (۵۶) مناقب شافعی۔

تاریخ بغداد:۔

خطیب بغدادی کی جس کتاب کو عالمگیر شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی وہ ان کی کتاب

تاریخ بغداد ہے۔ یہ ان کی سب سے ضخیم عظیم الشان کتاب ہے اگر خطیب دوسری کتاب نہ لکھتے جب بھی تنہا یہی کتاب ان کے فضل وکمال اور شہرت دوام کی معتبر سند ہوتی۔ خود خطیب نے آب زمزم نوش کرتے ہوئے یہ دعا کی تھی کہ جامع منصور میں اس کتاب کی تدریس کا انہیں موقع میسر آجائے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۶) چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اس کی تدریس کا موقع بھی میسر آیا اس طرح اس کتاب کی بقاودوام کی سند انہیں ہاتھ آئی یہ امر خطیب کی خوش بختی اور ان کی تاریخ کے لیے کافی ہے مکی رمیلی کا بیان ہے میں بارہ ربیع الاول ۴۶۳ھ میں بوقت شب بغداد میں سویا ہوا تھا خواب میں دیکھا کہ ہم حسب دستور تاریخ پڑھنے کے لیے امام خطیب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں نصر بن ابراہیم مقدسی ان کی دائیں جانب بیٹھے ہیں اور نصر کی دائیں جانب ایک اور بزرگ تشریف فرما ہیں میں نے ان کے متعلق پوچھا تو کسی نے کہا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسل ہیں ان کی تاریخ سننے کے لیے تشریف لائے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا یہ امام خطیب کی جلالت وامامت کی زبردست دلیل ہے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۸) یوں تو اس سے قبل بھی اور بعد میں بھ بغداد کی متعدد تاریخیں لکھی گئیں مگر تاریخ بغداد خطیب جیسی شہرت ومقبولیت کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ خطیب اس تاریخ کے موضوع کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں یہ کتاب مدینۃ الاسلام (بغداد) ک تاریخ ہے اس میں اس کی آبادی اور تعمیر کا ذکر اور یہاں کے مشاہیر واعیان، واردین، علماء وفضلاء ک تذکرہ ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳) اس زمانہ کے دستور کے مطابق خطیب نے حالات وواقعات بسلسلۂ روایت واسناد تحریر کیے ہیں طرز بیان اور اسلوب ادا کے لحاظ سے مسلمان مورخین کی تصنیف ک ایک اعلیٰ نمونہ ہے الفاظ بقدر معانی استعمال کیے گئے ہیں بیان صاف اور ظاہر ہے جرح وتعدیل م بے لاگ ہیں۔ تاریخ بغداد میں صرف مشاہیر بغداد کا تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ رجال بغداد کے حالات کے ضمن میں علمی دقائق اور مجتہدانہ مباحث بھی محدثانہ قوت کے ساتھ حل کیے گئے ہیں۔

خطیب نے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے ترجمے میں ان پر سخت تنقید روایتیں بھی نقل کی ہیں جس کو سامنے رکھ کر خطیب پر مسلکی شدت پسندی اور عصبیت کا الزام بھی عا کیا گیا ہے۔ مگر اس امر میں یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ خطیب نے ایک مورخ کی حیثی سے یہ ذمہ داری اٹھائی ہے کہ انہیں کسی شخصیت کے بارے میں مدح کے ساتھ قدح کی روایتیں بھ ملیں تو انہوں نے درج کر دیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی لکھتے ہیں: خطیب نے واقعا واحوال کو ذکر کرنے میں مورخانہ فرض ودیانت سے کام لیا ہے اس لیے جہاں ائمہ اور رجال

مناقب سے متعلق اقوال جمع کیے ہیں وہیں مخالفانہ اور نقد و جرح سے متعلق آراء بھی تحریر کیے ہیں اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خود خطیب اس کے قائل تھے یا یہ واقعی ان کی رائے تھی۔ (معارف ج ۴۲ شمارہ ۲۵ ص ۱۰۸)

اخلاق و کردار:۔

خطیب اپنے زمانہ کے عظیم محدث و مورخ اور متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار میں بھی مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ علم و فضل کے ساتھ زہد و ورع میں بھی ممتاز تھے عبادت اور تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا۔ ابوالفرج اسفرائینی کہتے ہیں۔ علامہ خطیب حج کو جاتے ہوئے ہمارے ساتھ تھے آپ ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے اور ہر روز غروب آفتاب کے وقت ختم کر دیتے تھے عبدالحسن شجی کہتے ہیں دمشق سے بغداد جاتے ہوئے میں علامہ خطیب کے ساتھ ایک اونٹ پر سوار تھا علامہ کا معمول تھا ہر دن اور رات میں ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۷) تلاوت کلام پاک کا یہ معمول سفر و حضر دونوں حالتوں میں رہتا۔

سخاوت:۔

خطیب بڑے سخی اور فیاض واقع ہوئے اہل حاجت اور علماء پر بے دریغ مال خرچ کرتے طلبہ کی مدد فرماتے جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے زندگی کی امید نہ رہی اور آپ کے پاس آل واولاد بھی نہ تھی اس وقت خلیفہ بغداد قائم بامر اللہ کو ایک خط لکھا کہ میرے بعد میرا مال بیت المال میں جائے گا مجھے اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرنے کی اجازت دی جائے چنانچہ خلیفہ نے اجازت دے دی اور آپ نے اپنا سارا مال محدثین میں تقسیم کر دیا ابن ناصر اپنی والدہ کے حوالہ سے باپ کا یہ قول نقل کرتے ہیں میں امام خطیب کی بیماری میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور آپ نے محدثین میں تقسیم کرنے کے لیے جو مال ابن خیرون کو دیا ہے اس نے مجھے اس میں سے کچھ نہیں دیا انہوں نے یہ سن کر اپنا سر تکیہ سے اٹھایا اور ایک تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے تم اسے اٹھا لو اور میرے لیے برکت کی دعا کی میں نے دیکھا تو اس میں چالیس دینار موجود تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۷) ابوزکریا برہزی کا بیان ہے میں جامع دمشق کے مینارے میں رہتا تھا اور خطیب سے ادب و محاضرات کی کتابیں پڑھتا تھا ایک دن وہ خود مجھ سے ملنے آئے اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد مجھے ایک لفافہ دیا اور کہا یہ اچھا تحفہ ہے اسے لے کر قلم خرید لو میں نے دیکھا تو اس میں چار دینار تھے پھر دوسری بار بھی آئے اور اتنی ہی رقم دی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۷)

بے نیازی:۔

امراء و اعیان حکومت خطیب کی بڑی عزت و توقیر کرتے مگر آپ نے ان کی خوشامد سے ہمیشہ پرہیز کیا ان کے ہدیوں اور عطیوں سے احتراز کرتے رہے وہ چاہتے تو ان کے قدموں میں دولت کا انبار ہوتا مگر انہیں دولت دنیا جمع کرنے کی مطلق رغبت نہ تھی۔ ایک بار جامع منصور میں ایک علوی علامہ خطیب کی خدمت میں آیا اس کے ہاتھ میں دیناروں سے بھری ہوئی تھیلی تھی اس نے کہا یہ حقیر ہدیہ ہے اسے اپنی ضروریات میں خرچ کریں علامہ خطیب نے ترش رو ہو کر فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے علوی نے کہا شاید آپ اسے کم سمجھتے ہیں یہ پورے تین سو دینار ہیں یہ کہہ کر دینار آپ کے مصلی پر بکھیر دیئے آپ نے اس کی جانب التفات نہ کیا اور اپنا مصلی جھاڑ کر باہر نکل گئے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۷)

ابتلاء و آزمائش:۔

علمی عظمت و جلال، شخصی وجاہت کے باوجود جب بغداد میں مسلکی و فقہی اختلافات نے شدت اختیار کی تو بعض امراء آپ کے درپے آزار ہو گئے چنانچہ آپ نے بغداد چھوڑ کر دمشق میں اقامت اختیار کر لی وہاں کے شیعہ حاکم نے بھی سکون سے رہنے نہ دیا اور آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا مگر آپ شریف زینبی کی پناہ میں آ گئے جس نے معاملہ کو رفع دفع کر دیا مگر امیر دمشق نے جلاوطنی کا فرمان جاری کر دیا اور آپ صور، حلب، طرابلس کے سفر کی زحمتیں برداشت کرتے رہے بالآخر بغداد واپس آئے۔ خطیب شافعی مسلک رکھتے تھے اور عقائد میں حضرت ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ کے متبع تھے۔

وفات:۔

خطیب ۱۵ر رمضان ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے علالت کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ۷ر ذی الحجہ ۴۶۳ھ بروز دوشنبہ اس دار فانی سے رحلت فرمائی آپ نے وفات سے پہلے ابوالفضل بن خیرون کو اپنی تمام کتابیں وقف کرنے اور اپنا مال نیکی کی راہ میں تقسیم کرنے کی وصیت فرمائی۔ آپ کے جنازہ میں کافی لوگوں نے شرکت کی جنازہ کو کندھا لگانے والوں میں آپ کے استاذ مشہور محدث و فقیہ امام ابو اسحٰق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے آپ کے جنازہ کے آگے آگے منادی کرنے والے کہتے [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا

الذی کان ینفی الکذب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الذی کان یحفظ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یہ وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مخالفین کے اعتراضوں کا جواب دیا کرتا تھا یہ وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء وکذب کی تردید کیا کرتا تھا یہ وہ ہستی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حفاظت کرتی تھی۔

ابوالحسن بن بہرانی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق جسم خاکی کو مشہور صوفی بزرگ حضرت بشر حافی علیہ الرحمہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۲۰) ابوالحسن ہمدانی نے اس موقع پر کہا" **مات ھذا العلم بوفات الخطیب**" خطیب کی ذات کے ساتھ یہ علم مر گیا۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۱۷) علی بن حسین کہتے ہیں امام خطیب کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا ایک آدمی میرے پاس کھڑا ہے میں اس سے امام خطیب کے بارے میں پوچھنے ہی والا تھا مگر وہ پہلے ہی بول پڑا کہ ان کو جنت کے وسط میں جہاں ابرار آپس میں ملتے ہیں رہنے کے لیے مکان بنایا گیا ہے۔ (ایضا)

(۶۷) حضرت امام حافظ ابن عبدالبر مالکی قرطبی علیہ الرحمۃ والرضوان

ولادت ۳۶۸ھ وفات ۴۶۳ھ

اسم گرامی یوسف، کنیت ابوعمر و عرف ابن عبدالبر۔ سلسلۂ نسب یہ ہے یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم۔ آپ کا خاندانی تعلق قبیلہ نمر بن قاسط کے ساتھ تھا جن کا تعلق قبیلہ عدنان سے ہے۔ وطن اندلس کا پایۂ تخت قرطبہ تھا اسی لیے نمری اور قرطبی کہلائے۔ شہر قرطبہ میں آپ کی ولادت ۲۵ ربیع الآخرہ ۳۶۸ھ میں ہوئی۔

دولت ہسپانیہ کی راجدھانی قرطبہ اس زمانہ میں علم وفضل کا بڑا مرکز تھا علمی دنیا میں وہ اس وقت بغداد، مصر، نیشاپور کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا آپ کے والد عبداللہ بن محمد قرطبہ کے فقیہ اور صاحب فضل وکمال عالم تھے مگر ان کا وصال ۳۸۰ھ ہی میں ہو گیا اور ابن عبدالبر ان سے زیادہ فیض حاصل نہ کر سکے۔ انہوں نے معارف پرور شہر میں آنکھ کھولی اور بچپن ہی سے غیر معمولی شوق وانہماک کے ساتھ طلب علم میں مصروف ہو گئے اور اپنے شہر کے اکابر علم وفن کی بارگاہوں سے خوب فیض پایا۔ طلب علم کے شوق میں وہ دانیہ، اشبون، مشترین، ملبیہ، شاطبہ تشریف لے گئے۔ آپ کے مشہور زمانہ شیوخ کے نام یہ ہیں: ابوزکریا اشعری، ابوسعید نصر، ابوعمر احمد بن حسور، احمد بن فتح الرسان،

احمد بن قاسم بزار، حسین بن یعقوب، خلف بن سہل، ابوالقاسم خلف بن قاسم، سعد بن نصر، سعید بن قزاز، ابوزید عبدالرحمٰن بن یحیٰ، عبداللہ بن محمد جہنی، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن، عبداللہ محمد بن عبدالملک بن ضیفون، عبدالوارث بن سلیمان، یحیٰ بن وجہ الجنۃ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۰۶)

آپ نے علم فقہ وحدیث کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں بھی امتیازی شان پیدا کی غسانی کہتے ہیں: "طلب ولزم ابا عمر احمد بن عبدالملک الفقیہ ولزم ابا الولید بن الفرضی وذاب فی طلب الحدیث وافتن بہ و برع براعۃ فاق بہا من تقدمہ من رجال الاندلس وکان مع تقدمہ فی علم الاثر وبصرہ بالفقہ والمعانی ولہ بسطۃ کبیرۃ فی علم النسب والاخبار" وہ طلب علم کے لیے نکلے اور فقیہ ابوعمر احمد بن عبدالملک اور ابوالولید بن فرضی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے حدیث اور اس کے متعلقہ فنون کی تحصیل میں برابر مصروف رہے حتیٰ کہ ان میں کمال پیدا کیا اور اندلس کے تمام سابق علماء سے گوئے سبقت لے گئے آپ کو علم حدیث میں تقدم اور علم فقہ ومعانی میں بصیرت حاصل ہونے کے ساتھ علم الانساب اور علم الاخبار میں بھی پوری دسترس حاصل تھی۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۰۷)

فضل وکمال:۔

متذکرہ بالا بیان سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر علماء اندلس میں امامت وامتیاز کے مقام بلند پر فائز تھے مشرق میں جو امتیاز خطیب بغدادی کو حاصل تھا وہی حیثیت آپ کو مغرب میں حاصل تھی ان کے علمی مرتبہ اور کمال کا اعتراف اکابر علماء اسلام نے کیا ہے حافظ ذہبی نے احد الاعلام اور صاحب شذرات نے العلامۃ العلم لکھا ہے سمعانی کہتے ہیں وہ جلیل القدر امام فاضل تھے۔

● ابن خلکان: "امام عصرہ فی الحدیث والاثر وما یتعلق بہما" وہ اپنے زمانہ میں حدیث واثر اور ان سے متعلقہ علوم میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۳۵)

● ابوالولید باجی: "لم یکن بالاندلس مثل ابی عمر ابن عبدالبر فی الحدیث ابو عمر احفظ اہل المغرب" اندلس میں کوئی محدث ابوعمر ابن عبدالبر جیسا علم حدیث میں نہ تھا۔ ابوعمر اہل مغرب میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ (ایضا)

● حافظ ذہبی: "الامام شیخ الاسلام حافظ المغرب" آپ امام، شیخ الاسلام

۞ حمیدی: " **ابو عمر فقیه حافظ مکثر عالم بالقرأت وبالخلاف وبعلوم الحدیث والرجال** " ابوعمر فقیہ، حافظ اور بکثرت حدیث جاننے والے تھے قرأت، خلاف اور علم الرجال کے ماہر تھے۔ (ایضاً ص ۳۰۹)

۞ حافظ ذہبی: " **ساد اهل الزمان فی الحفظ والاتقان ..... کان دینا صینا ثقة حجة صاحب سنة واتباع** " حفظ اور ضبط حدیث میں اپنے زمانہ کے سردار بن گئے .... آپ دیانت دار، عیب سے دور رہنے والے ثقہ حجت اور متبع سنت تھے۔ (ایضاً ص ۳۰۶، ۳۰۸)

۞ ابن حزم: "فقہ حدیث میں آپ کی طرح گفتگو کوئی نہیں کر سکتا تھا چہ جائے کہ آپ سے بہتر کوئی ہوتا"۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۱۵۸)

شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں: "بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ اندلس سے باہر نہیں گئے۔ سوائے ان ستر عالموں کے جو اس زمانہ میں یکتا تھے اور کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان کے سوا کسی اور سے علم حاصل کیا۔ اس کے باوجود ان کا علم خطیب، بیہقی اور ابن حزم سے کسی طرح کمتر نہیں ہے۔ بلکہ بعض چیزیں ان کے پاس ایسی تھیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں"۔ (بستان المحدثین ۱۱۴،۱۵)

فن حدیث میں کمال: ۔

حافظ ابن عبدالبر اگرچہ اپنے زمانہ کے جملہ علوم متداولہ سے اشتغال رکھتے تھے مگر علم حدیث میں ان کو کمال و امتیاز حاصل تھا امام ابوعمر ابن عبدالبر اہل مغرب میں سب سے بڑے حافظ تھے۔

۞ صاحب دیباج: وہ علماء اندلس کے شیخ اور محدث کبیر تھے۔

۞ غسانی: " **سمعت ابن عبدالبر یقول لم یکن احد ببلدنا مثل قاسم بن محمد و احمد بن خالد الحباب (قلت) لم یکن ابن عبدالبر بدونهما ولا متخلفا عنهما** " ابن عبدالبر کہتے تھے ہمارے شہر میں قاسم بن محمد ابو احمد بن خالد حباب جیسا کوئی عالم نہیں ہے میں (غسانی) کہتا ہوں کہ امام ابن عبدالبر ان سے کمتر نہ تھے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۳۰۷)

۞ حافظ ذہبی: " **واجاز له من مصر المسند ابوالفتح بن سخیت و الحافظ عبدالغنی ومن مکة ابوالقاسم عبید الله بن السقطی وساد اهل الزمان فی الحفظ والاتقان** " آپ کو مصر سے مسند ابوالفتح بن سخیت اور حافظ عبدالغنی نے اور مکہ معظمہ سے ابوالقاسم عبیداللہ بن سقطی نے اجازت دی اس طرح آپ حفظ وضبط حدیث میں اپنے اہل زمانہ کے سردار بن

گئے۔ (ایضاً) ان کے علوے اسناد سے بھی ان کے کمال کا پتہ چلتا ہے تمام محدثین نے ان کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔

امامت فن کی طرح علوے اسناد کا بھی ان پر خاتمہ ہو گیا اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ "وکان سندہ مما یتنافس فیہ" یعنی ان کی سندیں قابل رشک ہوتی ہیں ان کے عوالی اسناد میں ابوداؤد کی سنن اور زعفرانی کی کتاب کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کیوں کہ ان کے اور ان مصنفین کے درمیان صرف دو ہی واسطے ہیں۔

❁ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "قلت اعلی ماعندہ کتاب الزعفرانی سمعہ من ابن صیفون انا ابن الاعرابی عنہ وسنن ابی داؤد سمعہ من ابن عبدالمومن انا ابن داسۃ عن المولف وانتھیٰ الیہ مع امامتہ علو الاسناد" میں کہتا ہوں آپ کو کتاب الزعفرانی اور سنن ابی داؤد نہایت اعلیٰ سندوں کے ساتھ حاصل ہوئی ہیں۔ پہلی کتاب کا آپ نے ابن صیفون سے انہوں نے ابن الاعرابی سے اور انہوں نے مولف سے سماع کیا ہے اور دوسری کتاب کا عبدالمومن سے انہوں نے ابن داسہ سے اور انہوں نے امام ابوداؤد سے سماع کیا ہے اس طرح آپ امامت کے ساتھ علو اسناد کے بھی حامل ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۰۸)

جرح وتعدیل:

حافظ ابن عبدالبر فن اسماء الرجال کے بھی امام تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" "الاستغناء فی معرفۃ الکنی" بہت مشہور ہیں جن پر امت مسلمہ کا اعتماد ہے۔

جرح وتعدیل اور نقد رجال میں آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی ابو عبداللہ حمیدی کہتے ہیں آپ حافظ وقت، علوم حدیث و رجال کی معرفت، قرآن اور اختلافات کا علم رکھنے والے تھے۔

امام محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں وہ حدیث و رجال کے عالم تھے اس سلسلہ میں حافظ ذہبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

انہوں نے موطا کی جو شرح فرمائی ہے اس سے ان کی حدیث و جرح و تعدیل دونوں میں مہارت کا پتہ چلتا ہے آپ نے متن وسند کی تصحیح، مرسل ومسند کی تمیز، موصول ومنقطع میں تفریق، [illegible] اور تمام مشہور حدیثوں کو تلاش

کر کے ان کے علل کی نشاندہی کر دی۔ مؤطا کی شرح میں سندوں کی وضاحت پر خاص توجہ مبذول کی ہے بلاغات مؤطا پر لطیف بحث وکلام کیا ہے۔

فقہ:۔

حافظ عبد البر ابتداء میں ظاہری تھے مگر بعد میں انہوں نے فقہ مالکی کا اتباع کیا وہ علم فقہ میں بھی بڑی وسیع نظر رکھتے تھے مسائل کے سلسلے میں ان کی ژرف نگاہی مشہور ہے ائمہ فن نے ان کی فقہی جلالت کا اعتراف کیا ہے۔ ابو علی غسانی فرماتے ہیں ہمارے استاذ حافظ ابن عبد البر قرطبی نے اپنے وطن میں فقہ کی تحصیل کی اور اس میں نمایاں قابلیت وبصیرت پیدا کی اور مشہور فقیہ ابو عمر احمد بن عبد الملک بن ہاشم اشبلی کی صحبت اختیار کی اور ان سے مسائل کی تحصیل کی (ایضا) وہ فقہی کمالات کی بنا پر درجۂ اجتہاد پر فائز تھے حافظ عبد الحی کتانی لکھتے ہیں: وہ ائمۂ مجتہدین کے مقام ومرتبہ پر فائز تھے اور مالکی ہونے کے باوجود بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے ہم نوا اور بعض میں منفرد رائے رکھتے تھے۔ (الابہاج)

فقہ میں جامعیت وکمال کی وجہ سے وہ اشبون اور مشترین کے قاضی رہے۔ حدیث وفقہ کے علاوہ قرأت وتفسیر، تاریخ، انساب، آثار واخبار، ادب وعربیت، شعر وشاعری میں بھی کامل مہارت ودستگاہ رکھتے تھے۔

تلامذہ:۔

حافظ ابن عبد البر کی ذات علمی کمالات اور اہم تصانیف کے باعث مرجع خلائق تھی آپ سے علم حاصل کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے ذیل میں اہم تلامذہ کے نام درج کیے جاتے ہیں:

ابو العباس دلائی، ابو عبد اللہ حمیدی، ابو محمد بن ابی قحافہ، ابو احمد جعفر بن جحاف، ابو علی حسین بن احمد غسانی، ابو بحر سفیان بن عاصی، ابو داؤد سلیمان بن ابو القاسم مقری، ابو الحسن طاہر بن منصور، محمد بن فتوح انصاری۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۰۸)

تصانیف:۔

حافظ ابن عبد البر مایہ ناز مصنف تھے انہیں تصنیف وتالیف سے فطری لگاؤ تھا انہوں نے اپنی گراں قدر مصنفات سے اسلام کے علمی خزانہ کو زینت بخشی۔ آپ کی بلند پایہ مفید علمی وتحقیق کتابوں کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ علامہ ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں "وکان موفقا فی التالیف معانا علیه ونفع الله به" (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۶۶، ۴۴۶)

تصنیف و تالیف میں توفیق الٰہی اور تائید ایزدی ان کے شامل حال تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں سے بڑا فائدہ پہونچایا۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں ان کی کتابیں مختلف حیثیتوں سے اہم اور بے مثال ہیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ابن عبد البر عمدہ اور عظیم الشان کتابوں کے مصنف تھے۔ علامہ کتانی کا بیان ہے وہ عدیم النظیر مصنف تھے ان کی تصنیفات کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

ان کی کتابیں یہ ہیں: (۱) البستان فی الاخذان (۲) البیان عن تلاوۃ القرآن (۳) اخبار ائمۃ الامصار (۴) اختصار تاریخ احمد بن سعید (۵) اختصار التحریر (۶) اختصار التمیز بمسلم (۷) کتاب اختلاف اصحاب مالک بن انس (۸) کتاب الاستظہار فی حدیث عمار (۹) کتاب الشواہد فی اثبات خبر الواحد (۱۰) کتاب الفرائض (۱۱) کتاب المدخل فی القرأت (۱۲) فہرست الشیوخ (۱۳) کتاب جمرۃ الانساب (۱۴) الاحتیال بما فی شعر ابی العتاہیۃ (۱۵) العجبۃ الموعبۃ (۱۶) کتاب العقل والعقلاء (۱۷) کتاب الکنیٰ (۱۸) کتاب الاکتفاء (۱۹) کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر (۲۰) بہجۃ المجالس (۲۱) کتاب الکافی (۲۲) القصد والامم (۲۳) الانباہ علی قبائل الرواۃ (۲۴) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۲۵) الانصاف فیما فی بسم اللہ من الخلاف (۲۶) الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الفقہاء (۲۷) جامع بیان العلم وفضلہ (۲۸) کتاب الاستذکار (۲۹) التقصی فی حدیث الموطا (۳۰) التقصی فی حدیث الموطا (۳۱) تجرید (۳۲) التمہید فی الموطا من المعانی والاسانید۔ ذیل میں چند کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

جامع بیان العلم وفضلہ:۔

یہ کتاب حقیقت علم اور علماء کی فضیلت و عظمت اور ان کے فرائض وغیرہا سے متعلق مفید کتاب ہے اس کے اندر طلب علم کی اہمیت اور اس کے ضروری آداب، طلبہ، اساتذہ اور شیوخ و علماء کے اوصاف اور دین میں علم و نظر و فکر و استدلال، قیاس و اجتہاد، فہم و بصیرت اور دلیل و برہان کی ضرورت اور تقلید و اتباع کا فرق واضح کیا گیا ہے مصنف نے ان امور کے متعلق احادیث و آثار اور سلف صالحین کے اقوال کا عمدہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے روایتوں کی صحت و سقم اور سندوں کی قوت و ضعف پر فنی کلام بھی کیا ہے۔

موطا امام مالک کی شروح:

[illegible] ممتاز تھے مالکیہ میں اس پایہ کا شارح

حدیث اور کوئی نہیں گزرا۔ انہوں نے موطا امام مالک کی کئی شرحیں لکھی تھیں۔ (الف) کتاب الاستذکار۔ یہ مصنف کی عظیم الشان شرح تمہید کا خلاصہ اور اسی کی طرح شروح حدیث میں کافی اہم ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ان کی کتاب الاستذکار موطا کی بہترین شروح میں سے ہے اور موطا کی تنسیق ابواب میں استاذی دکھلائی ہے یہ کتاب کافی ضخیم ہے اگر بخط جلی لکھی جائے تو تیس جلدیں ہوں گی اور اگر بخط خفی لکھی جائے تو پندرہ جلدیں ہوں گی۔ (بستان المحد ثین ص ۱۱۵)

(ب) التقصاء بحدیث الموطا (ج) التقصی بحدیث الموطا یہ دونوں مستقل کتابیں ہیں منقطع، مرسل، منفصل اور بلاغات کے وصل ورفع اسناد پر مشتمل ہیں۔

(د) التمہید بمافی الموطا من المعانی والاسانید۔ یہ موطا کی عظیم الشان شرح ہے اسی کی بدولت حافظ ابن عبدالبر کو ممتاز محدث اور مالکیہ میں سب سے بلند پایہ شارح حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ابن حزم کہتے ہیں۔ فقہ حدیث میں ایسی عمدہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ ”لا اعلم فی الکلام علی فقه الحدیث مثله“ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۴۵) علامہ ابن خلکان رقم طراز ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر سے پہلے کسی نے ایسی عظیم الشان کتاب نہیں لکھی تھی ” وھو کتاب لم یتقدمه احد الی مثله“ (ایضاً) شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں یہ فقہ حدیث میں نادرۂ روزگار اور روشن ضمیر اور مجتہدوں کے لیے سرمایۂ بصیرت ہے مذہب مالکی کے متعلق یہی کتاب تنہا کافی ہے۔ (بستان المحد ثین ص ۱۱۴) یہ کتاب اپنے فن میں لا جواب اور اعلیٰ ترین علمی کارنامہ ہے اس کی ترتیب امام مالک کے رواۃ اور شیوخ کے ناموں پر کی گئی ہے اور اس میں موطا کی حدیثوں کی تشریح اور ان کے معانی ومطالب کی وضاحت اور ان کی اسانید کی تحقیق کے علاوہ فقہ وحدیث کے گوناگوں فوائد اور نکات تحریر کیے گئے ہیں۔

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:۔

یہ بڑی مفید اور اہم کتاب ہے یہ کتاب بھی حافظ عبدالبر کی شہرۂ آفاق کتاب ہے اسے اہل علم نے بڑی قدر ومنزلت سے دیکھا اس میں ۳۵۸۵ صحابہ کرام کے حالات ومناقب بیان کیے گئے ہیں اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں کافی اہمیت کی حامل ہے ابن اثیر جزری لکھتے ہیں صحابہ کے حالات میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں مگر سب میں جامع ابن مندہ ابو نعیم اور ابن عبدالبر قرطبی کی کتابیں ہیں ان کی مصنفات عمدہ اور سعی بلیغ کا نتیجہ ہیں۔

دوسرے متقدمین کی طرح ابن مندہ اور ابو نعیم کی کتابیں بھی امتداد زمانہ سے معدوم ہوگئیں مگر ابن عبدالبر کی کتاب موجود ہے اور اس سے آج تک اہل علم کا استفادہ جاری ہے۔

مکارم اخلاق:۔

علم وفضل نے حافظ عبدالبر کے آئینۂ اخلاق کو روشن ومنور کردیا تھا وہ دیندار، متقی، عبادت وریاضت کے شائق، حسن عقیدہ، صدق ودیانت، عفت وعصمت، اور اتباع سنت میں ممتاز تھے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

آپ دیانت دار، عیب سے دور رہنے والے ثقہ، حجت اور متبع سنت تھے۔ (تذکرہ ج ۳)

شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں "جو صدق ودیانت، حسن عقیدہ اور اتباع سنت ان کے حصہ میں آیا وہ کسی اور کے حصہ میں کم آیا ہے۔ (بستان المحدثین ص ۱۱۵)

وفات:۔

آپ کو شدید آزمائش وابتلاء سے بھی دوچار ہونا پڑا وہ قرطبہ چھوڑ کر مغرب کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے اسی غریب الوطنی میں اندلس کے ایک شہر شاطبہ میں بعمر ۹۵ رسال ربیع الآخر ۴۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔

(۶۸) حضرت امام حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابی نصر حمیدی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۴۱۹ھ وفات ۴۸۸ھ

اسم گرامی محمد کنیت ابو عبداللہ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن ابی نصر فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید بن یصل۔ جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہوکر حمیدی کہلائے۔ آپ کا آبائی وطن رصافہ (قرطبہ) تھا مگر آپ کے والد نے ترک وطن کرکے میورقہ میں سکونت اختیار کی جہاں حافظ حمیدی کی ولادت بقول حمیدی ولدت قبل سنۃ عشرین واربع مائۃ میں ۴۲۰ھ سے پہلے پیدا ہوا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۷) آپ آخر عمر میں بغداد چلے آئے تھے اور اسے اپنا وطن بنالیا تھا۔

تحصیل علم:۔

حافظ حمیدی نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ قبول علم کی صلاحیت ورثہ میں ملی تھی۔ وہ

نہایت ذکی، ذہین اور قبول علم کی صلاحیت سے مالا مال تھے ان کا بیان ہے کہ "کنت احمل للسماع علی الکتف سنۃ خمس وعشرین واربع ماۃ فاول ما سمعت من الفقیہ اصبغ بن راشد وکنت افھم مایقرا علیہ" ۴۲۵ھ میں مجھے سماع حدیث کے لیے کندھے پر اٹھا کر حلقۂ درس میں لایا جاتا تھا سب سے پہلے میں نے فقیہ اصبغ بن راشد سے سماع کیا اس وقت ان کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا میں اس کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ (ایضاً)

بڑے ہوکر انہوں نے اپنے وطن کے شیوخ ہی سے کسب علم پر اکتفاء نہ کیا بلکہ طلب علم کا شوق ان کو دور دراز اسلامی شہروں اور ملکوں تک لے گیا اس طرح انہوں نے اندلس، عراق، قیروان، مکہ، مدینہ، شام، افریقہ اور مصر کے علماء اور اساطین حدیث سے علوم وفنون کی تحصیل کی۔

● ابن خلکان لکھتے ہیں: "رحل الی المشرق سنۃ ثمان واربعین واربع مائۃ فحج وسمع بمکۃ حرسھا اللہ تعالیٰ وبافریقیۃ وبالاندلس ومصر والشام والعراق واستوطن بغداد" ۴۴۸ھ میں اندلس سے مشرقی بلاد کا رخ کیا۔ حج کی سعادت حاصل کی مکہ میں سماع حدیث کیا اور پھر افریقہ، اندلس، شام، مصر، عراق کے شیوخ سے سماع حدیث کیا اور بغداد میں سکونت گزیں ہوئے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۶۵) آپ کے مشہور شیوخ یہ ہیں:

امام ابن حزم، ابو عبداللہ قضاعی، ابو عمر بن عبدالبر، ابو زیا عبدالرحیم بخاری، ابوالقاسم حنائی دمشقی، عبدالصمد بن مامون، حافظ ابو بکر خطیب ابو جعفر بن مسلمہ، ابو غالب بن بشران، ابوالحسن عبدالدائم بن حسن ہلالی، عبدالعزیز بن احمد کتانی، ابو محمد عبدالعزیز بن حسن ضراب، ابو محمد بن حزم، علی بن احمد، ابو تمام علی بن محمد واسطی۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۲ ص ۳۲۵)

علم وفضل:۔

حمیدی نے اپنے وقت کے جلیل القدر فقہاء ومحدثین سے کسب علم کر کے علمی دنیا میں شہرت دوام حاصل کرلی۔ ان کی رفیع الشان علمی واخلاقی شخصیت کو بڑے بڑے علماء فن نے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

● ابراہیم سلماسی: "لم تر عینای مثل الحمیدی فی فضلہ ونبلہ وغزارۃ علمہ وحرصہ علی نشر العلم" فضیلت، وسعت علم، عقلندی اور اشاعت علم کی حرص میں میری آنکھوں نے امام حمیدی جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۸)

ابن ماکولا آپ کی علمی وروحانی شخصیت اور اشتغال بالعلم کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں "لم ار مثل صديقنا الحميدى فى نزاهته وعفته وتشاغله بالعلم" میں نے نزاہت، عفت و پرہیز گاری اور علمی مصروفیت میں اپنے دوست حمیدی جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

۞ ابراہیم سلماسی: "كان ورعاً ثقة اماما فى الحديث وعلله ورواته متحققا فى علم التحقيق والاصول على مذهب اصحاب الحديث بموافقة الكتاب والسنة فصيح العبارة متبحراً فى علم الادب والعربية والترسل" تورع اور ثقاہت میں اونچا مقام رکھتے تھے حدیث، علل حدیث اور رواۃ حدیث کی چھان بین میں امامت کے درجہ پر فائز تھے اختلافی مسائل میں علماء حدیث کی طرح کتاب وسنت کے مطابق انتہائی تحقیق سے کام لیتے تھے آپ کا کلام فصاحت وبلاغت کا آئینہ دار تھا علم ادب عربیت اور فن خط وکتابت میں بحر ناپیدا کنار تھے۔ (ایضاً)

۞ ابن خلکان: "وكان موصوفا بالنباهة والمعرفة والاتقان والدين والورع وكانت له نغمة حسنة فى قراءة الحديث" حمیدی، نباہت، اتقان، معرفت، دین اور ورع میں موصوف تھے اور حدیث کی قرأت بڑی خوش الحانی سے کرتے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۶۵)

علماء اور تذکرہ نگاروں نے آپ کے وفور علم اور جامعیت کا اعتراف کھلے دل سے کیا ہے علم حدیث اور دوسرے علوم وفنون میں آپ کے تبحر کا تذکرہ ابو عامر حیدری اس طرح کرتے ہیں۔ "لا يرى مثله قط وعن مثله لا يسئل جمع بين الفقه والحديث والادب و راى علماء الاندلس وكان حافظا" ان جیسا آدمی کبھی دیکھنے میں نہیں آئے گا اور نہ ان جیسے انسان کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ حقیقی معنی میں حافظ حدیث تھے اور علم فقہ، فن حدیث اور علم لغت وادب کے جامع تھے علماء اندلس کے قیاسی اور اختلافی مسائل سے بھی خوب آگاہ تھے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۸)

حدیث میں آپ کی ثقاہت، حفظ واتقان، ضبط وعدالت میں کسی نے کوئی کلام نہیں کیا ہے۔ ان کے معاصرین، تلامذہ اور سوانح نگاروں نے ان کو حافظ، الحافظ المشہور، الحافظ الکبیر احد حفاظ عصرہ ثقہ، ثبت، حجت، قدوہ اور متقن کہا ہے۔

امام حمیدی اسماء الرجال اور جرح وتعدیل میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ وہ رجال

میں ایک مبسوط کتاب بھی لکھنا چاہتے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی ابن طرخان کہتے ہیں:

''میں نے امام حمیدی سے سنا ہے فرماتے تھے علوم حدیث میں سے تین قسم کی کتابیں زیادہ توجہ طلب ہیں (۱) علل حدیث سے بحث کرنے والی کتابیں ان میں سب سے بہتر کتاب امام دار قطنی کی کتاب العلل ہے (۲) مؤتلف اور مختلف پر تصنیف کردہ کتابیں ان میں سب سے اچھی اور بہتر امیر ابن ماکولا کی تصنیف ''الاکمال'' ہے (۳) وفیات المشائخ سے بحث کرنے والی کتابیں لیکن اس موضوع پر ابھی تک کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اس موضوع پر لکھنے کا میرا خیال تھا میرے معاصر امیر ابن ماکولا نے مشورہ دیا کہ اسے حروف معجم کی ترتیب پر سنین وار لکھو۔ ابن طرخان کہتے ہیں آپ نے اس طریقہ کے مطابق صحیحین پر لکھنے کا کام شروع کیا تھا موت نے مہلت نہ دی اور یہ کام ابتدائی مراحل ہی میں ناتمام رہ گیا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۹)

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں'' میں نے امیر ابن ماکولا کا مشورہ قبول کرلیا ہے اور ان کے تجویز کردہ طریقہ پر اپنی کتاب'' تاریخ اسلام'' تصنیف کردی ہے۔

فقہ:۔

حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی آپ کو کامل عبور حاصل تھا۔ آپ نے فقہ، فقیہ ابو محمد بن زید سے حاصل کی تھی۔ ان سے انہوں نے الرسالہ و مختصر مدونہ کی روایت بھی کی ہے ابو عامر کا بیان ہے کہ

"**جمع بین الفقہ والحدیث** "وہ فقہ و حدیث دونوں میں جامع تھے۔ (ایضاً)

حدیث و فقہ کے علاوہ عربیت، ادب، شعر و سخن اور سیر و تاریخ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

تلامذہ:۔

حافظ حمیدی نے جس انہماک اور دیدہ ریزی سے علم حاصل کیا اور پوری عمر انہیں علم و فن کا شغف رہا اسی طرح انہوں نے اپنے علم کے خزانے کو تقسیم کرنے اور طالبان علم کو دولت علم سے بہرہ مند کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے فیض علم سے بیشمار لوگ مالا مال ہوئے۔ کچھ اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

زاہد یوسف بن ایوب نہرانی، محمد بن طرخان، ابو عامر حیدری، اسماعیل بن محمد طلحی، محمد بن علی خلال، حسین بن حسن مقدسی، ابو عبداللہ حسین بن نصر بن محمد بن خمس، حافظ محمد بن ناصر، اسماعیل بن سمرقندی، صدیق بن عثمان بریری، ابو اسحاق بن نبہان غنوی، ابو فتح محمد بن بطی، آپ کے شیخ خطیب بغدادی۔ (ایضاً)

تصانیف:۔

حافظ حمیدی بلند پایہ مصنف بھی تھے حدیث، فقہ، سیرت وتاریخ اور رجال پر ان کی گرانقدر کتابیں یادگار ہیں ان کی فہرست یہ ہے۔ (۱) کتاب الجمع بین الصحیحین (۲) کتاب تاریخ اندلس (۳) کتاب الامانی الصادقہ (۴) کتاب تسہیل السبیل الی علم الترسیل (۵) کتاب ماجاء من النصوص والاخبار فی حفظ الجار (۶) کتاب ذم النمیمۃ (۷) کتاب الذھب المسبوک فی وعظ الملوک (۸) کتاب الترسل (۹) جمل تاریخ الاسلام یا تاریخ الاسلام (۱۰) کتاب مخاطبات الاصدقاء فی المکاتبات واللقاء (۱۱) کتاب من ادعی الامان فی اہل الایمان۔

کتاب الجمع بین الصحیحین:۔

یہ حافظ حمیدی کی شہرۂ آفاق کتاب ہے جس میں صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیثوں کو مسانید صحابہ کے مطابق مرتب کیا ہے اور فضائل کے لحاظ سے ان کو مقدم وموخر کیا چنانچہ سب سے پہلے خلفاء راشدین پھر عشرہ مبشرہ کی حدیثیں ہیں اور اس کے بعد دیگر صحابہ کی مرویات ان کے مراتب کے اعتبار سے درج کیا ہے۔ یہ حمیدی کی بڑی مستند اور معتبر کتاب ہے علامہ ابن اثیر قمطراز ہیں۔

"واعتمدت فی النقل من الصحیحین علی ماجمعہ الحمیدی فی کتابہ فانہ احسن فی ذکر طرقہ واستقصیٰ فی ایراد رواتہ والیہ المنتھیٰ فی جمع ھذین الکتابین" میں نے صحیحین کی حدیثیں (اپنی کتاب جامع الاصول میں) نقل کرنے میں حمیدی کی کتاب پر اعتماد کیا ہے کیوں کہ انہوں نے رواۃ کے طرق بیان کرنے میں بڑی خوبی سے کام لیا اور رواۃ کا بھی نہایت استقصاء سے ذکر کیا ہے پس ان دونوں کتابوں کے بارے میں یہی کتاب اصل مرجع ہے۔ اس کتاب کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں جو کتاب کی مقبولیت کی دلیل ہیں۔

تاریخ اندلس:۔

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں" یہ مشہور کتاب ہے اس کا پورا نام جذوۃ المقتبس فی تاریخ علماء اندلس ہے" (بستان المحدثین ص۱۳۴)

زہد وورع:۔

آپ نہایت متقی، پرہیزگار، جاہ ومنصب، دولت وثروت سے دور رہنے والے بزرگ تھے دنیا اور اس کی رعنائیوں سے دور رہتے۔ وہ نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتے، قناعت وتوکل شیو

حیات تھا۔ ابوبکر بن خاضبہ کہتے ہیں " انہ ما سمع یذکر الدنیا قط " کسی نے آپ کو کبھی دنیا کا تذکرہ کرتے نہیں سنا۔ (ایضاً)

لوگوں نے بارہا ان کا امتحان لینا چاہا مگر ان کی زبان پر دنیا کا ہرگز نام نہ آیا شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں " بہت سے لوگوں نے گھر اور مجلس میں ان کا امتحان لیا لیکن ان کی زبان پر دنیا کا ذکر کبھی نہ آیا۔ (بستان المحدثین ص ۱۳۴)

وہ انتہائی متدین، متقی، پابند شرع اور متبع سنت تھے ان کی ذات اخلاق حمیدہ کے زیور سے آراستہ تھی۔ شرم وحیاء عفت وعصمت میں ممتاز تھے۔

حسین بن محمد بن خسرو کہتے ہیں ایک دفعہ ابوبکر بن میمون آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ دروازے پر دستک دی اور یہ سمجھ کر کہ اجازت مل گئی ہے اندر آ گئے۔ اس وقت امام حمیدی کی ران کھلی ہوئی تھی وہ یہ دیکھ کر رو پڑے اور کہنے لگے بخدا آج تم نے میرے جسم کا وہ حصہ دیکھ لیا ہے جو جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی نے نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۸)

وفات :۔

حافظ حمیدی کا وصال منگل کی شب ۱۷ ذی الحجہ ۴۸۸ھ کو ہوا اور بدھ کے روز باب ابرز میں شیخ ابواسحٰق شیرازی کے مزار کے پاس سپرد خاک کیے گئے۔ شافعی فقیہ محمد بن احمد بن حسین نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں حافظ ابن عساکر نے تحریر کیا ہے کہ امام حمیدی نے رئیس الرؤسا کے صاحبزادے مظفر کو وصیت کی تھی کہ انہیں مشہور صوفی بشر حافی کے پاس دفن کیا جائے مگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی اور مذکورہ بالا جگہ میں دفن کر دیا مدت کے بعد اس کو خواب میں ملے اور اس کو خلاف ورزی پر سرزنش کی تب اس نے صفر ۴۹۱ھ میں آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق بشر حافی کے پاس منتقل کیا۔ آپ کا کفن نیا اور جسم تازہ تھا اور اس سے خوشبو پھوٹتی تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۹)

(۶۹) حضرت امیر کبیر حافظ ابن ماکولا عجلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت ۴۲۲ھ وفات ۴۸۷ھ

اسم گرامی علی، کنیت ابونصر، عرف ابن ماکولا، سلسلہ نسب یہ ہے علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن

جعفر بن علکان بن محمد بن دلف بن ابی دلف القاسم بن عیسیٰ بن ادریس بن معقل بن عمیر عجلی جرباذقانی بغدادی۔ عجل جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ عجلی کہلاتے ہیں بکر بن وائل کا ذیلی قبیلہ ہے جو عرب کے ایک عظیم قبیلہ ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان کی شاخ ہے۔ اصفہان کے نواحی میں جرباذقان نامی قصبہ آپ کا آبائی وطن تھا مگر آپ کی ولادت بمقام عکبرا ۴۲۲ھ میں ہوئی۔ بغدا کو آپ نے وطن بنایا۔

آپ ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم امیر المومنین قائم بال کے وزیر اور آپ کے چچا حسین بن علی بغداد کے قاضی القضاد (چیف جسٹس) رہے ہیں۔

تحصیل علم:۔

حافظ ابن ماکولا بچپن ہی سے علم کے شائق تھے۔ خاندانی ماحول اور گردوپیش کی فضا اس شوق کو مزید جلا بخشی، اور وہ کم سنی ہی سے طلب علم کے کوچے میں داخل ہوئے۔ وہ مشائخ کی بارگاہوں میں جاتے اور ان سے حدیث کا سماع کرتے اس سلسلے میں انہوں نے دور دراز ملکو اور شہروں کے سفر بھی کیے۔ اور وہاں کے علماء و شیوخ سے علم حاصل کیا ابو سعید سمعانی فرماتے ہی

"طاف الدنیا و اقام ببغداد"

آپ نے علمی دنیا کا سفر کیا تکمیل علم کے بعد ہمیشہ کے لیے بغداد میں مقیم ہو گئے

(تذکرہ ج۴ ص۵)

آپ نے بغداد، عراق، خراسان، شام، مصر، دمشق، ماوراء النہر، جبال اور جزیرہ کے علما و مشائخ سے کسب علم کیا۔ کچھ اہم شیوخ کے نام یہ ہیں:

بشریٰ بن عبداللہ فاتنی، عبیداللہ بن عمر بن شاہین، ابو طالب بن غیلان، ابو طیب طبری، اب منصور محمد بن محمد سواق، احمد بن محمد عتیقی، ابو بکر بن بشران، عبدالصمد بن مکرم، ابوالقاسم حنائی، احمد بن قاسم بن میمون، مصری۔ (ایضاً)

علم و فضل:۔

ابن ماکولا وقت کے متبحر عالم اور بلند پایہ محدث تھے۔ خطیب کے بعد بغداد میں آپ ہی ک نام لیا جاتا تھا۔ حدیث، ادب، نحو میں کمال رکھتے تھے۔ پرگو اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ بڑی فصی گفتگو کرتے۔ نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ سمعانی کہتے ہیں:

"کان ابن ماکولا لبیبا عارفا حافظا یرشح للحفظ حتی کان یقال ل

الخطيب الثاني وكان نحويا مجودا وشاعرا مبررا جزل الشعر فصيح العبارة صحيح النقل ما كان في البغداديين مثله في زمانه" ابن ماکولا عقلمند، حافظ حدیث اور اس کے فن کو خوب سمجھنے والے تھے۔ آپ کے حفظ وضبط کا یہ حال تھا کہ آپ کو خطیب ثانی کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ علم نحو کے ماہر اور باکمال شاعر تھے۔ آپ کی عبارت بہت فصیح اور نقل بہت صحیح ہوتی تھی۔ آپ کے زمانہ میں بغداد میں آپ جیسا دوسرا کوئی آدمی نہیں تھا۔ (ایضاً)

علم حدیث اور نقد رجال میں آپ کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ قدرت نے حفظ وضبط کی اعلیٰ قوت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے ضبط روایت اور اتقان میں انہیں بلند مقام حاصل ہوگیا تھا۔ انہیں حدیثوں کے حفظ وضبط پر اتنا اعتماد تھا جس کا اندازہ ہبۃ اللہ بن مبارک بن دوقی کے اس قول سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ " اجتمعت بالامير ابن ماكولا فقال لي خذ جزئين من الحديث فاجعل متون هذاالجزء لاسانيد هذا الجزء متونه لاسانيد الاول حتي ارده الى حاله الاولى" میں نے امیر ابن ماکولا سے ملاقات کی تو فرمانے لگے حدیث کی کوئی دو کتابیں لو ایک کے متن دوسری کتاب کی سندوں سے اور دوسری کی سندوں کو پہلی کے متنوں سے لگادو پھر میں ان کو اصل حالت میں لوٹا کر صحیح کردوں گا۔ (تذکرہ ج۴ ص۵)

ابن نجار کہتے ہیں: "احب العلم من الصبا وطلب الحديث واتقن الادب وله النظم والنثر والمصنفات" انہیں بچپن سے ہی علم سے محبت تھی اس لیے فن حدیث بڑے ذوق وشوق سے سیکھا اور علم ادب میں استحکام پیدا کیا۔ آپ کو نظم ونثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی آپ نے بڑی پرمغز کتابیں تصنیف کی ہیں۔ (ایضاً)

حمیدی کہتے ہیں: " ماراجعت الخطيب في شئ الا واحالني على الكتاب وقال حتى اكشفه وما راجعت ابن ماكولا في شئ الا واجابني حفظا كانه يقرأ من كتاب" جب میں کسی اہم مسئلہ میں خطیب سے مراجعت کرتا تو وہ کسی کتاب کا حوالہ دے دیتے میں اس کتاب سے وہ مسئلہ خود حل کرتا لیکن جب میں امیر ابن ماکولا سے مراجعت کرتا تو وہ مجھے اس طرح فی البدیہہ جواب دیتے جیسے کتاب سے پڑھ کر بتا رہے ہوں۔ (ایضاً ص۴)

حافظ شیرویہ کہتے ہیں: "وكان حافظا متقنا عني بهذا الشان ولم يكن في زمانه بعد الخطيب احد افضل منه حضره الكبار من شيوخنا وسمعوا منه" آپ صاحب ضبط واتقان حافظ حدیث تھے۔ اس فن سے آپ کو شدید محبت اور انتہائی وابستگی تھی۔ آپ کے زمانہ

میں امام خطیب بغدادی کے بعد ان سے افضل کوئی نہیں تھا۔ آپ کی مجلس درس میں ہمارے بڑے بڑے شیوخ اور نامی گرامی اساتذہ نے حاضری دی اور آپ سے سماع حدیث کیا۔ (ایضاً)

ابو اسحاق کہتے ہیں "دخل مصرفی زی الکتبۃ فلم نرفع بہ راسا فلما عرفناہ کان من العلماء بہذا الشان" وہ (امیر ابن ماکولا) مصر میں کاتبوں کے بھیس میں آئے تھے اس لیے ہم نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب ان سے گھل مل کر رہنے کا موقع ملا تو پتہ چلا کہ آپ فن حدیث کے چوٹی کے عالم ہیں۔ (ایضاً ص ۵)

فن جرح وتعدیل:۔

حدیث میں کثرت ضبط واتقان کے ساتھ ساتھ فن اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کا بھی وافر علم رکھتے تھے۔ آپ نے خطیب کی کتاب "الموتنف" پر مواخذہ کیا ہے اور مستمر الاوہام کے نام سے ایک عظیم کتاب تصنیف کی ہے۔ فن موتلف اور مختلف میں راویوں کے سلسلے میں وسیع معلومات دقت نظر اور مہارت کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو راویوں کے بارے میں بھرپور معرفت حاصل تھی۔ علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں۔

"امیر ابن ماکولا کو اس کتاب "الاکمال" کی موجودگی میں کسی اور فضیلت کی ضرورت نہیں اس کا وجود آپ کی کثرت اطلاع، ضبط واتقان پر دلالت کرتا ہے"۔ (شذرات الذہب ج۳ ص۳۸۲)

تلامذہ:۔

آپ سے کسب فیض کرنے والوں کے چند اہم نام یہ ہیں:

حافظ ابو بکر خطیب، فقیہ نصر مقدسی، ابو محمد حسن بن سمرقندی، محمد بن عبدالواحد دقاق، شجاع ذہلی، حمیدی، محمد بن طرخان ترکی، ابو علی محمد بن محمد مہدی، ابو القاسم اسماعیل بن سمرقندی، علی بن ہبۃ اللہ بن عبدالسلام کاتب۔ (ایضاً)

تصانیف:۔

حافظ ابن ماکولا چوٹی کے مصنف بھی تھے۔ انہوں نے حدیث اور متعلقات حدیث گرانقدر کتابیں تحریر کیں۔ آپ کی مصنفانہ عظمت کے بارے میں ابن خلکان رقمطراز ہیں

" وصنف المصنفات النافعة " انہوں نے مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (وفیات الاعیان

ابن نجار کہتے ہیں " ولہ المصنفات "ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے متعدد مفید کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جن میں مستمر الاوہام اور الاکمال کافی مشہور ہیں۔

الاکمال:۔

یہ کتاب فن مؤتلف ومختلف کی انتہائی مشہور اور جامع کتاب ہے جس کا پورا نام "الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الاسماء والکنیٰ والانساب" ہے۔ اس کتاب میں امام دار قطنی، حافظ عبدالغنی ازدی اور خطیب بغدادی جیسے نامور محدثین کے علم کے ساتھ ساتھ ابن ماکولا کا کمال بھی شامل ہے۔ کتاب کی تصنیف کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"امام دار قطنی، خطیب بغدادی وغیرہ کی کتاب دیکھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ اس فن میں ایک ایسی کتاب تحریر کردی جائے جو ان کتابوں کو شامل ہو اور ان میں جو نہیں آسکا ہے اس میں داخل ہوجائے"۔ (تکملہ کمال الاکمال ص ۱۵)

اس کام میں ابن ماکولا کو بھرپور کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی کتاب کو شہرت وقبول دوام کی دولت نصیب ہوئی۔ ابن خلکان لکھتے ہیں۔

"وھو فی غایۃ الافادۃ فی رفع الالتباس والضبط والتقید وعلیہ اعتماد المحدثین وارباب ھذاا لشان فانہ لم یوضع مثلہ ولقد احسن فیہ غایۃ الاحسان" یہ کتاب رفع التباس، ضبط اور تقید میں نہایت مفید ہے اور اس پر ائمہ محدثین اور ارباب فن پورا اعتماد کرتے ہیں کیوں کہ اس کے مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور ابن ماکولا نے اس میں بڑی عمدگی برتی ہے"۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۴۵)

ابن کثیر لکھتے ہیں "اس طرح کی کتاب اس فن میں نہ تو اس سے پہلے تحریر کی گئی اور نہ بعد میں سوائے ابن نقطہ کے استدراک کے جو انہوں نے اس پر کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۱۴۳)

علامہ سخاوی کہتے ہیں "اس کتاب کی تالیف کے بعد جو بھی محدث آیا اس نے اسی پر اعتماد کیا۔ (فتح المغیث ج ۴ ص ۲۳۱)

سابقہ کتابوں پر اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کے اغلاط کی اصلاح بھی کردی ہے جس سے یہ کتاب بہتر اور مفید ہوگئی ہے۔

طریقۂ تحریر یہ ہے کہ باب کے تحت مشتبہ نام ذکر کر کے مختلف صورتوں میں جو فرق ہے اس کو واضح کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ اس میں سے ہر ایک نام سے کون کون حضرات مراد ہیں مثلاً اجمد، احمد، احمر میں یہ واضح کر دیا ہے کہ اجمد جو حرف جیم سے ہے وہ اجمد بن بجیان ہیں اور احمد مشہور ہے اس نام کے بیشمار لوگ ہیں اور احمر آخر میں راء سے مراد احمر بن جزء سدوسی صحابی ہیں۔ اس طرح سے یہ کتاب ضبط اسماء کے ساتھ معجم رجال حدیث بھی ہے۔ کتاب کو حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔

وفات:۔

کرمان کے سفر میں دوران سفر بمقام جرجان خوزستان یا اہواز بقول ابن عساکر ۴۷۵ھ میں آپ کے ترک غلاموں نے شہید کر ڈالا اور سارا مال واسباب لوٹ کر لے گئے۔ سن وفات میں ارباب سیر کا کافی اختلاف ہے۔

بقول ابن ناصر ۴۸۶ھ یا ۴۸۷ھ سمعانی کے مطابق ۴۸۰ھ کے بعد حادثۂ شہادت پیش آیا۔ علامہ ابو الفرج ابن جوزی نے المنتظم میں لکھا ہے کہ آپ ۴۷۵ھ میں قتل ہوئے اور بقول بعض آپ کی وفات ۴۸۶ھ میں ہوئی اور کچھ لوگوں نے لکھا آپ ۴۷۹ھ اور ایک قول کے مطابق ۴۸۷ھ میں خوزستان میں قتل ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۶)

(۷۰) حضرت امام ابو محمد حسین فرا البغوی علیہ الرحمہ

ولادت ۴۳۶ھ متوفی ۵۱۶ھ

اسم گرامی حسین ابو محمد کنیت۔ محی السنہ و رکن الدین لقب فراء عرفیت ہے سلسلۂ نسب یہ ہے حسین بن مسعود بن محمد بن فرا۔ ولادت ۴۳۶ھ میں شہر بغو میں ہوئی جو ہرات اور مرو کے درمیان خراسان کا ایک آباد شہر ہے۔ اسی کی جانب منسوب ہوئے۔

امام بغوی نے خراسان سے نکل کر دوسرے شہروں کے اکابر فن سے حدیث وفقہ، قرآن وتفسیر کا درس لیا اور بقول شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ ان کو تین فنون میں مہارت حاصل تھی اور ہر ایک فن کو معراج کمال پر پہونچایا ہے بے نظیر محدث اور بے عدیل مفسر اور فقیہ بھی تھے شافعی مذہب رکھتے تھے۔ (بستان المحدثین ص ۸۶) آپ کے علمی مرتبہ کا اعتراف ملت کے اکابر نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

● ابن خلکان: " الفقیہ الشافعی المحدث المفسر کان بحرا فی العلوم "

شافعی فقیہ، محدث، مفسر اور وہ بحر العلوم تھے۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۵۸)

● حافظ ذہبی: "الامام الحافظ المجتهد محی السنة" بلند پایہ امام، زبردست فقیہ و مجتہد، جلیل القدر اور نامی گرامی حافظ حدیث ہیں، محی السنہ لقب ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۵۲)

نامور اساتذہ یہ ہیں: احمد بن نصر توقانی، حسان بن محمد منیعی، قاضی حسین، ابوالفضل ابوالحسن، زیاد بن محمد حنفی، ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد داودی، ابوعمر عبدالواحد بن احمد ملیحی، علی بن یوسف جوینی، ابوالحسن محمد بن محمد شیرازی، ابوبکر محمد بن ہشیم ترابی، ابوبکر یعقوب بن احمد صیرفی۔

حدیث:۔

امام بغوی حدیث میں بلند مقام پر فائز تھے ان کی محدثانہ عظمت کا اعتراف علمائے فن نے کیا ہے۔

علامہ ابن سبکی: اس فن میں ان کا مقام نہایت بلند ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن خلکان نے محدث کہہ کر ان کے کمال فی الحدیث کو بیان کیا ہے۔ شوافع میں احادیث کی شرح کے لیے جو علماء ممتاز خیال کیے جاتے ہیں ان میں ایک معتبر نام امام بغوی کا بھی ہے ان کا لقب محی السنہ حدیث وسنت میں ان کے بلند درجہ کی بنا پر ہے۔

آپ تمام عمر حدیث وفقہ اور تفسیر کے درس میں مصروف رہے ہمیشہ باوضو درس دیتے تھے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں: ابومنصور محمد بن اسد عطاروی المعروف بابن حفدہ، ابوالفتوح محمد بن محمد طائی، ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد توقانی، فخرالدین بن علی مقدسی (تذکرہ ج ۴ ص ۵۲)

فقہ وتفسیر:۔

امام بغوی ماہر فقہ اور درجۂ اجتہاد پر فائز تھے علامہ ابن سبکی تحریر کرتے ہیں ان کو فقہ میں ید طولی حاصل تھا اور اس میں ان کی معلومات کا دائرہ نقل وتحقیق ہر اعتبار سے وسیع تھا ان کے اختیار کردہ مسائل پر جب بحث کی گئی تو وہ ان اقوال کے مقابلہ میں جن کو انہوں نے ترک کیا تھا قوی اور راجح تھے فقہ میں قاضی حسین بن محمد کے شاگرد ہیں جو صاحب تصانیف اور اجلۂ شوافع میں سے ہیں۔

حدیث کی طرح قرآن کی تشریح وتفسیر میں بھی مہارت رکھتے تھے صاحب روضات نے آپ کو عدیم النظیر مفسر کہا ہے وہ قرأت وتجوید کے فن میں بھی یکتا تھے اپنی تفسیر میں فن قرأت سے متعلق مفید بحثیں کی ہیں۔

تصانیف:۔

وہ تفسیر، قرأت، حدیث، فقہ میں ممتاز تھے انہوں نے تدریس کے ساتھ ساتھ ان علوم وفنون میں اپنی یادگار تصانیف سے اسلامی علوم وفنون کے خزانہ کو مالا مال کیا ہے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”وبورک لہ فی تصانیفہ بقصدہ الصالح فانہ کان عن العلماء الربانیین“ خلوص نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام تصانیف میں برکت عطا فرمائی ہے جن سے مخلوق خدا کو بے پایاں نفع ہوا آپ عالم ربانی تھے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۵۲) مفید ومقبول تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) معالم التنزیل (۲) مصابیح السنہ (۳) شرح السنہ (۴) التہذیب فی الفقہ (۵) الجمع بین الصحیحین (۶) تعلیقات (۷) فتاوی بغوی (۸) ارشاد الانوار فی شمائل النبی المختار (۹) ترجمۃ الاحکام فی الفروع (۱۰) الکفایہ فی القرأت (۱۱) الکفایہ فی الفقہ (۱۲) معجم الشیوخ (۱۳) تجرید (۱۴) شرح ترمذی۔

مصابیح السنہ:۔

حدیث میں امام بغوی کی شہرۂ آفاق کتاب ہے جسے قبول عام حاصل ہوا عوام وخواص ہر طبقہ نے اس سے فائدہ اٹھایا خطیب تبریزی کی مشہور زمانہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح اسی کتاب کا تکملہ ہے مصابیح السنہ کی اہمیت خطیب تبریزی کے اس بیان سے ہوتی ہے محی السنہ قامع البدعت امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کی کتاب المصابیح نہایت ہی جامع کتاب ہے لیکن اس میں اختصار کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے اور سندیں حذف کر دی گئیں ہیں اس لیے بعض ناقدین فن نے اس میں کلام کیا ہے حالانکہ فی نفسہ اس کے نقل اسناد میں کوئی کلام نہیں۔ مصنف علماء ثقات میں ہیں اس حیثیت سے اس میں یک گونہ کمی تھی کیوں کہ نہ تو صحابہ کا اس میں ذکر ہے اور نہ حدیثوں کا اس سے اصل مخرج معلوم ہوتا ہے کتب وابواب کی ترتیب میں میں نے بغوی کا تتبع کیا ہے البتہ ہر باب کو دو کے بجائے تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ (مقدمہ مشکوٰۃ)

چونکہ مصابیح صحاح ستہ کی احادیث کا انتخاب ہے اس وجہ سے اس کی حدیثیں نہایت معتبر اور مستند ہیں اگرچہ یہ مجموعہ ضعیف، منکر، غریب حدیثوں سے خالی نہیں ہے تاہم مجموعی اعتبار سے صحیح اور مستند حدیثوں کا مجموعہ ہے امام بغوی نے اس میں غریب وضعیف روایتوں کی نشاندہی کر دی ہے [illegible] کافی بلند ہو گیا چوں کہ یہ کتاب بڑی جامع ہے اس لیے

حدیث کے طلبہ کو طویل اور ضخیم کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے اختصار کی وجہ سے اس سے استفادہ بہت آسان ہے چوں کہ یہ کتاب ایمانیات و اعتقادیات اور اعمال و احکام ہر قسم کی روایتوں کا مجموعہ ہے اس لیے ہر طرح کا ذوق رکھنے والے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں مصابیح کی اہمیت اور خصوصیات کی وجہ سے اس کی متعدد شرحیں اور مختصرات لکھے گئے ہیں۔

مکارم اخلاق:۔

امام بغوی نے اپنی زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور عبادت و ریاضت کے لیے وقف کردی تھی وہ عالم ربانی تھے انہوں نے بڑی سادہ درویشانہ زندگی بسر کی حرص و طمع زراندوزی اور تعیش و تنعم کے داغ سے ان کا دامن حیات ہمیشہ پاک رہا۔ قناعت و سادگی کا یہ حال تھا کہ موٹا جھوٹا پہنتے اور روکھا سوکھا کھاتے افطار میں خشک روٹی کھاتے تو لوگوں نے اصرار سے کہا کہ خشک روٹی سے دماغ میں خشکی پیدا ہو جائے گی تو انہوں نے سالن کے بجائے روغن زیتون سے روٹی کھانا شروع کیا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۵۲)

● حافظ ذہبی نے لکھا: "کان ذا تعبد ونسک وقناعۃ بالیسیر" وہ عبادت گذار اور قناعت پسند تھے۔ (ایضاً)

وفات:۔

شہر مروروذ میں شوال ۵۱۶ھ میں وفات پائی اور اپنے استاذ قاضی حسین کے مقبرہ کے پاس طالقان میں دفن کیے گئے۔

(۷۱) عالم المغرب حضرت امام قاضی عیاض سبتی رضی اللہ عنہ

ولادت ۴۷۶ھ وفات ۵۴۴ھ

اسم گرامی عیاض کنیت ابوالفضل لقب عالم المغرب سلسلۂ نسب یہ ہے عیاض بن موسیٰ بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض۔ سبتہ کے باشندے تھے ۴۷۶ھ میں ولادت ہوئی۔

خاندانی تعلق یمن کے مشہور قبیلہ جمر سے تھا آپ ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے جو اندلس کا رہنے والا تھا آپ کے دادا وہاں سے فارس چلے گئے پھر سبتہ میں سکونت گزیں ہوئے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۹۶)

تحصیل علم:۔

علم وفن سے طبعی وموروثی لگاؤ تھا۔ بے نظیر ذہانت وذکاوت کے ساتھ آپ نے طلب علم کے میدان میں قدم رکھا تو اکابر علماء وحفاظ وفقہاء کی بارگاہوں سے خوب کسب فیض کیا انہوں نے اپنے ہم وطن علماء سے استفادہ کے بعد ۵۰۷ھ میں اندلس کا سفر کیا اور قرطبہ کے علماء فن سے کسب فیض کیا۔ تحصیل علم کے لیے بلاد مشرق کا بھی سفر کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں: قاضی ابوالولید بن رشد، قاضی ابوعبداللہ بن حمدین، ابومحمد بن عتاب عتابی، محمد بن احمد بن الحاج، ابوعلی بن حسین محمد صدفی، عبداللہ بن محمد بطلیوسی، عبداللہ بن محمد خشتی، ابوعلی حسن بن محمد بن سکرہ، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن بقر بن مخلد، ابوالحسین بن سراج بن عبدالملک، ابومحمد بن عثمان، ہشام بن احمد، قاضی ابوبکر بن عربی، ابو علی حسن بن علی طریف، ابوالقاسم خلف بن ابراہیم بن نحاس، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مسبل، عبدالرحمٰن بن محمد بن عجوز، ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی، ابوحامد محمد بن اسماعیل، سفیان عاص فقیہ، قاضی ابوعبداللہ تمیمی، ابوالولید ہشام بن احمد المعروف بن العواد، ابن مغیث، ابوعلی غسانی، شیخ ابوبکر طرطوسی، خلیص بن عبداللہ، ابوزید بن مثال، ابن السید، ابوزید بن وراق، ابوعبداللہ خولانی، ابوالولید بن طریف، ابوالاصبغ بن عیسیٰ بن ابی البحر شعرینی، ابونصر نہاوندی، ابوطاہر احمد بن محمد سلفی، ابوعبداللہ مازری۔

علم وفضل:۔

وقت کے جلیل القدر فقہاء، محدثین اور اہل ادب کی صحبت اور ان سے استفادہ نے قاضی عیاض کو جامع علوم وفنون بنا دیا تھا۔ وہ حدیث، علوم حدیث، فقہ، تفسیر اور شعر وادب میں یکساں مہارت اور کمال رکھتے تھے۔ آپ کی جامعیت علم، فہم وذکاء اور دانش وبینش کا اعتراف اکابر علمائے اسلام نے کیا ہے۔

❁ ابن خلکان: "کان امام وقتہ فی الحدیث وعلومہ والنحو واللغۃ وکلام العرب وایامہم وانسابہم وصنف التصانیف المفیدۃ" آپ اپنے وقت میں حدیث کے امام تھے اور اس کے متعلقہ علوم کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ علم نحو، علم لغت، کلام عرب اور ان کے ایام اور انساب میں بھی آپ کی معلومات بہت وسیع تھی، اور آپ نے بہت سی مفید کتابیں لکھیں۔

([illegible])

● ابوالقاسم بن بشکوال: " وهو من اهل التفنن فى العلم والذكاء واليقظة والفهم " وہ علوم وفنون کے ماہر، صاحب فراست، بیدار مغز اور دانشمند تھے۔ (ایضاً)

● ابن ابار: " احد ائمة الحفاظ الفقهاء المحدثين الادباء وتواليفه واشعاره شاهدة بذلك " وہ حافظ حدیث، فقہا، محدثین اور ادباء کے امام تھے۔ ان کی کتابیں اور ان کے اشعار اس امر کی گواہ ہیں۔ (ایضاً ص ۲۳۱)

● حافظ ذہبی: " القاضى العلامة عالم المغرب الحافظ ....وحاز من الرياسة فى بلده و من الرفعة مالم يصل اليه احد قط من اهل بلده " عالم مغرب قاضی چوٹی کے عالم اور جلیل القدر حافظ حدیث ہیں۔ آپ کو اپنے شہر میں وہ سیادت اور عظمت حاصل ہوئی جو آپ سے پہلے اس شہر میں رہنے والوں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۶،۹۷)

☆ صاحب معجم: قاضی عیاض کی علمی خدمات متنوع اور گوناگوں ہیں۔ فن حدیث میں ان کا انہماک غیر معمولی اور بے مثال تھا۔ وہ مختلف علوم اور معانی و اصطلاحات کی فہم و معرفت میں یکتا، نظم ونثر، لغت، عربیت وادب کے ماہر تھے۔ درحقیقت ان کی ذات لائق فخر اور سرمایہ کمال تھی اور وہ نہ صرف اندلس بلکہ مغرب کے علماء اور اہل علم کے صدر الصدور تھے۔ (معجم ص ۲۹۶)

علم حدیث:۔

قاضی عیاض کا خاص فن حدیث تھا وہ اس میں بڑا شغف واشتغال رکھتے تھے آپ کو اس فن میں کامل مہارت اور درک تھا۔ وہ علوم حدیث میں بھی خاص بصیرت رکھتے تھے۔ ان کا شمار ناقدین حدیث میں کیا جاتا ہے۔

● ابوالقاسم بن بشکوال: قاضی عیاض طلب علم کے لیے اندلس تشریف لائے تو انہوں نے قرطبہ میں علماء کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا حدیث کی طرف ان کی بہت توجہ تھی اور حدیث کے جمع وضبط کا بڑا اہتمام کرتے تھے وہ علم میں صدیقین کو پہونچے ہوئے تھے اعلٰی درجہ کی ذکاوت وفطانت اور بلند فہم وفراست کے مالک تھے۔ (دائرہ معارف القرآن ج ۶ ص ۷۹۴)

دوسرے اکابر اہل علم کے اقوال وآراء اوپر گذر چکے ہیں جن سے آپ کی بلند پایہ محدثانہ شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز علم حدیث اور کتب حدیث کی شرح آپ کی بصیرت فی الحدیث کی شاہد عدل ہیں۔

تفسیر وفقہ:۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ حدیث اور علوم حدیث میں درجۂ امامت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ علم تفسیر، فقہ وقضا اور اختلافیات میں بھی کمال رکھتے تھے صاحب دیباج کا قول ہے حضرت قاضی عیاض نے علم فقہ ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی اور قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ مسیلی سے حاصل کیا تھا۔ تفسیر اور اس کے متعلقہ علوم وفنون کے عالم، مبصر، فقیہ اور احکام وشرائع کے بڑے واقف کار تھے۔ (الدیباج ص ۱۶۸) فقہ وقضا میں درک وکمال کے باعث ۳۵/ سال کی عمر ہی میں اپنے وطن سبتہ کے برسوں قاضی رہے پھر غرناطہ میں یہ عہدہ تفویض کیا گیا وہاں سے آکر دوبارہ سبتہ کے قاضی ہو گئے اور عرصۂ دراز تک اس عہدہ پر فائز رہے جس کی وجہ سے قاضی آپ کے نام کا جز بن گیا۔

دیگر علوم وفنون:۔

دینی علوم وفنون کے علاوہ وہ نحو، لغت، کلام، انساب، وقائع، شعر وسخن خطابت میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تنہا قاضی عیاض کی ذات میں بیک وقت اتنے علوم وفنون کا جمع ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ انہیں جن علوم پر قدرت کاملہ تھی ان میں سے کسی ایک علم میں کمال حاصل کر لینا ہی کسی عالم کے لیے باعث فخر وامتیاز ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے معاصرین اور بعد کے ارباب سیر وتاریخ نے ان کی علمی جلالت وجامعیت کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔

آپ کے فضل وکمال کی کثرت اور گوناگوں علوم وفنون میں مہارت کی شہرت جلد ہی اکناف واطراف میں پھیل گئی اور لوگوں کا جم غفیر آپ کے گرد طلب علم کے لیے جمع ہونے لگا آپ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے چند اہم نام یہ ہیں: ابو القاسم خلف بن بشکوال، ابو جعفر بن قیصر، عبد اللہ بن احمد، ابو محمد عیسیٰ بن حجری، محمد بن حسن حائزی، حافظ ذہبی۔

تصانیف:۔

قاضی عیاض بلند پایہ مصنف تھے ان کی تصانیف کمیت وکیفیت ہر لحاظ سے اہم ہیں جن سے اسلامی علوم وفنون کے خزانہ میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے حافظ ذہبی لکھتے ہیں "صنف التصانیف اللتی سارت بها الرکبان واشتهر اسمه وبعد صيته ولم يكن احد بسبتة في عصره اكثر تواليفا منه" آپ نے بہترین کتابیں تصنیف کیں جو چاردانگ عالم میں پھیل گئیں اور ان کی وجہ سے آپ کی شہرت اور ناموری کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کے زمانہ میں سبتہ کے

اندر آپ سے زیادہ کتابیں تصنیف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۹۶)

● ابن الآبار: ان کی مفید کتابوں کو نقل کر کے لوگ ان سے خوب فیضیاب ہوئے وہ ہر طبقہ کے لوگوں میں نہایت مقبول ہوئیں۔

(۱) الشفاء بعریف حقوق مصطفےٰ (۲) ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک (۳) کتاب العقیدۃ (۴) شرح حدیث ام زرع (۵) جامع التاریخ (۶) مشارق الانوار فی اقتفاء صحیح الآثار (۷) اکمال العلم فی شرح المسلم (۸) التنبیہات المشبطہ فی شرح کلمات مشکلات والفاظ حلقۃ (۹) الاعلام بحدود قواعد الاسلام (۱۱) الالماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع (۱۲) المعجم فی شرح ابن السکر (۱۳) نظم البرہان علی صحیۃ جزم الاذان (۱۴) مقائد الحسان فی مایلزم الانسان (۱۵) غنیۃ الکاتب بغیۃ الطالب (۱۶) العیون الستۃ فی اخبار سبتۃ (۱۷) الاجوبۃ المحبر ۃ عن الاسئلۃ المحیر ۃ (۱۸) رجوبۃ القرطبیین (۱۹) السیف المسلول علی من سب اصحاب الرسول (۲۰) الصفا تحریر الشفا (۲۱) مصالح الافہام فی شرح الاحکام (۲۲) غریب الشہاب۔

شفاء شریف: یوں تو امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی سبھی کتابیں اہل علم میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی گئیں مگر ان میں جو قبول عام کتاب الشفا بعریف حقوق المصطفےٰ کو حاصل ہوا وہ کسی دوسری کتاب کے نصیب میں نہ آیا بلکہ اس موضوع پر دوسرے مصنفین کی کتابیں اس کی بلندی اور شہرت و مقبولیت تک نہ پہونچ سکیں۔ مصنفین محدثین اور محققین نے اس سے استناد کیا ہے اور بعد کے سیرت نگاروں نے اسے ماخذ بنایا یہ کتاب دلوں کا نور اور ایمان کی رونق ہے۔

اس کتاب کی جدت وندرت ہر طبقہ اور ہر دور میں محبوب رہی اس کے اسلوب نگارش اور دلکشی و دلآویزی کا اعتراف معاصرین اور بعد کے علماء نے کیا ہے۔

● صاحب دیباج: مصنف کی انفرادیت، جدت اور سبقت و تقدم کا شرف مسلم ہے لوگوں نے اس کتاب کی نقل و روایت کر کے اس سے بڑا استفادہ کیا ہے اور شرق و غرب ہر جگہ اس کا غلغلہ بلند ہے۔ (دیباج المذہب ص ۱۷۰)

● صاحب کشف الظنون: یہ نہایت بیش قیمت اور مفید کتاب ہے اس سے پہلے ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور آپ کے جلیل القدر منصب و مقام کو قرآن مجید حدیث نبوی اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں جمع کیا گیا ہے۔

کتاب کی مقبولیت وعظمت کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی

اللہ علیہ وسلم میں قبولیت کا درجہ حاصل ہوا ایک مرتبہ قاضی عیاض کے بھتیجے نے خواب میں دیکھا کہ میرے چچا قاضی عیاض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اس خواب کے دیکھنے سے ان پر دہشت طاری ہوگئی اور طرح طرح کا وہم پیدا ہونے لگا کہ بھلا میرے چچا (قاضی عیاض) کو اتنا بڑا مرتبہ کیوں اور کیسے مل گیا؟ کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مقرب ہو کر ایک ساتھ سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ قاضی عیاض نے اپنے کشف سے بھتیجے کے دل کی کیفیت اور اس کے خطرات کو معلوم کر لیا پھر بھتیجے کو قریب بلا کر بڑی شفقت کے ساتھ فرمایا میرے فرزند! تم میری کتاب شفا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اس کو اپنے عقائد و اعمال میں حجت بناؤ۔ اس کلام میں آپ نے اشارہ فرمادیا کہ یہ مرتبہ اسی کتاب کی بدولت حاصل ہوا۔ (بستان المحدثین ص ۲۲۲) کتاب الشفا کی مدح میں شعراء نے بڑے بڑے قصائد اور نادر قطعات لکھے ہیں:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ غرض اس باب میں جس قدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان سب میں یہ کتاب عجیب اور بہت مقبول واقع ہوئی ہے۔ (بستان المحدثین ص ۲۲۲)

یہ کتاب اسم بامسمّیٰ ہے سلف صالحین فرماتے ہیں اس کا پڑھنا بیماریوں کی شفا اور مشکلات کی گرہوں کے کھولنے میں مجرب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس میں ڈوب جانے اور طاعون کی مصیبتوں سے امان ہے۔

اس کتاب کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اس کی شرحیں، تعلیقات، مختصرات اور دوسری زبانوں میں بکثرت ترجمے لکھے گئے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم: صحیح مسلم کی بڑی مستند اور معتبر شرح ہے متاخرین نے اپنی شرحوں میں اس سے استفادہ کیا ہے۔

مشارق الانوار علی صحاح الآثار:۔

یہ حدیث کی تین اہم کتابوں موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرح ہے اس میں ان کی حدیثوں کے مشکل اور غریب الفاظ کی تحقیق و تشریح معانی و مطالب کی توضیح، راویوں کے ناموں کا ضبط اور ان کے اغلاط و اوہام پر تنبیہ کی گئی ہے۔

سیرت و کردار:۔

قاضی عیاض علم و فضل کے ساتھ مکارم اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز تھے بے حد متواضع

خلیق، اور سادگی پسند واقع ہوئے تھے۔ علمی وجاہت کے باوجود خاکساری کا پیکر تھے۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے " حاز من الرياسة فی بلده ومن الرفعة مالم یصل الیه احد قط من اهل بلده وما زاده ذلک الاتواضعا وخشية لله" ان کے شہر میں ایسی عظیم الشان شہرت کا حامل کوئی نہ تھا مگر اس چیز نے عجب وکبر کے بجائے ان میں عجز وانکسار اور خوف وخشیت الٰہی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۷)

وفات:۔

جمادی الاخریٰ ۵۴۴ھ بروز جمعہ مراکش میں وصال ہوا اور باب ایلان میں دفن کیے گئے۔

(۷۲) حضرت امام قاضی علامہ ابن العربی اشبیلی علیہ الرحمہ

ولادت ۴۶۸ھ وفات ۵۴۳ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابوبکر، عرفیت ابن العربی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن احمد۔ آپ کا نسبی تعلق یمن کے قبیلہ معافر سے تھا جس کی بنا پر معافری کہلائے۔ آپ کی ولادت ۴۶۸ھ میں بمقام اشبیلیہ ہوئی۔ آپ کے والد ابو محمد عبداللہ اشبیلیہ کے ممتاز علماء ورؤسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کی ولادت ۴۳۵ھ ہوئی تھی حافظ ذہبی نے تحریر کیا ہے " کان ابوه من علماء الوزراء فصيحا مفوها شاعرا ماهرا" ابن العربی کے والد اہل علم وزراء میں شمار ہوتے تھے بڑے فصیح اللسان اور قادر الکلام شاعر تھے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۸۵)

عبداللہ اپنی ہمہ گیر علمی شخصیت کی وجہ سے آل عباد سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور اشبیلیہ کے ارباب اقتدار کے درمیان کافی مقبول تھے اور وہ بعض سرکاری عہدوں پر فائز بھی ہوئے مگر جب آل عباد کا زوال شروع ہوا تو اپنے فرزند ابوبکر محمد ابن العربی کو ساتھ لے کر دیار مشرق کا رخ کیا اسی سفر کے دوران ۴۹۳ھ میں مصر کے اندر وفات پائی۔

تحصیل علم:۔

ابوبکر ابن العربی نے اندلس کے مرکزی شہر اشبیلیہ میں آنکھ کھولی تھی اور صاحب علم باپ کی آغوش میں پروان چڑھے تھے انہوں نے کمسنی ہی سے تحصیل علم کا آغاز کر دیا تھا اور اشبیلیہ کے صاحب کمال علماء وفقہاء سے کسب علم کیا۔ ۴۸۵ھ میں جب ان کے والد عبداللہ بلاد مشرق کے سفر پر

روانہ ہوئے تو اپنے ہونہار فرزند ابن العربی کو بھی ساتھ لیا اس تعلق سے ابن العربی کو شام، بغداد، حجاز، مصر اور اسکندریہ کے متقدر شیوخ سے تحصیل علم کا سنہرا موقع ہاتھ آیا۔ آپ نے امام ابو حامد غزالی، علامہ ابو زکریا تبریزی اور فقیہ ابو بکر شاشی سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے بغداد میں ابو عبد اللہ بن طلحہ نعالی، طراد بن محمد زینبی، نصر بن بطر اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے، دمشق میں ابو الفتح نصر بن ابراہیم مقدسی، ابو الفضل بن فرات اور اس طبقہ کے دوسرے افراد سے، اندلس میں اپنے ماموں حسن بن عمر ہوزنی اور ایک دوسری جماعت سے، مصر میں قاضی ابو الحسن خلعی، محمد بن عبد اللہ بن ابی داؤد فارسی اور متعدد دوسرے اشخاص سے اور بیت المقدس میں حافظ کی بن عبد السلام رمیلی سے حدیث کا سماع کیا۔ (ایضاً)

علم و فضل:۔

ابو بکر ابن العربی نے جس ذوق و شوق اور انہماک کے ساتھ علم حاصل کیا تھا اور اپنے عہد کے متبحر ارباب علم و فن کی بارگاہوں میں حاضری دی تھی اس کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے معاصرین میں بلند پایہ عالم بن گئے۔

انہیں علم کے ضبط و اتقان کا کس درجہ خیال تھا اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے کرنا آسان ہوگا۔

"میں جب تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا اس کی پابندی کی کہ جب آب زمزم کا گھونٹ لیتا تو ثبات علم و ایمان کی خواہش دل میں رکھتا چنانچہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر علم وافر کا دروازہ کھول دیا"۔ (بستان المحدثین ص ۲۱۲)

ان کی گوناگوں علمی صلاحیتوں اور فنی بالغ نظری کا اعتراف ملت اسلامیہ کے نامور علما و محققین نے کیا ہے۔

- حافظ ذہبی: " جمع و صنف وبرع فی الادب والبلاغة وبعد صیته" آپ نے بہت علم جمع کیا کتابیں لکھیں، علم و ادب اور بلاغت میں کمال پیدا کیا اور چاردانگ عالم میں شہرت پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۸۷)

ابن خلکان: "کان من اہل التفنن فی العلوم والاستبحار فیہا والجمع لہ [illegible] فی کلہا متکلما فی [illegible] الفذا فی جمعہا حریصا علی ادائہا

ونشرھا ثاقب الذھن فی تمیز الصواب منھا وبجمیع الی ذالک کلہ اداب الاخلاق مع حسن المعاشرت ولین الکنف و کثر الاحتمال وکرم النفس و حسن الاحد وثبات الود"

اہل سیر نے ان کو جامع کمالات تبحر عالم، علوم ومعارف میں مقدم، فنون اور انواع علوم میں بحث کرنے والا اور صحیح اور ثواب کے امتیاز میں ثاقب الذہن قرار دیا ہے۔ ان کے تمام سوانح نگاران کے فضل وکمال پر متفق ہیں۔ صاحب نفح الطیب فرماتے ہیں وہ اصول وفروع میں امام تھے اور فضل وکمال سے متصف تھے۔

حدیث:۔

علم حدیث میں وہ اندلس کے خاتم المحدثین تھے ان کا شمار نامور محدثین کے زمرہ میں ہوتا ہے۔ مورخین اور ارباب سیر نے ان کی توثیق وجلالت اور حفظ وثقاہت پر اتفاق کیا ہے۔

- حافظ ذہبی: "**وادخل الاندلس علماً شریفاً واسناداً منیفاً وکان متبحراً فی العلم ثاقب الذھن عذب العبارة موطا الاکناف کریم الشمائل**" آپ نے شریف ترین علم اور بلند قدر اسناد سے بلاد اندلس کو مالا مال کردیا آپ تبحر عالم اور روشن دماغ مفکر تھے۔ حسن اخلاق اور شیریں گفتاری کی وجہ سے لوگ آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ (ایضاً)

- ابن بشکوال: "**ھو الحافظ المتبحر ختام علماء الاندلس وآخر ائمتھا وحفاظھا**" وہ متبحر حافظ حدیث اور اندلس کے ائمہ اور خاتمة المحدثین میں تھے۔ صاحب دیباج رقمطراز ہیں: "انہوں نے حدیثیں قلمبند کیں اور بڑے وسیع الروایات اور کثیر الخیر تھے"۔ (الدیباج المذہب ص ۲۸۱)

- ابن ناصر الدین: "وہ ثقات واثبات اور مشہور ائمہ میں تھے"

فقہ:۔

ابوبکر ابن العربی بلند مرتبہ فقیہ بھی تھے اصول فقہ اور اختلافیات ائمہ کے ماہر تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں " **کان ابو بکر احد من بلغ رتبہ الاجتھاد فیما قیل**" مشہور ہے کہ قاضی ابوبکر ابن العربی اجتہاد کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۸۸)

فقہی کمال کی بنا پر انہیں اشبیلیہ کا منصب قضا پیش کیا گیا اگرچہ وہ قاضی بننا پسند نہ کرتے تھے مگر چاروناچار یہ منصب قبول کرنا پڑا۔ ابن حزم لکھتے ہیں " **فولی القضاء فمحن و جری**

فی اعارض الامارة فلحق واصبح یتحرک باثاره الالسنة یاتی بما اجراه القدر علیه النوم والسنة وما اراد الاخیرا" انہیں منصب قضا سونپا گیا اور خاص آزمائش میں ڈالا گیا انہوں نے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کیا مگر انہیں قبول کرنا پڑا اسی بنا پر ان کے بارے میں لوگوں کے اندر کئی باتیں مشہور ہو گئیں تاہم ان کے پیش نظر سوائے خیر کے کچھ نہ تھا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۸۸) قرآن وسنت کی روشنی میں منصفانہ فیصلے صادر کرتے۔ وہ عدل کی راہ سے ذرا بھی منحرف نہ ہوئے اور دولت وثروت کا رعب ان پر کبھی حاوی نہ ہو سکا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں " ولی قضاء اشبیلیة فحمدوا جاد السیاسة وکان ذاشدة وسطوة" اشبیلیہ کے منصب قضاء پر فائز ہوئے اور اپنی سیاسی وانتظامی صلاحیت کی وجہ سے بڑا نام پیدا کیا۔ (ایضاً ص ۸۷)

چوں کہ لوگ اس عہدۂ قضا کی وجہ سے آپ پر ناحق زبان درازی کرتے جس کی وجہ سے عہدۂ قضا سے استعفیٰ دے دیا اور ہمہ تن اشاعت علم اور تصنیف وتالیف میں معروف ہو گئے۔

تلامذہ:۔

چوں کہ آپ حدیث وفقہ عربیت وشاعری، اصول فقہ، اور اختلافیات کے زبردست عا تھے اس لیے آپ کے گرد علوم وفنون کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے جمع رہتے۔ آپ نے تحصیل علم کے دوران کچھ دنوں بغداد میں بھی درس حدیث دیا تھا۔ تلامذہ کی تعداد کثیر ہے کچھ نامو تلامذہ یہ ہیں:

عبدالخالق بن احمد یوسفی، ابن صابر دمشقی، قاضی احمد بن خلف اشبیلی، حسن علی قرطبی، ابو بکر محمد بن عبداللہ جد فہری، محمد بن ابراہیم بن فخار، محمد بن یوسف بن سعادہ، محمد بن علی کتانی، محمد بن جا شلبی، مجبہ بن یحییٰ رعیسی، حافظ ابوالقاسم سہیلی، عبدالمنعم بن یحییٰ بن حلوف غرناطی، علی بن احمد بن لبال شریشی، ابوالحسن علی بن احمد شقوری اور احمد بن عمر خزرجی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۸۷)

تصانیف:۔

ابن العربی بلند پایہ مصنف تھے اور انہوں نے مختلف اہم موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ ذہبی لکھتے تھے " وصنف فی الحدیث والفقه والاصول وعلوم القرآن والادب والتفسیر والتواریخ" آپ نے فن حدیث، فقہ، اصول فقہ، علوم قرآن، ادب وتفسیر اور تار میں مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ (ایضاً)

آپ کی گرانقدر مصنفات حسب ذیل ہیں:

(۱) انوار الفجر (۲) کتاب احکام القرآن (۳) کتاب الناسخ والمنسوخ (۴) قانون التاویل (۵) کتاب المشکلین (۶) کتاب شرح حدیث الافک (۷) کتاب شرح حدیث ام زرع (۸) کتاب شرح حدیث جابر فی الشفاعۃ (۹) کتاب الکلام علی مشکل حدیث السحاب والحجاب (۱۰) کتاب السباعیات (۱۱) کتاب المسلسلات (۱۲) کتاب النیرین فی شرح الصحیحین (۳) کتاب ترتیب المسالک (۱۴) کتاب القبس (۱۵) عارضۃ الاحوذی (۱۶) شرح غریب الرسالۃ (۱۷) الانصاف فی مسائل الخلاف (۱۸) تلخیص التلخیص (۱۹) المحصول فی اصول الفقہ (۲۰) کتاب المتکلمین (۲۱) تبیین الصحیح فی تعیین الذبیح (۲۲) تفصیل التفضیل بین التحمید والتہلیل (۲۳) کتاب التوسط فی المعرفۃ لصحۃ الاعتقاد والرد علی من خالف السنۃ من ذوی البدع والالحاد (۲۴) سراج المریدین (۲۵) سراج المہتدین (۲۶) عواصم وقواصم (۲۷) نواہی ودواہی (۲۸) کتاب ملجأۃ المتفقہین الی معرفۃ غوامض النحویین (۲۹) کتاب الرحلۃ (۳۰) کتاب الخلافیات (۳۱) کتاب الامد الاقصیٰ باسماء اللہ الحسنیٰ وصفاتہ العلیٰ (۳۲) کتاب العقد الاکبر للقلب الاصغر (۳۳) کتاب اعیان الاعیان (۳۴) رسالۃ الکافی ان لا دلیل علی النافی (۳۵) کتاب ستر العورۃ (۳۶) کتاب مراقی الزلف۔

انوار الفجر:۔

یہ کتاب ابوبکر ابن العربی کی مبسوط تفسیر ہے جسے انہوں نے بیس سال میں تصنیف کیا جو اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہے شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں "یہ تفسیر اسی زمانہ میں ابویحییٰ ان فارس علی بن یوسف کے کتب خانہ میں اسی جلدوں میں موجود تھی"۔ (بستان المحدثین ص ۲۱۱)

احکام القرآن:۔

یہ ابن العربی کی اہم کتاب ہے جس میں احکام ومسائل سے متعلق آیتوں کی تفسیر خصوصیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ چوں کہ مصنف مالکی مسلک فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے یہ تفسیر مالکی فقہ کا بھرپور دفاع کرتی ہے۔

شروح کتب احادیث:۔

ابوبکر ابن العربی کا خاص میدان حدیث تھا اس لیے انہوں نے متعدد کتب احادیث کی

شرحیں لکھی ہیں جو ان کی حدیث دانی اور بصیرت فی الحدیث کا واضح ثبوت ہیں۔ مؤطا امام مالک کی دو شرحیں (۱) کتاب ترتیب المسالک (۲) کتاب القبس مؤطا کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مؤطا شرائع اسلام میں اول و آخر کتاب ہے ایسی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ہے کیوں کہ امام مالک نے اس کو فروع کے اصول کے لیے تمہید بنایا ہے اور اس میں انہوں نے فقہ کے ایسے اہم اور بڑے اصولوں پر متنبہ کیا ہے جن کی جانب مسائل و فروع میں رجوع کیا جاتا ہے"۔

صحیحین کی شرح میں کتاب النیرین لکھی۔

جامع ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی کے نام سے لکھی۔ یہ جامع ترمذی کی مشہور و مقبول شرح ہے اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ علامہ سیوطی کے زمانہ تک اس کے علاوہ ترمذی کی کوئی مکمل شرح متداول نہ تھی وہ فرماتے ہیں۔ لانعلم انہ شرحہ احد کاملا الا القاضی ابو بکر بن العربی فی کتاب اعرضۃ الاحوذی 'ہم کو ابو بکر ابن العربی کی اعرضۃ الاحوذی کے علاوہ ترمذی کی کسی اور کامل شرح کا علم نہیں۔ (مصر سے یہ مکمل شرح چھپ چکی ہے)

اخلاق و کردار:۔

علم کے ساتھ ان کے اندر عمل صالح اور زہد و ورع کا جذبہ خیر بھی تھا وہ عابد و زاہد اور اخلاق کریمانہ کے حامل تھے۔ شیریں مقالی، حسن خلق اور رحم دلی کی وجہ سے لوگوں میں کافی مقبول تھے ابن خلکان لکھتے ہیں" حسن اخلاق اور عمدہ خصائل و عادات کی وجہ سے وہ لوگوں میں نہایت مقبول اور ہر دلعزیز تھے"۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۲۹۳)

اللہ نے علم و عمل کے ساتھ دنیاوی مال و دولت سے بھی خوب نوازا تھا آپ کا دست کرم نہایت کشادہ تھا جود و سخا کے پیکر تھے لوگوں پر ابر کرم بن کر برستے شہر اشبیلیہ کی فصیل آپ نے اپنے صرفہ تیار کرائی تھی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں "واتسع حالہ و کثرا فضالہ ..... وعلی اشبیلیۃ سو النشاہ من مالہ" آپ کی مالی حالت قابل رشک تھی عوام پر آپ کے ابر کرم کی بارش ہوتی رہتی تھی چنا اشبیلیہ شہر کے گرد اگرد فصیل آپ نے ذاتی مال سے تعمیر کرائی تھی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۸۸)

وفات:۔

وہ ایک سفر میں مراکش سے اشبیلیہ لوٹ رہے تھے کہ فاس کے قریب عدوہ نامی جگہ میں

(۷۳) حضرت تاج الاسلام امام ابو سعد سمعانی رحمۃ اللہ علیہ

۵۰۶ھ - ۵۶۲ھ

اسم گرامی عبد الکریم کنیت ابو سعد، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبد الکریم بن ابی بکر محمد بن ابی مظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار بن احمد بن محمد بن جعفر بن احمد بن عبد الجبار بن فضل بن ربیع بن مسلم بن عبد اللہ بن عبد المجیب تمیمی، سمعانی، مروزی۔ آپ کی ولادت بمقام مرو ۲۱ر شعبان ۵۰۶ھ میں ہوئی۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۰۰)

خاندان:۔

علمی و دینی وجاہت کے لحاظ سے آپ کا خاندان مرو کا بڑا معزز اور محترم خاندان تھا۔ دادا ابو المظفر منصور بن محمد (۴۲۶ھ ۴۸۹ھ) مرو کے عظیم فقیہ اور متبحر عالم تھے۔ آپ نے حلقۂ درس قائم کیا۔ بحیثیت مفتی فتوے صادر کیے اور فقہ شافعی میں مفید کتابیں تصنیف کیں۔ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی آپ نے کتابیں لکھیں۔ جن میں منہاج اہل السنۃ، الانتصار، الرد علی القدریہ، القواطع، البرہان، الاوسط، الاصطلام، تفسیر القرآن مشہور ہیں۔

ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں: "امام عصرہ بلا مدافعۃ اقر لہ بذلک الموافق والمخالف" آپ بلا اختلاف اپنے وقت کے امام تھے اس کا اعتراف مخالف اور موافق سب نے کیا ہے۔ (ایضا)

والد ابو بکر محمد بن منصور سمعانی (۴۶۶ھ ۵۱۰ھ) باپ ہی کی طرح زبردست عالم محدث اور فقیہ تھے۔ دل نشین وعظ کہتے آپ کی عالمانہ عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ حدیثیں بھی اس شان سے املا کرائیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کی بلند پایہ علمی شخصیت کا تعارف ابن خلکان ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

"کان ابوہ محمدا اماما، فاضلا، مناظرا، محدثا فقیہا شافعیا، حافظا ولہ الاملاء الذی لم یسبق الی مثلہ. تکلم علی المتون والاسانید وابان مشکلاتہا ولہ عدۃ تصانیف" ان (ابو سعد سمعانی) کے باپ محمد امام، فاضل، مناظر، محدث، شافعی فقیہ، حافظ حدیث تھے۔ انہوں نے حدیثوں کا ایسا املا کرایا کہ کوئی ان کے مثل نہ ہو سکا۔ حدیث کے متن و سند پر کلام کیا اور ان کی مشکلات کو واضح کیا ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ (ایضا)

آپ کے صاحبزادے تحریر فرماتے ہیں:

"آپ ہوش سنبھالتے ہی عبادت وریاضت اور تحصیل علم میں معروف ہو گئے تھے۔ ادب اور دیگر فنون میں کمال پیدا کیا۔ فن حدیث، معرفت رجال، انساب اور تاریخ میں کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ آپ کے فضل وکمال کے جوہر اس وقت کھلتے جب آپ مجالس وعظ میں تخویف وتبشیر سے پتھروں کے دل پانی کر دیتے۔ آپ کے تقویٰ وپرہیزگاری کا سکہ سلاطین اور اکابر کے دلوں پر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۶۱)

تحصیل علم:۔

امام سمعانی اسی عظیم عالم دین کے فرزند ارجمند تھے جو اپنے بیٹے کو بھی اپنی ہی طرح عظیم محدث، فقیہ، واعظ اور مصنف بنانا چاہتے تھے چنانچہ بچپن ہی سے آپ کی تعلیم وتربیت پر خاص نہج سے توجہ دی گئی۔ جب آپ کی عمر تین سال کی ہوئی تو والد گرامی آپ کو ساتھ لے کر نیشاپور گئے جہاں مشہور محدث شہردیہ کے حلقۂ درس میں شریک کیا اسی طرح وہ اپنے فرزند کو وقت کے اہم محدثین کی خدمت میں لے جاتے۔ سماع حدیث کراتے اور سند بھی دلواتے تھے لیکن ابھی آپ کی عمر ساڑھے تین سال کی ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اگرچہ خاندان میں چچا اور دوسرے افراد آپ کی علمی تربیت کے لیے کافی تھے مگر والد نے بوقت رحلت اپنے رفیق مشہور عالم امام ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد مروزی (م ۵۳۳ھ) کو آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے وصیت فرمائی۔

والد کے وصال کے بعد آپ نے مرو کے شیوخ واساتذہ سے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل کی مگر کم سنی کی وجہ سے دوسرے ملکوں اور شہروں کے سفر کی خاندانی سرپرستوں نے اجازت نہ دی۔ اگرچہ علم حدیث کی تحصیل کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو گیا تھا اور عمر کے ساتھ اس شوق میں اضافہ ہوتا رہا۔ بالآخر ۵۳۰ھ میں جب عمر ۲۴ سال کی ہوئی طلب حدیث کے لیے نیشاپور کا سفر کیا وہاں سے واپسی کے بعد مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک بے شمار شہروں کا سفر کیا جن میں قومس، خراسان، رے، اصفہان، بلاد جبال، عراق، حجاز، موصل، جزیرہ، شام، ماوراء النہر، بخارا، سمرقند اور بلخ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:

"رحل فی طلب العلم والحدیث الی شرق الارض وغربها وشمالها

وما وراء النهر وسائر بلاد خراسان عدة دفعات والی قومس والر

واصبهان و همذان وبلاد الجبال والعراق والحجاز والموصل والجزيرة والشام وغيرها من بلاد اللتي بطول ذكرها ويتعذر حصرها" ۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۰۰)

آپ نے ان علمی رحلات میں جتنے شیوخ اور اساتذہ سے کسب علم کیا اس کی صحیح تعداد معلوم کرنا از بس دشوار ہے بن خلکان لکھتے ہیں " وكان عدة شيوخه تزيد على اربعة آلاف شيخ "ان کے شیوخ کی تعداد چار ہزار سے زائد ہے۔ (ایضاً)

ابن نجار کہتے ہیں " وسمعت من يذكر ان عدد شيوخه سبعة آلاف شيخ وهذا شئ لم يبلغه احد" میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے آپ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد سات ہزار افراد تک پہونچتی تھی اور یہ وہ تعداد ہے کہ آپ کے سوا اتنے شیوخ سے استفادہ کا موقع کسی کو کم ہی ملا ہوگا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۰۷)

کچھ اہم شیوخ و اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

شیخ عبد الغفار بن محمد شیرازی، عبید بن محمد قشیری، ابو منصور محمد بن علی نافلہ کرائی، ابو عبداللہ فراوی، زاہر شحامی، حسین بن عبد الملک خلال، سعید بن ابی الرجاء، ابو بکر محمد بن عبد الباقی انصاری، عمر بن ابراہیم علوی، ابو الفتح مصیصی ۔ (ایضاً)

علم و فضل :۔

امام سمعانی نے جس انہماک، شوق اور دقت نظر سے علوم اسلامی کی تحصیل کی تھی اس کا لازمی نتیجہ اور اثر یہ ہوا کہ آپ مرو کے بے نظیر عالم و محدث ہو گئے ۔ فقہ، حدیث، ادب میں آپ کا پایہ کافی بلند تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"الحافظ البارع العلامة تاج الاسلام ....صاحب التصانيف" حافظ نامی گرامی عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (ایضاً)

۞ حافظ ذہبی: " وكان ذكيا فهما سريع الكتابة مليحا درس وافتى ووعظ واملى وكتب عمن دب ودرج وكان ثقة حافظا حجة واسع الرحلة عدلا دينا جميل السيرة حسن الصحبة كثير المحفوظ" آپ بڑے ذہین اور تیز فہم تھے۔ آپ کی تحریر بہت خوش خط اور خوش نما ہوتی تھی اور لکھنے میں سبک رفتار تھے۔ عرصہ تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی میں مصروف رہے وعظ بھی کیا کرتے تھے اور حدیث کی املا بھی کرایا کرتے تھے آنے جانے

والے مشاہیر سے علمی فوائد لکھ لیا کرتے تھے۔ ثقہ حافظ اور حجت تھے۔ حصول علم کے لیے آپ کے سفر کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ راست گو اور دیانت دار تھے۔ آپ کی سیرت بے داغ تھی۔ دوستوں کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ علم کا وسیع ذخیرہ اپنے قلب ودماغ میں محفوظ رکھتے تھے۔ (ایضاً)

❁ ابن خلکان: "کان ابو سعد واسطة عقد البیت السمعانی وعینهم الباصرة ویدهم الناصرة والیه انتهت ریاستهم وبه کملت سیادتهم" ابو سعد خانوادۂ سمعانی کے علمی سلسلے کی اہم کڑی اور ان کے دیدہ ور فرد اور ان کے معاون دست وبازو تھے۔ اور آپ پر ان لوگوں کی علمی ریاست کا خاتمہ ہو گیا اور آپ کے ذریعہ ان کی علمی سیادت کی تکمیل ہوئی۔ (وفیات ج ۲ ص ۱۰۰)

❁ ابن عساکر: آپ بڑے با اخلاق ملنسار اور عفیف تھے آپ بلا شرکت غیر فقیہ خراسان تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲۰ ص ۴۶۰)

علامہ سبکی: ابو سعد محدث مشرق تھے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۵۹)

حلقۂ درس:۔

ابو سعد سمعانی علم حدیث اور فقہ میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے وہ تحصیل علم کے بعد اپنے والد اور دادا کی علمی قلمرو کے تاجدار بنے۔ حلقۂ درس قائم کیا۔ اہل حاجت کے دینی وعلمی استفسارات کے جوابات دیے، شائقین علم کو اپنے علم سے مالا مال کیا اور لوگوں کے اصلاح اور تزکیۂ باطن کے لیے مجلسوں میں مؤثر وعظ کہے۔ اس طرح آپ کی ذات عوام وخواص کا مرجع بن گئی تھی۔ شیوخ کی طرح تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے یہاں کچھ نامور تلامذہ کے نام تحریر کیے جاتے ہیں۔

صاحب زادے عبد الرحیم مفتی مرو، حافظ ابو القاسم بن عساکر، قاسم بن ابن عساکر، عبد الوہاب بن سکینہ، عبد الغفار بن منجا، ابو روح عبد المعز بن محمد ہروی، ابو الضوء شباب شزیانی، افتخاری عبد المطلب حلبی، ابو الفتح محمد بن محمد صائغ، ابو الفتوح خفاف بغدادی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۰۸)

تصانیف:۔

امام سمعانی بلند مقام صاحب قلم مصنف بھی تھے۔ درس وتدریس، افتاء اور وعظ کی مشغولیات سے جب فارغ ہوئے کتابوں کی تصنیف وتالیف میں اپنا قیمتی وقت صرف کرتے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:

"صنف التصانیف الحسنة الغزیرة الفائدة" انہوں نے عمدہ، مفید کتابیں تصنیف کیں۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۰۰)

حافظ ذہبی نے ۴۷ر کتابوں کا نام تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے۔ اور علامہ یمانی نے ۵۳ر کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں تذییل، تاریخ بغداد، تاریخ مرو، الانساب، التعبیر فی المعجم الکبیر، معجم البلدان، معجم الشیوخ، ادب الطلب، تحفۃ المسافر، عز العزلہ، المناسک، فوائد الموائد، وفیات المتاخرین، الامالی الخمس مائۃ، الامالی، تقدیم الجفان الی الضیفان، الصدق فی الصداقۃ، الربح فی التجارۃ۔

الانساب:۔

یہ امام سمعانی کی بہت اہم اور مشہور کتاب ہے۔ یہ فن انساب لفظیہ کی سب سے پہلی جامع کتاب ہے۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ "ان هذا تصنیف لم یسبق الیه لکان صادقا، ولو زعم انه قد استقصی الانساب لکان بالحق ناطقا" یہ ایسی کتاب ہے کہ اس سے قبل اس طرح کی کوئی تالیف نہیں کی گئی ہے۔ تو اس کا کہنا درست ہوگا اور اگر دعویٰ کرے کہ انہوں نے سارے انساب کو جمع کر دیا ہے تو حق بجانب ہوگا۔ نیز فرمایا کہ مؤلف کتاب نے اس میں ایسی چیزیں پیش کی ہیں جس سے پہلے کے لوگ عاجز رہے اور بعد کے لوگ اب ایسا کر نہیں سکتے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ "امام سمعانی نے اس میں مختلف قسم کے انساب کا ذکر کیا ہے۔ (اللباب فی تہذیب الانساب ۱/۸) خواہ وہ نسبت قبائل اور اس کے فروع کی جانب ہو یا آباو اجداد کی جانب ہو، یا مذاہب اور تحریکات کی جانب ہو یا مقامات و وطن کی جانب ہو یا صنعت و حرفت کی جانب ہو۔ یا صفات و عیوب کی جانب ہو اس طرح سے یہ فن انساب میں ایک حسین گلدستہ ہے"۔ (ایضا)

امام سمعانی کتاب کا سبب تالیف اس طرح بیان کرتے ہیں "میں فن کی تلاش و جستجو میں سرگرداں و حیران رہتا تھا۔ لیکن پیری میں ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ ان نسبتوں اور ان کی حقیقت کے بارے میں ماہرین انساب سے معلومات حاصل کروں اور جو معلومات ملتی تھیں۔ ان کو جمع کرتا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے پیشوا اور استاذ محترم ابو شجاع بسطامی سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان انساب پر ایک منظم مجموعہ تیار کرنے کی ترغیب دلائی تو میں نے ۵۵۰ھ سے مقام سمرقند میں یہ کام کرنا شروع کر دیا"۔ (الانساب للسمعانی ج ۱ ص ۴)

کتاب حروف معجم کی ترتیب پر بڑی مہارت اور دقت نظر سے لکھی گئی ہے۔ ترجمہ میں نسبت

کی وضاحت کے بعد مذکورہ شخص کی حالات وسیرت کا ذکر کیا ہے جس میں صاحب ترجمہ کے اساتذہ وتلامذہ، مولد ووفات کے ساتھ ساتھ علماء کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔

کتاب کی ابتدا میں ایک بسیط مقدمہ تحریر کیا ہے۔ جس میں انساب کی معرفت اور اس کے حصول کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں ترغیب دلائی گئی ہے۔ پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب کا ذکر کیا ہے اس کے بعد ایک فصل بنی ہاشم کے حسب ونسب کے لیے اور ایک فصل قریش کے لیے مختص کیا ہے۔ پھر اہل عرب کے حسب ونسب اور کچھ مشہور قبائل جیسے قحطان، کھلان، قضاعۃ، وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے بعد ازاں اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ (مقدمہ کتاب ج۱ص ۶۳)

کتاب کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے مختصرات بھی تحریر کیے گئے ہیں جن میں علامہ ابن اثیر جزری م ۶۳۰ھ نے اللباب فی تہذیب الانساب میں اس کا اختصار کیا ہے، علامہ قطب الدین محمد بن محمد خیضری شافعی م ۸۹۴ھ نے بھی اپنی کتاب الاکتساب میں اس کا خلاصہ نقل کیا ہے۔

وفات:۔

امام سمعانی کی وفات ان کے وطن مرو ۵۷۶ھ میں ہوئی اور وہاں کی قبرستان "سنجداب" میں سپرد خاک کیے گئے۔

(۷۴) حضرت حافظ کبیر امام ابن عساکر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۴۹۹ھ وفات ۵۷۱ھ

اسم گرامی علی کنیت ابو القاسم سلسلۂ نسب یہ ہے علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی۔ لیکن آپ ابن عساکر کے نام سے مشہور ہیں جو غالباً آپ کے آباء واجداد میں سے کسی کا لقب یا نام تھا۔

حافظ ابن عساکر جب شکم مادر میں تھے تو ان کی ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کو بشارت دی جا رہی ہے کہ وہ ایک ذیشان بچے کو جنم دیں گی۔ آپ کے والد گرامی حسن نے بھی خواب دیکھا کہ تیرے نسب سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سنت رسول ﷺ کو زندہ کرے گا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۴ص ۱۱۹)

ان الہامات کے بعد حافظ ابن عساکر اوائل ۴۹۹ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوئے۔

تحصیل علم:۔

ابن عساکر نے ابتداء میں دمشق کے اندر رہ کر وہاں کے شیوخ وعلماء سے علوم وفنون کی تحصیل کی مگر طلب علم کا بیکراں ذوق انہیں دوسرے اسلامی شہروں کے شیوخ کی درسگاہوں تک کشاں کشاں لے گیا اور انہوں نے تحصیل علم کے لئے بغداد، نیشاپور، مرو، ہرات، کوفہ، مکہ مکرمہ، اصفہان اور مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔

مشہور محدث حافظ سمعانی بیان کرتے ہیں۔

"رحل وتعب وبالغ فی الطلب و جمع مالم یجمعه غیره و اربی علیٰ الاقران" آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور حصول مقصد کے لئے راتوں کی نیند اور دن کا چین اپنے اوپر حرام کرلیا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی اور کے پاس نہیں تھا۔ آپ اپنے معاصرین پر گوئے سبقت لے گئے تھے۔ (ایضاً ص ۱۲۰)

آپ کے فرزند قاسم کا بیان ہے میرے والد (ابن عساکر) کہا کرتے تھے کہ "وہ ایک شیخ کے پاس پڑھ رہے تھے کہ انہوں نے کہا ہم سے پڑھنے کے لئے ابن ابوزبیر آیا تو ہم نے کہا اس جیسے بچے کو ہم نے دیکھا ہی نہیں پھر ابن سمعانی آیا تو ہماری رائے ہوئی کہ ایسا ذہین بچہ بھی ہم نے نہیں دیکھا بعدازاں یہ بچہ (ابن عساکر) آیا تو سچی بات یہ ہے کہ ان جیسا لائق طالب علم بھی ہم نے کبھی نہیں دیکھا"۔ (ایضاً ص ۱۲۱)

ابن عساکر کا ذوق علم اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے شیوخ سے سماع حدیث میں کبھی آسودہ نہ ہوتے بلکہ ان کے اساتذہ ان کی کثرت طلب دیکھ کر اکتا جاتے چنانچہ علامہ ابوالخیر مدرس نظامیہ کا بیان ہے کہ ہمارے شیخ امام فراوی فرماتے تھے کہ ابن عساکر پڑھنے کے لیے آئے تو انہوں نے تین دن میں مجھ سے اتنا زیادہ پڑھا کہ میں اکتا گیا اور قسم کھالی کہ آئندہ اسے نہیں پڑھاؤں گا اور اس پر اپنا دروازہ بند رکھوں گا لیکن دوسرے دن علی الصبح میرے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور آپ کے لئے ایک پیغام لایا ہوں میں نے یہ سن کر مرحبا اور خوش آمدید کہا بولا رات خواب میں مجھے حضور نے حکم دیا ہے کہ فراوی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارے شہر میں ملک شام کا ایک گندم گوں طالب علم میری حدیث پڑھنے کے لئے آیا ہے اس سے اکتاہٹ اور دل تنگی کا مظاہرہ مت کرو، قزوینی کہتے ہیں بخدا اس کے بعد امام فراوی مجلس درس سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک حافظ ابن عساکر اپنا سبق ازخود بند نہ کرتے۔ (ایضاً ص ۱۲۰)

شیوخ :۔

زندگی کا ایک طویل حصہ علماء و مشائخ سے شرف تلمذ میں گذار دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت ہے آپ نے اپنی معجم میں جن شیوخ کے تراجم لکھے ہیں ان میں ۱۳۴۶/ ایسے مشائخ ہیں جن سے آپ نے حدیث پڑھی ہے اور ۲۹۰/ ایسے ہیں جنہوں نے آپ کو درس و تدریس کی اجازت دی ہے اساتذہ کی اس طویل فہرست میں ۸۰/ خواتین معلمات ہیں جن سے آپ نے علم حاصل کیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۵۵۶)

چند اہم شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابو القاسم نسیب، قوام بن زید، سبیع بن قیراط، ابو طاہر حنائی، ابو الحسن بن موازینی، ابو القاسم بن حصین، ابو الحسین دینوری، ابو العز بن کادش، ابو غالب بن بناء، ابو عبد اللہ بارع، قاضی مرستان، عبد اللہ بن محمد غزال، عمر بن ابراہیم زیدی، ابو عبد اللہ فراوی، ہبۃ اللہ بن سبیدی، عبد المنعم بن قشیری، یوسف بن ایوب زاہد ہمدانی، تمیم بن ابو سعید جرجانی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۱۹)

علم و فضل :۔

حافظ ابن عساکر علمی لحاظ سے اپنے اقران و معاصرین ہی پر برتری نہیں رکھتے تھے بلکہ ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی ایسی عظیم ہستیاں مشکل ہی سے نظر آتی ہیں۔ یوں تو وہ تمام علوم میں یکساں مہارت رکھتے تھے مگر حدیث اور تاریخ میں ان کی نظیر نہ تھی علماء اسلام نے آپ کے علمی مرتبہ کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

● **حافظ سمعانی:** ابو القاسم حافظ ثقة متقن دين خير حسن السمت جمع بين معرفة المتن والاسناد وكان كثير العلم غزير الفضل صحيح القراة متثبتاً۔ ابو القاسم ابن عساکر حافظ حدیث، ثقہ متمکن، دیندار نیک اطوار اور بلند اخلاق تھے متن اور اسناد کو خوب جانتے تھے علم و فضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے حدیث کی قراۃ بڑے دل نشین انداز سے کرتے تھے۔ (ایضاً)

● **سعد الخیر:** ما رایت فی سن ابن عساکر مثله، میں نے ابن عساکر کے زمانہ میں کسی کو اس کا نظیر نہیں پایا۔ (ایضاً)

● **ابو المواہب ابن صصری:** لما دخلت همدان قال لي الحافظ انا اعلم انه لا

يساجل الحافظ ابا القاسم في شانه احد فلو خالق الناس وما زحهم كما ضح اذا الاجتماع عليه الموافق والمخالف، جب میں بسلسلہ تعلیم حافظ ابو العلاء کی خدمت میں ہمدان آیا تو انہوں نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ آج فن حدیث میں کوئی شخص حافظ ابو القاسم ابن عساکر کا مقابلہ نہیں کرسکتا اگر وہ میری طرح لوگوں سے ملتے جلتے اور ان سے راہ و رسم پیدا کرتے تو سب موافق و مخالف ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ (ایضاً)

پھر فرمایا: ما كان يسمى اباالقاسم الاشعلة نار ببغداد من ذكائه وتوقده و حسن ادراكه، روشن دماغی، حسن فہم، اور خداداد ذکاوت کی وجہ سے ابو القاسم ابن عساکر بغداد میں "شعلة النار" کے لقب سے مشہور تھے۔ (ایضاً)

حافظ ابو محمد منذری کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ حافظ ابو الحسن علی بن مفضل سے ان چار ہم عصر حفاظ حدیث کے بارے میں پوچھا کہ ان میں سے بڑا حافظ حدیث کون ہے؟ بولے وہ کون ہیں؟ میں نے کہا حافظ ابن ناصر اور حافظ ابن عساکر؟ فرمایا عساکر، میں نے کہا حافظ ابو موسیٰ مدینی اور ابن عساکر؟ بولے ابن عساکر، میں نے کہا حافظ ابو طاہر سلفی اور ابن عساکر فرمایا سلفی تو میرے استاذ ہیں۔ میں (حافظ منذری) کہتا ہوں انہوں نے ابن عساکر کی فضیلت کو بصراحت ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اپنے شیخ کی بحیثیت شیخ ہونے کے فضیلت بیان کر کے ان کی افضلیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر جب سلفی سے جو ایک متبحر عالم ہیں حفظ حدیث میں حافظ ابو موسیٰ بڑھے ہوئے ہیں تو حافظ ابن عساکر کا ان پر فوقیت رکھنا ظاہر ہے (ایضاً)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں "وكان شيخنا ابو الحجاج يميل الى ان ابن عساكر ما راى حافظا مثل نفسه" ہمارے شیخ ابو الحجاج مزی کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ حافظ ابن عساکر نے اپنے جیسا کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ (ایضا)

- حافظ عبدالقادر: "ما رأيت احفظ من ابن عساكر" میں نے ابن عساکر سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضا)
- ابن نجار: "ابو القاسم امام المحدثين في وقته انتهت اليه الرياسة في الحفظ والاتقان والنقل والمعرفة التامة وبه ختم هذا الشان" ابو القاسم اپنے زمانہ میں امام المحدثین تھے حفظ و اتقان اور ثقاہت و معرفت ان پر ختم تھی اور علم حدیث کا بھی ان پر خاتمہ ہو گیا۔ (ایضا)

امام نووی کہتے ہیں آپ حافظ شام ہی نہیں بلکہ حافظ الدنیا تھے۔ امام سبکی نے آپ کو امام اہل الحدیث فی زمانہ، ختام الجہابذہ الحفاظ اور بحرلا ساحل لہ کے خطاب سے نوازا ہے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۷۴)

حلقۂ درس حدیث:۔

حافظ ابن عساکر اپنی علمی عظمت وجلالت کے باوجود عرصۂ دراز تک گوشہ نشین ہی رہے اور پوری یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف میں لگے رہے ابتداء میں ان کا خیال تھا کہ حلقۂ درس قائم کرنا ریاونمود کے مترادف ہے مگر جب خدا کو منظور ہوا تو ان کے دل میں درس حدیث کا مبارک خیال پیدا ہوا وہ خود فرماتے ہیں:

''جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے انداز ذخیرہ جمع کیا ہے اسے کب بیان کروں گا۔ میں اسے کاغذات میں جمع چھوڑ گیا تو اس تمام جانکاہی اور مشقت سے کیا حاصل؟ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اپنے چوٹی کے اساتذہ سے اجازت طلب کی اور گھوم پھر کر اعیان شہر سے مشورہ کیا تو سب نے بیک زبان کہا اس کام کو سرانجام دینے کے لیے تم سے زیادہ مستحق کون ہے؟ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۳۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کر دیا''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۳)

آپ کا حلقۂ درس مسجد میں قائم ہوتا اور لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر حدیث نبوی کا سماع کرتے۔ عام شائقین علم حدیث کا ذکر ہی کیا ہے علماء بھی شریک درس ہوتے اور مشائخ اپنے طلبہ کو آپ سے طلب علم کے لیے بھیجتے۔ چنانچہ تاج المسعودی کا بیان ہے میں نے ابوالعلاء ہمدانی کے بارے میں سنا کہ وہ ایک طالب علم سے کہہ رہے تھے جس نے ان سے (کسی اور استاذ سے طلب علم کے لیے) سفر کی اجازت مانگی اگر تو کسی کو مجھ سے افضل سمجھتا ہے تو اس کی طرف ابھی سفر کرنے کی اجازت دیتا ہوں '' ان تسافر الیٰ ابن عساکر فانہ حافظ کما یجب'' ہاں حافظ ابن عساکر کے پاس جانا چاہو تو وہ بیشک ایسے حافظ حدیث ہیں جیسا کہ ہونا چاہیے۔ (ایضاً)

تلامذہ:۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ مشہور محدث معمر بن فاخر، ابوالعلاء

ہمدانی، ابوسعد سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم ابو جعفر قرطبی، ابوالبرکات ابن عساکر، ان کے بھائی شیخ فخر الدین، ان کے بھتیجے عز الدین نسابہ، حافظ عبدالقادر رہاوی، ابوالقاسم بن صصری، یوسف بن محمد فاروقی، ابونصر شیرازی، محمد بن اخی ابی البیان، ابواسحاق ابراہیم بن خشوعی، ان کے بھائی عبدالعزیز، یونس بن منصور سقبانی، محمد بن رومی جردانی، محمد بن غسان حمصی، مسلم بن احمد مارنی، ذاکراللہ شعیری، عبدالرحمٰن بن راشد بیت سوائی، عمر بن عبدالوہاب بن براذعی، عتیق سلمانی، شیخ بہاء الدین علی بن حمیزی، رشیدالدین بن مسلمہ، سدیدالدین مکی بن علان اور دوسرے بہت سے لوگوں نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا ہے۔ (ایضاً)

تصانیف:۔

آپ شہرۂ آفاق مصنف ہیں اور آپ نے بڑی اور چھوٹی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ان میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں:

(۱) تاریخ دمشق ۸۰ جلد (۲) موافقات ۶ جلد (۳) الاطراف الاربعہ ۴ جلد (۴) عوالی مالک ۵۰/ اجزاء (۵) غرائب مالک ۱۰/ اجزاء (۶) المعجم ۱/ جلد (۷) مناقب شبان ۱۵/ اجزاء (۸) فضل اصحاب الحدیث (۹) اسباعیات ۷/ اجزاء (۱۰) تبیین کذب المفتری ۱/ جلد (۱۱) فضل الجمعہ ۴/ اجزاء (۱۲) الاربعین الطوال ۳/ اجزاء (۱۳) عوامی شعبہ ۱/ جلد (۱۴) الزہادۃ فی الشہادۃ (۱۵) عوالی الثوری (۱۶) اربعی الجہاد (۱۷) اربعی البلدان (۱۸) اربعی المساواۃ (۱۹) مسند اہل داریا (۲۰) من وافقت کنیتہ کنیۃ زوجتہ (۲۱) شیوخ النبل (۲۲) حدیث اہل صنعاء الشام (۲۳) حدیث اہل البلاط (۲۴) فضل عاشورہ ۳/ اجزاء (۲۵) کتاب الزلازل ۳/ اجزاء (۲۶) المصاب بالولد ۲/ اجزاء (۲۷) قبض العلم (۲۸) فضل مکہ (۲۹) فضل المدینہ (۳۰) فضل القدس (۳۱) فضل عسقلان (۳۲) تاریخ المزہ (۳۳) فضل الربوۃ (۳۴) فضل مقام ابراہیم (۳۵) جزأ الحمیر عین (۳۶) جزء کفر سوسیہ (۳۷) جزء کفربطنا (۳۸) جزء المنیحہ (۳۹) سعد (۴۰) عدۃ اجزاء القریٰ (۴۱) جزء حدیث الہبوط (۴۲) الجواہر فی الابدال ۳/ اجزاء۔

ان کے علاوہ آپ نے ابواب العلم میں ۴۰۸/ مجلسیں املا کرائیں، تخریج احادیث میں چند کتب (اربعین المصافحات، اربعین المساواۃ، کتاب الابدال) (ایضاً)

تاریخ دمشق:۔

دمشق شام کا انتہائی قدیم سرسبز و شاداب شہر ہے اسلام سے پہلے یہ شہر انبیاء و رسل کا مرکز رہا ہے۔ اسلام کے بعد علماء و محدثین کا گہوارہ تھا بالخصوص زوال بغداد کے بعد یہ شہر بہت بڑا علمی مرکز بن گیا یہاں بڑے بڑے علماء و محدثین پیدا ہوئے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنے وطن کو اپنی تاریخ کا موضوع بنایا اور انتہائی مبسوط تاریخ لکھی جو اسی جلدوں پر مشتمل ہے جس کے اوراق کی مجموعی تعداد سولہ ہزار ہے۔ اس کتاب میں مولف نے ان اشخاص کا تذکرہ کیا ہے جو دمشق میں پیدا ہوئے یا اس کو وطن بنایا یا اس علاقہ سے ان کا گزر ہوا۔ ان میں انبیاء و رسل، خلفاء و امراء، سلاطین و حکام، علماء و محدثین، قضاۃ و فقہاء، ادباء و شعراء اور دیگر اہل علم و فن شامل ہیں۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ رجال و محدثین کے بارے میں ضعیف و ثقہ کی وضاحت کر دی ہے ائمہ کے اقوال جرح و تعدیل سے استشہاد بھی کیا ہے۔ (مقدمہ تہذیب تاریخ دمشق ۱۲/۱۰) اس کتاب کو مولف نے تاریخ بغداد کے طریقہ پر تصنیف کیا ہے مگر یہ اس سے وسیع ہے۔

علماء اسلام نے اس کتاب کو بہت سراہا ہے۔

❁ علامہ کتانی: "وقد قالوا انه یقصر العمر عن ان یجمع الانسان فیه مثل هذا الکتاب" انسان کے لیے اس جیسی کتاب لکھنے کو بڑی عمر درکار ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ ص۹۹)

❁ حاجی خلیفہ: "ذکر تراجم الاعیان والرواۃ ومرویاتهم علیٰ نسق تاریخ بغداد ولکنه اعظم منه حجماً" اس کتاب میں علماء اور اعیان کے تذکرے جمع کیے اور راویوں اور ان کی مرویات کا ذکر کیا تاریخ بغداد کے طریقہ پر مگر یہ حجم کے اعتبار سے اس سے بڑی ہے۔ (کشف الظنون ۱/۲۹۴)

یہ کتاب اپنی گوناگوں خصوصیت کی بنا پر علماء کی توجہ کا مرکز بنی رہی مختلف حضرات نے اس کی تہذیب اور اختصار کیا کچھ حضرات نے اس کی تکمیل و تذییل کی۔

زہد و عبادت:۔

حافظ ابن عساکر بڑے متقی عابد و زاہد محدث تھے وہ تعلیمی مشاغل کے علاوہ اوقات نوافل [illegible]

"میرے والد ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ قرآن حکیم سے اتنی محبت تھی کہ رمضان المبارک میں روزانہ اور باقی مہینوں میں ہر جمعہ کو ایک مرتبہ ختم کرتے تھے۔ مسجد دمشق کے مشرقی مینار میں اعتکاف کیا کرتے تھے نفل بکثرت پڑھتے اور باقی وقت ذکر واذکار میں گزارتے تھے۔ نصف شعبان اور عیدین کی راتیں خاص طور پر ذکر الٰہی عبادت اور صلوٰۃ ومناجات میں بسر ہوتی تھیں اگر کوئی لمحہ ضائع ہوجاتا تو اس پر اپنے نفس کا سختی کے ساتھ محاسبہ کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۲)

ابوالمواہب فرماتے ہیں: "آپ ہمیشہ بلاعذر پہلی صف میں نماز ادا کرتے اور رمضان المبارک اور عشرۂ ذی الحجہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ املاک کے حصول اور عالیشان مکانات کی تعمیر سے بے نیاز تھے ان چیزوں کو آپ نے دل سے بھلادیا تھا۔ امامت، خطابت اور اس قسم کے دوسرے عہدوں کی بھی خواہش نہیں کی اور اگر کسی نے پیش کش کی بھی تو اس کو مسترد کردیا۔ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا اور حق بات کہنے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۳۳)

وفات: ۱۱ر رجب المرجب ۵۷۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۷۵) حضرت امام عبدالرحمٰن بن علی ابن جوزی رضی اللہ عنہ

۵۰۸ھ رمضان ۵۹۷ھ

اسم گرامی عبدالرحمٰن، کنیت ابوالفرج، لقب جمال الدین۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبدالرحمٰن بن ابی الحسن بن علی بن محمد آگے چل کر سلسلۂ نسب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے جس کی بنا پر قریشی تیمی کہلاتے ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ نے شہر واسط میں اپنے گھر کے اندر اخروٹ (جوز) کا درخت لگایا تھا اور پورے علاقہ میں صرف انہیں کے گھر میں یہ درخت تھا اس لیے یہ درخت آپ کی شناخت بن گیا اور جوزی کے لقب سے مشہور ہوئے اور آپ کی اولاد ابن جوزی کہلائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۱)

آپ کی ولادت عروس البلاد بغداد میں ۵۰۸ھ میں ہوئی تین ہی سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پھوپھی نے تربیت کی۔

تحصیل علم:۔

علامہ ابن جوزی نے اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علمی مرکز بغداد میں آنکھ کھولی تھی

جہاں کا ذرہ ذرہ علم وفن کی شعاعوں سے رشک مہ و نجوم بنا ہوا تھا۔ ابھی کم سن ہی تھے کہ پھوپھی نے مشہور محدث ابن ناصر کے پاس بیٹھا دیا۔ چنانچہ ان سے قرآن مجید حفظ کیا، احادیث کی سماعت کی اور فن تجوید و قرأت میں مہارت پیدا کی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور علم کا وسیع ذخیرہ آپ کے قلب و دماغ میں اتار دیا۔ ابن ناصر کے علاوہ آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور محدثین و فقہاء کی بارگاہوں سے خوب خوب کسب علم کیا۔ قدرت نے علمی استعداد کے ساتھ بے پناہ ذوق تحصیل علم بھی عطا فرمایا تھا۔ سلیم الطبعی اور متانت کا یہ حال تھا کہ کمسنی میں بھی عام بچوں کے برخلاف کھیل کود سے سروکار نہیں رہتا۔ وہ اپنے علمی انہماک، جہد فی العلم کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

’’میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا بڑی عمر کے طلبہ میرے ہم درس تھے مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں یا زور سے ہنسا ہوں۔ سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے کے میدان میں چلا جایا کرتا تھا وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے کسی محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا وہ حدیث و سیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی پھر گھر جا کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔ میں اساتذہ و شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی صبح اور شام اس طرح گذرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق کی احسان مندی سے بچایا ہے۔ (لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد ص ۸۱)

زمانہ طالب علمی ہی سے ابن جوزی کا تنقیدی شعور بیدار تھا چنانچہ وہ ہر شخص سے علم وفن کا درس لینا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ہر فن میں جو مختار و معروف اشخاص ہوتے انہیں سے علم حاصل کرتے۔ ان کے اہم شیوخ حسب ذیل ہیں:

ابوالقاسم بن حصین، علی بن عبدالواحد دینوری، ابوعبداللہ حسین بن محمد بارع، ابوالسعادات احمد بن احمد متوکلی، اسماعیل بن ابی صالح موذن، فقیہ ابوالحسن بن زاغونی، ہبۃ اللہ بن طبر، ابوغالب بن بناء، ابوبکر محمد بن حسین مرزفی، ابوغالب محمد بن حسن ماوردی، خطیب اصفہان ابوالقاسم عبداللہ بن محمد، ابن سمرقندی، ابوالوقت سجزی، ابن ناصر۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۲)

علم و فضل:۔

علامہ ابن جوزی نے صرف اساتذہ کی بارگاہوں سے علم حاصل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ وہ زندگی کے آخری ایام تک طالب علم ہی رہے اور وہ کبھی علم کی موج کوثر سے آسودہ نہ ہوئے۔ کتابوں کا مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا جو زمانہ طالب علمی سے لے کر عمر کے آخری لمحات تک برابر جاری رہا۔ اور وہ کسی ایک فن تک محدود نہ رہے بلکہ بغداد میں موجود بڑے بڑے کتب خانوں کی ہر علم و فن پر مشتمل کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔ خود لکھتے ہیں: میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت مطالعوں سے کسی طرح سیر نہ ہوتی، جب کسی نئی کتاب پر نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دفینہ ہاتھ آ گیا۔ اگر میں کہوں کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات و اخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوت حافظہ، ذوق عبادت اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ (صید الخاطر ص۲۶۶)

اس وسیع مطالعہ نے ابن جوزی کو تمام علوم و فنون کا جامع بنا دیا تھا اور تنہا ان کی ذات میں تمام علمی و دینی محامد و محاسن جمع ہو گئے تھے۔ آپ کے شمائل و خصائل تبحر علمی اور پر کشش شخصیت کا تذکرہ موفق عبداللطیف اس طرح کرتے ہیں:

"کان ابن الجوزی لطیف الشمائل حلو الصورة رخیم النغمة موزون الحرکات والنغمات لذیذ المفاکهة یحضر مجلسه مائة الف او یزیدون لا یضیع من زمانه شیئا یکتب فی الیوم اربعة کراریس وله فی کل علم مشارکة له ولکنه کان فی التفسیر من الاعیان وفی الحدیث من الحفاظ وفی التاریخ من المتوسعین ولدیه فقه واما السمع الواعظی فله فیه ملکة قویة"

امام ابن جوزی خوبصورت خوش اطوار اور سریلی آواز کے حامل تھے حرکات و نغمات موزوں ظرافت اور خوش طبعی میں دل پسند تھے آپ کی مجلس وعظ میں ایک ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ لوگ حاضر ہوتے تھے۔ آپ اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرتے تھے ہر روز چار کراسے (رسائل) لکھنا آپ کا معمول تھا۔ آپ کو ہر علم میں درک حاصل تھا لیکن تفسیر میں چوٹی کے مفسر، حدیث میں جلیل القدر حافظ، تاریخ میں کثیر المطالعہ مورخ تھے۔ فقہ میں بھی آپ کے معلومات قابل اعتماد تھے

بوقت وعظ مسجع کلام کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص ۴۷، ۱۳۶)

علامہ ابن جوزی حدیث میں ممتاز مقام رکھتے تھے انہیں جرح ونقد رجال کا ملکہ حاصل تھا اس باب میں ان کی ناقدانہ بصیرت بے نظیر تھی وہ خود کہا کرتے تھے۔ "میں ہر حدیث کے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال ہے"۔

حافظ شمس الدین ذہبی آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں "الامام العلامة الحافظ عالم العراق و واعظ الآفاق ....الواعظ المفسر صاحب التصانيف السائرة فی فنون العلم" امام علامہ جلیل القدر حافظ حدیث عالم عراق اور واعظ آفاق ہیں، واعظ نامدار اور مفسر بے بدل تھے مختلف علوم وفنون میں آپ نے ایسی عظیم الشان اور پر مغز کتابیں تصنیف کیں جو چار دانگ عالم میں پھیل گئیں۔ (ایضاً)

❁ ابن خلکان: "كان علامة عصره و امام وقته فی الحديث وصناعة الوعظ صنف فی فنون عديدة" وہ اپنے زمانہ کے ممتاز عالم اور حدیث ووعظ میں وقت کے امام تھے۔ اور انہوں نے متعدد فنون میں کتابیں تحریر کیں۔ (وفیات الاعیان ج۳ ص ۶۷)

تلامذہ:۔

علامہ ابن جوزی کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے چند مشاہیر تلامذہ کے نام تحریر کیے جاتے ہیں:

محی الدین بن علامہ ابن جوزی، شمس الدین یوسف بن فرغلی بن علامہ ابن جوزی، حافظ عبدالغنی، ابن دبیثی، ابن نجار، ابن خلیل، تقی یلدانی، ابن عبدالدائم، نجیب، عبداللطیف، شیخ شمس الدین بن ابوعمر فخر علی، احمد بن سلام حداد، قطب احمد عبدالسلام عصرونی، خضر بن حمویہ جوینی۔ (تذکرہ ج۴ ص ۱۳۶)

تصانیف:۔

علامہ ابن جوزی ایک بالغ نظر، متبحر عالم اور مصلح امت ہونے کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے انہوں نے گوناگوں موضوعات پر بڑی اہم اور مفید کتابیں تحریر کی ہیں۔ اوپر موفق عبداللطیف کا بیان گزر چکا ہے کہ وہ ہر روز چار رسالے بلا ناغہ لکھا کرتے تھے۔ ان کا یہ تصنیفی عمل ابتداء ہی سے جاری تھا اس لیے ان کی تصانیف اتنی کثیر ہو گئیں جن کا اندازہ دو ہزار [illegible] ہے "میں نے دادا جان سے سنا وہ کہتے تھے " کھت

باصبعی الفی مجلد" میں نے اپنے قلم سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں"۔ (ایضا ص ۱۳۴)

انہوں نے اس قدر احادیث اور دیگر موضوعات پر کتابیں اپنے ہاتھ سے قلمبند کیں ارباب سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے بوقت وصال وصیت فرمائی کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور برادے سے گرم کیا جائے جو حدیث کے لکھنے کے لیے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، چنانچہ وفات کے بعد ان کے قلم کے کترن سے پانی گرم کیا گیا وہ اتنا تھا کہ پانی بھی گرم ہو گیا اور وہ بچ رہا۔ (ابن خلکان ص ۳۹۵)

اسلاف واخلاف میں ان سے زیادہ کسی نے کتابیں تصنیف نہیں کیں۔

● حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "ماعلمت احدا من العلماء صنف ما صنف هذا الرجل" میرے علم میں جتنی کتابیں آپ نے تحریر کی ہیں کسی دوسرے نے نہیں لکھیں۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۳۴)

کچھ اہم کتابیں یہ ہیں:

(۱) المغنی فی علوم القرآن (۲) زاد المسیر ۴/جلد (۳) تذکرۃ الاریب فی اللغۃ (۴) الوجوہ والنظائر ۱/جلد (۵) فنون الافنان ۱/جلد (۶) جامع المسانید ۷/جلد (۷) الحدائق ۲/جلد (۸) نقی النقل ایک ضخیم جلد (۹) عیون الحکایات ۲/جلد (۱۰) التحقیق فی مسائل الخلاف ۲/جلد (۱۱) مشکل الصحاح ۴/جلد (۱۲) الموضوعات ۲/جلد (۱۳) الواہیات ۳/جلد (۱۴) الضعفاء ایک جلد (۱۵) تلقیح فہوم الاثر ایک جلد (۱۶) المنتظم فی التاریخ ۱۰/جلد (۱۷) المذہب فی المذہب ایک جلد (۱۸) الاشعار فی مذاہب الاختلاف ۲/جلد (۱۹) المواقیت فی الخطب الوعظیہ (۲۰) نسیم السحر ایک جلد (۲۱) المنتخب ایک جلد (۲۲) المدہش فی المحاضرہ ایک جلد (۲۳) صفوۃ الصفوۃ ۴/جلد (۲۴) اخبار الاخیار ایک جلد (۲۵) اخبار النساء ایک جلد (۲۶) مثیر الغرام الساکن الی شرف الاماکن (۲۷) المقعد المقیم ایک جلد (۲۸) ذم الہویٰ ایک جلد (۲۹) تلبیس ابلیس ایک جلد (۳۰) صید الخاطر ۳/جلد (۳۱) الاذکیاء ایک جلد (۳۲) المغفلین ایک جلد (۳۳) منافع الطب ایک جلد (۳۴) صبا نجد ایک جلد (۳۵) المزعج ایک جلد (۳۶) المطرب ایک جلد (۳۷) الملہب ایک جلد (۳۸) منتہی المشتہی ایک جلد (۳۹) فنون الالباب ایک جلد (۴۰) الظرفاء ایک جلد (۴۱) صلوٰۃ الاخران ایک جلد (۴۲) منہاج القاصدین ۲ جلد (۴۳) الوفاء بفضائل المصطفےٰ ۲/جلد (۴۴) مناقب الصدیق ۱/جلد (۴۵) مناقب عمر ایک جلد (۴۶) مناقب علی ایک جلد (۴۷) مناقب عمر بن عبدالعزیز ایک جلد (۴۸) مناقب سعید بن مسیب ایک جلد (۴۹) مناقب الحسن ۲/جز (۵۰) مناقب الثوری ایک جلد (۵۱) مناقب احمد ایک جلد (۵۲)

مناقب الشافعی ایک جلد (۵۳) مناقب جماعہ متعدد اجزاء (۵۴) موافق المرافق ایک جلد۔ ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جن کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ (ایضاً)

الموضوعات:۔

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کے اندران موضوع احادیث پر فنی نقطۂ نظر سے جرح ونقد کی گئی ہے جن کے سہارے اہل ہوئی افراد اپنے باطل مزعومات ثابت کرتے تھے۔ اس کتاب میں انہوں نے موضوع احادیث کے اسقام کو واضح کیا ہے جو فن حدیث میں آپ کی بصیرت اور درک کا واضح ثبوت ہے۔

تلبیس ابلیس:۔

یہ کتاب ابن جوزی کی ناقدانہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے مسلم معاشرہ کے اندر در آنے والے مفاسد کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا ہے اور مسلم سماج کے ہر طبقہ کی بے اعتدالیوں پر کڑی تنقید کی ہے اور سنت وشریعت کی منہاج پر چلنے کی دعوت دی ہے۔ مسلم سوسائٹی کے اندر اخلاقی ذمائم اور نفسانی خواہشات کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو پوری جرأت کے ساتھ روکنے کی کوشش کی ہے۔

المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:

علامہ ابن جوزی فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے تھے اور وہ علماء کو فن تاریخ سیکھنے و تاریخی معلومات وثوق کے ساتھ جمع کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

''فقیہ کو چاہیے کہ ہر فن کے ضروری حصہ سے واقف ہو، تاریخ ہو یا حدیث، لغت ہو یا دوسرا فن اس لیے کہ فقہ تمام علوم کا محتاج ہے اس لیے ہر فن کے ضروری حصہ سے اس کو واقف ہونا چاہیے''۔

المنتظم فی تاریخ الملوک والامم فن تاریخ میں آپ کی ایک مبسوط کتاب ہے جو ۱۰ جلدوں میں ہے جو ابتدائے اسلام سے لے کر ۵۷۴ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ جس میں وہ پہلے سن لکھتے ہیں پھر اس سن کے اہم واقعات وحالات کا تذکرہ کرتے ہیں پھر اس سن میں جن ممتاز ہستیوں کا انتقال ہوا ہے ان کے حالات بیان کرتے ہیں اس طرح یہ کتاب حالات وتذکرہ دونوں کی جامع تاریخ ہے۔

ذوق عبادت اور تقویٰ:۔

علامہ ابن جوزی علم وفضل کے ساتھ زہد وپارسائی اور عبادت حق میں بھی یگانہ روزگار تھے

وہ مطالعہ اور تدریس کے علاوہ اوقات عبادت میں بسر کرتے تھے زہد وورع ان کی کتاب زندگی کا درخشاں باب تھا وہ شب بیدار رہتے تھے اور اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے ان کے نواسے ابوالمظفر کہتے ہیں۔ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا بچپن میں کسی بچے کے ساتھ نہیں کھیلے کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی ساری عمر یہی حال رہا۔

حلقۂ درس ووعظ:۔

علامہ ابن جوزی نے صرف اپنی ذات کو علم وفضل اور صلاح وتقویٰ کے زیور سے آراستہ نہیں کیا بلکہ وہ اپنے گرد و پیش کی مسلم سوسائٹی کو بھی دانش وآگہی سے مالا مال اور اوصاف حمیدہ سے معمور کرنا چاہتے تھے۔ قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے انہوں نے ایک وسیع حلقۂ درس قائم کیا اور ساتھ ہی ساتھ عوام وخواص کی اصلاح باطن اور تزکیہ نفوس کے عمل کو بڑھانے کے لیے وعظ ونصیحت کی مجلسیں بھی قائم کیں جن میں وہ سادہ اور موثر اسلوب بیان سے کام لیتے آپ کے خطبے نہایت بلیغ اور دل کو چھونے والے ہوتے۔ باتیں دل سے نکلتیں اور پردۂ سماعت سے گزر کر سامعین کے دلوں میں اتر جاتیں۔ لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے اور معصیت کی زندگی سے تائب ہو کر تقویٰ کی زندگی اختیار کر لیتے۔ عام شہریوں کے علاوہ آپ کی مجالس وعظ میں علماء، امراء، سلاطین، وزراء بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے۔ سترہ سال کی عمر ہی میں جامع منصور میں مجلس درس ووعظ قائم کی۔

لوگوں کی کثرت کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ آدمی جمع ہو جاتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

" حصل له من الحظوة فى الوعظ مالم يحصل لاحد قط وحضر مجالسه ملوك ووزراء بل وخلفاء من وراء الستر ويقال فى بعض المجالس حضره مائة الف" آپ کو پرتاثیر وعظ کہنے کا وہ ملکہ حاصل تھا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ملوک وسلاطین وزراء وامراء بلکہ پس پردہ خلفاء بھی آپ کے وعظ میں شرکت کو باعث فخر سمجھتے تھے کہتے ہیں آپ کی بعض مجالس میں ایک ایک لاکھ کی حاضری ہوتی تھی۔ (تذکرہ ج۴ ص۱۳۳)

آپ کے پرتاثیر وعظ سے ایک لاکھ انسانوں نے توبہ کی اور بیس ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

آپ کے چند موثر اقوال یہ ہیں:

● "عقارب الموت تلسع وخلران جسم الامل يمنع الاحسان" موت

کے بچھو ڈنک پر ڈنک لگا رہے ہیں لیکن آرزوؤں سے مخدر جسم بے حس ہے۔

۞ "ماء الحیاۃ فی اناء العمر ترشح بالانفاس" آب حیات زندگی کے برتن سے سانس کی صورت میں ٹپک رہا ہے۔

۞ ایک حاکم سے فرمایا" اذکر عند القدرۃ عدل اللہ فیک وعند العقوبۃ قدرۃ اللہ علیک وایاک ان تشفی غیظک بسقم دینک "دشمن پر قابو پاتے وقت اللہ تعالیٰ کے عدل اور مخالف کو سزا دیتے وقت اس کی قدرت کو یاد رکھو اور دین کو بیمار کر کے اپنے غصہ کو شفاء دینے (ٹھنڈا کرنے) سے بچو۔

۞ "من قنع طاب عیشه ومن طمع طال عیشه" جو ماحضر پر قناعت کرے وہ خوش گزران ہے اور جو حرص اور لالچ کرے اس کا اضطراب لازوال ہے (ایضاً)

وفات:۔

بروز جمعہ ۱۳ر رمضان المبارک ۵۹۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ پورا بغداد رنج والم میں ڈوب گیا بیشمار لوگوں نے بادیدۂ نم جنازہ میں شرکت کی اور باب الحرب کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا۔

(۷۶) حضرت حافظ امام عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ

۵۴۱ھ ربیع الاول ۶۰۰ھ

اسم گرامی عبدالغنی، کنیت ابو محمد، لقب تقی الدین۔ سلسلہ نسب یہ ہے عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور۔ آپ کی ولادت ۵۴۱ھ میں فلسطین کے ایک گاؤں جماعیل کے اندر ہوئی جو بیت المقدس کے قریب واقع ہے اسی بنا پر مقدسی کہلائے۔ آپ کا خاندان دمشق منتقل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے دمشقی مشہور ہوئے۔

تحصیل علم:۔

آپ کے زمانہ میں دمشق شام کی راجدھانی ہونے کے ساتھ ساتھ علم اور علماء کا مرکز بھی تھا۔ ابتداء میں دمشق میں تعلیم حاصل کی پھر مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے اسلامی دیار وامصار کے سفر کیے آپکی اقتصادی حالت بہت کمزور تھی مگر طلب علم کا ذوق بہت قوی تھا چنانچہ مالی خستہ حالی کی پرواہ

کیے بغیر آپ تحصیل علم کے لیے رحلت وسفر کرتے رہے۔ سفر اصفہان کے بارے میں محدث ضیاء مقدسی لکھتے ہیں۔

”جس وقت آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اصفہان کا رخ کیا۔ اس وقت خرچ کرنے کے لیے آپ کے پاس کوئی رقم نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایک ایسا شخص بہم پہونچایا جو آپ کو اپنے ساتھ لے گیا اور تمام اخراجات کی کفالت اس نے اپنے ذمہ لے لی۔ چنانچہ آپ عرصۂ دراز تک اصفہان میں رہے اور اعلیٰ تعلیم کے ساتھ بہت عمدہ عمدہ کتابیں بھی جمع کر لیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۶۱) اصفہان کے علاوہ بغداد، اسکندریہ، بیت المقدس، حران، موصل، مصر اور ہمدان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے علماء ومحدثین سے علم حاصل کیا۔ آپ کے شیوخ حسب ذیل محدثین وعلماء ہیں۔

ابوالمکارم بن ہلال، ہبۃ اللہ بن ہلال، ابن البسطی، حافظ ابو طاہر سلفی، ابوالفضل طوسی، عبدالرزاق بن اسماعیل قوسانی، حافظ ابوموسیٰ مدینی، علی بن ہبۃ اللہ۔ (ایضاً)

علم وفضل:۔

حافظ عبدالغنی نے خداداد استعداد، ذوق علم اور اپنی مساعی جمیلہ سے علم کی لازوال دولت اپنے دامن میں سمیٹ لی تھی وہ حدیث وفقہ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپ کے علمی تبحر، حدیث کی کثرت اور جرح وتعدیل رجال میں مہارت کا اعتراف علماء محدثین نے کیا ہے۔

❁ ابن نجار: ”حدث بالكثير وصنف في الحديث تصانيف حسنة وكان غزير الحفظ من اهل الاتقان والتجويد قيما بجمع فنون الحديث الى ان قال وكان كثير العبادة ورعاً متمسكا بالسنة على قانون السلف“ آپ نے حدیث بڑی کثرت سے بیان کی اور اس فن میں بڑی اچھی اور عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کا حافظہ اور اتقان وضبط قابل رشک تھا حدیث کے تمام فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ابن نجار آگے چل کر لکھتے ہیں آپ بڑے پرہیزگار عبادت گذار اور سلف صالحین کی طرح متبع سنت تھے۔ (ایضاً)

فقیہ محمود بن ہمام کہتے ہیں میں نے کندی کو سنا وہ کہتے تھے ”لم ير الحافظ عبدالغنى مثل نفسه“ حافظ عبدالغنی نے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (ایضاً)

❁ ربیعہ یمنی: ”قد رايت ابا موسىٰ المدينى وهذا الحافظ عبدالغنى احفظ

منه" میں نے حافظ ابو موسیٰ مدینی کو دیکھا ہے مگر یہ حافظ عبدالغنی ان سے بڑے حافظ حدیث ہیں۔ (ایضا)

❁ ضیاء مقدسی: " کل من رأیت من المحدثین یقول ما رأینا مثل عبدالغنیؒ " میں نے جن محدثین کو دیکھا ہے سب ہی کہتے تھے ہم نے حافظ عبدالغنی جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا ہے۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں" میں نے ابوالحسن بن نجا واعظ کو مسجد قرافہ کے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ حافظ عبدالغنی یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں وہ حدیث کا درس دیا کریں گے ان کی خواہش ہے کہ آپ حضرات کم از کم تین دن ان کی مجلس میں ضرور حاضر ہوں اتنے میں ان کی قدر و منزلت آپ پر واضح ہو جائے گی اور آپ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونا سعادت سمجھیں گے۔ چنانچہ میں پہلے دن ہی جامع قرافہ میں حاضر ہوا۔ پہلے آپ نے بہت سی احادیث بالا سناد زبانی بیان کیں اور پھر بہت سی حدیث بلا سند بیان فرمائی لوگ بہت محظوظ ہوئے اور خوشی خوشی واپس گئے بعد میں میں نے ابن نجا سے سنا فرماتے تھے میرا مقصود تو پہلی ہی مجلس میں حاصل ہو گیا تھا۔ (ایضا)

ضیاء الدین مقدسی فرماتے ہیں" آپ سے جب کبھی کسی راوی یا حدیث کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ برجستہ جواب دیتے تھے حتی کہ روایت کی صحت اور عدم صحت، راوی کے حسب و نسب کا بھی پتہ دیتے یقیناً آپ امیر المومنین فی الحدیث تھے"۔ (سیر اعلام النبلاء ۲۱ ص ۴۶۴)

صاحب مرأۃ الجنان کا کہنا ہے۔ آپ علم حدیث میں یکتائے زمانہ تھے آپ کی تالیفات بے شمار اور مختلف علوم میں ہیں۔ (ایضا)

قوت حفظ:۔

کسی بلند مرتبہ عالم اور کثیر الاحادیث محدث کے لیے بنیادی چیز حفظ و ضبط کی قوت ہے جس سے اس کا علم محفوظ اور ہر موقع پر مستحضر رہ سکتا ہے حافظ عبدالغنی کو قدرت نے بے نظیر قوت حفظ اور صلاحیت علم عطا کی تھی اور وہ پوری زندگی اس عطیۂ ربانی سے فائدہ اٹھاتے رہے اور طالبان علم نبوت کو بھی فائدہ پہونچاتے رہے۔ محدث ضیاء مقدسی کہتے ہیں۔

"میں نے اسماعیل بن ظفر کی زبان سے یہ سنا "ایک دفعہ ایک آدمی نے حافظ عبدالغنی سے پوچھا کہ ایک شخص نے اس بات پر طلاق کی قسم کھالی ہے کہ آپ کو بنوک زبان ایک لاکھ حدیث یاد ہے؟ کیا یہ درست ہے آپ نے جواب دیا اگر وہ اس سے زیادہ بھی کہتا تب بھی وہ سچا تھا"۔

اسماعیل بن ظفر کہتے ہیں:

میں نے جامع دمشق میں کئی بار مشاہدہ کیا کہ حافظ عبدالغنی منبر پر رونق افروز ہوتے اور

حاضرین مجلس میں سے کوئی شخص کہتا کہ آج آپ کتاب سامنے رکھے بغیر ہمیں حدیث پڑھائیں تو آپ مطبوعہ احادیث سندوں کی ساتھ زبانی پڑھا دیتے۔ اس پر کہا جاتا کہ آپ ہمیشہ اسی طرح کیوں نہیں کرتے؟ اور حدیث زبانی کیوں نہیں پڑھاتے؟ فرماتے اخاف العجب اس طرح عجب و غرور میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۶۲)

آپ کے اسی بے نظیر حافظہ کو دیکھ کر تاج کندی فرمایا کرتے تھے۔ لم یکن بعد الدار قطنی مثل الحافظ عبد الغنی المقدسی امام دار قطنی کے بعد حافظ عبد الغنی مقدسی جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا۔ (ایضا)

حلقہ درس:۔

آپ کا معمول تھا کہ جمعرات اور جمعہ کو بعد نماز جمعہ درس حدیث دیا کرتے تھے استفادہ کے لے بیشمار طالبان علم حاضر ہوتے کبھی کبھی وعظ بھی فرماتے جس میں سامعین کی تعداد ہزار سے متجاوز ہو جاتی آپ کے پر تاثیر بیان سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں مجلس کے اختتام پر اہل اسلام کے حق میں بہت لمبی دعا کرتے تھے۔

علم و فضل، زہد و ورع نے آپ کی ذات کو مرجع خلائق بنا دیا تھا عوام و خواص کے دلوں میں آپ کی عظمت اور احترام جاگزیں تھا زیارت کے لئے ہزاروں آدمی حاضر ہوتے ضیاء مقدسی کہتے ہیں انہوں نے اصفہان میں محمود بن سلامہ کو سنا وہ کہتے تھے کہ

”جب حافظ عبد الغنی مقدسی اصفہان میں اپنے گھر سے باہر نکلتے تو لوگ آپ کو دیکھنے کے لئے بازاروں میں قطار در قطار کھڑے ہو جاتے تھے لوگوں کی عقیدت و محبت کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر آپ اصفہان میں رہتا اور اس پر قبضہ کرنا چاہیں تو بہ آسانی قبضہ کر سکتے ہیں حافظ ضیاء کہتے ہیں کہ ”مصر میں بھی میرا مشاہدہ ایسا ہی ہے جب ہم جمعہ کے لئے نکلتے تو آپ کے ارد گرد عقیدت مندوں، ملاقاتیوں اور دعائیں کرانے والوں کا اتنا ہجوم ہو جاتا کہ بازار میں چلنا مشکل ہو جاتا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۶۵۔۱۶۴)

تلامذہ:۔

اس مرجعیت عام کو سامنے رکھا جائے تو آپ کے تلامذہ کی تعداد لاکھوں تک پہونچ جائے گی چند اہم اور نامور تلامذہ یہ ہیں۔

ابو الفتح بن عبد الغنی، ابو موسیٰ ابن عبد الغنی، عبد القادر رہاوی، شیخ موفق الدین ضیاء بن خلیل مقدسی فقیہہ یونینی، ابن عبد الدائم، عثمان بن مکی، احمد بن حامد تاجی، اسماعیل بن عزون، عبد اللہ بن علاق، محمد بن مہلہل جیتی۔ (ایضاً ص ١٦١)

ابتلاء و آزمائش:۔

زمانہ کا یہ عام دستور ہے کہ کسی عالم و محدث، فقیہ و مجتہد کی بڑھتی ہوئی قدر و منزلت بسا اوقات حاسدین کے لئے ناقابل برداشت ہو جایا کرتی ہے۔ حافظ عبد الغنی بھی انہیں علماء و محدثین میں ہیں جو دشمنوں کے رشک و حسد کا نشانہ بنے۔ وطن ترک کرنا پڑا دیار غیر میں ہجرت کی وہاں بھی سکون نہ ملا بالآخر عزلت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے۔

جامع دمشق میں حلقۂ درس کو کمزور اور آپ کے وعظ کو بے اثر بنانے کے لئے سازشیں کی گئیں پھر بھی آپ کی مقبولیت میں کمی نہ آئی تو حاسدوں نے آپ کے خلاف حاکم شہر سے شکایت کی کہ حنابلہ فتنہ پرداز ہیں اور ان کے عقائد ایسے ایسے ہیں پھر حاکم شہر نے آپ کو مناظرہ کے لئے طلب کیا ایک جاہل شخص نے آپ پر بے بنیاد الزامات عائد کرنے شروع کئے فرط غیرت سے آپ تحمل نہ کر سکے اور بڑی جرأت سے الزامات کی تردید کی۔ مخالفین نے دوسرا حربہ استعمال کیا چند عقائد ایک کاغذ پر تحریر کئے اور اپنے ہم خیال علماء سے اس پر دستخط لینا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اس پر دشمنوں نے حاکم شہر سے کہا دیکھئے تمام علماء جس بات پر متفق ہیں اس سے انہیں انکار ہے یہ سن کر حاکم شہر نے اپنے آدمی بھیج کر مسجد سے آپ کا منبر اور کتابیں نکلوا دیں اور درس و وعظ سے روک دیا۔

حافظ صاحب اس واقعہ کے بعد بعلبک چلے گئے عرصہ تک وہاں رہے پھر مصر گئے اور نابلس میں مدت تک قیام کیا۔

مخالفین نے آپ کے قتل تک کی سازش کی مگر اس شیر حق کو جادۂ مستقیم سے منحرف نہ کر سکے جب ملک افضل نے مصر پر قبضہ کیا اور اسے دوبارہ دمشق کی عملداری میں شامل کیا تو حافظ صاحب سے ملاقات کی اور نہ صرف یہ کہ آپ سے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا بلکہ اہل مصر کو بھی آپ کے احترام کی ہدایت کی۔ اس کے بعد حافظ صاحب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور آپ کی عزت و حرمت میں بے حد اضافہ ہوا اور آپ کے مخالفین جو مصر میں کافی تعداد میں موجود تھے بادشاہ کے خوف سے دم نہیں مار سکتے تھے جب ملک عادل کا دور آیا اور اس نے مصر پر قبضہ کیا تو مخالفین نے ایک دفعہ پھر آپ کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کیا اور آپ پر طرح طرح کے الزام

لگائے۔ عادل نے آپ کو دربار میں طلب کیا مگر آپ کے خلاف الزامات غلط ثابت ہونے پر بڑی عزت وحرمت کے ساتھ واپس کیا۔

حافظ صاحب مصر میں اقامت پذیر تھے مگر آپ کے مخالفین آپ کے خلاف الزام تراشیوں سے باز نہیں آتے تھے جب ان کی شکایتیں حد سے بڑھ گئیں تو (ملک عادل کے جانشین) کامل نے آپ کے ملک بدر کرنے کا فیصلہ کیا اور آپ کو آپ کے گھر میں قید کر دیا جس میں ایک ہفتہ نظر بند رہے۔

امیر شجاع بن ابی ذکری کہتے ہیں ایک دن مجھ سے ملک کامل نے کہا یہاں ایک فقیہ رہتے ہیں اہل مصر ان کو کافر کہتے ہیں۔ میں نے کہا میں تو کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا بولا تم نہیں جانتے وہ تو ایک بڑے محدث بھی ہیں میں نے عرض کیا شاید وہ عبدالغنی محدث ہونگے کہنے لگا ہاں وہی ہیں میں نے کہا بادشاہ سلامت عالم دو طرح کے ہیں ایک طالب آخرت اور ایک طالب دنیا آپ کا قرب دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے آپ یہ فرمائیں وہ کبھی آپ کے پاس آئے یا کبھی کوئی درخواست بھیجی بولا نہیں میں نے عرض کیا بخدا یہ لوگ حاسد ہیں حسد سے مجبور ہو کر بہتان طرازیاں کرتے ہیں اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے آپ نے مجھ پر اصل حقیقت واضح کر دی۔

جب ملک کامل پر آپ کی بے گناہی واضح ہوئی تو اس نے رہا کر دیا۔

تصانیف:۔

آپ نے متعدد مفید کتابیں تحریر فرمائیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) المصباح یہ صحیحین کی احادیث پر مشتمل کتاب ہے جو ۴۸/اجزاء میں ختم ہوئی ہے (۲) نہایۃ المراد یہ بھی فن حدیث میں قریباً دوسو اجزاء پر حاوی ہے۔ (۳) کتاب الیواقیت (۴) کتاب الجہاد (۵) الروضہ ۳/جزء (۶) فضائل خیر البریہ (۷) الذکر ۲ جزء (۸) السراء ۲/جز (۹) التہجد ۲/جز (۱۰) الجنۃ ۳/جز (۱۱) صلات الاحیاء الی الاموات ۲/جز (۱۲) الصفات ۲/جز (۱۳) الفرج (۱۴) فضل مکہ (۱۵) غنیۃ الحفاظ فی مشکل الالفاظ ۲/جز (۱۶) الحکایات سو جزء سے زیادہ (۱۷) العمدۃ (۱۸) الاحکام (۱۹) دارالاثر (۲۰) الکمال ۱۰/جلد (۲۱) الکمال فی اسماء الرجال۔

الکمال فی اسماء الرجال:۔

اس میں مصنف نے کتب ستہ کے جملہ راویوں کے حالات کو قلمبند کرنے کا بیڑا اٹھایا جو فی

نفسہ انتہائی مشکل اور محنت طلب عمل تھا۔ مذکورہ کتابوں سے راویوں کو تلاش کرنا۔ ان میں تمیز کرنا پھر ترتیب دے کر حالات تحریر کرنا شیوخ و اساتذہ کا ذکر کرنا علماء کے اقوال جمع کرنا اور کون کس کتاب کے راوی ہیں وغیرہ کا بیان کرنا نہایت مشکل اور جگر سوزی کا کام تھا لیکن خدام سنت نبوی نے ہر وہ کارنامہ انجام دیا جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

مولف نے اس کتاب میں سب سے پہلے سیرت نبوی کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد ان صحابہ کرام کے حالات کو جمع کیا جن کی روایتیں کتب ستہ میں پائی جاتی ہیں۔ پھر جملہ راویوں کو حروف تہجی پر مرتب کر کے ان کے حالات قلمبند کیے البتہ حرف الف میں احمد سے موسوم اور حرف میم میں محمد سے موسوم ناموں کو مقدم کر دیا ہے۔ کنیت اور خواتین کا تذکرہ آخری کتاب میں کیا ہے یاقوت حموی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "یہ بڑی اچھی کتاب ہے۔ (معجم البلدان ج ۲ ص ۱۶۰)

حافظ عبدالغنی کی ایک مشہور کتاب "تبیین الاصابہ لا وھام حصلت لابی نعیم فی معرفۃ الصحابۃ ہے۔

● حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ اخذ الحافظ عبدا لغنی علی ابی نعیم فی مائتین و تسعین موضعا۔ حافظ عبدالغنی نے حافظ ابونعیم کی ۲۹۰ غلطیاں پکڑیں۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۶۵) جو آپ کی علم حدیث میں مہارت تامہ اور حفظ کی واضح دلیل ہے

ذوق عبادت:۔

حافظ عبدالغنی علم و فضل کے ساتھ زہد و عبادت کے بھی روشن مینار تھے۔

حافظ ضیاء فرماتے ہیں: آپ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے صبح کی نماز کے بعد عموماً درس قرآن اور کبھی درس حدیث دیتے پھر وضو کر کے نماز میں معروف ہو جاتے اور سورہ فاتحہ اور معوذتین کے ساتھ ساتھ تین سو رکعت پڑھتے اور فراغت کے بعد ظہر سے پہلے تھوڑی دیر استراحت فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد مغرب تک حدیث پڑھانے یا کتاب نقل کرنے میں معروف رہتے اور اگر روزے سے ہوتے تو افطار کے بعد ورنہ معمول کے مطابق عشاء تک نماز پڑھتے پھر آدھی رات یا کچھ بعد تک سو جاتے پھر وضو کر کے نماز پڑھنے لگ جاتے اور یہ سلسلہ صبح صادق سے ذرا پہلے تک جاری رہتا۔ اس اثناء میں آپ سات یا زیادہ مرتبہ وضو کرتے اور فرماتے جب تک وضو سے میرے اعضاء تر رہتے ہیں مجھے نماز میں سرور حاصل ہوتا ہے پھر اگر وقت ہوتا تو نماز سے پہلے تھوڑی دیر سو جاتے تازندگی آپ کا یہی معمول رہا۔

جودوسخا:۔

آپ بڑے سخی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے والے تھے اپنی ذات کے لئے درہم دینار یا کسی دوسری چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے کہتے ہیں آپ رات کے وقت آٹے کے تھیلے لے جاتے حاجت مندوں کے دروازے کھٹکھٹاتے اور دروازہ کھلتے ہی آٹوں سے بھرا تھیلہ اندر رکھ کر فوراواپس ہو جاتے تھے تاکہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔

بدر بن محمد خدری کہتے ہیں۔ ما رایت احداً اکرم من الحافظ لقد اوفی عنی غیر مرۃ۔ میں نے حافظ عبدالغنی سے بڑھ کر سخاوت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا آپ نے کئی دفعہ میرا پورا قرضہ ادا کیا ہے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۶۵)

سلیمان اشعری فرماتے ہیں۔ بعث الافضل الیٰ الحافظ بنفقۃ وقمح کثیر ففرق الجمیع۔ ایک دفعہ ملک افضل نے حافظ صاحب کی خدمت میں نقد روپے اور بہت سے غلے (گیہوں) بھیجے مگر آپ نے اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا اور اپنے لئے ایک دانہ بھی نہیں رکھا۔ (ایضاً)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:۔

آپ ایک سچے عالم ربانی کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پورے اخلاص کے ساتھ ادا کرتے اس بارے میں وہ بڑے بڑے خطرات کی بھی پرواہ نہ کرتے اور دنیاوی سود وزیاں کا مطلق خیال نہ فرماتے۔ حافظ ضیاء کہتے ہیں جب آپ کوئی امر منکر دیکھتے تو اس کو اپنے ہاتھ یا زبان سے مٹانے کی کوشش فرماتے اور رضاء الٰہی کے مطابق عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتے تھے چنانچہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ آپ نے مے فروش کی شراب زمین پر گرادی وہ تلوار لے کر اٹھا اور آپ پر حملہ کرنا چاہا مگر آپ مضبوط وتوانا تھے خوفزدہ ہونے کے بجائے آگے بڑھے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اسی طرح گانے بجانے کے آلات ڈھول اور طنبور وغیرہ توڑ پھوڑ دیتے تھے۔

ایک بار کچھ شر پسندوں نے مسجد خیرون کی سیڑھیوں پر آلات لہو ولعب اور سامان موسیقی جمع کر دیئے شیخ عبدالغنی آئے اور سارے آلات لہو ولعب کو توڑ دیا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے تھوڑی دیر کے بعد قاصد آیا اور کہنے لگا قاضی شہر آپ کو بلاتے ہیں اور دف شبابہ ودیگر آلا تملاہی کے بارے

یں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں آپ نے جواب دیا۔ "ذاک حرام ولا امشی الیہ ان کان لہ حاجۃ یجیء ھو" یہ سب چیزیں حرام ہیں اس لیے میں نے توڑ دی ہیں مجھے قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اگر اسے ضرورت ہو تو یہاں آجائے۔

تھوڑی دیر بعد قاصد پھر آیا اور کہنے لگا آپ نے بادشاہ کی دل لگی اور خوش طبعی کا سامان ضائع کر دیا ہے۔ اس لیے آپ کو ضرور آنا پڑے گا۔ غضبناک ہو کر فرمایا "ضرب اللہ رقبتہ ورقبۃ السلطان" اللہ تعالیٰ اس کی اور بادشاہ کی گردن مارے۔ (ایضاً)

وفات:۔

مرض الموت میں چند دن مبتلا رہنے کے بعد ۲۳ ربیع الاول ۶۰۰ھ بروز پیر بوقت صبح وصال فرمایا۔

(۷۷) حضرت امام ابوالحسن علی بن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ

۵۵۵ھ ۶۳۰ھ

جزیرہ ابن عمر: شہر موصل سے کچھ فاصلہ پر ایک سرسبز و شاداب خطۂ ارض تھا جسے دریائے دجلہ نے تین سمتوں سے گھیر رکھا تھا۔ ایک طرف خشکی کا حصہ تھا جسے خندق میں تبدیل کر کے دجلہ سے ملا دیا گیا اس طرح پورا علاقہ چاروں طرف سے پانی سے گھر گیا اور یہ علاقہ جزی ابن عمر کے نام سے مشہور ہوا۔ یاقوت حموی کے کہنے کے مطابق اس کو سب سے پہلے حسن بن عمر بن خطاب تغلبی نے آباد کیا تھا۔ ابن خلکان کے قول کے مطابق اس کے رئیس اعظم عبدالعزیز بن ع برقعیدی کی جانب منسوب ہے۔ ابن التوفی مورخ اربل نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس شہر کو عمر بن اوس تغلبی کے دونوں بیٹوں اوس اور کامل نے آباد کیا تھا جو ان کی طرف انتساب کی وجہ سے جزی ابن عمر کہلایا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ گورنر عراق یوسف بن عمر ثقفی کی طرف منسوب ہے۔ (تذکر الحفاظ ج ۴ ص ۱۸۵)

ابن خلکان جزیرہ کے بانی کی تحقیق اس طرح کرتے ہیں " الجزیرۃ المذکو اکثر الناس یقولون انہا جزیرۃ ابن عمر ولا ادری من ابن عمر (وقیل انہا منسو الی یوسف بن عمر الثقفی (امیر العراقین) ثم انی ظفرت بالصواب فی ذلک

فاضيفت اليه ورأيت في بعض التواريخ انها جزيرة ابني عمر اوس و كامل ولا ادري ايضا من هما ثم رأيت في تاريخ ابن المستوفي في ترجمة ابي السعادات المبارك بن محمد اخي ابي الحسن المذكور انه من جزيرة اوس و كامل ابني عمر بن اوس التغلبي"۔ (وفیات الاعیان ج۲ ص۱۲۶)

مذکورہ جزیرہ جسے اکثر لوگ جزیرہ ابن عمر کہتے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ابن عمر کون ہے کہا جاتا ہے کہ امیر العراق یوسف بن عمر ثقفی کی طرف منسوب ہے پھر میں نے صحیح بات کی تحقیق میں کامیابی حاصل کی تو میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ اہل برقعید موصل کے اعمال میں سے ایک شخص عبدالعزیز بن عمر ہیں ان ہی کی طرف منسوب یہ ہوا ہے۔ میں نے بعض تاریخوں میں دیکھا ہے کہ عمر کے دو بیٹے اوس وکامل کا جزیرہ ہے اور میں ان دونوں کو بھی نہیں جانتا پھر میں نے ابن مستوفی کی تاریخ میں ابوالسعادات مبارک بن محمد (جو ابوالحسن علی بن اثیر جزری کے بھائی ہیں) کے تذکرہ میں دیکھا عمر بن اوس تغلبی کے دونوں بیٹے اوس وکامل کا جزیرہ ہے۔

بہر حال اسی جزیرۂ ابن عمر میں علمی دنیا کے تین سگے بھائی پیدا ہوئے اور تینوں ابن اثیر کی کنیت سے مشہور ہوئے۔

خاندان ابن اثیر:۔

جزیرۂ ابن عمر کا ایک غریب مگر علم میں ممتاز خاندان تھا، محمد بن محمد بن عبدالکریم جو اثیر کے نام سے مشہور تھے۔ مشہور صاحب علم محدث تھے ان کے تین بیٹے (۱) مبارک بن محمد مجد الدین ابوالسعادات ابن اثیر (۵۴۴ھ/۶۰۶ھ) (۲) علی بن محمد عز الدین ابوالحسن ابن اثیر (۵۵۵ھ/۶۳۰ھ) (۳) نصر بن محمد ضیاء الدین ابوالفتح ابن اثیر (۵۵۸ھ/۶۳۸ھ) ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی فن میں امام اور ماہر تصور کیا جاتا تھا یہ تینوں شخصیتیں ایک غریب خاندان کی چشم و چراغ تھیں اور یہ لوگ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کے مصداق تھے۔

ابوالسعادات مبارک ابن اثیر جزری:۔

ابنائے اثیر میں سب سے بڑے بھائی ابوالسعادات مجد الدین مبارک بن محمد ابن اثیر ہیں۔ (۵۴۴ھ، ۶۰۶ھ) آپ چوں کہ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے شروع ہی سے طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے جزیرہ کے علاوہ بغداد اور دوسرے اسلامی شہروں میں جا کر علم

حاصل کیا۔ آپ کے شیوخ یہ ہیں:

ابوالقاسم صاحب ابن الخل بغدادی، ابومحمد سعید ابن مبارک بن ذہان، ابوالفضل عبداللہ بن احمد الخطیب الطوسی، عبدالمومن بن کلیب، عبدالوہاب بن سکینہ، یحیٰ بن سعدون قرطبی۔

ابوالسعادات ابن اثیر نامور محدث اور فقہ و معرفت حدیث میں یکتا تھے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

''انہوں نے بے شمار حدیثیں سنیں اور ان کی روایت کی حدیثوں کے نقد و تمیز کے ماہر اور رجال و علل کے واقف کار تھے''۔

حدیث کے علاوہ، فقہ، تفسیر، لغت، عربیت، نحو اور علوم قرآنیہ کے بھی ماہر تھے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں۔ ان کو متعدد علوم سے واقفیت تھی۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں'' وہ سارے علوم میں جامع اور مختلف فنون میں صاحب تصنیفات تھے''۔ ابوالبرکات ابن مستوفی کا بیان ہے کہ وہ معتمد ترین علماء مشاہیر و یگانہ روزگار فضلاء نامور ارباب فن اور جلیل القدر اصحاب کمال میں تھے۔ ان کے انہی کمالات اور گوناگوں محاسن نے ان کی ذات کو مرجع خلائق اور شائقین علوم کا مرکز بنا دیا تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ گوشہ نشینی اور معذوری کے زمانہ میں ان کے گھر علماء و فضلاء کا اژدحام رہتا تھا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کافی ہے چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

آپ کے صاحبزادے، شہاب قوصی اور فخرالدین بن بخاری وغیرہم۔

تصانیف:۔

علامہ ابن اثیر نے متعدد کتب و رسائل تالیف کیے۔ ان کی تمام تصنیفات اسلوب بیان اور حسن تحریر کے لحاظ سے دلکش ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام کتابیں معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں جب کہ ان کو کامل یکسوئی حاصل تھی تالیف کیں ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) کتاب الاذواد والذوات (۲) کتاب الانصاب فی الجمع بین الکشاف (۳) کتاب الباہر فی الفروق فی النحو (۴) کتاب البدیع (۵) تحفۃ الرسائل (۶) دیوان رسائل (۷) رسائل فی الحساب (۸) کتاب الشافی فی شرح مسند الشافی (۹) شرح غریب الطوال (۱۰) کتاب صنعۃ الکتابۃ (۱۱) کتاب المختار فی مناقب الاخیار (۱۲) کتاب المصطفیٰ والمختار فی الادعیۃ والاذکار (۱۳) النہایہ فی غریب الحدیث والاثر۔

ابوالفتح نصر ابن اثیر:۔

ہوئی۔ آپ عظیم الشان انشاء پرداز اور قابل فخر ادیب تھے اور سلطان صلاح الدین کے بیٹے افضل علی کے وزیر تھے لیکن جب دمشق افضل کے ہاتھ سے نکل گیا تو آپ وہاں سے منتقل ہو گئے کچھ دنوں تک ملک ظاہر حاکم قلب کے ساتھ تھے پھر وہاں سے موصل آ گئے اور اس کو قیام گاہ بنایا۔

آپ کی تالیفات میں ''المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر، والمعانی المخترعۃ فی صناعۃ الانشاء وکنز البلاغۃ، الوشی المرقوم فی حل المنظوم وغیرہ ہیں۔ آپ کا انتقال بغداد میں ٦٣٨ھ میں ہوا۔

حضرت امام ابوالحسن علی ابن اثیر جزری:۔

اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن لقب عزالدین۔ سلسلۂ نسب یہ ہے علی بن اثیر ابوالکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم شیبانی جزری۔ آپ کی ولادت ٥٥٥ھ میں جزیرہ ابن عمر میں ہوئی۔

آپ نے ایک صاحب علم باپ کی آغوش میں تربیت پائی خاندانی ماحول علمی تھا باپ اور بڑے بھائی محدث تھے ان کی صحبتوں نے آپ پر علوم ومعارف کے دروازے کھول دیئے ذوق علم اتنا بڑھا کہ موصل، بغداد، دمشق اور حلب کا سفر کیا اور وہاں کے مقتدر شیوخ سے علم حاصل کیا۔

آپ کے اہم شیوخ یہ ہیں:

ابوالفضل طوسی، یحیٰ ثقفی، عبدالمنعم بن کلیب، یعیش بن صدقہ، ابن سکینہ، ابوالقاسم مصری، زین الامناء۔ (تذکرۃ الحفاظ ج٤ص١٨٥)

علم وفضل:۔

ابن اثیر جزری حدیث وفقہ، تاریخ ورجال میں امامت کے درجہ پر فائز تھے آپ کی جامعیت علم وکمال فن کا اعتراف ارباب سیر وتذکرہ نے اس طرح کیا ہے۔ حافظ ذہبی آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

"الامام العلامۃ الحافظ فخر العلما.....المحدث اللغوی، امام، علامہ"

بلند پایہ حافظ حدیث، نامور محدث، فخر العلماء اور جلیل القدر لغوی تھے۔ (ایضا)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"وکانت دارہ مجمع الفضلاء وکان مکملاً فی الفضائل علامۃ نسابۃ

آپ کی ذات مجمع فضائل اور آپ کا گھر مجمع الفضلاء تھا۔ آپ بہت بڑے عالم، علم الانساب اور علم الرجال کے ماہر اور نامور مورخ تھے۔ صحابہ کے حالات میں آپ کی معلومات بالخصوص بڑی مستند تھی۔ تواضع پسند، سخی اور امانتدار تھے۔ (ایضا)

علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں، "کان بیته مجمع الفضل لاهل الموصل والواردین لها. وکان اماما فی حفظ الحدیث ومعرفته ومایتعلق به وحافظا للتواریخ المتقدمة والمتاخرة وخبیرا بانساب العرب واخبارهم وایامهم ووقائعهم" موصل میں آپ کا مکان اہل علم کا جمگھٹ تھا۔ وہ حفظ حدیث اور متعلقات حدیث اور اس کی معرفت میں امام تھے تاریخ متقدم ومتاخر کے حافظ تھے۔ انساب عرب ان کے اخبار ایام اور وقائع سے واقف تھے۔

تلامذہ:۔

چوں کہ آپ کا خاندان علم وفضل کے لحاظ سے کافی مشہور ہو چکا تھا اس لیے آپ کا دولت خانہ طلبہ اور شائقین علم کا مرکز تھا جہاں دور دور سے علم وفن کے طلب گار حاضر ہوتے اور اپنے خالی دامنوں کو علمی جواہرات سے معمور کرتے۔ آپ نے وقتاً فوقتاً موصل، دمشق اور حلب میں بھی مجالس درس قائم کیں اور وہاں کے طلبہ کو فیضیاب کیا آپ کے اہم تلامذہ یہ ہیں:

ابن دبیثی، قوصی، مجد والدین عقیلی، شرف الدین ابن عساکر، مختصر قضائی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۳۵)

تصنیفات:۔

امام ابن اثیر با کمال مصنف بھی تھے تاریخ، رجال اور انساب پر گرانقدر مصنفات یادگار چھوڑیں۔

الکامل فی التاریخ:۔

آپ کی یہ تاریخ انتہائی مشہور ومتداول ہے علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ "کتاب یقیناً اسم با مسمیٰ ہے بلکہ ہمارے استاذ محترم (حافظ ابن حجر) نے یہاں تک فرمایا ہے کہ یہ کتاب فن تاریخ میں سب سے بہتر کتاب ہے احادیث وواقعات کو اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا ہے

کتاب کی ترتیب سن وار ہے ابن جریر طبری کی تاریخ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ کتاب کی اہمیت کے بارے میں خود ابن اثیر لکھتے ہیں۔

اس کتاب میں میں نے ایسی معلومات جمع کی ہیں جو کسی ایک کتاب میں نہیں مل سکتیں جو اس کتاب کا غور سے مطالعہ کرے گا وہ خود بخود اس کی تصدیق کرے گا اس کتاب کی ابتداء اس عظیم کتاب سے کی ہے جس کو امام طبری نے تحریر کیا ہے جس پر سارے لوگوں کا اعتماد ہے۔ (الکامل فی التاریخ ص ا)

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ :۔

یہ حافظ ابن اثیر کی اسماء صحابہ پر انتہائی مشہور ومعروف کتاب ہے اور اس فن کی سابقہ کتابوں کی اہم معلومات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”صحابہ کے بارے میں جن لوگوں نے تالیفات کی ہیں ان کا شمار بہت مشکل ہے (اس لیے کہ یہ کام متقدمین ومتاخرین دونوں نے کیا ہے) اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ساتویں صدی کی ابتداء میں حافظ ابن اثیر آئے جنہوں نے ایک عظیم کتاب تیار کی جس میں بہت ساری سابقہ کتابوں کو جمع کر دیا۔ (الاصابہ ۱/۳)

کتاب کی ترتیب انتہائی دقیق اور منظم طور سے حروف تہجی پر کی گئی ہے اس لیے کسی بھی نام کو تلاش کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ مطلوبہ نام جس حرف سے شروع ہوتا ہے اس حرف کی جگہ نکال کر جہاں ترتیب میں یہ نام فٹ ہوتا ہے۔ وہاں دیکھنے سے با آسانی مل جائے گا۔ پوری کتاب کی ترتیب حرف الف سے حرف یاء تک اسی طرح سے ہے۔ کتب صحابہ میں سب سے اچھی اور آسان ترتیب اسی کتاب کی ہے۔ ناموں کے ختم ہونے کے بعد کنیت سے معروف حضرات کا تذکرہ ہے اس کے بعد خواتین کا تذکرہ سابقہ ترتیب پر ہے۔

صحابہ کے تراجم میں ان کے حسب ونسب ان سے متعلق ان واقعات کا جس سے صحابی کی صحبت کا پتہ چلتا ہے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر بعض حدیثوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ اس کتاب میں ۷۵۵۴ (سات ہزار پانچ سو چون) افراد کا ترجمہ ہے۔

اللباب فی تہذیب الانساب:۔

یہ کتاب فن انساب کی ایک جامع اور مفید ترین کتاب ہے۔ اس میں حافظ ابن اثیر نے علامہ سمعانی کی کتاب ''الانساب کو کچھ اضافہ کے ساتھ مختصر و مہذب کیا ہے نیز ان سے کہیں کہیں جو لغزشیں ہوگئی تھیں ان کی اصلاح کردی ہے۔ علامہ کتانی فرماتے ہیں:

''واختصره ابن الاثیر وزاد علیه اشیاء اهملها واستدرک علیٰ مافاته ونبه علیٰ اغلاطه وهو کتاب مفید جداً یعنی ''الانساب'' کو ابن اثیر نے کچھ اضافہ کے ساتھ مختصر کردیا ہے اور ان سے فوت شدہ اشیاء کو جمع کردیا ہے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کردی ہے یہ انتہائی مفید کتاب ہے۔ (الرسالۃ المستطرفہ ۹۳)

کتاب کی مکمل ترتیب و تنظیم (اصل کتاب) ''الانساب کی طرح حروف معجم پر بڑی دقت سے کی گئی ہے اس لیے استفادہ بہت آسان ہے ان ساری خوبیوں کی وجہ سے یہ کتاب اپنی اصل پر فوقیت رکھتی ہے اور فنی اعتبار سے بڑی ممتاز کتاب ہے''۔

ابن خلکان فرماتے ہیں: '' وهو احسن من الاصل ''یہ اپنی اصل (الانساب) سے بھی بہتر ہے۔ (کشف الظنون ۱/۱۷۹)

وفات: آپ نے شعبان ۶۳۰ھ بمقام موصول داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۷۸) شیخ السنہ محدث شام حضرت امام ضیاء الدین مقدسی علیہ الرحمہ

ولادت ۵۶۹ھ وفات ۶۴۳ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ضیاء الدین تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن منصور۔ آپ کی ولادت ۵/ جمادی الاخریٰ ۵۶۹ھ کو بیت المقدس میں ہوئی۔ وطن کی نسبت سے مقدسی کہلاتے تھے۔

تحصیل علم:۔

آپ خداداد ذہانت، طباعی اور حفظ و ضبط کی قوت سے مالا مال تھے۔ علم کی طلب میں انہوں نے دمشق، بغداد، عراق، اصفہان، مرو، حلب، مصر، حران، موصل اور حجاز کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ و اساتذہ سے پوری دلچسپی کے ساتھ علم حاصل کیا اور بنیادی کتابیں نقل کیں اس طرح آپ

کے پاس علمی اور فنی کتابوں کا وافر ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا۔

انہیں علم وفن سے غیر معمولی شغف تھا۔ ابن نجار کہتے ہیں "میں نے علم کی طلب وتحصیل کا ان سے زیادہ شوقین کسی کو نہیں پایا"

ابن رجب فرماتے ہیں کہ "انہوں نے پانچ سو سے زیادہ شیوخ کی کتابیں نقل کیں"۔

آپ نے جن نامور اساتذہ سے کسب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں۔

ابو المعالی بن صابر، ابو المجد بانیاسی، احمد بن موازینی، عمر بن علی جوینی، یحیٰ ثقفی، ابو القاسم بوصیری، مبارک بن معطوش، علامہ ابن جوزی، ابو جعفر صیدلانی، عبد الباقی بن عثمان، موید طوسی، عبد العزیز بن محمد بزار، ابو المظفر سمعانی، ابو طاہر سلفی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۹۱)

علم وفضل:۔

ضیاء مقدسی علم وفضل میں کافی اونچا مقام رکھتے تھے ان کی ہمہ گیر علمی شخصیت اور کمال فن کا اعتراف علماء اور تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

- **ابن نجار:** " مارایت مثله فی نزهة وعفة وحسن طریقة " میں نے نزاہت عفت اور حسن اخلاق میں آپ کے مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضا)

- **شرف بن نابلسی:** "مارایت مثل شیخنا الضیاء" میں نے اپنے شیخ ضیاء جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (ایضا)

- **عمر بن حاجب:** " شیخنا ابوعبد الله شیخ وقته ونسیج وحده علما وحفظا وثقة ودینا من العلماء الربانیین وهو اکثر من ان یدخل علیه مثل کان شدید التحری فی الروایة مجتهداً فی العبادة کثیر الذکر منقطعا متواضعاً سهل العاریة" ہمارے شیخ ابو عبد اللہ اپنے زمانہ کے شیخ اور علم وحفظ اور ثقاہت و دیانت میں اپنی نظیر آپ تھے علماء ربانیین میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی شان اس سے بہت بلند وارفع تھی کہ میرے جیسا انسان آپ کی مدح وثنا میں لب کشائی کرے۔ حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط اور عبادت وذکر الہی میں بیحد سرگرم تھے۔ تواضع پسند اور خلوت نشیں تھے اپنی کتابیں مستعار دینے میں بہت فیاض تھے۔ (ایضا)

صاحب شذرات لکھتے ہیں۔ وہ یکتائے روزگار تھے ان کی شہرت محتاج بیان نہیں۔ (ج ۵ ص ۲۲۴)

حدیث:۔

آپ کا مرتبہ علم حدیث میں اتنا بلند تھا کہ محدث شام کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ تثبت واتقان اور عدل کا اعتراف علماء اسلام نے کیا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: " الامام العالم الحافظ الحجة محدث الشام شیخ السنة المقدسی " محدث شام، شیخ السنہ، نامور امام، بلند پایہ حافظ حدیث اور نامور عالم ہیں۔ بیت المقدس کے رہنے والے ہیں (تذکرہ ج ۴ ص ۱۹۱)

حافظ ذہبی آگے لکھتے ہیں۔ ونسخ وصنف وصحح ولین وجرح وعدل وکان المرجوع الیه فی هذا الشان۔ آپ سریع القلم ناسخ اور منجھے ہوئے مصنف تھے تصحیح وتضعیف اور جرح وتعدیل کے ماہر تھے اس سلسلہ میں آپ کی بات کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ (ایضاً)

❁ زکی بن برزالی: ثقة جبل حافظ دین آپ ثقہ، علم کے پہاڑ حافظ اور متدین تھے۔ (ایضاً)

حدیث میں مہارت و بلند پائیگی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ جرح وتعدیل کے امام، فن رجال کے ماہر اور احادیث کے علل واسقام اور صحیح وغلط روایات میں نقد و امتیاز کی پوری صلاحیت رکھتے تھے حافظ ذہبی کا قول اوپر گذرا'' کہ وہ جرح وتعدیل کے امام اور اس فن کے مرکز و مرجع تھے"

ابن نجار کہتے ہیں: حافظ متقن، حجة عالم بالرجال ورع تقی۔ آپ بلند پایہ حافظ، متقن، حجت فن رجال کے زبردست عالم اور متقی و پرہیزگار تھے۔ (ایضاً)

صاحب شذرات لکھتے ہیں کہ "وہ فن جرح وتعدیل کے ممتاز عالم، رواۃ ورجال کے احوال کے واقف کار اور روایات واحادیث کے مبصر تھے۔ (شذرات ج ۵ ص ۲۲۴)

دیگر علوم:۔

حدیث کے علاوہ قرآنیات اور فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے ارباب تذکرہ نے فقیہ ومجتہد لکھا ہے۔

مدرسہ کا قیام:۔

آپ نے اپنی ذاتی کوشش سے جامع مظفری میں دارالحدیث کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ وہ تنہا اس مدرسہ کو چلاتے تھے۔ دوسروں سے مدد نہ لیتے تھے۔ اس مدرسہ کے لئے انہوں

نے اپنی تمام کتابیں وقف کردی تھیں۔ آپ کے بعد بھی یہ مدرسہ مدتوں تک قائم رہا جس میں طالبان علم قرآن وحدیث، فقہ وفتاوٰی کا درس لیتے رہے۔

حلقۂ درس سے ہزاروں طالبان علوم نبوی نے فیض پایا چند اہم تلامذہ یہ ہیں۔

قاضی تقی الدین، ابن موازینی، ابن الفراء، نجم شعروائی، ابن خباز، تقی بن مومن، عثمان نساج، ابن خلال، دمشقی، ابو بکر بن عبد الدائم، عیسی اسمسار، قاضی سالم، ابن نجار، ابن نقطہ، شرف بن نابلسی، عمر بن حاجب۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۹۱)

تصانیف:۔

ضیاء مقدسی نے جہاں اپنے علم وفن سے درس وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہونچایا وہیں اپنی وسیع معلومات اور علمی ژرف نگاہی سے مستقبل میں آنے والی نسلوں کے استفادہ کے لئے گرانقدر مصنفات یادگار چھوڑیں جو کمیت وکیفیت ہر لحاظ سے کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) کتاب الاحکام (۲) الحکایات المستطرفہ (۳) الرواۃ عن البخاری (۴) الطب والرقیات (۵) افراد الصحیح (۶) الموبقات (۷) النہی عن سب الصحابہ (۸) الہجرۃ الی ارض الحبشہ (۹) دلائل النبوۃ والالہیات (۱۰) ذم المسکر (۱۱) سیر المقادسہ (۱۲) شفاء العلیل (۱۳) صفۃ الجنۃ (۱۴) صفۃ النار (۱۵) غرائب الحدیث (۱۶) فضائل الاعمال (۱۷) فضائل الشام (۱۸) فضائل القرآن (۱۹) قصہ موسیٰ (۲۰) کلام الاموات (۲۱) مناقب اصحاب الحدیث (۲۲) المختارۃ فی الحدیث۔

المختارۃ فی الحدیث:۔

اصل نام الاحادیث الجیاد المختارۃ مما لیس فی الصحیحین او احدھما۔ یہ کافی ضخیم کتاب ہے جو نوے اجزاء پر مشتمل ہے مگر یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکی۔ یہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور صحیح مستدرک کے طرز کی کتاب ہے اور ان صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے جو صحیحین میں درج نہیں۔ اس میں صحت کا التزام اور ان صحیح رواتیوں کو نقل کیا گیا ہے جن کی پہلے تصحیح نہیں کی گئی تھی۔

شاہ عبد الحق صاحب کا بیان ہے "ائمہ صحاح کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی صحیح حدیثوں کے مجموعے مرتب کئے، ضیاء مقدسی کی المختارہ اسی نوعیت کی کتاب ہے اس میں ان صحیح حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں۔

اس کی ترتیب ابواب کے بجائے حروف معجم کے مطابق مسانید پر کی گئی ہے اس کتاب کو ابن خزیمہ اور حاکم کی کتابوں جیسی شہرت تو نہ ملی مگر اس کا شمار انہیں کتابوں کے ساتھ ہوتا ہے حافظ ابن کثیر کے نزدیک یہ مستدرک سے زیادہ بلند پایہ ہے وہ لکھتے ہیں "یہ عمدہ علوم اور حدیثی فوائد پر مشتمل ہے اور مستدرک حاکم سے بھی بڑھ کر ہے ہمارے بعض مشائخ اس کو اس پر ترجیح دیتے ہیں کاش یہ مکمل ہو گئی ہوتی۔

سیرت واخلاق:۔

ضیاء مقدسی بہت ہی متواضع نہایت خلیق، عمل صالح کے حریص اور مکارم اخلاق کے جامع تھے ابن نجار کہتے ہیں،، وہ حسن سیرت میں ممتاز اور بے نظیر تھے"۔

وہ بڑے زاہد، متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں "وہ زہد و عبادت، ورع و تقویٰ اور خیر خیرات میں بہت پیش پیش رہتے تھے

وفات:۔

۱۸/ جمادی الآخرہ ۶۴۳ھ بروز دوشنبہ وصال فرمایا اور جبل قاسیون کے اندر دفن کیے گئے۔

(۷۹) ابوالفضائل حضرت امام رضی الدین حسن صغانی علیہ الرحمہ

ولادت ۵۷۷ھ وفات ۶۵۰ھ

ہندوستان میں دولت علم سے بہرہ مند ہونے والے بیشمار ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر عراق، عرب شام اور مصر جیسے علمی مرکزوں میں جا کر اپنی علمی عظمتوں کا سکہ بیٹھایا اور شائقین علم کو فیض بخشا ہے۔ ایسے ہی برگزیدہ با کمال علمائے ہند میں حضرت امام صغانی بھی ہیں جنہوں نے حدود ہند سے دور عراق و عرب کے علاقوں میں جا کر تشنگان علم کو سیراب کیا اور وہ عظیم کارنامے انجام دیئے جو اسلامی علوم وفنون کے خزانہ میں جنس گرانمایہ ہیں۔

نام ونسب اور ولادت:۔

امام صغانی کا پورا نام ونسب رضی الدین ابوالفضائل حسین بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی العدوی العمری الصغانی ہے (نزہۃ الخواطر) اوپر جا کر آپ کا نسب نامہ حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ اسی لئے آپ کا خاندان عمری کہلاتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن

صغان ہے جو چغان کا معرب ہے اور وہ علاقہ ماوراء النہر کا ایک شہر ہے۔

غزنویوں کے دور آخر میں آپ کا خاندان دار السلطنت لاہور منتقل ہوا اور شاہان غزنویہ کی علم دوستی سے یہ خاندان مستفید ہوا۔

آپ کی ولادت ۱۵؍صفر المظفر ۵۷۷ھ میں آخری غزنوی سلطان خسرو ملک (۵۵۵ھ تا ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۶۰ء تا ۱۱۸۶ء) کے زمانہ میں ہوئی۔

امام صغانی کے مولد و منشا کے سلسلہ میں ارباب علم کے بیانات حسب ذیل ہیں (۱) خیر الدین زرکلی الاعلام ج ۳ میں تحریر فرماتے ہیں **ولد فی لاھور (بالھند) و نشأ بغزنة (من بلاد السند) ودخل بغداد ورحل الی الیمن و توفی فی بغداد،** وہ ہندوستان کے شہر لاہور میں پیدا ہوئے اور علاقہ سندھ کے شہر غزنی میں پروان چڑھے پھر بغداد گئے یمن کا سفر کیا اور بغداد میں وفات پائی۔

(۲) علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (۸۴۹ھ ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ'' میں مشہور محدث ومورخ امام ذہبی علیہ الرحمہ (۶۷۳ھ ۷۴۸ھ) کا قول نقل کیا ہے ''**قال الذھبی ولد بمدینة لاھور سنة سبع وسبعین و خمس مائة ونشأ بغزنة ودخل بغداد**''.

(۳) مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں: ''ولادت او در لاہور پانزدہم صفر ۵۷۷ھ واقع شد۔ (ماثر الکرام ص ۱۸۱)

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام صغانی لاہور میں پیدا ہوئے ان کی نشو و نما غزنی میں ہوئی اور وہ یہیں سے بغداد تشریف لے گئے۔ چنانچہ دور حاضر کے علماء نے ان اقوال پر اعتماد کر لیا عبد الحی ندوی اور سلیمان ندوی نے بھی جائے ولادت لاہور ہی لکھا ہے مگر ہندوستان کے ازمنہ وسطی کی تاریخ کے زبردست ماہر پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنے ایک مضمون ''بدایوں اسلامی ہند کے دور اول میں'' میں شہر بدایوں کی مشہور علمی شخصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''مولانا رضی الدین صاحب مشارق الانوار جن کے درس و تدریس کی بادشاہت بغداد و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی اسی خاک سے اٹھے تھے''۔

پروفیسر موصوف کے قول کی تصدیق حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' سے بھی ہوتی ہے۔ (مجلس نہم ۲۹؍جمادی الثانی ۷۱۳ھ یک شنبہ کے

فرمودات میں امام صغانی کے حالات ملتے ہیں) "بعد ازاں از نسبت حدیث سخن در فضیلت مولانا رضی الدین صغانی کہ صاحب مشارق است افتاد.......... بعد ازاں فرمود کہ او از بداؤں (بدایوں) بود۔ (فوائد الفواد ص ۱۸۱) تاریخی حیثیت سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے قول پر اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ امام صغانی کی تاریخ ولادت ۵۷۷ھ ہے جبکہ شمالی ہند کے علاقوں میں اسلامی اقتدار کا پرچم شہاب الدین محمد غوری نے ۵۸۸ھ میں نصب کیا اور اس کے جانباز سپہ سالار قطب الدین ایبک نے فتوحات کے دائرہ کو وسیع کیا تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ بدایوں میں ۵۸۸ھ سے قبل ہی مسلمان اقامت پذیر ہوئے جہاں ۵۷۷ھ میں امام صغانی پیدا ہوئے؟۔

صرف غوری فتوحات کی بنیاد پر یہ اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیوں کہ محمد بن قاسم فاتح سندھ کی فتوحات سے قبل بھی جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں مسلمان تاجروں کے آباد ہونے کا ثبوت تاریخوں سے ملتا ہے اور جب سندھ، ملتان اور بعد میں پنجاب کے حدود میں اسلامی حکومت قائم ہوئی عربی، عراقی، شامی اور ایرانی مسلمانوں نے ان علاقوں کو اپنا مسکن بنایا تو انہوں نے سندھ و پنجاب کی سرحدوں سے نکل کر شمالی ہند کے مختلف علاقوں میں بھی اپنی آبادیاں قائم کیں۔ چنانچہ اسی قسم کی ایک مسلم بستی کے بارے میں ڈاکٹر آر۔ ایس ترپاٹھی نے اپنی انگریزی کتاب "تاریخ قنوج" میں لکھا ہے۔

> "غوری حملوں سے پہلے شمالی ہندوستان کا سب سے مشہور شہر قنوج تھا وہاں مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی بستی تھی"

انہیں میں بداؤں کی بھی مسلم بستی تھی جہاں پنجاب سے آکر مسلمان آباد ہوئے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ جن کی تاریخ ولادت ۶۳۴ھ بتائی جاتی ہے۔ ان کا خاندان بھی لاہور سے آکر آباد ہوا تھا اور اس سرزمین کو حضرت خواجہ کا مولد بننے کا شرف حاصل ہوا۔ امام صغانی کے والد بزرگوار نے بھی لاہور سے آکر بداؤں میں قیام کیا جہاں صغانی تولد ہوئے۔

دوسری بات جو اس سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ امام صغانی کے تذکرہ نویسوں نے متفقہ طور پر انہیں لاہوری لکھا ہے جب کہ ان تذکرہ نگاروں میں حافظ ذہبی، علامہ سیوطی اور خیر الدین زرکلی جیسے متبحر اور مستند علماء ہیں تنہا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے قول کو ان سارے اقوال پر ترجیح کیسے دی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا ہستیاں عالم اسلام کی مستند ہستیاں ہونے کے باوجود صغانی کی ہم وطن نہیں اسی لیے انہوں نے صغانی کے ابتدائی حالات کے بارے میں تقریباً خاموشی اختیار کی ہے۔ اس کے برعکس حضرت خواجہ کو صغانی

کی ہم وطنی کا شرف بھی حاصل ہے اور انہوں نے صغانی کے ابتدائی حالات کے سلسلہ میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ کسی کے یہاں نہیں ہیں۔ اس بنا پر حضرت خواجہ کے قول کو ان علماء کے متفقہ اقوال پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ مندرجہ بالا تذکرہ نویسوں میں حضرت امام ذہبی علیہ الرحمہ کی شخصیت سب سے مقدم ہے جن کی ولادت ۶۷۳ھ یعنی صغانی کی وفات ۶۵۰ھ کے ۲۳ سال بعد ہوئی اور حضرت خواجہ کی ولادت صغانی کے زمانۂ حیات ہی میں یعنی ۶۳۴ھ میں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے حضرت خواجہ نے جن بزرگوں سے صغانی کے حالات سماعت فرمائے ہوں گے انہوں نے صغانی کو ضرور دیکھا ہوگا اور ان کے تازہ حالات وکوائف سے حضرت خواجہ کو واقف کیا ہوگا۔ خود خواجہ نے حضرت مولانا کمال الدین زاہد علیہ الرحمہ سے مشارق الانوار پڑھی جو صغانی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ حضرت علامہ ذہبی نے جن لوگوں سے صغانی کے حالات سنے ہوں گے وہ اولاً تو غیر ہندی رہے ہوں گے۔ دوم یہ کہ ان لوگوں کو صغانی کے ابتدائی حالات کا قطعی علم نہ رہا ہوگا صرف اس بنیاد پر کہ وہ ہندوستان سے عراق گئے تھے اور ظاہر ہے لاہور اور غزنی کی راہ سے گئے ہوں گے انہیں لاہوری قرار دے دیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ صاحب کشف و کرامات ولی ہونے کے باوصف زبردست عالم دین بھی تھے اس لیے صغانی کے بدایونی ہونے کے سلسلے میں ان کے قول کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

تعلیم :۔

امام صغانی نے سن رشد کو پہونچنے کے بعد اپنے والد بزرگوار سے تعلیم حاصل کی جس کی نسبت صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے " فلما ترعرع وبلغ رشده اخذ العلوم من والده "(ج ا ص ۱۰۵)

بداؤں کے ایک اور استاذ کا ذکر فوائد الفواد میں ملتا ہے جن کے پاس حدیث کا ایک مجموعہ ملخص نامی تھا جسے صغانی نے مانگا تھا مگر استاذ کو دینے میں تامل ہوا تھا۔

" آنچہ در بداؤں بود او را آنجا استاذے بودہ است مرد بزرگ صاحب نعمت وولایت وبروے کتابے بود در حدیث کہ آنرا ملخص گویند مولانا رضی الدین آں نسخہ را از وطلب نمودہ بود واو را درآ دائے آں مضایقت نمودہ بود" بدایوں میں ان کے ایک استاذ بزرگ صاحب نعمت وولایت شخص

تھے ان کے پاس حدیث میں ایک کتاب تھی جس کا نام ملخص تھا مولانا رضی الدین نے ان سے وہ نسخہ طلب کیا تھا اور انہوں نے اسے دینے میں تأمل کیا تھا"۔ (فوائد الفواد ص ۱۸۱)

ہندوستان کے علاوہ امام صغانی نے اسلامی بلاد و امصار کے اہل علم و فضل سے بھی اکتساب فیض کیا اور ان کی ذاتی صلاحیتوں نے اسلامی علوم و فنون میں ان کے رتبہ علمی کو اتنا بلند کر دیا کہ اس زمانہ کے سب سے بڑے علمی مرکز میں ان کی شخصیت دیگر علماء کی صف میں نمایاں ہوگئی۔ ان کے شیوخ و اساتذہ یہ ہیں:

والد گرامی محمد بن حسن، ابو منصور سعید بن محمد رزاقہ، برہان الدین ابو الفتوح نصر بن ابی الفرج، محمد بن علی مصری، قاضی ابو اسحاق ابراہیم بن احمد قرمطی، قاضی سعد الدین خلف بن محمد کردری، محمد بن حسن مرغینانی، نظام الدین عمر بن علی۔

ملازمت:۔

بدایوں سے حصول علم کے بعد آپ نے نائب مشرف کی ملازمت اختیار کی۔

شیخ نظام الدین فرماتے ہیں" وہ بدایوں کے تھے۔ وہاں سے کول (علی گڑھ) آئے اور نائب مشرف مقرر ہوئے مولانا کا تقرر جس مشرف کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی اہل تھا لیکن ایک دن اس مشرف نے کوئی ایسی بات کہی کہ مولانا رضی الدین نے تبسم کیا۔ مشرف نے (غصہ میں) دوات ان کی طرف پھینک دی آپ کترا گئے اور روشنائی ان پر نہ پہونچی۔ جب آپ نے مشرف کی ناشائستہ حرکت دیکھی وہاں سے اٹھے اور کہا کہ اب ہمیں ایسے جاہلوں کے ساتھ نشست و برخاست نہیں کرنی چاہئے اس کے بعد آپ نے اپنے علم میں اضافہ کی کوشش کی (اور اس زمانہ میں) کول کے گورنر کے بیٹے کو تعلیم دیتے (جس کے معاوضہ میں) سو تنکہ پاتے اور اسی پر قناعت کرتے"۔ (ایضاً)

ترک ہند اور سفر حج:۔

امام صغانی نے سفر حج کے ارادہ سے ہندوستان کو ترک کیا اور کول سے پا پیادہ نکل پڑے خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے پا پیادہ سفر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"جب کول سے حج کا ارادہ کیا جوتوں کا ایک جوڑا خریدا اور پہنا جب ایک منزل طے کی تھک گئے ان کو یقین ہو گیا کہ پیدل سفر نہیں کر سکتے اسی خیال میں تھے کہ والی کول کا لڑکا گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑتا ہوا آیا تا کہ آپ کو واپس لے جائے جب وہ وہاں پہونچا اور مولانا کی نظر اس پر پڑی

اور دیکھا کہ ایک اچھے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا ہے تو آپ نے دل میں سوچا اگر یہ گھوڑا مجھے دے دے تو میں آرام سے سفر کر سکتا ہوں اسی فکر میں تھے کہ والی کا بیٹا آ گیا اور مولانا کو واپس لے جانے پر بہت اصرار کیا۔ جب والی کے بیٹے نے دیکھا کہ مولانا کسی طرح واپس جانے پر آمادہ نہیں ہیں تو عرض کیا اس گھوڑے کو قبول فرما لیجیے مولانا نے گھوڑا لے لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے"۔ (ایضا)

مولانا کے اس سفر کا مقصد جہاں حرمین شریفین کی زیارت سے قلب و نظر کو منور کرنا تھا وہیں بلاد اسلامیہ کی مقتدر علمی شخصیتوں سے فیضیاب ہونے کا مبارک مقصد بھی ضرور رہا ہوگا۔

یہ بات تحقیق نہیں تاہم قرائن یہی بتاتے ہیں کہ آپ نے سفر حج کے لیے بحری راستہ کے بجائے خشکی کا راستہ اپنایا ہوگا کیوں کہ اس زمانہ میں بحری سفر دشوار رہا ہوگا اور آپ لاہور کی راہ سے غزنی تشریف لے گئے ہوں گے جو غزنویوں کے عہد حکومت میں علوم اسلامی کا زبردست مرکز تھا۔ غزنویوں کی بساط اقتدار لٹنے کے بعد بھی علماء و محدثین کا مرکز بنا رہا۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک نے آپ کو لاہور کا عہدۂ قضا سونپنا چاہا مگر آپ نے پسند نہیں کیا اور غزنی چلے گئے جہاں درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور وہاں سے عراق آئے اور وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا پھر وہاں سے مکہ معظمہ گئے جہاں حج کے بعد ایک مدت تک حدیث کی سماعت فرمائی۔

"وعرض علیہ قطب الدین ایبک القضاء بمدینۃ لاھور فلم یجبہ الیٰ ذالک ورحل الیٰ غزنۃ یدرس..... بھا ثم دخل العراق واخذ عن علمائھا واستجاذ عن جمیع کثیر من العلماء ثم دخل الی مکۃ المبارکۃ واقام بھا مدۃً وسمع الحدیث بھامدۃ وسمع الحدیث وبلدۃ عدن" (نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۰۵)

قیام بغداد:۔

حرمین شریفین کی زیارت اور وہاں کے علماء کبار سے تحصیل علم حدیث کے بعد آپ عباسی سلطنت کے پایۂ تخت بغداد تشریف لائے اگرچہ یہ عباسی سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا اور بغداد کی علمی محفلوں کے چراغ بجھ رہے تھے تاہم ماضی کی پرکشش علمی یادگاریں اب بھی بغداد میں موجود تھیں جو اطراف و اکناف عالم سے شائقان علم کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں اور علماء بھی آخری علم دوست خلفاء کی فیاضیوں سے ہمکنار ہو کر بغداد کی علمی فضا میں قیمتی لمحات علمی و دینی مشاغل میں صرف کرنے کے لیے آئے تھے۔

بغداد میں آپ کی علمی شہرت کی وجہ ایک علمی واقعہ ہے جسے حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ”اور وہاں سے مولانا بغداد آئے بغداد میں ایک بہت بڑے عالم تھے جن کو لوگ ابن زہری کہتے تھے۔ ان کے لیے منبر رکھا جاتا تھا جس پر وہ بیٹھ کر حدیث بیان کرتے ان کی مجلس میں علماء و حاضرین ہوتے تھے اور ان کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے اس طرح چند حلقے بن جاتے تھے اور اونچے درجہ کے علماء پہلے حلقہ میں بیٹھتے اور ان سے کم درجہ کے لوگ دوسرے حلقہ میں بیٹھتے تھے اس طرح حلقہ کے بعد حلقہ ہوتا تھا اور اعلیٰ قدر مراتب علماء بیٹھتے تھے ابن زہری حدیثیں لکھواتے تھے اور لوگ لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ مولانا رضی الدین ایک دن ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور سب سے آخری حلقہ میں بیٹھ گئے ابن زہری موذن سے موافقت کرنے کی حدیث بیان کر رہے تھے یعنی جب موذن کوئی کلمہ اذان ادا کر چکے تو سننے والے کو چاہیے کہ اسی کو دہرائے (ابن زہری نے) حدیث کا آغاز اس لفظ سے کیا ” اذا سکب الموذن “ سکوب کے معنی پانی چھڑکنے کے ہیں یعنی جب موذن کا کلمہ تمہارے کانوں میں پہونچے تو تم کو بھی وہی کلمات کہنے چاہئیں جو اس نے کہے ہیں جب ابن زہری نے حدیث بیان کی تو مولانا رضی الدین نے اپنے پاس والوں سے آہستہ کہا ”اذا سکت الموذن“ یعنی جب موذن سکوت کرے یعنی جب موذن ایک کلمہ کہنے کے بعد سکوت کرے اس کے بعد اس کے کلمہ کی موافقت کرنی چاہیے۔ یہ بات ایک نے سنی اور دوسرے سے کہی یہاں تک کہ یہ گفتگو ابن زہری کے کان تک پہونچی انہوں نے فرمایا یہ بات کس نے کہی ہے مولانا رضی الدین نے کہا میں نے کہا ہے ابن زہری نے کہا یہ دونوں الفاظ معنی رکھتے ہیں میں کتاب کی طرف رجوع کروں گا جب مجلس برخاست ہوئی تو کتابوں میں دیکھا گیا دونوں جملے صاف لکھے ہوئے تھے لیکن ”اذا سکت “زیادہ صحیح تھا۔ یہ خبر خلیفہ تک پہونچی لوگ مولانا رضی الدین کو خلیفہ کے پاس لے گئے خلیفہ نے آپ کا اعزاز کیا اور کچھ آپ سے پڑھا“۔ (فوائد الفواد ص ۸۲،۱۸۱)

آمد ہند:۔

عباسی خلیفہ کی بارگاہ میں رسائی نے آپ کی شان کو اور بھی بڑھا دیا۔ خلیفہ کی ارادت وعقیدت آپ کے ساتھ بڑھتی گئی چنانچہ اس نے ۶۱۷ھ میں اپنا خصوصی ایلچی بنا کر سلطان ہند شمس الدین التمش (۶۰۷ھ تا ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۵ء) کے پاس بھیجا۔ ”وارسلہ بالرسالۃ الشریفۃ الیٰ صاحب الھند شمس الدین الا یلتمش سنۃ سبع وعشر و ستمائۃ ۔۔۔۔۔“ (نزہۃ الخواطر ۱۲۰، ۱۰۵)

آپ دہلی اس شان سے آئے کہ علمائے دہلی دوسرے علوم میں آپ کے ہم پلہ وہمسر تو تھے مگر علم حدیث میں آپ کا مرتبہ سب سے ارفع واعلیٰ تھا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"باز بحضرت دہلی رسید دراں ایام در حضرت دہلی علماء کبار بودند ہمہ در علوم متساوی او اما در علم حدیث از ہمہ ممتاز بود ہیچ کس مقابل او نبود (فوائد الفواد ص ۱۸۲)

مراجعت بغداد:۔

"ثم خرج من الھند سنة اربع وعشرين وستمائة" (نزہۃ الخواطر) امام صغانی سات آٹھ برس دہلی میں مقیم رہے جہاں ان کے حلقۂ درس سے طالبان علم بہرہ مند ہوتے رہے مگر ہندوستان کی اس گرانمایہ علمی شخصیت نے شاید سرزمین وطن پر مستقل قیام کرنا پسند نہیں کیا اور دہلی سے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے یمن گئے یمن کی سیر وسیاحت کے بعد بغداد پہونچے۔ بغداد میں پہلے سے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا گیا۔ آپ نے بغداد کی بزم علمی کی رونق بڑھائی اور خلیفہ نے آپ کے اعزاز واکرام میں اضافہ کیا۔

دوبارہ ہندوستان کی آمد:۔

بارگاہ خلافت عباسیہ کا تقرب خاص ہی تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے بحیثیت قاصد آپ کو سلطانہ رضیہ بنت سلطان التمش کے پاس ہندوستان بھیجا چند سال قیام ہند کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے۔ (۶۳۷ھ) پھر کبھی ہندوستان نہیں آئے۔ "ثم اعيد الى الصدر مولا من حضرة مستنصر بالله العباسى الىٰ رضية بنت الايلتمش ملكة الهند ورجع الى بغداد سنة سبع وثلاثين وستمائة" (نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۰۵)

وفات:۔

ہندوستان سے واپسی کے بعد بغداد ہی میں مستقل قیام رہا اور ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ء میں یہ آفتاب علم وفن غروب ہو گیا۔ سارے بغداد نے آپ کا ماتم کیا اور علمی مجالس سوگوار ہو گئیں۔

وفات کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی نجومی تھا جس نے آپ کی وفات کے متعلق پیشین گوئی کی تھی۔ جب وہ دن آیا تو امام موصوف بالکل تندرست تھے انہوں نے شکرانہ میں احباب اور شاگردوں کی دعوت کی تھی لیکن ابھی لوگ دعوت سے فراغت کے بعد تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر امام صغانی کی موت کی اطلاع دی۔

حریم قاہری میں آپ کو دفن کیا گیا۔ ان کی خواہش تھی کہ انہیں مکہ معظمہ کی پاک سرزمین میں دفن کیا جائے نعش کو مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کرنے والے کے لیے آپ نے پچاس دینار معاوضہ کی وصیت کی تھی۔ کسی شخص نے معاوضہ لے کر آپ کے جسد خاکی کو مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کر دیا۔

علمی خدمات:۔

امام صغانی نے پوری زندگی حصول علم اور اپنے علم سے تشنگان علم کو سیراب کرنے میں گذار دی، دور دراز کے سفر کیے علماء و مشائخ کی بارگاہوں میں حاضری دی اور علوم و عرفان کے ذخیروں سے اکتساب فیض کیا۔

جس طرح اکناف واطراف عالم کے علماء و مشائخ سے دولت علم حاصل کی اسی طرح ممالک اسلامیہ کے جس شہر میں بھی آپ نے اقامت گزینی کی وہاں علم کی دولت سے خواستگان علم کو بہرہ مند کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جن بلاد و امصار میں آپ کا قیام رہا وہاں آپ کے شاگردوں کی بھی ایک جماعت ضرور پیدا ہوئی۔ تلامذہ کی صحیح تعداد تشنۂ تحقیق ہے مگر ان کے ارشد تلامذہ میں درج ذیل علماء خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

شیخ شرف الدین دمیاطی، نظام الدین محمود بن عمر ہروی، محی الدین ابوالبقاء، صالح بن عبد اللہ بن جعفر بن علی بن صالح اسدی کوفی، شیخ برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسد البلخی، مولانا کمال الدین زاہد، محمد بن احمد بطال، سلیمان بن بطال، منصور بن حسن، احمد بن علی سردوی، ابومحمد سعد مسعود المجوی، عزالدین الوزیر علقمی۔

تصانیف:۔

رضی الدین صغانی نے مختلف علوم وفنون میں گرانقدر کتابیں تصنیف کیں جو کیت و کیفیت ہر لحاظ سے کافی اہمیت رکھتی ہیں اور اہل نظر کی آنکھوں کا سرمہ ہیں۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا "تصانیف غرا پرداخت انہوں نے عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔ (ماثر الکرام ص ۱۸۱)

ان کی معلوم کتابوں کی فہرست یہ ہے۔

(۱) اسماء الاسد (۲) اسماء الذئب (۳) اسماء الفارہ (۴) بغیۃ الصدیان (۵) التجر
وجمل صغانی (۶) تعزیہ بیتی الحریری (۷) درالسحابۃ فی وفیات الصحابہ (۸) الدر الملتقط فی تبیین الغلط
(۹) [illegible] المفصل، (۱۰) شرح البخاری، (۱۱) شرح درالسحابہ (۱۲) شرح القلادۃ السمطیہ

توشیح الدریدیہ (۱۳) الشمس المنیرۃ من الصحاح الماثورۃ (۱۴) کتاب الشوارد (۱۵) العباب الزاخر (۱۶) فرائض الصغانی (۱۷) افعال (۱۸) فعلان (۱۹) فعول (۲۰) کتاب الاثر (۲۱) کتاب اسماء الدین (۲۲) کتاب اسماء السعادۃ (۲۳) کتاب الاصفار (۲۴) کتاب الاضداد (۲۵) کتاب الافتعال (۲۶) کتاب الافعال (۲۷) کتاب الانفعال (۲۸) کتاب التکملہ (۲۹) کتاب التراکیب (۳۰) کتاب درجات العلم والعلماء (۳۱) کتاب زبدۃ المناسک (۳۲) کتاب الضعفاء (۳۳) کتاب العروض (۳۴) کتاب عقلۃ العجلان (۳۵) کتاب یفعول (۳۶) کشف الحجاب عن احادیث الشہاب (۳۷) مجمع البحرین (۳۸) مصباح الدجیٰ من صحاح احادیث المصطفےٰ (۳۹) موضوعات امام حسن صغانی (۴۰) النوادر فی اللغۃ (۴۱) مشارق الانوار النبویۃ من صحاح اخبار المصطفویۃ۔

حدیث:۔

یوں تو امام صغانی کا کمال علم جملہ اسلامی علوم وفنون میں اپنا خاص مقام رکھتا ہے۔ لغت اور حدیث میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔ آپ نے عراق، حجاز، عدن، یمن، اور دیگر اسلامی شہروں کے محدثین کرام کی صحبتوں اور علمی مجلسوں میں رہ کر علم حدیث میں جو عبور حاصل کیا وہ ان کے معاصرین میں کم لوگوں کو حاصل ہوا تھا۔

علم حدیث سے متعلق آپ کی گرانقدر مصنفات جن کا ذکر تصانیف کے ذیل میں آ چکا ہے اس امر کی شاہد ہیں کہ آپ کو اس علم سے والہانہ شغف اور اس علم میں کامل درک حاصل تھا۔ شیخ نظام الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

"باز بحضرت دہلی رسید دراں ایام در حضرت دہلی علماء کبار بودند ہمہ در علوم متساوی بود امادر علم حدیث از ہمہ ممتاز بود"۔ (فوائد الفواد)

❁ دمیاطی: "انہ کان اماماً فی اللغۃ والفقہ والحدیث" وہ لغت، فقہ اور حدیث کے امام تھے۔

❁ خیر الدین زرکلی: "اعلم اھل عصرہ فی اللغۃ وکان فقیہا محدثا" وہ اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ لغت کا علم رکھنے والے، فقیہ اور محدث تھے۔

حدیث کے متعلقہ علوم اسماء الرجال، جرح وتعدیل، اور توثیق وتضعیف میں بھی یکتا تھے۔ مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں "عالم ربانی ودانائے غوامض معانی بود ودر فقہ وحدیث وعلوم دیگر پایۂ

عالی داشت'' رضی الدین صغانی عالم ربانی اور معانی کی گہرائیوں کو جاننے والے تھے وہ حدیث وفقہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی تحریر کرتے ہیں'' وہ ابن جوزی اور صاحب سفرالسعادۃ کی طرح حدیث کے باب میں متشدد تھے۔ (الفوائد البہیہ ص ۳۰)

مشارق الانوار:۔

علماء ہند میں امام صغانی اولین محدث ہیں جن کے ذریعہ اس ملک میں حدیث کی خدمت واشاعت کی داغ بیل پڑی اور انہوں نے اس فن میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا کام انجام دیا۔

علم حدیث سے متعلق یوں تو صغانی کی کئی ایک کتابیں ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ اور اہم مشارق الانوار ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر صحیح بخاری ومسلم سے حدیثوں کا ایک انتخاب کیا ہے۔ اس کتاب کا شارح ذرونی لکھتا ہے۔'' احادیث کی کل تعداد دو ہزار دو سو چھیالیس ہے۔ اس کتاب میں بارہ ابواب ہیں''۔

امام صغانی نے یہ کتاب خلیفہ عباسی المستنصر باللہ (۶۲۳ھ تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۳ء) کے لیے تصنیف فرمائی تھی۔

امام رضی الدین صغانی اس کتاب کو اپنے اور خدا کے درمیان ایک حجت اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مشارق الانوار کے مقدمہ میں لکھتے ہیں " ھذاالکتاب حجۃ بینی وبین اللہ تعالیٰ فی الصحۃ والرصانۃ والاتقان والمتانۃ" یعنی یہ کتاب صحت وثبوت، اتقان ومتانت میں میرے اور خدا کے درمیان حجت ہے۔ (مشارق الانوار ص ۴)

خواجہ نظام الدین اولیاء ارشاد فرماتے ہیں'' اگر چہ حدیثے برا ومشکل شدے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے وصحیح کردے، اگر انہیں کسی حدیث میں اشکال ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتے اور آپ سے اس کی صحت فرما لیتے۔ (فوائد الفواد ص ۱۰۳)

اس وصف میں امام رضی الدین صغانی منفرد ہیں۔ مشارق الانوار کی ایک حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ " عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان الفتنۃ ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان. قال الصغانی مولف ھذا الکتاب سمعتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالہ وھو یشیر الی المشرق " حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتنہ وفساد ادھر ہے جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ اس کتاب [illegible] حدیث حضور سے سنی اور آپ پورب کی طرف اشار

فرمارہے تھے"۔ (مشارق الانوار ص ۲۱)

مولانا نے اس مجموعۂ احادیث کو بڑی عرق ریزی اور احتیاط کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کتاب کو قبول عام عطا فرما کر دنیا میں ان کی جانفشانی کا بہترین صلہ بخشا۔ یہ کتاب صدیوں تک ہندوستانی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی رہی۔ صحاح ستہ کے رواج سے قبل اس کا رواج عام پورے ہندوستان میں تھا۔ مشارق الانوار اور مصابیح یہی دو کتابیں منتہی سمجھی جاتی تھیں۔

لغت:۔

علم حدیث کی طرح لغت میں بھی امام صغانی کو کمال حاصل تھا۔ ارباب علم ودانش نے انہیں امام لغت قرار دیا۔ انہوں نے اس موضوع پر بیش بہا یادگار تصانیف چھوڑی ہیں۔ لغت میں ان کا زبردست کارنامہ العباب الزاخر اللباب الفاخر، ہے جو بیس ضخیم جلدوں میں مکمل ہوتی ہے۔ لغت کے مشہور امام قاموس کے مصنف مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹ھ تا ۸۱۷ھ مطابق ۱۳۲۹ء تا ۱۴۱۴ء) نے اپنی کتاب اللامع المعلم جو ساٹھ جلدوں پر مشتمل تھی اور عربی لغت کا وسیع سرمایہ جس کے اندر موجود تھا اس کتاب کی ترتیب میں صغانی کی اللباب سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔

افسوس کہ صغانی کی یہ مہتم بالشان کتاب اسلاف کی دوسری بہت سی قابل قدر کتابوں کی طرح ضائع ہوگئی اور آج ہمارے علمی خزانے ان شاہوار موتیوں سے محروم ہیں۔

لغت میں امام صغانی کی دوسری ضخیم کتاب "مجمع البحرین فی اللغۃ" ہے جو بارہ جلدوں میں پوری ہوتی ہے۔ امام موصوف نے اس فن میں دوسری اور بھی تصانیف اہل علم وادب کے لیے چھوڑیں فہرست کتب میں جن کا ذکر آچکا ہے۔

(۸۰) شیخ الاسلام حضرت امام زکی الدین منذری شامی علیہ الرحمہ

شعبان ۵۸۱ھ   ذی قعدہ ۶۵۶ھ

اسم گرامی عبد العظیم، کنیت ابو محمد، لقب زکی الدین۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد بن سعید المنذری الشامی۔ آبائی وطن شام تھا اسی مناسبت سے تذکرہ نگاروں نے شامی لکھا ہے مگر آپ کا خاندان شام سے مصر منتقل ہوگیا تھا جہاں شروع شعبان ۵۸۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تحصیل علم :۔

امام منذری نے مصر جیسی علمی فضا میں آنکھ کھولی تھی چنانچہ وہ ابتداء میں علماء مصر سے علم حاصل کرتے رہے پھر ذوق علم ان کو اسلاف کی طرح ملکوں ملکوں شہروں شہروں پھراتا رہا اور وہ پورے عزم واستقلال کے ساتھ دور دراز کا سفر محض طلب علم کے لیے کرتے رہے۔ انہوں نے حصول علم کے لیے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، دمشق، حران، رہا اور اسکندریہ وغیرہ کے سفر کیے اور وہاں کے ائمہ فن سے علم حاصل کیا کچھ اہم اساتذہ یہ ہیں:

ابوعبداللہ ارتاحی، عبدالمجیب بن زہیر، ابراہیم بن بجیت، ابوالجود غیاث بن فارس، حافظ ابوالحسن مقدسی، حافظ جعفر بن اموسان، عمر بن طبرزد، محمد بن زنگ، تاج کندی وغیرہم (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۲۱)

دوسرے تذکرہ نگاروں نے شیوخ کے کچھ اور نام تحریر کیے ہیں۔ محمد بن عمر بن یوسف القرشی، مہذب الدین محمد بن علی الحل الادیب، محمد بن ہبۃ اللہ شیرازی، ابراہیم بن نصر بن طاقہ مصری، عبدالرحمٰن بن محمد بن اسماعیل القرشی المصری، ابن وراق، امین الدین تبریزی، نجم بن ابی الفرج بن سالم مصری، فقیہ ہمام بن راجی اللہ مصری، موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی۔

علم وفضل :۔

امام منذری قرآن، تجوید وقرأت اور حدیث وفقہ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے مگر شہرت دوام اور تفوق وبرتری انہیں علم حدیث میں کمال کی بدولت ملی، علم حدیث اور اس کے متعلقات میں آپ کے تبحر کا اعتراف وقت کی با عظمت علمی شخصیتوں نے کیا ہے۔ شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (۵۷۸ھ تا ٦٦٠ھ) جو اپنے وقت کے بلند پایہ عالم اور تجدید واحیائے دین کا ستون تھے انہیں امام منذری کی شاگردی پر فخر تھا وہ کہتے ہیں۔

"کان شیخنا زکی الدین عدیم النظیر فی علم الحدیث علی اختلاف فنونه عالماً بصحیحه وسقیمه ومعلوله وطرقه متبحراً فی معرفة احکامه ومعانیه و مشکله قیما بمعرفة غریبه واعرابه واختلاف الفاظه اماماً حجة ثبتاً ورعاً متحریاً [illegible] قرأت علیه قطعة حسنة من حدیثه و انتفعت به انتفاعاً

کثیرا"۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۲۱)

ہمارے شیخ زکی الدین حدیث اور اس کے مختلف فنون میں اپنی نظیر آپ تھے صحیح اور سقیم کے واقف، معلول اور اسانید کے عالم، احکام اور معانی کے شناسا اشکال حل کرنے اور غریب حدیث اعراب وترکیب اور اختلاف الفاظ کی عقدہ کشائی کرنے والے تھے نیز فن حدیث میں امام، حجت اور ثبت تھے۔ جو بات کہتے جانچ تول کر کہتے اور جو روایت کرتے تحقیق اور یقین سے روایت کرتے تھے میں نے ان سے حدیث کا معتد بہ حصہ پڑھا ہے اور ان سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

❁ حافظ ذہبی: "**الحافظ الکبیر الامام الثبت شیخ الاسلام ... الشامی**" شام کے رہنے والے جلیل القدر حافظ حدیث، پختہ کار امام اور شیخ الاسلام ہیں۔ (ایضاً)

❁ حافظ عبدالمومن: "**اتیته مبتدیاً وفارقته معیداً له فی الحدیث**" میں ایک مبتدی طالب علم کی حیثیت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور جب گیا تو حدیث میں ان کا معید تھا۔ (ایضاً)

❁ حافظ ابن کثیر: "**عنی بهذا الشان حتی فاق اهل زمانه فیه**" فن حدیث میں دائم الاشتغال اور منہمک رہے یہاں تک کہ اپنے اہل زمانہ سے سبقت لے گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۱۲)

❁ علامہ سیوطی: "**اذا علمتم بالحدیث انه فی تصانیف المنذری صاحب الترغیب والترهیب فاروه مطمئنین**" جب تمہیں کسی حدیث کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حافظ منذری مصنف الترغیب والترہیب کی کسی کتاب میں ہے تو اسے بے کھٹکے نقل کرو۔ (التعلیقات الحافلہ ص ۱۲۰)

اشاعت علم:۔

مبدأ فیاض نے آپ کو علم وفضل کی جو عظمت عطا فرمائی تھی اور علوم وفنون کے درخشاں موتیوں سے آپ کے دامن کو مالا مال کیا تھا اس کا تقاضہ تھا کہ آپ اپنے علمی جواہر پاروں سے طالبان علم کا دامن بھر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کے چشمۂ علم سے ہزاروں تشنگان علوم کئی دہائیوں تک سیراب ہوتے رہے اور آپ کے علم وعرفان کا چشمہ دور دراز کے علاقوں تک جاری رہا۔

❁ حافظ ذہبی لکھتے ہیں "**درس بالجامع الظافری بالقاهرة ثم ولی مشیخة**

الدار الکاملیة وانقطع بھا بنشر العلم عشرین سنة ابتداءً "آپ قاہرہ میں جامع ظافری میں مدرس مقرر ہوئے پھر "دارکاملیہ" میں صدر المدرسین کا عہدہ سنبھالا اور وہاں یکسوئی کے ساتھ بیس سال تک علم کی نشر واشاعت میں معروف رہے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۲۱)

درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں اس درجہ منہمک رہتے کہ نماز جمعہ کے علاوہ بھی مدرسہ سے باہر تشریف نہ لے جاتے۔ علامہ سبکی تحریر فرماتے ہیں۔

"ان کے ایک صاحبزادے جو بڑے محدث اور فاضل تھے ان کا انتقال ہوا تو باپ (حافظ منذری) نے کاملیہ کے اندر ہی نماز جنازہ پڑھائی اور صرف دروازے تک جنازے کے ساتھ آئے اور وہیں سے رخصت کر کے یہ کہہ کر واپس ہوگئے کہ "جاؤ بیٹا میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا" (طبقات شافعیہ ج ۵ ص ۱۰۹)

آپ کے حلقۂ درس کی اہمیت اور فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں " قیل لی ما علیٰ وجه الارض مجلس فی الفقه ابھیٰ من مجلس الشیخ عزالدین بن عبدالسلام وما علیٰ وجه الارض مجلس فی الحدیث ابھیٰ من مجلس شیخ زکی الدین عبدالعظیم" مجھ سے کہا گیا ہے کہ روئے زمین پر علم فقہ کی کوئی مجلس شیخ عزالدین عبدالسلام (شاگرد رشید منذری) کی مجلس سے بہتر نہیں اور روئے زمین پر حدیث میں کوئی مجلس شیخ زکی الدین بن عبدالقوی (منذری) کی مجلس سے بارونق وعمدہ نہیں"۔ (حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۲۷)

تلامذہ:۔

آپ سے علم حاصل کرنے والوں کی تعداد کافی ہے چند نامور تلامذہ یہ ہیں: شیخ دمیاطی، ابن ظاہری، ابوالحسین یونینی، ابوعبداللہ بن قزاز، اسماعیل بن نصر اللہ، علم الدین سنجرو دواری، قاضی القضاۃ تقی الدین ابن دقیق العید، عماد محمد بن جرائدی، اسحاق بن وزیری، حافظ شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۲۱)

تصانیف:۔

منذری ایک باکمال مصنف بھی تھے انہوں نے حدیث، فقہ، تاریخ اور رجال میں مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''التنبیہ'' کی شرح (۲) مختصر سنن ابی داؤد (۳) حواشی سنن ابی داؤد (۴) مختصر صحیح مسلم (۵) المعجم (۶) الترغیب والترہیب (۷) کتاب الخلافیات ومذاہب السلف (۸) التکملۃ الوفیات النقلۃ (۹) الطہور شطر الایمان (رسالہ) (۱۰) حدیث ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ (رسالہ) (۱۱) جزء المنذری (۱۲) عمل الیوم واللیلۃ (۱۳) جزء الفوائد الشفریہ (۱۴) کفایۃ المتعبد وتحفۃ المتزہد، ان کے علاوہ متعدد رسائل بھی لکھے ہیں۔

الترغیب والترہیب:۔

اسلامی دنیا میں احادیث نبوی کے بیشمار مجموعے مرتب کیے گئے ۔ تدوین وترتیب اور موضوع کے لحاظ سے ان کتابوں کو مختلف انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے کچھ مصنفین نے کسی خاص ایک موضوع پر حدیثیں جمع کیں مثلاً عبادات، اخلاقیات، فضائل اعمال، اذکار ودعوات پر مستقل تصانیف تیار کی گئیں ۔ ترغیب وترہیب کے عنوان پر بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام اقوال وارشادات جمع کیے گئے جن میں آپ نے خصائل حمیدہ اور اعمال صالحہ پر اجر وثواب اور خصائل رذیلہ واعمال قبیحہ پر زجر وعتاب بیان فرمایا ہے۔

منذری سے پہلے انذار وتبشیر کے موضوع پر سب سے پہلے حافظ ابو احمد حمید بن زنجویہ ازدی نسائی نے ایک مجموعہ مرتب کیا۔ (۲) حافظ ابن شاہین ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بغدادی کا بھی ایک مجموعہ ترغیب وترہیب کے موضوع پر ہے (۳) الفقیہ المفسر ابو الفتح سلیم بن ایوب الرازی الشافعی کی بھی ایک کتاب الترغیب والترہیب ہے۔ (۴) ایک مشہور مجموعہ ''ترغیب وترہیب'' امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کا بھی ہے (۵) مصنف جلیل حافظ ابو موسیٰ المدینی محمد بن ابی بکر عمر بن ابی عیسیٰ احمد بن عمر محمد بن ابی عیسیٰ اصفہانی (م ۵۸۱ھ) کی بھی ایک ترغیب وترہیب ہے (۶) ایک مشہور ومعروف مجموعہ ''الترغیب والترہیب'' حافظ کبیر ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن فضل اصفہانی کا بھی ہے ۔ (۷) ابو الحسن تمیمی نے بھی ایک کتاب ''الترغیب والترہیب'' کے نام سے تصنیف کی۔

امام منذری نے جو کتاب اس موضوع پر تحریر کی وہ تمام سابقہ کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہ مجموعہ سابقہ تمام مجموعوں سے جامع بھی ہے اور احادیث کے معیار صحت کے لحاظ سے بھی سابقہ مجموعوں کی بہ نسبت اس کا مقام بلند ہے اور ابواب کی ترتیب بھی نہایت موزوں ہے۔

حافظ منذری نے کتاب "الترغیب والترہیب" کی تالیف کا سبب اس طرح بیان کیا ہے:

"میرے ایک نیک بخت شاگرد نے مجھ سے یہ تمنا ظاہر کی کہ میں ترغیب وترہیب کے موضوع پر ایک جامع کتاب املاء کرادوں جو اسناد وعلل کی بحثوں سے خالی ہو اور اپنے موضوع پر حاوی ہو۔ ان کی درخواست پر مصنف نے استخارہ کیا اور اس کے بعد یہ کتاب املا کرادی جس میں صرف وہی حدیثیں جمع کیں جن میں صراحت کے ساتھ ترغیب وترہیب (یعنی نیک اعمال پر اجر وثواب اور بدعملیوں پر سزا وعذاب) کا مضمون تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات بالکل نہیں لیے اور اقوال میں بھی صرف امر یا صرف نہی کی احادیث نہیں لی گئیں بلکہ بہت سی موضوع کے مناسب حدیثوں کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ یہ صرف فعل ہے قول نہیں یا یہ کہ محض امر یا نہی ہے ترغیب وترہیب کا مضمون اس میں صراحت کے ساتھ نہیں۔ (مقدمہ الترغیب والترہیب للمنذری)

زہد وتقویٰ:۔

حافظ منذری علوم ظاہری کے ساتھ علم باطن کے بھی رمز شناس تھے ان کی زندگی زہد وورع ،تقویٰ اور پرہیزگاری سے عبارت تھی وہ صالح ،دیندار عالم تھے ان سے خیر وبرکت کا صدور ہوتا تھا حافظ ذہبی نے انہیں عابد وزاہد قرار دیا وہ لکھتے ہیں " کان ذا نسک وتزھد" یعنی عبادت گذار اور زاہد آدمی تھے۔

● **تاج الدین سبکی:** " الحافظ الکبیر الورع الزاھد......ترتجی الرحمة بذکرہ ویستنزل رضی الرحمن بدعائه کان رحمه الله قد اوتی بالمکیال الاوفی من الورع والتقوی" بڑے حافظ پرہیزگار اور زاہد تھے....... ان کے تذکرے سے رحمت خداوندی کی امید رکھی جاتی ہے اور ان کی دعا کے ذریعہ خدا کی رضا حاصل کی جاتی ہے آپ کو تقویٰ وپرہیزگاری سے بھرپور حصہ ملا تھا۔ (طبقات الشافعیہ ج۵ ص۱۰۸)

● **ابن دقیق العید:** " میں حافظ منذری کو اپنے سے زیادہ متدین سمجھتا ہوں" (حسن المحاضرہ ج۱ ص۱۴۹)

حافظ دمیاطی نے حافظ منذری کی پرہیزگاری اور احتیاط کا ایک چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ "ایک بار وہ حمام سے نکلے اس کی گرمی کی شدت سے چل نہ سکے اور بے بس ہو کر راستہ کے کنارے ایک دوکان کے قریب لیٹ گئے۔ حافظ دمیاطی کہتے ہیں کہ دوکان بند تھی میں نے عرض کیا

کہ محترم القام میں آپ کو اس دوکان کے چبوترے پر بٹھا دیتا ہوں تو حافظ منذری نے اس شدت کی غشی اور کمزوری کے عالم میں جواب دیا کہ **بغیر اذن صاحبہ کیف یکون** مالک کی اجازت کے بغیر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حافظ دمیاطی کہتے ہیں آخر شیخ منذری دوکان کے چبوترے پر بیٹھنے کے لیے راضی نہیں ہوئے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۹)

امام منذری کا قلب عشق رسول کا گنجینہ اور عرفان و معارف کا آئینہ تھا۔ علم ظاہری کے ساتھ علم حدیث کے پرکھنے کا ملکہ تو رکھتے ہی تھے باطنی حس سے بھی انہیں حدیثوں کی صحت و سقم کا ادراک حاصل تھا۔ انہوں نے حدیثوں کے متعلق فیصلہ تو انہیں اصول کے تحت کیا جو علماء حدیث کے نزدیک طے شدہ ہیں لیکن اپنے نور بصیرت سے کہیں کہیں اس راہ میں انہوں نے کام ضرور لیا چنانچہ اپنی کتاب الترغیب والترہیب میں ایک جگہ حدیث، "**ازهد فی الدنیا یحبک الله وازهد فیما فی ایدی الناس یحبک الناس**" (دنیا میں زہد کی زندگی اختیار کر لو اور لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے بے رغبت ہو جاؤ لوگوں کے محبوب بن جاؤ گے) پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے ایک راوی خالد بن عمرو القرشی الاموی العیدی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ متروک و متہم ہے اور میں نے کوئی اس کی توثیق کرنے والا نہیں پایا اور جن بعض مشائخ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "**فیہ بعد**" یعنی یہ بات بعید ہے لیکن اس کے باوجود ان کا نور بصیرت ان کو کچھ دوسری کہنے پر مجبور کر رہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"**لٰکن علیٰ هذا الحدیث لا معة من انوار النبوة ولا یمنع کون راویه ضعیفا ان یکون النبی صلی الله علیه وسلم قاله**" لیکن اس حدیث پر انوار نبوت کی شعاعیں محسوس ہو رہی ہیں اور راوی کے کمزور ہونے سے یہ بات ضرور نہیں ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی نہ ہو (اس لیے کہ راوی کے کمزور ہونے سے تو صرف اتنا معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے ہم تک پہونچنے کا واسطہ کمزور ہے لیکن یہ بات کہ زبان رسول سے یہ الفاظ نکلے تھے یا نہیں بالکل الگ چیز ہے)"۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۵۷)

اس کے بعد مصنف نے ایک دوسری سند سے اس کی متابعت و تائید کی ہے لیکن ہمیں تو اس جگہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس حدیث کی تائید و توثیق کا اصل محرک وہی سخن شناس نور باطن ہے جس نے اس میں ان کو نبوت کی جھلک دکھائی ہے۔ **ذلک فضل الله یوتیه من یشاء**.

حافظ منذری کے اسی زاہدانہ مزاج کا اثر ہے کہ انہوں نے الترغیب والترہیب کے اندر

"باب الترغیب فی الزھد فی الدنیا والاکتفاء منھا بالقلیل" کے تحت ایک سو (۱۶۷) روایتیں جمع کی ہیں جب کہ اس کے علاوہ پوری کتاب کے اندر کسی باب میں بھی اتنی روایات نہیں ہیں۔ ان روایات میں آپ نے مرفوع احادیث بھی لکھی ہیں اور صحابہ کرام کے آثار ومعمولات بھی نقل کیے ہیں۔

وفات:۔

حافظ منذری نے ۴ر ذی قعدہ ۶۵۶ھ میں وفات پائی مصر میں کوہ مقطم کے دامن میں دفن کیے گئے۔

(۸۱) شیخ الاسلام حضرت امام ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۶۳۱ھ وفات ۶۷۶ھ

اسم گرامی یحییٰ ابوزکریا کنیت لقب محی الدین۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن جمعہ بن حزام۔ آپ کی ولادت ۶۳۱ھ میں بمقام نوا ہوئی جو ملک شام کے ایک شہر حوران کا ایک قریہ ہے اسی کی نسبت سے نواوی اور نووی مشہور ہوئے۔

تحصیل علم:۔

امام نووی ۶۴۹ھ میں مدرسہ رواحیہ دمشق میں داخل ہوئے اور باقاعدہ تحصیل علم کا آغاز فرمایا دو سال بعد اپنے والد کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے مدینہ منورہ میں ڈیڑھ ماہ قیام کیا اس سفر میں حرمین شریفین کے فضلاء سے استفادہ کرتے رہے واپسی کے بعد پورے انہماک کے ساتھ کسب علم میں مصروف ہو گئے آپ نے خداداد قوت حفظ وضبط اور فہم وفراست کے ساتھ تحصیل علم کے میدان میں قدم رکھا تھا اور بڑی تحقیق وتفتیش اور ذوق وشوق کے ساتھ علوم وفنون متداولہ کی تحصیل کی شیخ ابوالحسن بن عطار کا بیان ہے کہ امام محی الدین نووی نے انہیں بتایا کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر روزانہ اپنے اساتذہ سے ۱۲ر اسباق پڑھا کرتے تھے کتاب الوسیط کے دو سبق۔ المہذب کا ایک سبق الجمع من الصحیحین کا ایک سبق اسماء الرجال کا ایک سبق اور اصول دین کا ایک سبق صرف ونحو کا ایک سبق اصول فقہ کا ایک سبق صحیح مسلم کا ایک سبق اصطلاح منطق کا ایک سبق وہ کہتے ہیں "کنت اعلق جمیع ما یتعلق بھا من شرح مشکل ووضوح عبارۃ وضبط لغۃ

"وبارک اللہ تعالیٰ فی وقتی" پڑھتے وقت مشکل الفاظ کی تشریح پیچیدہ عبارت کی توضیح اور ضبط لغت کے ساتھ تعلق رکھنے والی تمام ضروری باتیں نوٹ کرلیا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے میرے اوقات میں برکت دی تھی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۱)

اسی طرح آپ نے حدیث، رجال، فقہ، اصول فقہ، عقائد وکلام، معقولات، عربیت ولغت کی باکمال اساتذہ فن سے تحصیل کی آپ کے نام آور شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:

امام رضی بن برہان، عبدالعزیز بن محمد انصاری، زین الدین بن عبدالدائم، عماد الدین بن عبدالکریم بن حرستانی، زین الدین خالد بن یوسف، تقی الدین بن ابی الیسر، جمال الدین مصری، شمس الدین بن ابی عمر، زین خالد، ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ مرادی، قاضی تفلیسی شمس الدین عبدالرحمٰن بن نوح، کمال اسحاق مغربی، عز الدین عمر بن سعد اربلی، کمال سلد رار بلی، شیخ احمد صری، امام ابن مالک۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۱)

علم وفضل:۔

امام نووی نے جس انہماک وتحقیق کے ساتھ ارباب کمال کی بارگاہوں سے علم حاصل کیا اس نے انہیں دنیائے علم وفضل میں امتیازی شان عطا کردی ان کے فضل وکمال کا اعتراف ارباب تذکرہ اور اعیان علم دین نے اس طرح کیا ہے۔

❁ **حافظ ذہبی:** " الامام الحافظ الاوحد القدوة شیخ الاسلام علم الاولیاء صاحب التصانیف" شیخ الاسلام امام نووی بے نظیر، پیشوا جلیل القدر حافظ حدیث اور سرتاج اولیاء ہیں اور بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۵۰)

❁ **شیخ شمس الدین بن فخر حنبلی:** " کان اماما بارعا حافظا متقنا اتقن علوماً جمة وصنف التصانیف الجمة" آپ باکمال امام اور صاحب اتقان حافظ تھے آپ نے بہت سے علوم ضبط کیے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ (ایضاص ۲۵۴)

❁ **شیخ قطب الدین یونینی:** "کان اوحد زمانه فی العلم والورع والعبادة" آپ علم ورع اور عبادت میں دریگانہ تھے۔ (ایضا)

❁ **شیخ ابن فرح:** " نوبة الشیخ محی الدین قدصار الی ثلاث مراتب کل مرتبة لو کانت لشخص لشدت الیه الرحال العلم والزهد والامر بالمعروف

والنهي عن المنكر" شیخ محی الدین میں ایسی تین خوبیاں بدرجۂ کمال پائی جاتی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی شخص میں پائی جاتی تو اس کی طرف عقیدت مندوں اور مستفیدین کے تانتے بندھ جائیں اور وہ ہیں علم، زہد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (ایضا)

● امام یافعی: " الامام شیخ الاسلام المحقق المدقق النجیب البحر المفید" گوناگوں فضائل ومحاسن کے جامع، علوم میں متبحر، حدیث، فقہ اور لغت میں وسیع المعرفت، عالم وفاضل یگانہ، ولی کبیر، سید شہیر، تمام معاصرین سے فائق وبرتر ہر سو ان کے محاسن کا چرچا اور فضائل کی شہرت ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۷۸)

● سید مرتضیٰ زبیدی: شیخ الاسلام، استاذ المتاخرین، بعد کے لوگوں پر اللہ کی حجت وبرہان اپنے زمانہ کے قطب، سید دوراں اور اللہ کی مخلوقات کے درمیان اس کا راز تھے۔ (تاج العروس)

حدیث:۔

امام نووی حدیث اور متعلقات حدیث سے خاص شغف رکھتے تھے ان کا شمار ممتاز محدثین اور نامور شارحین حدیث میں ہوتا ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی رقمطراز ہیں: "کان حافظا للحدیث وفنونه ورجاله وصحیحه وعلیله راسا فی معرفة المذهب" آپ نامور حافظ حدیث اس کے جملہ فنون کے عالم، فن رجال کے ماہر صحیح اور ضعیف کو خوب جانتے تھے تحقیق مذاہب میں آپ کا جواب نہ تھا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۲)

حدیث میں کمال کی بنا پر آپ کو دار الحدیث دمشق میں حافظ ابو شامہ جیسے عظیم محدث کا جانشیں مقرر کیا گیا اور ان کی وفات کے بعد دار الحدیث دمشق کی تولیت وصدارت کے منصب پر فائز کیا گیا اس ذمہ داری کو وہ عمر بھر انجام دیتے رہے۔ (مرآۃ الجنان ج ۴ ص ۱۸۴)

فقہ:۔

حدیث ہی کی طرح وہ فقہ میں بھی بڑی شان کے مالک تھے وہ فقہ وافتاء میں گہری نظر رکھتے تھے ابن کثیر نے لکھا ہے وہ اپنے زمانہ کے اکابر فقہاء اور شوافع کے شیوخ میں تھے۔ امام یافعی لکھتے ہیں وہ فقہ کی معرفت میں منار ومعتمد اور لائق اعتبار مفتی تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں امام شافعی کے مذہب کی انہوں نے گوناگوں خدمات انجام دیں ہیں اس کے تجسس وتفحص ضبط وتنقیح تحریر وتدریس، ترتیب وتہذیب میں ان کا بڑا حصہ رہا ہے اور اس مذہب کے چوٹی کے علماء میں تھے رافعی کے بعد اس

مذہب میں ان سے زیادہ صاحب کمال اور ممتاز شخص کوئی نہیں گذرا۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۲)

دیگر علوم وفنون:۔

آپ حدیث وفقہ کے ساتھ قرآن وتفسیر وقرأت، عربیت، نحووصرف، منطق وفلسفہ میں بھی مہارت رکھتے تھے وہ حافظ قرآن تھے تلاوت آپ کا بہترین مشغلہ تھا وہ جامع کمالات اور متعدد علوم وفنون پر دست گاہ رکھتے تھے۔

تدریس:۔

امام نووی نے اپنی زندگی تحصیل علم اور اشاعت علم کے لیے وقف کردی تھی عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی رائیگاں نہ کرتے وہ شب وروز علم کی تحصیل اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور اشاعت علم میں مشغول رہتے۔ راستہ چلتے وقت بھی پڑھتے رہتے۔ ابن عطار کہتے ہیں " ذکر لی شیخنا رحمه الله تعالیٰ انه كان لا يضيع له وقتا لا في ليل ولا في نهار حتى في الطرق انه دام ست سنين ثم اخذ في التصنيف والافادة والنصيحة وقول الحق" ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے بجز پڑھنے پڑھانے کے دن اور رات میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی اسی شغل میں مصروف رہتے اور برابر چھ سال تک یہی معمول رہا پھر تعلیم وتصنیف، عوام کی بھلائی اور احقاق حق کو اپنے اوپر لازم کرلیا اور عمر بھر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۲) آپ نے پوری زندگی حصول علم اور اس کی اشاعت میں صرف کردی آپ کی ذات طلبہ اور علماء کا مرجع بنی ہوئی تھی۔ متعدد مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور بقول حافظ ذہبی آپ کی شب وروز کی کوششوں اور سعی جمیل کا نتیجہ یہ ہوا "تخرج به جماعةٌ من العلماء" کہ آپ کے حلقۂ درس سے نادرۂ روزگار علماء اور فضلاء محدثین نے سند فراغت حاصل کی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۲) آپ سے علم حاصل کرنے والوں کی فہرست کافی طویل ہے چند آ تلامذہ یہ ہیں:

خطیب، صدرالدین سلیمان جعفری، امام شہاب الدین احمد بن جعوان، شہاب الدین اربدی، علاء الدین بن عطار، حافظ بن ابی الفتح حافظ مزی، ابن عطار، شمس الدین بن نقیب، شیخ مبارک ناسک، جبریل کردی، قاضی محی الدین مرزعی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۱)

تصانیف:۔

امام نووی نے تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کتب کا اہتمام بھی فرمایا اور متعدد بیش بہا مفید کتابیں تصنیف کیں۔ جنہیں بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ علامہ یافعی فرماتے ہیں امام نووی پر خدا کی برکتیں ان کی کتابوں کے ذریعہ ظاہر ہوئیں چنانچہ ان سب کو قبول عام حاصل ہوا اور ہر ملک میں ان کی شہرت ہوئی اور لوگ ان سے خوب متمتع اور فیضیاب ہوئے۔ طاش کبریٰ زادہ کا بیان ہے کہ نووی سے بے شمار مشہور اور بیش قیمت کتابیں یادگار ہیں اور فن حدیث میں ان کی کتابوں کی تعداد زیادہ ہے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۶۷)

آپ کی کتابیں:۔ شرح صحیح مسلم، ریاض الصالحین، الاذکار، الاربعین، الارشاد فی علوم الحدیث، التقریب، کتاب المبہمات، تحریر الالفاظ للتنبیہ، العمدۃ فی تصحیح التنبیہ، الایضاح فی المناسک، التبیان فی آداب حملۃ القرآن، فتاویٰ، الروضہ شرح المہذب، شرح قطعۃ من البخاری، شرح قطعۃ من الوسیط، قطعۃ من الاحکام، مسودہ فی طبقات الفقہاء، التحقیق فی الفقہ۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۳) بستان العارفین، روح المسائل فی الفروع، غیث النفع فی القرأت السبع، مناقب الشافعی، مرأۃ الجنان فی تاریخ الاعیان، عیون المسائل المہمہ، الاصول والضوابط۔

شرح مسلم:۔

اس کا نام المنہاج شرح صحیح مسلم ہے یہ امام نووی کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے صحیح مسلم کی متعدد شرحیں لکھی گئیں ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی مقبولیت وشہرت واعتبار دونوں کے لحاظ سے اس کے ہم پایہ نہیں۔ یہ شرح نہ تو کافی طویل ہے اور نہ مجمل ومختصر بلکہ متوسط ہے چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

(۱) حشو وزوائد اور تکرار واطناب سے خالی اور فنی نکات، تنوع مطالب، حقائق اور مختلف احکام وآداب نیز حدیث سے مستنبط ہونے والے مفید مسائل ومباحث پر مشتمل ہے۔

۲۔ عبارت میں سلاست وروانی اور پیرایہ بیان میں دل آویزی ہے۔

۳۔ بظاہر متعارض حدیثوں کی تطبیق کی صورتیں بیان کی گئیں ہیں اور سند ومتن ہر ایک کے فرق واختلاف کو دور کیا گیا۔

۵۔ اسناد و رجال کی دقیق بحثیں ان کے لطائف اور روایات کے متعلق گوناگوں معلومات تحریر کیے گئے ہیں۔

۶۔ حدیث کی شرح اسی نوع کی حدیث سے کی گئی ہے اور کہیں کہیں قرآن سے بھی مدد لی ہے حدیثوں میں مذکورہ آیات قرآنیہ کی شرح و تفسیر بھی کی ہے۔

۷۔ مشکل الفاظ کی تحقیق۔ دقیق فقروں کی وضاحت اور کلام کے اسالیب کا ذکر بھی کیا ہے۔

۸۔ حدیثوں کا مفہوم ایسے عمدہ اور دلنشیں پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کوئی اشتباہ و اشکال باقی نہیں رہ گیا ہے۔

ریاض الصالحین:۔

ترغیب و ترہیب اور زہد و ریاضت نفس سے متعلق صحیح حدیثوں کا مختصر مجموعہ ہے معتبر و مفید ہونے کی وجہ سے اس کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔

اربعین:۔

اکثر محدثین نے چالیس احادیث کا مجموعہ مختلف اغراض و مقاصد کے تحت اربعینات مرتب کی ہیں بعض نے توحید و صفات الہی کی چالیس حدیثوں کو جمع کیا۔ بعض نے اصولوں و مہمات دین کی روایتیں اکٹھا کیں بعض نے جہاد کی اور بعض نے زہد و مواعظ اور بعض نے آداب و اخلاق اور فضائل اعمال وغیرہ کے متعلق چالیس حدیثیں جمع کیں امام نووی نے اپنی اربعین میں ان سب امور کا لحاظ رکھا ہے اس لیے ان کا مجموعۂ اربعین ان گوناگوں اغراض و امور کا جامع ہے۔

مکارم اخلاق:۔

امام نووی مکارم اخلاق کے پیکر تھے پوری زندگی اشاعت علم اور عمل صالح کے لیے وقف کردی تھی معاشرت بڑی سادہ غازۂ تکلف سے عاری تھی۔ روکھا سوکھا کھاتے موٹا جھوٹا پہنتے دنیاوی لذتوں سے بے نیاز رہتے۔ شیخ خطیب الدین یونینی کہتے ہیں " کان اوحد زمانه فی العلم والورع والعبادة والتقلل وخشونة العیش" آپ عبادت، ورع اور علم میں دریکدانہ تھے۔ بہت سادہ انتہائی متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے آپ نے لذائذ و تمتعات دنیا سے بہت کم فائدہ اٹھایا۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۴) شیخ شمس الدین فخر حنبلی کہتے ہیں" کان شدید الورع والزهد قار كالجميع الرغائب من الماكول الاما ياتيه به ابوه من كعك وتين " آپ کا

تورع اور زہد ضرب المثل تھا آپ نے ہر قسم کے مرغوب اور پر تکلف کھانے ترک کر دیے تھے آپ کے والد آپ کے لیے جو خشک روٹی اور انجیر مہیا کرتے صرف اسی پر گذر بسر کرتے تھے۔ (ایضاً)

رشید بن معلم فرماتے ہیں میں نے ایک بار شیخ محی الدین نووی کو حمام میں غسل نہ کرنے اور کھانے پہننے اور جملہ حالات میں تنگ دستی پر قناعت کرتے دیکھ کر ملامت کی اور کہا اس طرح آپ بیمار پڑ جائیں گے اور یہ تمام کارہائے خیر جو آپ نے شروع کر رکھے ہیں دھرے کے دھرے رہ جائیں گے تو اس کے جواب میں آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ فلاں بزرگ نے اتنے روزے رکھے اور اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کی کہ بدن پر ان کا چمڑا بھی خشک پڑ گیا۔ (ایضاً)

وہ نہایت متدین عابد و زاہد شخص تھے برابر عبادت ذکر الٰہی، اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے مجاہدہ و تزکیہ نفس مراقبہ و تصفیہ باطن، تقویٰ و طہارت اور معمولی جزوی باتوں میں احتیاط کو اپنی ذات پر لازم کر لیا تھا اپنی خواہشات نفس کو یکسر پامال کر دیا تھا۔ امام یافعی فرماتے ہیں وہ عابد و زاہد، متورع باعمل شب بیدار حامی دین اور ناصر سنت تھے عبادت و طاعت تلاوت قرآن تصنیف و تالیف میں ان کا تمام وقت بسر ہوتا۔ دنیا اور اس کے تعیشات سے بالکل دست کش رہتے اور تمام تر توجہ دین بنانے اور سنوارنے پر مرکوز رکھتے تھے۔ زہد و قناعت، اتباع سنت، اقتدائے سلف، نیکی و صلاح اور خیر خیرات کے کاموں میں لگے رہنا ان کی زندگی کا دستور تھا ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے راتیں عبادت میں گذرتیں اور اس قدر روتے کہ داڑھی اور چہرہ تر بتر ہو جاتا۔ ان کی طرح کسی شخص کو زہد و عبادت، حزم و احتیاط اور لوگوں سے حذر و اجتناب پر قابو نہیں ہو سکتا خود فرمایا کرتے میں جسم کی تر و تازگی اور نیند کی زیادتی کے ڈر سے پھل، ترکاری، سبزی اور عمدہ کھانے سے پرہیز کرتا ہوں وہ ہدیے اور فتوح کے قبول کرنے میں بھی حد درجہ محتاط واقع ہوئے تھے غیر متعلق افراد سے تو کچھ بھی قبول نہ کرتے ہاں ایسے لوگ جن سے وہ ذاتی طور پر واقفیت رکھتے اور ان کے کسب حلال کا یقین ہوتا ان سے قبول تحائف میں زیادہ اجتناب نہ کرتے چنانچہ ایک بار ایک فقیر نے ہدیہ کیا تو اس کو قبول کر لیا مدرسہ کی ملازمت کے باوجود معاوضہ نہ لیتے تھے وہ بڑے سے بڑے مصائب و آلام خندہ پیشانی سے جھیل لیتے۔ تکلیفوں پر صبر و تحمل ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی وہ اپنے معمولات پر بڑی سختی سے کاربند رہتے ان میں عمر بھر فرق آنے نہ دیا۔ سیرت و کردار کے لحاظ سے ان کا پایہ بہت بلند تھا امام یافعی فرماتے ہیں کہ بخدا وہ بہترین اوصاف و خصائص اور پاکیزہ سیرت و اخلاق سے متصف اور محاسن و کمالات میں عدیم النظیر تھے۔ (مرآۃ الجنان ج ۴ ص ۱۸۲) انہیں تصوف و سلوک سے حظ وافر ملا تھا

مشہور صوفی یٰسین بن یوسف زرکشی علیہ الرحمہ کے حلقہ بگوش تھے آداب سلوک واشارات طریقت انہیں سے سیکھے۔ صوفیہ ومشائخ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتے تھے مخالفین تصوف پر برہمی کا اظہار کرتے۔ انہوں نے سچے عالم ربانی کی طرح ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔ امراء وسلاطین کو بھی نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے باز رہنے کی تاکید کرتے اس باب میں بڑے جری اور بے باک واقع ہوئے تھے اس میں کسی مصلحت ومداہنت کے قائل نہ تھے حق گوئی کی پاداش میں ان کو امراء کے غیظ وغضب کا نشانہ بھی بننا پڑا۔

وفات:۔

۴۵؍ سال کی عمر میں ۲۳؍ رجب ۶۷۶ھ بروز چہار شنبہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے وطن میں دفن کیے گئے ان کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۸۲) شیخ الاسلام حضرت امام ابن دقیق العید قشیری رحمۃ اللہ علیہ

شعبان ۶۲۵ھ صفر ۷۰۲ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابوالفتح، لقب تقی الدین والد کا نام علی ہے۔ حجاز کے مشہور شہر ینبع کے قریب ماہ شعبان ۶۲۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ وطن منفلوط ہے جس کی بناء پر منفلوطی کہلائے۔

تحصیل علم:۔

ابن دقیق العید کو خالق کائنات نے قبول علم کی استعداد اور ذوق طلب سے بہرہ مند فرمایا تھا چنانچہ جب وہ سن شعور کو پہونچے اپنے دور کے ممتاز علماء ومحدثین سے علم حاصل کیا۔ حافظ ذہبی نے آپ کے مقتدر شیوخ کے یہ نام بتائے ہیں۔

علامہ ابن المقیر، امام ابن حمیری، سبط السلفی، حافظ زکی الدین علامہ ابن عبدالدائم، ابوالبقاء خالد بن یوسف اور ایک مختصر جماعت۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۶۲)

علم وفضل:۔

ابن دقیق العید نے فقہ وحدیث میں کمال پیدا کیا تھا اور وہ اپنے زمانہ کے ممتاز فقیہ ومحدث شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی علمی شان کا تذکرہ حافظ ذہبی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"كان من اذكياء زمانه واسع العلم كثير الكتب مديما للسهر مكبا على الاشتغال ساكنا وقورا ورعاً عاقل ان ترى العيون مثله" یعنی ابن دقیق العید اذکیاءِ زمانہ میں شمار ہوتے تھے بڑے وسیع العلم تھے اور کتابوں کا عظیم ذخیرہ اپنی تحویل میں رکھتے تھے عابد شب زندہ دار تھے اور ہمہ وقت تعلیم و تعلم میں معروف رہتے تھے پروقار اور پرسکون زندگی بسر کرتے تھے تورع اور پرہیزگاری میں ان کا جواب نہیں تھا ان جیسے فاضل بزرگ، لوگوں نے کم ہی دیکھے ہوں گے۔" (ایضاً)

حافظ قطب الدین حلبی کا بیان ہے "كان الشيخ تقي الدين امام اهل زمانه وممن فاق بالعلم والزهد على اقرانه عارفا بالمذهبين اماما في الاصلين حافظا متقنا في الحديث والعلوم ويضرب به المثل في ذلك وكان نهاية في الحفظ والاتقان والتحرى" شیخ تقی الدین اپنے اہل زمانہ کے امام تھے۔ علم و زہد میں اپنے معاصرین پر گوئے سبقت لے گئے تھے۔ شافعی اور مالکی دونوں مسلکوں کے عالم بے بدل اور امام بے نظیر تھے۔ حدیث اور دیگر علوم میں حافظ اور متقن تھے اور اس میں وہ ضرب المثل تھے۔ حفظ، اتقان اور غور و فکر میں انتہا کو پہونچے ہوئے تھے۔ (ایضاً)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں "اذکیاءِ زمانہ سے وسعت علم میں بالاتر تھے علم کے شغل میں اکثر شب بیداری کرتے اور بہت لکھا کرتے تھے اصول و علوم معقولہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے"۔ (بستان المحدثین ص ۲۱۷)

علم حدیث:۔

متذکرہ بالا اقوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حدیث و فقہ اور دوسرے علوم و فنون کے جامع تھے مگر حدیث ان کا خاص میدان تھا جس میں وہ اپنے معاصرین سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔ کثرت حدیث، قوت حفظ و ضبط، ثقاہت و عدالت میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ساتھ ہی وہ فکر رسا تعمق نظر کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے چنانچہ احادیث کے معانی و مطالب اور اس کے دقیق نکات تک پہونچنے کی کامل صلاحیت رکھتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں "اس فن شریف (حدیث) کے علماء

کی تدقیق اور اس میں امعان نظر جس قدر انہوں نے کی ہے اور کسی نے نہیں کی۔ اگر کسی کو میری اس بات کا شاہد مطلوب ہو تو ان کی اس شرح کا جو الالمام کے ایک حصہ پر لکھی ہے گہری نظر سے مطالعہ کرے اور پتہ لگائے کہ کس قدر دقائق وحقائق کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث براء بن عازب " امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع ونهانا عن سبع " یعنی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم فرمایا اور سات چیزوں سے ممانعت فرمائی۔ اس سے چار سو فائدے استنباط کر کے ان کو نہایت عمدہ پیرایہ میں تحریر فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ (ایضاً)

فقہ:۔

امام ابن دقیق العید فقہ میں درجۂ امامت پر فائز تھے وہ فقہ مالکی اور فقہ شافعی دونوں کے زبردست عالم تھے ان کی فقہی عظمت اور قوت فیصلہ دیکھ کر انہیں مصر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس عہدہ پر پوری دیانت کے ساتھ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے صادر فرمایا کرتے۔ آپ نے کئی بار عہدۂ قضاء سے استعفاء دیا مگر ہر بار آپ سے درخواست کی گئی اور دوبارہ یہ عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

حافظ ذہبی آپ کے فقہی کمال کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں " شرح بعض مختصر ابن الحاجب فی الفقه لمالک لم ار فی کتب الفقه مثله " یعنی فقہ مالک میں مختصر ابن حاجب کی ایک حصہ کی ایسی شرح رقم فرمائی ہے کہ میں نے کتب فقہ میں ایسی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔
(تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص۲۶۳)

تلامذہ:۔

آپ کے علمی کمالات سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا ان میں چند اہم شخصیتیں یہ ہیں۔ قاضی القضاۃ شیخ علاء الدین قونوی، قاضی القضاۃ شیخ علم الدین بن اخنائی، اور حافظ قطب الدین وغیرہ۔ (ایضاً ص۲۶۲)

تصانیف:۔

شیخ الاسلام ابن دقیق العید ممتاز مصنف تھے انہوں نے بہت سی نادر اور مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (۱) شرح العمدہ (۲) کتاب الالمام فی احادیث الاحکام (۳) الاربعین فی الروایۃ عن رب العالمین (۴) الاربعون (۵) علوم الحدیث (۶) شرح مقدمۃ المطرزی (۷) کتاب الامام فی الاحکام۔

کتاب الالمام:۔

آپ کی شہرۂ آفاق کتاب الالمام فی احادیث الاحکام ہے جس کا موضوع نام سے ظاہر ہے اس کے دیباچہ میں کتاب کی خصوصیات کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں۔

''یہ کتاب علم حدیث میں ایک ایسا مختصر رسالہ ہے جس کے مقصود میں میں نے کافی تامل کیا اس کی احادیث کو غیر مرتب نہ چھوڑا اور اس کی وضع کی تہذیب میں میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ نہ میں نے جسارت ودلیری کرکے '' کیف ما اتفق'' حدیثوں کو بے ربطی سے جمع کیا۔ اب جو شخص اس کے ماخذ اور جائے نسبت کو سمجھ لے گا تو حفاظت کے ہاتھ سے مضبوط پکڑ لے گا اور اس کو اپنے دل میں جگہ دے کر ان لوگوں کی طرح اس کی تعظیم بجالائے گا جن کا مقام ومرتبہ بلند وروشن ہے میں نے اس کتاب کا نام ''الالمام باحادیث الاحکام'' رکھا ہے میری شرط اس کتاب میں یہ ہے کہ اس میں صرف وہی حدیثیں لاؤں جن کے راوی امام ہیں اور راویان حدیث کے تزکیہ کرنے والے ہیں اور وہ بعض اصحاب حدیث حفاظ اور ائمہ فقہ کے طریق پر صحیح مانی گئی''۔ (بحوالہ بستان المحدثین ص ۲۱۵)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی کتاب میں الالمام کی پہلی حدیث نقل کی ہے۔ ''عن یزید الفقیر قال حدثنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الارض مسجداً وطھوراً فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل واحلت لی الغنائم ولم یحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعۃ فکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ متفق علیہ من حدیث ھشیم عن یزید الفقیر واللفظ للبخاری انتھیٰ '' یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

(۱) ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب دلوں میں ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے۔ (۲) میرے لیے پوری زمین مسجد وطہور بنادی گئی لہذا میری امت میں سے جس کو جہاں نماز کا وقت ہوجائے وہ وہیں نماز ادا کرلے (۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کردیا گیا ہے مجھ سے پہلے وہ کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا (۴) مجھ کو شفاعت کا حق عطا ہوا ہے (۵) دیگر انبیاء خاص خاص اقوام

کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (ایضاً)

کتاب الامام فی الاحکام لکھنا شروع کی تھی اگر مکمل ہوجاتی تو پندرہ جلد میں ختم ہوتی۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۶۳)

زہد وعبادت:۔

تقی الدین ابن دقیق العید ورع وتقویٰ اور ریاضت ومجاہدہ میں بھی بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ اور قیام لیل آپ کا معمول تھا حافظ ذہبی لکھتے ہیں " کان ..... شدید الخوف دائم الذکر لا ینام اللیل الاقلیلا ویقطعه فیما بین مطالعة وتلاوة وذکر وتهجد حتی صار السهر له عادة اوقاته کلها معمورة لم یر فی عصره مثله" یعنی عبادت میں سرگرم اور خشیت الٰہی میں شدت کو پہونچے ہوئے تھے ذکر وفکر میں مصروف رہتے تھے۔ سوتے بہت کم تھے اور رات مطالعۂ کتب، ذکر خدا اور تہجد میں بسر ہوتی تھی بیداری آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی ہر وقت افادہ واستفادہ میں لگے رہتے تھے آپ کے زمانہ میں آپ جیسا کوئی آدمی دیکھنے میں نہیں آیا۔ (ایضاً)

کشف وکرامت:۔

کثرت عبادت، دین کی بے لوث خدمت نے تقی الدین ابن دقیق العید کو تزکیۂ باطن اور معرفت وسلوک کا مرتبۂ بلند عطا کردیا تھا ان سے بسا اوقات کرامتوں کا ظہور ہوتا تھا۔

(۱) تاتاریوں کی یلغار نے پورے عالم اسلام کو تہ وبالا کر رکھا تھا ان کا لشکر جس طرف رخ کرتا سیلاب بلا بن کر بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کو مہیب ویرانوں میں تبدیل کردیتا۔ تاتاریوں کے ایک لشکر نے جب بلاد شام کا رخ کیا تو سلطان وقت نے اس بلائے عظیم سے ملک کو بچانے کی غرض سے علماء کو حکم دیا کہ وہ بخاری شریف کا ختم کریں تاکہ ختم بخاری کی برکتوں سے بلائے تاتار ٹل جائے اور مسلمان امن وسلامتی کے ساتھ رہیں چنانچہ سلطانی حکم کی تعمیل میں علماء نے ایک جگہ جمع ہوکر صحیح بخاری کا دور کیا بخاری کا ایک حصہ باقی رہ گیا تھا جسے جمعہ کے متبرک دن کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا ابھی جمعہ نہیں آیا تھا کہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید جامع مسجد میں تشریف لائے اور علماء حاضرین سے دریافت فرمایا۔ آپ لوگ ختم بخاری سے فارغ ہوگئے؟ سب نے عرض کیا ایک دن کا وظیفہ باقی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو جمعہ کے روز ختم کریں۔ آپ نے فرمایا مقدمے کا فیصلہ

ہو چکا ہے کل ہی عصر کے وقت تاتاری فوج شکست فاش کھا کر لوٹ گئی اور مسلمانوں نے فلاں صحراء میں فلاں گاؤں کے قریب انتہائی خوشی وخرمی سے قیام کیا۔ لوگوں نے عرض کیا اس خبر کو مشتہر کر دیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چند روز کے بعد سلطانی ڈاک سے اس خبر کی تصدیق ہو گئی اور سر مو تفاوت نہ نکلا۔ (بستان المحدثین ص ۲۱۷)

(۲) ایک روز کسی نے آپ کی مجلس میں گستاخی کی۔ فرمایا تم نے اپنے آپ کو موت کے حوالہ کیا اور اس کلمہ کی تین بار تکرار کی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ تین دن کے بعد مر گیا۔ (ایضاً)

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے ان کو کشف خواطر وقلوب اور کشف وقائع وحوادث دونوں مساوی عطا فرمائے تھے چنانچہ ان کے اہل مجلس نے اس قسم کی حکایات دفتر کی دفتر نقل کی ہیں"۔ (ایضاً)

وفات: آپ نے دیار مصر میں صفر ۷۰۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۸۳) شیخ المحدثین امام دمیاطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۶۱۳ھ وفات ۷۰۵ھ

اسم گرامی عبدالمومن، کنیت ابو محمد، لقب شرف الدین۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبدالمومن بن خلف بن ابی الحسن بن شرف بن خضر بن موسیٰ۔ ۶۱۳ھ میں بمقام تونہ ولادت ہوئی اور شہر دمیاط میں پروان چڑھے اور اسی کو اپنا وطن بنایا۔ دمیاط سمندر کے کنارے مصر کا انتہائی شاداب شہر ہے اسی شہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ دمیاطی کہلائے۔

تحصیل علم:۔

امام دمیاطی نے سب سے پہلے اپنے شہر کے علماء ومحدثین سے علم حاصل کیا پھر ذوق علم ان کو اسلامی ملکوں اور شہروں میں پھراتا رہا انہوں نے طلب علم کے سلسلہ میں مصر، اسکندریہ، بغداد، حلب، حماۃ، ماردین، حران، دمشق، عراق، حرمین اور جزیرہ کا سفر کیا۔ علم وفضل کے حصول کا جذبۂ صادق انہیں علمی ترقی کے منازل طے کراتا رہا۔ انہوں نے اپنے شیوخ سے بے شمار حدیثیں اور علم وفن کا ذخیرہ نقل کیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں " وحمل عن ابن خليل حمل دابة كتبا واجزاءً" علامہ ابن خلیل سے اس قدر استفادہ کیا کہ کتابوں اور مختلف اجزاء سے ایک اونٹ لاد کر

لائے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۹)

کثرت رحلت وسفر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی معجم میں تین ہزار تین سو اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چند اہم شیوخ یہ ہیں۔ علی بن زید تسارسی،، ظافر بن شحم، منصور بن دباغ، ابن مقیر، علی بن مختار، یوسف بن جتلی، ابونصر بن علیق، ابراہیم بن خیر، ابوالقاسم بن رواحہ، علامہ ابن خلیل، صفیہ قرشیہ، عبدالخالق نشتری، عیسیٰ حناط۔ (ایضاً)

علم وفضل:۔

امام دمیاطی نے جس محنت اور لگن سے علم حاصل کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی کاوشوں کو بار آور کیا اور علم وفضل میں یکتائے روزگار بنا دیا۔ وہ علم وعمل اور خصائل وشمائل حمیدہ کا نورانی پیکر تھے۔ علم حدیث، فقہ، انساب، لغت وادب میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ حسن سیرت اور حسن صورت کے لحاظ سے بھی منفرد تھے۔ حافظ ذہبی آپ کے علمی، عملی، اخلاقی اور صوری محامد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"کان حاذقا حافظا متقنا جید العربیة غزیر اللغة واسع الفقه راسا فی علم النسب دینا کیسا متواضعا بساما محببا الی الطلبة ملیح الصورة نقی الشیبة کبیر القدر" یعنی آپ (دمیاطی) راست گو، حافظ اور متقن تھے۔ ادب، عربیت اور علم لغت میں ماہر تھے۔ فقہ میں اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے اور علم النسب میں تو آپ کا جواب نہیں تھا۔ علمی کمالات کے ساتھ ساتھ دیانت دار، عقلمند اور تواضع پسند تھے۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ طلبہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ خوبصورت اور خوش اخلاق تھے۔ آپ کے سفید بال بڑے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ غرض ہر لحاظ سے آپ جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیت کے حامل تھے۔ (ایضاً)

دوسرے ممتاز اہل علم کے اقوال وآراء امام دمیاطی کے بارے میں درج ذیل ہیں۔

- حافظ ابن حجر: "وہ (دمیاطی) مختلف چیزوں میں یگانہ ویکتا اور بے مثل تھے"۔
- صفدی: "وہ کثیر الفنون تھے"۔
- ابن عماد حنبلی: "ان کے کمالات نہایت متنوع اور گوناگوں تھے"
- ابن عماد حنبلی: "وہ ائمہ اعلام میں تھے"
- مزی: "عالی قدر اور بلند پایہ تھے"۔

حدیث:۔

حدیث میں امام دمیاطی کا مرتبہ کافی اونچا تھا وہ اپنے دور ہی کے ممتاز محدث نہیں تھے بلکہ خاتم المحدثین سمجھے جاتے تھے۔ حفظ وضبط، کثرت روایت، نقد حدیث اور سند عالی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں "صدق" دیانت اور حفظ واتقان میں اپنے زمانہ کے سردار تھے۔ (بستان المحدثین ص ۱۵۴)

علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ "وہ حاذق، حافظ اور متقن تھے"۔ ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں کہ "میں نے حفظ حدیث میں ان سے بلند پایہ شخص کسی کو نہیں دیکھا" برزالی کہتے ہیں "وہ بلند پایہ اصحاب روایت ودرایت اور نامور حفاظ ومحدثین میں آخری شخص تھے"۔

صاحب شذرات الذہب نے آپ کو بقیہ نقاد الحدیث لکھا ہے۔ (شذرات الذہب)

حلقۂ درس:۔

حافظ دمیاطی جس طرح دولت علم کو اپنے دامن میں سمیٹ کر جامع فضل وکمال بن گئے اسی طرح وہ اپنے علمی خزانہ کو شائقین علم تک پہونچانے کی تمنا بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے درس حدیث وفقہ کے لیے مستقل حلقہ قائم کیا جس میں دور دراز سے طلبہ شامل ہوتے اور آپ کے گرانقدر علمی جواہر پاروں سے دامن مالا مال کرتے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں "دور دراز علاقوں سے علم وفن کے شائقین اور طلبہ ان کی خدمت میں جوق در جوق آکر ان سے فیضیاب ہوتے تھے۔ (البدایہ ج ۱۴ ص ۴۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں "اس فن (حدیث) میں ان کے کمال پختگی، تبحر اور عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ حدیثوں کی طلب وجستجو اور جمع وتخریج کرنے کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے اور اپنے شیوخ واساتذہ کی زندگی ہی میں درس واملا کرانے لگے تھے اور ان کے رفقاء ومعاصرین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے حدیثیں لکھی اور روایت کی ہیں۔

آپ کے حلقۂ درس سے استفادہ کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے کچھ اہم تلامذہ کے نام یہ ہیں:

امام ابوحیان اندلسی، امام ابوالفتح یعمری، امام علم الدین برزالی، امام قطب الدین عبدالکریم، امام فخر نویری، امام تقی الدین سبکی، ابوالحسن یونینی، شیخ اثیر الدین، کمال الدین بن عدیم، قاضی علم الدین اخنائی، شیخ محمد بن محمد ابیوری، محی الدین نووی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ وتذکرۃ المحدثین ج ۲)

دیگر علوم وفنون:۔

حافظ دمیاطی حدیث کے ساتھ فقہ، عربیت، لغت، قرأت، نحو وادب، شعر وسخن، علم انساب میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

اخلاق وکردار:۔

وہ علم کے ساتھ عمل صالح میں بھی اپنے زمانہ میں ممتاز تھے۔ زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت آپ کا شیوہ تھا۔ آپ کی شان کریمانہ علمی جلالت، حسن خلق وخلق کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس طرح کیا ہے" (حدیث کے علاوہ) لغت وعربیت میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، علم انساب میں اچھی طرح واقفیت تھی حسن صورت میں ضرب المثل تھے لوگ۔ ان کو ابن الماجد کہتے تھے۔ دمیاط میں مثل مشہور ہے کہ جب کسی دلہن کے حسن میں مبالغہ کرتے ہیں تو یہ کہا کرتے ہیں" **کانھا ابن الماجد**" (بستان المحدثین ص ۱۵۳)

سقوط بغداد کے بعد عالم اسلام میں عقلی علوم وفنون کا چرچا عام ہوا اور لوگوں کا غالب طبقہ عقلیت زدہ ہو کر دین کے بنیادی احکام ومسائل میں نکتہ چینیاں کرنے لگا۔ قرآن وسنت کی تحصیل وتعلیم سے لوگ بیزار ہونے لگے ان حالات میں عقلی علوم وفنون کی قباحتوں کو عام کرنا ضروری تھا۔ یونانی فلسفہ وحکمت کے معائب اور خامیوں کی طرف توجہ دلانی ضروری تھی امام دمیاطی نے مثبت انداز سے جہاں اسلام کے بنیادی علوم کی ترویج کی وہیں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر منطق وفلسفہ کی مذمت فرمائی اور لوگوں کو اس کی خامیوں سے آشنا کرایا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

" دمیاطی عموماً منطق کی مذمت میں بہت شدومد سے کام لیتے تھے" مگر خصوصیت کے سات جب مصر میں اس علم کا چرچا بہت ہوگیا تو انہوں نے بھی لوگوں کے مقابلہ میں اس علم کی ہجو سخت کردی۔ (ایضاً)

ان کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

وما العلم الا فی کتاب وسنـــة **وما الجهل الا فی کلام ومنطق**
وما الخير الا فی سكوت بحسبة **.وما الشـــر الا فی كلام ومنطق**

ترجمہ: نہیں ہے علم مگر کتاب وسنت میں اور نہیں ہے جہل مگر علم کلام ومنطق ہیں اور نہیں ہے

بھلائی مگر اس سکوت میں جو طلب ثواب کے لیے ہو اور نہیں ہے برائی مگر گفتگو اور بولنے میں۔ (ایضا)

تصانیف:۔

شیخ المحدثین امام دمیاطی جس طرح گوناگوں علوم وفنون کے حامل تھے اسی طرح مختلف موضوعات پر آپ نے گرانقدر کتابیں بھی تصنیف کیں۔ جن کو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔

(۱) کتاب التسلی والاغتباط بجواب من تقدم من الافراط (۲) تساعیات مطلقہ (۳) کتاب ذکر ازواج النبی واولادہ واسلافہ (۴) کتاب الذکر والتسبیح اعقاب الصلوٰۃ (۵) العقد المثمن فیمن اسمہ عبدالمومن (۶) کتاب فضل الخیل (۷) کتاب فضل صوم ست من شوال (۸) قبائل الخزرج والاوس (۹) کشف المغطی فی تبیین صلوٰۃ الوسطی (۱۰) المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح (۱۱) مجالس بغدادیہ (۱۲) مجالس دمشقیہ (۱۳) مختصر السیرۃ النبویہ (۱۴) اربعین تساعیات الاسناد والابدال (۱۵) اربعین حلبیہ فی احکام النبویہ (۱۶) اربعین فی الجہاد (۱۷) اربعین متباینۃ الاسناد (۱۸) اربعین موافقات عوالی (۱۹) مأۃ تساعیۃ فی الموافقات وابدال العلیۃ (۲۰) معجم دمیاطی۔

وفات: ماہ ذی قعدہ ۷۰۵ھ میں اچانک آپ کا وصال ہوا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں ''ایک روز حدیث کے درس کے بعد ان پر غشی طاری ہوئی اسی حالت میں شاگردان کو مکان پر لے گئے تو دیکھا کہ روح پرواز کر چکی تھی عربی میں اس موت کو موت فجاۃ کہتے ہیں یہ واقعہ ماہ ذی قعدہ ۷۰۵ھ میں پیش آیا ان کے جنازہ پر لوگوں کا بہت ہجوم تھا۔ (بستان المحدثین ص ۱۵۴)

(۸۴) حضرت امام ولی الدین خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

۷۳۷ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ اور لقب ولی الدین تھا۔ خطیب تبریزی۔ کے نام سے شہرت پائی۔ والد کا نام عبداللہ دادا کا نام محمد تھا۔ خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا وطن آذربائیجان کا مشہور شہر تبریز تھا جس کی بنا پر تبریزی کہلائے۔

علم وفضل:۔

امام ولی الدین نے اپنے وقت کے مشاہیر علماء سے اسلامی علوم وفنون کا درس لیا۔ قوت

حفظ وضبط اور اخذ وضبط کی کامل صلاحیت رکھتے تھے۔ انہوں نے شیخ علامہ حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی سے خاص طور پر علم حاصل کیا۔ دوسرے شیوخ واساتذہ کا ذکر عام تذکروں میں نہیں ملتا خطیب تبریزی کا علمی پایہ بہت بلند تھا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

وہ علم وفضل اور حقائق ودقائق کا بحر بیکراں تھے ان کی کتابیں ان کی وسعت علم ونظر اور غیر معمولی فضل وکمال پر شاہد ہیں"۔ (مقدمہ مشکوٰۃ)

تصانیف:۔

خطیب تبریزی نے متعدد کتابیں لکھیں امتداد زمانہ کے ہاتھوں ان کی اکثر کتابیں اب ناپید ہیں ان میں مشکوٰۃ المصابیح کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ خطیب نے یہ کتاب اپنے استاذ علامہ طیبی کے مشورہ سے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب میں صحاح ستہ اور دوسرے محدثین کی کتابوں کی حدیثیں حسن ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب دراصل امام فراء بغوی کی تصنیف مصابیح السنۃ کا تکملہ ہے۔ مصابیح میں صرف حدیثیں مذکور تھیں راوی کا نام، مخرج حدیث، صحت وضعف، اور حسن وغیرہ کا تذکرہ نہ تھا یہ سب صاحب مشکوٰۃ نے کیا اور ہر باب میں فصل ثالث کا بھی اضافہ کیا۔ مشکوٰۃ کے اول میں شیخین کی حدیثیں لاتے ہیں جن کو صحاح ستہ سے تعبیر کیا فصل ثانی میں ابوداؤد ترمذی، نسائی وغیرہ کی احادیث لائے جن کو حسان کے نام سے یاد کیا۔ فصل ثالث میں صاحب مشکوٰۃ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث بھی لائے ہیں۔ نیز باب کے مناسب صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال بھی جمع کردیتے ہیں۔ مصابیح کی کل حدیثیں ۴۴۸۴ تھیں آپ نے ۱۵۱۱/ احادیث کا اضافہ کیا اس طرح مشکوٰۃ کی کل احادیث ۵۹۹۵/ ہوگئیں۔ مشکوٰۃ المصابیح اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام مدارس اسلامیہ میں داخل درس ہے اور بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔

حضرت خطیب تبریزی نے کتاب کی تصنیف اور اس کے کوائف اس طرح بیان فرمایا

اما بعد: فان التمسک بهدیه لا یستتب الا بالاقتفاء لما صدر من مشکوته والاعتصام بحبل الله لا یتم الا ببیان کشفه وکان کتاب المصابیح الذی صنفه الامام محی السنة قامع البدعة ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی رفع الله درجته اجمع کتاب صنف فی بابه واضبط لشوارد الاحادیث واوابدها ولما سلک رضی الله طریق الاختصار وحذف الاسانید تکلم فیه بعض النقاد وان کان نقله وانه من الثقات کالاسناد ولکن لیس ما فیه اعلام کالاغفال فاستخرت الله واستوفقت منه

فاعلمت ما اغفله فاودعت كل حديث منه في مقره كما رواه الائمة المتقنون والثقات الراسخون .... واني اذا نسبت الحديث اليهم كاني اسندت الى النبي صلى الله عليه وسلم لانهم قد فرغوا منه واغنونا عنه وسروت الكتب والابواب كماسردها واقتفيت اثره فيها وقسمت كل باب غالباً على فصول ثلثة اولها ما اخرجه الشيخان او احدهما والتقيت بهما وان اشترك فيه الغير لعلو درجتهما في الرواية وثانيها ما اورده غيرهما من الائمة المذكورين وثالثها ما اشتمل على معنى الباب من ملحقات مناسبة مع محافظة على الشريفة وان كان ماثوراً من السلف والخلف"

حمد وصلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیے کہ حضور کی سیرت کا مضبوطی سے حاصل کرنا ناممکن ہے بغیر اتباع کیے ان احادیث کے جو آپ کے سینہ سے صادر ہوئیں اور اللہ کی رسی کا مضبوطی سے تھامنا مکمل نہیں بغیر اس کے واضح بیان کے اور کتاب مصابیح جو سنت زندہ کرنے والے بدعت اکھیڑنے والے امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کی تصنیف ہے اللہ تعالیٰ ان کا درجہ بلند کرے تمام ان کتب میں جامع ترتھی جو اس بارے میں لکھی گئی اور شوارد اوابد حدیثوں کی محافظ تھی۔ چوں کہ مصنف نے طریقہ اختصار اختیار کیا اور مسندوں کو چھوڑ دیا اس لیے اس بارے میں بعض ناقدین نے چہ می گوئیاں کیں اگر چہ مصنف کا نقل کر دینا ہی اسناد کی مثل ہے کیوں کہ وہ معتبر ہیں مگر نشانیوں والا راستہ بے نشان راہ کی طرح نہیں۔ اس لیے میں نے اللہ سے خیر اور توفیق مانگی اور ان کے بے نشانوں کو نشاندار بنا دیا کہ اس کی ہر حدیث اپنے ٹھکانہ میں ویسی ہی رکھی جیسے ماہر عادل، حافظ اماموں نے روایت فرمائی ...... اور میں نے جب ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دی تو گویا حضور ہی کی طرف اسناد کر دی کیوں کہ ان بزرگوں نے اسناد سے فارغ ہو کر ہم کو بے نیاز کر دیا اور میں نے کتابیں اور باب ویسے ہی مرتب کیے جیسے انہوں نے کیے تھے اس میں انہی کے نقش قدم پر چلا میں نے اکثر ہر باب کو تین فصلوں پر تقسیم کیا پہلی فصل میں وہ احادیث جنہیں شیخین نے یا ان میں سے ایک نے روایت کیا میں نے انہیں دونوں پر کفایت کی اگر چہ اس کی روایت میں دوسرے بھی شریک ہوں شیخین کی بلندی درجہ کے سبب دوسری فصل میں وہ احادیث جو ان کے علاوہ دوسرے مذکورہ اماموں نے روایت کیا تیسری فصل میں وہ مناسب ملحقہ حدیثیں جو باب کے معنی پر شامل ہیں شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اگر چہ متقدمین ومتاخرین سے منقول ہو۔ (دیباچہ مشکوٰۃ)

خطیب کی کتاب مشکوٰۃ کو قبول عام حاصل ہوا ہندوستان کی تمام دینی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ احادیث کی تخریج کافی آسان ہوگئی ہے اور اس سے استفادہ کی راہیں بہت سہل ہیں۔ کتاب کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحیح بخاری کے بعد علماء اسلام نے سب سے زیادہ اسی کتاب کی شروح اور تراجم تحریر کیے۔

(۱) الکاشف عن حقائق السنن علامہ طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح لکھی ہے جو خطیب کی خوش بختی ہے کہ ان کے استاذ نے شاگرد کی کتاب کی شرح لکھی۔ (۲) حاشیہ سید شریف از سید شریف جرجانی (۳) ہدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکوٰۃ از حافظ ابن حجر (۴) منہاج المشکوٰۃ از عبدالعزیز بن محمد ابہری (۵) فتح الآلہ فی شرح المشکوٰۃ از علامہ شہاب الدین ہیثمی (۶) مرقاۃ المفاتیح از شیخ نورالدین ہروی (۷) انوار المشکوٰۃ (۸) لمعات التنقیح از محدث دہلوی (۹) اشعۃ اللمعات از محدث دہلوی (۱۰) جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ (۱۱) اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی المشکوٰۃ (۱۲) مظاہر حق نواب قطب الدین خاں دہلوی (۱۳) تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (۱۴) مرآۃ المناجیح از مولانا احمد یار خاں۔

عمل و کردار:۔

خطیب تبریزی علم کے ساتھ عمل صالح زہد و پارسائی، حسن اخلاق میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے۔

وفات:۔

۷۳۷ھ میں خطیب مشکوٰۃ کی تصنیف سے فارغ ہوئے جس کے بعد ان کا وصال ہوا بعض تذکرہ نگاروں نے سنہ وفات ۷۴۰ھ لکھا ہے۔

(۸۵) محدث شام حضرت امام حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۴ھ صفر ۷۴۲ھ

اسم گرامی یوسف، کنیت ابوالحجاج، لقب جمال الدین۔ سلسلہ نسب یہ ہے یوسف بن زکی عبدالرحمٰن بن یوسف مزی دمشقی۔ آپ کی ولادت باسعادت ظاہر حلب میں ربیع الاول ۶۵۴ھ میں پرورش دمشق کے مضافات مزہ میں ہوئی اس مقام کو مشہور صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی

رضی اللہ عنہ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے یہاں پر آپ کا خاندان عرب سے آ کر آباد ہوا تھا۔

تحصیل علم:۔

سقوط بغداد کے بعد شام کی راجدھانی دمشق علم وعلماء کا عظیم مرکز بن گیا تھا یہاں کی عظیم درسگاہیں علوم اسلامی کی جوگ جگارہی تھیں جن کے دامن میں طالبان علم نبوت پروان چڑھ رہے تھے اوران کی مساعیٔ جمیلہ سے اسلامی علوم وثقافت کی روایت زندہ وتابندہ تھی۔

حافظ مزی نے اسی معارف پرور ماحول میں شعور کی آنکھ کھولی پہلے قرآن حکیم حفظ کیا پھر فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی جذبۂ طلب حدیث بیدار ہوا تو ۶۷۵ھ میں علم حدیث کی تحصیل شروع کی سب سے پہلے علامہ ابن ابی الخیر سے کتاب الحلیہ سبقاً سبقاً پڑھی پھر ان سے مسند امام احمد، صحاح ستہ، معجم طبرانی، اجزاء طبرزدیہ اوراجزاء کندیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور علامہ اربلی سے صحیح مسلم کا سماع کیا۔ ۶۸۴ھ میں مزید طلب علم کے لیے سفر پر نکلے اور عز حرانی، ابوبکر بن انماطی، غازی اوراس طبقہ کے دوسرے اساتذۂ فن سے استفادہ کیا اوران کے علاوہ حرمین شریفین، حلب، حماۃ، بعلبک وغیرہ شہروں کے علماء سے بھی فیوض حاصل کیے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص ۲۸۰)

علم وفضل:۔

آپ نہایت خوش خط کاتب تھے اپنے لیے اوردوسروں کے لیے بہت سی کتابیں نقل کیں، صرف ونحو، ادب ولغت، منطق وفلسفہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔ آپ کے تبحر علمی اخلاص وایثار، زہد وعبادت کا تذکرہ ارباب سیر وتاریخ نے اس طرح کیا ہے۔

☆ حافظ ذہبی: "العالم الحافظ الاوحد محدث الشام" شام کے محدث نامور حافظ حدیث، بلند پایہ عالم اورفن حدیث میں منفرد علمی شخصیت کے حامل ہیں۔ (ایضا)

☆ ابن سید الناس: دمشق کے جن اہل علم سے میری ملاقات ہوئی ان میں امام ابوالحجاج مزی قابل ذکر ہیں جو اپنے ہم عصروں میں متقدم ومتاخر سب پر فوقیت لے گئے وہ اس علم کے بحر ناپیدا کنار ہیں"۔ (الدرالکامنہ ج۴ ص ۴۵۹)

☆ حافظ ذہبی: "وکان ثقة حجة کثیر العلم حسن الاخلاق، کثیر السکوت قلیل الکلام جداً صادق اللهجة لم یعرف له صبوة وکان یطالع" ثقہ اور حجت تھے۔ آپ کی معلومات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، نیز اخلاق حسنہ کا مجموعہ تھے، کثیر السکوت

اور قلیل الکلام تھے صدق اور راست گوئی آپ کا شعار تھا نوجوانی کی کوئی لغزش آپ سے نہیں ہوئی۔ ہروقت مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ (تذکرہ ج۴ص۸۱-۲۸۰)

صلاح الدین صفدی نے آپ کو حافظ عصر، شیخ اہل زمانہ، امام المحدثین اور خاتم الحفاظ کے نام سے موصوف کیا ہے۔ (مقدمہ تہذیب الکمال ۳۰)

جرح وتعدیل:۔

حدیث وفقہ اور دیگر علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ ساتھ آپ فن جرح وتعدیل میں بھی امامت کا درجہ رکھتے تھے اس فن میں آپ کی بصیرت اور ژرف نگاہی کا اعتراف علماء نے اس طرح کیا ہے۔

- **علامہ ابن سید الناس:** ”تراجم رجال کے سب سے بڑے حافظ راویوں کے بارے میں عرب وعجم میں سب سے زیادہ معلومات رکھنے والے امام مزی ہیں“ (الدرر الکامنہ ج۴ص۴۵۹)
- **حافظ ذہبی:** واما معرفة الرجال فهو حامل لوائها و القائم باعبائها لم یر العیون مثله، اسماء الرجال میں تو آپ کا جواب نہیں تھا اور نہ اس فن میں آنکھوں نے آپ جیسا کوئی دوسرا آدمی دیکھا۔ (تذکرہ ج۴ص۲۸۰)
- **امام صفدی:** ابن حبان کے بعد آپ جیسا عربی داں پیدا نہیں ہوا، محدثین ورجال حدیث کے تراجم کی آپ کو بڑی گہری معرفت تھی امراء وسلاطین کے تراجم سے دلچسپی نہ تھی علم حدیث کے بارے میں ایسی فائدہ مند چیزیں آپ کے پاس تھیں جو کسی کتاب میں نہیں ملتی تھیں۔ (الدرر الکامنہ ۴/۴۵۹)

حلقۂ درس:۔

آپ کے علمی کمالات کا شہرہ دور دور تک پھیلا طالبان علم نبوی آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور آپ کی عظیم تالیف تہذیب الکمال کی شہرت ہوئی تو ۷۱۸ھ میں دمشق کے مشہور علمی مرکز ”دار الحدیث اشرفیہ“ کا شیخ الحدیث بنادیا گیا دمشق کے قاضی القضاۃ تقی الدین سبکی سے بعض لوگوں نے حافظ مزی کی شکایت کی اور انہیں مسند درس سے معزول کرنے کا مشورہ دیا وہ فرماتے ہیں کہ ”جب میں نے ان کی بات سنی تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور حواس باختہ ہوکر میں نے دل میں کہا یہ تو امام المحدثین ہیں خدا کی قسم اگر امام دارقطنی بھی زندہ ہوتے تو ان کی مسند درس پر بیٹھنے میں شرم محسوس کرتے کون یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ مزی دار الحدیث کے لائق نہیں۔ (طبقات الشافعیہ السبکی ۶/۲۵۲)

اسی طرح دار الحدیث حمصیہ اور دار الحدیث النوریہ کے بھی آخری دم تک شیخ الحدیث رہے۔ (مقدمہ تہذیب الکمال ۱/۲۸)

آپ کے چند اہم تلامذہ یہ ہیں۔

ابن سید الناس، ابن تیمیہ، تقی الدین سبکی، امام ذہبی، امام برزالی، ابن عبدالہادی، صلاح الدین علائی، علاء الدین مغلطائی، ابن رافع سلامی، علامہ ابن کثیر۔ (الدرالکامنہ ۴/۴۵۹)

تصانیف:۔

حافظ مزی نے اپنی حدیثی معلومات اور فن اسماء الرجال کی مہارت کو اپنی دو اہم کتابوں میں ظاہر کیا ہے (۱) تہذیب الکمال (۲) کتاب الاطراف۔ حافظ ذہبی تحریر فرماتے ہیں "عمل کتاب تهذيب الكمال فی مائتی جزء و عمل كتاب الاطراف فی بضعة وثمانين جزء أخرج لنفسه و املیٰ مجالس واوضح مشكلات ومعضلات ما سبق اليها فی علم الحديث و رجاله"۔ آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ۲۰۰ جزوں میں لکھی پھر کتاب الاطراف ۸۰ جزوں میں مکمل کی۔ اپنے لئے احادیث کی تخریج کی اور املاء حدیث کے لئے مختلف مجلسیں منعقد کیں جن میں علم الحدیث اور علم الرجال کے ایسے ایسے پیچیدہ عقدے حل کئے جو پہلے لاینحل سمجھے جاتے تھے۔ (تذکرہ ج ۴ ص ۲۸۰)

تہذیب الکمال:۔

یہ شاندار کتاب امام مقدسی کی کتاب "الکمال" کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ حافظ مزی نے "الکمال" کے نقائص اور اس کی کمیوں کا ازالہ تہذیب الکمال میں کر دیا ہے۔ یہ کتاب صحاح ستہ اور ان کے مولفین کی دیگر تالیفات میں موجود راویوں کے حالات اور ان کے معیار عدل وثقاہت اور دوسرے جزئیات پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔ جو حافظ مزی کا مایہ ناز علمی شاہکار ہے کتب ستہ کے راویوں کے تعارف میں اس کو امام اور اصل کا درجہ حاصل ہے، صحاح ستہ کے راویوں کے مبنی بر حقیقت حالات کو جس فنی مہارت ترتیب بدیع اور خوش اسلوبی سے جمع کیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بنیادی طور سے یہ کتاب "الکمال" کی ترتیب پر مرتب ہے البتہ اس کتاب میں صحابہ و صحابیات کو دیگر راویوں سے جدا کر کے الگ الگ فصل میں ذکر کیا تھا اس ترتیب کو امام مزی نے بدل [illegible] بہ کرام کو قسم الرجال میں اسی جگہ ذکر کیا ہے جہاں وہ ترتیب میں مناسبت رکھتے تھے۔ اسی طرح

صحابیات کو قسم النساء میں جہاں ان کا نام ترتیب میں پڑتا تھا ذکر کیا ہے۔

پوری کتاب ابتداء سے انتہاء تک حروف تہجی پر بڑی دقت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے۔ جس میں راوی کے نام اس کے آباء واجداد نیز نسبت وغیرہ میں بھی اس ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے ہر راوی کے ترجمہ میں اس کے مکمل نام ونسب اور نسبت کا ذکر کیا ہے اس کے بعد اس کے جملہ اساتذہ اور شاگردوں کا ذکر کیا ہے جن کو حروف معجم پر مرتب کر دیا ہے ان میں سے بہت سے راویوں کے نام کے ساتھ اشاریہ دیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب ترجمہ سے کتب ستہ کے راویوں میں سے کس کس کی روایت ان سے پائی جاتی ہے۔ اساتذہ اور شاگردوں کے ذکر کے بعد علماء جرح وتعدیل کے اقوال کو ذکر کیا ہے اس کے بعد کچھ دیگر احوال، اخبار اور صفات کا حسب موقع ذکر کیا ہے۔ پھر راوی کی تاریخ وفات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بہت سے راویوں کے تراجم کے آخر میں عالی سند کے ذریعہ ایک آدھ حدیث نقل کی ہے۔

علماء امت نے اس کتاب کی اہمیت کا اظہار اس طرح فرمایا۔

- **علامہ صفدی:** ”اس کتاب نے سابقہ کتابوں پر گہن لگا دیا اس کے حصول کے لئے لوگوں نے دور دراز کا سفر کیا۔ (مقدمہ ڈاکٹر بشار عواد بر تہذیب الکمال ۱؍۴۸)

- **امام سبکی:** "صنف تهذيب الكمال المجمع على انه لم يصنف مثله" علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس طرح کی کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں کی گئی ہے۔ (طبقات الشافعیہ ۶؍۲۵۴)

- **علامہ مغلطائی:** ”یہ کتاب عظیم فائدہ، کثیر منفعت سے بھرپور ہے اس فن میں جو اختراعی ترتیب ہوئی ہے اور جو طریقہ اختیار کیا ہے سابقین میں اس کی نظیر نہیں یہ کتاب فقہاء محدثین کے درمیان فیصل کی حیثیت رکھتی ہے (مقدمہ ڈاکٹر بشار عواد ۱؍۴۹)

وفات: آپ نے ۱۲؍صفر ۷۴۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۸۶) حضرت امام حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ عنہ

ولادت ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ

اسم گرامی محمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب شمس الدین، سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن احمد بن عثمان بن قیماز بن عبد اللہ ذہبی فارقی چونکہ آپ کا آبائی پیشہ سوناری (صرافی) تھا اس لئے ذہبی سے مشہور ہوئے۔ آپ کے آباء واجداد اصلاً ترکمانی تھے جو ترک وطن کر کے دیار بکر کے شہر میافارقین میں آباد

ہوئے اور پھر وہاں سے شام کی راجدھانی دمشق آ گئے۔ وہیں ربیع الاول ۶۷۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم :۔

حافظ ذہبی نے جس دور میں چشم ہوش کھولی وہ سرزمین شام کی علمی وفنی ترقی کا زمانہ تھا۔ امامزی، ابن دقیق العید، ابن شہبہ اور سبکی جیسے آفتاب علم وحکمت آپ کے معاصر تھے جن کی تجلیوں سے عالم اسلام روشن ہوا۔ آپ کا خاندان اگرچہ تجارت وحرفت سے وابستہ تھا تاہم علمی ودینی ذوق و رجحان سے خالی نہ تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جس سال آپ پیدا ہوئے آپ کے رضاعی بھائی نے مختلف علماء سے آپ کے لئے سند اجازت لے لی جو آئندہ زندگی میں بہت مفید ثابت ہوئی۔ جب آپ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئے مکتب کی تعلیم شروع ہوئی ۶۹۰ھ میں جبکہ عمر اٹھارہ سال ہوئی اس وقت علم حدیث کی تحصیل کی جانب متوجہ ہوئے اور دمشق کے مقتدر علماء ومحدثین کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے جن میں ابوحفص عمر بن قواس، ابوالفضل احمد بن ہبۃ اللہ بن عساکر اور یوسف بن احمد قنولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں پھر آپ کا ذوق علم دوسرے دیار وامصار کے علماء کی خدمتوں میں کشاں کشاں لے گیا چنانچہ بعلبک، مصر، اسکندریہ، مکہ، حلب اور نابلس کے اکابر شیوخ سے ملاقات کی اور ان سے خوب استفادہ کیا۔

علم حدیث سے قلبی لگاؤ کا محرک یہ واقعہ ہوا کہ آپ کے خصوصی استاذ علم الدین برزالی نے ایک مرتبہ آپ کا خط (تحریر) دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا تمہارا خط تو محدثین سے ملتا جلتا ہے۔ ان کے اس جملہ نے محدثین سے محبت اور ان کے طریق کار کو اپنانے کا شوق پیدا کر دیا اور اس قدر طلب حدیث کے گرویدہ ہو گئے کہ ساری زندگی اسی میں وقف کر دی (البدر الطالع ۲/۱۱۰)

بے کراں ذوق علم کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے شیوخ کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز بتائی جاتی ہے۔ علامہ حسینی فرماتے ہیں کہ صرف معجم کبیر میں آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ (ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۳۵)

آپ کے چند اہم اساتذہ یہ ہیں:

عبدالخالق بن علوان، زینب بنت عمر کندی، احمد بن اسحاق ابرقوہی، عیسیٰ بن عبدالمنعم بن شہاب، شیخ الاسلام ابن دقیق العید، حافظ ابو محمد دمیاطی، حافظ ابوالعباس ظاہری، ابوالحسن علی بن احمد

عراقی، ابوالحسن یحییٰ بن احمد بن صواف، توزری، سنقر زینی۔ عماد بن بدران۔

علم وفضل:۔

حافظ شمس الدین ذہبی نے خداداد صلاحیت علم کو بروئے کار لاکر جس شوق وانہماک کے ساتھ علم حاصل کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اپنے دور کے عظیم محدث، فقیہ، مورخ اور امام جرح وتعدیل بن گئے فن رجال میں آپ کے مرتبہ کی کوئی دوسری شخصیت موجود نہ تھی۔ علماء فن اور محدثین نے آپ کی عظیم علمی شخصیت کو اس طرح خراج تحسین وعقیدت پیش کیا اور علمی بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔

● علامہ سبکی: ''آپ کے زمانہ میں حفاظ حدیث چار تھے، مزی، برزالی، ذہبی اور میرے والد۔ مگر ان سب میں امام ذہبی کا پایہ فائق تر تھا۔ جرح وتعدیل کے اگر شیخ تھے تو وہی تھے۔

(طبقات الشافعیہ ۵/۲۱۶)

● علامہ ابن کثیر: '' آپ شیخ المحدثین اور مورخ اسلام ہیں شیوخت حدیث وحفظ حدیث آپ پر ختم ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۴/۱۹۴)

● صلاح الدین صفدی: فن حدیث ورجال میں بڑی پختگی، علل حدیث اور معرفت حدیث پر گہری نظر تھی یقیناً آپ کے لیے ذہبی (سونا والے) کی نسبت بہت موزوں ہے۔

(الوافی بالوفیات ج ۲/۱۶۳)

● ابن ناصر: '' آپ نقد رجال میں اللہ کی نشانی اور جرح وتعدیل میں مرجع خلائق تھے''

(الرد الوافر ص ۳۱، سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۶۲)

● بدر نابلسی: '' رجال اور ان کے احوال کی معرفت میں آپ علامہ زمانہ تھے''۔

(الدرر الکامنہ ۳/۳۲۸)

● امام سخاوی: '' ھو من اھل الاستقراء التام فی نقد الرجال '' نقد رجال میں آپ مکمل صاحب جستجو ہیں (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۶۸)

● امام سیوطی: ''فن رجال اور فنون حدیث کی معرفت میں اس دور کے علماء ومحدثین چار افراد کے محتاج ہیں مزی، ذہبی، عراقی، ابن حجر عسقلانی۔ (ذیل طبقات الحفاظ ص ۳۴۸)

امام ذہبی کی علمی شخصیت کتنی بلند قامت تھی اس کا اندازہ علامہ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ

کی اس تمنا سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس دعا کے ساتھ آب زمزم نوش کیا کہ الٰہی مجھے حافظ ذہبی جیسا عالم بنادے (ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی ص ۳۸۱)

حلقۂ درس:۔

حافظ ذہبی نے علوم اسلامی بالخصوص حدیث و رجال کی معرفت میں جو نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا اس کی شہرت دور دور تک پھیلی اور علوم نبوت کے شائقین جوق درجوق آپ سے کسب فیض کے لیے آنے لگے۔ حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں۔

"رغب الناس فی توالیفہ ورحلوا الیہ بسببھا وتداولوھا قراۃ ونسخاً وسماعاً" آپ کی کتابوں میں لوگوں کو رغبت تھی جن کے لیے آپ کی طرف انہوں نے سفر کیا اور اس کو پڑھنے لکھنے اور سننے کے لیے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ (الدرر الکامنہ ۳/۳۳۷)

علمی شہرت اور مقبولیت کی بناء پر آپ بڑی بڑی درسگاہوں میں منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے۔ ۷۱۸ھ میں درسگاہ ام صالح دمشق کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور وہیں قیام کیا۔ ۷۲۹ھ میں دارالحدیث ظاہریہ، ۷۳۹ھ میں دارالحدیث نفیسیہ اور دارالحدیث والقرآن تنکزیہ کے شیخ الحدیث رہے۔ بوقت وصال پانچ عظیم علمی درسگاہوں کے بیک وقت شیخ الحدیث تھے۔ (ذیل تذکرہ ص ۳۷)

جس کثرت سے خلقت نے آپ سے کسب علم کیا ان سب کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں علامہ حسینی کہتے ہیں حمل عنہ الکتاب و السنۃ خلائق آپ سے کتاب و سنت کا علم ایک خلقت نے حاصل کیا ہے۔ (ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶)

آپ سے بے شمار علماء فضلا اور طلبہ نے استفادہ کیا مشہور تلامذہ میں سے قاضی القضاۃ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی م ۷۷۱ھ شمس الدین ابوالمحاسن محمد بن علی الحسینی م ۷۶۵ھ قاضی جمال الدین ابوالطیب الحسینی بن علی السبکی م ۷۵۵ھ ابوعبداللہ محمد بن مفلح الصالحی الحنبلی، صلاح الدین ابوالصفاء خلیل بن ایبک الشافعی م ۷۶۴ھ، قاضی القضاۃ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن محمد الحجاوی م ۷۶۹ھ، قاضی ابن شہبہ فرماتے ہیں کہ "بڑے بڑے حفاظ نے آپ کے یہاں سے فراغت حاصل کی علامہ سبکی، برزالی، علائی، ابن کثیر ابن رافع ابن رجب اور آپ کے مشائخ اور ہم عصروں میں سے ایک خلق نے آپ سے استفادہ کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۶۹)

تصانیف:۔

علماء سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حافظ ذہبی نے پوری عمر قرطاس وقلم سے سروکار رکھا اور آپ کے قلم سے اتنی کثیر مفید اور اہم کتابیں وجود میں آئیں جنہیں دیکھ کر یہ خیال گذرتا ہے کہ یہ سارا کام تنہا ایک فرد سے انجام پانا ممکن نہیں مگر یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے نواز دے۔ (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

ڈاکٹر بشار عواد نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۲۱۵ ربتائی ہے حافظ ذہبی کی کتابیں کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے بہت اہم ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہے کہ ''آپ نے فن حدیث میں مہارت حاصل کی اور بہت ساری مفید کتابیں تحریر کیں یہاں تک کہ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ صاحب تالیف بن گئے (الدرار الکامنہ ج۳ص ۳۳۷)

آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) تاریخ اسلام الکبیر (۲) میزان الاعتدال۔ (۳) تجرید اسماء الصحابہ، یہ کتاب ابن اثیر کی مشہور تالیف اسد الغابہ کا اختصار ہے نیز امام نے اس میں بہت سے اسماء کا اضافہ بھی کیا ہے (۴) دول الاسلام (۵) العبر فی خبر من غبر (۶) سیر اعلام النبلاء (۷) کتاب المعرفۃ القراء علی الطبقات والاعصار (۸) تذہیب التہذیب (۹) الکاشف (۱۰) المعجم الکبیر (۱۱) المعجم الصغیر (۱۲) المعجم المختص (۱۳) قرۃ العینین فی ضبط رجال الصحیحین (۱۴) تلخیص المستدرک (۱۵) مختصر تاریخ بغداد (۱۶) مختصر المحلی لابن حزم (۱۷) کتاب الکبائر وبیان المحارم وغیرہ من الکتب والرسائل۔

جرح وتعدیل:۔

فن جرح وتعدیل کے میدان میں حافظ ذہبی کی مسابقت محتاج بیان نہیں اس فن میں آپ نے گرانقدر تالیفات یادگار چھوڑیں فن تاریخ سے متعلق آپکی جتنی کتابیں ہے ان میں یہ موضوع غالب ہے اس فن سے متعلق آپ کی تقریباً ۷۵ ر تالیفات ہیں جن میں اصول و جرح و تعدیل سے متعلق کچھ اہم کتابیں بھی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱/۷۹)

میزان الاعتدال:۔

یہ کتاب ضعفاء رجال کی کتابوں میں بہت ہی اہم ہے جو بالیقین اسم بامسمی ہے ذہبی کے زمانہ میں اور بعد کی صدیوں میں آنے والے علماء ومحدثین نے اس کتاب پر بھر پور اعتماد کیا ہے کتاب

ضعفاء رجال کے حالات اور ان کی معرفت پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔

علامہ سبکی لکھتے ہیں "ھو من اجل الکتب" (طبقات الشافعیہ ۵/۲۱۷)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "الف الحفاظ فی اسماء المجروحین کتبا........ من اجمع ما وقفت علیہ کتاب المیزان" حفاظ نے اسماء مجروحین کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں میرے علم میں ان میں سب سے جامع کتاب "المیزان ہے" (لسان المیزان ا/ص ۴)

علامہ حسینی فرماتے ہیں کہ: "من احسنھا میزان الاعتدال فی نقد الرجال" (ذیل تذکرۃ الحفاظ ۳۵)

● امام سخاوی: "وعول علیہ من جاء بعدہ نیز فرمایا ھل انتفع الناس فی ھذا الفن بعدہ والیٰ الآن بغیر تصانیفہ" (الاعلان بالتوبیخ ص ۷۶-۱۰۹)

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حافظ ابوالفضل عراقی نے ذیل تحریر فرمائی ہے نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تلخیص اور تکمیل لسان المیزان میں کیا ہے۔

اس کتاب میں حافظ ذہبی نے بہت اہم اور دقیق اصولوں کی طرف بھی جابجا اشارہ کیا ہے نیز مجرد نقل پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اپنی رائے کا اظہار بصیرت کے ساتھ فرمایا ہے۔ نیز اہل علم کی اس فن میں تصنیف شدہ کتابوں پر مثبت یا منفی پہلو سے تبصرہ کیا ہے اور ان کے اقوال پر رد و قدح بھی کی ہے۔

تراجم میں راوی کا نام و نسب شیوخ و تلامذہ اور ائمہ کے اقوال کا ذکر کیا گیا ہے کہیں کہیں راوی کے عام حالات اخبار و احادیث کا بھی ذکر ہے تراجم عموماً متوسط ہیں کہیں کہیں مفصل اور کہیں کہیں مختصر بھی ہیں۔

تاریخ اسلام و وفیات المشاہیر والاعلام:۔

یہ اہم کتاب صحابہ، تابعین محدثین، فقہاء اسلام، اور مفتیان عظام، قراء و مفسرین، حکام و سلاطین، امراء وزراء اہل فکر و دانش کے حالات و کمالات پر مشتمل ایسا موقر مجموعہ ہے جس پر امت اسلام جتنا فخر کرے کم ہے۔ تاریخ اسلام پر ایسی جامع اور مستند کتاب اب تک تالیف نہیں ہوئی۔ اس کی اہمیت اور افادیت کا علماء نے ہر دور میں اعتراف کیا۔

● حافظ ابن حجر عسقلانی: "انہوں نے تاریخ اسلام کو اس طرح جمع کیا کہ اپنے متقدمین پر فوقیت لے گئے۔ خصوصاً محدثین کے حالات ذکر کرنے میں"۔ (الدرر الکامنہ جلد ۳ ص ۳۲۷)

شوکانی لکھتے ہیں "الناس فی التاریخ من اهل عصره فمن بعدهم عیال علیه. لم یجمع احد فی هذا الفن کجمعه ولا حرره کتحریره"۔ (البدر الطالع ۲ / ص ۱۱۱)

فن تاریخ میں ذہبی کے معاصرین اور بعد کے مؤرخین ان کے محتاج ہیں اس فن میں کسی نے ذہبی سے عمدہ تدوین وتحریر کا کام نہیں کیا۔

اس ضخیم کتاب کو حافظ ذہبی نے ستر طبقات میں تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ دس سال کے واقعات وحوادث پر مشتمل ہے۔ ۱ھ سے لے کر ۷۰۰ھ تک کے سیاسی واقعات اور ہر دور کے علماء وفضلاء کے مختصر حالات نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس میں بیان کئے گئے ہیں۔

کتاب کی تالیف میں مصنف نے جو عرق ریزی وجگر سوزی اور مواد کی فراہمی میں جو محنت کی ہے۔ اور تحقیق وتفحص کی جس خارزار وادی سے گذرے ہیں اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے بخوبی ہوتا ہے۔

ابتداء اسلام سے لے کر آج تک بے شمار کتب تاریخ (جن میں سیرت، مغازی جرح و تعدیل دلائل نبوت انساب وغیرہ شامل ہیں) سے استفادہ کرنا ان سے معلومات اکٹھا کر کے منظم اسلوب میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں،، خاص طور سے فقہاء و محدثین امراء وسلاطین، خلفاء وحکام، شعراء وادباء وغیرہ کے حالات ان کے طبقات ان کی افادیت شاگرد واساتذہ اور وفات کی معرفت اہم فتوحات، لڑائیاں، حادثات وواقعات کا انتخاب واقتصاد بڑی عرق ریزی اور دل سوزی کا کام ہے (الاعلان بالتوبیخ ص ۸۶ ـ ۸۷)

کتاب کی اہمیت ووقعت وافادیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب سے مختلف کتابیں تیار کیں۔ جن میں (۱) سیر الاعلام النبلاء جیسی عظیم الشان کتاب بھی ہے جو ۲۳ جلدوں میں مطبوع ہے اس کے علاوہ (۲) العبر فی خبر المن غبر (۳) طبقات القراء (۴) الاشارہ الی وفیات الاعیان (۵) تذکرۃ الحفاظ۔ اسی تاریخ کبیر سے ماخوذ ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ:۔

حفاظ حدیث کا یہ تذکرہ چار جلدوں پر پھیلا ہوا ہے جس میں اکیس طبقات ہیں جس کے پہلے طبقہ میں صحابۂ کرام کا تذکرہ۔ ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتا ہے بعد کے طبقات میں تابعین تبع تابعین اور ائمہ حدیث، محدثین کا تذکرہ کرتے ہیں کتاب کے آخر میں مصنف

نے اپنے چھتیس شیوخ کا ترجمہ لکھا ہے جن سے آپ نے حدیث ورجال کی تعلیم حاصل کی تھی۔

حفاظ حدیث کے تراجم میں حافظ ذہبی نے ان امور کا بطور خاص لحاظ رکھا ہے۔

(۱) حافظ حدیث کا نام ونسب اور تاریخ پیدائش۔

(۲) اس کے شیوخ اور تلامذہ کا ذکر۔

(۳) حافظ حدیث کے اخلاق وعادات علمی پایہ اور اس کے ثقاہت عدالت اس پر طعن

(۴) تاریخ وفات ساتھ ہی اس سال وفات پانے والے اہم علماء کا نام (۵) آخر میں حافظ ذہبی کو صاحب ترجمہ محدث سے جو حدیث ملی اس کے متن اور سند کا بیان۔

۱۳۰۹ھ میں دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد نے دکن سے شائع کیا۔

مکارم اخلاق:۔

حافظ ذہبی علم وفضل میں امتیازی شان کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت اور حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ علم کی وجاہت کے باوصف وہ بڑے خلیق، متواضع انسان تھے۔

وفات:۔

۳/ذی القعدہ ۷۴۸ھ کو دارالحدیث ام صالح میں وصال ہوا۔ جامع دمشق میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور ''باب صغیر'' میں سپرد خاک کردیئے گئے۔

(۸۷) حضرت خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی کنانی رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۳ھ ۸۵۲ھ

اسم گرامی احمد کنیت ابوالفضل، لقب شہاب الدین۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد۔ عسقلانی اور کنانی آپ کا نسبی تعلق قبیلہ کنان کی اس شاخ سے ہے جو شام کے مشہور شہر عسقلان میں آکر آباد ہوگئی تھی۔ عسقلان شام کے صوبہ فلسطین کا ایک خوبصورت شہر تھا جسے عروس شام کہا جاتا تھا۔ آپ نے آبائی وطن عسقلان کی طرف نسبت کرنا پسند کیا۔ ابن حجر آپ کے جدامجد کا لقب تھا جسے آپ نے اختیار کیا۔

ولادت مصر کے قریہ عتیقہ میں ۷۷۳ھ میں ہوئی۔ ابھی صغرسنی ہی تھے کہ والدہ محترمہ کی آغوش شفقت سے محروم ہوگئے۔ پانچ سال کی عمر ہوئی تو والد گرامی کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اس

بے سہارا اور یتیم کی پرورش ایک تاجر نے کی جو آپ کے والد کے دوست تھے۔

تعلیم:۔

پانچ سال کی عمر ہوئی تو دستور زمانہ کے مطابق مکتب میں بیٹھائے گئے ۹ رسال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا اور العمدہ، الفقیۃ الحدیث، الحاوی الصغیر اور مختصر ابن حاجب بھی زبانی یاد کرلیں۔ چوں کہ شعروادب سے فطرلگاؤ تھا۔ لہذا ابتداء میں اس جانب توجہ کی اور اس میں کمال پیدا کیا۔ مگر قدرت نے اس نابغۂ روزگار ہستی کو علم حدیث کی خدمت کے لیے پیدا کیا تھا۔ اس لیے زندگی میں انقلاب رونما ہوا اور طلب حدیث کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۷۸۳ھ میں اپنے سرپرست کے ساتھ مکہ مکرمہ گئے۔ تو پہلا درس شیخ عفیف الدین نشاری سے لیا باقاعدہ تحصیل حدیث کا آغاز ۷۹۳ھ سے کیا پورے انہاک اور ذوق وشوق کے ساتھ اس مقدس کام میں لگ گئے آپ کی قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ پانچ سال کی عمر تھی ایک دن میں پوری سورۂ مریم یاد کرلی۔ الحاوی الصغیر کو دوبار پڑھ کر تیسری مرتبہ زبانی سنا دیا چنانچہ حافظ آب کا اجماعی خطاب بن گیا بلکہ خاتم الحفاظ کے لقب سے معروف ہوئے۔

آپ نے احادیث کریمہ کی تحصیل کے لیے مصر کے علاوہ حرمین شریفین، اسکندریہ، نابلس، رملہ، غزہ، یمن، قبرص، شام اور حلب وغیرہ کا سفر کیا وہاں کے اساطین حدیث سے درس لیا۔ آپ کی شخصیت کی تعمیر میں سب سے اہم کردار امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جن کی صحبت سے آپ دس سال وابستہ رہے آپ کے مشہور شیوخ یہ ہیں:

زین الدین عراقی، علامہ ابن الملقن، امام بلقینی، امام تنوخی، مجدالدین صاحب قاموس اور ابن جماعہ جو اپنے زمانہ کے عجوبہ تھے۔

علم وفضل:۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس اخلاص وایثار اور انہاک وتوجہ سے علم نبوی کی تحصیل میں جدوجہد کی قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں علم کی لازوال دولت سے اتنا مالا مال کردیا کہ اپنے معاصرین پر ہی سبقت نہ لے گئے بلکہ چند صدیوں کے اندر ان کے پایہ کا کوئی محدث پیدا نہ ہوسکا۔ ان کی جلالت فی العلم کا اعتراف وقت کے عظیم اہل علم نے کیا ہے۔

● حافظ زین الدین عراقی: ”آپ کے شیخ نے آپ کو اپنے شاگردوں میں حدیث کا

سب سے بڑا عالم بتایا ہے وہ اکثر و بیشتر لوگوں کو علمی معلومات کے لیے آپ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے"۔ (ابن حجر العسقلانی ص ۱۶۳)

- ابن فہد: "آپ علامہ زمانہ تھے۔ آپ جیسی شخصیت نگاہوں نے نہیں دیکھی"۔ (لحظ الالحاظ ص ۳۳۶)

- ابن شحنہ: "آپ حافظ عصر، حافظ مغرب و مشرق، امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ آپ کے عہد شباب ہی میں علم حدیث کی ریاست آپ پر ختم تھی"۔ (ابن حجر العسقلانی ص ۲۶۹)

- ابن عماد: "آپ حافظ عصر، شیخ الاسلام، امیر المومنین فی الحدیث ہیں" (شذرات الذہب ۷/۲۷۰)

- حافظ جلال الدین سیوطی نے آپ کو شیخ الاسلام، امام الحفاظ، اور حافظ الدنیا مطلقا کا خطاب دیا ہے۔ (ذیل طبقات الحفاظ ص ۳۸۰)

- حسن عباس زکی: "**الحافظ بن حجر فقد عرفه الناس حال حياته كعبة يحج اليها العلماء فينالون من فيضه واتقن علم الحديث اتقانا لاحد له وقد ذاع صيته حتى ملأالآفاق وارتحل اليه العلماء من جميع الاقطار**" حافظ ابن حجر لوگوں نے ان کی زندگی ہی میں ان کی ذات کو کعبۂ مقصود بنالیا علماء ان کے پاس زیارت کے لیے آتے اور ان کا فیض حاصل کرتے اور علم حدیث میں ان کے اتقان کی کوئی انتہا نہیں اور شہرہ اس قدر پھیلا کہ آفاق معمور ہو گئے اور ہر طرف سے علماء ان کے پاس آنے لگے۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۷)

حلقۂ درس اور اشاعت حدیث:۔

حسن عباس زکی کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن حجر عسقلانی اپنے دور میں مرجع علماء تھے اور ان کے اتقان فی الحدیث اور تبحر علمی کا چرچا آفاق میں پھیل چکا تھا جس ذوق و شوق کے ساتھ ابن حجر نے علم دین حاصل کیا اسی طرح اس کی بے لوث خدمت و اشاعت میں اپنی زندگی صرف کر دی۔

طالبان علم آپ کی بارگاہ میں جوق در جوق حاضر ہوتے اور کسب فیض کیا کرتے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے ایک درجن سے زائد علمی مراکز اور دُور حدیث میں درس دیا ہے۔ صرف خانقاہ بیبرسیہ میں بیس سال تک درس دیا اس کے علاوہ دار الحدیث الکاملیہ، شیخونیہ، بدریہ، صالحیہ، فخریہ، مجمیہ، جمالیہ، حسینیہ اور جامع ابن طولان میں منصب تدریس پر فائز رہے۔

نیز تقریباً اکیس سال تک مختلف اوقات اور مقامات میں منصب قضاء پر فائز رہے اس کے علاوہ مجلس املاء و وعظ و افتاء بھی منعقد کرتے تھے۔

آپ کی علمی شہرت اور فیض عام کا یہ حال تھا کہ معاصرین علماء بھی دور دور سے آکر آپ سے کسب فیض کرتے۔ طلبہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی آپ سے علم حاصل کرتے۔ آپ کی مجلس درس میں جس کثرت سے طلبہ شریک ہوتے تھے اتنا کسی کی مجلس میں نہیں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کا تذکرہ علامہ سخاوی نے تفصیل سے الجواہر والدرر میں کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا حصر ممکن نہیں۔ آپ کے انہیں مشہور شاگردوں میں سے امام سخاوی، ابن تغری بردی، ابراہیم قلقشندی، عبدالحق سنباطی، عز بن فہد، ابن ارکماش، علامہ بقاعی، ابن فہد مکی، ابن قاضی شہبہ، زکریا انصاری وغیرہ ہیں۔

دو اہم خصوصیات:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حافظ ابن حجر کو جو وسعت علم اور حفظ واتقان کی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی وہ کم ہی محدثین کے حصے میں آئی۔ اس کے ساتھ قدرت نے آپ کو سرعت قرأت اور سرعت کتابت کی خوبی سے بھی نوازا تھا۔ پڑھنے میں اتنی تیز رفتاری تھی کہ صرف چار چار مجلس میں سنن ابن ماجہ اور صحیح مسلم کو ختم کر دیتے تھے۔ امام طبرانی کی معجم صغیر کو صرف ایک مجلس (ظہر اور عصر کے درمیان) ختم کر لیا تھا۔

کتابت اتنی برق رفتاری سے کرتے کہ قلم اٹھائے بغیر لکھتے چلے جاتے اسی بنا پر آپ کی تحریروں کو سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) سے تعبیر کیا گیا ہے معمول کے مطابق تمام کام انجام دینے کے بعد صحیح بخاری کا ایک پارہ ایک دن میں لکھ لیا کرتے تھے۔

● علامہ ابن فہد فرماتے ہیں: "بلغ الغایۃ القصوی فی الکتابۃ والکشف والقرأۃ" یعنی آپ کتابت، کشف اور قرأت میں حد نہایت کو پہنچے ہوئے تھے۔ (لحظ الالحاظ ص ۳۲۶)

جرح وتعدیل:۔

اکابر محدثین نے اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے حدیث کی جمع وتدوین کا جو اہم کارنامہ انجام دیا ساتھ ہی ساتھ رجال ورواۃ حدیث کی جرح وتعدیل اور احادیث کو وضع واختراع کے غبار

سے پاک وصاف کرنے کی سعی بلیغ فرمائی اور ابن حجر عسقلانی کے زمانہ تک اس فن میں ائمہ محدثین نے بہت سی کتابیں تحریر کیں مگر آپ جس طرح حدیث میں خاتم المحدثین ہوئے اسی طرح جرح وتعدیل کے ارتقائی سفر کی منزل آپ ہی نے طے کی۔ اس فن کی معرفت آپ کی ذات پر ختم ہو جاتی ہے جس وقت سے آپ کی کتابیں معرض وجود میں آئیں دوسری کتابوں کی ضرورت تقریباً ختم ہوگئی۔ رجال کے بارے میں جو تتبع اور فیصلہ آپ نے کیا ہے علماء نے اس کو کلی طور پر قبول کیا ہے اور حدیث کی تصحیح وتضعیف میں اس کو بنیاد بنایا ہے۔ اس فن میں آپ کی گرانقدر تالیفات میں تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، تعجیل المنفعہ، لسان المیزان اور تحریر المشتبہ وغیرہ ہیں جو انتہائی مشہور ومعروف ہیں اور فن جرح وتعدیل میں آپ کی امامت کا پتہ دیتی ہیں۔

ابن فہد فرماتے ہیں کہ ”فن حدیث کی معرفت میں آپ اپنے عہد شباب ہی سے یکتائے زمانہ تھے خاص طور سے رجال حدیث اور ان سے متعلق علوم میں کافی ملکہ حاصل تھا“۔ (لحظ الالحاظ ص ۳۳۱)

ابن عماد فرماتے ہیں کہ ” رجال حدیث اور علل حدیث کی معرفت آپ پر ختم ہے“۔ (شذرات الذہب ۷/۲۷۱)

تصانیف:۔

خالق کائنات نے آپ کو تصنیف وتالیف کی عمدہ خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا آپ نے مختلف علوم وفنون میں بیش بہا کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ڈاکٹر شاکر محمود نے ۳۲۰ رکتابیں بیان کی ہے۔ حدیث اور اس کے متعلقہ فنون پر آپ نے انتہائی نفع بخش اور عمدہ کتابیں تصنیف فرمائیں آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ علم حدیث کی جو مہتم بالشان خدمت انجام دی ہے اس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔ آپ کی گرانقدر کتابوں کو آپ کے زمانہ ہی میں قبولیت وشہرت حاصل ہوگئی تھی۔ علماء اور خواص نے انہیں سینے سے لگایا اور آج تک امت مسلمہ ان سے فیض حاصل کر رہی ہے۔

ابن فہد کا بیان ہے کہ ” آپ کی تالیفات حسین علمی گلدستہ ہیں انتہائی مفید، مقبول اور متداول ہیں جن کے حصول کے لیے قافلے سورج کی طرح چلتے رہے“۔ (لحظ الالحاظ ص ۳۳۲)

حافظ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ” اولین وآخرین میں آپ کی طرح کسی نے تصنیف نہیں کی ہے“۔ (ذیل طبقات الحفاظ ص ۳۸۱)

آپ کی اہم مصنفات فتح الباری شرح صحیح البخاری، بلوغ المرام،

نزهة النظر شرح نخبة الفكر، تهذيب التهذيب، تقريب التهذيب ، تعجيل المنفعة، لسان الميزان اور تحرير المنتبه ديوان شعر، تعليق التعليق، الدرر الكامنة، طبقات الحفاظ ، اصابه فى احوال الصحابه، تلخيص الجير فى تخريج احاديث شرح الوجيز الكبير، تخريج احاديث الاذكار، الدرايه فى تخريج احاديث الهدايه، الكاف الشاف فى تخريج الكشاف ،القول المسدد فى الذب عن مسند الاحمد، مختصر البدايه والنهايه، الاحتفال فى بيان احوال الرجال، مقدمه الهدى والسارى، انحصال المفكرة للذنوب المقدمة والموخرة، بذل الماعون فى فضل الطاعون، تقريب المنهج ترتيب الدرج، تجريد التفسير عن صحيح البخارى ،تقريب الغريب، قضاة مصر توالى التاسيس بمعالى ابن ادريس.

فتح الباری:۔

کتب احادیث میں امام بخاری کی صحیح کو جو فضیلت اور برتری حاصل ہے اور امت نے اس کتاب کو عہد بخاری سے لے کر آج تک اسے اپنے سر کا تاج بنایا ہے یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے آج پورے عالم اسلام میں صحیح بخاری کا درس جاری ہے جس کی تکمیل پر سند فراغت سے نوازا جاتا ہے کتاب کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر زمانہ میں اس کی شروح وحواشی اور تعلیقات لکھے گئے مگر اس مہتم بالشان کتاب کی کما حقہ شرح نہ ہوسکی اور امت پر یہ قرض باقی رہا یہاں تک کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری لکھ کر امت کے سر سے یہ قرض اتار دیا آپ کی یہ کتاب تمام شروح حدیث پر فوقیت رکھتی ہے۔ حسن عباس زکی نے بجا طور پر لکھا " وكان تاجها المرصع كتاب فتح البارى شرح البخارى"

صاحب کشف الظنون نے تحریر فرمایا" ومن اعظم شروح البخارى شرح الحافظ ابن حجر وسماه فتح البارى ومقدمته اشتملت علىٰ عشرة فصول وسماها هدى السارى" بخاری کی سب سے اعظم واکمل شرح، حافظ ابن حجر کی شرح ہے جس کا نام انہوں نے فتح الباری رکھا اور اس کا مقدمہ دس فصلوں پر مشتمل ہے جس کا نام ہدی الساری رکھا۔
(بحوالہ مقدمہ فتح الباری ص ۷)

حسن عباس زکی نے فتح الباری کی اہمیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"وکان ابن حجر فی کتابه هذا قد عاصر البخاری وعاشره واستقیٰ من علمه وکانه جلس امامه والقی السمع لمقاله فسمع الحدیث ووعاه وعرف علومه واسانیده والصحیح منه وتخاریجه والحکمة من ایراده معلقا او مقطوعاً او مرفوعاً او مکرراً "(ایضا)

تہذیب التہذیب:۔

تہذیب التہذیب کتب ستہ کے راویوں کے تراجم پر نہایت جامع اور پر مغز کتاب ہے۔ یہ کتاب امام مزی کی تہذیب الکمال کا خلاصہ اور اس پر معلومات افزا اضافہ ہے۔ اس کتاب میں تہذیب الکمال کو مہذب اور مختصر کیا گیا ہے نیز اصحاب کتب ستہ کی کچھ دیگر تالیفات کے راوی بھی ہیں اسی طرح سے ان کے ہم نام راویوں کو بھی برقرار رکھا ہے جن کو امام مزی نے بطور اختصار ذکر کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص کی وجہ مقدمہ کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''عموماً لوگ طویل کتابوں سے گھبراتے ہیں اور ان سے استفادہ کرنے میں کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں (چوں کہ امام مزی کی کتاب انتہائی مفید ہونے کے باوجود کافی طویل تھی) لہذا لوگ امام ذہبی کی کتاب ''الکاشف'' کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے جس سے اصل مقصد پورا نہیں ہوتا تھا۔ نیز بعض تراجم میں معلومات بالکل نہ ہونے کے برابر تھی اور اس میں اضافہ کی ضرورت تھی اس لیے میں نے سوچا کہ اس کتاب کو مناسب طریقے سے مختصر کر دیا جائے جو مفید ہو۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳)

حافظ ابن حجر کی باکمال شخصیت ان کی تحری وتثبت نیز فیصلوں پر بعد میں آنے والوں نے بہت زیادہ اعتماد کیا ہے اس لیے یہ کتاب علماء کے یہاں بیحد مقبول ومعتمد ہے۔ علماء نے کتب ستہ کے راویوں کے تراجم کے لیے حافظ ابن حجر کی دونوں کتابوں ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' پر زیادہ ہی اعتماد کیا ہے ان کی تہذیب کے منظر عام پر آنے کے بعد ذہبی کی ''تذہیب'' مغلطائی کی ''الاکمال'' اس کے سامنے ماند پڑ گئی حتی کہ اس کی اصل تہذیب الکمال کی طرف بھی علماء کی اتنی توجہ نہیں رہی جتنی کہ ان کی دونوں کتابوں پر رہی۔

تقریب التہذیب :۔

یہ کتاب تہذیب التہذیب کا عطر ہے حافظ ابن حجر نے اسے بڑی محنت سے تیار کیا۔ اختصار کے باوجود معلومات کا خزانہ ہے ۔ تھوڑے سے وقت میں راوی کے بارے میں اہم اور ضروری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں یہ کتاب کافی مقبول ہوئی علماء نے اس پر بھرپور اعتماد کیا۔ یہ کتاب حروف تہجی پر مرتب ہے۔

اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر راوی کی شخصیت اور اس کے بارے میں وارد شدہ اقوال کا بغائر مطالعہ کر کے ایک جامع فیصلہ تیار کیا گیا ہے جس میں جرح و تعدیل کے جو بارہ مرتبے ہیں ان کو سامنے رکھ کر راوی کے لیے جو مناسب کلمہ و مرتبہ ہوتا تھا اس پر حکم لگا دیا گیا ہے مثلاً ثقہ، ثبت، ثقہ، صدوق، لاباس بہ، مقبول، ضعیف وغیرہ راوی کے بارے میں (خاص طور سے متضاد اقوال کا) یہی جامع خلاصہ و فیصلہ اس کتاب کے مقبول و متداول ہونے کا سب سے اہم سبب ہے۔

وفات :۔

اس پیکر علم و فن نے ماہ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں وفات پائی ۔ نماز جنازہ میں اتنی بھیڑ تھی کہ لوگوں نے جس کی نظیر نہیں دیکھی تھی امراء و سلاطین، علماء اور عوام و خواص سبھی شریک تھے امام شافعی اور شیخ مسلم سلمی کی قبر کے درمیان مقام قرافہ صغریٰ میں سپرد خاک کیے گئے۔

(۸۸) حضرت امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۹ھ ۹۱۱ھ

اسم گرامی عبدالرحمٰن، کنیت ابوالفضل، لقب جلال الدین ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین بن سابق الدین بن الفخر عثمان بن ناظر الدین محمد بن سیف الدین خضر بن نجم الدین ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن شیخ ہمام الدین، ہمام الخضیری السیوطی۔

مصر میں دریائے نیل کے مغربی کنارہ پر شہر سیوط تھا جہاں زمانہ قدیم میں بڑے پیمانے پر شکر اور افیون کی تجارت ہوا کرتی تھی ۔ جلال الدین سیوطی کا خاندان صدیوں پہلے بغداد سے آ کر اس شہر میں آباد ہو گیا تھا اسی شہر میں آپ کی ولادت یکم رجب ۸۴۹ھ بروز یک شنبہ ہوئی ۔ آپ کا خاندان علمی تھا اور حکومت کے مناصب پر بھی اس کے افراد فائز ہوا کرتے تھے ۔ والد گرامی

کمال الدین ابوبکر اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور سلطان المستکفی کے دربار سے وابستہ تھے۔ چوں کہ آپ اس کے اتالیق رہ چکے تھے اس لیے سلطان آپ کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ سیوط کے قاضی تھے جب قاہرہ آئے تو علامہ قایانی سے فقہ، اصول، کلام، نحو، معانی اور منطق کی تحصیل کی اور ۸۲۹ھ میں ان سے تدریس کی اجازت حاصل کی۔ حافظ ابن حجر سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ مختلف کتابیں تصنیف کیں جامع شیخونی میں فقہ کے استاذ اور جامع طولونی میں خطیب رہے۔ خلیفہ مستکفی باللہ کے امام تھے اسی لیے حافظ سیوطی کی پرورش قاہرہ میں ہوئی۔

تعلیم:۔

آپ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے اس لیے بچپن ہی میں تحصیل علم کا آغاز کیا آپ کی عمر پانچ سال سات ماہ کی ہوئی تھی کہ قرآن مجید سورۂ تحریم تک حفظ کر لیا اچانک والد کا سایہ ۵ رصفر ۸۵۵ھ کو ان کے سر سے اٹھ گیا۔ والد نے وصال کے وقت شیخ کمال الدین بن ہمام اور شیخ شہاب الدین بن طباخ کے حوالے کر دیا تھا۔ حافظ سیوطی نے کمال الدین بن ہمام کے سایۂ عاطفت میں تعلیم شروع کی انہوں نے سیوطی کو شیخونیہ میں داخل کر دیا۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ اس کے بعد عمدۃ الاحکام، منہاج الفقہ، الفیہ ابن مالک یاد کیا۔

مصر کے ہر بڑے عالم سے انہوں نے اکتساب علم کیا۔ حسن المحاضرہ میں اپنے مشائخ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو بتاتے ہیں کچھ اہم اساتذہ یہ ہیں:

علامہ بلقینی م ۸۶۸ھ، علامہ شرف الدین انعاوی م ۸۷۱ھ، علامہ تقی الدین شمنی حنفی م ۸۷۲ھ، علامہ محی الدین کافیجی م ۸۷۹ھ شیخ سیف الدین حنفی م ۸۸۱ھ، شیخ شہاب الدین الشار مساحی م ۸۶۵ھ، محمد بن ابراہیم رومی، ام ہانی۔

رحلت و سفر:۔

حافظ سیوطی نے تحصیل علم کے لیے حجاز، شام، تکرور اور ہندوستان کا سفر کیا اور ان مقامات کے علماء و محدثین سے خوب خوب علم حاصل کیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو آب زمزم اس نیت سے نوش کیا کہ فقہ میں علامہ بلقینی کا مرتبہ اور حدیث میں حافظ ابن حجر کا پایہ نصیب ہو اور وہاں عبدالقادر مالکی نجم بن فہد سے کسب فیض کیا۔

علم و فضل :۔

علامہ سیوطی ایک جامع علوم شخصیت تھے آپ مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ ایک بالغ نگاہ فقیہ بھی تھے اور ایک متبحر عالم علوم قرآن اور طبقات نگار و مورخ، شعر و ادب کے رمز شناس اور ماہر عربیت بھی تھے۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ اساتذہ آپ کی علمی بلند پائیگی کے معترف تھے اور ان کی رائے پر اعتماد کرتے۔ حسن المحاضرہ میں اپنے استاذ علامہ شمنی کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شمنی نے شفا کے حاشیہ میں واقعہ اسراء میں ابوالحمراء کی حدیث درج کی اور اس کو ابن ماجہ کی تخریج بتایا۔ میں نے بار بار ابن ماجہ دیکھی، مگر یہ حدیث نہ ملی، ابن قانع کی معجم الصحابہ میں تلاش کیا اس میں یہ حدیث موجود تھی۔ شیخ سے عرض کیا انہوں نے محض میری سماعت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نسخہ سے ابن ماجہ کاٹ کر ابن قانع لکھ دیا"۔

علامہ شمنی نے بار بار زبان و قلم سے سیوطی کے علم و فضل کا اعتراف کیا ان کی تصنیف شرح الفیہ اور جمع الجوامع پر تقریظ لکھی۔ علامہ بلقینی نے بھی ان کی شرح استعاذہ و بسملہ پر تقریظ لکھی۔

غیر معمولی ذہانت، قوت حفظ و ضبط کی بدولت علم و فضل میں اپنے اقران اور معاصرین ہی نہیں بلکہ بعض شیوخ پر بھی سبقت لے گئے اور اپنی علمی جلالت شان پر بہت سے علماء و امراء سے خراج تحسین حاصل کیا۔ خود اپنی کتاب الرد علی من اخلد الی الارض میں لکھتے ہیں۔

"لیس علی وجه الارض من مشرقها الیٰ مغربها اعلم بالحدیث والعربیة منی الا ان یکون الخضر او القطب او اولیاء الله تعالیٰ" مشرق سے لے کر مغرب تک روئے زمین میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو حدیث اور عربیت میں مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو بجز خضر، قطب یا کسی ولی کے وہ مستثنیٰ ہیں۔ (مقدمہ تدریب الراوی)

اگر چہ خود ستائی مستحسن نہیں مگر علامہ سیوطی نے یہ بات تحدیث نعمت اور بیان واقعہ کے لیے تحریر کی۔ علماء اسلام نے انہیں عربیت، حدیث اور فقہ میں عبقری اور امتیازی شخصیت تسلیم کیا۔

علم حدیث میں آپ کے پائے کا کوئی عالم نہ تھا خود فرماتے تھے "مجھے دو لاکھ احادیث یاد ہیں اگر ان سے بھی زیادہ ملتیں تو انہیں بھی یاد کرتا" آپ کی دینی و علمی خدمات بارگاہ رسالت میں قبولیت سے مشرف ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا (خواب) میں آپ کو یا شیخ السنۃ، یا شیخ الحدیث کہہ کر مخاطب فرمایا۔ شیخ شاذلی سے منقول ہے کہ آپ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ

سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار بہجت آثار سے کتنی بار مشرف ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ ستر مرتبہ سے زیادہ۔

درس وتدریس۔

حافظ سیوطی نے تحصیل علم کے بعد آپ علوم وفنون سے دنیائے اسلام کو مالا مال کرنے کا قصد کیا اور سب سے پہلے علامہ بلقینی کی کوشش سے ۸۷۲ھ میں جامع شیخونی میں مدرس فقہ مقرر ہوئے اور اپنے والد کی جگہ پر تعلیم دیتے رہے۔ پھر اپنے وصی شہاب الدین بن طباخ کی کوشش سے جامع ابن طولون میں کچھ دنوں املا کرایا۔ تربتہ برقوق، نائب شام میں اپنے ہم وطن ابو الطیب السیوطی کی سفارش سے مشیخۃ التصوف کے عہدے پر فائز رہے شیخونیہ میں بھی مشیخۃ الحدیث کا مرتبہ ملا۔ ۸۹۱ھ میں انہیں اس سے اہم مدرسہ البیرسیہ کا شیخ الحدیث بنایا گیا جہاں وہ ۱۵، ۱۶/ سال تک دور دراز سے آنے والے طالب علموں کی پیاس بجھا کر انہیں علم دین کا روشن چراغ بناتے رہے۔ رجب ۹۰۶ھ میں بعض وجوہ کی بنا پر اس مدرسے سے علیحدگی عمل میں آئی جس کے بعد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جزیرۂ نیل کے ایک گوشہ "الروضہ" میں خلوت اختیار کر لی اور آخر حیات تک وہیں مقیم رہے۔ علیحدگی کے تین سال بعد مدرسہ البیرسیہ کے منتظم حضرات نے دوبارہ علامہ کو سابقہ عہدے کی پیش کش کی۔ مگر علامہ نے خلوت کو جلوت پر ترجیح دی اور یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے ان میں کچھ لوگ آپ ہی کی طرح علم وفضل کے ذروۂ کمال تک پہونچے ان میں ملا علی قاری سرفہرست ہیں۔

عہدۂ قضا:۔

بیرسیہ کی خدمت درس کے زمانہ میں خلیفہ متوکل نے ۹۰۲ھ میں ایک عظیم الشان عہدہ پیش کیا یعنی ان کو تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا سب کا عزل ونصب ان ہی کے اختیار میں تھا۔

حافظ سیوطی ۸۷۱ھ ہی سے مسند افتاء پر فائز ہو چکے تھے اور وہ مصر میں مشیر قانونی بھی ہو گئے تھے۔ اگرچہ آپ اجتہاد کا دعویٰ کرتے تھے مگر سائلین کے استفسار کا جواب فقہ شافعی کے مطابق دیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے سائل مذہب سے دریافت کرتا ہے نہ کہ میرے اجتہاد سے

دعویٰ اجتہاد اور اجتہاد کی نوعیت:۔

حسن المحاضرہ میں علامہ سیوطی نے تحریر فرمایا خداوند تعالیٰ نے مجھے سات علوم میں تبحر عنایت فرمایا ہے وہ علوم یہ ہیں: (۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) نحو (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع۔ علامہ سیوطی کو اپنے علم وفضل کے متعلق جو یقین تھا اس کی بنا پر انہوں نے اجتہاد کا دعویٰ کیا۔ وہ خود کو نویں صدی کا مجدد بھی خیال کرتے تھے چنانچہ "رسالة فيمن يبعث الله لهذه الامة على راس كل مائة" میں لکھا ہے کہ جس طرح امام غزالی کو اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا اسی طرح مجھ کو بھی امید ہے کہ میں نویں صدی کا مجدد ہوں گا اس لیے کہ میں فضل وکمال میں منفرد ہوں علم اصول لغت کو میں نے ایجاد کیا۔ میرے علوم اور میری تصنیفات سارے عالم میں پہونچ گئیں۔ شام، روم، عجم، حجاز، حبشہ، یمن اور تکرور، ہر جگہ میرے علوم اور مصنفات کی رسائی ہے ان کمالات میں میرا کوئی شریک نہیں ہے"۔

حافظ سیوطی نے اپنے اجتہاد وتجدید کے منصب کا اظہار اپنی بعض تصانیف حسن المحاضرہ اور رسالہ الكشف عن مجاوزة هذه الامة الالف میں بھی کیا ہے۔

علماء معاصرین کی ایک جماعت نے آپ کے اجتہاد کی سخت مخالفت کی ہے جس میں علامہ سخاوی سرفہرست ہیں۔ مخالفین کا خیال تھا کہ سیوطی اجتہاد مطلق کے مدعی ہیں جب کہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق کا دعویٰ کرنے والا لائق تادیب ہے۔ جس کی بنا پر ان کی مخالفت میں تشدد کا عنصر غالب آگیا جب کہ حافظ سیوطی نے اپنے آپ کو مجتہد مطلق نہیں [illegible] مجتہد منتسب کہا تھا۔

شعرانی طبقات کے ذیل میں سیوطی سے نقل کرتے ہیں کہ لوگوں نے میرے متعلق مشہور کر رکھا ہے کہ میں نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ کیا حالانکہ یہ غلط ہے میرا مطلب یہ ہے کہ میں مجتہد منتسب ہوں جب میں مرتبہ ترجیح کو پہونچا تو افتاء میں ترجیح نووی سے باہر نہیں نکلا اور جب مرتبۂ اجتہاد کو پہونچا تو افتاء میں مذہب شافعی سے الگ نہیں ہوا۔

تصنیفی خدمات:۔

علامہ سیوطی کی زندگی کا سب سے اہم اور اصل کارنامہ ان کی مصنفات ومولفات ہیں۔

کثرت تصانیف کے لحاظ سے اگر مصنفین اسلام کی فہرست تیار کی جائے تو بلاشبہ سیوطی صف اول کے مصنفین میں جگہ پائیں گے انہوں نے علم کے تمام شعبوں [illegible] ترس حاصل کی اور [illegible] میں ہر ایک پر قلم

اٹھایا۔ ان کی تصانیف تفسیر، اصول تفسیر، علوم القرآن، حدیث اور اس کے متعلقات، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، اصول تصوف، لغت، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، ادب، انشاء، شعر تاریخ جیسے اہم علوم وفنون کا احاطہ کرتی ہیں۔

تصانیف کی تعداد کے سلسلے میں اگرچہ اختلاف ہے جمیل بک نے ۷۵۶، فلوگل (مستشرق) نے ۵۶۱ اور داؤدی نے ۵۰۰ سے زائد تعداد کتب لکھی۔ ابن ایاس نے تعداد مصنفات ۶۰۰ بتائی۔ یہ تو بعد کے علماء کی تحقیق ہے خود سیوطی نے اپنی کتابوں کی فہرست مع اسماء کتب وتفصیل فن ۵۳۵ درج کی ہیں۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

حسن المحاضرہ، بغیة الوعاة، در منثور، ہمع الھوامع شرح جمع الجوامع، عین الاصابہ فی معرفة الصحابہ، در السحابہ فیمن دخل مصر من الصحابة، ریح النسرین فیمن عاش من الصحابة ماة وعشرین، اسعاف المبطا فی رجال المؤطا، کشف التلبیس عن قلب اھل التدلیس، تقریب الغریب، المدرج، تذکرة الموضی من حدیث من حدث ونسی، اسماء المدلسین، طبقات الحفاظ، ذیل طبقات الحفاظ للذھبی، شد الرحال فی ضبط الرجال، کشف النقاب عن الالقاب، تحفة النابہ بتلخیص التشابہ، لب اللباب فی تحریم الانساب، المنیٰ فی الکنی، جلالین، الاشباہ والنظائر، الاتقان فی علوم القرآن، الخصائص الکبری فی معجزات خیر الوریٰ.

الاتقان:۔

علامہ سیوطی نے تفسیر میں جلالین کی تکمیل کے علاوہ مجمع البحرین ومطلع البدرین تحریر کی۔ الاتقان اسی تفسیر کا مقدمہ ہے جسے علامہ سیوطی نے ۸۷۸ھ میں مکمل کیا۔ اور یہ مقدمہ گرانقدر مستقل کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ علوم قرآن پر سب سے زیادہ جامع کتاب ''الاتقان'' ہے حاجی خلیفہ کشف الظنون میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہ کتاب ان (سیوطی) کے علمی آثار میں عمدہ ترین اور مفید تر ہے۔ اس کتاب میں علامہ سیوطی نے اپنے شیوخ کافیجی کی تصنیف اور علامہ بلقینی کی مواقع العلوم اور علامہ زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن کے علوم کو خاص طور پر جمع کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف ''التحبیر'' پر اضافہ کرنے کے لیے ۸۰ انواع پر مشتمل ''الاتقان'' تحریر فرمائی جو درحقیقت ان کی بڑی تصنیف ''مجمع البحرین'' کا

مقدمہ ہے۔ (کشف الظنون)

علامہ سیوطی نے قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب، لغت اور تاریخ ہر فن پر کتابیں تصنیف کیں مگر تفسیر اور علم قرآن سے خصوصی لگاؤ تھا۔ تفسیر میں ان کی ایک مشہور کتاب ترجمان القرآن فی التفسیر المسند للقرآن ہے جس میں انہوں نے وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن کا تعلق قرآن پاک کی تفسیر سے ہے۔

حدیثی تصانیف:۔

علامہ سیوطی نویں اور دسویں صدی ہجری کے بڑے محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے خدمت حدیث کے سلسلہ میں بڑی اہم تصانیف یادگار چھوڑیں۔ جن میں (۱) مبسوط وضخیم کتاب ''جامع الجوامع'' ہے جو صحاح ستہ اور دس مسانید پر مشتمل ہے (۲) خبر متواتر پر ان کی تالیف ''الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ'' ہے (۳) التوشیح علی الجامع الصحیح جو صحیح بخاری پر تعلیق ہے (۴) کشف الغطا یہ موطا امام مالک کی شرح ہے (٦) ذیل تذکرۃ الحفاظ یہ کتاب رجال حدیث کے موضوع پر ہے (۷) عین الاصابہ (۸) در السحابہ (۹) اسعاف المبطا فی رجال الموطا۔

الخصائص الکبریٰ:۔

تاریخ میں سیوطی کی مشہور کتاب ''تاریخ الخلفاء'' ہے اور سیرت نبوی کے موضوع پر الخصائص الکبریٰ ہے جس کے اندر انہوں نے معجزات خیر الوریٰ کو کمال تفحص وتحقیق کے ساتھ بقید سنین پیش کیا ہے۔ اسناد کی تلاش میں سخت کاوش وکاہش کی ہے۔

حافظ سیوطی کی تصانیف کو حسن قبول کی دولت نصیب ہوئی اور ان کی زندگی میں اسلامی ممالک وامصار میں ان کی کتابوں کا ڈنکا بجنے لگا۔

گوشۂ خلوت:۔

۹۰٦ھ کے بعد زمانہ کے نامساعد حالات نے انہیں درس وتدریس اور عوامی ربط وضبط کی زندگی ترک کر دینے پر مجبور کیا چنانچہ وہ ایک جزیرہ روضۃ المقیاس میں ساری دنیا سے رشتہ توڑ کر خلوت گزیں ہو گئے یہاں تصنیف وتالیف ذکر واذکار، عبادت وریاضت کے علاوہ انہیں کسی اور کام سے سروکار نہ تھا۔ امراء، رؤساء، احباب اور اہل ثروت حاضر ہوتے مگر آپ ان کے لیے اپنا دروازہ نہ کھولتے۔

ایک مرتبہ ان کے حریف علامہ قسطلانی عذر و معذرت کے لیے روضہ گئے دروازہ پر دستک دی۔ حافظ سیوطی نے اندر ہی سے پوچھا کون؟ انہوں نے کہا میں قسطلانی ہوں اس لیے حاضر ہوں کہ آپ کا دل مجھ سے صاف ہو جائے۔ سیوطی نے اندر ہی سے کہہ دیا میرا دل صاف ہے نہ دروازہ کھولا اور نہ سامنے آئے۔

وفات:۔

علم و فن کے اس تاجدار نے ۱۹ر جمادی الاول ۹۱۱ھ شب جمعہ کو وفات پائی۔ باب قرافہ سے باہر حوش حوصون میں دفن ہوئے۔

(۸۹) حضرت امام شیخ علی متقی علیہ الرحمہ

ولادت ۸۸۸ھ وفات ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء

محدث کبیر شیخ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان کا آبائی وطن شیراز ہند جونپور تھا۔ شیخ حسام الدین نے ترک وطن کر کے برہان پور میں سکونت اختیار کی جہاں شیخ علی متقی کی ولادت ۸۸۸ھ میں ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر ہوئی تو والد ماجد وقت کے باکمال بزرگ شیخ باجن چشتی کی بارگاہ میں لے گئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرائی کچھ دنوں بعد والد کا انتقال ہو گیا اور آپ نے مروجہ علوم و فنون کی تحصیل کے بعد کسب معاش کے لیے مندو، جا کر بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور دنیاوی جاہ و ترفع کے مالک بن گئے مگر شیخ باجن کی نسبت ارادت نے زندگی کا رخ روحانیت کی طرف موڑ دیا اور آپ نے شاہی ملازمت ترک کر دی شیخ عبدالحکیم باجن کی خدمت میں حاضر ہو کر مشائخ چشت کی خلافت حاصل کی اور مزید علوم ظاہری و باطنی کے حصول کی غرض سے ملتان پہونچے۔ شیخ حسام الدین متقی کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور ان کی تربیت میں سلوک و معرفت کے مدارج طے کیے نیز تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ کیا۔ ملتان کے دوران قیام ان کی طبیعت میں عبادت و ریاضت کا غلبہ اس قدر بڑھا کہ کمرے کا دروازہ بند کر کے عبادت الٰہی اور تزکیۂ باطن کے عمل میں مصروف رہتے آپ کے مرید و خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی بیان کرتے ہیں۔

''شیخ علی جب ملتان میں شیخ حسام الدین کے پاس رہتے تھے اس وقت بھی خلوت گزیں تھے شیخ حسام الدین کی یہ حالت تھی کہ اپنے سر پر کتابیں اٹھائے ہوئے آپ کے کمرے کے

دروازے پر آکر اس طرح اجازت لیتے تھے حسام الدین حاضر ہے کیا فرمان ہے؟ ایک دو دفعہ کہنے کے بعد شیخ علی اگر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیتے تو شیخ حسام الدین اس وقت تک تفسیر بیضاوی [illegible] پڑھاتے جب تک شیخ علی کے پاس رہنے کی گنجائش ہوتی اور اگر شیخ علی اپنے کمرے کا دروازہ نہ کھولتے تو شیخ حسام الدین واپس چلے جاتے تھے"۔ (اخبار الاخیار ص ۵۲۶)

شیخ علی متقی نے علوم ظاہری اور کمالات باطنی کے حصول کے لیے شیخ حسام الدین کی صحبت ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ملتان کے گرد ونواح میں اولیاء اللہ کی بارگاہوں میں حاضری دی اور وہاں کے شیوخ اور اکابر علم سے فیض حاصل کیا شیخ عبدالوہاب متقی کہتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ علی نے ملتان کے آس پاس ان مقامات کا سفر کرنا شروع کیا جن میں نیک لوگ سکونت پذیر تھے اور جہاں آپ بآسانی عبادت کر سکتے تھے وہاں چند روز ٹھہرتے تھے۔ (ایضاً)

آپ حالت سفر میں دو تھیلے اپنے پاس رکھتے تھے۔ ایک میں کھانے پینے کا سامان جیسے چاول، آٹا، گھی، دال، تیل، نمک وغیرہ اور کھانے پکانے کے برتن اور جنگل سے اپنے ہاتھوں کاٹی ہوئی لکڑیاں بقدر ضرورت رکھا کرتے تھے۔ دو دن کے سامان کو چار دن تک استعمال کرتے کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے بلکہ کرایہ کے مکان میں ٹھہرا کرتے تھے۔ چقماق جلا کر آگ سلگاتے تھے اور ایک لوٹا جس میں ایک مشک پانی آتا تھا جو کھانے پکانے وضو اور بشرط ضرورت غسل کے لیے کافی ہوتا۔ اپنی پیٹھ پر لادے رکھتے تھے۔ خود ہی کھانا پکاتے کسی سے اپنی کوئی خدمت نہ لیتے۔ (ایضاً ص ۵۲۷)

قیام مکہ:۔

شیخ علی متقی علم ظاہر و باطن کی طلب میں منزلیں طے کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہونچے جہاں شیخ ابوالحسن بکری کی شاگردی اختیار کی دوسرے علماء و مشائخ سے بھی فیوض حاصل کیے شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت حاصل کی اور قطب زماں شیخ نورالدین ابوالحسن علی حسن شاذلی سے سلسلہ شاذلیہ اور شیخ ابومدین شعیب مغربی سے سلسلۂ مدینہ کا خرقہ پہنا۔ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے علم ظاہر و باطن کی تحصیل کی جو بعد میں خود آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور انہیں اس نسبت پر فخر تھا۔ مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"شیخ ابن حجر مکی مفتی حرم محترم صاحب صواعق محرقہ در ابتداء حال استاذ شیخ بود آخر خود را تلمیذ می خواند و رسم ارادت بجا آورد و خرقۂ خلافت پوشید" مفتی حرم شیخ ابن حجر مکی صاحب صواعق محرقہ

ابتدائے حال میں شیخ علی متقی کے استاذ تھے آخر میں وہ ان کی شاگردوں میں داخل ہوئے اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور ان سے خلافت کا خرقہ پہنا۔ (ماثر الکرام ص ١٩٣)

علوم و معارف کی تحصیل و تکمیل کے بعد شیخ علی متقی نے مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں اپنا حلقۂ درس و ارشاد قائم کیا اور علوم و معارف کے جواہرات سے طالبان حق کے دامن مالا مال کرنے لگے آپ کا مکان شائقین علم کا مرکز تھا جس کے گرد متعلمین و مسترشدین کے لیے جھونپڑے بنے ہوئے تھے جن میں دور دراز سے آنے والے شاگرد اور ارادت مند قیام کرتے شیخ کی مجلس سے اٹھنے کے بعد شب و روز مطالعہ و مجاہدہ میں بسر کرتے شیخ علی کی ذات علم و شریعت، طریقت کا ایسا سنگم تھی جس کے کنارے سیراب ہونے والوں کا جم غفیر رہتا۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔ شیخ علی متقی کے علوم ظاہر و باطن کی اشاعت کا غلغلہ ملاء اعلیٰ تک پہونچا ہوا تھا مکہ میں ان کی مجلس درس ظاہری و باطنی علوم کا سرچشمہ تھی۔ (ماثر الکرام ص ١٩٣)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں انہوں نے دینی علوم اور یقین و معرفت سے ایک عالم کو منور اور فیضیاب کیا۔ (اخبار الاخیار ص ٥٢٢) آپ کے تلامذہ و مسترشدین کی بہت بڑی تعداد تھی ان میں سے چند اہم نام لکھے جاتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی، شیخ عبدالوہاب متقی، محمد بن طاہر پٹنی، شیخ چیلہ، عبدالصمد۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی تحریر فرماتے ہیں "۹۴۷ھ میں مکہ مکرمہ میں میں آپ کے پاس حاضر ہوا۔ میں آپ کے پاس اور آپ میرے پاس آتے رہے۔ آپ عالم، پرہیزگار، زاہد اور کمزور بدن کے تھے قریب نہ تھا کہ بھوک کی کثرت کی وجہ سے ان پر تھوڑا گوشت بھی پائے۔ اکثر خاموش اور تنہا رہتے۔ اپنے گھر سے صرف حرم شریف میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے ہی نکلتے۔ صفوں کی کنارے میں نماز ادا کرتے پھر جلدی سے لوٹ آتے۔ آپ نے مجھے اپنے گھر میں داخل کیا میں نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چہار دیواری کی اطراف میں فقراء صادقین کی ایک جماعت ہے ہر فقیر کے لیے چھپر ہے جس میں وہ متوجہ الی اللہ ہے کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی ذکر کر رہا ہے کوئی مراقبہ میں ہے اور کوئی علم کا مطالعہ کر رہا ہے۔ مجھے مکہ شریف میں اس کی مثل کہیں خوشی نہیں ہوئی۔ (طبقات شعرانی ص ٢٤٠)

سفر ہند:۔

سرزمین حجاز میں مستقل قیام کے باوجود آپ نے کئی بار ہندوستان کا سفر کیا خاص طور پر مالوہ، گجرات کو اپنے علمی و روحانی فیض سے مالا مال کرتے رہے۔ علمی وجاہت اور روحانی عظمت

کے باوجود آپ کا انداز سفر یہ ہوتا کہ سامان سفر اپنی پشت پر لاد کر چلتے خود ہی کھانا پکاتے کسی سے کوئی خدمت نہ لیتے۔” آپ نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں گے نیز اپنے کام میں کسی دوسرے سے مدد نہیں لیں گے۔ اگر مجبوراً آپ کو شدید ضرورت کام لینے کی پڑ جاتی تو کام کرنے والے کے ہاتھ میں پہلے رقم رکھتے اور بعد کو اس سے کام لیتے۔ (اخبار الاخیار ص ۵۲۷)

غالباً پہلی بار سلطان بہادر شاہ گجراتی کے زمانہ میں گجرات کے دار السلطنت پٹن پہونچے۔ عوام و خواص نے بڑا اعزاز و اکرام کیا اور آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی۔ بہادر شاہ کو بھی آپ کی علمی جلالت کا علم ہوا تو اس نے آپ کو جاگیر اور گرانقدر انعامات سے سرفراز کرنا چاہا لیکن آپ نے شاہی پیش کش کو قبول نہ کیا۔ لوگوں کے ازدحام اور کثرت ملاقات سے معمولات عبادات میں فرق آنے لگا تو آپ اکثر کمرے کا دروازہ بند رکھتے۔ معینہ اوقات ہی میں لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ اسی دوران قاضی عبداللہ سندھی پٹن تشریف لائے جو آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ ایک دن شیخ سے عرض کی۔ اگر ایک مرتبہ سلطان بہادر کی التماس قبول کرلیں اور اسے اپنی زیارت کا موقع دیں تو اچھا ہو اگر مرضی نہ ہو تو اس سے گفتگو نہ فرمایئے گا۔ ہم لوگ اس وقت حاضر رہیں گے اور اس کو اپنی باتوں میں لگائے رکھیں گے۔ اس طرح اس کی آرزو پوری ہو جائے گی۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ بادشاہ کے لباس اور وضع قطع سے غیر اسلامی چیزیں جھلکتی ہیں۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ میں اسے دیکھنے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں؟ جس پر ان لوگوں نے عرض کیا ہم خادم حسب موقع جو مناسب سمجھیں گے کہیں گے اور کریں گے۔ لیکن بادشاہ کی خواہش یہ ہے کہ ایک مرتبہ خدمت عالی میں ضرور حاضری دے۔ غرضیکہ سلطان نے حاضری دی اور شیخ کے معتقدین نے اسے نصیحتیں کیں۔ اس ملاقات کے دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ روپیہ گجراتی بطور تحفہ شیخ کی خدمت میں روانہ کیے جو آپ نے سب کے سب قاضی عبداللہ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ چوں کہ بادشاہ کی ملاقات کے تم ذریعہ تھے اس لیے یہ ساری رقم تمہاری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ طالبوں اور مریدوں کی تربیت وارشاد ہمارے پیرو مرشد اس طرح کیا کرتے کہ اس کی ظاہری حالت کو برقرار رکھتے ہوئے خود ان کے باطن کی تربیت میں لگ جاتے اور اپنی توجہ و ہمت کے ذریعہ ان طالب علموں و مریدوں کو راہ سلوک پر گامزن کیا کرتے تھے اور یہ تمام تعلیم و تربیت اس طرح کیا کرتے کہ مریدوں اور طالبوں کو آپ کے عمل کی مطلق اطلاع نہ ہو پاتی۔ (اخبار الاخیار ص ۵۲۸)

شغف بالحدیث :۔

شیخ علی متقی نے اپنے زمانہ کے اکابر علماء حدیث سے کسب فیض کیا تھا اور اس علم کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بلند پایہ محدثین کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے فن حدیث پر ان کی نظر کافی وسیع اور گہری تھی اس علم کے نکتوں اور باریکیوں سے کامل آشنا تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ وہ سنن و احادیث نبوی کے تتبع میں آخر عمر تک مشغول رہے۔ ایام پیری میں جب کہ بتقاضائے عمر جنبش کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا وہ شب و روز کتب احادیث کی تالیف و تصحیح اور مقابلہ کے کام میں منہمک رہا کرتے لوگ بیان کرتے ہیں کہ دقائق کے فہم و معرفت اور معانی و نکات کے استنباط و استخراج میں ایسے بلند درجہ پر فائز تھے کہ ماہرین اور علماء فن بھی حیرت و تحسین ظاہر کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ (اخبار الاخیار ص ۵۳۰)

تصانیف :۔

علم حدیث کا درس کتب حدیث کا مطالعہ تصحیح و مقابلہ نادر و نایاب کتابوں کی تلاش و جستجو کے علاوہ اس علم میں تصنیف و تالیف کا اہم کارنامہ بھی انجام دیتے تھے۔

علامہ سیوطی کی جامع الجوامع، الجامع الصغیر، الزیادہ کی تدوین اس نہج پر ہے کہ علم حدیث کی قاموس کا کام دے سکیں۔ شیخ علی متقی نے ان کتابوں کی تسہیل و ترتیب کے لیے چھ کتابیں تحریر کی ہیں۔

(۱) منہاج العمال فی سنن الاقوال والافعال: اس کتاب میں علی متقی نے ابواب فقہ کے مطابق جامع الصغیر اور الزیادہ کی احادیث کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔

(۲) غایۃ العمال: مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی احادیث اس کتاب میں جمع کردی گئی ہیں۔

(۳) اکمال منہاج العمال: یہ منہاج العمال کا ایک ضمیمہ ہے۔

(۴) المستدرک: اس کتاب میں علی متقی نے جامع الجوامع کی احادیث عالیہ ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی ہیں۔

(۵) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: علی متقی نے غایۃ العمال اور المستدرک دونوں کو کنز العمال میں پھر یکجا کردیا ہے یہ احادیث کا ایک قاموسی مجموعہ ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۶) منتخب کنز العمال: یہ کنز العمال کا خلاصہ ہے۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ علی متقی نے علم حدیث پر مندرجہ ذیل رسائل قلم بند کیے

(۱) شرح شمائل النبی (۲) البرہان فی علامۃ مہدی آخر الزمان (۳) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم (۴) المنہج التام فی تقریب الحکم۔

کنز العمال:۔

یہ کتاب علم حدیث میں شیخ علی متقی کا مہتم بالشان کارنامہ ہے جو علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کی کتاب جامع الجوامع کی ترتیب و تنقیح ہے جامع الجوامع اور جامع صغیر سے احادیث اخذ کیں بیش بہا فوائد شامل کیے نیز احادیث کا اضافہ بھی کیا۔ شیخ علی نے کنز العمال اس طور پر مرتب فرمائی کہ طالبین حدیث جس موضوع یا جس مسئلہ سے متعلق حدیث دیکھنا چاہیں کسی وقت و دشواری کے بغیر دیکھ لیں اور متعلقہ فوائد سے بھی بہرہ یاب ہوسکیں۔ شیخ علی متقی نے کنز العمال کو فقہی ابواب کے مطابق جامع الاصول (ابن اثیر) کے انداز پر بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کر کے احادیث نبوی کا دائرۃ المعارف بنا دیا ہے اس کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے کتاب کی اہمیت وافادیت کا اعتراف علماء فن نے اس طرح کیا ہے۔

- شیخ ابوالحسن بکری: "للسیوطی منۃ علی العلمین وللمتقی منۃ علیہ"

(مآثر الکرام ص ۱۹۳)

سیوطی نے جامع کبیر مرتب کر کے دنیا والوں پر احسان کیا تھا اور شیخ علی متقی نے کنز العمال ترتیب دے کر خود سیوطی پر احسان کیا ہے۔

- شیخ عبدالحق محدث دہلوی: [illegible] ہے کہ شیخ نے اتنا عظیم الشان کام کیسے حیرت انگیز طریقہ پر انجام دیا ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۳۱)

مصنفات:۔

شیخ علی متقی نے اپنے اوقات عزیز لودرس و تدریس، عوام کی اصلاح و تربیت روحانی اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حدیث و تصوف سے خاص رغبت تھی چنانچہ ان کی اکثر کتابیں انہیں فنون پر ہیں ان کی نادر اور اہم کتب کی تعداد سو سے زیادہ ہیں جن میں سے اکثر امتداد زمانہ کی وجہ سے نایاب ہیں آپ کی تصانیف کی اہمیت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس طرح بیان فرماتے ہیں ان کی تصانیف دیکھ کر عقل حیران اور ششدر رہ جاتی ہے اور اس بات پر یقین محکم ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی خاص برکت اور توفیق کے بغیر نہ [illegible] تھا ان کی بعض کتابیں

سالکان طریقت اور طالبان آخرت کے لیے بیش قیمت سرمایہ اور ان کے حال کے لیے معین و مددگار ہیں۔ (اخبار الاخیار ص ۵۲۴)

علم حدیث کے علاوہ دوسرے علوم پر ان کی اہم کتب یہ ہیں: تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ، غایة الکمال فی بیان الفضل الاعمال، مجموعة حکم کبیر، مختصر النهایه فی اللغة، الوسلة الفاخرة فی سلطنة الدنیا والآخرة، رسالة فی ابطال الدعویٰ، البرهان الجلی فی معرفة الولی، النهج الاتم، شئون المنزلات، الفصول شرح جامع الاصول، شمائل النبی، العنوان فی سلوک النسوان، المواهب العلیه، تبویب الحکم العطائیه، زاد الطالبین، اسرار العارفین، نظمُ الدرر، نعم معیار القیاس لمعرفة مراتب الناس، فتح الجواد، هدایة ربی عند فقد المربی، خلاصة الحقائق فی حکم الدقائق، عمدة الوسائل۔

فضائل علم و اخلاق:۔

شیخ علی نابغۂ روزگار عالم اور شیخ طریقت تھے اصول و فروع، معقولات و منقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے لوگ ان کے فضل و کمال کے صد درجہ معترف تھے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ان کے دور کے تمام اکابر و مشائخ کو ان کے فضل و کمال کا اعتراف تھا۔ (اخبار الاخیار) علامہ حمید رومی لکھتے ہیں علماء میں جو ان سے ملتا اور جس سے یہ خود ملتے وہ ان کی مدح و توصیف میں رطب اللسان رہتا تھا علم ظاہر کے ساتھ باطنی کمالات میں بھی وہ ممتاز تھے ریاضت و مجاہدہ، زہد و اتقاء دنیا و مافیہا سے بے رغبتی سلاطین و امراء سے بے نیازی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں اس زمانہ کے تمام مشائخ اور اکابر علماء ان کے فضل اور ولایت میں کمال کے معترف اور ان کی تعظیم و تکریم کی رعایت اور اعتراف میں متفق تھے۔ (اخبار الاخیار)

اکابر صوفیہ کی چار خصوصیات مشہور ہیں۔ شیخ سہل تستری فرماتے ہیں:

اخماص البطون والسهر والصمت والاعتزال عن الناس: پیٹ کا خالی ہونا، جاگنا، خاموشی اور لوگوں سے علاحدہ رہنا۔

شیخ علی متقی کا شعار زندگی قلت طعام، قلت کلام، قلت منام، خلوت پسندی تھا۔ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہندوستان کے متعدد سفر کیے۔ یہ اسفار علم، دین کی اشاعت اور لوگوں کے تزکیہ

وتصفیہ باطن کی غرض سے ہوا کرتے تھے وہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ امام شعرانی لکھتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے مجھے تھوڑی چاندی دی اور فرمایا کہ اس شہر میں تیرے لیے عذر ہے پس اللہ نے آپ کی برکت سے مجھ پر حج میں وسعت فرمادی۔ یہاں تک کہ میں نے وہاں اتنا مال عظیم خرچ کیا کہ مجھے گمان تک نہ تھا۔ (طبقات شعرانی ص ۷۴۱)

وفات:۔

۲ر جمادی الاولی ۹۷۵ھ میں بروز منگل بوقت طلوع سحر مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور حضرت فضیل بن عیاض کی قبر کے سامنے دفن ہوئے۔

(۹۰) حضرت امام شیخ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۹۱۳ھ وفات ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء

اسم گرامی محمد لقب جمال الدین یا مجد الدین ہے آپ کے نسب کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں وہ ہندی الاصل بوہرہ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ عربی نژاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے محققین نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے آپ کے آباواجداد صوبۂ گجرات کے شہر قدیم دارالسلطنت (پٹن) میں آباد تھے جسے نہروالہ بھی کہتے ہیں وہیں ۹۱۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تحصیل علم:۔

شیخ نے بچپن ہی میں تعلیم کا آغاز کیا صغر سنی میں قرآن مجید حفظ کیا پھر علوم متداولہ کی تحصیل میں منہمک ہوگئے پٹن بادشاہوں کی راجدھانی ہونے کی وجہ سے علماء وفضلاء کا بڑا مرکز بھی تھا اس لیے شیخ نے وہاں کے اکابر علماء شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سمہودی، مولانا یداللہ سوہی ملا متھ سے معقولات ومنقولات کی تکمیل کی۔ نہروالہ پٹن میں درسیات کی تکمیل کے بعد ذوق علم انہیں کشاں کشاں حرمین شریفین لے گیا جہاں کے مشہور علماء وفضلاء سے تحصیل علم کی شیخ ابوالحسن بکری، علامہ احمد بن حجر مصری مکی، شیخ علی بن عراق، شیخ جاراللہ بن فہد مکی، شیخ عبداللہ عیدروسی مدنی، شیخ علی مدنی، شیخ برخوردار سندھی، شیخ عبداللہ حضرمی، شیخ ابوعبیداللہ زبیدی، شیخ علی متقی وغیرہم۔

موخرالذکر سے تعلق رہا اس درجہ استوار ہوا کہ ان سے علم باطن کا رشتہ جوڑ کر

ارادت میں شامل ہو گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"اللہ نے آپ کو علم و فضل کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے تھے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے علم حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ علی متقی کی صحبت میں رہ کر ان کے مرید ہوئے۔ صاحب کرامت و برکت ہو کر وطن واپس آئے اور آپ کی قوم میں جو بدعتیں رائج تھیں وہ ختم کر کے اہل سنت و بدعتیوں کا فرق اپنی قوم کو سمجھایا"۔ (اخبار الاخیار ص ٥٦٠)

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"خادم حدیث نبوی و ناصر سنن مصطفوی است بعد تحصیل کتب متداولہ جادہ نورد حرمین شریفین گردید و علماء و مشائخ آں دیار کرامت آثار را دریافت، سیما شیخ علی متقی کہ از حاشیہ محفل اشرف فیوض فراواں اندوخت و بہ سعادت ارادت والا فائز گشت" (شیخ طاہر پٹنی) حدیث نبوی کے خادم اور سنن مصطفوی کے ناصر ہیں۔ کتب متداولہ کی تحصیل کے بعد حرمین شریفین کی طرف رخ کیا اور ان کرامت آثار دیار کے علماء و مشائخ سے فیض حاصل کیا بالخصوص شیخ علی متقی کی بارگاہ سے کافی فیض پایا اور ان کی بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔ (ماثر الکرام ص ١٩٤)

تدریس و تبلیغ:۔

شیخ طاہر نے خداداد ذہانت اور انہماک کے ساتھ طلب علم کے کوچہ میں قدم رکھا تھا اور عرب و ہند کے ممتاز علماء سے کسب علم کیا تھا جس کی وجہ سے ان کا دامن مالا مال ہو گیا تھا حجاز مقدس سے واپس آ کر پٹن میں درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کی محفل آراستہ کی اپنے ذاتی مدرسہ کے مدرس اعلیٰ تھے جہاں جملہ علوم و فنون بالخصوص حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی آپ کی علمی عبقریت کا شہرہ عام ہوا تو دوسرے اہل علم و فضل حضرات بھی اپنی علمی مشکلات کو پیش کر کے ان کا حل حاصل کرنے کے لیے آتے۔ شیخ اپنے تلامذہ کی مالی معاونت بھی فرمایا کرتے۔ اور انہیں اپنے ہاتھ سے روشنائی بنا کر دیا کرتے تھے۔ دوران درس بھی روشنائی گھونٹتے اور فرماتے ہاتھوں کو بھی کام میں لگائے رکھنا چاہیے۔ جب آپ کے استاذ شیخ متہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے آپ ہی کو ان کا جانشین مقرر کیا۔ شیخ کے دامن تعلیم و تربیت سے ہزاروں علماء وابستہ ہوئے ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں: ابوالبشر محمد فضل، شیخ ضیاء الدین بن شیخ محمد غوث گوالیاری، ابوالفتح میاں احمد خاں پٹنی، شیخ داؤد بیر، شیخ حسن، برہان الدین واعظ، محمد اسحاق، میاں جلال... بن تھمن (شاہ عالم) محمد حسن، نو

محمد حسن، عبدل بن فتح اللہ سارنگ پوری، شیخ محمد شطاری، شیخ جیون سورتی، شیخ حسین سورتی، شیخ عبدالہادی احمد آبادی، شیخ فرید کاسب پٹنی، شیخ عبدالنبی، صدر الصدور۔

علم حدیث:۔

شیخ طاہر علوم متداولہ کے ماہر عالم تھے مگر علم حدیث میں ان کا درجہ بہت بلند تھا وہ اپنے زمانہ میں گجرات کے محدثین پر کامل فوقیت رکھتے تھے انہوں نے فن حدیث میں بے نظیر کمال پیدا کیا تھا اور اپنی زندگی اس کے لیے وقف کردی تھی رئیس المحدثین اور ملک المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ علم لغت اور عربی ادب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے جس کے ذریعہ انہوں نے علم حدیث کی خدمت کی اور حدیث کے مشکل الفاظ ولغات کا ایک جامع لغت (مجمع بحارالانوار) مرتب کیا۔ جو شرح احادیث میں کافی مشہور ہے دوسری اہم کتاب المغنی جو اسماء الرجال میں ہے۔ توسل اور بخاری ومسلم، مشکوۃ پر حاشیے ہیں جو ہند اور بیرون ہند میں مقبول ہی نہیں بلکہ اہل علم آج تک ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”علم حدیث میں بہت سی مفید کتابیں تالیف کی ہیں ان میں سے آپ کی ایک کتاب مجمع البحار بڑی مشہور ہے جس میں احادیث کی شرح لکھی ہے۔ آپ کی ایک دوسری کتاب مغنی ہے جس میں اسماء الرجال کی صحت کی ہے اور راویان حدیث کا مختصر ومفید حال لکھا ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۵٦٠) درس حدیث اور اشاعت سنت ان کا محبوب مشغلہ تھا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں: خادم حدیث نبوی وناصر سنن مصطفوی ست۔

تصنیف وتالیف:۔

شیخ طاہر فطری مصنف تھے انہوں نے درس کے ساتھ قرطاس وقلم سے بھی سروکار رکھا اور مفید کتابیں یادگار چھوڑیں۔ جو موضوع کے تنوع کے لحاظ سے رنگا رنگ ہیں یہ کتابیں حدیث، رجال، معقولات، لغت، معانی، فقہ، اصول فقہ، صرف، سیرت، عقائد، اصول تفسیر، تصوف پر مشتمل ہیں۔

توسل، چہل حدیث، حاشیہ توضیح وتلویح، حاشیہ صحیح بخاری، حاشیہ صحیح مسلم، حاشیہ مشکوۃ المصابیح، حاشیہ مقاصد الاصول، خلاصۃ الفوائد، دستور الصرف، رسالہ احکام بحر، رسالہ امساک مطر، رسالہ فضیلت صحابہ، رسالہ تحلیہ، رسالہ نہروالہ، سوانح نبوی، شرح عقیدہ، طبقات حنفیہ، عمدة

المتعبدین، کفایۃ المفرطین، مختصر اتقان، مختصر مستظہریہ، مقاصد جامع الاصول، منہاج السالکین، نصاب البیان، نصاب المیزان، نصیحۃ الولاۃ والرواۃ والرعیۃ، المغنی، مجمع بحار الانوار، تذکرۃ الموضوعات، قانون الموضوعات۔

مہدوی فرقہ کا ردوابطال:۔

مہدوی فرقہ کا بانی ابوالقاسم سید محمد بن سید عبداللہ ۸۴۷ھ/۱۴۴۳ء میں بمقام جونپور پیدا ہوا۔ جونپور ہی میں تحصیل علم کے بعد ۸۸۷ھ میں حج کے ارادہ سے حجاز گیا اور اثناء سفر ہندو بیرون ہند کے شہروں میں قیام کیا اور وہاں کے لوگوں کو مہدویت کی دعوت دی۔ سید محمد مہدی کا وصال ۱۹/ ذی قعدہ ۹۱۰ھ/۱۵۰۵ء کو ہوا اس کا بڑا لڑکا میران سید محمود جانشین ہوا اور اس فرقہ نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں جگہ بنالی، گجرات بھی اس فرقہ کے متشدد حامیوں کا مرکز تھا۔ شیخ طاہر نے حجاز سے واپسی کے بعد درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ اس باطل فرقہ کی تردید اور اس کے ماننے والوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دینے میں پوری جدو جہد کی۔ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو پوری جرأت ایمانی کے ساتھ انجام دیا۔ اور مہدوی فرقہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا عزم مصمم کرلیا جس کی بناء پر اس فرقہ کے لوگ آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"او در شکست بواہیر مہدویہ کہ ہم قوم او بودند و اقتداء سید محمد جونپوری می کردند مثل استاد خود کمر بربست و عہد کرد کہ تا داغ بدعت از پیشانی ایں طائفہ نہ شوید دستار بر سر نہ بندد، انہوں نے اپنی قوم بوہرہ کے مہدوی افراد کی شکست کے لیے جو سید محمد جونپوری کی اقتداء کرتے تھے اپنے استاذ کی طرح کمر باندھی اور ارادہ کیا کہ جب تک اس قوم کی پیشانی سے بدعت کا داغ نہ دھودیں گے اپنے سر پر دستار نہیں باندھیں گے۔ (مآثر الکرام ص ۱۹۵)

آگے لکھتے ہیں: "۹۸۰ھ میں اکبر بادشاہ نے گجرات کو فتح کیا اور اس نے پٹن میں شیخ طاہر سے ملاقات کی (حالات معلوم کرنے کے بعد) بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے دستار شیخ طاہر کے سر پر باندھی اور کہا دین کی مدد کے لیے ترک دستار کا عہد میں نے سنا یہ فریضہ میرے ذمہ لازم ہے گجرات کی حکومت خان اعظم مرزا کوکلی جس نے رسوم بدعت کو ختم کیا اس کے بعد عبدالرحیم خاں خاناں گجرات کا والی ہوا۔ مہدوی فرقہ کے افراد پھر سرکش ہو گئے۔ شیخ طاہر نے دستار باندھنا ترک کردیا اور آگرہ کا قصد کیا تا کہ یہ [illegible] شیخ وجیہ الدین علوی نے سفر سے باز

رکھنے کی کوشش کی مگر آپ نے نصرت حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر انجام کی پرواہ کیے بغیر رخت سفر باندھا۔ دوران سفر جنون زدہ مہدویوں نے اجین اور سارنگ پور کے درمیان اس داعی حق کو شہید کر ڈالا۔ یہ واقعہ ٦ رشوال ٩٨٦ھ میں پیش آیا۔ جسد خاکی پٹن لاکر آپ کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مزار مقدس لوگوں کی زیارت کا مرکز ہے۔ (مآثر الکرام ص ١٩٥)

(٩١) حضرت امام شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ٩٥٨ھ/١٥٥١ء وفات ١٠٥٢ھ/١٦٤٢ء

ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بن فیروز بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری۔ حضرت شیخ کے اجداد کا وطن بخارا تھا سب سے پہلے آغا محمد ترک سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ ١٢٩٦ء میں ترک وطن کر کے دہلی آئے ان کے ساتھ اعزہ واحباب اور مریدوں کی ایک بڑی تعداد بھی وارد ہند ہوئی۔ شاہان دہلی اس خاندان کی ہمیشہ تعظیم وتوقیر کرتے اور شاہانہ عنایتوں سے نوازتے رہتے۔ اور یہ خانوادہ دہلی میں علوم ومعارف کی شمعیں روشن کرتا رہا۔ اسی باکمال علمی ودینی خاندان میں حضرت شیخ کی ولادت محرم ٩٥٨ھ مطابق جنوری ١٥٥١ء میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" ہے۔

تحصیل علم:۔

حضرت شیخ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے والد شیخ سیف الدین کی آغوش شفقت میں کیا۔ شیخ اتنے ذہین اور طباع واقع ہوئے تھے کہ صرف تین ماہ میں قرآن حکیم ختم کر لیا اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا۔ پھر فارسی ادبیات اور عربی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ فارسی میں گلستاں، بوستاں، دیوان حافظ، ابتدائی عربی، میزان، مصباح، کافیہ کا درس والد صاحب سے لیا۔ شیخ کی ذہانت وطباعی اور ملکۂ حقائق رسی کا یہ عالم تھا کہ ان کے والد فرمایا کرتے تھے۔ انشاء اللہ تم جلد ہی عالم بن جاؤ گے ہر علم میں سے ایک مختصر پڑھ لو یہ تمہارے لیے کافی ہے اس کے بعد انشاء اللہ برکت وسعادت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور تم علوم بلا تکلف حاصل کر لو گے۔ شیخ اپنی مشغولیت علم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جو کتاب بھی میری نظر سے گذرتی یا اس کا کوئی جز بھی کسی وقت ہاتھ لگ جاتا خواہ وہ شروع کا ہوتا یا آخر کا اسے پڑھ کر اس پر عبور حاصل کرنا اس وقت کا اہم مشغلہ تھا۔ اس طرح میں نے

تمام کتابوں پر عبور حاصل کرلیا اور ادب وعربیت، منطق وکلام کی کتابوں پر مکمل دستگاہ ہو جانے کے بعد سات آٹھ برس بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ تک بعض ماوراء النہری علماء سے اس طرح درس لیا کہ شب وروز میں صرف دو تین ساعت کے لیے مطالعۂ غور وفکر اور مشغولیت سے فارغ رہتا۔ (اخبار الاخیار ص ۲۹۱)

تحصیل علم اور حصول مطلوب کی جدوجہد میں انہوں نے اپنی پوری زندگی صرف کی۔ وہ خود فرماتے ہیں ''از ابتداء ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست وخواب کدام'' مصاحبت کیست وآرام چہ وآسائش کو وسیر کجا۔

شب خواب چہ وسکوں کدامست   خواب بعاشقاں حرام است

ہرگز در شوق کسب وکار طعام بوقت نخوردہ وخواب در محل نبردہ، بچپن سے میرا یہ حال ہے کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے۔ خواب، مصاحبت، آرام وآسائش کے کیا معنی ہیں میں نہیں جانتا کہ سیر کیسی ہوتی ہے۔ تحصیل علم میں مشغولیت کی بنا پر کھانا کبھی بروقت نہیں کھایا اور نیند بھر کر نہیں سویا۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰۲)

شیخ نے جس محنت ومشقت اور جانفشانی سے علم حاصل کیا تھا۔ اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ خود فرماتے ہیں:

چہ دود ہائے چراغے کہ در دماغ نہ رفت   کدام بادۂ محنت کہ درایاغ نرفت
کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام   چہ خارخار کہ در بستر فراغ نرفت
بجیر تم زدل خود کہ عمر رفت ولے   زکنج غمکدہ ہرگز بہ صحن باغ نرفت

سچ یہ ہے کہ طلب علم کے لیے جس دل سوزی اور جانکاہی کی ضرورت ہے اس میں شیخ نے کوئی کمی نہیں کی اور انہوں نے ع ''پے علم چوں شمع باید گداخت'' کو اپنا نصب العین بنالیا تھا۔ حصول علم کی جدوجہد اور کاوش کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

''میں جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کے جھلسا دینے والے جھونکوں میں ہر روز دوبار دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا جو ہمارے مکان سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ دوپہر کو تھوڑی دیر گھر ٹھہر کر چند لقمے ضرورتاً کھالیتا......... میرے والدین ہر چند کہتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے محلہ کے لڑکوں کے ساتھ کھیل لو اور وقت پر سو جاؤ میں کہتا تھا کہ آخر کھیلنے سے مقصد دل کا خوش کرنا ہی

پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید اور تنبیہ کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی ترغیب دیتے تھے کبھی مطالعہ کے دوران میں ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات گزر گئی ہے۔ میرے والد نے مجھ سے فریاد کی ہے کہ بابا کیا کرتے ہو میں سنتے ہی فوراً لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ میں سوتا ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں جب وہ مطمئن ہو جاتے تو پھر اٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰۲)

صرف تدریس اور مطالعہ ہی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ بحث وتکرار اور مذاکرہ میں بھی شامل ہوتے جس سے موضوع بحث مسائل کے باریک گوشوں تک نظر پہونچتی اور حقائق ومعارف کی گرہیں کھلتیں۔ ان امور کے علاوہ تحریر وکتابت کا شغل بھی جاری رہتا۔ شیخ فرماتے ہیں ''وغریب تر آنکہ باوجود احاطہ اوقات وشمول ساعات بمطالعہ وتذکار وبحث وتکرار ہر چہ از کتب خواندہ می شد بلکہ ورائے آں از شروح وحواشی درنظر می آمد تقیید آں بہ کتابت از ضروریات وقت می دانستم اکثرے از شب وپارہ از روز بہ مطالعہ می گذشت وپارہ از شب واکثرے از روز بکتابت می رفت۔ اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود مطالعہ، تذکرہ اور بحث وتکرار میں بیشتر وقت منہمک رہنے کے جو کتابیں پڑھتا تھا بلکہ ان کے علاوہ شروح وحواشی بھی جو نظر سے گذرتے تھے ان کے لیے بھی لکھنے کی مشق کو ضروریات وقت میں سے شمار کرتا تھا۔ رات کا زیادہ حصہ اور تھوڑا حصہ دن کا مطالعہ میں گذرتا تھا اور تھوڑا حصہ رات کا اور زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰۲)

شیخ نے ۱۲/۱۳/ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد اور ۱۵، ۱۶/ برس کی عمر میں مطول ومختصر ختم کرلی تھیں تقریباً ۱۷، ۱۸/ سال کی عمر میں انہوں نے جملہ مروّجہ درسی کتب سے فراغت حاصل کرلی۔ شیخ کے نامور اساتذہ یہ ہیں:

شیخ سیف الدین، محمد مقیم، شیخ عبدالوہاب متقی، قاضی علی بن جاراللہ بن ظہیرہ، قرشی مخزومی مکی، شیخ احمد بن محمد بن محمد ابی الحزم مدنی، شیخ حمیدالدین بن عبداللہ سندی مہاجر۔

علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد قرآن حکیم حفظ کیا مگر علم کی پیاس نہ بجھی تو علماء ماوراء النہر کے حلقہائے درس میں شامل ہونے لگے۔

فراغت کے بعد:۔

علماء ماوراء النہر سے اکتساب فیض کے بعد آپ نے حلقۂ درس قائم کیا اور تشنگان علم نبوت کو اپنے بحر علم سے سیراب کرنے لگے مگر یہ سلسلہ کچھ ہی دنوں تک قائم رہا عبدالحمید لاہوری کا بیان۔ ہے۔

"چوں سنین عمرش بعشرین رسید از پایہ تحصیل بدرجہ تدریس برآمد و چندے ہنگامہ افادہ گرم داشتہ بپائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز گردید۔ جب ان کی عمر بیس سال کی ہوئی تو تکمیل علم کے بعد درس و تدریس کا شغل اختیار کیا اور کچھ دنوں یہ مشغلہ جاری رکھنے کے بعد عازم حجاز ہوئے۔

(بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۴۲، ۳۴۱)

مگر دوسرے تذکروں سے اس حلقۂ درس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ صراحت ملتی ہے کہ تکمیل عمل کے بعد آپ نے ہندوستان کی راجدھانی فتح پوری سیکری کا قصد کیا۔ جو اس وقت علماء وفضلاء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ شیخ کے تعلقات ملک الشعراء فیضی سے تھے چنانچہ شیخ جب فتح پور سیکری پہونچے تو آپ کا شایان شان استقبال کیا گیا اور دربار شاہی میں خوب پذیرائی ہوئی۔ خود فرماتے ہیں: "ولما حصل لی بفضل الله طرف صالح من ذلک وقضیت وطری وحاجتی مما هنالک دعانی بعض اهل الحقوق الی الخروج الی ارباب الدنیا فادرکت سلطان الوقت والامراء فاعتنوا بشانی ورفعوا مکانی" (المکاتیب والرسائل ص ۲۷۹)

"جب اللہ کے فضل وکرم سے مجھے علم کا خاصہ حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا اور میں بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی میرا رتبہ بلند کیا"۔

یہ وہ دور تھا جب اکبر کے الحادی رجحانات شروع ہو چکے تھے اور علماء سوء کا ایک حلقہ اس کے گرد جمع ہو گیا تھا جن کی مدد سے اکبر اپنی لادینی تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شیخ کو بھی آلۂ کار بنانے کی کوشش کی گئی مگر وہ عالم ربانی جس نے بچپن سے [illegible] فتح پور سکری پہونچنے تک خالص دینی ماحول میں تعلیم وتربیت پائی تھی جو ہمہ تن علم کے خادم اور دین حق کے پرجوش مبلغ تھے جنہیں قدرت نے علم کی اشاعت اور حق کی حمایت کے لیے پیدا کیا تھا وہ بھلا ایسے ملحدانہ ماحول میں رہنا کیوں کر پسند کر سکتے تھے۔ بہت جلد ان کی طبیعت اچاٹ ہو گئی اگر زمانہ سازی پر ان کی طبیعت ذرا بھی راضی ہو جاتی تو دولت وثروت اور عزت وحشمت ان کے قدم چومتی لیکن ان کا مذہبی شعور بیدار تھا اور وہ کسی قیمت پر اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کے لیے تیار نہ تھا اکبر کے سیاسی اقتدار نے اتنی قوت پالی تھی کہ اس کے خلاف انفرادی جدوجہد کامیاب نہیں ہو سکتی تھی اس پرآشوب ماحول میں آپ نے ترک وطن کا ارادہ کر لیا اور حجاز مقدس کی راہ لی۔

[illegible]

دردل پدید آمد چارہ نماند جز دیوانگی کردن وزاد ہمت بخیال سفر بستن۔

۹۹۶ھ میں جذبہ غیب سے پیدا ہو گیا اور دل پر وحشت طاری ہو گئی دیوانگی کی حالت میں سفر کا ارادہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ (زاد المتقین قلمی نسخہ)

ہندوستان کے ارباب اقتدار کی بے راہ روی نے انہیں گھٹن میں مبتلا کر دیا تھا۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں پہونچ کر اپنے احساسات یوں بیان کیے۔

''یا سیدی میں وہ شخص ہوں جو بچپن ہی سے تحصیل علم اور عبادت گذاری کی صحبت اور ریاضت میں پلا ہوں۔ میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں نہیں لایا اور جب اللہ کے کرم سے مجھے علم کا اچھا خاصہ حصہ مل گیا اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیا دار لوگوں کی طرف بلایا چنانچہ میں بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی میرا مرتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں پس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا اپنے بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریف تک پہونچایا۔ (المکاتیب والرسائل ص ۲۷۹)

حجاز میں:۔

۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء میں آپ مالوہ ہوتے ہوئے بحری راستہ سے حجاز مقدس پہونچے اور مکہ مکرمہ کے علماء ومحدثین سے صحیح مسلم اور بخاری کا درس لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے اس طرح وابستہ ہو گئے کہ ہندوستان لوٹنے تک ساتھ رہے۔ شیخ عبدالوہاب کی علمی عظمت اور ان کی مقبولیت کا تذکرہ شیخ محقق ان الفاظ میں کرتے ہیں ''اہل حرمین ومشائخ یمن باسرہم حاضراً وغائباً واز مشائخ مصر وشام ہر کہ ایشاں را دریافتہ است معتقد اند بر ولایت وعلوشان ایشاں'' تمام اہل حرمین اور کل مشائخ یمن حاضر او غائبا اور مشائخ مصر وشام سے جس نے حضرت کو دیکھا ہے ان کا معتقد ہے اور ان کی ولایت اور علو شان کا قائل ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۶۳)

علماء حجاز میں شیخ عبدالوہاب کی شخصیت ہی سب سے زیادہ آپ کی عقیدت وشیفتگی کا مرکز رہی ان سے کتب حدیث کا درس بھی لیا اور تصوف وسلوک کی تعلیم وتربیت بھی پائی اور سلسلہ قادریہ شاذلیہ ومدینیہ وچشتیہ کی اجازت بھی حاصل کی۔ شیخ عبدالوہاب کی علمی وروحانی تعلیم وتربیت نے شیخ

عبدالحق کی ذات کو علم و عمل، زہد و ورع کا روشن مینار بنا دیا۔

دربار رسالت میں:۔

شیخ عبدالحق نے حجاز کے دوران قیام متعدد حج کیے اور مکہ سے مدینہ منورہ کا سفر بھی کیا۔ وہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بیکراں محبت رکھتے تھے۔ یہی عشق رسول ان کا سرمایۂ حیات تھا۔ چنانچہ جب دیار حبیب میں پہونچے تو برہنہ پا ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں کبھی جوتیاں نہ پہنیں۔ اپنے جذبات عقیدت و محبت کو سلک نظم میں پرو کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک قصیدہ پیش کیا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بیا اے دل قدم نہ بر سر کوئے وفا وآنگہ　　　زراہ صدق جاں را خاک راہِ آں کف پا کن
سر و تن را براہ جلوۂ آں سر وبالا کش　　　دل و جاں را فدائے حسن آں رخسار زیبا کن
ثنائش گو ولے چوں نیست ایفائش ز تو ممکن　　　بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکتفا کن
مخواں اورا خدا از بہر امر شرع حفظ دیں　　　دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدح انشاں کن
چوں از انشائے تفصیل صفاتش عاجزی اے دل　　　بیاؤ عرض حال خویش بر خدامش آنہا کن
خرابم درغم ہجر جمالت یا رسول اللہ　　　جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن
جہاں تاریک شد از ظلم سیہ کاراں　　　بیاؤ عالمے را روشن از نور تجلیٰ کن
زظلم ظالماں شور است وغوغا ہر طرف آخر　　　بعدل ورافتِ خود بر طرف ایں شور وغوغا کن
بسنگ سیم وزر جاہل گراں بار است از عالم　　　بمیزان عدالت قدر ہر یک را ہویدا کن

شیخ نے چار بار زیارت رسول کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے ۲۱ رذی الحجہ ۹۹۸ھ میں ایک خواب دیکھا جو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں اور جمال و جلال کے وہ انوار ان کے چہرۂ مبارک سے چمک رہے ہیں جن سے زیادہ تصور ہی نہیں کیے جا سکتے“۔

اسی شب میں یہ خواب دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اعداء دین سے لڑنے کے لیے لشکر تیار کر رہے ہیں۔ شیخ عبدالحق کی پوری زندگی حقیقت میں اسی خواب کی تعبیر بن گئی وہ آخری

مراجعت ہندوستان:۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جن پریشان کن حالات میں ہندوستان چھوڑا تھا اور حجاز مقدس کی علمی وروحانی فضاؤں میں انہیں اطمینان خاطر نصیب ہوا اور ان کی علمی وروحانی شخصیت کی تعمیر وتشکیل ہوئی انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ شہر امن ہی کو اپنا مسکن بنالیں گے مگر رہبر کامل شیخ عبدالوہاب متقی نے علوم ومعارف کی تمام وادیوں کی سیر کرادی اور مرد کامل بنادیا تو ہندوستان لوٹ جانے کا حکم دیا۔ فرمایا

بخانہ خود بروید کہ والدہ وفرزندان شما بسیار پریشاں حال وبجانب شما نگراں خواہند بود۔

اب آپ اپنے گھر ہندوستان جائیں آپ کی والدہ اور بچے بہت پریشاں حال اور منتظر ہوں گے شیخ ارض حجاز چھوڑ کر ہندوستان جانے کے لیے آمادہ نہ تھے عرض کی۔

فقیر را نیت اقامت ایں مقامات شریفہ بسیار است بعد ازاں نیت سیر بغداد وزیارت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ست۔ فقیر کے دل میں ان مقامات مقدسہ میں قیام کرنے کی بڑی تمنا ہے اس کے بعد سفر بغداد اور زیارت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی نیت ہے شیخ عبدالوہاب نے فرمایا:

اب تمہیں یہاں رہنے یا وطن اصلی کے علاوہ دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں حق شرع سب پر مقدم ہے حضرت غوث اعظم تمہارے ساتھ ہیں جس جگہ بھی رہو ان سے محبت اور اعتقاد کے ساتھ ان کی طرف توجہ رکھو ان کی پیروی کی کوشش کرو ان کے حکم پر چلو وہ اس سے ہرگز خوش نہیں کہ تم اپنی والدہ بیوی اور چھوٹے بچوں کو ایذا دو۔ تم خود کہتے تھے کہ میری والدہ نے مجھے حرمین شریفین جانے کی اجازت دی ہے اور تاکید کردی ہے کہ تیسری جگہ نہ جانا اس حالت میں تم کہیں اور کیسے جاسکتے ہو۔ استاذ اور شاگرد میں مکالمہ ہوتا رہا مگر شیخ عبدالوہاب نے کسی حال میں ہندوستان کے علاوہ کسی جگہ جانے کی اجازت نہ دی مربی کے حکم کو ٹالنا شیخ کے بس کی بات نہ تھی حکم بسروچشم قبول کیا اور ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے مگر حالت یہ تھی۔

حیرتے در وقت پیش آمد کہ ایں خواب وخیالے بود کہ گذشت وچناں نمود کہ یک روز ایں جا اقامت نمودہ بود (زاد المتقین)

روانگی کے وقت حیرت کا عالم یہ تھا کہ (تقریبا ۴ر سال کا قیام حجاز) ایک خواب وخیال تھا جو گذر گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بندہ نے صرف ایک دن یہاں قیام کیا تھا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

شیخ عبدالوہاب نے بوقت رخصت حضرت غوث پاک کا ایک پیراہن مبارک عطا کیا اور فرمایا "بیکار نہ باشید وازیجانب امداد انوار انشاء اللہ متوالی خواہد بود" آپ بیکار نہ بیٹھیے گا ان شاء اللہ اس طرف سے امداد و انوار مسلسل ہوتی رہے گی۔

شیخ عبدالحق کا مدرسۂ علم و ارشاد:۔

شیخ حجاز مقدس سے جب ہندوستان وارد ہوئے تو یہاں کی فضا پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ اکبر اور اس کے حاشیہ نشینوں نے اپنے الحادی مشن نام نہاد دین الٰہی کی اشاعت کھلم کھلا شروع کر دی تھی۔ اسلامی شریعت اور دینی روایات کا برملا مذاق اڑایا جاتا۔ اکبر کو ظل الٰہی کہنے والوں نے متفقہ طو پر یہ فیصلہ کیا وہ مرتبۂ سلطان عادل عنداللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است"۔

اس محضر کی رو سے اکبر کو معاذ اللہ پیغمبر کا درجہ دینے کی ناپاک جسارت کی گئی۔ قرآن وسنت کے احکام سے بے اعتنائی عام ہونے لگی تھی۔ عوامی زندگی اور مدارس وخانقاہ اس تحریک کے مضر اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ صوفیہ نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ کر کے اپنے غیر شرعی اعمال کا جواز تلاش کر لیا۔ علماء سوء نے فقہ کو اپنی بہانہ جو فطرت کا آلہ بنایا اور حیلہ بازی کا وہ دور شروع ہوا کہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی "حیل بنی موسیٰ پیش آں شرمندہ" (منتخب التواریخ ج ۲ ص ۲۰۲)

شیخ نے انہیں روح فرسا حالات سے متاثر ہو کر ہندوستان چھوڑا تھا کیوں کہ اس فتنہ کے تدارک کی قوت ان کے اندر موجود نہ تھی مگر اب وہ علوم دینی کا بیکراں سرمایہ اپنے سینے میں لے کر لوٹے تھے اور فتنوں کی مدافعت کی بھرپور توانائی ان کے اندر پیدا ہو چکی تھی جسے بروئے کار لا کر علم نبوت کی اشاعت باطل کی تردید اور دین حق کے احیاء کا کام لینا تھا چنانچہ دہلی واپس آ کر ۱۰۰۱ھ میں حلقۂ درس قائم کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دین الٰہی مسلم معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے زور مار رہا تھا۔ اکبر کے زیر اثر علماء سوء اور مفاد پرست صوفیوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو دین کی حقیقی روح کو ختم کر دینے کے لیے آمادہ تھا ایسے نازک اور پرآشوب ماحول میں حضرت شیخ نے ایسا مدرسہ قائم کیا جس نے صرف شریعت وسنت کی حقیقی روح کو اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ باطل پرستوں کی ایسی سرکوبی کی کہ دوبارہ پنپنے کا موقع بھی نہ ملا دوسری درسگاہوں کے برخلاف اس مدرسہ میں قرآن وحدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطۂ نظر قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی زندگی بھر کتاب وسنت کی تعلیم

بیک وقت تعلیم پاتے اور شیخ کے علاوہ متعدد با صلاحیت علماء مدرس تھے اس طرح شیخ کے ہزاروں ایسے باکمال مخلص تلامذہ پیدا ہو گئے جنہوں نے شیخ کی تحریک احیاء شریعت وسنت کو آگے بڑھایا۔

شیخ اپنے مدرسہ میں صرف عالم ہی پیدا نہ کرتے تھے بلکہ وہ ایسے مرد مجاہد تیار کرتے جو باطل کے خلاف صف آراء ہو سکیں اور دین وشریعت کی بقاء وتحفظ کے لیے پوری عمر سرگرم عمل رہیں۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے "آدمی را دریں کارخانہ برائے کار آفریدہ اند" اور یہ شعر پڑھا کرتے

کار کن کار بگذار از گفتار　　　کاندریں راہ کار دارد کار

چنانچہ شیخ کے شاگردوں میں علماء باعمل کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوئی چند اہم تلامذہ یہ ہیں:

شیخ نور الحق دہلوی، شیخ ہاشم، رضی الدین ابو المناقب، شیخ علی محمد، شیخ ابو البرکات، ولی الدین عبد النبی، شیخ عبد السعادت، کمال الدین، مولانا عبد الحکیم، مولانا محمد حیدر دہلوی، شیخ محمد حسین خافی، خواجہ خاوند معین الدین بن خواجہ خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں، خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری، شاہ طیب ظفر آبادی، دیوان محمد رشید بن مصطفےٰ جونپوری، مولانا شیخ ابو احمد سلیمان کردی، مولانا شاہ عبد الجلیل الہ آبادی، شیخ عبد القادر مفتی، شیخ عنایت اللہ، شیخ شاکر محمد بن وجیہ الدین حنفی دہلوی۔

کتب خانہ:۔

شیخ نے اپنے علمی ذوق، تصنیفی ضروریات اور عظیم درسگاہ کے لیے بڑی جگر کاوی سے نادر ونایاب کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا تھا۔ حجاز کے دوران قیام انہوں نے بیش بہا کتابیں جمع کی تھیں اس کے علاوہ عرب وعجم کے نوادر ان کے کتب خانے میں محفوظ تھے۔ آپ کے کتب خانہ میں اسلامی علوم وفنون، ادب ولغت، سیر وتاریخ، معقولات کے علاوہ حدیث اور علوم حدیث سے متعلق کتابیں بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ حدیث کی نایاب وکم یاب کتابیں نقل کرنے کے لیے انہوں نے کاتب بھی رکھے تھے۔ اس کتب خانہ میں ہر علم وفن سے متعلق معیاری کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ جس طرح شیخ کا مدرسہ ان کی خانقاہ قادریہ عظمت وشان کی حامل تھی اسی طرح آپ کا کتب خانہ بھی ہندوستان کا نہایت ہی اہم کتب خانہ تھا جس سے شیخ کے علاوہ ان کے تلامذہ اور اہل علم استفادہ کیا کرتے تھے۔ یہ کتب خانہ آپ کے بعد بھی کئی صدیوں تک محفوظ رہا مگر دلی کی تباہی وبربادی کے دوران اس کتب خانہ کے نوادر ضائع ہو گئے۔

تصانیف:۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صرف بلند پایہ مدرس اور روحانی مربی ہی نہ تھے بلکہ وہ اپنے زمانہ کے بڑے باکمال صاحب قلم مصنف بھی تھے اور انہوں نے عمر بھر درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا شغل بھی جاری رکھا جس طرح وہ ہندوستان کے عظیم محدث ہیں اسی طرح وہ ممتاز مصنف بھی ہیں ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے جو حدیث، تفسیر، عقائد، تصوف واخلاق، فقہ، اعمال واوراد، منطق وفلسفہ، تاریخ، سیر وتذکرہ، نحو وادب کا احاطہ کرتی ہیں۔

آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں:

کتب علم حدیث:۔

(۱) اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ (۲) لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (۳) ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین (۴) جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ (۵) جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین (۶) رسالۃ اقسام الحدیث (۷) رسالۃ شب برأت (۸) ما ثبت بالسنۃ فی الایام والسنۃ (۹) الاکمال فی اسماء الرجال (۱۰) شرح سفر السعادت (۱۱) اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ (۱۲) تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ (۱۳) ترجمۃ مکتوب النبی الامل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل۔

کتب الفقہ والتصوف:

(۱) تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف (۲) تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف (۳) شرح فتوح الغیب (۴) ترجمۃ غنیۃ الطالبین (۵) انتخاب المثنوی لمولوی المعنوی (۶) توصیل المرید الی مراد بہ بیان الاحزاب والاوراد (۷) مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین (۸) نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ (۹) جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندی (۱۰) رسالۃ وجودیۃ (۱۱) فتح المنان فی تائید النعمان (۱۲) ہدایۃ الناسک الی طریق المناسک۔

کتب تذکرہ:۔

مدارج النبوۃ، اخبار الاخیار، احوال ائمہ اثناعشر، انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ، زبدۃ الآثار، مطلع الانوار، البہیۃ فی الحلیۃ الحلیۃ النبویۃ.

کتب تاریخ:۔

جذب القلوب، ذکر ملوک، رسالہ نورانیہ سلطانیہ۔

کتب تفسیر:

تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی، شرح صدور تفسیر آیت النور، تحصیل الغانم والبرکات بہ تفسیر سورۃ العادیات۔

کتب اخلاق:۔

آداب الصالحین، آداب اللباس، آداب المطالعۃ والمناظرۃ، تسلیۃ المصاف لنیل الاجر والثواب۔

کتب اوراد واعمال:۔

اجوبۃ الناعشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سیدالبشر، ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات، رسالہ عقائد انامل، مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ۔

کتب فلسفہ ومنطق:۔

بناء المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع، درۃ البھیۃ فی اختصار الرسالۃ الشمسیۃ، شرح شمسیہ۔

کتب نحو:۔

حاشیۃ الفوائد الضیائیۃ، افکار الصافیۃ فی ترجمۃ کتاب الکافیۃ۔

دیگر کتب:۔

درۃ الفرید فی قواعد التجوید، تکمیل الایمان، اجازۃ الحدیث فی القدیم والحدیث، تالیف قلب الالیف، زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، وصیت نامہ، فصول التخطب لنیل اعالی الرتب، کتاب المکاتیب والرسائل، صحیفۃ المؤدۃ۔

خدمت علم حدیث:۔

شیخ عبدالحق یوں تو تمام علوم وفنون اسلامی میں مہارت رکھتے تھے مگر علم حدیث ان کا

پسندیدہ میدان تھا اس فن میں ان کی اہم تدریسی و تصنیفی خدمات کی وجہ سے محدث آپ کے نام کا جزو بن گیا ہے حافی خاں کے بقول وہ اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے۔ پورے ہندوستان میں تفسیر وحدیث میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ (سکینۃ الاولیاء ص ۱۱۵) شیخ نے علم حدیث کی جو گوناگوں مفید خدمات انجام دی ہیں ان کی شروح کتب حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احادیث کے مشکلات وغوامض کو حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فن حدیث میں شیخ کی خدمات وکمالات کا دائرہ کافی وسیع ہے ان کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں علم حدیث کو غیر معمولی فروغ دیا۔ چوں کہ شیخ کے زمانہ میں حدیث شریف سے غفلت برتی جارہی تھی اور دین کی اصل سے بے اعتنائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی حقیقی روح ماند پڑنے لگی اپنے وقت میں شیخ نے پوری قوت کے ساتھ حدیث وسنت کی تعلیم کا بیڑا اٹھایا اور سنت رسول کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کی عروق مردہ میں جان ڈال دی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علم حدیث کی شرح کا مہتم بالشان فرض انجام دیا اس سلسلہ میں مشکوٰۃ المصابیح کی فارسی اور عربی شرح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اشعۃ اللمعات:۔

یہ فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ چوں کہ شیخ کے زمانہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی سرکاری وعوامی زبان فارسی تھی اس لیے انہوں نے حدیث نبوی کے مفہوم ومطالب کو مفید عام بنانے کی غرض سے یہ شرح لکھی جس کی ابتداء ۱۰۱۹ھ میں ہوئی اور تکمیل ۱۰۲۵ھ میں ہوئی. شرح کے بارے میں شیخ تحریر فرماتے ہیں۔

حرمین کے اساتذہ وشیوخ حدیث سے استفادہ کے بعد ہندوستان واپس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حدیث شریف کے علم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی اس کی بدولت مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا کیوں کہ اس وقت یہ ایک متبرک کتاب ہے شرح لکھنے کا مقصد یہ ہے اس کے جو فوائد مشائخ وقت سے سنے ہیں یا ان کی کتابوں میں دیکھے ہیں یا جو اپنے خیال میں آئے ہیں انہیں طلب تک پہونچادوں بعض جلیل القدر اصحاب صفا اور اہل تعلق اور محبت نے فرمایا اگر شرح فارسی زبان میں ہو تو اس کا نفع زیادہ عام ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ وشرح حدیث میں زبان وبیان آسان اور دلنشیں ہے اہم مسائل سے بقدر ضرورت تعرض کیا گیا ہے ان پر اس طرح بحث کی گئی ہے کہ پڑھنے والا دقیق امور میں الجھے بغیر حدیث کی

روح اور منشاء سے واقف ہو جاتا ہے۔ اختصار کے باوجود مفہوم کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ احادیث سے دلچسپ استنباط کیا ہے دفع تعارض بھی کیا ہے متضاد حدیثوں میں جمع و تطبیق کی ہے تشریح و تفہیم کے لیے آیات قرآنی واحادیث نبوی سے استشہاد کیا ہے ائمۂ حدیث و شارحین کے اقوال بھی پیش کیے ہیں۔ حنفی مسلک کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے دلائل نقل کیے ہیں دوسرے فقہاء کے اقوال و دلائل بھی تحریر کیے ہیں۔

اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے اشعۃ اللمعات کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اسلامی دنیا میں اس کتاب کو قبول عام حاصل ہوا۔ صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی اس کی افادیت مسلم ہے۔

لمعات التنقیح علی مشکوٰۃ المصابیح:۔

دو جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے اشعۃ اللمعات کی تصنیف کے دوران بعض ایسے مضامین پیش آئے جن کی تشریح فارسی کے بجائے عربی زبان میں کی گئی کیوں کہ عربی اس وقت بھی علماء کی زبان تھی خود فرماتے ہیں۔

در اثناء مطالعہ سخناں روئے نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نباشد و از دست دادن آں سخناں گنجائش ندید در شرح آں بلسان عربی نیز شروع نمود تا چندگاہ ہر دو شرح فارسی و عربی معاً گویدیافت آخر چناں گشت کہ عربی اسپ تازی بیشتر رفت و تمام شد و فارسی در نیمہ راہ ماند چوں امراز نظر ثانی بر آں مقید شد و تبییض نمود و زمانے مدید براں گشت و مسودۂ فارسی حکم نسیا منسیا گرفت باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد۔

لمعات التنقیح کی تکمیل ۲۴ر رجب ۱۰۲۵ھ کو اشعۃ اللمعات سے پہلے ہوئی۔

شیخ عبدالحق کی یہ شرح ایک مکمل، جامع، مفید، نفع بخش اور عظیم الشان کتاب ہے جو مفید تحقیقات لطیف نکات، دقیق مباحث اور گوناگوں فوائد پر مشتمل ہے اس شرح میں لغوی ونحوی مشکلات فقہی مسائل کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ فقہ حنفی کی مطابقت حدیث کے ساتھ بیان کی ہے۔

شرح مشکوٰۃ کے علاوہ مختلف موضوعات پر حدیث کے مجموعے مرتب فرمائے۔

تصوف وطریقت:۔

حضرت شیخ کا خاندان روحانیت میں ممتاز تھا اس لیے روحانی ذوق ورثہ میں ملا والد شیخ

سیف الدین کی تربیت نے بچپن ہی سے اس ملکۂ موروثی کو سنوارنا شروع کر دیا پھر حضرت شیخ موسیٰ قادری سے بیعت ہوئے اور ان سے سلسلہ کی برکتیں حاصل کیں حجاز جاتے ہوئے گجرات میں شیخ وجیہہ الدین سے اس طریق کے اشغال حاصل کیے پھر مکہ مکرمہ میں اپنے استاذ شیخ عبدالوہاب متقی سے علم حدیث کے ساتھ علم تصوف کی تحصیل کی اس طرح جب وہ ہندوستان لوٹے تو علم ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت کو اپنا فرض عین بنالیا آپ کے مدرسہ کی طرح آپ کی خانقاہ قادریہ بھی ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آنے والے طالبین حق کا مرکز بن گئی اور اس سلسلۂ عالیہ کی اشاعت آپ کے ذریعہ بہت بڑے پیمانے پر ہوئی۔

حضرت شیخ کی عبقری ذات مرجع خلائق بن گئی تھی آپ کے علمی و روحانی کمالات سے مستفیض ہونے کے لیے صرف عوام اور طلبہ ہی نہیں علماء و مشائخ، امراء و سلاطین بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر سر نیاز خم کرتے اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے۔ بادشاہ ہندوستان شاہجہاں زیارت کے لیے حاضر ہوا اور نیاز مندی کا اظہار کیا۔ ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں جب وہ کشمیر کی مہم پر روانہ ہونے لگا تو شیخ سے دعاؤں کا طالب ہوا۔

وصال:۔

حضرت شیخ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیکراں عشق تھا وہ پوری زندگی دیار محبوب ہی میں گزارنے کے خواہش مند تھے مگر اپنے استاذ و مربی کے حکم سے مجبور ہو کر ہندوستان آئے اور حب رسول کے جذبے سے سرشار ہو کر حدیث و سنت کی اشاعت کرتے رہے مگر دیار حبیب کی تمنا ہمیشہ باقی رہی جب پیمانۂ عمر لبریز ہوا وصال سے پہلے وصیت نامہ تحریر کیا تو بڑی حسرت کے ساتھ لکھا۔ ” اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک“ الٰہی مجھے تیری راہ میں شہادت نصیب ہو اور میری موت تیرے رسول کے شہر میں ہو۔

لکھتے ہیں اگر ایں دعاء قبول افتاد ہیچ حاجت بوصیت نیست واگر دریں جا اجل رسید بالائے حوض شمسی کہ جائے پاکاں و مغفوران است دفن کنند۔ اگر یہ دعا مقبول ہو گئی تو کسی دوسری وصیت کی ضرورت نہیں اور اگر یہیں (دہلی) میں موت آ گئی حوض شمسی کے اوپر جو پاکیزہ خصلت بزرگوں اور مغفرت یافتہ لوگوں کی جگہ ہے مجھے دفن کر دینا۔

یہ آفتاب علم و ہدایت ۹۴ رسال کی عمر میں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو ہمیشہ کے لیے غروب

ہوگیا مگر اس کی علمی شعاعیں صبح قیامت تک تابندہ رہیں گی۔ شیخ نور الدین دہلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور وصیت کے مطابق حوض شمسی کے قریب مقبرہ میں دفن ہوئے۔ مزار پاک زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

(۹۲) حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۹۸۳ھ شوال ۱۰۷۳ھ

اسم گرامی نور الحق، کنیت ابو السعادات، لقب جمال تھا۔ آپ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ، ۱۰۵۲ھ) کے فرزند اکبر تھے۔ ولادت ۹۸۳ھ میں ہوئی۔

تعلیم:۔

شیخ نور الحق عظیم محدث اور برگزیدہ روحانی شخصیت کے فرزند ارجمند تھے۔ ذہانت وطباعی اور شوق تحصیل علم موروثی تھا۔ والد بزرگوار کی آغوش میں تعلیم کا آغاز کیا اور جملہ اسلامی علوم وفنون کی تحصیل کی اور انہیں سے سند تکمیل حاصل کی۔ خود شرح قران السعدین میں تحریر فرماتے ہیں:

”میرے باپ ہی نے ا، ب، ت کی تختی مجھے پڑھائی۔ اور میرے باپ ہی نے مجھے فارغ التحصیل کردیا“۔ (حیات شیخ عبد الحق ص ۲۵۷)

علم وفضل:۔

شیخ نور الحق علم وفضل، تدریس وتصنیف اور روحانی کمالات میں اپنے والد بزرگوار کے سچے جانشین تھے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

”خلف الصدق شیخ عبد الحق دہلوی قدس اللہ اسرارہما تلمیذ ومرید مقبول والد بزرگوار و وارث کمالات صوری ومعنوی آں یگانۂ روزگار است“ یہ یگانہ روزگار حضرت شیخ کے خلف الصدق، ان کے شاگرد اور ان کے صوری ومعنوی کمالات کے وارث تھے۔ (مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۰۱)

حضرت شیخ کو فرزند دلبند کے علمی کمالات پر بڑا ناز تھا ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”ازیں من ہیچ عملے نیامدہ کہ واسطہ وسبب نجات من در عاقبت گردد، الا وجود مسعود آں فرزند دلبند۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم
وازینجا ست کہ پسر صالح را زاعمال خیر پدر شمردہ اند

اس فرزند دلبند کے علاوہ میرا کوئی ایسا عمل نہیں کہ آخرت میں نجات کا سبب بنے (اس لیے کہ صالح فرزند کو باپ کا عمل خیر شمار کیا گیا ہے)

حضرت شیخ نے آپ کو اپنا جانشین قرار دیا اور متعلقین کو آپ کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا لکھتے ہیں:

"فرزند عزیز نور الحق را خلیفہ و جانشین فقیر دانند وباوے بتعظیم وتقدیم پیش آیند" فرزند عزیز نور الحق کو فقیر کا خلیفہ و جانشین سمجھا جائے اور ان کے ساتھ تعظیم وتقدیم سے پیش آیا جائے"۔ (بحوالہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۵۸)

شیخ نور الحق حدیث وفقہ، تفسیر وکلام، سیر وتاریخ، شعر وادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے صاحب طبقات شاہجہانی نے انہیں جامع علوم متداولہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"ولدار شد مخدوم الانامی شیخ عبدالحق دہلوی است، از علوم صوری ومعنوی فراواں بہرہ وارد ومقبول ومنظور پدر بزرگوار خود است واز برکات آں نظر باعلی مرتبہ دانش وفضل برآمدہ ومقبول خاص وعام است، شیخ نور الحق مخدوم الانام شیخ عبدالحق دہلوی کے فرزند رشید ہیں ان کو صوری ومعنوی علوم سے بہرہ وافر ملا ہے وہ اپنے پدر بزرگوار کے منظور نظر اور مقبول ہیں ان کی نظر کی برکتوں کی وجہ سے فضل ودانش کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز اور خاص وعام ہر طبقہ میں مقبول ہیں"۔ (طبقات شاہجہانی قلمی ص ۶۱۹)

صاحب فرحت الناظرین رقمطراز ہیں:

"فاضل محدث وعالم تبحر بود خلیفہ وجانشین پدر خود شیخ عبدالحق دہلوی است"۔ شیخ نور الحق تبحر عالم، فاضل محدث اور اپنے والد شیخ عبدالحق کے جانشین ہیں۔ (فرحت الناظرین ص ۵۸)

منصب قضاء:۔

شاہجہاں بادشاہ ایام شاہزادگی ہی سے شیخ نور الحق کے علمی کمالات، محدثانہ عظمت اور فقہی بصیرت سے واقف تھا چنانچہ جب وہ تخت نشیں ہوا اور دکن کی طرف لشکر کشی کی تو آپ کو اکبر آباد آگرہ کا قاضی مقرر کیا۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

"چوں صاحب قران شاہجہاں انار اللہ برہانہ از ایام شاہزادگی بر جواہر استعداد عالی او اطلاع داشت۔ وقت برافروختن رایات توجہ جانب دکن شیخ را قضاء مستقر الخلافہ اکبر آباد تفویض

فرمودمے بقتضائے آں مصر پرداخت وحق ایں منصب نازک نوعی کہ باید بہ تقدیم رسانید" چوں کہ صاحب قران شاہجہاں انار اللہ برہانہ زمانہ شہزادگی ہی سے آپ کے علمی پائے اور کمالات سے واقف تھا دکن کی طرف فوج کشی کے وقت شیخ نورالحق کو دارالسلطنت اکبرآباد کا منصب قضا تفویض کیا اور آپ اس شہر کے منصب قضاء پر ایک مدت تک فائز رہے اور اس نازک منصب کی ذمہ داری کو کما حقہ انجام دیا۔ (مآثر الکرام ص ۲۰۲)

شیخ نے علم، دیانت فہم وفراست اور معاملہ فہمی سے اس منصب کی ذمہ داریاں بڑی خوبی کے ساتھ نبھائیں۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں "وهو ادى هذا المنصب العالي في نهاية الديانه والسداد" اور شیخ نورالحق نے اس بڑے عہدے کو نہایت دیانتداری اور بڑی خوبی سے ادا کیا۔ (سبحۃ المرجان ص ۱۴۱)

سرکاری عہدے پر فائز ہونے کے باوجود ان کی دیانت وتقویٰ سے معمور زندگی میں فرق نہ آیا اور دنیاوی آلائش سے ان کا دامن آلودہ نہ ہوا۔ اعلیٰ علمی کمالات اور بلند سیرت وکردار کی بنا پر شاہجہاں اور پھر اورنگ زیب آپ کی عظمت وتوقیر کرتے رہے۔

والد گرامی کی جانشینی:۔

۱۰۵۲ھ میں جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے وصال فرمایا آپ نے عہدۂ قضا چھوڑ دیا اور والد گرامی کی مجلس درس کو رونق بخشی اور ان کے سجادۂ مشیخت پر جلوہ گر ہو کر طالبان علم نبوی کی تعلیم وتربیت اور سالکین راہ طریقت کی اصلاح نفوس کا اہم فریضہ انجام دینے میں مصروف ہو گئے۔ شاہجہاں نامہ میں ہے:

"وپس از رحلت آں جناب نورالحق خلف الصدقش کہ در علم وفضل شہرۂ آفاق بود مدت مدید صدر آرائے مدرسہ استفادہ گشتہ" شیخ عبدالحق کی وفات کے بعد ان کے خلف الصدق شیخ نورالحق جو علم وفضل میں آفاقی شہرت کے مالک تھے ایک طویل مدت تک مدرسہ کے صدرنشیں ہو کر لوگوں کو مستفید فرماتے رہے۔ (شاہجہاں نامہ ص ۳۸۵)

شیخ عبدالحق آپ کو اپنا وجود ثانی کہا کرتے تھے۔ شیخ نے آخر تک والد گرامی کے نقش قدم پر علم کی ترویج واشاعت اور ارشاد وتبلیغ دین کا فریضہ بڑی خوبی سے انجام دیا۔

اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کن کن لوگوں نے [illegible]

قطب المحدثین مولانا سید مبارک حسین واسطی بلگرامی (م ۱۷۰۵ء) کا نام تحریر کیا ہے۔ (رود کوثر ص ۴۸۸)

تصانیف:۔

شیخ نور الحق تدریس و تبلیغ، تصنیف و تالیف ہر لحاظ سے شیخ عبد الحق کے خلف الصدق اور جانشین اکبر تھے۔ درس وارشاد کی مصروفیات کے باوجود تمام عمر قلم وقرطاس سے سروکار رکھا۔ اور آپ کے قلم سے گرانقدر علمی وفنی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

”تصانیف فراواں دارد چنانچہ شیخ عبد الحق قدس سرہ بہ تحریر ترجمہ مشکوٰۃ دست احسان کشادہ او نیز بہ تحریر ترجمہ صحیح البخاری صلائے فیض عام دادہ“۔ آپ کی بہت سی مصنفات ہیں جس طرح شیخ عبد الحق نے مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ کے لیے دست احسان کشادہ کیا۔ شیخ نور الحق نے بھی صحیح بخاری کا ترجمہ کیا اور اس کے فیض کو عام کیا۔ (مآثر الکرام ص ۲۰۲)

آپ کی گرانقدر مصنفات یہ ہیں:

(۱) اثبات رفع المسبحۃ فی التشہد (۲) تحفۃ العراقین (۳) تعلیقات علی شرح المطالع (۴) تعلیقات علی شرح ہدایۃ الحکمۃ (۵) تعلیقات علی العضدیہ (۶) تفسیر سورۃ الفاتحہ (۷) حاشیہ علی شرح الجامی (۸) دیوان مشرقی (۹) رسالہ دربیان رویا (۱۰) زبدۃ التواریخ (۱۱) تیسیر القاری شرح بخاری (۱۲) شرح شمائل (۱۳) شرح صحیح مسلم (۱۴) محی القلوب (۱۵) نور العین شرح قران السعدین۔

شرح صحیح البخاری:۔

ہندوستانی علماء ومحدثین نے شیخ سے پہلے بخاری کی متعدد شرحیں تحریر فرمائیں جو عربی زبان میں تھیں غالباً شیخ نور الحق نے سب سے پہلے فارسی زبان میں بخاری کی شرح تیسیر القاری کے نام سے لکھی جو پانچ جلدوں میں مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۵ھ میں شائع ہوئی۔

شیخ نے اس کتاب کو شہنشاہ عالمگیر کے نام سے معنون کیا۔

شیخ نے اپنے والد کی شرح مشکوٰۃ کی طرز پر بخاری کی شرح لکھی یہ شرح شیخ عبد الحق کے ایماء پر لکھی گئی شارح تحریر فرماتے ہیں:

”والد ماجد چاہتے تھے کہ صحیح بخاری کی شرح وتعلیق بھی اسی رنگ کی فارسی زبان میں لکھی

ہوئی اور تمام مسلمان اس کے فیوض سے بہرہ مند ہوئے لیکن چوں کہ ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے اس لیے ان کی زندگی میں اس اہم اور عظیم الشان کام کو انجام دینے کی توفیق میسر نہیں ہوئی اور ان کے انتقال کے بعد استخارہ کر کے ان کے حکم کی تعمیل میں کمر ہمت باندھی گئی۔ (تیسیر القاری ج ا ص ۲)

شیخ نور الحق نے اپنی شرح میں زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ضروری مقاصد مطالب اس طرح بیان کیے ہیں کہ مفاہیم حدیث کی وضاحت ہو جاتی ہے اور قاری کے لیے مطالعۂ بخاری آسان ہو جاتا ہے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی اس شرح کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”گو بخاری شریف کی مفصل و مختصر شرحیں لکھی جا چکی تھیں لیکن زبان کے فرق کی وجہ سے اہل عجم صحیح بخاری کی تحصیل اور اس کے اسرار و دقائق سے کما حقہ واقفیت سے قاصر و محروم تھے تا آنکہ مولانا نور الحق نے اس کی فارسی شرح لکھی جس کا نام انہوں نے ”تیسیر القاری“ رکھا جس میں مفید مطالب، عمدہ فوائد، لطیف مباحث اور دقیق غرائب بیان کیے اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور بنائے اور انہیں جزائے خیر دے کیوں کہ انہوں نے تمام لوگوں کے لیے بخاری کی تحصیل کو آسان کر دیا اور ہر قاری و سامع کے لیے اسے سہل بنا دیا“۔ (تیسیر القاری جلد اول آغاز)

یہ شرح مختلف خصوصیات اور خوبیوں کی حامل ہے۔ شارح نے احادیث کی شرح و توضیح کرتے ہوئے ان سے کہیں کہیں مفید استنباط اور دلچسپ نتائج اخذ کیے ہیں۔ شیخ نے اپنی شرح میں احادیث کے ظاہری تضاد کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض جگہ شکوک و شبہات اور اشکالات کے جواب بھی دیے ہیں۔ فقہاء کے اقوال و آراء اور مختلف فقہی مذاہب کو بھی جا بجا بیان کرتے ہیں اور چوں کہ خود حنفی المذہب تھے اس لیے اس مذہب کو دلائل سے مرجح و افضل بتاتے ہیں۔ صاحب فرحت الناظرین لکھتے ہیں:

در تقویت مذہب امام ابوحنیفہ جہد بلیغ نمودہ و احادیث مخالف ایں مذہب را تاویلات خجستہ فرمودہ“ امام ابوحنیفہ کے مذہب کو قوی قرار دینے میں جہد بلیغ سے کام لیا ہے اور اس مذہب کی مخالفت حدیثوں کی تاویل و توجیہہ کی ہے۔ (فرحت الناظرین ص ۵۸، ۵۹)

شیخ نور الحق نے بخاری کے علاوہ مسلم کی بھی فارسی زبان میں شرح لکھی جسے ان کے پوتے فخر الدین محب اللہ نے مرتب کیا۔ شیخ نے شمائل ترمذی کی بھی فارسی میں شرح لکھی۔

زبدۃ التواریخ: یہ کتاب ہندوستان کی تاریخ ہے جس میں معز الدین بن سام

شہاب الدین غوری سے لے کر جہانگیر کی تخت نشینی تک کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا کچھ حصہ ایلیٹ نے اپنی ہسٹری آف انڈیا میں شامل کیا ہے۔

شاعری:۔

شیخ نور الحق شعر و سخن کا بھی ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ وہ نثر کی طرح نظم لکھنے پر بھی قادر تھے۔ مشرقی تخلص فرماتے مگر پوری زندگی علوم دینیہ بالخصوص حدیث کی ترویج و اشاعت میں بسر کی اس لیے ان کے شاعرانہ کمالات منظر عام پر نہ آسکے ورنہ وہ خسرو اور نظامی کی صف میں شمار کیے جاتے۔ شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں:

"وجود فرزند مسعود نور دیدۂ دانش و بینش نور الحق الملقب بمشرقی است کہ شروق نیر فضل و کمال وے در ہر دو طریقۂ دانشوری و سخنوری باوسط السماء استوا و اعتدال نزدیک بسمت الراس رسیدہ است یقین من ست کہ اگر وے توجہ برگمار دو بر طریقۂ شعرائے زمانہ شب و روز بمشق سخن و فکر شعر روئے آرد خمسہ نظامی و خسرو را تتبع تواند کرد و لیکن توجہ و اشتغال وے بجانب علم و صلاح و نفس الامر غالب آمدہ"۔

فرزند مسعود کا وجود عقل و آگہی کا نور، نور الحق جن کا تخلص مشرقی ہے ان کے آفتاب فضل و کمال کا چمکنا دانشوری اور سخنوری ہر جہت میں وسط آسمان پر استواء و اعتدال رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ شعرائے زمانہ کی طرح شب و روز شاعری پر توجہ کرتے اپنی فکر اور مشق سخن سے ایسے اشعار پیش کریں تو نظامی و خسرو کے خمسہ کا تتبع کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے علم و صلاح سے اصل سروکار رکھا۔ (شیخ عبدالحق ص ۲۵۹)

فرحت الناظرین میں لکھا ہے کہ شیخ نور الحق نے ایک مثنوی تحفۃ العراقین لکھی تھی اور ان کا ایک دیوان بھی تھا جو پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھا یہ مثنوی اور دیوان اب ناپید ہیں۔

زہد و تقویٰ:۔

شیخ نور الحق علم کی طرح عمل میں بھی یکتائے روزگار تھے معیشت بڑی سادہ تھی، طبیعت میں توکل و قناعت کا جوہر تھا۔ تدریس و تصنیف کے باوجود یاد حق اور نفل نماز و روزہ سے کبھی غفلت نہ برتی۔ طبیعت کا رجحان تصوف و معرفت کی طرف تھا اپنے والد کے مرید و خلیفہ ہوئے ان کے وصال کے بعد [illegible] شاہ نظام الدین نارنولی سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی اور ان سے

طالب ہوئے۔ پوری عمر والد کے سجادہ پر بیٹھ کر خلق کی رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

وفات:۔

۹ رشوال ۱۰۷۳ھ میں انتقال فرمایا بوقت رحلت ۹۰ رسال کی عمر تھی۔

دبستان شیخ عبدالحق:

شیخ نورالحق دہلوی کے بعد ان کے اولاد و اسباط نے نسلاً بعد نسلٍ ہندوستان میں علم حدیث کی شمعیں روشن کیں، اور اپنی مصنفات کے ذریعہ ہندوستان کے علمی خزانہ میں بیش بہا اضافہ کیا۔

(۱) شیخ سیف اللہ بن نوراللہ بن نورالحق بن شیخ عبدالحق آپ نے ۱۰۹۱ھ میں شمائل النبی کی شرح فارسی زبان میں لکھی۔

(۲) شیخ محب اللہ یہ بھی شیخ نورالحق کے پوتے ہیں آپ نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم کے نام سے لکھی مگر عمر کوتاہ کی وجہ سے اس پر نظر ثانی نہ کر سکے۔

(۳) حافظ فخرالدین عبدالصمد بن محب اللہ بن نوراللہ (م ۱۱۵۰ھ) آپ نے اپنے والد کی فارسی شرح مسلم منبع العلم پر نظر ثانی کی اور اسے پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ آپ نے محمد بن عثمان بلخی کی کتاب عین العلم کی فارسی میں شرح لکھی جس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ رہبانیت پر بحث کی گئی ہے۔ علامہ جزری کی حصن حصین کی فارسی میں شرح لکھی۔

(۴) شیخ نورالحق ثانی، یہ شیخ محب اللہ کے بیٹے اور حافظ فخرالدین کے بھائی تھے شیخ عبدالحق کی کتاب ما ثبت بالسنۃ کی فارسی زبان میں شرح لکھی۔

(۵) شیخ الاسلام محمد بن حافظ فخرالدین (م ۱۱۸۰ھ) آپ نے اپنے والد سے صحاح ستہ کا درس لیا اور خاندانی روایت کے مطابق صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کی دو جلدیں (قلمی) خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہیں۔ (۲) رسالہ کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء) (۳) رسالہ ردالاوہام عن اثر الامام الہمام۔

(۶) مولانا سلام اللہ محدث رامپوری (م ۱۳۲۹ھ) یہ شیخ الاسلام محمد کے فرزند تھے اپنے والد سے تعلیم پائی دہلی چھوڑ کر رامپور میں سکونت اختیار کی آپ خانوادۂ عبدالحق کے آخری نامور عالم تھے۔ علم حدیث کی اشاعت و ترقی کا کام بہت قابلیت سے انجام دیتے رہے جو ان کے آباء و اجداد کا سرمایہ ناز تھا۔ علوم عقلی و نقلی میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

(۱) المحلی بحل اسرار الموطا یہ کتاب موطا امام کی مبسوط عربی شرح ہے اس کا تعلق مسائل فقہیہ اور ان سے متعلق مذاہب اربعہ کے اختلاف سے ہے (۲) ترجمہ صحیح بخاری (۳) ترجمہ شمائل ترمذی (۴) خلاصۃ المناقب (۵) رسالہ اصول حدیث (۶) رسالۃ فی الاشارۃ بالسبابۃ عند التشہد (۷) کشف القناع عن اباحۃ السماع (۸) کمالین آپ کی قلمی کاوشوں کے نقوش ہیں۔

دبستان شیخ عبدالحق میں شیخ اور ان کی اولاد کے تلامذہ نے حدیث کی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں سنت رسول کی شمع فروزاں کی ہیں۔

(۹۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۱۴ھ ۱۱۷۶ھ

اسم گرامی ولی اللہ بن عبدالرحیم بن شہید وجیہہ الدین ہے تاریخی نام عظیم الدین تھا آپ کا سلسلہ نسب ۳۰ واسطوں کے بعد عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔

شاہ صاحب کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمقام دہلی ہوئی۔

شاہ صاحب اپنے سال ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ولادت ایں فقیر روز چہار شنبہ چہارم شوال مقارن طلوع شمس سنہ اربع عشر از قرن دوازدہم واقع شد'' اس فقیر کی پیدائش بدھ کے دن سورج کے طلوع ہونے کے وقت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ کو ہوئی۔ (سیاسی مکتوبات ص ۱۹۲)

خاندان:۔

آپ کے جد اعلیٰ شمس الدین مفتی، فتنہ تاتار کے زمانہ میں ترک وطن کر کے ہندوستان آئے اور دہلی سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر رہتک میں قیام کیا جہاں علمی و دینی علوم کے مرجع بنے۔ آپ کے بعد اولاد و احفاد سالہا سال تک قضا و احتساب کے منصب پر فائز رہے۔ شیخ قوام الدین نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا اور شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہہ الدین شہید تک خاندان کے بزرگوں نے مسند قضا کے بجائے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی گذاری۔

شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید صرف و نحو اور دوسری ابتدائی کتابیں اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد سے پڑھیں۔ پھر علامہ میر زاہد ہروی سے تحصیل

علوم کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن گئی کچھ دنوں فتاوٰی عالمگیری کی مجلس تدوین کے رکن بھی رہے۔ طبیعت کا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ سلسلۂ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ بڑی سادہ زندگی بسر کی۔ ستودہ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے مالک تھے ۱۲/ صفر ۱۱۳۱ھ میں وصال فرمایا۔

شاہ صاحب کی تعلیم وتربیت:۔

شاہ ولی اللہ نے ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جس کے اندر صدیوں سے علمی وروحانی روایت چلی آرہی تھی۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے کتب میں بیٹھا دیئے گئے سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کرلیا پھر فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ اور فنون مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے مشکوٰۃ کا درس لیا والد صاحب ہی سے صحیح بخاری شریف کتاب الطہارت تک پڑھی اور شمائل ترمذی مکمل کی، تفسیر مدارک اور بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا۔ زیادہ تر تعلیم اپنے والد اور مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کی۔

فراغت کے وقت شاہ عبدالرحیم نے احباب واعزہ کی پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ شاہ عبدالرحیم اپنے فرزند پر بڑی شفقت فرماتے اور ان کے کوائف سے باخبر رہتے۔ اصلاح حال اور تربیت کا خاص طور پر خیال رکھتے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی باپ کی بیٹے پر، کسی استاذ کی شاگرد پر اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی۔ (الجزء اللطیف ص ۳)

شاہ صاحب لکھتے ہیں" والد صاحب مجھے حکمت عملی آداب مجلس اور تہذیب ودانش مندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے ....

اپنی کسی خواہش کی تکمیل میں صرف لذت جوئی مقصود نہ ہو اس میں کسی ضرورت کی تکمیل، کسی فضیلت کا حصول یا ادائے سنت مقصود ہونی چاہئے۔ چال ڈھال میں نشست وبرخاست کسی ضعف یا کسل مندی کا اظہار نہیں ہونا چاہئے"۔ (انفاس العارفین ص ۸۳)

چودہ سال کی عمر میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے مرید ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے۔ شاہ صاحب کی عمر جب سترہ سال کی ہوئی تو والد نے رحلت فرمائی، رحلت سے پہلے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

تدریسی زندگی:۔

شاہ صاحب نے فراغت کے بعد طالبان علم نبوت کو درس دینے کا شغل اختیار کیا اور بارہ سال تک اس مقدس کام میں مصروف رہے اور اپنی قابلیت کی دھاک دور دور تک بیٹھادی۔ دور دراز شہروں اور ملکوں سے طلبہ جوق در جوق آکر آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے اور علم ظاہر و باطن سے اپنے دامن کو مالامال کرتے۔

سفر حج:۔

سن ۱۱۴۳ھ میں حج و زیارت کے ارادہ سے حرمین شریفین کا سفر کیا اور ادائیگی حج کے بعد حجاز مقدس کے مشاہیر فقہاء و محدثین کی بارگاہوں سے علمی فیوض حاصل کیے۔

(۱) شیخ وفداللہ بن شیخ محمد بن سلیمان مغربی کی خدمت میں حاضر ہو کر موطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اول سے آخر تک قلیل مدت میں سنادی اور اس کے بعد شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی۔

(۲) پھر حرمین کے سب سے بڑے عالم و محدث شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی کی خدمت میں پہونچے، شاہ صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میں نے علماء حرمین کے اکثر بزرگوں سے ملاقات کی اور اکثر فضلاء کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ مکارم اخلاق کے ساتھ جامع علوم ہو بجز شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کی فراست و درایت حقیقت میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے جسے میں نے اپنی تالیفات کے بعض مختلف مقامات میں ذکر کیا ہے“۔

شاہ صاحب کافی مدت تک ان کے یہاں ٹھہرے احادیث سنتے رہے اور شیخ ابو طاہر مدنی نے سند حدیث دینے کے علاوہ شاہ صاحب قدس سرہ کو اپنا خرقہ بھی عنایت فرمایا جو تمام خرقوں کو جامع وحاوی تھا۔

شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”وسال اربع واربعین بمجاورت مکہ معظمہ و زیارت مدینہ منورہ و روایت حدیث از شیخ ابو طاہر قدس سرہ وغیرہ از مشائخ حرمین محترمین موفق گشت۔ در آں میان بہ روضۂ منورہ حضرت [illegible] افضل الصلوٰۃ و اتم التحیات متوجہ شد ولطفہا یافت وبا متوطنان حرمین از علماء وغیر ایشا

صحبتہائے رنگین اتفاق افتاد وخرقہ جامعہ شیخ ابو طاہر کہ حاوی جمیع خرقہ جامعہ صوفیہ تواگفت پوشید"۔ یعنی ۱۱۴۳ھ میں مجاورت مکہ معظمہ اور زیارت مدینہ منورہ نیز شیخ ابو طاہر قدس سرہ وغیرہ مشائخ حرمین محترمین سے روایت حدیث کی توفیق نصیب ہوئی۔ اسی عرصے میں روضۂ منورہ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہوا اور بہت فیوض پائے۔ حرمین کے باشندوں سے جن میں علماء بھی تھے اور غیر علماء بھی خوب خوب صحبتیں رہیں شیخ ابو طاہر کا خرقہ' جامعہ پہنا جو تمام خرق صوفیہ پر حاوی کہا جا سکتا ہے۔

(۳) شاہ صاحب، شیخ تاج الدین کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور صحاح ستہ کی تحریری سند حاصل کی۔

ان کے علاوہ شاہ صاحب کو علماء حرمین میں سے مشہور علماء وزہاد اور فضلاء مثلاً شیخ احمد شناوی، شیخ احمد قشاشی، سید عبدالرحمٰن، شیخ شمس الدین بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد علی، اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ روایت حدیث کی اجازت حاصل ہوئی۔ اس روحانی اور علمی سفر کے بارے میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ "۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت شوق کو غلبہ ہوا۔ کے آخر (ذی الحجہ) میں حج سے مشرف ہوا۔ ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابو طاہر مدنی اور دوسرے مشائخ سے حدیث کی روایت کی، علماء حرمین سے مجالس رہیں، شیخ ابو طاہر مدنی نے خرقہ پہنایا جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کیے اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا اور ۱۰/ رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے مستقر (دہلی) پہونچا۔ (الجزء اللطیف ص ۵)

مراجعت ہند اور مسند تدریس:۔

شاہ صاحب حجاز سے لوٹ کر دہلی آئے اور اپنے والد کے مدرسہ رحیمیہ میں درس حدیث کا آغاز کیا اور طلبہ کو کتاب وسنت کا درس دینے میں مصروف ہو گئے، صدہا طالبان علم مجلس درس میں شامل ہونے لگے جس سے مدرسہ رحیمیہ محلہ مہدیان کی عمارت تنگ ہو گئی تو محمد شاہ بادشاہ نے شہر دہلی میں ایک وسیع عمارت مدرسہ کے لیے دی جہاں شاہ صاحب پوری عمر درس دیتے رہے آپ کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب اس دار العلوم کے شیخ الحدیث ہوئے۔

آپ کا طریقۂ درس یہ تھا کہ طلبہ سے فرماتے کہ وہ اپنا سبق خود پڑھ کر آئیں جب وہ حاضر ہوتے تو ان سے متعلقہ سبق پر سیر حاصل بحث و گفتگو کرتے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر تحقیقی نظر ڈالتے درس فقہ میں اختلاف ائمہ پر زیادہ زور نہ دیتے بلکہ اتفاقی پہلوؤں پر توجہ مرکوز رکھتے درس تفسیر ہو یا درس قرآن، فقہ ہو یا اصول، ہر علم و فن کے درس میں تحقیق کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے جس سے طلبہ میں تحصیل و تحقیق کا صالح رجحان پیدا ہوتا اور وہ علم و فن میں درک حاصل کر لیتے۔

شاہ صاحب نے اپنے مدرسہ کے لیے ہر علم و فن کے ماہر اساتذہ تیار کر لیے تھے جو طلبہ کو ان کی منشاء کے مطابق فنون کا درس دیتے خود چاشت سے لے کر ظہر تک مسند درس پر فائز رہ کر کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے حقائق و غوامض کا درس دیا کرتے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے چند اہم تلامذہ یہ ہیں۔ چاروں صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی، شیخ محمد عاشق دہلوی، شیخ محمد امین کشمیری، سید مرتضیٰ بلگرامی، شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری، شیخ ابو سعید بریاوی، شیخ رفیع الدین مراد آبادی، شیخ محمد بن ابی الفتح بلگرامی، شیخ محمد معین سندھی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔

معمولات :۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کے بعض خصائص اور معمولات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''میں نے اپنے والد ماجد کا جیسا قوی الحافظہ نہیں دیکھا، سننے سے تو انکار نہیں کر سکتا لیکن مشاہدہ میں نہیں آیا۔ علوم و کمالات کے سوا ضبط اوقات میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دو پہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجاتے نہ تھوکتے ہر فن میں ایک ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرما دیتے اور خود بیان حقائق و معارف اور ان کی تدوین و تحریر میں مصروف رہتے۔ حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے جس چیز کا کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے بیمار بہت کم ہوتے تھے جد بزرگوار اور عم محترم (جو طبیب تھے) لوگوں کا علاج کرتے تھے والد صاحب نے اس شغل کو موقوف کیا البتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے طبیعت میں بچپن سے نظافت و لطافت تھی اشعار صوفیانہ کم پڑھتے کبھی کبھی ضرور کوئی شعر پڑھتے۔ (ملفوظات ص ۱۱)

تصانیف :۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بلند پایہ مصنف اور صاحب طرز قلمکار تھے آپ کے قلم سے تقریباً

شب دیکھا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:

”چوں والد ماجد بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسن را بخواب دید کہ چادر بر سر انداختند و قلم عنایت کردند وفرمود ایں قلم جد من است بعد ازاں فرمود باش کہ امام حسین ہم بیاید چوں آمدند قلم را تراشیدہ بدست والد ماجد دادند دراں وقت نسبت وعلم تقریر دگرگوں شد چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند۔

جب والد مکہ معظمہ پہونچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا حضرت نے شاہ صاحب کے سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا قلم ہے اس کے بعد فرمایا ٹھہریئے امام حسین بھی تشریف لا رہے ہیں جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا اسی وقت سے نسبت باطن علم اور تقریر کا رنگ اتنا بدل گیا جن لوگوں نے شاہ صاحب سے پہلے استفاضہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔
(ملفوظات ص ۸۲، ۸۳)

حضرت شاہ صاحب کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست یہ ہے:

(۱) تفسیر فتح الرحمٰن (۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (۳) فتح الخبیر (۴) تاویل الاحادیث (۵) مقدمہ درفن ترجمۂ قرآن (۶) المصفی شرح مؤطا جلد اول (۷) المسوی شرح عربی مؤطا (۸) المصفی فارسی (۹) (الاربعین) چہل حدیث (۱۰) الدر الثمین (۱۱) النوادر (۱۲) الارشاد الی مہمات الاسناد (۱۳) تراجم ابواب بخاری (۱۴) شرح تراجم بعض ابواب بخاری (۱۵) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (۱۶) اتحاف النبیہ (۱۷) حجۃ اللہ البالغہ (۱۸) البدور البازغہ (۱۹) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (۲۰) عقد الجید (۲۱) قرۃ العینین (۲۲) حسن العقیدہ (۲۳) وصیت نامہ (۲۴) تفہیمات الٰہیہ (ناقص) (۲۵) تفہیمات الٰہیہ (کامل) (۲۶) الخیر الکثیر (۲۷) فیوض الحرمین (۲۸) القول الجمیل (۲۹) القول الجلی (۳۰) ہمعات (۳۱) لمحات (۳۲) سطعات (۳۳) الطاف القدس (۳۴) ہوامع (۳۵) کشف الغین فی شرح رباعیتین (۳۶) سرور المحزون (۳۷) ازالۃ الخفاء (۳۸) انفاس العارفین (۳۹) السر المکتوم (۴۰) سیاسی مکتوبات (۴۱) مکتوبات المعارف (۴۲) مکتوبات مع مناقب امام بخاری (۴۳) قصیدہ اطیب النغم (۴۴) قصیدہ ہمزیہ (۴۵) صرف میر منظوم (۴۷) رسالہ دانش مندی۔

آپ کی غیر مطبوعہ تصانیف یہ ہیں:

(۱) المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ (۲) ادعاء الاعتصام (۳) الحجۃ فی سلسلۃ الصحیۃ (۴) مجموعہ مکاتیب (۵) الفضل المبین فی المسلسل من الحدیث النبی الامین (۶) حاشیہ رسالہ لبس احمر (۷) اسرار فقہ (۸) منصور (۹) فتح الودود فی معرفۃ الجنود (۱۰) شفاء القلوب (۱۱) عوارف (۱۲) واردات (۱۳) نہایات الاصول (۱۴) الانوار المحمدیہ (۱۵) فتح السلام (۱۶) رسالہ ذکر روافض در رد ”گوہر مراد“ (۱۷) کشف الانوار۔

شاہ صاحب کی تصانیف کے موضوعات متنوع اور گوناگوں ہیں جن سے آپ کی مختلف علوم وفنون پر کامل دستگاہ اور ان کے اسرار ورموز تک رسائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

علم حدیث آپ کا خاص موضوع تھا چنانچہ اس سلسلہ کی تصانیف اس فن میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

المسوّیٰ من احادیث المؤطا:۔

یہ مؤطا امام مالک کی عربی میں عجیب وغریب شرح ہے۔ شاہ صاحب نے اسے فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے اور اس سے امام مالک کے وہ اقوال حذف کردیئے ہیں جن میں امام مالک دوسرے مجتہدین سے متفرد ہیں اور ان ابواب سے متعلق آیات کا اضافہ کردیا ہے اور ان پر مفید تعلیقات بڑھادی ہیں۔

المصفی فی شرح مؤطا:۔

یہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے اگرچہ مختصر ہے مگر انتہائی جامع شرح ہے اس میں آپ نے مجتہدانہ کلام فرمایا ہے اس شرح کو دیکھ کر بآسانی پتہ چل جاتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں استخراج واستنباط مسائل کی کس قدر قدرت تھی۔ پہلے وہ حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں حسب ضرورت مفہوم بیان کرتے ہیں نیز اس کے متعلق مذاہب اربعہ بالخصوص حنفی اور شافعی مکاتب کا نقطۂ نظر بھی واضح کرتے ہیں۔

الاربعین:۔

شاہ صاحب نے اس میں چالیس احادیث جمع کی ہیں جن کے الفاظ مختصر مگر مفاہیم کثیر ہیں اور جن کو انہوں نے اپنے شیخ ابو طاہر سے متصل سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا

تراجم ابواب بخاری:۔

عربی زبان میں اہم رسالہ ہے صحیح بخاری کے تراجم اور عنوانات واحادیث کے مطابق لطائف واسرار پر مشتمل ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ:۔

اسرار شریعت پر شاہ صاحب کی یہ بے مثال کتاب ہے جس کے اندر نظام دین وشریعت کا ایک ایسا جامع اور مدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے جس میں ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع وتمدن سیاسیات واحسان کو بڑے ربط وتسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

شرائع اسلامی کے اسرار ورموز نہایت متوازن انداز اور عقل ونقل کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں کہ عصری علوم کے حامل اور قدیم علوم کے ماہرین سب برابر مستفید ہوتے ہیں۔

بارہویں صدی ہجری میں سلطنت عثمانیہ اور سلطنت مغلیہ ہند کے انحطاط وزوال کا زمانہ تھا۔ فسطائی طاقتیں شمع اسلام گل کرنے اور بولہبی شرارے دین حق کے نشیمن کو خاکستر کرنے کی جدوجہد میں تھے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ ہو چکی تھی اور مغرب کا مادی انقلاب مسلمانوں کی روحانی قوت کو دبانے کی سعی مسلسل کر رہا تھا۔ اس دور میں اسلام اور مسلمانوں پر اعدائے اسلام کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ مسلمانوں کو اقتدار سے دور رکھنے کی ایک طرف کوشش ہو رہی تھی تو دوسری جانب اسلام کے اخلاقی نظام، عقائد وعبادات پر پرزور حملے کیے جا رہے تھے اور انہیں خلاف فطرت وعقل قرار دے کر مسلمانوں کی راسخ العقیدگی کو مجروح کرنے اور ریب وشک کے سرابستان میں بھٹکنے کا سامان فراہم کیا جا رہا تھا۔ شاہ صاحب نے ایسے نازک ماحول میں "حجۃ اللہ البالغہ" تحریر فرما کر مغرب کی لادینی فکر اور اسلام دشمن تحریک کو شکست دینے کی سعی بلیغ فرمائی۔ دیباچۂ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان عمدة العلوم اليقينية وراسها ومبنى الفنون الدينية واساسها هو علم الحديث الذى يذكر فيه ما صدر من افضل المرسلين صلى الله عليه وسلم واصحابه اجمعين من قول او فعل او تقرير فهى مصابيح الدجىٰ ومعالم الهدىٰ وبمنزلة البدر المنير من انقاد لها ووعىٰ فقد رشد واهتدىٰ واوتى الخير الكثير ومن اعرض وتولى وهوىٰ ومازاد نفسه الا التخسير ....هذا وان ادق الفنون الحديثية باسرها عندى واعمقها محتدىً وارفعها مناراً واولى العلوم الشرعية عن آخرها فيما ارىٰ

واعلاها منزلة واعظمها مقداراً هواسرار الدين الباحث عن حكم الاحكام ولمياتها واسرار خواص الاعمال ونكاتها فهو والله احق العلوم بان يصرف فيه من الطاقة نفائس الاوقات ويتخذه عدة لمعاده بعد ما فرض عليه من الطاعات اذبه يصير الانسان على بصيرة فيما جاء به الشرع وتكون نسبته بتلك الاخبار كنسبة صاحب العروض بدواوين الاشعار او صاحب المنطق ببراهين الحكماء او صاحب النحو بكلام العرب العرباء او صاحب اصول الفقه بتفاريع الفقهاء وبه يا من من ان يكون كحاطب ليل او كغائص سيل او يخبط خبط عشواء او يركب متن عمياء كمثل رجل سمع الطبيب يامر باكل التفاح فقاس الحنظلة عليه لمشاكلة الأشباح "

علوم یقینیہ میں سے بنیادی اور قابل اعتماد علم اور تمام دینی فنون کی اساس اور منبع علم حدیث ہے جس میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ (فعل، قول، تقریر) تاریکی میں روشن چراغ، ہدایت کے نشانات اور بمنزلہ بدر کامل کے ہیں جس نے ان احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا اور انہیں محفوظ کر لیا۔ رشد وہدایت ملی اور خوب خوب بھلائی عطا ہوئی اور جس نے اعراض وروگردانی کی وہ ضلالت وہلاکت میں پڑا اور خسارے کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہوا............ یہ تو ہوا مگر میرے نزدیک تمام علوم حدیث میں سب کی اصل اور سب سے دقیق وعمیق تر، تمام علوم شرعیہ میں برتر درجہ رکھنے والا اور بلند وعظیم ترین مرتبہ کا علم اسرار دین کا علم ہے جو احکام شرعیہ کے اسرار وعلل اور خواص اعمال کے رموز ونکات بیان کرتا ہے خدا کی قسم تمام علوم سے بڑھ کر یہ توجہ کا مستحق ہے یہی اس قابل ہے کہ اس میں قیمتی اوقات کو خرچ کرے اور اسے زاد آخرت بنائے اسی سے انسان کو حقائق شریعت کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اور احادیث واخبار سے ایسا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ صاحب عروض کا اشعار کے دواوین سے تعلق ہوتا ہے۔ یا منطقی کو دلائل حکم سے تعلق ہوتا ہے یا نحوی کو فصحائے عرب کے کلام سے یا اصول فقہ کے ماہر کو فقہاء کی تفریعات سے تعلق ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ انسان حاطب لیل (رات کو لکڑیاں چننے والا) یا غائص سیل (سیلاب میں غوطہ زن جس کو کچھ بھائی نہیں دیتا) کی طرح ہونے سے بچ جاتا ہے۔ یہ بغیر بصیرت کے چلنے سے بچ جاتا ہے اور اندھے گھوڑے کی سواری نہیں کرتا اس متحیر آدمی کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک آدمی طبیب سے سنے کہ وہ سیب کھانے کا حکم دے رہا ہے تو وہ اندرائن کو ہم شکل ہونے کی وجہ سے اس پر قیاس کر لے۔ (اور کھا جائے) (دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ ج اول)

حجۃ اللہ البالغہ اسرار شریعت پر عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں تصنیف کی گئی اور دین کے احکام و مسائل کے رموز و نکات دل نشین انداز میں پیش کیے گئے۔ علماء متقدمین میں اس موضوع پر کوئی مبسوط کتاب نہیں لکھی شاہ صاحب نے اس موضوع کے اصول قائم کیے فروعات بتائیں اور مقدمات و مبادی کی تمہید کے بعد نتائج کی تخریج کی۔ اگرچہ یہ کتاب اسرار شریعت کے موضوع پر ہے مگر شاہ صاحب نے اس میں حدیث فقہ، اخلاق، تصوف اور فلسفہ پانچوں مضامین کا مذاق جمع کردیا ہے۔ اسلام کے ہر حکم کی ایسی مستحکم علت بیان کی ہے کہ فلسفۂ قدیم ہو یا فلسفۂ جدید کوئی اسے رد نہیں کرسکتا۔ یہ کتاب اگرچہ حدیث کے موضوع پر نہیں لیکن حدیث کے جن نکات پر شاہ صاحب نے روشنی ڈالی ہے وہ ایک مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے محدث کی فکر کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔ ابو طیب کتاب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"ای کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث دراں بسیار کردہ و حکم و اسرار آں بیان نمودہ تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ و مثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجرت ہیچ یکے از علمائے عرب و عجم تصنیفے موجود نیامدہ و منجملہ تصانیف مولفش مرضی بودہ است و فی الواقع بیش ازاں است" یعنی حجۃ اللہ البالغہ اگرچہ علم حدیث میں نہیں ہے لیکن اس میں بہت سی حدیثوں کی شرح اور ان کے اسرار و احکام بیان کیے گئے ہیں حتی کہ اپنے فن میں بے نظیر ثابت ہوئی کسی اور کتاب کو اس پر سبقت نہیں ہوئی۔ زمانہ ہجرت سے لے کر اس وقت کہ بارہ سو سال ہو چکے ہیں۔ علماء عرب و عجم میں کسی کی ایسی لاثانی تصنیف موجود نہیں۔ غرض یہ کتاب مولف کی تصانیف میں عمدہ اور بہترین تصنیف ہے اور حقیقت میں اس سے بہت کچھ زیادہ ہے"۔ (حیات ولی)

اصلاحی سرگرمیاں:۔

شاہ صاحب کا زمانہ سلطنت مغلیہ کے انحطاط و زوال کا پر آشوب دور تھا۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب کی باعظمت سلطنتیں تکوین پارینہ بن چکی تھیں۔ مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی زبوں حالی کا اثر پوری مسلم سوسائٹی کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔ اقتدار کی محرومی اور معاش کی تنگی نے خواص و عوام کے قوائے عمل اور بازوئے ہمت کو مضمحل کردیا تھا لوگ عیش و عشرت کے دامن میں شکست خوردگی اور زخم کا مداوا ڈھونڈ رہے تھے۔ بادشاہ، وزراء اور امراء نا ؤ نوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ لوگوں کے اعتقاد و اعمال میں فساد پیدا ہو رہا تھا۔ بددیانتی، بدکاری عام ہو رہی تھی۔ شاہ صاحب نے حالات کے گرد و پیش

لیا۔ زوال وانحطاط کے ایک ایک سبب پر غور کیا۔ امراء وسلاطین اور عوام کی زندگیوں کا جائزہ لیا ان کی صلاحیتوں کو پرکھا اور پھر اصلاحی سرگرمیوں کے میدان میں اترے اور مسلم سوسائٹی کے اصلاح طلب تمام گوشوں کی اصلاح کا اقدام کیا۔ چوں کہ مسلم سوسائٹی کی اکثر برائیاں بادشاہوں اور امیروں کی بے اعتدالیوں کا ثمرہ تھیں انہوں نے اپنے منصبی فرائض فراموش کر دیئے تھے۔ رعایا کے حقوق کو پامال کر چکے تھے ان کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بادشاہوں کو ہدایت دیتے ہیں۔ ”تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی مرضی یہ ہے کہ تم اے بادشاہو! ہر علاقہ اور تین دن یا چار دن کی مسافت پر ایک صاحب عدل امیر کو مقرر کرو جو ظالم سے مظلوم کا حق لے سکتا ہو اور شرعی حدود قائم کرسکتا ہو اور اس کی کوشش کرے کہ ان کی طرف سے پھر سرکشی اور فساد پیدا نہ ہو اور ارتداد اور کبیرہ کا ارتکاب نہ کرسکیں۔ اسلام بالکل فاش اور اعلانیہ ہو جائے۔ اس کے شعائر بالکل کھلم کھلا ظاہر ہوں اور اپنے منصبی فرائض کو ہر شخص اختیار کرلے“۔
(تفہیمات ص ۲۱۶)

”اے امیرو! دیکھو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جارہے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تا کہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں۔ تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم وگداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ کسی اور طرف منعطف نہیں ہوتی“۔

عوام کو مفت خوری سے بچنے اور حلال کمائی کرنے نیز اسراف سے بچنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ”اپنے مصارف، وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کی حد تک پہونچ جائیں گے اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہو جائیں دوسروں کے سینوں کا بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو۔

اے آدم کے بیٹا! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے سیراب ہو اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کے رہن سہن کی جدو جہد میں مدد دے سکتی ہو تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے چاہیے کہ اس پر خدا کا شکر کرے .... بہر حال کوئی نہ کوئی راہ کمائی کی آدمی ضرور

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اے آدم کے بیٹو! اور بیٹیو! تم دینی اور اخلاقی اصولوں اور اچھائیوں کو بھول چکے ہو تمہیں اپنے اسلاف اور اکابر کے کارنامے اور اچھی اچھی باتیں بھی یاد نہیں، حرام جس سے تمہیں روکا گیا ہے تمہیں اچھا لگتا ہے اور حلال جس کی تمہیں اجازت ہے برا لگتا ہے جس کام کے کرنے سے تم کو منع کیا گیا ہے وہ کام تم ضرور کرتے ہو اور جس کام کے کرنے کی تمہیں اللہ اور رسول نے ہدایت کی ہے اس سے تم آنکھیں چراتے ہو۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم برائی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کا سیدھا راستہ اختیار کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو کر تم پر اپنی رحمتیں اور نعمتیں نازل فرمائے"۔

شاہ صاحب عقائد و اعمال کی درستی اور صراط مستقیم کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں:

"اول وصیت ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل، پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن........ و در عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و آں را تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردند اعراض نمودن و بہ تشکیکات خام معقولیان التفات نہ کردن" اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کو مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے عقائد میں متقدمین اہل سنت کے مذہب کو اختیار کیا جائے اور (صفات و آیات متشابہات) کے سلسلہ میں سلف نے جہاں تفصیل و تفتیش سے کام نہیں لیا ان سے اعراض کیا جائے اور معقولیان خام کی تشکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے"۔ (المرأۃ الوضیحہ فی الصیحہ والوصیۃ)

وفات:۔

اس پیکر علم و دانش، مصلح امت کا وصال ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء بروز شنبہ بوقت ظہر دہلی میں ہوا۔ دہلی دروازہ کے قریب مہدیان میں سپرد خاک کیے گئے۔

شاہ ولی اللہ کا دبستان

ہندوستان کی علمی تاریخ میں شاہ ولی اللہ کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں میں سب سے نمایاں اور اہم کام حدیث نبوی کی تدریس، کتب حدیث کی شرح و ترجمہ اور علوم حدیث سے متعلق گرانقدر مصنفات ہیں۔ یہ اہم کام ان کی زندگی ہی تک محدود نہ رہا بلکہ ان کے اولاد و احفاد اور تلامذہ نے صدیوں تک علم حدیث کے درس و تدریس اور اس سے متعلق کتابوں کی تصنیف کو اپنی زندگی کا مقصود بنا لیا اور شاہ صاحب کے مقصد اشاعت حدیث کی زریں کڑی بن گئے۔ شاہ صاحب

حدیث کو دین کا ستون شریعت کا مصدر اور اخلاق حسنہ کا منبع خیال کرتے تھے، اس فکر کو عام کرنے کی کوشش میں زندگی صرف کی۔

"علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و تاج اور فنون دینیہ کی اصل و اساس علم حدیث ہے جس میں افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا کسی بات پر آپ کے سکوت و رضا مندی کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ، رشد و ہدایت کا سنگ میل اور بدر کامل کا حکم رکھتی ہیں۔ جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے اور جو بد بخت اس سے اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے"۔

(دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ ج اول)

تفہیمات میں رقم طراز ہیں:

"میں ان طالب علموں سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے بندو! تم یونانیوں کے علوم کے طلسم اور صرف و نحو و معانی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، تم نے سمجھ لیا کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی آیت محکم ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ"۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک علماء کا اولین مقصد علم کے فیضان کو عام کرنا تھا چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"علم کے سیکھنے کا بہترین مقصد یہ ہے کہ علم جسے تم نے سیکھا ہے اسے عام کرو اور دوسرے مسلمانوں تک پہونچاؤ۔ ان کی بستیوں میں پھیلاؤ تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان دین کی تعلیمات اور اس کے فرائض کو سمجھ سکیں"۔ (تفہیمات ص ۲۱۴)

مدرسہ رحیمیہ دہلی سے فارغ ہونے والوں نے عملی زندگی میں اسی جذبۂ خیر کے ساتھ قدم رکھا اور وہ جہاں رہے علم حدیث کی ترویج و اشاعت ان کا مطمح نظر رہا۔

(۹۴) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ

۱۱۵۹ھ ۱۲۳۹ھ

آپ شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند اور جانشین اکبر ہیں ۲۵؍ رمضان ۱۱۵۹ھ بروز پنجشنبہ

دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ ولی اللہ کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ امین اور عاشق پھلتی سے حاصل کی اس کے بعد والد گرامی شاہ ولی اللہ کے مدرسہ رحیمیہ میں داخل ہو گئے آپ نے والد صاحب سے قرأت و سماعت کے ذریعہ پوری تحقیق و درایت سے علم حاصل کیا جس سے آپ کو اسلامی علوم و فنون میں ملکۂ راسخہ حاصل ہو گیا۔ جب آپ سولہ سال کے تھے تو آپ کے والد ماجد نے انتقال کیا۔ اس کے بعد آپ نے شیخ نور اللہ، شیخ محمد امین کشمیری اور عاشق پھلتی جو آپ کے والد ماجد کے تربیت یافتہ اور محرم راز تھے ان حضرات سے علوم و کمالات میں استفادہ اور ان کی تکمیل کی۔ آپ نے کتب حدیث میں پورے موطاء مع مسوی اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے والد سے پڑھیں حصن حصین اور شمائل ترمذی کی آپ کے درس میں سماعت کی۔

مسند درس و ارشاد:۔

شاہ ولی اللہ کی رحلت کے چند سال بعد شاہ عبدالعزیز نے تعلیم سے فراغت حاصل کی اور مدرسہ رحیمیہ میں مسند درس و طریقۂ ولی اللہی کے سجادۂ ارشاد پر رونق افروز ہوئے اور ساٹھ سال تک عظیم تعلیمی اور روحانی بساط کو آراستہ کرتے رہے۔ درس گاہ میں طلبہ کو باضابطہ درس دیتے دوسرے اوقات میں بھی لوگوں کے علمی و دینی مسائل حل کرتے۔ روزانہ طلوع آفتاب کے بعد آپ کے نواسے شاہ محمد اسحٰق ایک رکوع قرآن حکیم کی تلاوت کرتے جس کی آپ تفسیر بیان کرتے درس قرآن کا یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ نے شروع کیا تھا چنانچہ آپ کا آخری درس " اعدلوا ھو اقرب للتقوی" تک ہوا تھا جہاں سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنا درس شروع کیا۔ اور آپ کا آخری درس "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تک ہوا تھا۔ وہاں سے آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق صاحب نے اپنا درس شروع کیا۔

آپ کی علمی و دینی شخصیت مرجع خلائق تھی لوگ علمی استفادہ کے لیے حاضر ہوتے۔ شاعر و ادیب اصلاح شعر و سخن کے لیے حاضر ہوتے اور ضرورت مند لوگ سفارش کرانے کے لیے آتے۔ مریض علاج و دوا اور دعا کے لیے حاضر آتے۔ سالکان طریقت آپ سے رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے باریاب ہوتے۔

شاہ عبدالعزیز فضل و کمال اور شہرت و مقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ و منتسبین سے بھی ادنی نسبت پر فخر کرتے تھے آپ بڑے حاضر دماغ اور حاضر جواب تھے بحث میں مخالفین پر غالب آتے اپنی سحر بیانی اور قوت استدلال

سے مخاطب کو لاجواب کر دیتے۔ آپ فراست میں بے مثال، بے نظیر معبر خواب، تحریر و تقریر میں فرد فرید تھے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کی ذات میں گوناگوں فضائل و کمالات جمع کر دیئے تھے۔

شاہ عبدالعزیز لوگوں کو کسی خاص سلسلہ میں بیعت نہ کرتے بلکہ قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ میں بیعت کیا کرتے۔ آپ نے علماء و صلحاء کی جو عظیم جماعت پیدا کی وہ حد وحساب سے باہر ہے ذیل میں ہم ان کے ممتاز تلامذہ کے نام درج کریں گے جو علمی وروحانی لحاظ سے آپ کے سچے جانشین اور بجائے خود دبستان علم وفضل تھے جنہوں نے شاہ ولی اللہ کے کتب حدیث کی ترویج واشاعت میں اپنی عمریں صرف کر دیں اور باکمال علماء ومحدثین کی جماعت پیدا کی۔

درس حدیث اور اس کی اشاعت وترویج میں شاہ عبدالعزیز کے کارناموں کی نظیر ہندوستان میں مشکل ہی سے نظر آئے گی۔ آپ نے ساٹھ سال تک صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کا درس دیا اور طلبہ میں فہم حدیث کا صحیح ذوق، طبقات رجال کی معرفت اور صحیح وغریب، قوی وضعیف حدیثوں کی پرکھ کا شعور پیدا کیا اور ایسے کامل محدث پیدا کیے جنہوں نے صرف ہندوستان کے طول وعرض ہی میں نہیں بلکہ بیرون ہند بھی اپنا حلقۂ درس قائم کیا اور اپنی اپنی جگہ ایک دبستان علم کی بناء ڈالی اور بیشمار کاملین فن علماء پیدا کیے۔ شاہ عبدالعزیز کے مقتدر تلامذہ کو دیکھ کر بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ”تیرہویں صدی حضرت شاہ عبدالعزیز کی تعلیم اور ارشاد وتربیت افراد کی صدی تھی“

مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی، مولانا شاہ یعقوب دہلوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا سید اولاد حسن قنوجی، مرزا حسن علی شافعی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا حیدر علی ٹونکی، مفتی صدرالدین دہلوی، مفتی علی اکبر مچھلی شہری، مولانا سید قطب الہدیٰ رائے بریلوی، مولانا حیدر علی فیض آبادی، شاہ مخصوص اللہ دہلوی، شاہ محمد موسیٰ دہلوی، مولانا امام الدین دہلوی، مولانا رشید الدین دہلوی۔

تصانیف:۔

شاہ عبدالعزیز نے اپنے گرانقدر علمی افکار اور حاصل مطالعہ کو صفحات قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھیرا جن کی تابانیوں سے دل ودماغ منور ہو جاتے ہیں، اسلوب بیان اور طرز استدلال میں ایسی جاذبیت اور قوت ہے جو قاری کے قلب ونظر کو اپنی طرف مرکوز کر لیتی ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں:

تفسیر فتح العزیز، تحفۂ اثنا عشریہ، سر الشہادتین، بستان المحدثین، عجالۂ نافعہ، حاشیہ القول الجمیل، [illegible]، [illegible]، [illegible] تفضیل، وسیلۃ النجات، عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، فیض عام،

اصول مذہب حنفی، حاشیہ صدرا، حاشیہ میر زاہد رسالہ، حاشیہ میر زاہد ملا جلال، حاشیہ میر زاہد امور عامہ، تحقیق الرویا، میزان البلاغہ، میزان العقائد، ماتجب حفظہ للناظر، الاحادیث الموضوعہ، حاشیہ علی مقدمۃ السنیہ، السر اس شرح العقائد للنسفی، اعجاز البلاغۃ، نظام العقائد شرح ارجوزۃ الاصمعی، قران السعدین، ایضاح الصیرین در ذکر شہادت امام حسین، فتاوی عزیزی، ملفوظات عزیزی۔

تحفۂ اثنا عشریہ:۔

اس کتاب کو شاہ عبد العزیز نے ۱۲۰۴ھ میں مکمل کیا جو رد روافض میں بے نظیر ہے جس نے رافضیت کے ایوان میں زلزلہ برپا کر دیا، مغلوں کے آخری عہد میں رافضیت پورے طور پر برگ و بار لانے لگی تھی اہل سنت کے لیے اپنے عقائد کا تحفظ دشوار ہو رہا تھا شاہ صاحب نے سنیت کی بقا کے لیے اور رفض کے سیلاب کو روکنے کی غرض سے یہ مدلل اور مبسوط کتاب تحریر فرمائی جو احقاق حق اور ابطال باطل میں سد سکندری کی طرح مضبوط ہے اور آج تک اثنا عشری علماء اس کتاب کا معقول جواب نہ لا سکے۔

بستان المحدثین:۔

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے کتب حدیث کا تعارف اور ان کے مصنفین کے مختصر حالات درج کیے گئے ہیں جس کا آغاز مؤطا امام مالک سے کیا گیا ہے اور امام بغوی کی مصابیح پر اختتام ہوا ہے کتاب مختصر ہے مگر طالبین حدیث کے لیے معلومات کا خزانہ ہے۔

اصول حدیث اور داخلی نقد حدیث اور دوسرے اہم حدیثی مسائل پر آپ کا ایک مفید رسالہ عجالۂ نافعہ ہے۔

تفسیر فتح العزیز:۔

یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے جسے شاہ صاحب نے املاء کرایا یہ پورے قرآن کی تفسیر تھی مگر دستبرد زمانہ سے اس کے اکثر حصے ناپید ہو گئے۔ اس تفسیر میں بہت سے ایسے نکات قرآنیہ اور تفسیری غوامض ہیں جو دوسری اہم تفسیروں میں نہیں ملتے۔

تجدید و اصلاح:۔

تیرہویں صدی ہجری کے پر آشوب دور میں دین و سنت کی دیواریں منہدم ہو رہی تھیں

طرح طرح کے اعتقادی اور عملی فتنے جنم لے رہے تھے ایسے نازک دور میں حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اپنے درس وتدریس، مواعظ اور فتووں کے ذریعے دین حق کی جو نصرت فرمائی اور بڑھتے ہوئے فتنوں کو جس استقلال اور جوانمردی کے ساتھ روکا لوگوں کی اصلاح ایمان وعمل میں جو سرگرمیاں دکھائیں یقیناً وہ آپ کے اہم تجدیدی کارنامے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہند اور بیرون ہند کے علماء کا رجوع عام آپ کی طرف ہوا۔ مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب ۱۱۵۹ھ تا ۱۲۳۹ھ میں اس لیے کہ مجدد کی صفات ان میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ بارہویں صدی کے آخر میں صاحب علم وفضل وزہد وتقویٰ مشہور دیار واطراف تھے۔ اور تیرہویں صدی کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت درس وتدریس افتاء وتصنیف وعظ وپند، حمایت دین ونکات مفسدین میں صرف اوقات فرماتے رہے۔ (مجدد اعظم ص ۴۲)

ہندوستان میں رافضیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے حضرت شاہ صاحب نے تحفۂ اثناعشریہ تصنیف فرما کر اہم تجدیدی کام سرانجام دیا جس کے ذریعے اہل سنت کے عقائد کی حقانیت ثابت کی گئی اور رافضیت کے باطل عقائد کی تردید کی گئی۔

ملا رشیدی مدنی نے آپ کو قسطنطنیہ سے ایک خط لکھا تھا جس سے آپ کی قبولیت عام کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا اثر بلاد اسلامیہ میں ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علماء اس پر اپنی مہر کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ میں آپ کی مہر تلاش کرتا ہے اور وہ فتویٰ جس پر آپ کی مہر ثبت نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم لوگوں کے لیے بڑے فخر کی بات اور سلطان ترکی بھی آپ کی بڑی عزت کریں گے۔ (مجدد اعظم ص ۴۲)

وفات:۔

۸۰؍ سال کی عمر پاکر اس پیکر علم ودانش، مرجع انام علمی شخصیت نے ۷؍ شوال ۱۲۳۹ھ بروز یکشنبہ دہلی میں دار فانی کو الوداع کہا اور دہلی کے آبائی قبرستان مہدیان میں والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

جانشین شاہ عبدالعزیز:۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بعد ان کی مسند حدیث پر شاہ محمد اسحاق دہلوی ۱۱۹۷ھ/۱۲۶۲ھ

جلوہ افروز ہوئے جو آپ کے نواسے اور چہیتے شاگرد تھے۔ جنہوں نے مولوی عبدالحی بڈھانوی، شاہ عبدالقادر سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور مسلسلات کی سند شیخ عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول سے حاصل کی۔

مسند درس:۔

۱۲۱۹ھ/ سن ۱۸۰۲ء میں شاہ اسحاق نے تحصیل علوم سے فراغت پائی تو انہیں مدرسہ رحیمیہ میں مسند تدریس پر بیٹھا دیا گیا۔ وہ بڑی قابلیت اور اخلاص کے ساتھ شائقین علم کی تعلیم میں ہمہ تن معروف ہو گئے۔ شاہ اسحٰق عنفوان شباب ہی میں تدریس سے وابستہ ہوئے۔ درسی معروفیات نے انہیں خاص معلمانہ مزاج عطا کر دیا وہ صبح کی نماز سے لے کر عشاء کی نماز تک بہت تھوڑا سا وقت آرام کے لیے نکالتے تھے اور اس وصف میں وہ اتنے ممتاز ہوئے کہ شاہ عبدالعزیز کی وفات ۱۸۲۳ء میں ان کی جگہ مدرسہ رحیمیہ کے صدر اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

سن ۱۸۲۴ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے حجاز تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے۔

اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدث شیخ عمر بن عبدالکریم سے سند حدیث بھی حاصل کی مراجعت کے بعد ۱۶/ سال تک درس و ارشاد و افتاء میں معروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے وہاں بھی طاعت و ریاضت کے علاوہ درس و ارشاد کا شغل جاری رہا شاہ اسحٰق نے دہلی ہو یا حجاز مقدس ہر جگہ تشنگان علوم نبوی کی پیاس بجھانا اور انہیں سنت رسول کی دولت سے بہرہ مند کرنا اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا یہی وجہ ہے کہ عرب و ہند کے لاتعداد علماء نے آپ سے کسب علم کیا۔ کچھ مخصوص تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

شاہ محمد یعقوب، کرامت علی، شیخ محمد انصاری، مولوی عبدالخالق، مولوی صبغۃ اللہ، مولوی یار علی، محمد ابراہیم، شاہ عبدالغنی، مولوی سید علی عظیم آبادی، نواب قطب الدین خاں دہلوی، مولوی عالم علی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، محمد حازمی (مکہ معظمہ) مولوی عبداللہ سندھی، مولوی گل کابلی، مولوی نور علی، حافظ محمد فاضل سورتی، قاری اکرام اللہ، سید نصیر الدین دہلوی، مولوی نوازش علی، رستم علی خاں دہلوی، مولوی احمد علی سہارنپوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولوی غلام محی الدین، مولوی بشیر الدین، مولوی نصیر الدین شافعی، مولوی سراج الدین سہوانی، مولوی احمد اللہ انامی،

مولوی سید ابو محمد جالیسری، خواجہ ضیاء الدین، عبداللہ صدیقی، ظہور احمد کالپوی۔

تصانیف:۔

شاہ محمد اسحٰق نے دبستان ولی اللہی کے اہم ارکان کی طرح درس وتدریس، بیعت وارشاد کے ساتھ ساتھ اپنے علمی جواہر پاروں سے صفحۂ قرطاس کو مزین کیا ہے۔ آپ کی گرانقدر کتابیں حسب ذیل ہیں۔

ترجمۂ مشکوٰۃ، شعب الایمان۔

(۹۵) شیخ المحدثین حضرت مولینا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۵۳ھ ۱۸۳۶ء ۸/ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء

اسم گرامی وصی احمد بن مولانا محمد طیب بن مولانا محمد قاسم بن مولانا محمد طاہر لقب شیخ المحدثین آپ کا نسبی تعلق حضرت علی مرتضیٰ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اس اعتبار سے آپ حنفی علوی ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ مولانا قاسم بن شیخ طاہر جو مدینہ منورہ کے باشندے تھے اہل وعیال کے ساتھ سولہویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں بعہد شاہجہاں بادشاہ ہندوستان وارد ہوئے اور سورت کی بندرگاہ سے راندیر پہونچے۔ مولانا قاسم کا خاندان دو حصوں میں منقسم ہو گیا ایک حصہ تو راندیر میں ہی مقیم رہا مگر دوسرے افراد خاندان نے شاہی فوج میں ملازمت اختیار کی اور عنایت خاں بن قاسم کی سرپرستی میں بنگال جا کر بود وباش اختیار کر لی۔

مولانا محمد قاسم نے راندیر میں تعلیم وارشاد کی بساط بچھائی اور تدریسی وتبلیغی خدمات انجام دینے لگے اور کسب معاش کے لئے بڑے پیمانے پر کپڑوں کی تجارت کر لی یہیں محدث سورتی ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:۔

محدث سورتی کا خاندان مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نسبی تعلق رکھتا تھا جد اعلیٰ کی علمی روایت پشتہا پشت سے اس خاندان میں چلی آرہی تھی آپ کے دادا مولانا محمد قاسم تبحر عالم اور اہل صفا بزرگ تھے والد مولانا محمد طیب بھی ماہر علوم وفنون تھے چنانچہ محدث سورتی کو شوق علم [illegible] حصول علم کی طرف توجہ کی ابتدائی

تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ابھی تعلیم کی تکمیل نہ ہو سکی تھی کہ ۱۸۵۷ء کا انقلاب رونما ہوا محدث صاحب کا خاندان انگریز دشمنی میں مشہور تھا اس لئے غدر کے ہنگامے میں آپ کی دوکان جلا کر خاک کر دی گئی اور مکانات پر انگریزی فوج نے قبضہ کر لیا۔ محدث سورتی ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبداللطیف اور والدین کئی دن روپوش رہنے کے بعد بذریعہ جہاز بغداد شریف چلے گئے۔ تین سال قیام کے بعد حجاز مقدس پہونچے حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے اور کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا جب ہندوستان کے حالات معمول پر آ گئے تو یہ خاندان پھر ہندوستان واپس آ گیا والد ماجد نے راستے ہی میں وصال کیا اور راندیر پہونچنے کے بعد والدۂ محترمہ نے وفات پائی۔

والدین کے وصال نے محدث سورتی کو راندیر سے دل برداشتہ کر دیا اور وہ اپنے برادر خورد کو ساتھ لے کر تحصیل علم کے لئے مدرسہ حسین بخش دہلی پہونچے پھر وہاں سے علی گڑھ گئے جہاں مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مفتی صاحب کے علمی فیوض سے مالا مال ہوئے اور ۱۸۶۸ء میں علوم عقلیہ اور فقہ و تفسیر کی تکمیل کر لی علی گڑھ میں انہوں نے مولانا محمد علی کانپوری مونگیری سے بھی درس لیا دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے مشورہ و ہدایت سے مشہور محدث مولانا احمد علی سہارنپوری کے حلقۂ درس میں جا کر شامل ہوئے آپ کے رفیق درس حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری بانی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور تھے۔ مولانا غلام مہر علی گولڑوی الیواقیت المہریہ بشرح الثورۃ الہندیہ میں مولانا سید دیدار علی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

ثم رحل سنة الهجرية اثنين و تسعين بعد الالف و المائتين لاخذ علم الحديث الى بلدة سهارنپور فاخذ الحديث عن استاذ الكل الشيخ الشهير فى الشرق والغرب المحدث على احمد السهارنپورى محشى البخارى الشريف فرغ عن جميع العلوم وشرف بالسند المبارک عن المحدث الممدوح سنة ثلثين وتسعين بعد الالف والمائتين من الهجرية و كان من شركائه فى اسباق كتب الحديث العارف الكبير والامام الجليل الغوث الامجد و مرشدنا الاعظم قبلتنا و مولانا السيد مهر على الشاه الگولڑوى رحمه الله تعالىٰ والمحدث الشهير الامام الاستاذ والعلامة المحدث وصى احمد السورتى ثم البيلى بهيتى

محشی شرح معانی الآثار۔ (الیواقیت المہریہ ص ۱۱۸)

پھر اس کے بعد انہوں (مولانا سید دیدار علی) نے ۱۲۹۲ھ میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے سہارنپور کا سفر کیا اور استاذ الکل شہرۂ آفاق محدث مولانا علی احمد سہارنپوری محشی بخاری شریف سے حدیث کا درس لیا اور تمام علوم سے فراغت حاصل کی اور ۱۲۹۳ھ میں محدث ممدوح سے سند حاصل کی۔ ان کے رفقائے حدیث میں عارف کبیر اور امام جلیل غوث امجد ہمارے قبلہ و آقا سید مہر علی شاہ گولڑوی (ان پر اللہ کی رحمت ہو) اور محدث شہیر استاذ امام محدث علامہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی محشی شرح معانی الآثار تھے۔

مولانا محمود احمد کی تصریح کے مطابق محدث سورتی، شیخ احمد علی سہارنپوری سے تحصیل علم کے لئے ۱۸۶۵ء میں سہارنپور گئے انگریزی مہینہ کی وضاحت نہ ہونے کے وجہ سے سن ہجری کی قطعی مطابقت مشکل ہے تاہم اتنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہجری سن ۱۲۸۱ھ یا ۱۲۸۲ھ ہوگا۔ جس کی روشنی میں اوپر کے اقتباس میں سنہ فراغت ۱۲۹۳ھ تسامح سے خالی نہیں۔

محدث سہارنپوری جو اپنے زمانہ میں علوم نبوی کے شائقین کا مرکز تھے حضرت محدث سورتی پر خاص لطف و عنایت فرمایا کرتے تھے جس کا سبب آپ کی ذہانت، قوت حفظ و ضبط، طلب علم کا ذوق و شوق تھا۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ محدث سورتی کے پیر و مرشد مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی م ۱۳۱۳ھ جن سے وہ علی گڑھ سے فراغت کے بعد مرید ہوئے اور مرشد کے حکم پر سہارنپور گئے۔ محدث سہارنپوری اور شیخ گنج مرادآبادی میں قدرے مشترک خانوادۂ ولی اللٰہی سے کسب علم حدیث کی تھی جس زمانہ میں مولانا احمد علی دہلی میں شاہ محمد اسحاق سے حدیث پڑھ رہے تھے اسی زمانہ میں مولانا فضل رحمٰن تلمیذ خاص شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی دہلی میں مقیم تھے اور شاہ اسحاق سے ان کے خوشگوار تعلقات تھے چنانچہ محدث سہارن پوری مولانا فضل رحمٰن سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے مریدوں سے بھی محبت و مودت کا سلوک کرتے۔

تدریس حدیث:۔

سہارنپور سے علوم حدیث کی تکمیل کے بعد محدث سورتی مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں پہونچے اور علم باطن کی تکمیل اور تزکیۂ نفس کی دولت حاصل کرنے لگے کچھ عرصہ بعد مرشد برحق نے اجازت و خلافت سے نوازا اور علم حدیث کی نشر و اشاعت کا حکم دیا۔

مرشد کی بارگاہ سے رخصت ہو کر آپ کانپور آئے اور مولانا احمد حسن کانپوری کے پاس قیام کیا مولانا نے اپنی چھوٹی سالی سے آپ کا عقد کرادیا اور مدرسہ فیض عام میں محدث مقرر کیا آپ نے چند سال اس ادارہ میں درس حدیث دیا۔

مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت:۔

محدث سورتی کی سسرال پیلی بھیت میں تھی اس تقریب سے اکثر وہاں جانا ہوتا اس زمانہ میں پیلی بھیت میں شیخ گنج مرادآبادی کا ایک وسیع حلقۂ ارادت قائم ہو چکا تھا اور وہاں کے علماء و روسا کی خواہش تھی کہ محدث سورتی کے فیض کا دریا اسی سرزمین سے جاری ہو چنانچہ حکیم خلیل الرحمٰن خاں کی درخواست پر شیخ گنج مرادآبادی نے محدث سورتی کو پیلی بھیت جا کر درس حدیث کا حکم دیا اور حکیم خلیل الرحمٰن نے نواب حافظ رحمت خاں کی تعمیر کردہ مسجد میں مدرسہ حافظیہ قائم کیا جس میں محدث سورتی نے درس حدیث کا آغاز کیا جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو مسجد کے سامنے ایک آراضی خرید کر محدث سورتی نے مدرسۃ الحدیث تعمیر کرایا جس کا سنگ بنیاد ۱۳۰۱ھ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے رکھا۔

اپنی وفات ۱۳۳۴ھ تک محدث سورتی پورے استقلال اور اخلاص کے ساتھ اس مدرسہ میں درس حدیث دیتے رہے آپ کی محدثانہ بصیرت اور تدریس حدیث کی شہرت ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور دور دراز سے علم حدیث کے پیاسے اس چشمۂ شیریں کے گرد جمع ہونے لگے اور آپ کے علمی فیوض سے مالا مال ہو کر دین وسنت کی خدمت انجام دینے لگے۔

محدث سورتی علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور فقہ و تفسیر، منطق و فلسفہ کی امہات کتب کا درس دیتے تھے لیکن ان کا خاص موضوع ''فن حدیث'' تھا انہوں نے کامل چالیس سال درس حدیث میں گذارے بے شمار احادیث مع اسناد ان کو یاد تھیں۔ صبح سے ظہر تک اور ظہر سے رات تک درس دیتے تھے۔ انہوں نے بے وضو کبھی کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ اس کا درس دیا دوران درس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو ادا کرنے کے بعد قدرے توقف فرماتے تھے۔

حدیث کی تدریس میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ان کو اپنا جانشین کہتے تھے علامہ ہدایت اللہ خاں فاضل رامپوری م ۱۳۲۶ھ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی علی گڑھی، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا شاہ فضل رحمٰن قدس سرہم فن حدیث میں ان کی مہارت کے معترف تھے بلکہ اول الذکر اور آخری تین بزرگ اپنے شاگردوں کو دورۂ حدیث کے لئے

انھیں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

علم حدیث کے اس بحر بیکراں کے جرعہ خواروں کی تعداد بہت ہے جن کی قطعی تعداد معلوم کرنا مشکل ہے ذیل میں اہم اور مقتدر تلامذہ کے اسماء گرامی پیش کیے جاتے ہیں:

مولانا سید سلیمان اشرف م ۱۳۵۳ھ، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی م ۱۳۶۷ھ، مولانا مشتاق احمد کانپوری م ۱۳۵۲ھ، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری م ۱۳۸۲ھ، مولانا عبدالعزیز بجنوری م ۱۳۶۹ھ، مولانا سید مصباح الحسن بن مولانا سید شاہ عبدالصمد سہسوانی م ۱۳۸۴ھ، مولانا سید خادم علی بن پیر مولانا جماعت علی شاہ محمد علی پوری، مولانا عبدالقادر پشاوری، محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی، مولانا ضیاء الدین احمد مدنی، قاضی تلمذ حسین گورکھپوری، مولانا نثار احمد آگرہ۔

تحریک ندوہ کی مخالفت:۔

ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد کچھ ایسی تحریکیں زور پکڑنے لگیں جو کھلم کھلا جادۂ حق وصداقت سے دور تھیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی برملا کوشش کر رہی تھیں مگر بعض ایسی زمین دوز تحریکیں بھی تھیں جو اشاعت علم اور اتحاد ملت کے سنہرے منصوبے لے کر ابھریں اور سادہ لوح مسلمانوں کو دام ہمرنگ زمیں میں اسیر کرنے کی پالیسی اپنائی انھیں تحریکوں میں ندوہ کی تعلیمی تحریک بھی ہے جس نے فرقہ وارانہ اختلاف سے اوپر اٹھ کر تمام مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کے ایک شیرازہ میں پرونے کا منصوبہ پیش کیا۔ ابتداء میں علماء اہل سنت نے بھی اس کے اجلاس میں شرکت کی۔ محدث سورتی کے استاذ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مرشد برحق مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اس تحریک کے سرپرست تھے جس کی بناء پر آپ نے بھی اس کے ابتدائی جلسوں میں شرکت فرمائی مگر ۱۳۱۱ھ کی دوسری نشست میں مولوی غلام حسین کنتوری کی تقریر نے اس تحریک کے منفی پہلوؤں اور اس کی خفیہ پالیسی کے نقوش نمایاں کر دیے اور علماء حق پر اس تحریک کی گمراہ کن پالیسیاں واضح ہوگئیں چنانچہ مولانا عبدالقادر بدایونی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، مولانا عبدالصمد سہسوانی، مجتہد کنتوری کی تقریر سے برہم ہو کر اس تحریک سے علیحدہ ہو گئے اور تحریک ندوہ کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا جس میں محدث سورتی بھی علماء حق کے شانہ بشانہ حق کی حمایت میں ساتھ ساتھ رہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کے اس اقدام کی ستائش فرمائی اور آپ کے علمی مرتبہ اور حمایت حق کی داد دی۔ لکھتے ہیں:

الفاضل الکامل جبل الاستقامۃ، کنز الکرامۃ، صدیقنا و حبیبنا مولانا المولوی محمد وصی احمد الحنفی المحدث السورتی وطنا نزیل فیلی بھیت حفظہ اللہ تعالیٰ ناصر الدین وقامعا للمبتدعین وثبتہ علی الحق احسن تثبیت وانہ سلمہ اللہ تعالیٰ کان تلمیذ الکانفوری المذکور ناظم الندوۃ وتلمیذ شیخہ وصدرھا ولکن لم یستخفہ الذین لا یوقنون وما استطاعوا ان قلم بعد ثبوتہا وقد کان معاشہ حفظہ اللہ تعالیٰ من بیت ندوی عنا وطغی واعتدی وبغی فقطع ادارہ قاصداً اضرارہ ولکن الفاضل حبیبنا سلمہ اللہ تعالیٰ لم یکن لیوثر الدنیا علی الدین فمن یومئذ سمیتہ الاسد الاسد الارشد الارشد وھو اھل لھذا اولا حسن من ھذا ۔

فاضل کامل، استقامت کے پہاڑ، بزرگی کا خزانہ ہمارے دوست اور ہمارے حبیب مولانا مولوی محمد وصی احمد محدث سورتی وطناً اور پیلی بھیت نزیلاً دین کے مددگار اور مبتدعین کی طاقتوں کو اکھاڑنے والے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور حق پر ان کو بہترین ثبات عطا فرمائے (وہ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے)۔ مولانا محمد علی کانپوری ناظم ندوہ اور ان کے استاذ (مولانا لطف اللہ) صدر ندوہ کے شاگرد تھے لیکن یقین کی دولت سے محروم افرادِ حق پر ثابت قدم ہونے کے بعد ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کر سکے حالانکہ محدث سورتی کو معاش کی سہولتیں ندویوں کی طرف سے حاصل تھیں جسے ان لوگوں نے بند کر دیا لیکن میرے حبیب فاضل (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے) نے دنیاوی منافع کو دین و آخرت کے منافع پر موخر نہ ہونے دیا اسی وقت میں تے ان کا نام الاسد الاسد الارشد الارشد رکھ دیا اور یہ اس کے اہل ہیں بلکہ اس سے زیادہ بہتر ہیں۔ (المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد ص ۲۳۳)

تصانیف:۔

محدث سورتی نے علوم حدیث کی تدریس دین حق کی تائید و تبلیغ میں اپنی زندگی کے گرانقدر لیل و نہار پورے اخلاص کے ساتھ بسر فرمائے۔ تدریس کے ساتھ اپنے علمی و تحقیقی نوادر کو صفحۂ قرطاس پر مرتسم بھی فرمایا۔ آپ کے بیش قیمت مصنفات حسب ذیل ہیں:

حاشیہ نسائی مطبوعہ نظامی کانپور، حاشیہ طحاوی مطبوعہ مصر، التحلی شرح منیۃ المصلی مطبعہ یوسفی لکھنؤ، حاشیہ جلالین، حاشیہ مشکوٰۃ، کتاب الدرہ فی تحت عقد الایدی تحت السرۃ، جامع الشواہد باخراج الوہابین من المساجد۔

اخلاق وعادات:۔

محدث سورتی کا دامن حیات عمل صالح اور حسن کردار کے موتیوں سے مالا مال تھا۔ ان کی زندگی سلف صالحین کا نمونہ تھی علم دین کی اشاعت اور اتباع سنت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ عبادت وریاضت میں اکثر اوقات بسر ہوتے ہمیشہ باوضو رہتے۔ لباس اور غذا سادہ استعمال کرتے، طبیعت میں حد درجہ انکسار اور تواضع تھا، اخلاص وایثار کا پیکر تھے، ہر ہر ادا سے سنت رسول کی اقتداء واتباع جھلکتی تھی، علماء، مشائخ اور سادات کا کافی احترام کرتے، طبیعت میں جود وسخا کا عنصر غالب تھا۔ طلبہ کی مالی اعانت میں پیش پیش رہتے۔

وفات:۔

جمادی الاخریٰ ۴ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۲/اپریل ۱۹۱۶ء کو اس پیکر علم وتقویٰ نے دار فانی سے رحلت کی اور مدرسۃ الحدیث کے سامنے مسجد کے احاطہ میں دفن کیے گئے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مادۂ تاریخ وفات آیت کریمہ "یطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ واکواب" سے نکالا اور فرمایا اگر اس میں واو شامل کر دیا جائے تو میری تاریخ ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا چھ سال بعد ۱۳۴۰ھ میں امام احمد رضا نے وصال فرمایا۔ (ماخوذ از مولانا وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی از مولانا محمود احمد قادری معارف اعظم گڈھ اپریل مئی ۱۹۷۲ء)

(۹۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان

۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ　　۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ

اسم گرامی محمد، تاریخی نام المختار، جد امجد نے اسم گرامی احمد رضا تجویز فرمایا اور یہی نام مشہور عالم ہوا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بن حضرت مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن مولانا حافظ کاظم علی خاں بن مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن حضرت محمد سعادت یار خاں بن حضرت محمد سعید اللہ خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔

خاندان:۔

امام احمد رضا کے جد اعلیٰ قندھار (افغانستان) کے باعظمت قبیلہ بڑہیچ کے پٹھان تھے جو ترک وطن کر کے عہد مغلیہ میں لاہور آئے اور شاہی منصب پر فائز ہوئے وہاں سے دہلی آئے شش

ہزاری منصب تفویض ہوا بادشاہ نے آپ کو شجاعت جنگ کا خطاب دیا۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں کو حکومت کی طرف سے روہیلکھنڈ کی جنگی مہم پر بھیجا گیا کامیابی کے بعد انہیں اس علاقہ کی صوبہ داری کا فرمان بھیجا گیا مگر آپ بستر وصال پر تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد اعظم خاں بریلی میں اقامت گزیں ہوئے کچھ دنوں وزارت کی خدمات انجام دی پھر شاہی ملازمت سے سبکدوش ہو کر گوشہ عبادت میں معتکف ہو گئے۔ ان کے فرزند مولانا کاظم علی خاں، بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ دو سو سوار آپ کے ماتحت تھے اور آٹھ گاؤں معافی میں ملے تھے۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں متبحر عالم اور ولی کامل تھے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے شاہی ملازمت کی خاندانی روایت کو ترک کر کے ابتداء ہی سے فقر و درویشی کو اپنا شعار حیات بنایا اور کبھی شاہی منصب قبول نہ کیا جب کہ آپ کے آباء و اجداد ابتداء میں امور سلطنت انجام دیتے پھر گوشہ عبادت میں بیٹھتے۔ آپ کے جانشین حضرت مولانا نقی علی خاں نے والد گرامی سے دینی علوم و فنون کی تعلیم پائی اور پوری زندگی علم کی ترویج و اشاعت اور زبان و قلم سے دین کی حمایت کا فریضہ انجام دیتے رہے آپ بے مثال عالم، مناظر، مفتی اور مصنف تھے۔

ولادت:۔

امام احمد رضا کی ولادت ۱۰ / شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ / جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ شہر بریلی کے محلہ جسولی کے آبائی مکان میں ہوئی۔ آیت کریمہ "اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ" سے سال ولادت متخرج ہوتا ہے۔

تحصیل علم:۔

امام احمد رضا کا خاندان صدیوں سے علم و عمل کا گہوارہ تھا۔ جوہر علم آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ قدرت نے بڑا اعالی دماغ اور جستجوئے علم کا بیکراں ذوق ودیعت فرمایا تھا۔ جب عمر شریف چار سال کی ہوئی تعلیم کا آغاز ہوا۔ کم سنی ہی میں قرآن شریف ناظرہ پڑھنے کے بعد اردو فارسی کی کتابیں پڑھیں پھر مرزا غلام قادر بیگ سے میزان و منشعب وغیرہ پڑھی، اس کے بعد والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، فرائض، علم کلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، ہیئت، حساب و ہندسہ کی تحصیل کی اور ان علوم و فنون کو پوری تحقیق اور بصیرت کے ساتھ حاصل کیا۔ ۱۴ / شعبان ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۹ / نومبر ۱۸۶۹ء

کو جب آپ کی عمر تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی ہوئی علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوئے اور دستار فضیلت سر پر باندھی گئی۔ اسی دن آپ نے رضاعت سے متعلق ایک استفتاء کا جواب تحریر فرمایا۔ والد گرامی نے فقہی بصیرت اور درک فی العلم دیکھ کر مسند افتاء کی ذمہ داریاں تفویض فرمادیں۔

علم وفضل:۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی اور ۱۲۸۶ھ میں مسند درس و افتاء کو زینت بخشی۔ مگر تحصیل علم کا ذوق بیکراں اور تحقیق و جستجو کا شوق تا حیات باقی رہا اور خداوند تعالیٰ کی ودیعت کردہ استعداد علم وفن سے ہمیشہ اپنے علمی خزانہ میں اضافہ فرماتے رہے۔ ۱۲۹۴ھ میں استاذ العارفین حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور معرفت وسلوک کی تعلیم پائی پھر استاذ السالکین حضرت مولانا سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے بعض تعلیم طریقت نیز ابتدائی علم تکسیر وابتدائی علم جفر وغیرہ حاصل کیا۔ شرح چغمینی کا بعض حصہ حضرت مولانا عبدالعلی رامپوری سے پڑھا پھر فیض الٰہی نے آپ کی قوت ادراک پر علوم وفنون کے دروازے کھول دیئے اور کسی استاذ کی رہنمائی کے بغیر جس علم وفن کی تحصیل کا ارادہ کرتے ادنیٰ توجہ سے اس میں مہارت تامہ حاصل کر لیتے اور اس فن پر جب کلام کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی مجتہد فن داد تحقیق دے رہا ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل علوم وفنون میں دسترس حاصل کی۔

قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، علم اخلاق، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، سیر، تواریخ، لغت، ادب مع جملہ فنون، ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، حساب ستینی، لوغارثمات ولوگارثم، علم التوقیت، مناظرہ، علم الاکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، جدیدہ (انگریزی فلسفہ)، مربعات، منتہی علم جفر، علم زائچہ، علم فرائض، نظم عربی، نظم فارسی، نظم ہندی، انشاء نثر عربی، انشاء نثر فارسی، نثر اردو انشاء نثر ہندی، خط نسخ، خط نستعلیق، منتہی علم حساب، منتہی علم ہیئت، منتہی علم ہندسہ، منتہی علم تکسیر، علم رسم خط قرآن مجید۔ (ماخوذ از سوانح اعلیٰ حضرت)

امام احمد رضا نے پچاس کسبی ووہبی علوم وفنون پر گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑیں۔ آپ کی علمی جلالت اور عبقری شخصیت کا اعتراف ملت کے اکابر علماء اور دانشوروں نے کیا ہے۔

☆ شیخ محمد مختار بن عطاردی الجاری مسجد حرام مکہ معظمہ "وان المولف من سلطان

العلماء المحققين في هذا الزمان وان كلامه كله حق صراح فكانه من معجزات نبينا صلى الله عليه وسلم اظهره الله تعالىٰ على يد هذا الامام الاوحد سيدنا ومولانا خاتمة المحققين وعمدة العلماء السنيين سيدى احمد رضا خان متعنا الله ببقائه وحماه من جميع من اراد به سوء" بیشک مولف (الدولۃ المکیہ مولانا احمد رضا خان) اس زمانے میں علماء محققین کا بادشاہ ہے اور اس کی ساری باتیں سچی ہیں گویا ہمارے نبی کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو اس یگانہ امام کے دست مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا (یعنی) ہمارے سردار ہمارے آقا، علماء محققین کے خاتم، علماء اہل سنت کا پیشوا، سیدی احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی زندگی سے متمتع فرمائے اور ان سب کے خلاف اس کی حمایت فرمائے جو اس کی بدخواہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (الدولۃ المکیہ ص ۷۲)

☆ شیخ مصطفیٰ بن تارزی مسجد نبوی مدینہ منورہ:۔ "الاستاذ الكامل الجامع الغيث الوابل النافع لقد افاد واجاد وارشد العباد ونور البلاد وذلك دليل علىٰ شرفه وجميل سيرته وطول باعه واخلاص طوته وطيب سريرته وغزارة علمه وتبحر علمه" استاذ کامل برستی گھٹا، فائدہ رساں نے اللہ کے بندوں کی خوب رہنمائی فرمائی اور آبادیوں کو منور کیا، یہ ان کی عظمت، سیرت جمیلہ، کامل دسترس، اخلاص نیت، پاکیزگی فطرت، حسن کمال، علم اور پاکیزہ واقفیت کی نشانی ہے۔ (الدولۃ المکیہ ص ۱۴۶، ص ۱۴۸)

☆ شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد خطیب مسجد حرام " فهو كنز الدقائق المنتخب من خزائن الذخيرة وشمس المعارف المشرقة في الظهيرة ، كشاف مشكلات العلوم في الباطن والظاهر يحق لكل من وقف على فضله ان يقول كم ترك الاول للآخر" تو وہ حقائق کا خزانہ ہے اور محفوظ خزانوں کا انتخاب، معرفت کا آفتاب جو دوپہر کو چمکتا ہے علوم کی ظاہر و باطن مشکلات کھولنے والا جو شخص اس کے علم و فضل سے واقف ہو جائے اس کو کہنا چاہئے کہ اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ (حسام الحرمین ص ۲۸، ۱۲۷)

☆ شیخ محمد سعید بن محمد یمانی مدرس مسجد حرام: فان من جلائل النعم التى لا نثبت فى ساحة شكرها ان فيض الشيخ الامام والبحر الهمام، بركة الانام، وبقية السلف الكرام واحد ائمة الزهاد والكاملين العباد احمد رضا خان" بیشک یہ اللہ کی ان عظیم نعمتوں میں سے ہے جس کا شکر ادا کرنے سے ہم عاجز و قاصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام،

دریائے بلند ہمت تمام عالم کے لیے رحمت و برکت، یادگار سلف، زاہدوں اور کاملوں میں یکتا و یگانہ یعنی احمد رضا خاں کو بھیجا۔ (حسام الحرمین ص ۱۹۲)

☆ مجیب اللہ ندوی: مولانا احمد رضا خاں مرحوم صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً حدیث و فقہ پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی۔ مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت، قرآنی استحضار، ذہانت و طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ان کے عالمانہ محققانہ فتاویٰ موافق و مخالف ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔ (ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ستمبر ۱۹۶۲ء)

☆ نیاز فتح پوری: ''مولانا احمد رضا خاں کو دیکھ چکا ہوں۔ وہ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے ان کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور گہرا بھی ان کا نور علم ان کے چہرے بشرے سے ہویدا تھا فروتنی، خاکساری کے باوجود ان کے روئے زیبا سے حیرت انگیز حد تک رعب طاری ہوتا تھا''۔ (ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی شمارہ نومبر ۱۹۷۵ء)

☆ جسٹس غلام علی: ''ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے''۔ (ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۰ر نومبر ۱۹۶۲ء)

☆ ڈاکٹر سید عبد اللہ: ''وہ بلا شبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیعہ سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشق رسول کا''۔ (پیغامات یوم رضا ص ۳۵)

☆ ڈاکٹر عبادت بریلوی: ''مولانا احمد رضا خاں بہت بڑے عالم دین، مفکر اسلام اور عاشق رسول تھے ان کا نام علمائے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا انہوں نے اپنی تصانیف سے علوم اسلامی میں گرانقدر اضافہ کیا ہے''۔ (خیابان رضا ص ۷۴)

☆ رئیس احمد امروہوی: ''ان جیسا عاشق رسول، نعت گو، منقبت سرا، محدث، عالم، مصنف اور فقیہ و شارح قرآن مجید کہاں پیدا ہوتا ہے، ان کی تصانیف نثر اور ان کی شاعری کیف و سرور سے لبریز ہے جس سے عجیب طرح کا انشراح صدر ہوتا ہے۔ وہ ایک صوفی باصفا اور عالم جلیل تھے ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں۔ عہد آفریں بھی۔ (خیابان رضا ص ٦۵)

[illegible]

آپ کو ایک منفرد مقام حاصل تھا اور اس قدر فقہی رسائل لکھے کہ ان علمی کارناموں کی وجہ سے آپ آسمان علم وفضل کے آفتاب کی حیثیت سے جلوہ گر رہیں گے۔ آپ کی تبحر علمی کی صرف برصغیر ہندو پاک کے علماء نے ہی تعریف نہیں کی بلکہ عرب وعجم کے علماء وفضلاء نے آپ کے علوم وفنون سے استفادہ کیا......... تمام عمر دین متین کی خدمت میں مصروف کار رہے آپ کے مجتہدانہ کمالات کی علماء عرب وعجم نے تعریف وتوصیف کی ہے۔ بلاشبہ آپ ایک جامع کمالات بزرگ اور نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ (ماہنامہ عرفات لاہور ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء)

☆ پروفیسر مسعود احمد: "اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چودہویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، عدیم النظیر فقیہ، ولی کامل اور فقید المثال شاعر تھے۔ آپ کی بے مثال شخصیت نے اپنے عہد کو متاثر کیا........ نہ صرف علماء ہند بلکہ علماء حجاز بھی آپ کے تبحر علمی کے قائل ومعترف تھے۔ سرزمین حجاز میں جس والہانہ انداز سے آپ کو خوش آمدید کہا گیا آپ کی فاضلانہ تحاریر پر جو شاندار تقاریظ قلمبند کی گئیں ان کے مطالعہ سے آپ کی رفعت شان کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ کی جملہ تحاریر بالخصوص آپ کے محققانہ فتاویٰ آپ کی علمیت اور تفقہ پر شاہد عدل ہیں...... ایسی جامع الصفات اور جامع الکمالات شخصیت شاذ ونادر ہی پیدا ہوتی ہیں"۔ (پیغامات یوم رضا طبع دوم ۱۹۷۱ء ص ۳۸۔۳۶)

☆ علامہ محمد کرم ازہری: "اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی زندگی کے یہ چند سال جس کا گوشہ گوشہ علم وعمل کے نور سے منور ہے۔ جس کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفےٰ سے معمور ہے۔ جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہوئے جو پند وموعظت اور ذکر وارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق بن کر رہ گیا۔ (مقالات یوم رضا دوم ص ۳۲)

☆ ڈاکٹر وحید اشرف: "ہم نے جن علماء وعقلاء (ابن سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابن رشد وغیرہ) کا نام اوپر لیا ہے۔ ان میں سے اکثر کسی ایک فن کے امام تھے۔ لیکن مولانا کا حال یہ ہے کہ جس فن کی طرف نظر کی وہ ان کے تار نگاہ کا اسیر ہو کر رہ گیا جس علم کی طرف توجہ کی اسے کمال تک پہونچا دیا۔ جس بحر میں غوطہ لگایا تو اس کی گہرائی تک پہونچ کر گوہر ہائے گوناگوں کتاب کے صفحات پر بکھیر دیئے۔ جس چمن کی سیر کی اس میں اپنی بصیرت کے پھول کھلا دیئے اور دراصل علم کا اصلی معیار تصانیف میں تحقیق وبصیرت اور وہ قیاسات عقلیہ ہیں جن سے

منقولات پر صحیح حکم لگایا جا سکے۔ لیکن مولانا ان علمی حدوں سے گذر کر عقل کی اس منزل پر بھی نظر آتے ہیں جہاں مختلف دنیاوی علوم میں بھی وہ ایجادات واختراعات کے نمونے پیش کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کی نہ ان کے پاس کوئی تجربہ گاہ تھی اور نہ اس فن میں ان کا کوئی استاذ اور نہ ہی وہ ان کا مقصد حیات تھا بلکہ اسے انہوں نے صرف بازیچۂ طفلاں ہی سمجھا کیوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا اصلی مقصد شریعت وطریقت ہی کو قرار دے رکھا تھا ایسے شخص کو اپنے وقت کا امام کہنا اس دور میں اس لفظ کی آبرو کو قائم رکھنا ہے"۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۴۵۵)

☆ ابوالحسن علی ندوی: " وہ حرمت سجدۂ تعظیمی کے قائل تھے اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بنام "الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية" تصنیف کیا یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفور علم اور قوت استدلال پر دال ہے...... وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی ان کے فتاویٰ اور الکفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۳ھ مکہ مکرمہ) اس پر شاہد عدل ہیں، علوم ریاضی ہیئت، نجوم، توقیت رمل جفر میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی وہ اکثر علوم کے حامل تھے"۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۱)

☆ ابوالاعلیٰ مودودی: " مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ میری نگاہ میں مولانا احمد رضا خاں مرحوم ومغفور دینی علم وبصیرت کے حامل اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کے قابل احترام مقتدا تھے اگرچہ ان کے بعض فتاویٰ وآراء سے مجھے اختلاف ہے لیکن میں ان کی دینی خدمات کا معترف بھی ہوں"۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر ۷۶ء ص ۱۶)

امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیتیں ہمیشہ پیدا نہیں ہوتیں بلکہ سیکڑوں سال کی گردش لیل ونہار کے بعد ایسے بلند قامت صاحب علم وتقویٰ فقیہ ومحدث، مفسر ومتکلم، صاحب طرز شاعر اور بلند پایہ مصنف پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منبع علم سے علم وفن کے صدہا چشمے جاری ہوتے ہیں جن سے کشور علم کی کھیتیاں شاداب ہوتی ہیں اور اسلام کے باغ میں بہار تازہ آتی ہے۔

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا زبزم عشق یکدانائے راز آید بروں

امام احمد رضا کی تنہا ایک ذات گوناگوں علوم وفنون کا مخزن تھی علوم وفنون متداولہ کے علاوہ وہ ایسے علم وفن کے بھی رمز شناس تھے جن کے جاننے والے تقریباً مفقود ہو چکے تھے۔ آپ صرف پچاس سے زیادہ علوم وفنون کے جاننے ہی والے نہ تھے بلکہ ان میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ جس علم وفن پر قلم اٹھاتے ایسا محسوس ہوتا کہ پوری زندگی اس کے مطالعہ اور اس کے اسرار وغوامض کی تحقیق میں بسر ہوئی ہے۔ امام احمد رضا جیسی علمی شخصیت ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں ان کے عہد بلکہ ان سے صدی دوصدی پیشتر اور ان کے بعد آج تک پیدا نہ ہو سکی وہ یقیناً عطیۂ ربانی تھے اور انہیں علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی۔ ان کے لیے صرف ملک سخن کی بادشاہت ہی مسلم نہ تھی بلکہ وہ علم وفن کی جس قلمرو سے گذرے اپنی علمی عظمتوں کا سکہ بیٹھاتے چلے گئے۔

تدریس:۔

اعلیٰ حضرت نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تجدید دین اور اصلاح امت کے اہم فرائض کے لیے وقف کر دی، ابتداء میں دار الافتاء کی ذ. داریاں اور دوسرے دینی امور کی وجہ سے باقاعدہ حلقۂ درس قائم نہ کر سکے مگر انفرادی طور پر تشنگان علوم نبوی آپ کے علمی فیوض سے اکتساب کرتے رہے۔ ۱۹۰۴ء میں جب مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف آپ نے قائم فرمایا تو باقاعدہ حلقۂ درس قائم ہوا اور اس ادارہ میں صحیح بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا جب مدرسہ نے ترقی کی تو صحیح بخاری کے علاوہ اقلیدس، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی، اور (تصوف میں) عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ کا درس دیتے تھے آخر الذکر دونوں کتابوں کے اسباق میں طلبہ کے علاوہ علماء کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۱ء تک منظر اسلام میں اور اس سے قبل کا شانۂ اقدس پر جوق در جوق باذوق طلبہ آپ کی بارگاہ علم سے مستفیض ہوتے رہے۔ آپ کی تدریسی مہارت اور تبحر علمی کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ کی درسگاہ علم وحکمت سے ایسے ایسے اعیان علم وحکمت پیدا ہوئے جو اپنے دور کے ممتاز عالم، فقیہ، مفسر اور دانشور ہوئے اس چشمۂ علم سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد کا شمار از بس دشوار ہے چند مشاہیر تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

مولانا حسن رضا خاں، مولانا محمد رضا خاں، مولانا حامد رضا خاں، مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی، مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عبد الواحد پیلی بھیتی، مولانا حسنین رضا خاں، مولانا سلطان احمد خاں، مولانا سید احمد امیر، مولانا حافظ یقین الدین، مولانا

عبدالکریم، مولانا سید نور احمد چاٹگامی، مولانا منور حسین، مولانا واعظ الدین، مولانا عبدالرشید عظیم آبادی، مولانا غلام محمد بہاری، مولانا حکیم عزیز غوث، مولانا نواب مرزا، مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، مفتی اعجاز ولی خاں، مولانا سید ایوب علی رضوی، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا عبدالعلیم میرٹھی، مولانا برہان الحق جبل پوری، مفتی ابو یوسف محمد شریف سیالکوٹی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا امام الدین سیالکوٹی، مولانا غلام جان ہزاروی۔

قرآن و تفسیر:۔

امام احمد رضا قرآنی علوم اور تفسیر و ترجمانی قرآن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فن تفسیر میں ان کی دقیقہ سنجی اور درک کا یہ عالم تھا کہ ایک موقع پر مسلسل چھ گھنٹہ تک سورۂ والضحیٰ کی تفسیر بیان کی۔ اس سورۂ مبارکہ کی بعض آیات کی تفسیر لکھی تھی جو اسی اجزاء پر مشتمل تھی۔ قرآن حکیم کی ایک مکمل تفسیر لکھنی شروع کی جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی بارہ آیات تک پہونچ سکی، یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو قرآن کی بلند پایہ تفسیر ہوتی۔ اعلیٰ حضرت نے مختلف فقہی، کلامی اور دینی مسائل میں آیات قرآنیہ اور ان کی تفاسیر سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا اس فن میں ان کے کمال کی بین شہادت ہے مولانا محمد حنیف خاں قادری نے اس تفسیری کام کو یکجا کرنے کی سعی بلیغ کی ہے وہ لکھتے ہیں:

’’اب تک تقریباً چھ سو آیات کے تفسیری مباحث جمع ہو چکے ہیں ان کی ترتیب و تبویب جاری ہے اور در حقیقت یہ (جامع الاحادیث) کا ایک باب ہوگا جو کتاب التفسیر کے نام سے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگا‘‘۔ (تجلیات رضا اپریل ۲۰۰۳ء)

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حکیم اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ وہ فن تفسیر اور کتب تفسیر پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے دوسری مشغولیات کے باوجود قرآن حکیم کا ترجمہ زبانی املا کرایا۔ لغت یا تفسیر کی کتاب پیش نظر نہ ہوتی مگر جب ان کا مقابلہ کتب تفاسیر سے کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ یہ ترجمہ معتبر تفاسیر کے عین مطابق ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں الفاظ و آیات قرآنیہ کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی عجیب وغریب صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ کنزالایمان قرآنی حقائق و معارف کا آئینہ ہے۔ ایجاز و اختصار کے باوجود مفہوم قرآن کو دل کی گہرائیوں تک اتار دیتا ہے اور شان الوہیت و شان رسالت کا احترام پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہے جو

روح قرآن اور عربیت سے بہت قریب ہے۔ تفسیر اور علوم قرآن پر آپ کی ۱۶/ کتابیں فہرست تصانیف امام احمد رضا میں درج کی گئی ہیں۔ جن میں کنزالایمان، تفسیر سورۂ والضحیٰ، تفسیر باء بسم اللہ، الصمۃ الفاتحہ من مسک سورۃ الفاتحہ، معالم التنزیل، حاشیہ الاتقان للسیوطی قابل ذکر ہیں۔

علم حدیث:۔

امام احمد رضا احادیث رسول کے حافظ اور اصول روایت و درایت کے زبردست ماہر تھے فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے امام تھے آپ نے جس دینی موضوع پر قلم اٹھایا حق کی تائید اور باطل کی تردید میں احادیث نبویہ اس کثرت سے پیش فرمائے کہ اہل ایمان کی نگاہیں روشن اور مخالفین کو یارائے سخن نہ رہتا آپ کو والد ماجد مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ اور سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ و حضرت سید عابد سندھی اور شیخ الاسلام حضرت علامہ احمد زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ سے سند حدیث کی اجازت حاصل تھی علوئے اسناد کے لحاظ سے ہند ہی نہیں بلکہ حجاز کے محدثین میں بھی کوئی آپ سے فائق نہ تھا خود فرماتے ہیں۔

”میں نے خیال کیا کہ حدیث میں کسی کی سند میری سند سے عالی ہو تو میں ان سے سند لے کر علوم حاصل کروں مگر بفضلہ تعالیٰ تمام علماء سے میری سند عالی تھی۔ (الملفوظ جلد ۲ ص ۲۸)“

۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت دوسری بار حرمین شریفین تشریف لے گئے تو علماء حرمین نے آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا مکہ اور مدینہ کے بڑے بڑے علماء نے آپ سے سندات حدیث حاصل کیں۔ علماء مکہ نے آپ کی جو قدر و منزلت کی اس کا اندازہ شیخ اسماعیل خلیل علیہ الرحمۃ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

”اہل مکہ جوق در جوق آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے بہت سے حضرات نے آپ سے التجا کی کہ ان کو سند اجازت مرحمت فرمائی جائے چنانچہ ان کے اصرار کی وجہ سے ایسا ہی کیا گیا۔ (فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں ص ۷۵)

جن علماء حرمین کو زبانی و تحریری سندیں عطا ہوئی ان میں کچھ اہم نام یہ ہیں:

مولانا سید عبدالحی مکی م ۱۳۳۲ھ، شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم، مولانا شیخ صالح کمال م ۱۳۲۵ھ، مولانا سید اسماعیل خلیل م ۱۳۳۰ھ، سید مصطفیٰ خلیل م ۱۳۳۹ھ، شیخ احمد خضر راوی، شیخ عبدالقادر کردی م ۱۳۳۶ھ، شیخ فرید م ۱۳۳۵ھ، سید محمد عمر، شیخ عمر بن حمدان محرسی، سید مامون بری، شیخ الدلائل شیخ محمد سعید۔

اعلیٰ حضرت کے تبحر فی الحدیث کے بارے میں محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر، علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ و استاذ و شاگرد کا نام بتادیا تو اس فن کے خود اعلیٰ حضرت موجد تھے کہ طبقہ و اسماء سے بتادیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔ (خطبہ صدارت ناگپور ۱۳۷۹ھ)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت علم حدیث میں فرد تھے اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے اور علم رجال میں ان کو دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے اور معنی میں بحث ناسخ و منسوخ کی تمیز یہ تو ان کا خاص فن تھا۔ (ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۱۹۷ء ص ۳۴)

متقدمین و متاخرین حفاظ حدیث کی طرح امام احمد رضا کا حافظہ بھی نہایت قوی تھا جو بات ایک بار پڑھ لیتے یا سن لیتے نقش کالحجر بن کر ان کے حافظہ میں محفوظ ہوجاتی، آپ کی قوت حفظ و ضبط کا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوچکا ہے مزید ایک واقعہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

ایک بار پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کے یہاں العقود الدریہ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ کی بات آئی جو اتفاق سے حضرت فاضل بریلوی کے کتب خانہ میں اس وقت تک نہیں تھی اس لیے اسے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور فرمایا کہ بریلی واپس ہوتے وقت اسے مجھے عنایت کردیجئے گا حضرت محدث سورتی نے بخوشی وہ کتاب حاضر کردی اور کہا کہ بعد مطالعہ اسے ارسال فرمادیں اسی روز واپسی کا عزم تھا مگر ایک عقیدت مند کی دعوت اور اس کے اصرار پر رک گئے عقود الدریہ دو جلدوں میں تھی آپ نے شب بھر میں دونوں جلدوں کا مطالعہ فرمالیا دوسرے روز بعد نماز ظہر جب واپسی کی تیاری ہونے لگی تو آپ نے عقود الدریہ کے بارے میں ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری سے فرمایا یہ کتاب محدث صاحب کو دے آؤ انہیں تعجب تو ہوا مگر احتراماً کچھ بول نہ سکے وہ الوداع کہنے کے لیے گھر سے نکلنے ہی والے تھے انہوں نے کتاب واپس کرتے ہوئے وہی جملہ دہرایا مگر

یہ کہ محدث سورتی نے فرمایا کہ صرف رات بھر کے مطالعہ سے اس کی ضرورت ختم ہوگئی بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتاویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لیے محفوظ ہوگیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت جلد ا ص ۳۹)

شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رضا کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے اور مجلسوں میں اپنے پیر ومرشد مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہ کرتے بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ذکر جمیل ہمیشہ کیا کرتے آپ کے شاگرد محدث اعظم ہند نے عرض کی میں آپ کے پیر ومرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں فرمایا کہ جب میں نے پیر ومرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی اب میرا ایمان رسمی نہیں بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں میں نے عرض کیا کیا وہ علم حدیث میں آپ کے برابر ہیں فرمایا ہرگز نہیں پھر فرمایا شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے سنئے کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین فی الحدیث ہیں اگر میں سالہا سال ان سے اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔ (خطبہ صدارت یوم اعلیٰ حضرت منعقدہ شوال ۱۳۷۹ھ بمقام ناگپور)

محدث سورتی نے ایک بار عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں استفسار کیا اور حدیثیں دریافت کیں تو فاضل بریلوی نے اس کے جواب میں بیس احادیث ذکر فرمائیں۔ (حجاز دہلی ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۹ء)

امام احمد رضا حفظ حدیث کے ساتھ اس کے اسناد ورجال اور صحت وسقم قوت وضعف کے ماہر اور معانی حدیث کی گہرائیوں سے کما حقہ واقف تھے جو ایک مجتہد اور فقیہ کی خصوصیت ہوا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی بلند پایہ مصنفات کا ورق ورق احادیث وآثار کے موتیوں سے تابندہ ہے فاضل بریلوی کی محدثانہ عظمت کو ظاہر کرتی ہے اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدیں ثبوت مسائل پر پیش کی گئی حدیثوں کا بحر بیکراں ہیں اس کے علاوہ حدیث اور متعلقات حدیث سے متعلق آپ کی مندرجہ ذیل مصنفات قابل ذکر ہیں۔

منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین، الہاد الکاف فی حکم الضعاف، حاجز البحرین الواقی

عن جمع الصلاتین، الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی، صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین، الروض البہیج فی آداب التخریج، النجوم والثواقب فی تخریج احادیث الکواکب، فصل القضاء فی رسم الافتاء، مدارج طبقات الحدیث، حاشیہ البخاری، حاشیہ مسلم، حاشیہ نسائی، حاشیہ ابن ماجہ، حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر، حاشیہ طحاوی، حاشیہ جامع ترمذی، حاشیہ مسند امام اعظم، حاشیہ کتاب الحج، حاشیہ کتاب الآثار، حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل، حاشیہ سنن دارمی، حاشیہ الخصائص الکبریٰ للسیوطی، حاشیہ کنز العمال، حاشیہ ترغیب وترہیب، حاشیہ القول البدیع للامام السخاوی، حاشیہ نیل الاوطار، حاشیہ المقاصد الحسنہ، حاشیہ عمدۃ القاری شرح بخاری، حاشیہ فتح الباری شرح بخاری، حاشیہ ارشاد الساری شرح بخاری، حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل، حاشیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، حاشیہ التعقبات علی الموضوعات، حاشیہ اشعۃ اللمعات شرح مرقاۃ، حاشیہ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، حاشیہ ذیل اللآلی، حاشیہ الموضوعات الکبیر للعلی القاری، انباء الحذاق بمسالک الحنفاء، تلالؤ الافلاک بجلال حدیث لولاک، سمع وطاعۃ فی احادیث الشفاعۃ، الاحادیث الراویۃ لمدح الامیر معاویہ، ذیل المدعاء لاحسن الوعاء، اسماء الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین، القیام المسعود بتنقیح المقام المحمود، الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیۃ، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، النور والبہاء فی اسانید الحدیث وسلاسل اولیاء اللہ، الافادات الرضویہ، شرح نخبۃ الفکر، حاشیہ فتح المغیث، الحجۃ القاص عن طرق احادیث الخصائص، حاشیہ نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ، حاشیہ کشف الاحوال فی نقد الرجال، حاشیہ العلل المتناہیہ، حاشیہ تقریب التہذیب، حاشیہ تہذیب التہذیب، حاشیہ الاسماء والصفات، حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، حاشیہ تذکرۃ الحفاظ، حاشیہ میزان الاعتدال، حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال، حاشیہ مجمع بحار الانوار۔ (تصانیف امام احمد رضا ص ۱۸ تا ۲۱)

امام احمد رضا نے حدیث کی کوئی ضخیم کتاب تصنیف نہیں کی لیکن مسائل کے ثبوت میں بکثرت احادیث رسول پیش کرتے ہیں اور حدیث کے الفاظ ومعانی اس کی سند کی تحقیق اور رجال کی جرح وتعدیل اور اصول حدیث کے جو مباحث ذکر کرتے ہیں ان کی محدثانہ بصیرت اور تعمق فی الحدیث کا واضح ثبوت ہیں۔

(۱) الامن والعلیٰ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ وجہ اول میں متعدد آیات کریمہ اور ساٹھ احادیث پیش کی گئی ہیں۔ وجہ دوم میں ۱۴۴/ آیات اور ۲۴۰/ احادیث کریمہ درج فرمائی گئی ہیں

(۲) **جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ:** میں تمیں نصوص قطعیہ کے علاوہ ایک سو تمیں احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی وضاحت کی ہے۔

(۳) دوام العیش فی الائمۃ من قریش: میں بانوے اقوال مفسرین وفقہاء کے علاوہ پچاس حدیثوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ خلافت شرعیہ کے لیے قرشیت قطعی اجماعی ہے۔

(۴) منیر العینین فی تقبیل الابہامین اور حاجز البحرین کے مطالعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے زمانہ کے عظیم محدث ماہر فن رجال اور دانائے رموز و اسرار حدیث تھے۔

حضرت مولانا محمد حنیف قادری نے اعلیٰ حضرت کی دستیاب کتابوں کے مطالعہ سے مسائل کے ثبوت میں آپ کی بیان کردہ احادیث کی تخریج کی ہے اور ان احادیث کو دس ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے جسے امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف نے شائع کر دیا ہے موصوف کی اس علمی کاوش نے ان معاندین کا منہ بند کر دیا جو یہ کہا کرتے تھے کہ مولانا احمد رضا علم حدیث میں قلیل البضاعت ہیں۔

فقہ:-

امام احمد رضا فقہ میں اعلیٰ بصیرت کے حامل تھے اور وہ اس فن میں مجتہدانہ شان کے مالک تھے اس علم میں آپ کا سلسلہ سند مفتی احناف مکہ مکرمہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج سے شروع ہو کر سات واسطوں سے ہوتا ہوا شیخ احمد بن یونس شلبی تک پہونچتا ہے پھر وہاں سے سولہ واسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہ کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے پھر وہاں سے تین واسطوں سے مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے پھر ان کے واسطہ سے شارع اسلام حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات پر منتہی ہوتا ہے اس طرح ستائیس واسطوں سے اعلیٰ حضرت کی فقہی سند صاحب شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہے۔

امام احمد رضا ایسے عبقری فقیہ تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اس علم میں ان کی جامعیت وکمال اور فقہ کے مصادر و مآخذ نیز اقوال ائمہ وفقہا پر کامل عبور کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ محض تیرہ سال کی عمر میں مسند افتاء پر جلوہ افروز ہوئے اور پوری عمر ہند و بیرون ہند سے آنے والے استفسارات کا مدلل اور مبرہن جواب تحریر فرماتے رہے اکثر و بیشتر فتوے ایسے بھی ہیں جو ایجاز کے باوجود عقلی ونقلی شواہد و دلائل کی کثرت سے مستقل کتاب کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ فقہ میں آپ کا عظیم کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ہے جو بارہ ضخیم جلدوں اور ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے جسے بجا طور پر گنجینۂ علوم و معارف اور فقہی انسائیکلوپیڈیا قرار

دیا جاسکتا ہے جن اہل علم کی نگاہوں سے یہ کتاب گزرتی ہے وہ آپ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سید اسماعیل محافظ کتب خانہ حرم شریف مکہ مکرمہ فاضل بریلوی کی فقہی تحقیق پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"واللہ اقول والحق اقول انہ لو رآہ ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ وبجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب" (الاجازات المتینہ ص ۹)

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بالکل سچ کہتا ہوں کہ اگر اسے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ دیکھتے تو بلاشبہ یہ مسئلہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور یقیناً اس کے مولف کو اپنے اصحاب (امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر رضی اللہ عنہم) میں شامل فرما لیتے۔ (امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ص ۲۵)

ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

وہ بیحد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتوٰی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور ہندوستان کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔ (حیات مولانا احمد رضا خاں ص ۱۸)

مولانا عبدالحی حسنی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

فقہ حنفیہ اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعوٰی پر ان کا مجموعہ فتاوٰی شاہد ہے نیز ان کی تصنیف کفل الفقیہ الفاہم جو ۱۳۲۳ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھی گئی تھی انہوں نے حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں بعض رسائل بھی لکھے اور علماء حرمین نے بعض سوالات کیے تو ان کے جوابات بھی تحریر کیے متون فقہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۳۱)

کاغذ کے نوٹ کا مسئلہ عرب و عجم میں تشنۂ تحقیق تھا بڑے بڑے علماء اس کی شرعی حیثیت کا قطعی حکم دینے سے قاصر تھے چنانچہ مکہ مکرمہ کے مفتی احناف مولانا جمال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کما حقہ حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر العلم امانۃ فی اعناق العلماء کہہ کر پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت کا فقہی کمال ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کی صحیح صورت دلائل و براہین کی روشنی میں جزئیات کے حکم

کے ساتھ پیش فرمایا تھا قیام مکہ ۱۳۲۳ھ کے دوران مولانا عبداللہ میر داد اور مولانا محمد احمد جدادی نے نوٹ سے متعلق ایک استفتاء پیش کیا جس میں بارہ سوالات تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان سوالوں کے جوابات تحریر فرمائے جو کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم کے نام سے شائع ہوا علماء عرب وعجم اس تحقیق سے انگشت بدنداں رہ گئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ انہیں ایسا نابغۂ روزگار فقیہ میسر آیا۔

کتب خانہ حرم میں مکہ کے جلیل القدر عالم مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ نے کتاب کے مسودہ کا مطالعہ کیا اور اس مقام پر پہونچے جہاں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی۔ "لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکرہ" یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اٹھے اور اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولے "این جمال بن عبداللہ من ھذا النص الصریح" یعنی حضرت جمال بن عبداللہ کہاں اس نص صریح سے غافل رہ گئے؟ (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۰۷)

امام احمد رضا کی فقہی عظمت اور مجتہدانہ قوت استدلال اور مسائل کے دقیق جزئیات تک رسائی ان کا وہ ملکہ اور خاصہ ہے جو معاصرین علماء تو درکنار دسویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک ایسا کوئی بالغ نظر فقیہ دکھائی نہیں دیتا۔ مسائل کی تحقیق، دلائل کی قوت پر پوری فتاویٰ رضویہ شاہد عدل ہے۔ تیمم کی تعریف وماہیت شرعیہ سے متعلق ایک سوال پوچھا گیا۔ اعلیٰ حضرت نے جو محققانہ مفصل اور بسیط جواب تحریر فرمایا وہ فتاویٰ رضویہ جلد اول کے ص ۵۸۶ سے ۸۵۰ تک دوسو چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ دلائل سے معمور ہے۔ پہلے تیمم کی سات تعریفیں ذکر کیں۔ کتب فقہ میں تیمم سے متعلق جو عبارتیں ہیں انہیں بیان کیا اور سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ مطابقت وموافقت ظاہر کیں اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہ ایسے محققانہ انداز سے فرمائی کہ ائمہ دین اور فقہائے امت کی جملہ تصریحات کو پیش نظر رکھ کر اپنے کمال اور زور استدلال سے تاریخ فقہ میں ایک نیا ریکارڈ قائم کردیا۔ کتب فقہیہ میں جواز تیمم کے لیے پانی نہ ملنے کی چالیس پچاس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو لیکن فاضل بریلوی نے پانی سے عجز کی پونے دوسو صورتیں بالترتیب بیان فرمائیں۔

فتاویٰ رضویہ بارہ جلد، جد الممتار علی رد المحتار کامل پانچ جلدیں، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، حاشیہ فواتح الرحموت، شرح مسلم الثبوت، حاشیہ الحموی شرح الاشباہ والنظائر، حاشیہ فتاویٰ عالمگیری، حاشیہ کتاب الخراج، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ فتح القدیر، حاشیہ الجوہرۃ النیرۃ، کاسر

السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم، اتاخ المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل، النھی الاکید فی نھی الصلوٰۃ ورای عدی التقلید، سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید، النیرۃ الوضیہ شرح الجوہرۃ المضیۃ، السنیۃ الانیقۃ فی فتاویٰ افریقہ، احکام شریعت۔

فقہ اور اصول فقہ پر اعلیٰ حضرت کی معلوم کتابوں کی فہرست تصانیف امام احمد رضا میں ملاحظہ فرمایئے جن کی مجموعی تعداد ۲۵۹/ ہے یہ وہ عظیم فقہی کارنامہ ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے پیش کی جاسکتی ہے۔

عقائد وکلام:۔

خلافت راشدہ کے دور آخر میں اعتقادی فرقے وجود میں آنے لگے پھر ہر دور میں مسلم سوسائٹی کے اندر ایسے مفسد عناصر پیدا ہوتے رہے جنہوں نے قرآن وسنت کے علی الرغم گمراہ کن عقیدے گڑھے ان کے ثبوت میں دلائل پیش کیے اور ان کی اشاعت کی۔ مسلمانوں کے اندر دین سے انحراف کی راہ نکالی۔ ہر دور میں علماء حق نے گمراہ فرقوں کے مزعومات کی تردید فرمائی اور باطل عقائد ونظریات کی قلعی کھول دی، ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے زیر اثر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے سلف صالحین کے عقائد سے انحراف شروع کیا اور طرح طرح کے باطل افکار ونظریات شائع کر کے مسلمانوں کو بددین اور گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ امکان کذب باری تعالیٰ، تنقیص شان انبیاء ومرسلین، امتناع نظیر، شیطان کے علم کو نبی اکرم کے علم سے بڑھانا، ختم نبوت سے انکار وغیرہ جیسے باطل نظریات پھیلنے لگے تو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان باطل عقائد ونظریات کی تردید فرمائی اور صحیح اسلامی عقائد ونظریات کو کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کیا اور باطل کی دھجیاں بکھیر دیں۔

امام احمد رضا نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے جو قلمی کاوش فرمائی ”تصانیف امام احمد رضا“ کی رو سے اس فن میں ان کی کتابوں کی تعداد ۱۲۴/ ہے۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

العقائد والکلام، السعی المشکور، قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار، الجرح الوالج فی بطن الخوارج، مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، الصمصام الحیدری، مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ، الفرق الوجیز بین السنی العزیز والوہابی الرجیز، حاشیہ شرح فقہ اکبر، سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح، الکوکبۃ الشہابیۃ، خالص الاعتقاد۔

کلامی مباحث کا ایک بنیادی مقصد غیر اسلامی تصورات وافکار خاص طور پر فلسفۂ یونان کے باطل مزعومات کی تردید ہے جو اسلامی عقائد سے متصادم ہوتے ہیں چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

”لما نقلت الفلسفة عن اليونانية الى العربية وخاض فيها الاسلاميون ......حاولوا الرد على الفلاسفة فيما خالفوا فيه الشريعة .... وهذا كلام المتاخرين “

جب فلسفہ یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا اور مفکرین اسلام نے اس پر غور کیا ...... تو فلسفہ کے (ان مسائل کے) رد کی کوشش کی جن میں وہ شریعت (حصہ اسلامیہ) سے مختلف ہیں اور یہی ”کلام متاخرین“ ہے۔

علماء اسلام نے فلسفۂ یونان کے اثرات بد سے بچانے کے لیے اس کی تردید میں اپنی کلامی کاوشیں صرف کیں۔ امام غزالی نے ”تہافۃ الفلاسفۃ“ لکھ کر ارسطو کے فلسفیانہ نظریات کی بیخ کنی کی اس طرح انہوں نے دنیائے اسلام پر ایک عظیم احسان کیا اور وہ مسلمانوں میں حجۃ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ہندوستان کی تاریخ میں مغل سلاطین کا عہد علمی اور فنی ترقی کا زریں عہد خیال کیا جاتا ہے اس دور میں معقولات کو خاص اہمیت دی گئی اور یونانی منطق وفلسفہ کو درسگاہوں میں اتنا رسوخ حاصل ہوا کہ نصاب تعلیم میں منطق وفلسفہ کا عنصر غالب آگیا اس معقولاتی رجحان نے علم کے دوسرے شعبوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور یونانی ہفویات غالب آنے لگے۔ مغلیہ حکومت تو ختم ہوگئی مگر عقل پرستی کا مسلم سوسائٹی میں باقی رہ گیا اس فلسفیانہ مرعوبیت اور عقل پرستی کے رجحان کا قلع قمع کرنے کے لیے امام احمد رضا نے قلم اٹھایا اور فلسفۂ قدیم کے رد میں اکتیس مقامات پر مشتمل کتاب ”الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء الفلسفۃ المشئمۃ“ تصنیف فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نہ فلسفی تھے اور نہ فلسفہ کی طلب میں عمر گنوائی تھی بلکہ وہ تو دین حق اور علوم اسلامیہ کے سچے خادم تھے مگر انہوں نے جس محققانہ اسلوب میں حکمائے یونان کے باطل نظریات کی دھجیاں بکھیری ہیں انہیں دیکھ کر امام غزالی کی ”تہافت الفلاسفۃ“ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ عظیم محقق جناب علامہ شبیر احمد خاں غوری مرحوم کے ان تاثرات سے کیجئے۔

”اکیسویں سے چوبیسویں مقام تک قدیم فلسفہ الٰہیات کے اہم مواقف کا ابطال ہے۔ بعد کے چھ مسئلے زمانہ کے ابحاث سے متعلق ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے اندر اعلیٰ حضرت نے جس

خوش اسلوبی سے اس باب میں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی فرمائی ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ کاش کوئی خدا کا بندہ اس زمانہ میں اس کتاب کے ان ابواب کا تذکرہ علامہ اقبال سے کر دیتا جو مسئلہ زمان کے باب میں اسلام اور اسلامی مفکرین کے مواقف سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں کی ہدایت ورہنمائی طلب کر رہے تھے جو "او خویشتن گم است کرا رہبری کند" کے مصداق تھے۔ (ماہنامہ حجاز ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۹ء ص ۶۳)

امام احمد رضا نے قدیم فلسفہ کی شہ رگ پر نشتر زنی کے ساتھ ساتھ فلسفۂ جدیدہ کے باطل نظریات کا بھی رد فرمایا اور حرکت زمین کے نظریہ کے خلاف "فوز مبین در حرکت زمین" تالیف فرمائی اور اس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکت زمین کے نظریہ کو باطل قرار دیا اور دیگر بہت سے مزعومات فلسفۂ جدیدہ کے پرخچے اڑا دیے۔

تجدید واصلاح:۔

تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری عالم اسلام کی سیاسی سماجی اور دینی واخلاقی پستی کا دور ہے۔ مغرب کے جابرانہ تسلط نے مسلمانوں کے دنیاوی اقتدار کو ضرب پہونچائی تو دوسری جانب ان کی اخلاقی قدروں کو بھی پامال کیا۔ اعتقاد میں فساد اور عمل میں بگاڑ پیدا کرنے والی بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں اور ایسے باطل پرست افراد کی کمی نہیں جنہوں نے مسلمانوں کے اندر بے دینی اور گمراہی پیدا کرنے میں حتی المقدور کوشش نہ کی ہو اور جب ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح اور دین کی تجدید کے لیے مجدد پیدا کرتا ہے جو اپنی عملی سرگرمیوں سے دین کے صحیح خدوخال پیش کرتا ہے اور بدعات ومنکرات سے لوگوں کو باز رکھنے کی پرخلوص جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد پیدا کرتا ہے جو دین کے امور کی تجدید فرماتا ہے۔ مجدد اعظم کی ولادت ۱۰؍شوال ۱۲۷۲ھ اور وصال ۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا اس طرح تیرہویں صدی ہجری کے آپ نے ۲۸؍سال دو مہینے ۲۰؍دن پائے اور چودہویں صدی کے ۳۹؍سال ایک مہینہ ۲۵؍دن تیرہویں صدی کی آخری دہائی ہی سے آپ کی ذات علما وفضلا اور اہل حق کا مرجع بن گئی تھی پھر چودہویں صدی کے چالیس سال آپ کی ذات والا صفات کی برکتیں عرب وعجم میں عام ہوگئیں۔ آپ کی دینی وعلمی خدمات اور مرتبہ کو دیکھتے ہوئے حافظ کتب حرم سید اسماعیل

خلیل نے تحریر فرمایا۔

"لو قیل فی حقه انه مجدد هذا القرن لکان حقا وصدقا" اگر ان کے بارے میں کہا جائے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں تو یہ بات صحیح اور سچی ہوگی۔

حضور اعلیٰ حضرت نے قدیم وجدید تمام باطل فرقوں اور گمراہ کن تحریکوں کی تردید فرمائی اور مسلمانوں کے اعتقادی اور عملی فساد کی اصلاح فرمائی۔ دین وشریعت کی حقیقی روح سے لوگوں کو آشنا کیا۔ بدعات ومنکرات کا بلیغ رد فرمایا اور جس جس جہت اور نوعیت سے دین حق پر یلغار کی جاری تھی ان کا قلع قمع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی حمایت ونصرت، علم دین کی تبلیغ واشاعت، سنیت کی حفاظت اور دین حق کی صیانت کے لیے آپ کو پیدا فرمایا تھا۔ آپ نے پوری زندگی امر بالمعروف ونہی عن المنکر، مسلمانوں کی اصلاح اور دین کی تجدید کا اہم فریضہ انجام دینے میں بسر کردی اور باطل کی ہر تحریک کا راستہ روکنے کی کامیاب جدو جہد فرمائی۔

بیعت وارشاد:۔

درسیات سے فراغت کے بعد جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں والد گرامی کے ساتھ مارہرہ مطہرہ پہونچے اور حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ العزیز کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ مرشد برحق نے پذیرائی کی اور دست حق پرست پر بیعت کیا اسی وقت خلافت سے بھی نوازا اور عطیات وتبرکات سے سرفراز فرمایا۔ یہ عنایات دیکھ کر دوسرے حاضرین نے عرض کی حضور اس بچے پر اتنی نگاہ کرم کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا اے لوگو! تم احمد رضا کو کیا جانو پھر فرمایا ''قیامت کے روز رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے آل رسول! تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا'' اس کے بعد فرمایا ''یہ چشم وچراغ خاندان برکاتیہ ہیں اوروں کو تیار ہونا پڑتا ہے یہ بالکل تیار ہو کر آئے تھے صرف نسبت کی ضرورت تھی''۔

فاضل بریلوی کو قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی ان تمام سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مسند درس وافتاء کے ساتھ سجادۂ مشیخت کو بھی رونق بخشی اور آپ نے ارشاد وہدایت کی قلمرو میں اپنی مساعی جمیلہ سے ایک صالح انقلاب برپا کردیا۔ روحانیت وتصوف کی اصل اتباع واطاعت رسول کے صحیح جذبے سے اپنے حلقہ بگوشوں کو آشنا کیا ان کے دلوں میں حب رسول کا جذبۂ صادق اور طاعت وعبادت حق کی سچی لگن پیدا فرمائی اور صحیح معنوں میں

خانوادہ قادریہ برکاتیہ کی ایسی شمع فروزاں ثابت ہوئے جس کی شعاعیں ہندو بیرون ہند تک پہونچیں اور آج پوری دنیا میں سلسلۂ رضویہ برکاتیہ قادریہ کے مشائخ رشد و ہدایت خلق کا مہتم بالشان فرض انجام دے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے نامور خلفاء جن سے اس سلسلۂ بیعت وارشاد کی اشاعت ہوئی حسب ذیل ہیں:

صدر الشریعہ مولانا امجد علی، مولانا حامد رضا خاں، مولانا مصطفےٰ رضا خان، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سید محمد دیدار علی، مولانا عبدالاحد قادری، مولانا عبدالعلیم میرٹھی، مولانا محمد رحیم بخش آروی، مولانا لعل محمد خاں مدراسی، مولانا عمر بن ابی بکر، مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی، مولانا محمد شفیع بیسلپوری، مولانا حسنین رضا خاں، مولانا محمد شریف کوٹی ہاران، مولانا امام الدین، مفتی غلام جان ہزاروی، مولانا احمد حسین امروہوی، مولانا عبدالسلام جبلپوری، مولانا محمد عبدالباقی، مولانا عبد الحی فاسی محدث، سید فتح علی شاہ، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا عمر الدین ہزاروی، مولانا محمد حبیب اللہ قادری، پروفیسر سید سلیمان اشرف، مولانا حشمت علی خاں، مولانا میر مومن علی مومن جنیدی، قاری بشیر الدین جبلپوری، مولانا ابراہیم رضا خاں، مولانا شیخ صالح کمال مکی، مولانا سید اسماعیل مکی، مولانا سید مصطفےٰ بن مولانا سید خلیل مکی، مولانا سید حسین مرزوقی، مولانا شیخ اسعد دہان مکی، مولانا شیخ عبدالرحمٰن مکی، علامہ شیخ محمد عابد بن حسین مکی، مولانا شیخ علی بن حسین، مولانا شیخ جمال بن محمد امیر مکی، مولانا شیخ عبداللہ بن شیخ احمد ابوالخیر میرداد، مولانا سید عبداللہ دحلان مکی، مولانا شیخ بکر رفیع مکی، حضرت شیخ حسن عجیمی، مولانا سید سالم بن عیدروس بارعلوی حضرمی، مولانا سید علوی بن حسن الکاف حضرمی، مولانا ابوبکر بن سالم بارعلوی حضرمی، مولانا سید محمد بن عثمان دحلان مکی، شیخ محمد یوسف مہاجر مکی، مولانا شیخ عبدالقادر کردی، مولانا عبداللہ فرید بن مولانا عبدالقادر کردی، مولانا سید عمر بن سید ابی بکر مکی، مولانا شیخ احمد خضراوی، مولانا سید مامون بری، مولانا سید محمد سعید مدنی، مولانا شیخ بن حمدان محرسی مدنی۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۲۹)

عشق رسول:۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے جملہ محاسن و محامد کا سرچشمہ عشق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا ہے آپ کی تمام دینی، روحانی، تجدیدی، تصنیفی سرگرمیوں کا محور عشق رسول ہی ہے حب رسول ہی دین کی اساس اور ایمان کی اصل ہے۔ فاضل بریلوی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ حب رسول سے سرشار تھا وہ شب و روز اسی جذبہ میں بسر کرتے تھے وہ عشق نبوی کو سرمایۂ حیات اور جان شیریں سے عزیز رکھتے تھے۔

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

محبت رسول جس میں آپ امتیازی شان رکھتے ہیں سارا زمانہ اس کا اعتراف کرتا ہے عشق رسول کی شراب آپ کی رگ و پے میں اس طرح گردش کرتی تھی کہ اس کی سرشاریوں سے ہر وقت مست و بیخود رہا کرتے تھے اور محبوب رب العالمین کی شان میں کسی دریدہ دہن کی ادنیٰ گستاخی انہیں ہرگز گوارا نہ تھی انہوں نے عظمت مصطفےٰ' کے تحفظ کے لیے حالات کی نا مساعدت اور مخالفین کی عداوتوں کی ہرگز پرواہ نہ کی یہی وصف ایک مومن کامل کا طرۂ امتیاز اور تکمیل ایمان کی شان ہے "لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین" تم میں کا کوئی اس وقت تک نہیں مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے باپ اور اپنی اولاد اور سب لوگوں سے وہ مجھے عزیز نہ رکھے۔

شیدائے رسول اپنی متاع حیات اور جان شیریں نام مصطفےٰ پر قربان کرنے کی تمنا کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

خدا اور رسول کی محبت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"بحمداللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ" (الملفوظ سوم ص ۶۷)

امام احمد رضا کا عشق رسول ان کی ایسی شناخت بن گیا جس کا اعتراف یگانوں اور بیگانوں سب نے کیا۔

☆ ابوالکلام آزاد: "(مولانا) احمد رضا خاں ایک سچے عاشق رسول گذرے ہیں"۔ (تحقیقات ص ۳۴)

☆ مولوی الیاس بانی تبلیغی جماعت: "اگر کسی کو محبت رسول علیہ التحیۃ والثناء سیکھنی ہو تو مولانا بریلوی (امام احمد رضا) سے سیکھے" (فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۱۰۰)

☆ مولانا کوثر نیازی: "ان کی امتیازی خصوصیت ان کا عشق رسول ہے جس میں وہ سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں چنانچہ ان کا نعتیہ کلام سوز و گداز کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہے"۔ (انداز بیان ص ۹)

☆ڈاکٹر جمیل جالبی: ''ان (مولانا احمد رضا) کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل وکمالات سے بڑھ کر ہے وہ عشق رسول علیہ السلام ہے ان کی تصنیفات وتالیفات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے یہ وہی حب رسول ہے''۔ (معارف رضا جلد چہارم کراچی ص ۴۷)

☆ پروفیسر کرار حسین: ''میں ان کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوں نے علم وعمل میں عشق رسول کو وہ مرکزی مقام دیا ہے جس کے بغیر تمام دین ایک جسد بے روح ہے۔ (خیابان رضا ص ۸۵)

شاعری:۔

امام احمد رضا نے حب رسول کے جذبات کو پوری صداقت اور بارگاہ رسالت کے احترام کے ساتھ پیکر شعر میں ڈھالا ہے ان کا دل سوز عشق سے گریاں اور ان کے رگ وپے میں عشق نبوی کے شرارے خون کی طرح گردش کر رہے تھے۔ ہر سانس سے سوزِ دروں ہویدا اور ہر لفظ محبت کی صداقت کا ترجمان ہوتا۔ امام احمد رضا کا شیوہ شعر وشاعری نہ تھا عشق وارادت کے جذبات اور واردات قلب نے اظہار کے لیے شعر کا قالب اختیار کیا اور انہوں نے ثنائے حبیب میں حضرت حسان کی پیروی کی۔

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو   ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف   لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

☆☆☆

توشے میں غم و اشک کا سامان بس ہے   افغان دل زار حدیخوان بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو   نقش قدم حضرت حسان بس ہے

مضامین نعت درحقیقت قرآن سے ماخوذ ہیں جنہیں شاعر جدت اسلوب کے ساتھ اپنی زبان میں ادا کرتا ہے وہ اپنے جذبات کے اظہار میں دوسری اصناف کی طرح آزاد نہیں ہوتا۔

امام احمد رضا نے شعور نعت اسی نہج سے حاصل کیا اور اس کو توشۂ آخرت بنایا۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ   بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی   یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام احمد رضا بایں ہمہ صرف اردو ہی نہیں بلکہ فارسی اور عربی کے نعت گو شعراء کی صف اول میں نظر آتے ہیں اور ان کی شاعری فن کا اعلیٰ نمونہ ہے ان کے کلام میں شاعری کے جملہ محاسن

معیاری کلام کی ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ لسانی صحت، بیان کی سلاست، جذبات کی شدت وصداقت زبان کی حلاوت، طرز ادا کی جدت، حسن بیان کی لطافت ان ساری چیزوں نے مل کر رضا کے کلام کو کلام الامام، امام الکلام بنادیا ہے۔ کلام رضا بلا ریب بلند پایہ شاعری کا شاہکار ہے فکر وفن زبان وبیان جس زاویہ نظر سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

علمی دنیا کی تاریخ میں لاکھوں باکمال ہستیاں گذریں مگر اپنے علم وفضل اور مخصوص فن میں ممتاز ہونے کے ساتھ عمر خیام کے علاوہ شاید ہی کسی نے شاعری میں بھی معراج کمال حاصل کیا ہوتا ہم اسے بھی صرف صنف رباعی ہی میں کمال فن نصیب ہوا مگر امام احمد رضا علمی دنیا کے وہ تاجور ہیں جنہوں نے علم وفن کے ہفت اقلیم طے کرنے کے ساتھ ساتھ فن شاعری میں بھی معراج کمال حاصل کیا اور اس فن میں بھی انفرادیت اور امتیاز سے سرفراز ہوئے۔ حمد، نعت، رباعی، قصیدہ، منقبت، مثنوی ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی یکساں صلاحیت رکھتے تھے مگر ان کا فکری محور مذہبی شاعری تھا اور انہوں نے ثنائے مصطفٰے کو اپنی شاعری کا بنیادی موضوع قرار دیا۔ وہ اہل دول کی مدح وستائش سے پارۂ ناں کے کبھی طالب نہ ہوئے وہ اپنے کریم ہی کے در پر ہمیشہ نظر آتے ہیں۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

☆☆☆

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

امام احمد رضا سچے عاشق رسول تھے یوں تو روز وشب کے بیشتر لمحات زبان وقلم کے ذریعہ دین مصطفٰے کی نصرت وحمایت میں بسر ہوتے مگر جب عشق کی خلش بے تابی کی حدوں کو چھونے لگتی اور ہجر کی کسک صبر وشکیبائی کی حدوں کو پار کرنے لگتی۔ محبت کا جذبہ بحر زخار بن جاتا تو بیساختہ داخلی کیفیات موزوں الفاظ کے جامہ میں خوبصورت شعر کا قالب اختیار کر لیتے۔ سارے کلام میں آمد ہی آمد ہے، جذبہ کی صداقت کے ساتھ نغمگی، موزونیت اور اثر آفرینی لفظ لفظ سے نمایاں ہوتی ہے۔

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں مجھ کو   پھر دکھادے وہ رخ، اے مہر فروزاں مجھ کو

☆☆☆

آنکھ وہ آنکھ کہ نا کام تمنا ہی رہی   ہائے وہ دل جو ترے در سے پر ارمان گیا
دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا   سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے   تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

☆☆☆

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول   لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
دندان ولب و زلف ورخ شہ کے فدائی   ہیں در عدن لعل یمن، مشک ختن پھول

☆☆☆

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام   للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

☆☆☆

سرور کہوں کہ مالک مولیٰ کہوں تجھے   باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری   حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا   خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

☆☆☆

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں   یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے   کہ ہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

کلام رضا پر چند ارباب نقد و نظر کی رائیں ملاحظہ فرمائیں:

☆ نیاز فتحپوری: ”شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی کا ہے ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ ان کے افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا کے بعض اشعار میں نعت مصطفوی میں اپنی انفرادیت کا دعویٰ بھی ملتا ہے۔ جو ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں“۔ (ماہنامہ ترجمان نومبر ۵۷ء ص ۲۸)

[illegible] کو کسی کا تلمذ نہیں

تھا۔ خلاق عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی، سخن سنجی، اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اسی لیے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں۔
(المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۴۹)

تصانیف:۔

اسلامی علوم وفنون کی تاریخ میں لاکھوں اصحاب قلم، مصنف اور مولف گذرے ہیں ان میں بیشتر مصنفین ایسے ہیں جنہوں نے صرف ایک موضوع اور اس کے متعلقات پر قلم کی توانائی صرف کی ہے۔ ایسے عظیم مصنفین خال خال ہی نظر آتے ہیں جنہوں نے متعدد علوم وفنون پر کتابیں تحریر کیں اس خصوص میں چودہویں صدی کے مجدد امام احمد رضا نمایاں نظر آتے ہیں جنہوں نے تقریباً کیا دن علمی و دینی موضوعات پر گرانقدر مصنفات یادگار چھوڑیں جو کمیت و کیفیت ہر لحاظ سے علمی دنیا کا گنج شایگاں ہیں۔ کمیت کتب کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کے بعض مصنفین کو آپ کا ہمسر قرار دیا جاسکتا ہے لیکن مضامین کے تنوع اور علوم وفنون کی کثرت و جامعیت کے لحاظ سے اسلامی دنیا کا شاید ہی کوئی مصنف آپ کا ہم پلہ ہو۔ امام احمد رضا نے عنفوان شباب سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک قرطاس وقلم سے سروکار رکھا اور تدریس وتبلیغ کے کاموں کے علاوہ سارا وقت مطالعۂ کتب اور اکناف واطراف عالم سے آنے والے استفسارات کے جوابات تحریر فرمانے اور مستقل کتابوں کی تصنیف وتالیف اور تحشیہ میں بسر ہوتا۔ خصوصیت کے ساتھ عمر شریف کی آخری دہائیاں تصنیفی مصروفیات کے لحاظ سے بہت اہم ہیں ایک ایک دن میں کئی کئی سوالات پیش ہوتے جن کے جوابات پوری شرح وبسط اور دلائل کی روشنی میں تحریر فرماتے اور ایک ایک دو دو دن میں پورا رسالہ تیار فرما دیتے۔

امام احمد رضا علم لدنی سے مالا مال تھے انہیں ہر علم وفن میں اتنا عبور اور مسائل وجزئیات کا ایسا استحضار تھا کہ وہ بڑے سے بڑے اہم مسائل وموضوعات پر قلم برداشتہ کتابیں تحریر فرماتے جس کا ع "ہر سخن موقع وہر نکتہ مقامے دارد" کا مصداق کامل ہوتا۔

الدولۃ المکیہ:۔

دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء کے موقع پر مکہ مکرمہ کے دوران قیام، وہابیہ کی جانب سے علم غیب مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے بارے میں پانچ سوالات شریف مکہ علی پاشا کے وساطت سے

بارگاہ رضا میں بھیجے گئے وہابیوں کا خیال تھا۔ حالت سفر میں جب کہ کتابیں دستیاب نہیں، فرصت کے اوقات بھی کم ہیں امام احمد رضا جواب دینے سے عاجز رہیں گے لیکن امام اعلیٰ حضرت نے بخار کی حالت میں اپنے تمام معمولات کو برقرار رکھتے ہوئے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں اپنی مایۂ ناز کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' تصنیف فرمائی۔ مولانا بدرالدین قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''رسالہ دولت مکیہ اعلیٰ حضرت کی زندۂ جاوید کرامت ہے کہ آپ نے بخار کی شدت میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے محض اپنی خداداد یادداشت کے بل پر تفاسیر، احادیث اور کتب ائمہ کی اصل عبارتوں کے حوالجات کثیرہ نقل فرماتے ہوئے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں تصنیف فرمایا جس میں حقائق ودقائق، معارف وعوارف کے بحر زخار لہریں مار رہے ہیں اس کے دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے تازہ دم لشکر ہیں۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۲۹۸)

علماء حجاز نے اس کتاب کو سینے سے لگایا اور اپنے گرانقدر تاثرات سپرد قلم فرمائے۔

☆ **شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی:** ''میں نے اس کتاب (الدولۃ المکیۃ) کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں جو ایک امام کبیر، علامہ اجل کی طرف سے ظاہر ہوسکتی ہیں۔ اللہ راضی رہے اس رسالے کے مصنف سے اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو برلائے۔ (الدولۃ المکیۃ ص ۲۷۷ مطبوعہ کراچی)

☆ **شیخ عبداللہ بن حمید مکہ معظمہ:** ''میں نے یہ رسالہ دیکھا جسے ہر سردار نے قبول کے ساتھ لیا تو میں نے اس کے دلائل یقینیہ کے آفتابوں کو پایا کہ انہوں نے ہر تاریکی دور کر دی اور اس کی ہدایت کے نور اس امت پر چمکے تو اس رسالے پر یہ قول صادق آیا۔

ولاعیب فیہم غیر ان سیوفہم   بہن فلول من قراع الکتائب

(ایضا ص ۲۵)

☆ **رئیس الائمہ والمدرسین شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد مکہ مکرمہ:** ''میں نے یہ رسالہ تدقیق اور غور کامل کی نگاہ سے دیکھا تو میں نے اسے نہایت حسن تحقیق واستحکام میں پایا۔ بیشک اس کے بیان سے دل کشادہ ہوئے اور آسمان تحقیق میں اس کی یقینی دلیلیں بلند ہوئیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ اس کی تصنیف ہے جو علامہ عقیل ذکی بلند ہمت ہے اور اپنے زمانے کے تمام مولفوں کا سردار ہے

☆ شیخ سید احمد علوی بن سید احمد فقیہ مدینہ منورہ: ''وانہا لجدیرۃ بان تکتب بالتبر بدل المداد والحبر'' اور وہ (الدولۃ المکیہ) بیشک اس لائق ہے کہ سیاہی اور روشنائی کے بدلے سونے سے لکھی جائے۔ (ایضاً ص ۹۲)

☆ شیخ یٰسین احمد خیاری مدینہ منورہ: '' یہ کتاب مسائل شریفہ کی تحقیق کے لیے ایک قاموس ہے۔ بزرگ اور بلند معارف کی تفتیش کے لیے ایک حصار ہے''۔

امام احمد رضا کی کل مصنفات کتنی ہیں؟ ان کا کاملاً احصاء اب تک نہ ہوسکا انہوں نے اکیاون علوم وفنون پر قیمتی مصنفات یادگار چھوڑیں جن کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً ایک ہزار ہے۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے تیرہ سو ستائیس ۱۳۲۷ھ تک کی مصنفات ساڑھے تین سو تحریر فرمائیں مگر یہ فہرست ۱۳۲۷ھ تک کی تمام کتابوں کا احاطہ نہیں کرتی حضرت مولا عبدالمبین نعمانی صاحب نے پیہم کوشش اور جدوجہد سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کی ایک فہرست ''تصانیف امام احمد رضا'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کی ہے تاہم یہ فہرست بھی اعلیٰ حضرت کی تمام مصنفات کا احاطہ نہیں کرتی اس میں کتابوں کی مجموعی تعداد ۶۸۰/ ہے۔ اسی فہرست کی مدد ذیل میں کتابوں کی تعداد فنوار درج کی جاتی ہے۔

تفسیر ۱۵، اصول تفسیر ۱، رسم خط قرآن ۱، حدیث ۳۶، اسانید حدیث ۳، اصول حدیث ۶ تخریج حدیث ۴، جرح وتعدیل ۲، اسماء الرجال ۷، لغت حدیث ۱، فقہ ۲۵۳، اصول فقہ ۶ رسم المفتی ۳، فرائض ۴، تجوید ۴، عقائد وکلام ۱۴۳، مناظرہ ۷، فضائل وسیرت ۲۳، مناقب ۱۱، نصائح ومواعظ ۵، ملفوظات ۲، مکتوبات ۳، خطابت ۲، ادب ۲۲، نحو ۲، صرف ۱، لغت ۳، عروض ۱، تعبیر ۱، اوفاق ۱ تکسیر ۴، جفر ۸، توقیت ۱۸، لوگارثم ۲، زیجات ۹، ہندسہ ۵، حساب ۴، ریاضی ۶، علم مثلث ۴، ہیئت ۱۶ نجوم ۵، جبر ومقابلہ ۳، ارثماطیقی ۳، منطق ۳، فلسفہ ۶، شتّٰی ۴۔

مکارم اخلاق:۔

امام احمد رضا کی ذات علم وعمل کا سنگم تھی جس طرح وہ علمی کمالات میں بلند مرتبہ پر فائز اسی طرح وہ عظمت کردار، اخلاص وایثار، زہد وورع، عبادت وریاضت کے میدان میں بھی ممتاز حب رسول کا جذبۂ صادق جو تمام مکارم اخلاق کا سرچشمہ ہے آپ کی رگ وپے میں سرایت ہوئے تھا محبت واتباع رسول ہی سے انسان کے اندر روحانیت کا نمو، طاعت وعبادت کا ذوق اور

عمل میں اخلاص وللٰہیت کی صفت پیدا ہوتی ہے اور یہی چیز ایمان کی معراج کمال ہے۔ رسول گرامی کا ارشاد ہے "من احب للہ وابغض للہ واعطیٰ للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان" جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ ہی کے لیے عداوت کی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے منع کیا تو اس کا ایمان کامل ہو گیا"۔ فاضل بریلوی کے روز و شب شریعت کی منہاج پر گذرتے۔ نمازیں با جماعت ادا فرماتے، ہمیشہ باوضو رہتے، نفلی روزوں کا اہتمام فرماتے، غرباء و مساکین اور اہل حاجت کی ضروریات پوری کرتے، طالبان علم کی ضیافت فرماتے، تواضع اور انکساری کا پیکر تھے۔ رفتار و گفتار، نشست و برخاست، خورد و نوش، سفر و حضر ہر حال میں اسلامی آداب پر عمل کرتے۔ اخلاق و کردار، عفت و عصمت، طاعت و عبادت میں آپ اسلاف کا نمونہ تھے۔

وصال:۔

علم و فن، زہد و تقویٰ، فکر و دانش کا یہ آفتاب ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ ۲ر بج کر ۳۸ر منٹ پر غروب ہوا۔ آپ کے وصال پر پورا شہر بریلی غم و اندوہ میں ڈوب گیا۔ دل سوگوار اور آنکھیں اشکبار تھیں ہزاروں اشخاص نے بادیدۂ نم نماز جنازہ پڑھی اور پیکر علم و دانش کو سپرد خاک کیا۔

(۹۷) صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی قادری گھوسوی علیہ الرحمہ

۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء۔ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

اسم گرامی محمد امجد علی لقب صدر الشریعہ سلسلۂ نسب یہ ہے محمد امجد علی بن مولانا حکیم جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین۔ وطن محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو ہے (جو پہلے ضلع اعظم گڈھ کا ایک حصہ تھا) وہیں ۱۲۹۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تحصیل علم:۔

صدر الشریعہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے والد ماجد مولانا حکیم جمال الدین تلمیذ مولانا عبد الحی فرنگی محلی جید عالم اور باکمال طبیب تھے فن طب حکیم عبد الولی لکھنوی سے حاصل کیا تھا۔ انہوں نے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت کا ابتداء ہی سے اہتمام کیا۔ گھر پر جد امجد مولانا خدا بخش علیہ الرحمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر قصبہ کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور مولانا الٰہی بخش صاحب

سے فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

خداوند تعالیٰ نے حفظ و ضبط کی قوت سے مالا مال کیا تھا۔ بچپن ہی سے ذہین و طباع واقع ہوئے تھے تحصیل علم کا شوق یکساں تھا۔ گھوسی میں رہ کر ذوق علم کی تسکین ممکن نہ تھی اس لیے شوال ۱۳۱۴ھ مطابق مارچ ۱۸۹۷ء میں شیراز ہند جونپور کی طرف روانہ ہوئے۔ شوق علم میں گھوسی سے اعظم گڈھ تک پیدل سفر کیا اور وہاں سے اونٹ گاڑی پر سوار ہو کر جونپور پہونچے جہاں اس دور کی عظیم درسگاہ مدرسہ حنفیہ میں داخلہ لیا جس کی مسند صدارت پر استاذ العلماء حضرت علامہ ہدایت اللہ رامپوری تلمیذ رشید حجۃ الاسلام علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ رونق افروز تھے۔ اس چشمۂ علم کے گرد تشنگان علوم کا ہجوم رہتا تھا۔ حضرت صدر الشریعہ نے صرف و نحو اور ادب و معقولات کی ابتدائی کتابیں اپنے چچازاد بھائی حضرت علامہ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ اور مولانا ہادی حسن مدرس دوم سے پڑھیں، پھر استاذ العلماء کے درس میں شریک ہونے لگے اور جلد ہی استاذ العلماء کی نگاہوں میں عزیز ہو گئے اور ان کی خصوصی توجہ کے سزاوار بنے۔

مولانا سلیمان اشرف صاحب سابق پروفیسر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ فرمایا کرتے تھے ”حضرت استاذ العلماء یوں تو تمام طلبہ پر عنایت فرماتے تھے لیکن تین اشخاص مولانا محمد صدیق مولانا محمد امجد علی، سلیمان اشرف پر خاص الخاص نظر کرم تھی۔ چاہتے تھے کہ جو کچھ میرے سینے میں ہے نکال کر ان تینوں کو بخش دوں۔ (ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر ص ۴۳)

مدرسہ حنفیہ کے طلبہ میں حضرت صدر الشریعہ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ نچلی جماعتوں کے طلبہ کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ ملا حسن اور دیگر کتب متوسطات کے درس حضرت الاستاذ نے آپ کے متعلق کر دیئے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ استاذ العلماء کو اپنے شاگرد رشید کی علمی صلاحیت پر کتنا اعتماد تھا۔ جونپور میں معقولات و منقولات کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد علم حدیث میں درک حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس زمانہ کے شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی بارگاہ میں ۱۳۱۹ھ میں پیلی بھیت پہونچے۔ استاذ العلماء نے محدث سورتی کو اس مضمون کا خط تحریر فرمایا ”میں اپنا ایک مخصوص عزیز طالب علم آپ کے پاس بھیجتا ہوں اس کی تعلیم پر توجہ فرمائیں“۔ (صدر الشریعہ حیات و خدمات ص ۴۷)

مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں محدث سورتی سے صدر الشریعہ نے صحاح ستہ، کتاب الآثار، مسند امام اعظم اور موطا امام مالک کا درس لیا۔ شیخ کی خصوصی توجہ اور عنایت سے علم

حدیث میں ایسا کمال پیدا کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے ”مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے“ تعلیم سے اشتغال کا یہ عالم تھا کہ شب و روز درس اور مطالعۂ حدیث کا سلسلہ جاری رہتا۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں ”چودہ مہینے پیلی بھیت میں قیام رہا لیکن ایک دن بھی چھٹی نہیں ملی۔ جمعہ کے دن میں بھی سبق ہوتا بلکہ سفر میں بھی اسباق جاری رہتے“۔ (ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ ص ۷۳)

مہتمم مدرسۃ الحدیث نے سالانہ امتحان کی جو رپورٹ شائع کی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ نے کس انہماک سے کتب احادیث کا درس لیا تھا۔ ”٦ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو بحمدہ تعالیٰ طلبہ کا امتحان حضرت مولانا مولوی شاہ محمد سلامت اللہ صاحب رامپوری دام فیضہ نے لیا۔ مولوی امجد علی صاحب نے بعد فراغ کتب درسیہ کے نہایت جانفشانی و کمال مستعدی سے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف، کتاب الآثار شریف، مؤطا شریف، طحاوی شریف کا قراءۃً و سماعۃً درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا۔ جس کے باعث ممتحن صاحب و حاضرین نہایت شاداں اور ان کی حسن لیاقت و فہم و ذکاوت سے بہت فرحاں ہوئے۔ اور دستار فضیلت زیب سر کی گئی“۔ (تحفۂ حنفیہ پٹنہ محرم ۱۳۲۵ھ ص ۴۴)

۱۳۲۴ھ میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کی تعلیم حدیث مکمل کرنے کے بعد مکان آئے اور پٹنہ کی عظیم درسگاہ مدرسہ اہل سنت پٹنہ میں مدرس اول مقرر ہوئے۔

تحصیل طب:۔

قاضی عبد الوحید صاحب مہتمم ادارہ کے وصال فرمانے کے بعد صدر الشریعہ نے استعفاء دے دیا اور علم طب کی تحصیل کے لیے شوال ۱۳۲۶ھ میں لکھنؤ تشریف لے گئے۔ جہاں مشہور زمانہ طبیب حکیم عبد الولی صاحب سے دو سال طب کی کتابیں پڑھیں۔ تشخیص امراض اور اصول علاج کی تربیت پانے کے بعد گھوسی آئے اور پیشۂ طبابت سے وابستہ ہو گئے۔

جلد ہی ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے شہرت پائی اور معاش سے بے نیاز ہوئے محدث سورتی کی زیارت کے لیے پیلی بھیت تشریف لے گئے۔ انہیں یہ جان کر بڑا قلق ہوا کہ علم دین کی مسند کو زینت بخشنے والا غیر معمولی شاگرد مطب کر رہا ہے۔ جسے علمی اور روحانی طبیب ہونا تھا وہ جسمانی معالج کی حیثیت سے خدمت خلق کر رہا ہے۔ جب آپ پیلی بھیت سے بریلی شریف تشریف لے گئے تو محدث سورتی نے اعلیٰ حضرت کو تحریر فرمایا ”جس طرح ہو سکے آپ مولوی امجد علی

کو خدمت دین و علم کی طرف متوجہ کیجئے۔ حضرت صدر الشریعہ جب فاضل بریلوی کی بارگاہ میں پہونچے تو انہوں نے جوہر قابل کو پہچان لیا اور دوران قیام دل بستگی کے لیے کچھ تحریری کام سپرد کر دیئے۔ جسے صدر الشریعہ نے پوری قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔ اور اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں عزیز بن گئے۔ کچھ دنوں کے بعد گھوسی آ گئے۔

بارگاہ رضا میں:۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مستقل طور پر بریلی شریف طلب کر لیا اور دار العلوم منظر اسلام کا شیخ الحدیث بنا دیا۔ صدر الشریعہ کو وہ علمی میدان حاصل ہو گیا جہاں ان کی قابلیت کے جوہر خوب نکھرے اور طبیعت و مزاج کے مطابق تعلیمی، تصنیفی اور تنظیمی جہتیں تلاش کر لیں۔ مجدد اسلام کی نگاہ التفات اور علمی و روحانی تربیت نے جوہر قابل کو خوب چمکا دیا۔

بریلی شریف کے دوران قیام منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ، پریس کی نگرانی، کتابوں کی طباعت و اشاعت اور پھر بارگاہ رضا میں حاضر ہو کر فتویٰ نویسی اور اعلیٰ حضرت کے مسودات کا مبیضہ کرتے۔ شب و روز کی گوناگوں مصروفیات اور اعلیٰ حضرت کی نگاہ کیمیا اثر نے صدر الشریعہ کو میدان علم و عمل کا مجاہد بنا دیا۔ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ کی علمی لیاقت، فقہی شعور، تدریسی کمال اور ایثار و اخلاص کی بنا پر قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے۔

میرا امجد مجد کا پکا   اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ سے صفر ۱۳۴۰ھ تک امام احمد رضا کے دامن فیض سے وابستہ رہے اور ان کی رہنمائی و سرپرستی میں علم و عرفان کی منزلیں طے کرتے رہے۔ وصال شیخ کے بعد بھی آستانہ مبارک سے جدائی گوارا نہ تھی آپ مرشد برحق کی تفویض کردہ تعلیمی، تنظیمی اور تصنیفی خدمات پوری تندہی کے ساتھ ۱۳۴۲ھ تک انجام دیتے رہے۔

دار الخیر اجمیر شریف:۔

دار العلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ شریف اجمیر اس زمانے میں عظیم علمی درسگاہ تھی مولانا مشتاق احمد کانپوری مستعفی ہو گئے تو ان کی خالی جگہ کے لیے ایک متبحر عالم اور تجربہ کار ماہر تعلیم مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا سلیمان اشرف کی نشاندہی پر سید نثار احمد متولی دار العلوم معینیہ نے حضرت صدر الشریعہ کو اس منصب کی پیش کش کی۔ صدر الشریعہ مرشد کے آستانے سے جدا نہ ہونا چاہتے تھے

مگر جب اصرار بڑھا تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کی اجازت سے اجمیر شریف حاضر ہوئے اور دارالعلوم معینیہ کی مسند مشیخت حدیث کو رونق بخشی۔ ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۵۱ھ تک حضرت صدر الشریعہ نے سلطان الہند غریب نواز رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ علم وعرفان کے موتی لٹائے اور دور دراز سے آنے والے تشنگان علوم کو سیراب فرمایا۔ پورے ہندوستان میں آپ کی حسن تدریس اور مہارت علم کی دھوم مچ گئی۔

دوبارہ بریلی شریف میں:۔

نامساعد حالات کے باعث دارالعلوم معینیہ سے مستعفی ہو کر ۱۳۵۲ھ میں بریلی شریف آئے اور منظر اسلام کے شیخ الحدیث ومفتی کی حیثیت سے فرائض منصبی انجام دینے لگے۔

دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں:۔

نواب ابوبکر مرحوم نے معارف پروری کے جذبہ سے سرشار ہو کر مدرسہ حافظیہ قائم کیا تھا اور اس کے سارے اخراجات اپنی جیب خاص سے ادا کرتے۔ ان کے وصال کے بعد حاجی غلام محمد خاں شیروانی مدرسہ کے مہتمم ومتولی ہوئے۔ انہوں نے ادارے کے تعلیمی معیار کو اونچا کرنے کے لیے اس زمانے کی عظیم علمی شخصیت حضرت صدر الشریعہ کا انتخاب کیا اور ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں تشریف لائے۔ آپ کے ورود مسعود سے دارالعلوم کی تعلیمی حیثیت میں چار چاند لگ گئے۔ طلبہ میں تعلیمی دلچسپی اور مطالعہ ومباحثہ کا ذوق بڑھا۔ حضور صدر الشریعہ کا علمی فیضان جاری ہوا۔ طالبان علم جوق در جوق آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے دارالعلوم حافظیہ ایک موقر اسلامی ادارہ بن گیا۔ جہاں سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔ سات سال تک پورے انہماک اور اخلاص کے ساتھ صدر الشریعہ دادوں میں مصروف تعلیم رہے۔

مظہر العلوم بنارس:۔

۱۳۶۳ھ میں ایک سال کے لیے مدرسہ مظہر العلوم بنارس کے صدر المدرسین ہوئے۔

منظر اسلام بریلی شریف: ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

صدر الشریعہ علامہ ہدایت اللہ رامپوری اور محدث سورتی کے علمی کمالات سے بہرہ یاب ہوئے تھے محدو اسلام کے فیوض نے آپ کو علم وفضل کے ذروۂ کمال پر پہونچا دیا تھا۔ معقولات ہو یا

منقولات ہر علم وفن میں کامل دستگاہ حاصل تھی ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۶۷ھ تک آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور ہندوستان کی باوقار درسگاہوں میں مدرس اول اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر تشنگان علوم ومعارف کو سیراب کرتے رہے ملک کے طول وعرض سے طلبہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور استعداد کے مطابق اس مخزن علم وفن سے اپنا دامن بھر کر واپس آئے درس نظامی کی کتابیں تقریباً زبانی یاد تھیں صرف تفسیر وحدیث کی کتابیں تبرکاً سامنے رکھتے باقی تمام کتابوں کا درس زبانی دیا کرتے۔ طلبہ عبارت خوانی کرتے اور حضرت سبق سے متعلق مسائل کی تشریح وتوضیح اس انداز سے فرماتے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مقامات بھی طلبہ کے ذہن نشیں ہو جایا کرتے اور قیل وقال کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

حضور حافظ ملت تحریر فرماتے ہیں'' تبحر علمی کا یہ عالم کہ پورا درس نظامی مستحضر تھا جو کتاب سامنے آتی بے دریغ پڑھاتے کما حقہ پڑھاتے ایسی جامع تقریر فرماتے کہ تمام اعتراضات وشبہات رفع ہو جاتے اور مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا۔ علاوہ درسیات کے جو بھی کتاب لائی گئی کما حقہ پڑھایا۔ (صدر الشریعہ نمبر ص ۱۲)

علامہ عبد المصطفیٰ ازہری لکھتے ہیں'' حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ علم کے دریا اور فقہ کے سمندر تھے حدیث پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کو پورا عبور تھا۔ بدمذہبوں کے تمام اشکال اور اعتراض کے مسکت ومدلل مختصر جواب دینا آپ کی شان تھی۔ کبھی بھی طلبہ کے اعتراض پر برہم نہ ہوتے ہر اعتراض کا جواب دیتے اور طلبہ کو اطمینان ہو جاتا۔ (صدر الشریعہ نمبر ص ۳۵)

صدر الشریعہ درسیات پر کامل عبور رکھنے کے ساتھ تعلیمی نفسیات، ملکۂ افہام وتفہیم کے ماہر تھے وہ تدریسی ذمہ داریوں کو فرض منصبی ہی نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر پورے اخلاص وانہماک کے ساتھ انجام دیتے۔ اوقات درس کے علاوہ بھی طلبہ کی علمی مشکلات حل فرماتے اور ان کی اس انداز سے تربیت فرماتے کہ تحصیل علم کا ذوق اور تحقیق وتفحص کا شعور پیدا ہو جاتا۔ حضرت صدر الشریعہ نے تنہا اتنے باکمال علماء پیدا کیے جس کی نظیر معاصرین میں مشکل ہی سے نظر آئے گی۔

صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے جو اپنے وقت کے متبحر عالم دین اور ریاست حیدرآباد کے ناظم امور مذہبی تھے ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء کے جلسہ تقسیم اسناد دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں میں تقریر فرماتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ کی علمی لیاقت اور تعلیمی صلاحیت کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا'' حضرات! آج کل مدارس بہت ہیں، مدرس بہت ہیں، طلبہ بہت

ہیں۔ میں ہندوستان کے مختلف مدارس میں پھرا اور دیکھا مگر واقعہ یہ ہے کہ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک پھر جایئے اور مدرس تلاش کیجئے۔ صحیح معنوں میں مدرس نہیں ملیں گے۔ میرا جو ذاتی تجربہ ہے وہ یہ کہ جس کو مدرس کہتے ہیں وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں۔ ان چار پانچ میں سے ایک مولوی محمد امجد علی صاحب ہیں۔ ان کے ہاتھ سے طلبہ کا فاضل ہونا اور اسناد پانا صاف بتا رہا ہے کہ ان میں ضرور استعداد ہے۔ نام کے مولوی نہیں ہیں۔ (روداد مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں)

صدر الشریعہ اپنے طلبہ کو درسیات میں باکمال بنانے کے ساتھ انہیں اخلاق کریمانہ اور اخلاص وایثار کے سانچے میں ڈھال دیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی بارگاہ سے فارغ ہونے والے افراد علم وعمل کا پیکر ہوا کرتے تھے صدر الشریعہ کے علمی فیوض سے مالا مال ہونے والوں کی تعداد کثیر ہے۔ چند اہم تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد علیہ الرحمہ م ۱۳۸۲ھ، حافظ ملت مولانا عبد العزیز علیہ الرحمہ م ۱۳۹۶ھ، شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ م ۱۳۹۷ھ، صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ م ۱۹۷۸ء، مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی، شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ عبد المصطفےٰ ازہری، امین شریعت مفتی رفاقت حسین کانپوری، خیر الاذکیا فخر العلماء علامہ غلام یزدانی اعظمی، شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین جونپوری، فخر المحدثین علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی، مولانا اسد الحق اندوری، مولانا محمد محسن فقیہ شافعی ممبئی، مولانا محمد مبین الدین امروہوی، مولانا محمد وقار الدین کراچی، مولانا اعجاز ولی کراچی، مولانا افضل الدین حیدر ورگ ایم پی، مولانا سید ظہیر احمد علی گڑھی، مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، مولانا تقدس علی خاں سندھ، مولانا سید آل مصطفےٰ صاحب علیہ الرحمہ ممبئی، مولانا حامد فقیہ ممبئی، مولانا محبوب رضا صاحب، مفتی خلیل احمد برکاتی، مفتی لطف اللہ صاحب۔

فقہ:۔

حضرت صدر الشریعہ یوں تو جملہ اسلامی علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے مگر فقہ اور حدیث میں آپ کو امتیازی شان حاصل تھی، قدرت نے ذہانت، طباعی اور جزئیات رسی کی جو قوت ودیعت کی تھی اس سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا پھر دنیائے اسلام میں اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ ومفتی کی نگاہ کیمیا ساز نے آپ کے فقہی جوہر کو خوب چمکا دیا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ

اپنے مربی و مرشد کے بعد فقہی بصیرت اور تفقہ میں اپنا کوئی ہمسر نہ رکھتے تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ فقہی مسائل کے حافظ تھے بلکہ اس علم کے مصادر و ماخذ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ استنباط مسائل اور تخریج جزئیات کا بھی ملکہ رکھتے تھے۔

آپ کے فقہی کمال کے لیے یہی کافی ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا'' آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔ (الملفوظ اول ص ۹۳)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کی فقہی بصیرت اور قانونِ شریعت میں تعمق و بالغ نظری کو مدنظر رکھتے ہوئے صدر الشریعہ کا خطاب عطا فرمایا اور پھر ۱۳۳۹ھ میں آپ کو پورے ہندوستان کا قاضی القضاۃ مقرر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا'' آج میں پورے ہندوستان کے لیے مولانا امجد علی کو قاضی شرع مقرر کرتا ہوں''

امام احمد رضا کے بعد عوام وخواص کے علاوہ بڑے بڑے علماء کو جب کسی فقہی مسئلہ میں کوئی پیچیدگی پیش آتی تو آپ ہی کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت مولانا سید ظہیر احمد تحریر فرماتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم فقہ اور علوم شرعیہ میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز فرمایا اور آپ نے دین و شریعت مصطفوی کی وہ خدمت کی جو دوسروں کا مقسوم نہ تھی۔ کتب فقیہ پر آپ کا مطالعہ نہایت درجہ وسیع تھا۔ نہ صرف فقہ بلکہ احادیث مبارکہ پر بھی آپ کی نظر وسیع تھی۔ قرآن کریم کی آیات احکام اور دیگر آیات اور ان کے مفاہیم و استنباط پر بھی اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ (صدر الشریعہ حیات وخدمات ص ۷۱)

بہار شریعت:۔

صدر الشریعہ کے فقہی کمال کی شاہد عدل ان کی مشہور زمانہ اور مقبول عام کتاب بہار شریعت ہے جو سترہ حصوں پر فقہ اسلامی کے جزئیات کا معتبر اور مستند انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کے اندر قانون اسلامی کے ہر شعبہ کے متعلق فقہائے احناف کے مفتی بہ مسائل کو جمع کیا گیا ہے، اعتقادیات، عبادات، معاملات، اخلاق و آداب فقہ کے جملہ ابواب کا یہ کتاب احاطہ کرتی ہے۔ علم فقہ کے ۳۸۱ رعنوانات کے تحت آپ نے تقریباً ۹۹۹۳ رجزئیات ذکر کیے۔ یہ تقریباً دس ہزار مسائل آپ نے ۲۵ ر معتبر و مستند کتب فقہیہ کے حوالوں سے بیان فرمائے۔

اس کتاب کے اندر ضرورت اور حالات کے مطابق تمام ضروری مسائل نہایت ہی سادہ عام فہم زبان اور سہل اسلوب میں ذکر کیے ہیں۔ پڑھنے والا عبارت کی پیچیدگی سے دوچار

ہوئے بغیر مسئلہ کو ذہن نشین کر لیتا ہے۔ ہر عنوان کے ذیل میں موضوع کی مناسبت سے پہلے آیات کریمہ پھر احادیث نبویہ تحریر فرماتے ہیں۔ بعدہ تمام مسائل کو حسن ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ افادۂ عام کے لحاظ سے اردو زبان میں فقہی مسائل پر ایسی جامع و مستند کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے بہار شریعت حصہ دوم پر اپنے تاثرات ان الفاظ میں تحریر فرمائے۔

”بحمد اللہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی و اغلاط کے مصنوع و ملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔ مولیٰ عزوجل مصنف کی عمر و عمل فیض میں برکت دے اور عقائد سے ضروری فروع تک ہر باب میں اس کتاب کے اور حصص کافی و شافی و وافی و صافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور انہیں اہل سنت میں شائع و معمول اور دنیا و آخرت میں نافع و مقبول فرمائے آمین۔ (بہار شریعت حصہ دوم ص ۱۱۶)

فتاویٰ امجدیہ:۔

بہار شریعت کے علاوہ فتاویٰ امجدیہ کی چار ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں شامل فتوؤں کی ابتداء ۷؍ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ سے ہوتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مجموعۂ فتاوی صدر الشریعہ کے تمام فتوؤں کا احاطہ نہیں کرتا۔ ۱۳۴۰ھ سے پہلے کے فتاوے دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے یہ تمام فتوے اگر محفوظ رہتے تو بات ہی کچھ اور ہوتی۔

فتاویٰ امجدیہ کے اندر کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الفرائض تک تقریباً تمام فقہی ابواب و فصول سے متعلق سوالوں کے مدلل اور مستند تحقیقی جوابات مرقوم ہیں۔ دلائل و براہین کی ندرت اور استنباط مسائل کی قوت کے لحاظ سے اہل علم کے لیے یہ ایک نادر سرمایہ ہے۔

حدیث:۔

حضرت صدر الشریعہ نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد حدیث کی تکمیل کے لیے پیلی بھیت کا سفر کیا اور اس عہد کے شیخ المحدثین حضرت مولانا محدث سورتی کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر صحاح ستہ اور دوسری اہم کتب حدیث کا درس لیا اور حدیث و متعلقات حدیث میں کامل دستگاہ بہم پہونچائی حدیث کے الفاظ و معانی کی معرفت اور فن اسماء الرجال میں کمال پیدا کیا خارجی و داخلی نقد حدیث کے اصول اور راویان حدیث کی قوت و ضعف اور صحت و سقم کی معرفت حاصل کی فاضل

احادیث کے جامع بن گئے۔

صدر الشریعہ نے ہندوستان کی عظیم درسگاہوں میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے صحاح ستہ اور علوم حدیث کے متعلق اہم کتابوں کا درس جس شان کے ساتھ دیا محتاج بیان نہیں۔ درخت کو جس طرح پھل سے پہچانا جاتا ہے صدر الشریعہ کی عظمت علم کو ان کے تلامذہ سے پہچانا جاسکتا ہے آپ نے مقتدر علماء وفضلاء کی ایسی جماعت پیدا کی جنہوں نے ہندو بیرون ہند میں مسند درس حدیث کو زینت بخشی اور آج ان کے تلامذہ کے تلامذہ تعلیم حدیث کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں آج ہندو پاک کی بیشتر درسگاہیں صدر الشریعہ کے علمی خانوادہ کے افراد سے آباد ہیں۔

حاشیہ طحاوی شریف:۔

امام ابو جعفر طحاوی م ۳۲۱ھ جو اپنے وقت کے جلیل القدر محدث ومصنف تھے ان کی شہرۂ آفاق کتاب شرح معانی الآثار ہے جسے عام طور پر طحاوی شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب سے پہلے صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث معرض وجود میں آچکی تھیں۔ مگر ان کے مصنفین حنفی کتب فقہ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اختلافی مسائل میں احناف کی مستدل روایتوں کو عموماً ذکر نہیں کیا ہے اور اگر ذکر بھی کیا تو اسے مرجوح اور ضعیف قرار دیا۔ ان حالات میں امام طحاوی نے ابواب فقہ پر حنفی مسلک کی تائید وتوثیق میں احادیث کریمہ کا یہ مجموعہ مرتب فرمایا اور غیر حنفی فقہاء کے دلائل کا ضعف واضح کیا اس کے اندر وجوہ استنباط اور معارضات کی شکلیں بیان کیں اور ناسخ ومنسوخ میں امتیاز کیا ہے۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے دادوں ضلع علی گڑھ کے دوران قیام محرم ۱۳۶۲ھ میں اپنے تلامذہ کے اصرار پر طحاوی شریف کے تحشیہ کا کام شروع کیا جو شعبان تک صرف چند ماہ جاری رہا۔ اس قلیل مدت میں جلد اول کے نصف اول کا حاشیہ تحریر کیا جاسکا جو پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کام کے لیے عشاء کے بعد دو تین گھنٹے مقرر تھے۔

امام طحاوی کی ذکر کردہ احادیث کے بارے میں کچھ لوگوں کا فاسد گمان ہے کہ وہ مرجوح اور موضوع ہیں۔ صدر الشریعہ نے اس الزام کی دلائل سے تردید فرمائی اور ان احادیث کی تخریج دوسری کتابوں سے بھی کی۔ مزید براں اقتباس ذیل حاشیہ طحاوی کی خصوصیات کو واضح کرتا ہے۔

" (۱) ہر باب کے عنوان کی وضاحت (۲) طحاوی شریف میں مذکور احادیث کے رواۃ کے حالات کا بیان (۳) امام طحاوی کی بیان کردہ احادیث کی تقویت وتائید کے لیے دوسرے محدثین

کی تخریج کا بیان (۴) کسی مضمون کی حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہونے کی صورت میں کتاب کے حوالے کے ساتھ سلسلۂ سند کا تفصیلی بیان (۵) الفاظ حدیث کی توضیح وتشریح (۶) حدیث سے مستنبط احکام ونکات واشارات کا ذکر (۷) صحابہ یا تابعین یا ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلافی مسائل کی صورت میں امام طحاوی کے اشارے کی تصریح (۸) احادیث متعارضہ کا تعارض دفع کرنے کی صورتوں کی تعیین (۹) روایت کے ساتھ ساتھ درایت اور قیاس شرعی سے مسئلہ دائرہ کی تحقیق (۱۰) امثال ونظائر سے مسئلہ کی توضیح (۱۱) مخالفین کے اعتراض واستدلال کا ذکر پھر دلائل کی روشنی میں اعتراض کا دفعیہ اور استدلال کی تردید (۱۲) توضیح وتنقیح اور طویل گفتگو سے گریز (۱۳) حدیث سے مسلک احناف کی تائید اور اپنی ذاتی تحقیق کا بیان (۱۴) راویان حدیث کی عدالت اور عدل وضبط سے متعلق ناقدین حدیث کے اقوال کا ذکر (مختصر سوانح صدرالشریعہ ص ۷۰)

یہ حاشیہ علم حدیث کے تمام شعبوں پر حاوی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدرالشریعہ فقیہ اعظم ہونے کے ساتھ اپنے وقت کے محدث اعظم بھی تھے۔ حدیث ومتعلقات حدیث میں کامل بصیرت رکھتے تھے۔ صدرالشریعہ نے بہارشریعت کے ابواب وفصول میں ۲۲۳۰/احادیث ذکر کی ہیں اگر ان سب کو فقہی ابواب پر مرتب کردیا جائے تو ایک ضخیم وقیع، مستند اور معتبر مجموعۂ حدیث تیار ہوجائے۔ مولانا ابوالحسن مصباحی ''بہار حدیث'' کے نام سے یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ طحاوی شریف کی شرح میں آپ نے کثیر احادیث کا استخراج فرمایا جو سنن وآثار نبویہ میں آپ کے درک وکمال کی واضح دلیل ہے۔

تصنیف وتالیف:۔

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا مبارک شغل بھی جاری رکھا۔ فقہی استفسارات کے جوابات کے علاوہ مستقل تصانیف بھی یادگار چھوڑیں، آپ کی تحریریں ایجاز واختصار کے ساتھ مسئلہ وموضوع کے تمام جزئیات کا احاطہ کرتی ہیں۔ پیرایہ بیان سادہ اور اسلوب نگارش دل نشیں ہوتا ہے۔ غیر ضروری تفصیل وتطویل سے اجتناب کرتے ہیں اور زیر بحث موضوع پر نقلی وعقلی دلائل کی روشنی میں سیر حاصل بحث کرتے ہیں جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں موضوع کا حق ادا کردیتے ہیں۔ آپ کی گرانقدر مصنفات حسب ذیل ہیں (۱) بہارشریعت سترہ حصے (۲) فتاویٰ امجدیہ چار جلدیں (۳) حاشیہ طحاوی شریف عربی (۴) قامع الواہیات من جامع

مکارم اخلاق:۔

حضرت صدر الشریعہ نے فضل الٰہی سے علوم اسلام کی دولت لازوال اپنے دامن میں سمیٹی تھی جس سے زندگی کے آخری لمحات تک خلق خدا کو فائدہ پہونچاتے رہے۔ یہ خدمت علم بجائے خود بلندی کردار کا ثبوت ہے پھر آپ نے پوری زندگی قانون شریعت کے مطابق اتباع واطاعت رسول میں بسر کی۔ آپ کا ہر ہر قدم سنت رسول کی پیروی میں اٹھتا۔ فرائض وواجبات بلکہ سنن ومستحبات بھی پوری پابندی کے ساتھ ادا فرماتے۔ آپ کے نظام الاوقات میں عبادت وطاعات درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ وارشاد وغیرہ کار خیر کے علاوہ کسی اور شغل کے لیے فرصت نہ تھی۔ ہمیشہ منہیات ومنکرات سے اجتناب آپ کا معمول تھا حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ’’دس سال تک حضرت کی کفش برداری میں رہا پوری مدت میں آپ کو متبع سنت پایا۔ (صدر الشریعہ نمبر ص ۱۳)

شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ آپ کے فضائل اخلاق کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں ’’اس علمی کمال کے ساتھ (۱) آپ عمل صالح اور خلوص کے بھی حامل تھے آپ کی عبادت وزہد وتقویٰ بلکہ آپ کا ہر کام خلوص سے ہوتا تھا۔ اس لیے آپ کا کلام پرتاثیر ہوتا تھا (۲) آپ کی دعا ومناجات سے رقت قلبی کا پتہ چلتا تھا (۳) آپ مستجاب الدعوات بھی تھے (۴) آپ صابر ومتحمل المزاج بھی تھی عفو ودرگذر آپ کا طریقہ کار تھا (۵) آپ کا غصہ بے محل نہ ہوتا دینی نقصان کے پیش نظر آپ اظہار ناراضگی فرماتے (۶) احقاق حق وابطال باطل آپ کا شیوہ تھا (۷) غیبت وچغلی اور نفسانی عداوت سے آپ کو نفرت تھی (۸) کینہ بغض وحسد سے آپ پاک وصاف تھے نہ کسی مخالف کی ترقی سے آپ کو رنج ہوتا نہ اس کی مصیبت سے خوشی (۹) بہترین سیرت بلند اخلاق تہذیب وشائستگی کے پیکر تھے (۱۰) آرام طلبی وعیش پرستی سے آپ کو نفرت تھی (۱۱) مسکین پرور بیکس نواز تھے (۱۲) صادق القول وعدہ وفا تھے (۱۳) حرص وآز، تکبر وغرور سے بری تھی (۱۴) ایک عالم باعمل اور صوفی کے لیے جو محاسن ہونے چاہئیں وہ آپ میں موجود تھے۔ (صدر الشریعہ نمبر ص ۱۴)

حب رسول آپ کی زندگی کا سرمایہ تھا جو مکارم اخلاق کا منبع اور سرچشمہ ہے عشق رسول کی بیکراں کشش ہی تھی جو مرض الموت میں بھی کشاں کشاں دیار حبیب کی طرف لے چلی اور اسی مقدس سفر میں تصور جاناں میں آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوئیں جو ایک شیدائے رسول کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے۔

وفات:۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دوسری بار حج وزیارت حرمین کے لیے ۲۶/شوال ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء کو اپنے وطن سے روانہ ہوئے روانگی کے وقت ہی طبیعت علیل تھی۔ بریلی پہونچے تو تخت بخار سے دوچار ہوئے۔ اسی عالم میں ممبئی پہونچے۔ نمونیہ کا حملہ ہوا۔ طبی امداد حاصل کی گئی مگر مریض عشق کو افاقہ نہ ہوا بالآخر ۲/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۹۴۸ء بروز دوشنبہ بوقت شب ۱۲/بج کر ۲۶/منٹ پر جان جاں آفریں کے حوالہ کی۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہونچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں

آیت کریمہ "ان المتقین فی جنت وعیون" سے آپ کی تاریخ وصال نکلتی ہے
جنازہ ممبئی سے گھوسی لایا گیا اور ہزاروں سوگواروں نے بادیدہ نم حافظ ملت علیہ الرحمہ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی اور اس پیکر علم وعمل کو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

(۹۸) ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۳ھ ۱۳۸۲ھ

اسم گرامی محمد ظفر الدین تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد ہے۔ کنیت ابوالبرکات سلسلۂ نسب یہ ہے ظفر الدین بن ملک عبدالرزاق بن ملک کرامت حسین بن ملک احمد علی بن ملک غلام قادر بن سعادت یار بن حمید بن ابن رضا بن محمد علی بن فتح اللہ بن غلام علی بن محمد معصوم بن محمد سعید الدین بن عرف سدن بن احمد اللہ بن تاتار بن بہاء الدین بن محمد اسماعیل بن الٰہ داد بن غلام محی الدین بن خطاب الملک بن علاء الدین بن داؤد بن ملک حضرت سید ابراہیم حسنی حسینی غزنوی۔ (دیباچہ حیات اعلیٰ حضرت)

سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

سید ابراہیم کے والد سید ابوبکر غزنی کے باشندہ تھے سید ابراہیم فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور شاہی فوج میں ملازم ہوئے رہتاس کی جنگ ۱۳/ذی الحجہ ۷۹۳ھ میں شہادت پائی۔ جن کا مقبرہ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر ہے۔ آپ کے اولاد واحفاد بہار نالندہ اور راجگیر کے علاقوں میں آباد ہوئے جن میں بڑے بڑے اہل علم ودانش افراد پیدا ہوئے ان کی تدریسی اور تصنیفی خدمات سے دین وشریعت کی خوب اشاعت ہوئی انہیں میں ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم العلوم و

مسلم الثبوت بھی تھے۔

حضرت ملک العلماء کی ولادت ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجرہ ضلع نالندہ بہار میں ہوئی۔

تحصیل علم:۔

جب عمر چار سال کی ہوئی حضرت شاہ چاند صاحب نے رسم بسم اللہ خوانی کرائی، ابتدائی تعلیم والد نے دی پھر قرآن شریف اور اردو فارسی کی کتابیں گھر ہی پر حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں پھر ۱۳۱۲ھ میں نانی ہال موضع بین گئے جہاں کئی سال رہ کر مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین اور رسالہ میر زاہد تک تعلیم پائی۔ مولوی شیخ محی الدین اشرف، مولوی شیخ بدرالدین اشرف مولوی مہدی حسن، مولوی فخرالدین حیدر مولوی محمد منعم، مولوی معین اظہر سے تعلیم پائی۔ عربی کی اکثر و بیشتر کتابیں مولوی محمد ابراہیم سے پڑھیں، فطری ذہانت اور تحصیل علم میں جدوجہد کی بنا پر اساتذہ کی توجہ اور شفقت وعنایت کا مرکز بنے رہے۔ ۲۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ کو حضرت ملک العلماء عظیم آباد پٹنہ کے مشہور مدرسہ حنفیہ میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی م ۱۳۳۴ھ سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی پھر مدرسہ امداد العلوم کانپور میں داخلہ لیا وہاں مدرسہ احسن المدارس اور دار العلوم کانپور کے اساتذہ سے بھی درس لیا اور مولانا احمد حسن کانپوری م ۱۳۲۲ھ سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا عبیداللہ پنجابی م ۱۳۴۳ھ سے ہدایہ آخرین پڑھی، پھر کانپور سے پیلی بھیت آگئے جہاں حضرت محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث میں داخلہ لے کر حدیث کا درس لیا وہاں سے بریلی شریف پہونچے پہلے تو مدرسہ مصباح التہذیب میں داخلہ لیا پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونا چاہتے تھے مگر اعلیٰ حضرت افتا اور تصنیفی ذمہ داریوں میں معروف رہتے آپ کے نظام الاوقات میں تدریس کے لیے وقت نہ تھا اور نہ کوئی مدرسہ ہی تھا پھر مولانا حسن رضا بریلوی اور سید محمد امیر اللہ کی کوششوں سے ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء کو مدرسہ منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی میں قائم ہوا اور اس مدرسہ کا افتتاح دو طالب علموں مولانا ظفر الدین بہاری صاحب اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی سے ہوا۔ حضرت مولانا نے اعلیٰ حضرت سے صحیح بخاری شریف کا درس لینا اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی مدرسہ نے جب ترقی کی اور ممتاز اساتذہ کی خدمات

حاصل کی گئیں تو مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری، مولانا بشیر احمد علی گڈھی سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دوسری کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ ملک العلماء نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری اقلیدس کے چھ رسالے تصریح، تشریح الافلاک شرح چغمینی تمام کر کے علم ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر و تکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے تصوف کی کتابوں میں عوارف المعارف اور رسالۂ قشیریہ کا بھی درس لیا، شعبان ۱۳۲۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور اکابر علماء کے مجمع میں حضرت مخدوم شاہ التفات احمد رودولوی علیہ الرحمہ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند فراغت عطا کی۔ امام احمد رضا نے اسی سال آپ کو اپنے سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ملک العلماء فاضل بہاری کے خطاب سے نوازا۔

تدریسی زندگی:۔

فراغت کے بعد سب سے پہلے دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی اور تقریر ووعظ کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ چار سال کے بعد دین حق کی حمایت ونصرت کے لیے شملہ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ میں مسلسل ۸؍ سال اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہنے کے بعد شملہ پہونچے۔ ۱۳۳۰ھ میں مدرسہ حنفیہ آرا بہار آئے ایک سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جامعہ شمس الہدیٰ میں حدیث کے استاذ مقرر ہوئے اور بعد میں فقہ وتفسیر کے شعبے بھی آپ سے متعلق ہوئے اور مدرس اول کے منصب سے سرفراز کیے گئے۔ پٹنہ میں تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی شغل جاری رہا اور علم توقیت میں ''توضیح التوقیت'' کی تکمیل یہیں ہوئی اس کے علاوہ دوسری کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ ۱۳۳۲ھ میں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے مدرسہ کی صدارت کے لیے سہسرام تشریف لے گئے جہاں کافی عرصہ تک قیام رہا۔ ۱۹۲۱ء/۱۳۳۹ھ میں دوبارہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تشریف لائے اور ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۸ء میں پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۲؍ نومبر ۱۹۴۹ء سے رخصت لے لی اور ۱۹۵۰ء میں اس عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ چند سال ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ میں آرام فرمانے کے بعد جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار ۱۳۷۱ھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ میں علالت کی وجہ سے پٹنہ آگئے۔ ۱۹؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء کو شب دوشنبہ پٹنہ میں وصال فرمایا۔

تلامذہ:۔

حضرت ملک العلماء نے فراغت کے بعد اپنی زندگی کا بیشتر زمانہ درس وتدریس میں بسر

کیا اور ملک کی مشہور و موقر درسگاہوں میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے فائز رہے بلاشبہ ان کے تلامذہ کی تعداد حد و حساب سے باہر ہے۔ باضابطہ درس لینے والے تلامذہ کے علاوہ ایسے مشاہیر علماء بھی ہیں جنہوں نے بعض مخصوص علم و فن میں آپ سے کسب فیض کیا۔ جن میں مفتی محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ، حاجی محمد ظہور مرادآباد، مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، مولانا نظام الدین بلیاوی، مولانا یحییٰ بلیاوی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو، مولانا محمد شہاب الدین اشرفی، مولانا غلام مجتبیٰ اشرفی، مولانا خواجہ مظفر حسین، قابل ذکر تلامذہ ہیں۔ افسوس کہ آپ کے دیگر اہم تلامذہ کی فہرست دستیاب نہ ہو سکی۔

علم و فضل:۔

حضرت ملک العلماء نے اپنی خداداد صلاحیت اور ذوق علم کی بدولت بڑے بڑے علماء و فضلاء سے اسلامی علوم و فنون کا درس لیا اور وہ بجا طور پر اپنے معاصرین میں ملک العلماء تھے حدیث و فقہ، تفسیر و کلام کے علاوہ وہ علم ہیئت و توقیت میں بھی یگانۂ عصر تھے۔ ملک العلماء بالغ نظر عالم جلیل القدر محدث عظیم فقیہ بے مثال مدرس لاجواب مناظر، بلند پایہ مصنف اور دل نشیں و موثر خطیب و واعظ تھے آپ کی علمی جلالت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ عالمانہ عظمت، دقت نظر اور پر خلوص علمی و دینی مساعی جمیلہ کی بدولت اپنے سب سے محترم استاذ اور شیخ طریقت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جو مقام و مرتبہ رکھتے تھے اس کا اندازہ اعلیٰ حضرت کے مکاتیب سے ہوسکتا ہے جو اپنے عزیز شاگرد کو لکھے ہیں ان میں کبھی ولدی الاعز، حبیبی و ولدی و قرۃ عینی، کبھی برادر دینی و یقینی، کبھی ولدی اعزک اللہ فی الدین والدنیا لکھ کر خطاب فرمائے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو ۵ر شعبان ۱۳۲۸ھ کو تحریر کیا۔

”مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند

بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات اصحاب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے انہوں نے بقدر، کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔

فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے۔

(مکاتیب بنام ملک العلماء قلمی)

تصانیف:۔

ملک العلماء نے امام احمد رضا کی بارگاہ علم سے فیض پایا تھا اور آپ کی علمی میراث کے معتبر وارث تھے جس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تصنیف و تالیف کو اپنا محبوب مشغلہ بنایا تھا جاں نثار شاگرد نے بھی دوسری مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف سے ساری عمر واسطہ رکھا اور زندگی کے آخری دنوں تک انہوں نے تصنیف و تالیف کے شغل کو جاری رکھا۔ آپ نے ستر سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائی جو موضوع کے لحاظ سے متنوع ہیں اور اہمیت و افادیت کے اعتبار سے عظیم علمی سرمایہ ہیں جن میں سے بعض طبع ہوئیں اور بعض قلمی ہیں۔

شرح کتاب الشفاء، التعلیق علی القدوری، التعلیق علی شروح المغنی، خیر السلوک، تقریب، تذہیب، وافیہ، بدر الاسلام، موذن الاوقات، تحفۃ الاحباب، القصر المبنی، ہادی الہداۃ، توضیح الافلاک، الافادات الرضویۃ، جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری، نافع البشر، تنویر السراج، الانوار الامعۃ، الفوائد التامہ، مولود رضوی، تحفۃ العظماء، حیات اعلیٰ حضرت، مشرقی کا غلط مسلک، النور والضیاء، مکاتیب فاضل بہاری، الحسام المسلول، مواہب ارواح القدس، مبین الہدیٰ، اعلام الساجد، بسط الراحۃ، الفیض الرضوی، نجم الکرۃ، العمر اس، رفع الخلاف، نزول المکیہ، القول الاظہر، کشف السطور، نظم المبانی، تحفۃ الاحبار، الاکسیر، اعلام الاعلام، نہایت المنتہی، تسہیل الوصول، ظفر الدین الجید، شکست سفاہت، المجمل المعدد، الجواہر والیواقیت، جواہر البیان، گنجینۂ مناظرہ، عافیہ، سرور القلوب المحزون، دلچسپ مکالمہ، نصرۃ الاصحاب، مشرقی اور سمت قبلہ، سد الفرار لمہاجر بہار، چودھویں صدی کے مجدد، عید کا چاند، تنویر المصباح، ظفر الدین الطیب، اصلاح الایضاح، مجموعۂ فتاویٰ، التحقیق المبین، الطیب الاکسیر، ندوۃ العلماء، رسالہ جامع الاقوال۔ (ماخوذ از ملک العلماء ظفر الدین قادری حیات و تصانیف)

الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری:۔

یہ عظیم مجموعۂ احادیث جسے حضرت ملک العلماء نے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل تالیف کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جلد اول کتاب العقائد، جلد دوم کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، سوم کتاب الزکوٰۃ کتاب الحج کتاب الصوم، چہارم کتاب النکاح تا کتاب الوقف پنجم کتاب البیع تا کتاب الغصب، ششم کتاب الشفعۃ تا کتاب الفرائض، ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مرتب کرنے کا خیال تھا۔ سب سے پہلے جلد دوم جو طہارت وصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے آسانی کے لیے چار حصوں میں شائع کی گئی جن کے مجموعی صفحات نوسوساٹھ ہیں اور ان میں احادیث کی مجموعی تعداد نو ہزار دوسوستاسی ہے۔ پہلی جلد کا مقدمہ جو اصول حدیث کے مباحث پر مشتمل ہے جس میں مفید قیمتی علمی معلومات جمع کی گئی ہیں جن کا جاننا مطالعۂ حدیث کرنے والوں کے لیے ناگزیر ہے۔ صحیح البہاری کی تمام مجلدات شائع ہو جاتیں تو یہ احادیث نبوی کا بڑا ہی حسین مجموعہ ہوتا۔

حضرت ملک العلماء نے صحیح البہاری میں ان احادیث کے جمع کرنے کا التزام کیا ہے جو حنفی کتب فقہ کی موید اور مستدل ہیں۔ حدیث کی مشہور ومتداول کتابیں ان محدثین کرام کی ہیں جو حنفی نہ تھے انہوں نے بالعموم انہی احادیث کی تخریج کی جن سے ان کے مسلک فقہ کی تائید ہوتی ہے۔ حنفی مسلک کی تائید میں جو حدیثیں آتی ہیں ان پر وہ جرح ونقد وارد کرتے ہیں ایسی صورت میں غیر احناف بالخصوص غیر مقلدین یہ طعنہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کے مجتہدات اور ان کے فقہی مسلک کی بنیاد احادیث پر نہیں بلکہ قیاس اور رائے پر ہے حضرت ملک العلماء نے صحیح البہاری لکھ کر اس بے بنیاد الزام کی مدلل تردید فرمادی اور ثابت کردیا کہ احناف کا فقہی مکتب قرآن کے ساتھ احادیث رسول کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے یہ بڑا ہی روشن کارنامہ ہے جس نے فقہ حنفی پر اٹھنے والی آوازوں کو سرد کردیا۔ اس مجموعۂ حدیث نے ساری دنیا کے حنفی مسلمانوں کا سر اونچا کردیا ہے بلاشبہ حزب الاحناف پر ملک العلماء کا یہ عظیم احسان ہے یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد علمی حلقوں نے اسے سراہا اور ملک العلماء کی کاوش کو تحسین وآفرین کی نگاہوں سے دیکھا، مولانا حیدر شریف مہتمم مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن تحریر فرماتے ہیں۔

قد طالعت جزء ثانیا من جامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری من اوله الیٰ آخره اجمالا وجدته کتاباً انیقا جامعا لجمیع المسائل من الطھارۃ وجیزا فی علوم الحدیث علی منھج المشکوٰۃ والتیسیر مفید الطلبة الحنفیة لمشتاق

الحدیث النبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۳۵)

میں نے جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری کی جزء دوم اول سے آخر تک اجمالاً مطالعہ کی میں نے اسے کتاب انیق، طہارت کے تمام مسائل کا جامع پایا یہ مختصر ہے علوم حدیث میں مشکوٰۃ کی نہج پر اور ان طلبائے حنفی کے لیے مفید ہے جو حدیث نبوی کے مشتاق ہیں۔

مولانا سید شاہ محمد حبیب الحق قادری خانقاہ عمادیہ پٹنہ لکھتے ہیں۔ میں نے مخلص مولانا محمد ظفر الدین صاحب کی کتاب صحیح البہاری کو بہ نظر غور دیکھا اور کتاب کو نہایت مفید پایا عام طور سے حضرات اہل حدیث کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دار و مدار صرف حضرت امام اعظم یا ان کے چند شاگردوں کی رایوں پر ہے اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا اور واضح کر دیا کہ مسلک حنفی کا کوئی جزئیہ حدیث کے خلاف نہیں۔ (ایضاً)

مولانا سید شاہ عز الدین پھلواری سابق ادیب ندوۃ العلماء لکھنؤ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں مدتوں سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی ایسی جامع کتاب لکھی جائے جو حنفیہ کے فقہی مسائل کی حدیث سے تطبیق دے اسی ضرورت کو محسوس کر کے ذوالفضائل والنہیٰ حضرت مولانا محمد ظفر الدین صاحب نے ایک ضخیم کتاب جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری بڑی دیدہ ریزی اور عرق سوزی سے لکھنا شروع کی جس کی ترتیب ابواب فقہ پر قائم کی اور ہر مسئلہ کے نیچے اس کی دلیل حدیث سے پیش کی یہ کام اگرچہ بڑا مشکل تھا لیکن مولانا جیسے لوگوں کے لیے نہیں۔ (ایضاً)

مولانا علی اصغر جعفری اہل حدیث صدر مدرس اصلاح المسلمین پٹنہ کی رائے۔

جامع رضوی اخبار و آثار کا ایک جدید و مفید مجموعہ ہے جس کے جامع مولف مولانا ظفر الدین صاحب شمس الہدیٰ پٹنہ کے استاذ الحدیث ہیں۔ مولانا نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں مذہب حنفی کی ایک لازوال اور بے نظیر خدمت انجام دی ہے جو ہمیشہ انشاء اللہ باقی رہے گی ہزار گنا تحسین و آفرین مولانا کی ہمت و حوصلہ پر کہ علم دین کے اس دور کساد میں ایسے صبر آزما اور محنت طلب کام کا عزم کیا اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانہ میں ہوئی ہوتی جب دینی حکومت بر سر عروج اور مسلمانوں کا مذہبی و ملکی قانون فقہ اسلامی تھی کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا اگرچہ زمانہ کا رخ پلٹا ہوا ہے پھر بھی اہل نظر اور اہل تحقیق مولانا کی کاوش کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکیں گے اور جو لوگ جزئیات احکام شرعیہ کا سراغ سلف صالحین کے اعمال رسوم میں لگانا چاہتے ہیں ان کے حق میں اس جامع کا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں۔ (ایضاً)

علمیت روحانیت اور معرفت کا خزینہ

اصل عربی فارسی کتب کا مرکز

- **شرح فتوح الغیب** (فارسی)
  شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- **الحاوی قدسی**
  القاضی الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ
- **شرح المواقف** (عربی)
  السید شریف بن ابی محمد الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ
- **نصب الرایہ** (عربی)
  تخریج احادیث الھدایہ
- **مدارج النبوۃ** (فارسی)
  شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- **اخبار الاخیار مع مکتوبات** (فارسی)
  شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- **جذب القلوب فی دیار المحبوب** (فارسی)
  شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- **شرح سفر سعادت** (فارسی)
  شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- **المعتمد فی المعتقد**
  ابو عبداللہ فضل اللہ التورپشتی رحمۃ اللہ علیہ
- **المسامرہ شرح المسائرہ** (عربی)
  امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ
- **کیمیائے سعادت** (فارسی)
  امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
- **عینی شرح کنز** (عربی)
  علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ
- **نادرُ المعراج** (فارسی)
  شیخ العالم اکبرآبادی
- **معارج النبوۃ** (فارسی)
  علامہ معین الدین کاشفی الہروی رحمۃ اللہ علیہ
- **مثنوی مولوی معنوی** (فارسی)
  مولائے روم مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
- **کلیّات جامی** (فارسی)
  مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
- **سبع سنابل** (فارسی)
  علامہ عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
- **بہارِ باران۔ شرح گلستان**
  ملا غیاث الدین رامپوری رحمۃ اللہ علیہ
- **ہشت بہشت** (فارسی)
  دیوان امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ
- **تحفہ نصائح** (فارسی)

اردو کتب

- تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ
- فن شاعری اور حسان الہند
  عبدالستار ہمدانی مصروف برکاتی
- فیصلۂ مقدسہ
- سوانح شیر بیشہ سنّت
- الصوارم الہندیہ
- مکاشفۃ القلوب (اردو)
- شمع شبستان رضا
- سامان بخشش
- تجلیۃ السلم
- مجموعہ نعت (اوّل)(دوم)
- نعت محل
  اختر الحامدی رحمۃ اللہ علیہ
- منتخب حدیثیں
- ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
- نعتِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
- جماعت اسلامی
- ضرورت تقلید
- الوظیفۃ الکریمہ
  اور اردو وظائف اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- بُرا نہ کہو
  علامہ سعید احمد کانپوری
- کھرا کھری کا مباحثہ
- کرامات مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

دار النور دکان نمبر ۳ مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور

النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی
۲ گنج بخش روڈ بلال گنج لاہور پاکستان
0092-42-37247702, 0300-8539972, 0314-4979792

دار النور
اہل السنۃ و جماعۃ

PRINTEX 0300-4189945